فیوضاتُ الرضویہ

فی

تشریحات الہدایہ

فقہ حنفی کی عظیم معرکۃ الآراء کتاب
کی جامع و مستند اردو شرح

المعروف بہ

شرح ہدایہ

جلد 5

کتاب النکاح

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

شبیر برادرز

اردو بازار لاہور

خوشخبری

علماء اہلسنت کی کتب PDF میں
حاصل کرنے کیلیے
تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن
کریں

https://t.me/tehqiqat

گوگل سے ڈاؤن لوڈ کرنے لئے

https://
archive.org/details/
@zohaibhasanattari

طالب دعا زوہیب حسن عطاری

زوہیب حسن عطاری

مجلس خصوصی اسلامی بھائی

وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

فقہ حنفی کی عظیم معرکۃ الآرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الہدایہ

المعروف بہ

شرح ہدایہ

جلد پنجم

کتاب النکاح

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

استاذ الفقہ: جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور



شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

شرح ہدایہ

5

باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	اپریل 2012ء / جمادی الاول 1433ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹر لاہور
کمپوزنگ	ورڈز میکر
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزر 0322-7202212
قیمت	/- روپے



ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

مقدمه رضويه

الحمدُ لله الذى جعل العلماء ورثة الأنبياء ، وخلاصةَ الأولياء ، الذين يدعو لهم ملائكةُ السماء ، والسَّمَكُ فى الماء ، والطيرُ فى الهواء . والصلاةُ والسلامُ الأتمّان الأعمّان على زُبدةِ خُلاصة الموجودات، وعُمدة سُلالة المشهودات، فى الأصفياءِ الأزكياء ، وعلى آله الطيبينَ الأطهارِ الأتقياء ، وأصحابه الأبرار نجومِ الأقتداءِ والاهتداء .اما بعد فيقول العبد الضعيف الى حرم ربه البارى ،محمد لياقت على الحنفى الرضوى البريلوى غفرله والوالديه ، الساكن قرية سنتيكا من مضافات بهاولنگر .اعلم ان الفقه اساس من سائر العلوم الدينية وامور الدنياوية . احرر شرح الهدايه باسم "فيوضات الرضويه فى تشريحات الهدايه" بتوفق الله تعالى و بوسيلة النبى الكريم ﷺ

فقہ حنفی میں ظاہر الفاظ حدیث کی رعایت

فقہ حنفی کی اکثر کتابوں کی عربی عبارات جن کا ائمہ احناف نے قرآن وسنت سے استدلال کیا ہے۔ان کے الفاظ میں قرآن وحدیث کے الفاظ کی رعایت ہے۔جبکہ اس میں صاحب ہدایہ کا مقام سب سے منفرد و بلند ہے کہ انہوں نے کثیر مقامات پر احادیث نبوی ﷺ کے ظاہری الفاظ کی رعایت کی ہے۔ہم قارئین کے ذوق اور فقہ حنفی کی اس چھوتی خصوصیت کے پیش نظر چند امثلہ قارئین کیلئے ذکر کررہے ہیں۔

تمام احناف اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف اور مرسل حدیث رائے سے بہتر ہے،اس کے ہوتے ہوئے قیاس جائز نہیں،حدیث رسول ﷺ پر ان کی خاص توجہ ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ انھوں نے احادیث مرسلہ پر عمل کرنے کو رائے پر عمل کرنے سے مقدم رکھا ہے،یہ بات ابن قیم جوزی اور دوسرے علماء سے بھی منقول ہے۔
(اعلام الموقعین ،ابن قیم جوزی)

(۱) حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے نماز میں قہقہہ سے وضو کو ضروری قرار دیا ہے؛ حالانکہ اس بارے میں جو حدیث ہے وہ خبرِ واحد ہے،حدیث میں ہے کہ قہقہہ سے وضو اور نماز دونوں فاسد ہوتے ہیں؛ جب کہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وضوء نہ ٹوٹے ؛ کیونکہ قہقہہ میں نجاست کا خروج نہیں ہوتا کہ وہ ناقضِ وضو ہو؛لیکن احناف نے قیاس کو اس خبرِ واحد کی وجہ سے چھوڑ

دیا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"مَنْ كَانَ مِنْكُمْ قَهْقَهَ فَلْيُعِدِ الْوُضُوْءَ وَالصَّلَاةَ" ۔

(سنن دارقطنی، کتاب الطهارة، باب فِي مَارُوِيَ فِيمَنْ نَامَ قَاعِدًا وَقَائِمًا وَمُضْطَجِعًا وَمَايَلْزَمُ مِنَ الطَّهَارَةِ فِي ذَلِكَ ۔موقع وزارة الأوقاف المصرية)

جو شخص قہقہہ لگائے اس کو چاہیے کہ وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرے۔

چنانچہ علامہ شامیؒ نے قہقہہ کو نواقضِ وضو میں شمار کیا ہے، آپ تحریر کرتے ہیں":وقهقهة بالغ" ۔ (الدر المختار مع ردالمحتار) اور بالغ شخص کا قہقہہ لگانا۔

(۲) جب روزہ دار بھول کر کھا پی لے تو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا؛ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے

.مَنْ أَكَلَ أَوْشَرِبَ نَاسِيًا فَلَا يُفْطِرْ فَإِنَّمَا هُوَرِزْقٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ (سنن الترمذی، كِتَاب الصَّوْمِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،بَاب مَاجَاءَ فِي الصَّائِمِ يَأْكُلُ أَوْيَشْرَبُ نَاسِيًا، موقع الإسلام)

جو شخص بھول کر کھا پی لے وہ روزہ افطار نہ کرے اس لیے کہ یہ وہ رزق ہے جو اس کو اللہ نے کھلایا ہے۔

حدیثِ پاک میں روزہ کی حالت میں بھول کر کھانے پینے کو معاف قرار دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جب کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے؛ کیونکہ مفسدِ صوم چیز یعنی کھانا پینا پایا گیا؛ اگرچہ اس کا صدور بھول کر ہوا ہے، قیاس ہی کے مطابق امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؛ مگر امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے اس جگہ مذکورہ خبرِ واحد کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا۔

(۳) روزہ دار کا اپنی کوشش سے قے کرنا اور قیاس کی رو سے مفسدِ صوم نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں اخراج (قے کرنا) پایا جارہا ہے اور اندر داخل ہونا نہیں پایا جارہا ہے؛ جب کہ روزہ داخل ہونے والی چیزوں (مثلاً کھانا پینا وغیرہ) سے ٹوٹتا ہے، خارج ہونے والی چیزوں (مثلاً پیشاب پاخانہ) سے نہیں ٹوٹتا؛ لیکن حدیث میں صراحت ہے کہ اپنی کوشش و عمل سے قے کرنا روزہ کو توڑ دیتا ہے' چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"وَمَنْ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ " ۔(سنن الترمذی، كِتَاب الصَّوْمِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،بَاب مَاجَاءَ فِيمَنْ اسْتَقَاءَ عَمْدًا،،شامله، موقع الإسلام)

کہ جو شخص بطورِ ارادہ قے کرے وہ روزہ کی قضا کرے۔

اس حدیث کی بناء پر امام ابو حنیفہؒ نے رائے کو چھوڑ دیا اور خبرِ واحد پر عمل کیا۔

(۴) احناف کا کہنا ہے کہ اگر نماز کے دوران کسی مصلی کو حدث لاحق ہو جائے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ صف سے نکل کر کسی قریبی جگہ پر جہاں پانی میسر ہو، وضو کرے اور واپس آ کر سابقہ افعال پر بنا کرے؛ جب کہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جائز نہ ہو اس لیے کہ وضو کے لیے جانا اور آنا عملِ کثیر ہے اور دورانِ نماز عملِ کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، لیکن احناف نے حدیث کی وجہ سے اس قیاس کو چھوڑ دیا، حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ أَوْرُعَافٌ أَوْقَلَسٌ أَوْمَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ وَهُوَفِي ذَلِكَ لَايَتَكَلَّمُ " .(سنن ابنِ ماجه، كِتَاب إِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَالسُّنَّةِ فِيهَا، بَاب مَاجَاءَ فِي الْبِنَاءِ عَلَى الصَّلَاةِ،،شامله، موقع الإسلام)

جس شخص کو قے یا نکسیر یا متلی یا مذی دورانِ نماز نکل جائے تو وہ لوٹ کر از سرِ نو وضو کرے؛ پھر اسی نماز پر بنا کرے؛ درآں حالیکہ اس سے اس دوران بات چیت کا صدور نہ ہوا ہو۔

(۵) قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ نوم بلا تفریق ہر حال میں ناقضِ وضو ہو؛ جیسا کہ بے ہوش ہو جانا ہر حال میں ناقضِ وضو ہے؛ کیونکہ نقضِ وضو کی علت دونوں میں مشترک ہے؛ لیکن چونکہ نیند کے متعلق حدیث میں تفصیل آئی ہے کہ نماز میں قیام، قعود اور رکوع وسجود کی حالت میں کوئی سو جائے تو اس پر وضو لازم نہیں، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

"كَانَ يَسْجُدُ وَيَنَامُ وَيَنْفُخُ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي وَلَايَتَوَضَّأُ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ صَلَّيْتَ وَلَمْ تَتَوَضَّأْ وَقَدْ نِمْتَ فَقَالَ إِنَّمَاالْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا .(سنن ابو داود، كِتَاب الطَّهَارَةِ، بَاب فِي الْوُضُوءِ مِنَ النَّوْمِ،،شامله، موقع الإسلام)

رسول اللہ ﷺ پر حالتِ سجدہ میں نیند کا غلبہ ہوتا اور آپ لمبے لمبے سانس لیتے؛ پھر آپ کھڑے ہوتے اور نماز ادا کرتے اور وضو نہ فرماتے، میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا، آپ نے نماز ادا کی اور وضو نہیں کیا؛ درآنحالیکہ آپ سو گئے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا وضو اس شخص پر ہے جو لیٹ کر سو جائے۔

اس لیے ہر نیند کو ناقضِ وضو نہیں قرار دیا گیا اور حدیث پر عمل کرتے ہوئے قیاس کو چھوڑ دیا گیا، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں

"وَالْإِغْمَاءِ حَدَثٌ فِي الْأَحْوَالِ كُلِّهَا، وَهُوَالْقِيَاسُ فِي النَّوْمِ إلَّاأَنَّاعَرَفْنَاهُ بِالْأَثَرِ، وَالْإِغْمَاءُ فَوْقَهُ فَلَايُقَاسُ عَلَيْهِ"(هدايه)

بے ہوشی ہر حال میں ناقضِ وضو ہے اور نیند کی بابت بھی قیاس یہی ہے کہ (وہ ہر حال میں ناقضِ وضو ہو) مگر نیند (میں تفصیل) کو ہم نے حدیث سے معلوم کیا ہے اور اغماء نیند سے بڑھ کر بھی ہے؛ اس لیے نیند کو اغماء پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

(۶) اسی طرح اگر کنوئیں میں نجاست گر جائے تو از روئے قیاس اس میں دو صورتیں بنتی ہیں، ایک تو یہ کہ نجاست نکال دینے

کے باوجود بھی کنواں پاک نہ ہو؛ کیونکہ اس کی دیوار وغیرہ پر جو نجاست لگی ہے، اس سے پاکی ممکن نہیں، دوسری صورت یہ کہ کنوئیں کا پانی جاری پانی کے حکم میں ہو کہ کبھی ناپاک ہی نہ ہو؛ لیکن چونکہ کنوئیں کے بارے میں آثار صحابہؓ پائے جاتے ہیں، حضرت عطاء بیان کرتے ہیں۔

"أَنَّ حَبَشِيًّا وَقَعَ فِي زَمْزَمَ فَمَاتَ فَأَمَرَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَنُزِحَ مَاؤُهَا فَجَعَلَ الْمَاءُ لَايَنْقَطِعُ، فَنَظَرَ فَإِذَا عَيْنٌ تَجْرِي مِنْ قِبَلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ حَسْبُكُمْ" .(طحاوی،شرح معانی الآثار،شامله)

ایک حبشی بئر زمزم میں گر کر مر گیا، عبداللہ بن زبیرؓ نے کنوئیں کا پانی نکال دینے کا حکم دیا؛ چنانچہ کنوئیں کا پانی نکالا گیا؛ لیکن پانی برابر آتا رہا؛ پھر جب ابن زبیرؓ نے دیکھا کہ حجر اسود کی جانب سے ایک چشمہ بہہ رہا ہے تو آپ نے فرمایا: جتنا پانی نکال دیا ہے وہ کافی ہے۔اور حضرت میسرہ کی روایت ہے۔

"أَنَّ عَلِيًّا رضى الله عنه قَالَ فِي بِئْرٍ وَقَعَتْ فِيهَا فَأْرَةٌ فَمَاتَتْ .قَالَ يُنْزَحُ مَاؤُهَا" .

(طحاوی،شرح معانی الآثار،شامله)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے کنوئیں کے بارے میں جس میں چوہا گر کر مر گیا تھا، فرمایا کہ اس کا پانی نکالا جائیگا۔کنوئیں کے مسائل ان آثار پر مبنی ہیں اس لیے قیاس کو چھوڑ دیا گیا، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

"وَمَسَائِلُ الْآبَارِ مَبْنِيَّةٌ عَلَى اتِّبَاعِ الْآثَارِ دُونَ الْقِيَاسِ" . (هدايه)

اور کنوئیں کے تمام مسائل اتباعِ آثار پر مبنی ہیں نہ کہ قیاس پر۔

(۷) مسئلہ محاذات میں قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہو، جیسے عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی؛ کیونکہ محاذات کا تحقق دونوں سے ہوا ہے، ایک سے نہیں؛ لیکن چونکہ حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"لِيَلِيَنِّي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى" .(سنن الترمذی، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَاب مَاجَاءَ لِيَلِيَنِّي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى، شامله، موقع الإسلام)

مجھ سے قریب بالغ اور عقلمند لوگ کھڑے رہیں۔اس حدیث کی بناء پر قیاس کو چھوڑ دیا گیا ہے؛ چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

"وَإِنْ حَاذَتْهُ امْرَأَةٌ وَهُمَا مُشْتَرَكَانِ فِي صَلَاةٍ وَاحِدَةٍ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ إِنْ نَوَى الْإِمَامُ إِمَامَتَهَا وَالْقِيَاسُ أَنْ لَاتَفْسُدَ وَهُوَقَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ اعْتِبَارًا بِصَلَاتِهَا حَيْثُ

لَاتَفْسُدُ، وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ مَارَوَيْنَاهُ وَاَنَّهُ مِنَ الْمَشَاهِيرِ"(هدايه)

اگر کوئی عورت مرد کے برابر کھڑی ہوگئی، اس حال میں کہ دونوں ایک نماز میں مشترک ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت کر لی، قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مرد کی نماز فاسد نہ ہو اور یہی حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی ہے، عورت کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے کہ عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی، وجہ استحسان وہ حدیث ہے جو ہم روایت کر چکے ہیں جو کہ احادیث مشہورہ میں سے ہے۔

(۸) امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے اور مقتدی اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تو ان کی نماز ہو جائے گی، قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مقتدی کی نماز نہ ہو؛ کیونکہ اس صورت میں مقتدی کی حالت امام کی حالت سے قوی ہے؛ لیکن چونکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی، اس لیے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا، حدیث میں ہے:

"وَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ بِالنَّاسِ وَهُوَ جَالِسٌ" ۔

(صحيح بخاری، كِتَاب الْأَذَانِ، بَاب إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، موقع الإسلام)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ چنانچہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں۔

"وَيُصَلِّي الْقَائِمُ خَلْفَ الْقَاعِدِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ :لَايَجُوزُ، وَهُوَ الْقِيَاسُ لِقُوَّةِ حَالِ الْقَائِمِ وَنَحْنُ تَرَكْنَاهُ بِالنَّصِّ، وَهُوَ مَارُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى آخِرَ صَلَاتِهِ قَاعِدًا وَالْقَوْمُ خَلْفَهُ قِيَامٌ"(هدايه)

اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے، امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے؛ کیونکہ قائم کا حال قاعدہ سے قوی ہے؛ لیکن ہم نے قیاس کو حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا اور وہ حدیث یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھی، جب کہ صحابہ کرامؓ آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔

(۹) اعتکاف واجب کے لیے روزہ شرط ہے؛ اگر کسی نے روزے کے بغیر اعتکاف واجب کیا تو اس کا اعتکاف نہیں ہوگا، قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اعتکاف واجب میں روزہ کی شرط نہ لگائی جائے؛ جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے، کیونکہ روزہ مستقل عبادت ہے؛ اگر اسے دوسری عبادت کے لیے شرط قرار دیں تو لازم آئے گا کہ یہ مستقل عبادت نہ رہے؛ لیکن چونکہ حدیث میں ہے کہ روزہ کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

"لَااعْتِكَافَ إِلَّابِصِيَامٍ" ۔(سنن دارقطنی، الصيام، شامله، موقع الإسلام)

کہ روزہ کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا۔ اس لیے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا، صاحب ہدایہ تحریر کرتے ہیں۔

"وَالصَّوْمُ مِنْ شَرْطِهِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَالنِّيَّةُ شَرْطٌ فِي سَائِرِ الْعِبَادَاتِ، هُوَيَقُولُ: إِنَّ الصَّوْمَ عِبَادَةٌ وَهُوَأَصْلٌ بِنَفْسِهِ فَلَايَكُونُ شَرْطًا لِغَيْرِهِ. وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَااعْتِكَافَ إِلَّابِالصَّوْمِ) وَالْقِيَاسُ فِي مُقَابَلَةِ النَّصِّ الْمَنْقُولِ غَيْرُ مَقْبُولٍ". (ھدایہ)

روزہ اعتکاف واجب کی شرط ہے ہمارے نزدیک، بخلاف امام شافعی علیہ الرحمہ کے، وہ فرماتے ہیں کہ روزہ چونکہ مستقل خود ایک عبادت ہے، اس لئے کسی دوسری عبادت کی شرط نہیں بن سکتا، ہماری دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ہے کہ روزہ کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا اور منقول حدیث کے مقابلہ میں قیاس نہیں کیا جاتا۔

یہ چند مسائل ہیں جو نقل کیے گئے ہیں، ان جیسے سینکڑوں مسائل ہیں، جن میں قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا گیا ہے؛ لہٰذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احناف کے متعلق یہ بات بے پر کی اڑائی گئی ہے کہ احناف حدیث کو چھوڑ کر قیاس ورائے اور امام ابوحنیفہ" کے اقوال پر عمل کرتے ہیں: حالانکہ جس قدر حدیث پر احناف عمل کرتے ہیں کوئی اور نہیں کرتا، احناف کے یہاں حدیث موقوف بھی حجت ہے، حدیث مرسل بھی حجت ہے۔

فقہ حنفی کیلئے تقدیری فقہ ہونے کا امتیاز

فقہ حنفی کا ایک امتیاز فقہ تقدیری بھی ہے، فقہ تقدیری کا مطلب یہ ہے کہ مسائل کے پیش آنے سے پہلے ہی ممکن الوقوع مسائل کے حل کی طرف توجہ دی جائے، فقہاء حجاز جو عقلی امکانات کے تفحص اور قیل وقال سے دور اور سادہ طور پر مسائل کو سمجھنے اور رائے قائم کرنے کے خوگر تھے، وہ اس طرح کے مسائل کے احکام بتانے سے گریز کرتے تھے؛ لیکن فقہاء عراق جن کے یہاں دقیقہ سنجی، دور بینی، طلب وتفحص اور شریعت کی روح اور مقاصد میں غواصی کا رنگ غالب تھا "فقہ تقدیری" ان کے مزاج میں داخل تھی اور وہ اس پر مجبور بھی تھے کہ مشرق کے علاقہ میں نئی نئی قوموں اور علاقوں کے مملکت اسلامی میں شمولیت کی وجہ سے وہ نو پید مسائل سے بمقابلہ فقہاء حجاز کے زیادہ دوچار تھے، اسی لیے فقہاء احناف کے یہاں فقہ تقدیری کا حصہ زیادہ ہے اور افسوس کہ نصوص کے ظاہر پر جمود اور اس کے دقیق مطالعہ اور روح ومقصد تک رسائی سے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے بعض محدثین رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس ہنر کو عیب سمجھ لیا؛ حالانکہ خود حدیث میں موجود ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنۂ دجال کے ظہور اور اس زمانہ میں دن اور رات کے اوقات کی غیر معمولی وسعت کا ذکر فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے استفسار کیا کہ اس وقت نماز پنجگانہ کیوں کر ادا کی جا سکے گی (صحیح مسلم، حدیث نمبر:) غور کیجئے کہ یہ مسئلہ قبل از وقوع حل کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟۔

فقہ تقدیری کے بارے میں فقہاء عراق اور فقہاء حجاز کے نقطۂ نظر کا فرق اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے جسے خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے کہ حضرت قتادہ جب کوفہ تشریف لائے تو غائب شخص کی بیوی اور اس کے مہر کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور قتادہ

کے درمیان گفتگو ہوئی، قتادہ نے دریافت کیا کہ کیا کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے نفی میں جواب دیا، قتادہ نے کہا جب یہ واقعہ پیش نہیں آیا تو اس کے بارے میں دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے، امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم مسائل کے پیش آنے سے پہلے اس کی تیاری کرتے ہیں تاکہ مسائل جب پیش آجائیں تو ہم با آسانی اس سے عہدہ برآ ہوسکیں۔

"اِنَّا نَسْتَعِدُّ لِلْبَلَاءِ فَاِذَا مَا وَقَعَ عَرَفْنَا الدُّخُوْلَ فِيْهِ وَالْخُرُوْجَ مِنْهُ" ۔ (تاریخ بغدا، ذکر من اسمہ نعمان)

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فقہ حنفی کی مقبولیت اور اس کے شیوع کی اصل وجہ اس کی یہی خصوصیات ہیں یعنی توازن واعتدال، ضرورت انسانی کی رعایت، نصوص ومصالح کی باہم تطبیق، شریعت کی روح اور مقصد کی رعایت اور ظاہر پر جمود بے جا سے گریز، اقلیت کے ساتھ منصفانہ رویہ، شخصی آزادی کا احترام اور تقاضائے تمدن سے زیادہ مطابقت اور ہم آہنگی ہے اور بالخصوص ایک ترقی یافتہ تمدن کا ساتھ دینے کی صلاحیت ایسی بات ہے جس نے بجا طور پر خطہ مشرق کو جو بمقابلہ دوسرے علاقوں کے زیادہ متمدن اور تہذیب آشنا تھا، فقہ حنفی پر فریفتہ کردیا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ فقہاء احناف جو اس دار فنا سے رخصت ہوگئے ہیں ان کے درجات بلند فرمائے۔ اور ان کے بیان کردہ فقہی اصول وقواعد کو ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ان اصولوں پر فقہی جزئیات اور نت نئے پیدا ہونے والے مسائل کو صحیح طور پر انطباق کی ہمت عطا فرمائے۔

اور اس کے ساتھ میں یہ ضرور دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ دور حاضر کے مفتیان کرام کو اسلاف فقہاء کے نقش قدم پر چل کر فقہی جزئیات کو حل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور اللہ تعالیٰ ہمارے علماء وفقہاء کو نت نئے اٹھنے والے فتنوں اور گمراہ کن ئی بیخ کنی کی توفیق بخشے۔ کیونکہ منصب افتاء جس طرح نازک منصب ہے۔ اسی طرح یہ منصب خواص اہل علم فقہاء واہل اجتہاد کا منصب ہے۔ جبکہ دور حاضر میں ہمارے میڈیا کے ذریعے نام نہاد گمراہ سکالر بھی درجہ اجتہاد پر فائض ہونے کی جسارتیں کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان کی گمراہی اہل علم پر واضح ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری قوم اہل علم کی قدر وپہچان نصیب فرمائے۔ اور گمراہ کن عناصر کے شر محفوظ فرمائے۔ امین بجاہ النبی الکریم ﷺ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

محمد لیاقت علی رضوی
چک سنتیکا تحصیل وضلع بہاولنگر

کتاب النکاح

﴿یہ کتاب نکاح کے بیان میں ہے﴾

کتاب نکاح کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ محمد بن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔مصنف جب عبادات سے فارغ ہوئے ہیں تو انہوں نے معاملات کو شروع کیا ہے۔اور معاملات میں سب سے پہلے انہوں نے کتاب النکاح سے آغاز کیا ہے کیونکہ دین ودنیا کی بہت سے مصالح اس سے متعلق ہیں۔اور جو شخص نکاح سے اعراض کرے اس کیلئے وعید ذکر ہوئی ہے اور نکاح کی طرف رغبت میں آثار ذکر کیے گئے ہیں۔اور نکاح کا حکم بہ اتفاق احکام شرعیہ میں سے ہے۔اور نکاح کی طرف بلانے کا حکم شریعت، عقل اور طبیعت کی طرف سے منسلک ہے۔بہر حال دواعی شرعیہ کتاب وسنت اور اجماع ظاہر ہیں۔(عنایہ شرح الہدایہ،۴،ص،۳۱۴،بیروت)

نکاح کا فقہی مفہوم

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔نکاح کے لغوی معنی ہیں جمع کرنا لیکن اس لفظ کا اطلاق مجامعت کرنے اور عقد کے معنی پر بھی ہوتا ہے کیونکہ مجامعت اور عقد دونوں ہی میں جمع ہونا اور ملنا پایا جاتا ہے لہذا اصول فقہ میں نکاح کے یہی معنی یعنی جمع ہونا بمعنی مجامعت کرنا مراد لینا چاہئے بشرطیکہ ایسا کوئی قرینہ نہ ہو جو اس معنی کے خلاف دلالت کرتا ہو۔

علماء فقہ کی اصطلاح میں نکاح اس خاص عقد ومعاہدہ کو کہتے ہیں جو مرد وعورت کے درمیان ہوتا ہے اور جس سے دونوں کے درمیان زوجیت کا تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔نکاح کا لغوی معنی جمع کرنا اور ملانا ہے۔جیسے عربی کی ضرب المثل ہے

انکحنا الفری فسنری

یعنی ہم نے مذکر نیل گائے اور مؤنث نیل گائے کا ملاپ کرادیا ہے اور اب ہم دیکھیں گے کہ ان کے ہاں کیا پیدا ہوتا ہے۔یہ ضرب المثل ان لوگوں کے لئے بیان کی جاتی ہے جو کسی معاملے پر اکٹھے ہوجائیں اور انہیں یہ سمجھ نہ آرہا ہو کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟

لفظ ''نکاح''، وطی کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے' کیونکہ اس میں ''ملانے'' کا مفہوم پایا جاتا ہے۔البتہ مجازی طور پر یہ لفظ ''عقد'' کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔لفظ نکاح عقد کے معنی میں استعمال ہونے کی مثال قرآن میں یہ ہے:

''فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ'' (النساء:۲۵)

''یعنی تم ان خواتین کے گھر والوں کی اجازت سے ان کے ساتھ عقدِ نکاح کرو''۔لفظ نکاح کے وطی کے معنی میں استعمال ہونے کی مثال قرآن میں یہ ہے۔

حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ (النساء : ٦)

"یہاں تک کہ وہ لوگ نکاح (کی عمر) تک پہنچ جائیں"۔ یہاں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نکاح سے مراد وطی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "شرح اسبیجابی" میں یہ بات تحریر ہے۔ لغت میں نکاح کا مطلب مطلق جمع (اکٹھے کرنا) ہے۔ جبکہ شریعت میں مخصوص شرائط کے ہمراہ کیا جانے والا عقد "نکاح" کہلاتا ہے۔
(البنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۳، حقانیہ ملتان)

فخر الاسلام فرماتے ہیں: نکاح' شرعی عقد کو کہتے ہیں اور اس کے ذریعے وطی مراد لی جاتی ہے۔ زیادہ صحیح رائے یہ ہے: اس سے مراد حقیقت میں وطی ہوتی ہے' کیونکہ وطی کرنے میں ضم کرنے کا مفہوم حقیقت کے اعتبار سے پایا جاتا ہے' جبکہ مجازی طور پر اس سے مراد عقد ہوگا۔ نکاح سے مراد حقیقت میں عقد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ اس صورت میں لفظ نکاح کو وطی اور عقد دونوں معانی کے لیے مشترک ماننا پڑے گا' اور یہ بات اصل کے خلاف ہے۔

تعریف نکاح میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن جزیری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ فقہاء احناف میں بعض فقہاء نے کہا ہے کہ ایک شخص کو کسی کی ذات سے حصول نفع کا مالک بنا دینا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے وہ خاص شخص صرف مخصوص عضو سے نفع حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔
بعض فقہاء احناف نے یہ لکھا ہے کہ کسی شخص کو ملکہ متعہ کا مالک بنا دینا نکاح ہے۔ جبکہ بعض نے کہا ہے کہ نکاح صرف عضو خاص نہیں بلکہ جسم کے تمام اعضاء سے نفع حاصل کرنے کیلئے ہے۔
فقہاء شوافع میں بعض نے نکاح کی تعریف یوں کی ہے کہ نکاح ایک معاملہ ہے جس میں نکاح یا تزویج یا اس کے ہم معنی لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس سے مباشرت کی ملکیت حاصل ہو اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص لذت معلومہ سے نفع حاصل کرے۔
فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ نکاح ایک محض جنسی لذت کیلئے ایک معاملہ ہے جو حصول لذت سے پہلے گواہوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے۔ اور اس کام کی قیمت واجب الادا نہیں ہوتی۔
فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ نکاح منفعت استمتاع کیلئے ایک معاملہ ہے جس میں انکاح یا تزویج کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور استمتاع سے مراد فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ مرد کا خود نفع حاصل کرنا ہے۔ (مذاہب اربعہ، ج ۴، ص ۴، اوقاف پنجاب)

قرآن کی روشنی میں نکاح کی اہمیت کا بیان

(۱) وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ

وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا

(النساء ۳)

اوراگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو، دو اور تین، تین اور چار، چار پھر اگر ڈرو کہ دو بیبیوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔ (کنزالایمان)

(۲) وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَ اَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔(البقرہ، ۲۳۵)

اوراگر تم نے عورتوں کو بے چھوئے طلاق دے دی اوران کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا ٹھہرا تھا اس کا آدھا واجب ہے مگر یہ کہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں۔ یا وہ زیادہ دے۔ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اوراے مردو تمہارا زیادہ دینا پرہیز گاری سے نزدیک تر ہے اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کو بھلا نہ دو بیشک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

(۳) وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۔(النساء ۶)

اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے قابل ہوں تو اگر تم ان کی سمجھ ٹھیک دیکھو تو ان کے مال انہیں سپرد کر دو اورانہیں نہ کھاؤ حد سے بڑھ کر اوراس جلدی میں کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور جسے حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے اور جو حاجت مند ہو وہ بقدر مناسب کھائے پھر جب تم ان کے مال انہیں سپرد کرو تو ان پر گواہ کر لو اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو۔

احادیث کی روشنی میں نکاح کی اہمیت کا بیان

(۱) امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے اس کے دین اس کے مال اوراس کی خوبصورتی کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے لہذا تم دیندار عورت کو نکاح کے لیے اختیار کرو۔ پھر فرمایا کہ تمہارے دونوں ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔ اس باب میں عوف بن مالک، عائشہ، عبداللہ بن عمر، اور ابوسعید سے بھی روایت ہے کہ حدیث جابر حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث، ۱۰۷۶، مرفوع)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شادی کے لئے عورت کی چار باتیں دیکھی جاتی ہیں، مال، نسب، خوبصورتی، دین، تجھے دیندار کو حاصل کرنا چاہئے (اگر تو نہ مانے) تو تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں گے۔ (صحیح بخاری، ج ۳، رقم الحدیث ۸۲)

(۳) امام بخاری و مسلم اپنی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص مجامعت کے لوازمات (یعنی بیوی بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے) کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرلے کیونکہ نکاح کرنا نظر کو بہت چھپاتا ہے اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے (یعنی نکاح کرلینے سے اجنبی عورت کی طرف نظر مائل نہیں ہوتی اور انسان حرام کاری سے بچتا ہے) اور جو شخص جماع کے لوازمات کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنا اس کے لئے خصی کرنے کا فائدہ دے گا (یعنی جس طرح خصی ہوجانے سے جنسی ہیجان ختم ہوجاتا ہے اسی طرح روزہ رکھنے سے بھی جنسی ہیجان ختم ہوجاتا ہے (بخاری و مسلم)

اس خطاب عام کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانوں کو نکاح کی ترغیب دلاتے ہوئے نکاح کے دو بڑے فائدے ظاہر فرمائے ہیں ایک تو یہ کہ انسان نکاح کرنے سے اجنبی عورتوں کی طرف نظر بازی سے بچتا ہے اور دوسری طرف حرام کام سے محفوظ رہتا ہے۔

(۴) امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں انبیاء کی سنتوں میں سے ہیں، حیاء کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا، اور نکاح کرنا۔ اس باب میں حضرت عثمان، ثوبان، ابن مسعود، عائشہ، عبداللہ بن عمر، جابر، اور عکاف سے بھی روایت ہے حدیث ابی ایوب حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث ۱۰۸۰، مرفوع)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کا دین واخلاق تمہیں پسند ہو تو اس سے نکاح کرو اگر ایسا نہ کیا تو زمین میں فتنہ برپا ہوجائے گا اور بہت فساد ہوگا۔
(جامع ترمذی، رقم الحدیث ۱۰۸۴، مرفوع)

(۶) حضرت ابوحاتم مزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کرو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد ہوگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ وہ مفلس ہی کیوں نہ ہو۔ فرمایا اگر اس کی دینداری اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو اسی سے نکاح کرو۔ یہی الفاظ تین مرتبہ فرمائے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث ۱۰۸۵، مرفوع)

اہل فقہ کے نزدیک نکاح کی اہمیت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہوں۔

علامه حصکفی حنفی علیه الرحمه لکھتے هیں ۔لیس لنا عبادة شرعت من عهد آدم علیه السلام الی الآن ثم تستمر فی الجنة الا النکاح و الایمان (درمختار کتاب النکاح)

" کوئی عبادت ایسی نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک مشروع ہو اور جنت میں بھی باقی رہے سوائے نکاح اور ایمان کے "

نکاح کی شرعی حیثیت کا فقہی بیان:

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اعتدال کی حالت میں یعنی نہ شہوت کا بہت زیادہ غلبہ ہو نہ عنین (نامرد) ہو اور مہر ونفقہ پرقدرت بھی ہو تو نکاح سنت مؤکدہ ہے کہ نکاح نہ کرنے پر اڑا رہنا گناہ ہے اور اگر حرام سے بچنا یا اتباع سنت و تعمیل حکم یا اولاد حاصل ہونا مقصود ہے تو ثواب بھی پائے گا اور اگر محض لذت یا قضائے شہوت منظور ہو تو ثواب نہیں۔
شہوت کا غلبہ ہے کہ نکاح نہ کرے تو معاذ اللہ اندیشہ زنا ہے اور مہر ونفقہ کی قدرت رکھتا ہو تو نکاح واجب۔یونہی جبکہ اجنبی عورت کی طرف نگاہ اُٹھنے سے روک نہیں سکتا یا معاذ اللہ ہاتھ سے کام لینا پڑے گا۔تو نکاح واجب ہے۔یہ یقین ہو کہ نکاح نہ کرنے میں زنا واقع ہو جائے گا تو فرض ہے کہ نکاح کرے۔اگر یہ اندیشہ ہے کہ نکاح کریگا تو نان نفقہ نہ دے سکے گا یا جو ضروری باتیں ہیں ان کو پورا نہ کر سکے گا تو مکروہ ہے اور ان باتوں کا یقین ہو تو نکاح کرنا حرام مگر نکاح بہر حال ہو جائے گا۔نکاح اور اُس کے حقوق ادا کرنے میں اور اولاد کی تربیت میں مشغول رہنا،نوافل میں مشغولی سے بہتر ہے۔(درمختار، کتاب النکاح)

نکاح کی فقہی حیثیت کا بیان

1- حنفی مسلک کے مطابق نکاح کرنا اس صورت میں فرض ہوتا ہے جب کہ جنسی ہیجان اس درجہ غالب ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو اور بیوی کے مہر پر اور اس کے نفقہ پر قدرت حاصل نہ ہو اور یہ خوف نہ ہو کہ بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بجائے اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کا برتاؤ ہوگا۔

2-نکاح کرنا اس صورت میں واجب ہو جاتا ہے جب کہ جنسی ہیجان کا غلبہ ہو مگر اس درجہ کا غلبہ نہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو، نیز مہر ونفقہ کی ادائیگی کی قدرت رکھتا ہو اور بیوی پر ظلم کرنے کا خوف نہ ہو۔اگر کسی شخص پر جنسی ہیجان کا غلبہ تو ہو مگر وہ مہر اور بیوی کے اخراجات کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر وہ نکاح نہ کرے تو اس پر گناہ نہیں ہوگا جب کہ مہر اور نفقہ پر قادر شخص جنسی ہیجان کی صورت میں نکاح نہ کرنے سے گناہ گار ہوتا ہے۔

3-اعتدال کی حالت میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے اعتدال کی حالت سے مراد یہ ہے کہ جنسی ہیجان کا غلبہ تو نہ ہو لیکن بیوی کے ساتھ مباشرت ومجامعت کی قدرت رکھتا ہو اور مہر ونفقہ کی ادائیگی پر بھی قادر ہو۔لہذا اس صورت میں نکاح نہ کرنیوالا گنہگار رہتا

ہے جب کہ زنا سے بچنے اور افزائش نسل کی نیت کے ساتھ نکاح کرنیوالا اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے۔

4- نکاح کرنا اس صورت میں مکروہ ہے جب کہ بیوی پر ظلم کرنے کا خوف ہو یعنی اگر کسی شخص کو اس بات کا خوف ہو کہ میر مزاج چونکہ بہت برا اور سخت ہے اس لئے میں بیوی پر ظلم وزیادتی کروں گا تو ایسی صورت میں نکاح کرنا مکروہ ہے

5- نکاح کرنا اس صورت میں حرام ہے جبکہ بیوی پر ظلم کرنے کا یقین ہو یعنی اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ میں اپنے مزاج کی سختی وتندی کی وجہ سے بیوی کے ساتھ اچھا سلوک قطعا نہیں کر سکتا بلکہ اس پر میری طرف سے ظلم ہونا بالکل یقینی چیز ہے تو ایسی صورت میں نکاح کرنا اس کے لئے حرام ہوگا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت نے نکاح کے بارے میں مختلف حالات کی رعایت رکھی ہے بعض صورتوں میں تو نکاح کرنا فرض ہو جاتا ہے بعض میں واجب اور بعض میں سنت مؤکدہ ہوتا ہے جب کہ بعض صورتوں میں نکاح کرنا مکروہ بھی ہوتا ہے اور بعض میں تو حرام ہو جاتا ہے لہذا ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اسی صورت کے مطابق عمل کرے جو اس کی حالت کے مطابق ہو۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: وہ شخص جو شادی کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور غیر شادی شدہ رہنے سے اسے اپنے نفس اور دین میں ضرر ونقصان کا اندیشہ ہو اور اس نقصان سے شادی کے بغیر بچنا ممکن نہ ہو تو ایسے شخص پر شادی کے وجوب میں کوئی بھی اختلاف نہیں ہے۔

اور مرداوی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب "الانصاف" میں کہا ہے کہ: جسے حرام کام میں پڑنے کا خدشہ ہو اس کے حق میں نکاح کرنا واجب ہے اس میں ایک ہی قول ہے کوئی دوسرا قول نہیں، اور یہاں پر عنت سے مراد زنا ہے اور صحیح بھی یہی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زنا سے ہلاکت میں پڑنے کو عنت کہتے ہیں۔

دوم: اس سے مراد ہے کہ اسے اپنے آپ کو محظور غلط کام میں پڑنے کا خدشہ ہو، جب اسے یہ علم ہو یا اس کا گمان ہو کہ وہ اس میں پڑ جائے گا۔ (الانصاف، کتاب النکاح، احکام النکاح)

ملت ابراہیمی میں نکاح کا طریقہ

اسلام سے پہلے اولاد اسماعیل اور ملت ابراہیمی میں نکاح کی یہ صورت تھی کہ مرد وعورت دونوں کے بڑے جمع ہو کر اپنے اپنے خاندانی فضائل پر روشنی ڈالتے تھے اور اس کے بعد مرد اور عورت کے درمیان ایک ساتھ زندگی گزارنے کا معاملہ طے پا جاتا تھا اور مہر کی ایک رقم یا کچھ سامان مرد کے ذمہ واجب کر دیا جاتا تھا، جو وہ ادا کر دیا کرتا تھا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی اس قدیم رسم اور قدیم طریقہ کو قائم رکھا، کیوں کہ وہ طریقہ فطری طور پر معاملات کے طے ہونے کا مناسب طریقہ تھا، البتہ آپ نے خاندانی فضائل بیان کرنے کی بجائے خدا تعالی کی تعریف وثنا کے ساتھ خطبہ دینے کا سلسلہ شروع کیا، موجودہ خطبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اسی تاریخی نکاح میں حضور علیہ السلام کی طرف سے بطور وکیل آپ کے چچا ابوطالب تھے اور حضرت خدیجہ کے وکیل ان کے چچا عمرو بن اسد تھے اور بیس اونٹ بطور مہر مقرر ہوئے تھے۔

اولاد اسماعیل پر جب تین سو سالہ جاہلیت کا عہد مسلط ہوا تو اس دور میں معاشرہ کے اندر کچھ خرابیاں پیدا ہوگئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خرابیوں کی اصلاح کر دی۔ آپ نے ایک طرف نکاح کی اہمیت قائم کی اور دوسری طرف نکاح کو آسان سے آسان تر کر دیا، تاکہ غریب سے غریب آدمی بھی بے نکاح نہ رہے، نکاح کے ذریعہ مرد و عورت کو جو کردار کی حفاظت حاصل ہوتی ہے اور نسل انسانی کے سلسلہ میں جو پاکیزگی اور اعتماد پیدا ہوتا ہے، وہ پیدا ہو جائے۔

زمانہ جاہلیت میں رائج شادی کے مختلف طریقے

شادی جو خاندانی زندگی کے قیام و تسلسل کا ادارہ ہے۔ اہل عرب کے ہاں اصول و ضوابط سے آزاد تھا جس میں عورت کی عزت وعظمت اور عفت و تکریم کا کوئی تصور کار فرما نہ تھا۔ اہل عرب میں شادی کے درج ذیل طریقے رائج تھے۔

(۱) زواج البعولۃ

یہ نکاح عرب میں بہت عام تھا۔ اس میں یہ تھا کہ مرد ایک یا بہت سی عورتوں کا مالک ہوتا۔ بعولت (خاوند ہونا) سے مراد مرد کا عورتیں جمع کرنا ہوتا تھا۔ اس میں عورت کی حیثیت عام مال ومتاع جیسی ہوتی۔

زواج البدل

بدلے کی شادی، اس سے مراد دو بیویوں کا آپس میں تبادلہ تھا۔ یعنی دو مرد اپنی اپنی بیویوں کو ایک دوسرے سے بدل لیتے اور اس کا نہ عورت کو علم ہوتا، نہ اس کے قبول کرنے، مہر یا ایجاب کی ضرورت ہوتی۔ بس دوسرے کی بیوی پسند آنے پر ایک مختصر سی مجلس میں یہ سب کچھ طے پا جاتا۔

نکاح متعہ

یہ نکاح بغیر خطبہ، تقریب اور گواہوں کے ہوتا۔ عورت اور مرد آپس میں کسی ایک مدت مقررہ تک ایک خاص مہر پر متفق ہو جاتے اور مدت مقررہ پوری ہوتے ہی نکاح خود بخود ختم ہو جاتا تھا طلاق کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی اور اس نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد ماں کی طرف منسوب ہوتی تھی باپ کا نام نہیں لیا جاتا تھا۔

نکاح الخدن

دوستی کی شادی، اس میں مرد کسی عورت کو اپنے گھر بغیر نکاح، خطبہ اور مہر کے رکھ لیتا اور اس سے ازدواجی تعلقات قائم کر لیتا اور بعد ازاں یہ تعلق باہمی رضامندی سے ختم ہو جاتا کسی قسم کی طلاق کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر اولاد پیدا ہو جاتی تو وہ ماں کی طرف منسوب ہوتی۔ یہ طریقہ آج کل مغربی معاشرے میں بھی رائج ہے۔

نکاح الضغینہ

جنگ کے بعد مال اور قیدی ہاتھ لگتے اور جاہلیت میں فاتح کے لیے مفتوح کی عورتیں، مال وغیرہ سب مباح تھا یہ عورتیں فاتح

کی ملکیت ہو جاتیں اور وہ چاہتا تو انہیں بیچ دیتا چاہتا تو یونہی چھوڑ دیتا اور چاہتا تو ان سے مباشرت کرتا یا کسی دوسرے شخص کو تحفہ میں دے دیتا۔ یوں ایک آزاد عورت غلام بن کر بک جاتی۔ اس نکاح میں کسی خطبہ، مہر یا ایجاب وقبول کی ضرورت نہ تھی۔

نکاح شغار

وٹے سٹے کی شادی۔ یہ وہ نکاح تھا کہ ایک شخص اپنی زیر سرپرستی رہنے والی لڑکی کا نکاح کسی شخص سے اس شرط پر کر دیتا کہ وہ اپنی کسی بیٹی، بہن وغیرہ کا نکاح اس سے کرائے گا۔ اس میں مہر بھی مقرر کرنا ضروری نہ تھا اسلام نے اس کی بھی ممانعت فرما دی۔

نکاح الاستبضاع

فائدہ اٹھانے کے لیے عورت مہیا کرنے کا نکاح۔ مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے خوبصورت مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے بھیج دیتا اور خود اس سے الگ رہتا تاکہ اس کی نسل خوبصورت پیدا ہو اور جب اس کو حمل ظاہر ہو جاتا تو وہ عورت پھر اپنے شوہر کے پاس آجاتی۔

اجتماعی نکاح

اجتماعی نکاح۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریبا دس آدمی ایک ہی عورت کے لیے جمع ہوتے اور ہر ایک اس سے مباشرت کرتا اور جب اس کے ہاں اولاد ہوتی تو وہ ان سب کو بلواتی اور وہ بغیر کسی پس وپیش کے آجاتے پھر وہ جسے چاہتی (پسند کرتی یا اچھا سمجھتی) اسے کہتی کہ یہ بچہ تیرا ہے اور اس شخص کو اس سے انکار کرنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔

نکاح البغایا

فاحشہ عورتوں سے تعلق، یہ بھی نکاح رہط سے ملتا جلتا ہے مگر اس میں دو فرق تھے، ایک تو یہ کہ اس میں دس سے زیادہ افراد بھی ہو سکتے تھے جبکہ نکاح رہط میں دس سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان مردوں سے بچہ منسوب کرنا عورت کا نہیں بلکہ مرد کا کام ہوتا تھا۔

مذکورہ طریقہ ہائے زواج سے ثابت اور واضح ہوتا ہے کہ عورت کی زمانہ جاہلیت میں حیثیت مال ومتاع کی طرح تھی اسے خریدا اور بیچا جاتا تھا۔(۱)، فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب النکاح، 185 .182 : 9(۲) بخاری، کتاب النکاح، 5 : 1970، رقم 4834 :(۳) ابوداود، السنن، کتاب الطلاق، 281 : 2، رقم 2272 :(۴) دارقطنی، السنن الکبریٰ، 7 : 110(۵) بیہقی، السنن الکبریٰ، 110 : 7(۶) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، 120 : 3(۷) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، 120 : 3)(اسلام میں خواتین کے حقوق)

نکاح کی اہمیت میں اخلاقی فوائد

نکاح یعنی شادی صرف دو افراد کا ایک سماجی بندھن، ایک شخصی ضرورت، ایک طبعی خواہش اور صرف ایک ذاتی معاملہ ہی نہیں

ہے بلکہ یہ معاشرہ انسانی کے وجود وبقاء کا ایک بنیادی ستون بھی ہے اور شرعی نقطۂ نظر سے ایک خاص اہمیت وفضیلت کا حامل بھی ہے۔ نکاح کی اہمیت اور اس کی بنیادی ضرورت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے شریعت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) تک کوئی ایسی شریعت نہیں گزری ہے جو نکاح سے خالی رہی ہو اسی لئے علما لکھتے ہیں کہ ایسی کوئی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک مشروع ہو اور جنت میں بھی باقی رہے سوائے نکاح اور ایمان کے چنانچہ ہر شریعت میں مرد وعورت کا اجتماع ایک خاص معاہدہ کے تحت مشروع رہا ہے اور بغیر اس معاہدہ کے مرد وعورت کا باہمی اجتماع کسی بھی شریعت ومذہب نے جائز قرار نہیں دیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس معاہدہ کی صورتیں مختلف رہی ہیں اور اس کے شرائط واحکام میں تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں اسلام نے جو شرائط مقرر کی ہیں جو احکام نافذ کئے ہیں اور جو قواعد وضوابط وضع کئے ہیں اس باب سے ان کی ابتداء ہو رہی ہے۔

نکاح کے فوائد وآفات کا بیان

نکاح کا جہاں سب سے بڑا عمومی فائدہ نسل انسانی کا بقاء اور باہم توالد وتناسل کا جاری رہنا ہے وہیں اسمیں کچھ مخصوص فائدے اور بھی ہیں جن کو پانچ نمبروں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

1- نکاح کر لینے سے ہیجان کم ہو جاتا ہے یہ جنسی ہیجان انسان کی اخلاقی زندگی کا ایک ہلاکت خیز مرحلہ ہوتا ہے جو اپنے سکون کی خاطر مذہب واخلاق ہی کی نہیں شرافت وانسانیت کی بھی ساری پابندیاں توڑ ڈالنے سے گریز نہیں کرتا، مگر جب اس کو جائز ذرائع سے سکون مل جاتا ہے تو پھر یہ پابند اعتدال ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جائز ذریعہ صرف نکاح ہی ہو سکتا ہے۔

2- نکاح کرنے سے اپنا گھر بستا ہے خانہ داری کا آرام ملتا ہے گھریلو زندگی میں سکون واطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے اور گھریلو زندگی کے اس اطمینان وسکون کے ذریعہ حیات انسانی کو فکر وعمل کے ہر موڑ پر سہارا ملتا ہے۔

3- نکاح کے ذریعہ سے کنبہ بڑھتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو مضبوط وزبردست محسوس کرتا ہے اور معاشرہ میں اپنے حقوق ومفادات کے تحفظ کے لئے اپنا رعب داب قائم رکھتا ہے۔

4- نکاح کرنے سے نفس مجاہدہ کا عادی ہوتا ہے کیونکہ گھر بار اور اہل وعیال کی خبر گیری ونگہداشت اور ان کی پرورش و پرداخت کے سلسلہ میں جدوجہد کرنا پڑتی ہے اس مسلسل جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بے عملی اور لاپرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے جو اس کے لئے دنیاوی طور پر بھی نفع بخش ہے اور اس کی وجہ سے وہ دینی زندگی یعنی عبادات وطاعات میں بھی چاق وچوبند رہتا ہے۔

5- نکاح ہی کے ذریعہ صالح ونیک بخت اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کی زندگی کا سب سے گراں مایہ سرمایہ اس کی صالح اور نیک اولاد ہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نہ صرف دنیا میں سکون واطمینان اور عزت ونیک نامی کی دولت حاصل کرتا ہے بلکہ اخروی طور پر بھی فلاح وسعادت کا حصہ دار بنتا ہے۔

یہ تو نکاح کے فائدے تھے لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو نکاح کی وجہ سے بعض لوگوں کے لیے نقصان وتکلیف کا باعث بن جاتی ہیں اور جنہیں نکاح کی آفات کہا جاتا ہے چنانچہ ان کو بھی چھ نمبروں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

1- طلب حلال سے عاجز ہونا یعنی نکاح کرنے کی وجہ سے چونکہ گھر بار کی ضروریات لاحق ہو جاتی ہیں اور طرح طرح کے فکر دامن گیر رہتے ہیں اس لئے عام طور پر طلب حلال میں وہ ذوق باقی نہیں رہتا جو ایک مجرد وتنہا زندگی میں رہتا ہے۔

2- حرام امور میں زیادتی ہونا۔ یعنی جب بیوی کے آجانے اور بال بچوں کے ہو جانے کی وجہ سے ضروریات زندگی بڑھ جاتی ہیں تو بسا اوقات اپنی زندگی کا وجود معیار برقرار رکھنے کے لئے حرام امور کے ارتکاب تک سے گریز نہیں کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ذہن وعمل سے حلال وحرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے اور بلا جھجک حرام چیزوں کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔

3- عورتوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہونا۔ اسلام نے عورتوں کو جو بلند وبالا حقوق عطا کئے ہیں ان میں بیوی کے ساتھ اچھے سلوک اور حسن معاشرت کا ایک خاص درجہ ہے لیکن ایسے بہت کم لوگ ہیں جو بیوی کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوں بلکہ بدقسمتی سے چونکہ بیوی کو زیردست سمجھ لیا جاتا ہے اس لئے عورتوں کے حقوق کی پامالی اور ان کے ساتھ برے سلوک وبرتاؤ بھی ایک ذاتی معاملہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، حالانکہ یہ چیز ایک انسانی اور معاشرتی بداخلاقی ہی نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر بھی بڑے گناہ کی حامل ہے اور اس سے دین ودنیا دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔

4- عورتوں کی بدمزاجی پر صبر نہ کرنا عام طور پر شوہر چونکہ اپنے آپ کو بیوی سے برتر سمجھتا ہے اس لئے اگر بیوی کی طرف سے ذراسی بھی بدمزاجی ہوئی تو ناقابل برداشت ہو جاتی ہے اور صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے فوراً چھوٹ جاتا ہے۔

5- عورت کی ذات سے تکلیف اٹھانا بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی بدمزاجی وبداخلاقی کی وجہ سے اپنے شوہروں کے لئے تکلیف وپریشانی کا ایک مستقل سبب بن جاتی ہیں اس کی وجہ سے گھریلو ماحول غیر خوشگوار اور زندگی غیر مطمئن واضطراب انگیز بن جاتی ہے۔

6- بیوی بچوں کی وجہ سے حقوق اللہ کی ادائیگی سے باز رہنا یعنی ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو اپنی گھریلو زندگی کے استحکام اور بیوی بچوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ ساتھ اپنی دینی زندگی کو پوری طرح برقرار رکھتے ہوں جب کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ بیوی بچوں اور گھربار کے ہنگاموں اور مصروفیتوں میں پڑ کر دینی زندگی مضمحل وبے عمل ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تو عبادات وطاعات کا خیال رہتا ہے نہ حقوق اللہ کی ادائیگی پورے طور پر ہو پاتی ہے۔

نکاح کے ان فوائد وآفات کو سامنے رکھ کر اب یہ سمجھئے کہ اگر یہ دونوں مقابل ہوں یعنی فوائد وآفات برابر، برابر ہوں، تو جس چیز سے دین کی باتوں میں زیادتی ہوتی ہو اسے ترجیح دی جائے مثلاً ایک طرف تو نکاح کا یہ فائدہ ہو کہ اس کی وجہ سے جنسی ہیجان کم ہوتا ہے اور دوسری طرف نکاح کرنے سے یہ دینی نقصان سامنے ہو کہ عورت کی بدمزاجی پر صبر نہیں ہو سکے گا تو اس صورت میں نکاح کرنے ہی کو ترجیح دی جائے کیونکہ اگر نکاح نہیں کرے گا تو زنا میں مبتلا ہو جائیگا اور ظاہر ہے کہ یہ چیز عورت کی بدمزاجی پر صبر نہ کرنے

سے کہیں زیادہ دینی نقصان کا باعث ہے۔

نکاح کرنے کا مستحب طریقہ

1 علانیہ ہونا۔ 2 نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا، کوئی سا خطبہ ہو۔ 3 مسجد میں ہونا۔ 4 جمعہ کے دن۔ 5 گواہانِ عادل کے سامنے۔ 6 عورت عمر، حسب ، مال، عزّت میں مرد سے کم ہو اور 7 چال چلن اور اخلاق و تقویٰ و جمال میں بیش ہو (درمختار) حدیث میں ہے" : جو کسی عورت سے بوجہ اُسکی عزت کے نکاح کرے، اللہ (عزوجل) اسکی ذلت میں زیادتی کریگا اور جو کسی عورت سے اُس کے مال کے سبب نکاح کریگا، اللہ تعالیٰ اُسکی محتاجی بڑھائے گا اور اُس کے حسب کے سبب نکاح کریگا تو اُس کے کمینہ پن میں زیادتی فرمائے گا اور جو اس لیے نکاح کرے کہ اِدھر اُدھر نگاہ نہ اُٹھے اور پاکدامنی حاصل ہو یا صلہ رحم کرے تو اللہ عزوجل اس مرد کے لیے اُس عورت میں برکت دے گا اور عورت کے لیے مرد میں۔
(رواہ الطبرانی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کذا فی الفتح)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جس سے نکاح کرنا ہو اُسے کسی معتبر عورت کو بھیج کر دکھوالے اور عادت و اطوار و سلیقہ وغیرہ کی خوب جانچ کرلے کہ آئندہ خرابیاں نہ پڑیں۔ کنواری عورت سے اور جس سے اولاد زیادہ ہونے کی اُمید ہو نکاح کرنا بہتر ہے۔ سن رسیدہ اور بدخلق اور زانیہ سے نکاح نہ کرنا بہتر۔

عورت کو چاہیے کہ مرد دیندار، خوش خلق ، مال دار، سخی سے نکاح کرے، فاسق بدکار سے نہیں۔ اور یہ بھی نہ چاہیے کہ کوئی اپنی جوان لڑکی کا بوڑھے سے نکاح کردے۔

یہ مستحباتِ نکاح بیان ہوئے، اگر اس کے خلاف نکاح ہوگا تب بھی ہو جائے گا۔ ایجاب و قبول یعنی مثلاً ایک کہے میں نے اپنے کو تیری زوجیت میں دیا۔ دوسرا کہے میں نے قبول کیا۔ یہ نکاح کے رکن ہیں۔ پہلے جو کہے وہ ایجاب ہے اور اُس کے جواب میں دوسرے کے الفاظ کو قبول کہتے ہیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ عورت کی طرف سے ایجاب ہو اور مرد کی طرف سے قبول بلکہ اس کا اُلٹا بھی ہوسکتا ہے۔

جب کوئی شخص نکاح کرنا چاہے خواہ مرد ہو یا عورت تو چاہئے کہ نکاح کا پیغام دینے سے پہلے ایک دوسرے کے حالات کی اور عادات و اطوار کی خوب اچھی طرح جستجو کر لی جائے تا کہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی ایسی چیز معلوم ہو جو طبیعت و مزاج کے خلاف ہونیکی وجہ سے زوجین کے درمیان ناچاقی و کشیدگی کا باعث بن جائے۔

یہ مستحب ہے کہ عمر، عزت، حسب اور مال میں بیوی خاوند سے کم ہو اور اخلاق و عادات خوش سلیقی و آداب حسن و جمال اور تقوی میں خاوند سے زیادہ ہو اور مرد کے لئے یہ بھی مسنون ہے کہ وہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس کو نکاح سے پہلے دیکھ لے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ جب اگر اس کو پیغام دوں گا تو منظور ہو جائے گا۔ (ردمختار، کتاب النکاح)

مستحب ہے کہ نکاح کا اعلان کیا جائے گا اور نکاح کی مجلس اعلانیہ طور پر منعقد کی جائے جس میں دونوں طرف سے اعزہ واحباب نیز بعض علماء وصلحا بھی شریک ہوں۔اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ نکاح پڑھانے والا نیک بخت وصالح ہو اور گواہ عادل وپرہیزگار ہوں۔

منگیتر کو دیکھنے کی اباحت کا بیان

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے دیکھ لو۔یہ تمہاری محبت کو قائم رکھنے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

اس باب میں محمد بن مسلمہ،جابر،انس،ابوحمید،ابوہریرہ سے بھی روایت ہے یہ حدیث حسن ہے۔بعض علماء نے اس حدیث کے مطابق فرمایا کہ جس عورت کو آدمی نکاح کا پیغام بھیجے اس کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کا کوئی ایسا عضو نہ دیکھے جس کو دیکھنا حرام ہو۔امام احمد،اور اسحاق کا یہی قول ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اخری انکے معنی یہ ہیں کہ تمہارے درمیان محبت کے ہمیشہ رہنے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔(جامع ترمذی،رقم الحدیث،۱۰۸۷،مرفوع)

منگیتر کو دیکھنے میں مذاہب اربعہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام شافعی حضرت امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا جائز ہے خواہ منسوبہ اس بات کی اجازت دے یا نہ دے۔حضرت امام مالک کے ہاں اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھنا اسی صورت میں جائز ہے جب کہ اس کی اجازت حاصل ہو اس کی اجازت کے بغیر دیکھنا جائز نہیں ہے لیکن ایک روایت کے مطابق حضرت امام مالک کے ہاں منسوبہ کو دیکھنا علی الاطلاق ممنوع ہے۔

اس بارے میں فقہی مسئلہ یہ بھی ہے کہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ مرد اپنی منسوبہ کو دیکھنے کی بجائے کسی تجربہ کار اور معتمد عورت کو بھیج دے تاکہ وہ اس کی منسوبہ کو دیکھ کر مطلوبہ معلومات فراہم کردے۔

نکاح کرنے والے کی فضیلت میں احادیث

(۱) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا نکاح میری سنت ہے جو میری سنت پر عمل نہ کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور نکاح کیا کرو اس لئے کہ تمہاری کثرت پر میں امتوں کے سامنے فخر کروں گا اور جس میں استطاعت ہو تو وہ نکاح کرلے اور جس میں استطاعت نہ ہو تو وہ روزے رکھے اس لئے کہ روزہ اس کی شہوت کو توڑ دے گا۔(سنن ابن ماجہ ج ۲،رقم الحدیث ۲،)

(۲) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمہاری شادی ہوگئی (یا نہیں) میں نے جواب دیا نہیں،تو انہوں نے فرمایا نکاح کرلو کیوں کہ اس امت کا بہترین شخص وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہوں۔

(صحیح بخاری ج ۳،رقم ۶۳)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس شخص کے پاس باندی ہو اور اس نے اسے (مسائل ضروریہ کی) اچھی تعلیم دی اور اسے اچھا ادب سکھایا، پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا اسے دوہرا ثواب ملے گا، اور جو شخص اہل کتاب میں سے اپنے نبی پر اور مجھ پر ایمان لائے اس کو بھی دوہرا ثواب ملے گا اور جو غلام اپنے مالک اور اپنے خدا کا حق ادا کرے تو اس کا دگنا ثواب ہے، شعبی نے سائل سے کہا جاؤ یہ حدیث مفت میں سفر وغیرہ کی تکلیف اٹھائے بغیر لے جاؤ، پہلے زمانے میں اس سے کمتر مضمون کی حدیث کے لئے مدینہ تک سفر کرتے تھے، ابوبکر کہتے ہیں کہ ابوحصین سے روایت ہے وہ ابو بردہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ لونڈی کو آزاد کر دیا اور پھر اسے مہر بھی دے دیا۔ (صحیح بخاری ج ۳، رقم، ۷۵)

(۴) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا دو محبت کرنے والوں (میں محبت بڑھانے) کے لئے نکاح جیسی کوئی چیز نہ دیکھی گئی۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث، ۳)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا! دنیا نفع اٹھانے (اور استعمال کرنے) کی چیز ہے اور نیک عورت سے بڑھ کر فضیلت والی کوئی چیز متاع دنیا میں نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث، ۱۱)

(۶) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ایک عورت ملی ہے جو خوبصورت بھی ہے اور خاندانی بھی لیکن اس کے اولاد نہیں ہوتی تو کیا میں اس سے شادی کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں پھر وہ دوسری مرتبہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر منع فرما دیا پھر وہ تیسری مرتبہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسی عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے محبت کرنے والی ہو اور خوب بچے جننے والی ہو کیونکہ تمہاری کثرت کی بناء پر ہی میں سابقہ امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔ (سنن ابوداؤد، ج ۲، رقم، ۲۸۵)

(۷) حضرت ابوایوب سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں انبیاء کی سنتوں میں سے ہیں، حیاء کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا، اور نکاح کرنا۔ اس باب میں حضرت عثمان، ثوبان، ابن مسعود، عائشہ، عبداللہ بن عمر، جابر، اور عکاف سے بھی روایت ہے حدیث ابی ایوب حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی، حدیث، ۱۰۷۸)

(۸) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین اشخاص کو دوگنا ثواب ملتا ہے۔ پہلا وہ بندہ جس نے اللہ تعالیٰ اور اپنے آقا کا حق ادا کیا ہو۔ تو اسکو دوگنا ثواب ملتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس کے پاس حسین وجمیل باندی تھی۔ پھر اس نے اسکو اچھی طرح ادب سکھایا۔ پھر اس نے اس کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس کو بھی دوگنا ثواب ملتا ہے۔ تیسرا وہ شخص کہ اہل کتاب تھا۔ پھر اس نے قرآن کریم کو بھی کلام الٰہی تسلیم کیا اور اس پر ایمان لے آیا۔ تو ایسے شخص کو بھی دوگنا ثواب ملتا ہے۔

(الجامع للترمذی، باب ما جاء فی فضل عتق الامة وتزویجها۔ الجامع الصحیح للبخاری، باب تعلیم

الرحل امته و اهله ،المسند لاحمد بن حنبل ،الصحیح لابی عوانة ، شرح السنة للبغوی، المعجم الصغیر للطبرانی ،التفسیر لابن کثیر، التفسیر للطبری، التفسیر للقرطبی، الترغیب و الترهیب للمنذری، الدر المنثور للسیوطی، کنز العمال للمتقی)

نکاح نہ کرنے والے کی وعید میں احادیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تین آدمی آپ کی عبادت کا حال پوچھنے آئے، جب ان سے بیان کیا گیا تو انہوں نے آپ کی عبادت بہت کم خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہم آپ کی برابری کس طرح کر سکتے ہیں، آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ سب معاف ہو گئے ہیں، ایک نے کہا میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، تیسرے نے کہا میں نکاح نہیں کروں گا اور عورت سے ہمیشہ الگ رہوں گا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم لوگوں نے یوں یوں کہا ہے؟ اللہ کی قسم ! میں اللہ تعالیٰ سے تمہاری بہ نسبت بہت زیادہ ڈرنے والا اور خوف کھانے والا ہوں، پھر روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور ساتھ ساتھ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، یاد رکھو جو میری سنت سے روگردانی کرے گا، وہ میرے طریقے پر نہیں۔

(صحیح بخاری، رقم، ۴۷٦۸)

حضرت ابو نجیح روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص نکاح کی قدرت رکھنے کے باوجود نکاح نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 28 حدیث مرفوع)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرد زندگی گزارنے سے منع کیا ہے۔

(سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 32، حدیث مرفوع)

نکاح کے متعلق بعض مذاہب اور اہلِ مغرب کے افکار

آگے اجمالی طور پر ان مذاہب کے افکار کو پیش کیا جا رہا ہے جنھوں نے شادی کو غیر اہم بتایا ہے اور شادی سے انکار کیا ہے بعض مذاہب کے بعض لوگوں نے رہبانیت کے چکر میں پھنس کر شادی کو روحانی اور اخلاقی ترقی میں رکاوٹ مانا ہے تجرد رہنے اور سنیاس لینے (یعنی شادی نہ کرنے) کو اہم بتایا ہے اسی طرح روحانی واخلاقی ترقی کیلئے انسانی خواہشات مٹانے اور فطری جذبات دبانے کو ضروری قرار دیا ہے۔ ان لوگوں کے نظریات وافکار نہ صرف فطرتِ انسانی کے خلاف ہیں بلکہ نظامِ قدرت کے بھی خلاف ہیں۔

رہبانیت کا تصور آپ کو عیسائیوں میں بھی نظر آئے گا اور ہندوؤں میں بھی۔ دنیا کے اور بھی مذاہب ہیں جیسے بدھ مت جین مت ان میں بھی یہ تصور مشترک ملے گا کہ نکاح اور گھر گرہستی کی زندگی روحانیت کے اعتبار سے گھٹیا درجہ کی زندگی ہے۔ اس اعتبار

سے ان مذاہب میں اعلیٰ زندگی تجرد کی زندگی ہے۔شادی بیاہ کے بندھن کو یہ مذاہب کے بعض لوگ روحانی ترقی کے لئے رکاوٹ قرار دیتے ہیں مرد ہو یا عورت دونوں کے لئے تجرد کی زندگی کو ان کے ہاں روحانیت کا اعلیٰ وارفع مقام دیا جاتا ہے نکاح کرنے والے ان مذاہب کے نزدیک ان کے معاشرہ میں دوسرے درجہ کے شہری (Second rate Citizens) شمار ہوتے ہیں چونکہ شادی بیاہ میں پڑکر انھوں نے اپنی حیثیت گرادی ہے۔

چنانچہ جن لوگوں نے شادی کرنے کو غلط قرار دیا ہے اور عورت سے دور رہنے کا درس دیا ہے اور روحانی ترقی کے لئے ایسا کرنا ناگزیر بتایا ہے آخر کار وہی لوگ انسانی خواہشات اور فطری جذبات سے مغلوب ہو کر طرح طرح کی جنسی خرابیوں اور اخلاقی برائیوں کے مرتکب ہوئے ہیں حتیٰ کہ فطرت کے خلاف کاموں تک میں ملوث ہوئے ہیں اور برے نتائج اور تباہ کن حالات سے دوچار ہیں۔

اسی طرح عصر حاضر میں خصوصاً بعض اہلِ مغرب اور مغرب زدہ لوگوں نے بھی شادی کو غیر اہم بتایا ہے اور شادی سے انکار کردیا ہے۔ان کے بے ہودہ نظریات کے مطابق انسان ہر طرح کی آزادی کا حق رکھتا ہے اور اسے اپنے فطری جذبات کو جیسا چاہے ویسا پورا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔اس معاملہ میں انسان کسی قسم کی روک ٹوک اسی طرح شادی جیسی کوئی پابندی اور بندھن کا قائل نہیں ہے۔ان کے ہاں شادی کا تصور ہے بھی تو اس کا مقصد صرف جنسی خواہشات کا پورا کرنا رنگ رلیاں منانا، موج مستی کرنا اور سیر وتفریح کرنا پھر ایک مقررہ وقت اور مدت کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہو جانا ہے۔مغربی ممالک کے لوگ خصوصاً اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے دنیا کے دیگر ممالک کے افراد عموماً مرد کے لئے عورت دوست اور عورت کے لئے مرد دوست (Boy friend, Girl friend) نظریے کے تحت بے حیائی بے شرمی کے شکار ہیں۔عاشق ومعشوق کی حیثیت سے بے حیاء و بے شرم بن کر زندگی گزارتے ہیں ایشیائی ممالک میں تو بعض بیوقوف اور کم عقل لوگ اخلاق سوز فلموں اور بے ہودہ ٹی وی پروگراموں کی بدولت عشق کی خاطر جان دینے اور جان لینے کی احمقانہ باتیں اور عقل کے خلاف حرکتیں بھی کرتے ہیں۔اہلِ مغرب اور مغرب زدہ لوگوں نے شادی کو ایک کھیل تماشا بنا کر رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے مغربی ممالک میں گھر گرہستی کا تصور ختم ہو گیا ہے۔خاندان اور اقارب کا نام ونشان مٹ گیا ہے۔ماں باپ اور بچوں کے درمیان کوئی تعلق قائم نہیں رہ گیا ہے۔اس سنگین صورت حال سے خود مغربی ممالک کے سنجیدہ اور غیور لوگ بہت پریشان ہیں اور غور وفکر کر رہے ہیں کہ کس طرح ان تباہ کن حالات اور انسانیت سوز ماحول پر قابو پایا جائے اور سوسائٹی کو ان برائیوں اور خرابیوں سے محفوظ رکھا جائے۔

نکاح کے ذریعے خواتین پر اسلام کے احسانات

اسلام سے پہلے عورتوں کے حقوق پامال تھے نہ ان کی جان کی کوئی قیمت تھی، نہ عصمت وعفت ہی کی قدر تھی۔بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔اس لیے جب کوئی مرد چاہتا اور جس عورت کو چاہتا اور جس طرح چاہتا اپنے نکاح میں لے آتا اور ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھتا جو جانوروں سے کیا جاتا ہے۔حق مہر ایک بے معنی چیز تھی۔بلکہ عورت کی ملکیت اور سارا ساز وسامان لاقانونی

کے تحت شوہروں کی ملکیت قرار پاتا تھا بے حسی کا عالم یہ تھا کہ شوہر کے مرنے کے بعد سوتیلی ماؤں میں بھی وراثت کا قانون رائج تھا کہ مرنے والوں کے وارثوں میں ایک مال کی طرح اس کی تقسیم بھی عمل میں آتی تھی۔ دنیا میں سب سے پہلے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق قائم کیے اور عورت کی شخصیت کو ابھارا اور قرآن کریم کے الفاظ میں اعلان فرمایا کہ

ولهن مثل الذی علیهم بالمعروف (البقرہ ،۲۲۸)

یعنی جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں ویسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔ اسلام سے قبل عورت کی تذلیل وتحقیر کی ایک وجہ اس کی مالی بے چارگی بھی تھی۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورت کی مالی حالت کو بھی مستحکم کیا اور اس کیلیے اصول وضع کیے۔

1) اسے وراثت میں حصہ دار بنایا اور اپنے باپ بھائی خاوند بیٹے وغیرہ کے مال متروکہ اور جائیداد منقولہ وغیر منقولہ میں عورت کے حصے مقرر فرمائے۔2 میکے سے ملنے والا سامان جہیز اس کی ملکیت قرار دیا۔ 3 اسے اپنی املاک وجائیداد پر مالکانہ حق دے کر اس میں تصرف کا حق دیا۔4 اپنے حق مہر پر اسے پورا پورا اختیار بخشا۔

اور اس طرح بنیادی حیثیت سے عورت کو مرد کے مساوی کر دیا اور ان تدابیر سے عورت کو پستی سے نکال کر بلندی عطا فرمائی اور صحیح معنی میں اسے مرد کا شریک کار اور رفیقہ حیات بنا دیا۔

غرض چونکہ نکاح شریعت اسلامیہ میں مرد وعورت کے مابین ایک شرعی تعلق، دینی رابطہ اور مذہبی اختلاط ہے۔ اس لیے اسلام نے نکاح کے اصول وقواعد مقرر کیے، میاں بیوی کے حقوق متعین کیے تا کہ کوئی فریق کسی کے حقوق پامال نہ کر سکے۔ مثلا

(۱) ایجاب وقبول کو نکاح کا لازمی حصہ قرار دیا۔(۲) کم از کم دو گواہوں کی موجودگی ضروری ٹھہرائی گئی۔(۳) عورتوں کی دو قسمیں کی گئیں ایک وہ جن سے نکاح حلال ہے اور دوسری وہ جن سے نکاح حرام ہے۔(۴) عورت عاقلہ بالغہ ہو تو اسے اپنے نکاح کا اختیار دیا گیا اور نابالغی کی حالت میں اس پر اس کے ولی کو اختیار بخشا گیا۔ 5 نکاح کو ہر صورت سے مکمل کرنے کیلیے کفو کا لحاظ کیا۔ 6 مرد پر بنام حق مہر ایک معینہ رقم مقرر کی گئی اور اس پر عورت کو پورا پورا اختیار دیا۔ 7 شریعت نے وہ حدود مقرر کیں جس کے بعد شوہر کو عورت پر کوئی حق نہیں رہتا۔ عورتوں کو چھوڑنے کیلیے قوانین وضع کیے گئے جنہیں طلاق اور خلع کہا جاتا ہے۔ 9) عورت کا نان نفقہ شوہر پر لازم قرار دیا۔10 زمانہ جاہلیت کے رسم ورواج کے برخلاف مرد کو ایک عورت سے نکاح کا حکم دیا، اور بوقت ضرورت، کچھ شرطوں سے مشروط، سخت پابندیوں کے ساتھ، ایک سے زیادہ کی اجازت دی۔

جوانی کی حد میں فقہی بیان

انسان بالغ ہونے کے بعد جوان کہلاتا ہے لیکن جوانی کی یہ حد کہاں تک ہے؟ اس میں اختلاف ہے چنانچہ امام شافعی کے نزدیک جوانی کی حد تیس برس کی عمر تک ہے جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک انسان چالیس برس کی عمر تک جوان کہلانے کا مستحق رہتا ہے۔

تبتل اختیار کرنے میں فقہ شافعی وحنفی کا بیان

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کو تبتل (یعنی نکاح ترک کرنے) سے منع کر دیا تھا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تبتل کی اجازت دے دیتے تو ہم بھی خصی ہو جاتے (بخاری ومسلم)

تبتل کے معنی ہیں عورتوں سے انقطاع اور ترک نکاح، نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے ہاں تبتل ایک اچھا اور پسندیدہ فعل ہے کیونکہ ان کے نزدیک دینداری کی آخری حد یہ ہے کہ انسان عورتوں سے اجتناب کرے اور نکاح وغیرہ سے پرہیز کرے۔ لیکن جس طرح عیسائیت یا بعض دوسرے مذاہب میں نکاح کو ترک کر دینا اور لذائذ زندگی سے کنارہ کش ہو جانا عبادت اور نیکی وتقویٰ کی آخری حد سمجھا جاتا ہے اس طرح کی کوئی بات اسلام میں نہیں ہے بلکہ شریعت اسلامیہ نے نکاح کو انسانی زندگی کے لئے ایک ضرورت قرار دے کر اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ لذائذ زندگی سے مکمل کنارہ کشی اور خود ساختہ تکالیف برداشت کرنا عبادت نہیں ہے بلکہ رہبانیت ہے جسے اس دین فطرت میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی اتنا ضرور کہتے ہیں کہ بغیر نکاح زندگی گزارنا افضل ہے لیکن امام شافعی کا یہ قول بھی نکاح کے بارے میں شریعت اسلامیہ کے بنیادی منشاء کے منافی نہیں ہے کیونکہ اول تو اس کا تعلق صرف افضلیت سے ہے اور دوسرے یہ کہ یہ افضلیت بھی نفس نکاح یعنی کرنے یا نہ کرنے) کے بارے میں نہیں ہے بلکہ صرف **تخلی للعبادۃ** (یعنی عبادت کے لئے مجرد رہنا) کے نکتہ نظر سے ہے۔

حضرت امام شافعی کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ عبادات میں مشغول رہنا نکاح کی مشغولیت سے افضل ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری نے مرقات میں امام شافعی کی دلیلیں نقل کرنے کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ کی بہت سی دلیلیں نقل کی ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تجرد بغیر نکاح رہنے کے مقابلہ میں تاہم نکاح کرنا ہی افضل ہے۔

بہر کیف حضرت عثمان بن مظعون نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تبتل کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا کیونکہ اسلام مسلمانوں کے ہاں نکاح کے ذریعہ افزائش نسل کو پسند کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ خدا کے حقیقی نام لیوا موجود رہیں اور وہ ہمیشہ کفر وباطل کے خلاف جہاد کرتے رہیں۔ اسی سلسلہ میں حدیث کے راوی حضرت سعد بن ابی وقاص نے یہ کہا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان کو تبتل کی اجازت دے دیتے تو ہم سب اپنے آپ کو خصی کر ڈالتے تاکہ ہمیں عورتوں کی ضرورت نہ پڑتی اور نہ ہمیں عورتوں سے متعلق کسی برائی میں مبتلا ہونے کا خوف رہتا۔

علامہ طیبی شافعی کہتے ہیں کہ اس موقع کے مناسب تو یہ تھا کہ حضرت سعد یہ کہتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان کو تبتل کی اجازت دے دیتے تو ہم بھی ایسا ہی کرتے۔ مگر حضرت سعد نے یہ کہنے کی بجائے یہ کہا کہ ہم سب اپنے آپ کو خصی کر ڈالتے لہذا حضرت سعد نے یہ بات دراصل بطور مبالغہ کہی یعنی اپنی اس بات سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت

عثمان کو اجازت دے دیتے تو ہم بھی تبتل میں اتنا مبالغہ اور اتنی سخت کوشش کرتے کہ آخر کار خصی کی مانند ہو جاتے۔ گویا اس جملہ سے حضرت سعد کی مراد حقیقۃً خصی ہو جانا نہیں تھا کیونکہ یہ فعل یعنی اپنے آپ کو خصی کر ڈالنا جائز نہیں ہے۔

اور علامہ نووی کہتے ہیں کہ حضرت سعد نے یہ بات اس وجہ سے کی کہ ان کا گمان یہ تھا کہ خصی ہو جانا جائز ہے حالانکہ ان کا یہ گمان حقیقت و واقعہ کے خلاف تھا کیونکہ خصی ہو جانا انسان کے لیے حرام ہے خواہ چھوٹی عمر کا ہو یا بڑی عمر کا اس موقع پر جانوروں کے بارے میں جان لینا چاہئے کہ ہر اس جانور کو خصی کرنا حرام جو غیر ماکول یعنی کھایا نہ جاتا ہو اور جو جانور کھایا جاتا ہے اس کو خصی کرنا چھوٹی عمر میں تو جائز ہے لیکن بڑی عمر میں حرام ہے۔ جانوروں کو خصی کرنے کے بارے میں مذکورہ بالا تفصیل علامہ نووی شافعی نے لکھی ہے جب کہ فقہ حنفی کی کتابوں اور در مختار اور ہدایہ میں بڑی عمر اور چھوٹی عمر کی تفصیل کے بغیر صرف یہ لکھا ہے کہ جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے۔

ایجاب وقبول کے احکام کا بیان

﴿النِّكَاحُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ بِلَفْظَيْنِ يُعَبِّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِي﴾ لِأَنَّ الصِّيغَةَ وَإِنْ كَانَتْ لِلْإِخْبَارِ وَضْعًا فَقَدْ جُعِلَتْ لِلْإِنْشَاءِ شَرْعًا دَفْعًا لِلْحَاجَةِ.

ترجمہ:

نکاح ایجاب وقبول کے دو ایسے الفاظ کے ذریعے منعقد ہو جاتا ہے جن دونوں کی تعبیر ﴿زمانہ﴾ ماضی سے کی گئی ہو کیونکہ ﴿فعل ماضی کا﴾ صیغہ اگرچہ ''اخبار'' کے لیے وضع کیا گیا ہے لیکن شرعی اعتبار سے یہ انشاء کے لیے بنایا گیا ہے تاکہ ضرورت کو پورا کیا جائے۔

نکاح کیلئے صیغہ ماضی کو متعین کرنے کا بیان

علامہ عبداللہ بن محمد آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے صیغہ ماضی سے تعبیر کو بیان کیا ہے۔ جبکہ ماضی کے صیغے کی وضع بطور خبر کے ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مضارع کے صیغے کا اگر تعین کیا جائے تو اس میں حال اور استقبال دونوں زمانوں کا احتمال ہے۔ لہذا احتمال کی وجہ سے وہ ساقط ہو گیا۔ پس باقی ماضی کا صیغہ رہ گیا جس کو مصنف نے اختیار کر لیا ہے۔ اگرچہ اس کی تعبیر اخبار کیلئے ہے۔ لیکن دلالت صریحہ بھی اسی سے ملتی ہے۔ (مجمع الانہر، کتاب النکاح، بیروت)

خبر سے اقرار نکاح کے عدم اعتبار کا بیان

بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ کسی مرد و عورت میں پہلے نکاح نہیں ہے اب انھوں نے بالاتفاق نکاح کا اقرار کر لیا تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے ثابت شدہ چیز کی خبر ہوتی ہے جبکہ اقرار سے قبل ان کا نکاح نہیں تھا، اس طرح خرید و فروخت کا معاملہ ہے کہ دو فریقوں نے بیع کا اقرار کیا حالانکہ پہلے بیع نہ تھی تو اس اقرار سے بیع منعقد نہ ہوگی۔

نوازل میں مذکور ہے کہ مرد وعورت نے گواہوں کے سامنے یہ اقرار فارسی میں کیا کہ "ہم بیوی خاوند ہیں "تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مرد نے ایک عورت کے بارے میں کہا کہ یہ میری بیوی ہے اور اس عورت نے بھی کہا کہ یہ میرا خاوند ہے تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ (فتاویٰ خیریہ، ج ۱، ص ۱۴۹، دہلی)

علامہ حسین بن محمد سمعانی حنفی لکھتے ہیں۔

مرد وعورت نے گواہوں کے سامنے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو نکاح نہ ہوگا، یہی مختار ہے، کیونکہ نکاح اثبات کا نام ہے، اور اقرار اثبات نہیں ہوتا بلکہ اظہار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے کسی دوسرے کے لیے اپنے مال کا جھوٹا اقرار کیا تو دوسرے کے لیے ملکیت ثابت نہ ہوگی، وخ (یعنی خلاصہ) اگر کسی مرد نے کسی عورت کے متعلق کہا یہ میری بیوی ہے اور عورت نے کہا یہ میرا خاوند ہے، تو گواہوں کے سامنے اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے سے موجود چیز کے بارے میں خبر ہوتی ہے جبکہ یہاں نکاح موجود نہیں ہے۔ (خزانة المفتین، کتاب النکاح، ج ۱، ۷۶)

ایجاب وقبول اور ان کے صحیح ہونے کی شرائط کا بیان

نکاح ایجاب وقبول کے ذریعہ منعقد ہوتا ہے اور ایجاب وقبول دونوں ماضی کے لفظ کے ساتھ ہونے چاہئیں (یعنی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے یہ بات سمجھی جائے کہ نکاح ہو چکا ہے) جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا، یا عورت کا ولی، مرد سے یہ کہے کہ میں نے فلاں عورت کا جس کا نام یہ ہے، تمہارے ساتھ نکاح کیا اور اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے منظور کیا یا ایجاب میں سے کوئی ایک ماضی کے لفظ کے ساتھ ہو جیسے عورت یہ کہے کہ مجھ سے نکاح کرلو یا عورت کا ولی، مرد سے یہ کہے کہ فلاں عورت سے جس کا نام یہ ہے نکاح کرلو اور اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے نکاح کرلیا۔ یا اس کا برعکس ہو، جیسے مرد یہ کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ اپنا نکاح کرلیا اور اس کے جواب میں عورت یہ کہے کہ میں منظور کرتی ہوں اور اگر مرد، عورت سے یوں کہے کہ کیا تم نے اپنے آپ کو میری زوجیت میں دیا؟

یا کہے کہ کیا تم نے مجھے قبول کیا اور اس کے جواب میں عورت (ہاں میں نے دیا یا ہاں میں نے قبول کیا کہنے کی بجائے) صرف یہ کہے کہ ہاں دیا۔ یا ہاں قبول کیا (یعنی لفظ "میں" نہ کہے) تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ البتہ گواہوں کے سامنے صرف یہ کہنے سے کہ ہم بیوی خاوند ہیں، نکاح نہیں ہوتا۔

جس طرح ایجاب وقبول میں ماضی کا لفظ استعمال کرنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ایجاب وقبول میں خاص کر نکاح اور تزوجی کا لفظ استعمال کیا جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ میں نے تمہارے ساتھ نکاح کیا یا تمہارے ساتھ تزویج کیا۔ یا نکاح وتزویج کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ استعمال کیا جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ میں نے تمہارے ساتھ نکاح کیا یا تمہارے ساتھ تزویج کیا یا نکاح وتزویج کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ استعمال کیا جائے۔

جو نکاح کا مطلب صراحۃ ادا کرتا ہو جیسے مرد یوں کہے کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی بنالیا یا یوں کہے کہ میں تمہارا شوہر ہو گیا یا یوں

کہے کہ تم میری ہوگئیں۔اور نکاح وتزویج یا اس کا ہم معنی لفظ صراحۃً استعمال نہ کیا جائے بلکہ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے کنایۃً نکاح کا مفہوم سمجھا جاتا ہو تو یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ لفظ ایسا ہو جس کے ذریعہ سے کسی ذات کامل کی ملکیت فی الحال حاصل کی جاتی ہو جیسے ہبہ کا لفظ یا صدقہ کا لفظ یا تملیک کا لفظ یا بیع وشراء کا لفظ جیسے بیوی یوں کہے کہ میں نے اپنی زوجیت تمہیں ہبہ کردی، یا میں نے اپنی ذات تمہیں بطور صدقہ دیدی یا میں نے تمہیں اپنی ذات کا مالک بنادیا یا یوں کہے کہ میں نے تمہیں اس قدر روپیہ کے عوض خرید لیا اور ان سب کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، لیکن اس کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ متکلم نے اس لفظ سے نکاح مراد لیا ہو اور کوئی قرینہ اس پر دلالت کرتا ہو اور اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو قبول کرنیوالے نے متکلم کی مراد کی تصدیق کردی ہو نیز گواہوں نے بھی سمجھ لیا ہو کہ اس لفظ سے مراد نکاح ہے خواہ انہوں نے کسی قرینہ سے سمجھا ہو یا بتادینے سے سمجھا ہو۔

ایجاب وقبول کے وقت عاقدین (دولہا دولہن) میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے کا کلام سننا ضروری ہے خواہ وہ بالاصالۃ (یعنی خود) سنیں خواہ بالوکالۃ (یعنی ان کے وکیل سنیں) اور خواہ بالولایۃ سنیں (یعنی ان کا ولی سنے)

ایجاب وقبول کے وقت دو گواہوں کی موجودگی نکاح صحیح ہونے کی شرط ہے اور یہ گواہ خواہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہو، گواہوں کا آزاد ہونا ضروری ہے لونڈی یا غلام گواہوں کی گواہی معتبر نہیں ہوگی، اسی طرح گواہوں کا عاقل اور مسلمان ہونا بھی ضروری ہے مسلمانوں کی گواہی ہر حال میں کافی ہوگی خواہ وہ پرہیزگار ہوں یا فاسق ہوں اور خواہ ان پر حد قذف لگائی جاچکی ہو۔ گواہوں کا بینا ہونا یا زوجین کا رشتہ دار نہ ہونا شرط نہیں ہے،

شہادت نکاح میں نابینا ومعذوروں کا اعتبار

چنانچہ اندھوں کی گواہی اور زوجین کے رشتہ داروں کی گواہی معتبر ہوگی خواہ وہ زوجین کے یا ان میں سے کسی ایک کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں، گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں ایجاب وقبول کے الفاظ کو ایک ساتھ سنیں اور سنکر یہ سمجھ لیں کہ نکاح ہو رہا ہے گو ان الفاظ کے معنی نہ سمجھیں (مثلاً ایجاب وقبول کسی ایسی زبان میں ہو جسے وہ نہ جانتے ہوں) اگر دونوں گواہ ایجاب وقبول کے الفاظ ایک ساتھ نہ سنیں بلکہ الگ الگ سنیں تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے کہا کہ میری فلاں نابالغ لڑکی کا نکاح فلاں شخص کے ساتھ کردو اور اس شخص نے اس لڑکی کا نکاح اس باپ اور ایک دوسرے مرد کی موجودگی میں کیا تو یہ جائز ہوگا لیکن اگر باپ موجود نہ ہو تو پھر دونوں مردوں یا ایک مرد اور ۲ عورتوں کی موجودگی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوگا۔

یہاں ایک سوال کیا جاسکتا ہے: نکاح کا تعلق ''انشاء'' سے ہے۔ یعنی ایک ایسی چیز جو آگے چل کے ثابت ہوگی' لیکن اس کے لئے یہ قید ذکر کی گئی ہے کہ یہ ماضی کے صیغے کے ذریعے منعقد ہوسکتا ہے' جبکہ ماضی ''اخبار'' کا مفہوم ادا کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے' تو آپ کو کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا چاہیے' جو انشاء کے مفہوم پر دلالت کرتا ہو۔

اس کا جواب انہوں نے دیا ہے: ضرورت کے پیش نظر اسے شرعی طور پر ''انشاء'' کا مفہوم دیا گیا ہے۔ اگرچہ لغوی اعتبار سے یہ

ہے اخبار کا مفہوم دیتا ہے۔

یہاں مصنف نے جو لفظ "مستقبل" استعمال کیا ہے اس سے مراد "فعل امر" ہے۔ اگرچہ مصنف نے اس بات کی صراحت نہیں کی لیکن سیاق وسباق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایجاب کے لئے فعل امر کا صیغہ استعمال ہوگا اور قبول کے لئے فعل ماضی کا صیغہ استعمال ہوگا۔

اہل تشیع کے نزدیک الفاظ نکاح کا فقہی بیان

معروف شیعہ محمد حسن مطہری لکھتا ہے۔ (۱) بنا بر احتیاط واجب عقد کا صیغہ، صحیح عربی میں پڑھا جائے اور اگر خود مرد اور عورت صحیح عربی میں صیغہ نہ پڑھ سکتے ہوں تو عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں بھی پڑھ سکتے ہیں، مگر ضروری ہے کہ ایسے الفاظ کہیں جو "زَوَّجْتُ" و "قَبِلْتُ" کے معنی کو سمجھا دیں، اگرچہ احتیاط مستحب یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو کسی ایسے شخص کو اپنا وکیل بنائیں جو صحیح عربی پڑھ سکتا ہو۔

(۲) مرد اور عورت یا ان کے وکیل جو صیغہ پڑھ رہے ہوں وہ انشاء کا قصد رکھتے ہوں یعنی اگر خود مرد اور عورت صیغہ پڑھ رہے ہوں تو عورت کا "زَوَّجْتُكَ نَفْسِي" کہنا اس قصد سے ہو کہ وہ خود کو اس مرد کی بیوی قرار دے اور مرد کا "قَبِلْتُ التَّزْوِيجَ" کہنا اس قصد سے ہو کہ وہ اس کا اپنی بیوی بننا قبول کرے اور اگر مرد اور عورت کے وکیل صیغہ پڑھ رہے ہوں تو "زَوَّجْتُ" اور "قَبِلْتُ" کہنے سے ان کا قصد یہ ہو کہ وہ مرد اور عورت جنہوں نے انہیں وکیل بنایا ہے ایک دوسرے کے میاں بیوی بن جائیں۔

(۳) جو شخص صیغہ پڑھ رہا ہو اس کا عاقل ہونا ضروری ہے اور جو شخص بالغ نہ ہو لیکن انشاء عقد کر سکتا ہو اگر وہ ولی کے اذن یا اس کی اجازت کے بغیر اپنے لئے صیغہ پڑھ لے تو یہ باطل ہے، البتہ ولی کی اجازت کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں، اگر کسی اور کا وکیل بن کر صیغہ پڑھے تو اس کا عقد صحیح ہے۔) اگر عورت اور مرد کے وکیل یا ولی صیغہ پڑھ رہے ہوں تو وہ عقد کے وقت عورت اور مرد کو معین کرلیں مثلاً ان کے نام لیں یا ان کی طرف اشارہ کریں۔ پس جس شخص کی کئی لڑکیاں ہوں اگر وہ کسی مرد سے کہے: "زَوَّجْتُكَ اِحْدٰى بَنَاتِي" یعنی میں نے اپنی بیٹیوں میں سے ایک کو تمہاری بیوی بنایا اور مرد کہے: "قَبِلْتُ" یعنی قبول کیا تو چونکہ عقد کرتے وقت لڑکی کو معین نہیں کیا گیا لہٰذا عقد باطل ہے۔ (احکام شیعہ، نکاح کے احکام)

ایجاب وقبول کے صیغوں کا بیان

﴿وَيَنْعَقِدُ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِاَحَدِهِمَا عَنِ الْمَاضِي وَبِالْاٰخَرِ عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ، مِثْلَ اَنْ يَّقُوْلَ زَوِّجْنِي فَيَقُوْلَ زَوَّجْتُكَ﴾ لِاَنَّ هٰذَا تَوْكِيْلٌ بِالنِّكَاحِ وَالْوَاحِدُ يَتَوَلّٰى طَرَفَيِ النِّكَاحِ عَلٰى مَا نُبَيِّنُهُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

ترجمہ:

اور نکاح دو ایسے الفاظ کے ذریعے بھی منعقد ہو جاتا ہے جن میں سے ایک کی تعبیر ماضی سے کی گئی ہو اور دوسرے کی مستقبل سے جیسے کوئی شخص یہ کہے: "تم میرے ساتھ شادی کرلو" تو عورت کہے: "میں نے تمہارے ساتھ شادی کی" اس کی وجہ یہ ہے: یہ نکاح میں وکیل کرنے کے مترادف ہوگا۔ اور نکاح میں ایک ہی شخص دونوں طرف سے ولی بن سکتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب اس مسئلہ کو بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ

ایجاب وقبول کے صیغوں سے انعقاد نکاح کا بیان

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ایجاب وقبول میں ماضی کا لفظ ہونا ضروری ہے، مثلاً یوں کہے کہ میں نے اپنا یا اپنی لڑکی یا اپنی موکلہ کا تجھ سے نکاح کیا یا ان کو تیرے نکاح میں دیا، وہ کہے میں نے اپنے لیے یا اپنے بیٹے یا مؤکل کے لیے قبول کیا یا ایک طرف سے امر کا صیغہ ہو۔ دوسری طرف سے ماضی کا، مثلاً یوں کہ تو مجھ سے اپنا نکاح کردے یا تو میری عورت ہو جا، اُس نے کہا میں نے قبول کیا یا زوجیت میں دیا ہو جائے گا یا ایک طرف سے حال کا صیغہ ہو۔ دوسری طرف سے ماضی کا، مثلاً کہے تو مجھ سے اپنا نکاح کرتی ہے اُس نے کہا کیا تو ہو گیا یا یوں کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اُس نے کہا میں نے قبول کیا تو ہو جائے گا، ان دونوں صورتوں میں پہلے شخص کو اس کی ضرورت نہیں کہ کہے میں نے قبول کیا۔ اور اگر کہا تُو نے اپنی لڑکی کا مجھ سے نکاح کر دیا اُس نے کہا کر دیا یا کہا ہاں تو جب تک پہلا شخص یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کیا نکاح نہ ہوگا اور ان لفظوں سے کہ نکاح کروں گا یا قبول کروں گا نکاح نہیں ہو سکتا۔

(درمختار، ج ۴، ص ۷۸، کتاب النکاح)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

بعض ایسی صورتیں بھی ہیں جن میں ایک ہی لفظ سے نکاح ہو جائے، مثلاً چچا کی نابالغہ لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور ولی یہی ہے تو دو گواہوں کے سامنے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اُس سے اپنا نکاح کیا یا لڑکا لڑکی دونوں نابالغ ہیں اور ایک ہی شخص دونوں کا ولی ہے یا مرد و عورت دونوں نے ایک شخص کو وکیل کیا۔ اُس ولی یا وکیل نے یہ کہا کہ میں نے فلاں کا فلاں کے ساتھ نکاح کر دیا ہو گیا۔ ان سب صورتوں میں قبول کی کچھ حاجت نہیں۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح)

انعقاد نکاح الفاظ مختلفہ کا فقہی بیان

﴿وَيَنْعَقِدُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيجِ وَالْهِبَةِ وَالتَّمْلِيكِ وَالصَّدَقَةِ﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَنْعَقِدُ إلَّا بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيجِ لِأَنَّ التَّمْلِيكَ لَيْسَ حَقِيقَةً فِيهِ وَلَا مَجَازًا عَنْهُ لِأَنَّ التَّزْوِيجَ لِلتَّلْفِيقِ وَالنِّكَاحَ لِلضَّمِّ، وَلَا ضَمَّ وَلَا ازْدِوَاجَ بَيْنَ الْمَالِكِ وَالْمَمْلُوكَةِ أَصْلًا.

وَلَنَا اَنَّ التَّمْلِيكَ سَبَبٌ لِمِلْكِ الْمُتْعَةِ فِي مَحَلِّهَا بِوَاسِطَةِ مِلْكِ الرَّقَبَةِ وَهُوَ الثَّابِتُ بِالنِّكَاحِ وَالسَّبَبِيَّةُ طَرِيقُ الْمَجَازِ.

ترجمہ

یہ (نکاح) لفظ نکاح' تزویج' ہبہ' تملیک اور صدقہ کے ذریعے بھی منعقد ہو جاتا ہے۔امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ صرف لفظ نکاح اور تزویج کے ذریعے ہی منعقد ہوتا ہے' کیونکہ لفظ تملیک اس کے بارے میں حقیقی مفہوم نہیں رکھتا اور اسے مجازی طور پر بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ (لفظ) تزویج' تلفیق (ملانے) کے لئے استعمال ہوتا ہے اور لفظ نکاح' ضم (ملانے) کے لئے استعمال ہوتا ہے' لیکن مالک اور مملوک کے درمیان اصل کے اعتبار سے زوج ہونے کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔

ہماری دلیل یہ ہے: جب تملیک' ملک رقبہ کے واسطے سے' ملک متعہ کے' اس کے محل میں ہونے کا' سبب ہے اور یہ بات نکاح میں بھی ثابت ہوتی ہے اور یہ سببیت' مجاز کے اعتبار سے ہوگی۔

تملیک کی تعبیر والے الفاظ سے انعقاد نکاح میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمن جزیری لکھتے ہیں۔فقہاء شوافع، مالکیہ، حنابلہ کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ ایسے الفاظ جو تملیک کے مفہوم پر مشتمل ہوں ان سے عقد نکاح درست نہیں ہے۔جس طرح خرید وفروخت وصدقہ وغیرہ ہیں۔

شوافع وحنابلہ اس مسئلے پر بھی متفق ہیں کہ جب تک عقد میں ایسے الفاظ نہ ہوں جو مصدر انکاح یا تزویج سے مشتق ہوں نکاح درست نہ ہوگا۔

فقہاء احناف کے نزدیک جن الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے صاحب ہدایہ نے انہیں بیان کر دیا ہے۔جن کا ملاحظہ آپ ہدایہ کی عبارت میں کر چکے ہیں۔(کتاب الفقہ، ج ۴، ص ۳۱، اوقاف پنجاب)

لفظ ہبہ سے انعقاد نکاح میں فقہ حنفی کی دلیل کا بیان

حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ ایک دن ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنے آپ کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ہبہ کر دیا یہ کہہ کر وہ عورت دیر تک کھڑی رہی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہی تھے کہ ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اس عورت کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں تو اس سے میرا نکاح کر دیجئے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جسے تم اس عورت کو مہر میں دے سکو؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس تہبند کے علاوہ جسے میں باندھے ہوئے ہوں میرے پاس کوئی اور چیز نہیں ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ کوئی چیز ڈھونڈ لاؤ !اگر چہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔جب صحابی نے بہت تلاش کیا اور انہیں کوئی چیز نہیں ملی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 405)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کر دیتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہبہ کو قبول کر لیتے تھے تو وہ عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال ہو جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسکا کچھ مہر واجب نہیں ہوتا تھا۔ یہ اور کسی کے لئے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جائز تھا اور نہ اب جائز ہے بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا یعنی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے جائز تھا چنانچہ قرآن کریم کی یہ ایت اس پر دلالت کرتی ہے۔

اور اگر کوئی مؤمن عورت اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہبہ کر دے یعنی مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ عورت حلال ہے۔

اس بارے میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک بغیر مہر کے لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کا جواز صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا یہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے جب کہ حنفی مسلک یہ ہے کہ لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کرنا تو سب کے لئے جائز ہے مگر اس صورت میں مہر کا واجب نہ ہونا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا لہذا اگر کوئی عورت اپنے آپ کو کسی شخص کے لئے ہبہ کرے اور وہ شخص اس ہبہ کو قبول کر لے تو اس ہبہ کے ذریعہ دونوں کے درمیان نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس شخص پر مہر مثل واجب ہوگا اگر چہ وہ عورت مہر کا کوئی ذکر نہ کرے یا مہر کی نفی ہی کیوں نہ کر دے لہذا حنفی مسلک کے مطابق مذکورہ بالا آیت کے الفاظ (خَالِصَةً لَّكَ 33 ۔ الاحزاب 50 :) کے معنی ہیں کہ اپنے آپ کو ہبہ کر دینے والی عورت کا مہر واجب ہوئے بغیر حلال ہونا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

الفاظ نکاح میں قرائن کا فقہی بیان

شیخ نظام الدین فقہاء احناف کے فقہی مجموعہ فتاویٰ عالم گیری میں لکھتے ہیں۔ جن سے خود شے ملک میں آ جاتی ہے، مثلاً ہبہ، تملیک، صدقہ، عطیہ، بیع، شراء مگران میں قرینہ کی ضرورت ہے کہ گواہ اُسے نکاح سمجھیں۔ ایک نے دوسرے سے کہا میں نے اپنی یہ لونڈی تجھے ہبہ کی تو اگر یہ پتا چلتا ہے کہ نکاح ہے، مثلاً گواہوں کو بلا کر اُن کے سامنے کہتا اور مہر کا ذکر وغیرہ تو یہ نکاح ہوگیا اور اگر قرینہ نہ ہو، مگر وہ کہتا ہے میں نے نکاح مراد لیا تھا اور جسے ہبہ کی وہ اس کی تصدیق کرتا ہے جب بھی نکاح ہے اور اگر وہ تصدیق نہ کرے تو ہبہ قرار دیا جائے گا اور آزاد عورت کی نسبت یہ الفاظ کہے تو نکاح ہی ہے۔ قرینہ کی حاجت نہیں مگر جب ایسا قرینہ پایا جائے

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح نہیں تو نہیں، مثلاً معاذ اللہ کسی عورت سے زنا کی درخواست کی، اُس نے کہا میں نے اپنے آپ کو تجھے ہبہ کردیا، اس نے کہا قبول کیا تو نکاح نہ ہوا یا لڑکی کے باپ نے کہا یہ لڑکی خدمت کے لیے میں نے تجھے ہبہ کردی اس نے قبول کیا تو یہ نکاح نہیں، مگر جبکہ اس لفظ سے نکاح مراد لیا تو ہو جائے گا۔

عورت سے کہا تو میری ہوگئی، اُس نے کہا ہاں یا میں تیری ہوگئی یا عورت سے کہا بعوض اتنے کے تو میری عورت ہو جا، اُس نے قبول کیا یا عورت نے مرد سے کہا میں نے تجھ سے اپنی شادی کی مرد نے قبول کیا یا مرد نے عورت سے کہا تُو نے اپنے کو میری عورت کیا، اُس نے کہا کیا تو ان سب صورتوں میں نکاح ہو جائے گا۔ جس عورت کو بائن طلاق دی ہے، اُس نے گواہوں کے سامنے کہا میں نے اپنے کو تیری طرف واپس کیا، مرد نے قبول کیا نکاح ہو گیا۔ (عالمگیری، کتاب النکاح)

جن الفاظ سے انعقاد نکاح نہیں ہوتا

شیخ نظام الدین فقہاء احناف کے فقہی مجموعہ فتاویٰ عالم گیری میں لکھتے ہیں۔ ایک شخص نے منگنی کا پیغام کسی کے پاس بھیجا، ان پیغام لے جانے والوں نے وہاں جا کر کہا، تو نے اپنی لڑکی ہمیں دی، اُس نے کہا دی، نکاح نہ ہوا۔ لڑکے کے باپ نے گواہوں سے کہا، میں نے اپنے لڑکے کا نکاح فلاں کی لڑکی کے ساتھ اتنے مہر پر کردیا تم گواہ ہو جاؤ پھر لڑکی کے باپ سے کہا گیا، کیا ایسا نہیں ہے؟ اُس نے کہا ایسا ہی ہے اور اس کے سوا کچھ نہ کہا تو بہتر یہ ہے کہ نکاح کی تجدید کی جائے۔ لڑکے کے باپ نے لڑکی کے باپ کے پاس پیغام دیا، اُس نے کہا میں نے تو اس کا فلاں سے کردیا ہے اس نے کہا نہیں تو اُس نے کہا اگر میں نے اُس سے نکاح نہ کیا ہو تو تیرے بیٹے سے کردیا، اس نے کہا میں نے قبول کیا بعد کو معلوم ہوا کہ اُس لڑکی کا نکاح کسی سے نہیں ہوا تھا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا۔

اور اگر عورت نے مرد سے کہا میں نے تجھ سے اپنا نکاح کیا اس شرط پر کہ مجھے اختیار ہے جب چاہوں اپنے کو طلاق دے لوں، مرد نے قبول کیا تو نکاح ہو گیا اور عورت کو اختیار رہا جب چاہے اپنے کو طلاق دے لے۔ نکاح میں خیار رویت خیار عیب خیار شرط مطلقاً نہیں، خواہ مرد کو خیار ہو یا عورت کے لیے یا دونوں کے لیے۔ تین دن کا خیار ہو یا کم یا زائد کا مثلاً اندھے سلا پاجج نہ ہونے کی شرط لگائی یا یہ شرط کی کہ خوبصورت ہو اور اس کے خلاف نکلا یا مرد نے شرط لگائی کہ کنواری ہو اور ہے اس کے خلاف تو نکاح ہو جائے گا اور شرط باطل۔ یونہی عورت نے شرط لگائی کہ مرد شہری ہو نکلا بہاتی تو اگر کفو ہے نکاح ہو جائے گا اور عورت کو کچھ اختیار نہیں یا اس شرط پر نکاح ہوا کہ باپ کو اختیار ہے تو نکاح ہو گیا اور اُسے اختیار نہیں۔ (عالمگیری، کتاب النکاح، ج ۱ ص ۱۷۲، بیروت)

فقہ شافعی کے مطابق الفاظ انعقاد نکاح دو ہیں

امام شافعی کے نزدیک، نکاح صرف دو الفاظ کے ذریعے منعقد ہوتا ہے۔ ایک نکاح اور دوسرا تزویج۔ یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے امام شافعی یہ دلیل دیتے ہیں: لفظ ''تملیک'' نکاح کے مفہوم پر نہ تو حقیقی طور پر دلالت کرتا ہے اور نہ ہی مجازی طور پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ تزویج کا مطلب ایک دوسرے سے ملانا اور لفظ نکاح کا مطلب ضم کرنا ہے

لیکن مالک اور مملوک کے درمیان یہ مفہوم پیدا نہیں ہو سکتا۔

لفظ بیع و دیگر الفاظ کا حکم

وَيَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْبَيْعِ هُوَ الصَّحِيْحُ لِوُجُوْدِ طَرِيْقِ الْمَجَازِ ﴿وَلَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْإِجَارَةِ﴾ فِي الصَّحِيْحِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِسَبَبٍ لِمِلْكِ الْمُتْعَةِ ﴿وَ﴾ لَا بِلَفْظِ ﴿الْإِبَاحَةِ وَالْإِحْلَالِ وَالْإِعَارَةِ﴾ لِمَا قُلْنَا ﴿وَ﴾ لَا بِلَفْظِ ﴿الْوَصِيَّةِ﴾ لِأَنَّهَا تُوْجِبُ الْمِلْكَ مُضَافًا إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ ۔

ترجمہ

اور نکاح ''لفظ بیع'' کے ذریعے بھی منعقد ہو جاتا ہے اور صحیح قول یہی ہے' کیونکہ اس میں مجاز کی صورت پائی جاتی ہے۔ صحیح قول کے مطابق یہ لفظ ''اجارہ'' کے ذریعے منعقد نہیں ہوتا' کیونکہ یہ ملک متعہ کا سبب نہیں بن سکتا۔ (اسی طرح) یہ لفظ اباحت' احلال' اعارہ کے ذریعے بھی منعقد نہیں ہوتا اور اس کی دلیل وہی ہے' جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور نہ ہی یہ لفظ وصیت کے ذریعے منعقد ہوتا ہے' کیونکہ یہ ملکیت کو تو واجب کرتی ہے' لیکن اس کا حکم موت کے بعد نافذ ہوتا ہے)

لفظ بیع سے انعقاد نکاح کا فقہی مفہوم

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف نے کے اس قول کہ نکاح بیع کے لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ عورت اس طرح کہے کہ میں اپنے آپ کو تمہیں بیچ دیا یا اس کو باپ کہے کہ میں اپنی بیٹی اتنے اتنے میں تجھے دی اور وہ شراء کے لفظ سے خواہ تعبیر کرے اور جواب میں کوئی شخص نعم کہے۔ تو نکاح منعقد ہو جائے۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے کتاب الحدود میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام ابوبکر اعمش کے قول سے بچنے کیلئے مصنف نے ''صحیح'' کہا ہے کیونکہ امام اعمش کا قول ہے کہ نکاح بیع کے لفظ سے منعقد نہیں ہوتا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نکاح خاص ملکیت کا نام ہے جبکہ بیع سے صرف مال کی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ اور نکاح والی ملکیت یہ مال نہیں ہے۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ وجود مال بطور مجاز کے ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ۳۱۹، بیروت)

لفظ اجارہ سے نکاح کے عدم انعقاد کا بیان

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس کے بعد مصنف نے یہ بات بیان کی 'لفظ ''اجارہ'' کے ذریعے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ اجارہ کا مطلب یہ ہے: کسی شخص کو معاوضہ دے کر اس سے اس کی خدمات حاصل کرنا' یعنی کسی کو ملازم یا مزدور رکھنا اس کے بارے میں مصنف نے یہی لفظ استعمال کیے ہیں' صحیح قول کے مطابق منعقد نہیں ہوتا' شارحین نے یہ

بات بیان کی ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک اس لفظ کے ذریعے بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اس قول کے قائل امام کرخی اور انہوں نے دلیل کے طور پر قرآن کی یہ آیت پیش کی ہے ''تو تم انہیں ان کے اجر دے دو''۔

اس آیت میں اجر سے مراد مہر ہے اور اس لفظ کے ذریعے ''اجارہ'' کا مفہوم پایا جا رہا ہے' لیکن صاحب ہدایہ' یہ بات بیان کرتے ہیں: اجارہ میں آدمی متعلقہ کا مالک نہیں ہوتا اس لئے مجازی طور پر اس کے ذریعے نکاح کا مفہوم بیان کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ اس کے بعد مصنف نے تین الفاظ بیان کئے ہیں۔

''اباحت'' یعنی کوئی چیز کسی کے لئے مباح کر دینا۔ ''احلال'' یعنی کوئی چیز کسی کے لئے حلال کر دینا۔ ''اعارہ'' یعنی کوئی چیز کسی کو عاریت کے (عارضی) طور پر دینا۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اس کی وجہ وہی ہے' جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مصنف کے ان الفاظ سے مراد ان کے یہ الفاظ ہیں: یہ سب الفاظ ملک متعہ کے لئے سبب کی حیثیت نہیں رکھتے۔

اس کے بعد مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: لفظ وصیت کے ذریعے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے: جب کوئی شخص کسی دوسرے کو وصیت کرتا ہے' تو جس شخص کے لئے وصیت کی گئی ہے' وہ اس مال کا مالک بن جاتا ہے' تو اس لفظ کے ذریعے نکاح کا انعقاد درست ہونا چاہئے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۴، ص ۳۲۰، بیروت)

مصنف نے اس کا یہ جواب دیا ہے: لفظ وصیت استعمال کرنے کے نتیجے میں ملکیت واجب ہو جاتی ہے' لیکن یہ وصیت کرنے والے کے مرنے کے بعد ہوتی ہے' اس لئے زمانہ موجودہ میں اس کے ذریعے ملکیت ثابت نہیں ہو رہی' تو اس لفظ کے ذریعے نکاح کا مفہوم زمانہ موجود میں مراد نہیں لیا جا سکتا۔

احوال عرف سے شہادت نکاح کا بیان

نکاح کے ثبوت میں اگر کسی نے ایک شخص کو عورت کے ہاں آتے جاتے دیکھا اور لوگوں سے بھی سنا کہ یہ مرد عورت آپس میں خاوند بیوی ہیں تو دیکھنے سننے والے کو جائز ہے کہ وہ اس عورت کے اس مرد کی بیوی ہونے کی شہادت دے اگرچہ اس نے ان کے نکاح کی مجلس نہ دیکھی ہو، (خلاصۃ الفتاوٰی، ج ۲، ص ۵۲، کوئٹہ)

اگر کسی نے مرد و عورت کو ایک مکان میں رہتے دیکھا اور ان کو آپس میں میاں بیوی کی طرح بے تکلف پایا تو اس کے لیے ان دونوں کے نکاح کی شہادت دینا جائز ہے۔ (فتاوٰی قاضی خان، ج ۲، ص ۱۸۵، لکھنؤ)

گواہ تفسیر کرتے ہوئے کہیں کہ ہم نے لوگوں سے سنا ہے۔ لیکن اگر یوں بھی کہہ دیا کہ ہم نے نکاح ہوتے نہیں دیکھا لیکن ہمارے ہاں لوگوں میں مشہور ہے کہ (دونوں میاں بیوی ہیں) تو تمام صورتوں میں شہادت درست ہوگی۔ اس قول کو شارح وہبانیہ وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (درمختار، ج ۲، ص ۹۳، دہلی)

نکاح کے گواہوں میں فقہی احکام کا بیان

قَالَ ﴿وَلَا يَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا بِحُضُوْرِ شَاهِدَيْنِ حُرَّيْنِ عَاقِلَيْنِ بَالِغَيْنِ مُسْلِمَيْنِ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَّامْرَاَتَيْنِ عُدُوْلًا كَانُوْا اَوْ غَيْرَ عُدُوْلٍ اَوْ مَحْدُوْدِيْنَ فِي الْقَذْفِ﴾ اِعْلَمْ اَنَّ الشَّهَادَةَ شَرْطٌ فِيْ بَابِ النِّكَاحِ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿لَا نِكَاحَ اِلَّا بِشُهُوْدٍ﴾ (١) وَهُوَ حُجَّةٌ عَلٰى مَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي اشْتِرَاطِ الْاِعْلَانِ دُوْنَ الشَّهَادَةِ وَلَابُدَّ مِنْ اعْتِبَارِ الْحُرِّيَّةِ فِيْهَا لِاَنَّ الْعَبْدَ لَا شَهَادَةَ لَهٗ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ ، وَلَابُدَّ مِنْ اعْتِبَارِ الْعَقْلِ وَالْبُلُوْغِ ، لِاَنَّهٗ لَا وِلَايَةَ بِدُوْنِهِمَا ، وَلَابُدَّ مِنْ اعْتِبَارِ الْاِسْلَامِ فِيْ اَنْكِحَةِ الْمُسْلِمِيْنَ لِاَنَّهٗ لَا شَهَادَةَ لِلْكَافِرِ عَلَى الْمُسْلِمِ ،

ترجمہ:

فرماتے ہیں: دو مسلمانوں کا نکاح صرف دو آزاد عاقل بالغ مسلمان گواہوں کی موجودگی میں منعقد ہوسکتا ہے وہ دونوں مرد ہوں یا ایک مرد ہو اور دو عورتیں ہوں خواہ وہ عادل ہوں یا عادل نہ ہوں یا ان پر حد قذف جاری ہو چکی ہو۔

فرماتے ہیں: یہ بات جان لو! نکاح کے باب میں گواہی شرط ہے اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''صرف گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہوسکتا ہے''۔ یہ روایت امام مالک علیہ الرحمہ کے خلاف حجت ہے کہ وہ ''گواہی'' کے بجائے ''اعلان'' کو شرط قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں آزاد ہونے کا اعتبار کرنا ضروری ہوگا کیونکہ غلام کی شہادت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی کیونکہ اسے ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ اس میں عقل اور بلوغت کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہوگا کیونکہ ان دونوں کے بغیر ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کے نکاح میں اسلام کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ کوئی کافر کسی مسلمان کے خلاف گواہی نہیں دے سکتا۔

شرط گواہوں سے تخصیص کا بیان

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نکاح میں گواہی کی شرط اس لئے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا گواہی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔ اور اگر اس پر اعتراض کیا جائے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے۔ جبکہ اللہ تعالی کا فرمان '' فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ '' ہے۔ عام ہے جس میں خبر واحد کے ذریعے تخصیص کرنا جائز نہیں ہے۔

فخر الاسلام نے اس کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ یہ حدیث مشہور ہے جو امت کو ملی ہے۔ لہذا اس کو امت نے قبول کیا ہے۔ پس اس کے ساتھ تخصیص کرنا درست ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ ج ۴، ص ۳۲۱، بیروت)

نکاح میں شرط گواہی کے ثبوت میں احادیث کا بیان

نکاح کے وقت جس طرح سرپرست کی اجازت اور عورت کی رضامندی ضروری ہے، اسی طرح اظہار رضامندی کے وقت کم از کم دو گواہوں کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ آئندہ اگر کوئی تنازعہ کھڑا ہو تو دونوں گواہ اپنا کردار ادا کر سکیں۔

(۱) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرپرست اور دو گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ (دار قطنی ص 225، ج 2)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں دو دیانت دار گواہ کے الفاظ ہیں۔ (بیہقی ص 125 ج 7) گواہوں میں عدالت بھی شرط ہے کہ وہ اچھے کردار کے حامل اور بہترین اخلاق سے متصف ہوں، اسی طرح سرپرست کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ لڑکی کیلئے خیر خواہی کے جذبات رکھنے والا ہو جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دو عادل گواہ اور خیر خواہ سرپرست کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ (مسند امام احمد ص 250 ج 1)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک معاملہ لایا گیا جس میں نکاح کے وقت صرف ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھے تو انہوں نے فرمایا یہ خفیہ نکاح ہے، میں اسے جائز نہیں قرار دے سکتا۔ اگر میں وہاں شریک ہوتا تو انہیں رجم کی سزا دیتا۔
(مؤطا امام مالک ص 535 ج 1)

(۴) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زانی عورتیں وہ ہیں جو گواہوں کے بغیر نکاح کرتی ہیں یوسف بن حماد کہتے ہیں کہ عبدالاعلی نے یہ حدیث تفسیر کے باب میں مرفوع اور کتاب الطلاق میں موقوف نقل کی ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث، ۱۱۰۳)

شہادت نکاح میں فقہاء کوفہ ومدینہ کے اختلاف کا بیان

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ عبدالاعلی اسے سعید سے اور وہ قتادہ سے موقوف روایت کرتے ہیں پھر عبدالاعلی ہی اسے سعید سے مرفوعا بھی روایت کرتے ہیں صحیح یہی ہے کہ یہ ابن عباس کا قول ہے کہ انہوں نے فرمایا گواہوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں کئی راوی سعید بن عروبہ سے بھی اسی کے مثل موقوفا روایت کرتے ہیں اس باب میں عمران بن حصین، انس، اور ابو ہریرہ سے بھی روایت ہے علماء، صحابہ، تابعین، اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا سلف میں سے کسی کا اس مسئلے میں اختلاف نہیں۔

البتہ علماء متاخرین کی ایک جماعت کا اس میں اختلاف ہے پھر علماء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر ایک گواہ دوسرے کے بعد گواہی دے تو کیا حکم ہے چنانچہ اکثر علماء کوفہ اور دیگر علماء کا قول ہے کہ اگر دونوں گواہ بیک وقت نکاح کے وقت موجود نہ ہوں تو ایسا نکاح جائز نہیں بعض اہل مدینہ کہتے ہیں کہ اگر دونوں بیک وقت موجود نہ ہوں اور یکے بعد دیگرے گواہی دیں تو نکاح صحیح ہے

بشرطیکہ نکاح کا اعلان کیا جائے، مالک بن انس کا یہی قول ہے اور اسحاق بن ابراہیم کی بھی یہی رائے ہے بعض اہل علم کے نزدیک نکاح میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے۔امام احمد، اور اسحاق، کا بھی یہی قول ہے۔(جامع ترمذی،۱۱۰۴)

نکاح کی تشہیر وولایت سے متعلق احکام شرعیہ

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگ نکاح کی تشہیر کروا سے مسجدوں میں کیا کرو اور نکاح کے وقت دف بجایا کرو یہ حدیث حسن غریب ہے۔عیسٰی بن میمون انصاری کو حدیث میں ضعیف کہا گیا عیسٰی بن میمون جو ابن ابی نجیح سے تفسیر روایت کرتے ہیں وہ ثقہ ہیں۔(جامع ترمذی،رقم الحدیث،۱۰۸۹)

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔اس باب میں حضرت عائشہ، ابن عباس، ابوہریرہ، ابن عباس، عمران بن حصین، اور انس رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی روایت ہے۔

(جامع ترمذی، رقم الحدیث ۱۱۰۱)

شہادت نکاح پر ائمہ وفقہاء کا اجماع

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عورتیں زنا میں مبتلا ہوتی ہیں جو بغیر گواہوں کے اپنا نکاح کرتی ہیں اس روایت کے بارے میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس پر موقوف ہے یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے بلکہ خود حضرت ابن عباس کا قول ہے(ترمذی)

نکاح کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے منعقد ہو چنانچہ اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح صحیح نہیں ہوتا۔تمام ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے اور صحابہ وتابعین سے بھی یہی منقول ہے۔

نکاح کی شرائط میں فقہی بحث کا بیان

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔نکاح کی چند شرائط ہیں۔جو درج ذیل ہیں۔

(۱) عاقل ہونا۔مجنوں یا ناسمجھ بچہ نے نکاح کیا تو منعقد ہی نہ ہوا۔(۲) بلوغ۔نابالغ اگر سمجھ والا ہے تو منعقد ہو جائے گا مگر ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔(۳) گواہ ہونا۔یعنی ایجاب وقبول دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ہوں۔گواہ آزاد، عاقل، بالغ ہوں اور سب نے ایک ساتھ نکاح کے الفاظ سنے۔بچوں اور پاگلوں کی گواہی سے نکاح نہیں ہوسکتا، نہ غلام کی گواہی سے اگرچہ مدبّر یا مکاتب ہو۔

مسلمان مرد کا نکاح مسلمان عورت کے ساتھ ہے تو گواہوں کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے، لہٰذا مسلمان مرد وعورت کا نکاح کافر کی شہادت سے نہیں ہوسکتا اور اگر کتابیہ سے مسلمان مرد کا نکاح ہو تو اس نکاح کے گواہ ذمّی کافر بھی ہو سکتے ہیں، اگرچہ عورت کے مذہب کے خلاف گواہوں کا مذہب ہو، مثلاً عورت نصرانیہ ہے اور گواہ یہودی یا بالعکس۔یوہیں اگر کافر و کافرہ تو نہ ہوا۔یوہیں اگر

بالغہ کا نکاح اُس کی اجازت سے باپ نے ایک شخص کے سامنے پڑھایا، اگرلڑکی وقت عقد موجود تھی ہوگیا ورنہ نہیں۔ یو ہیں اگر عورت نے کسی کو اپنے نکاح کا وکیل کیا، اُس نے ایک شخص کے سامنے پڑھادیا تو اگر موکلہ موجود ہے ہوگیا ورنہ نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ موکل اگر بوقتِ عقد موجود ہے تو اگرچہ وکیل عقد کررہا ہے مگر موکل عاقد قرار پائے گا اور وکیل گواہ مگر یہ ضرور ہے کہ گواہی دیتے وقت اگر وکیل نے کہا، میں نے پڑھایا ہے تو شہادت نامقبول ہے کہ یہ خود اپنے فعل کی شہادت ہوئی۔ مولی نے اپنی باندی یا غلام کا ایک شخص کے سامنے نکاح کیا، تو اگرچہ وہ موجود ہو نکاح نہ ہوا اور اگر اُسے نکاح کی اجازت دے دی پھر اُس کی موجودگی میں ایک شخص کے سامنے نکاح کیا تو ہوجائے گا۔ (درمختار، کتاب النکاح، ج۴، ص۸۵، بیروت)

نکاح گواہوں کی موجودگی پر فقہی مذاہب اربعہ

نکاح صحیح ہونے کے لیے دوعادل مسلمان گواہوں کا ہونا شرط ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ":ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا" اسے امام بیہقی نے عمران اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ":دو مسلمان گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، چاہے خاوند اور بیوی دونوں مسلمان ہوں، یا پھر خاوند اکیلا مسلمان ہو امام احمد نے یہی بیان کیا ہے، اور امام شافعی کا بھی ایک قول ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ":ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ (المغنی (ج، 7 ص 7، بیروت)

تاہم مشہور مالکی فقیہ ابن رشد اندلسی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام مالک اس بات پر متفق ہیں: گواہوں کی موجودگی نکاح کے لئے شرط ہے لیکن ان کے درمیان اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کیا یہ نکاح مکمل ہونے کے لئے شرط ہے کہ صحبت کے وقت اس کی موجودگی کا حکم دیا جائے یا یہ نکاح کی صحت کے لئے شرط ہے کہ عقد (یعنی ایجاب وقبول) کے وقت اس کی موجودگی کا حکم دیا جائے۔

ان حضرات کے درمیان اختلاف کا بنیادی سبب یہ ہے: نکاح میں گواہوں کی موجودگی کوئی شرعی حکم ہے؟ یا اس کا مقصد باہمی اختلاف یا ممکنہ طور پر کسی فریق کی طرف سے عقد کے انکار کو روکنا ہے؟

جن حضرات نے اسے شرعی حکم قرار دیا ہے ان کے نزدیک گواہوں کی موجودگی نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے اور جن حضرات کے نزدیک اس حکم کا مقصد صرف کسی اختلاف سے بچنا ہے ان کے نزدیک یہ نکاح کی تکمیل کے لئے شرط ہے۔

ابن رشد مزید لکھتے ہیں: ابوثور اور ایک جماعت کے نزدیک گواہ نکاح میں شرط نہیں ہیں نہ صحت کے لئے اور نہ ہی تکمیل کے لئے۔

امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات منقول ہے: انہوں نے گواہوں کے بغیر نکاح کرلیا تھا اور پھر اس کا

اعلان کر دیا تھا۔

مصنف نے اعلان کے شرط ہونے کے بارے میں امام مالک کی دلیل نقل نہیں کی۔ تاہم دیگر محققین نے یہ بات نقل کی ہے امام مالک کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے۔ "اس نکاح کا اعلان کرواور اس میں (اعلان کے طور پر) دف بجاؤ"۔

مصنف نے سابقہ سطور میں گواہوں کے لئے جو شرائط بیان کی ہیں اب یہاں ان کے سبب کی وضاحت کر رہے ہیں۔ گواہوں کا آزاد ہونا' اس لیے ضروری ہے' کیونکہ غلام کو ولایت' یعنی کسی دوسرے پر کوئی چیز نافذ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اسی طرح عقل مند ہونا بھی ضروری ہے' کیونکہ کوئی پاگل یا دیوانہ کسی دوسرے پر تو کیا' اپنے اوپر بھی کوئی چیز شرعی طور پر نافذ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بالغ ہونا بھی شرط ہے' کیونکہ نابالغ کی ولایت شرعی طور پر معتبر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ مصنف نے خود اس بات کی وضاحت کی ہے: ان دونوں' یعنی عقل اور بلوغت کے بغیر شرعی ولایت نہیں پائی جاتی۔ گواہوں کا مسلمان ہونا اس لیے شرط ہے' کیونکہ کوئی کافر کسی مسلمان "پر" گواہی نہیں دے سکتا یہاں ہم نے لفظ "علی" کا ترجمہ "پر" کیا ہے' اس کا مفہوم یہ ہے: کوئی کافر کسی مسلمان کے بارے میں ایسی گواہی نہیں دے سکتا جس میں کسی مسلمان کے ذمے کوئی چیز لازم کی گئی ہو۔

گواہوں کیلئے شرائط میں عدم وصف کا بیان

وَلَا يُشْتَرَطُ وَصْفُ الذُّكُورَةِ حَتّٰى يَنْعَقِدَ بِحُضُورِ رَجُلٍ وَّامْرَاَتَيْنِ "وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَسَتَعْرِفُ فِي الشَّهَادَاتِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تُشْتَرَطُ الْعَدَالَةُ حَتّٰى يَنْعَقِدَ بِحَضْرَةِ الْفَاسِقَيْنِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ. لَهُ اَنَّ الشَّهَادَةَ مِنْ بَابِ الْكَرَامَةِ وَالْفَاسِقُ مِنْ اَهْلِ الْاِهَانَةِ. وَلَنَا اَنَّهُ مِنْ اَهْلِ الْوِلَايَةِ فَيَكُونُ مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ،

وَهٰذَا لِاَنَّهُ لَمَّا لَمْ يُحْرَمِ الْوِلَايَةَ عَلٰى نَفْسِهِ لِاِسْلَامِهِ لَا يُحْرَمُ عَلٰى غَيْرِهِ لِاَنَّهُ مِنْ جِنْسِهِ، وَلِاَنَّهُ صَلَحَ مُقَلَّدًا فَيَصْلُحُ مُقَلِّدًا وَّكَذَا شَاهِدًا. وَالْمَحْدُودُ فِي الْقَذْفِ مِنْ اَهْلِ الْوِلَايَةِ فَيَكُونُ مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ تَحَمُّلًا، وَاِنَّمَا الْفَائِتُ ثَمَرَةُ الْاَدَاءِ بِالنَّهْيِ لِجَرِيمَتِهِ فَلَا يُبَالِي بِفَوَاتِهِ كَمَا فِي شَهَادَةِ الْعُمْيَانِ وَابْنَيِ الْعَاقِدَيْنِ.

ترجمہ

(گواہوں کے لئے) مذکر ہونے کی شرط عائد نہیں کی گئی۔ یہاں تک کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں بھی نکاح منعقد ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں امام شافعی کی رائے مختلف ہے۔ عنقریب "شہادات" کے باب میں' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا' تو آپ

یہ بات جان لیں گے۔اس کے لئے عدالت کو شرط قرار نہیں دیا گیا' یہاں تک کہ فاسق گواہوں کی موجودگی میں بھی یہ منعقد ہو جائے گا۔یہ ہمارے نزدیک ہے' جبکہ امام شافعی کی رائے مختلف ہے۔ان کی دلیل یہ ہے: شہادت کا تعلق اعزاز کے ساتھ ہے اور فاسق شخص اہانت کے لائق ہے۔ہماری دلیل یہ ہے: وہ ولایت کا حق رکھتا ہے' تو وہ شہادت کا حق بھی رکھتا ہوگا وہ اس طرح کہ جب وہ اپنے اسلام کی وجہ سے' اپنی ذات پر تصرف سے محروم نہیں ہے' تو وہ کسی دوسرے پر تصرف سے بھی محروم نہیں ہوگا' کیونکہ وہ بھی (ایمان کے اعتبار سے) اس دوسرے کی جنس سے تعلق رکھتا ہے۔نیز وہ حکمران بننے کی صلاحیت رکھتا ہے' تو قاضی بننے کی صلاحیت بھی رکھے گا اسی طرح وہ گواہ بھی بن سکتا ہے۔

جس شخص پر حد قذف جاری کی گئی ہو وہ ولایت کا حقدار ہوتا ہے' تو وہ "تحمل شہادت" کا حق بھی رکھتا ہوگا۔اس سے ادائیگی شہادت کا ثمرہ فوت ہو جائے گا' اس کے اس جرم کی وجہ سے ہونیوالی ممانعت کے باعث' تو اس بات کے فوت ہونے کی پرواہ نہیں کی جائے گی' جیسا کہ اندھے شخص یا فریقین کے بیٹوں کی گواہی میں ایسا ہی ہوگا۔

نکاح کی گواہی پر وصف تذکیر میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن جزیری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔فقہاء مالکیہ،شوافع اور حنابلہ کے نزدیک نکاح کے دونوں گواہوں کیلئے مرد ہونا شرط ہے۔لہٰذا ان کے نزدیک عورتوں کی گواہی علی الاطلاق درست نہیں ہے۔جبکہ احناف کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی نکاح میں قابل قبول ہے۔(مذاہب اربعہ،ج ۴،ص ۴۴،اوقاف پنجاب)

نکاح منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عاقل بالغ اور حر، مجلس میں حاضر ہوں۔(درمختار کتاب النکاح) بحرالرائق میں ہے:فلا ينعقد بحضرة العبيد والصبيان غلاموں اور بچوں کی موجودگی سے نکاح نہ ہوگا۔

(بحرالرائق کتاب النکاح)

فریقین کا مجلس نکاح میں شاہدین کے سامنے ہونے کا بیان

علامہ محمد امین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔بحر میں ہے کہ گواہوں کے نزدیک منکوحہ کا ممتاز ہونا ضروری ہے تاکہ کسی قسم کی جہالت ولاعلمی نہ رہے،پس اگر مجلس میں نقاب پہن کر حاضر ہو تو نکاح میں اس کی طرف اشارہ کافی ہے اگرچہ چہرہ کھلا رکھنے میں احتیاط ہے۔اگر مجلس والے اس عورت کی شخصیت کو نہ دیکھ پائیں اور کمرے میں سے اس کی آواز سن رہے ہوں اگر وہ کمرے میں اکیلی ہو تو نکاح جائز ہے اور اگر اس کے ساتھ کمرے میں کوئی عورت بھی ہو تو جائز نہیں،کیونکہ لاعلمی باقی ہے۔اور اگر وہ عورت مجلس میں موجود نہیں اور اس کی آواز بھی سنی نہیں جاسکتی اس کی طرف سے اس کا نکاح وکیل کر رہا ہو تو اگر گواہ اس عورت کو جانتے ہیں تو نکاح میں عورت کا نام ذکر کر دینا کافی ہے جبکہ گواہوں کو علم ہو کہ وکیل کی مراد وہی عورت ہے۔

اور اگر گواہ اس کو نہ پہچانتے ہوں تو عورت،اس کے والد اور دادا کا نام ذکر کرنا ضروری ہے۔اور امام خصاف نے نام ذکر کئے

بغیر بھی جائز کہا ہے مثلاً ایک عورت نے نکاح کرنے والے کو گواہوں کے سامنے اپنا وکیل بنایا ہو تو اس سے نکاح کرنے والا یوں کہہ دے کہ میں نے ان گواہوں کی موجودگی میں اپنی مؤکلہ کا نکاح اپنے ساتھ کر دیا یا یوں کہہ دے کہ جس عورت نے مجھے اپنے نکاح کا اختیار دیا ہے میں نے اس کا نکاح اپنے ساتھ کر دیا، تو اس طرح بھی امام خصاف کے قول پر نکاح صحیح ہوگا، امام قاضی خاں نے فرمایا کہ خصاف کا علم میں بڑا مقام ہے اس کی بات پر عمل جائز ہے۔ اور حاکم شہید نے بھی منتقی میں خصاف جیسا قول کیا ہے۔ اور تتارخانیہ میں مضمرات کے حوالے سے ہے کہ پہلا قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ بحر میں فضولی اور وکیل کی فصل میں یونہی اس کو مذہب میں مختار قرار دیا ہے جو کہ خصاف کے قول کے خلاف ہے اگرچہ خصاف کا بڑا اعلیٰ مقام ہے۔

(ردالمختار کتاب النکاح، ج ۲، ص ۲۷۲، دار احیاء التراث العربی بیروت)

شہادت نکاح میں تعبیر اصیل کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

شیخ الاسلام خواہرزادہ نے کہا ہے کہ یہ اس وقت جائز ہوگا جب وہ اپنے اصیل ہونے کو تعبیر کرے، یعنی "میں نے نکاح کر لیا" کہے، لیکن اگر اس نے نائب ہونے کو تعبیر کیا اور "نکاح کر دیا" کہا تو یہ کافی نہیں، پس اگر اس نے "فلاں عورت سے نکاح کر لیا" کہا، تو وہ کافی ہے اور اگر یوں کہا کہ "میں نے فلاں عورت کا اپنے ساتھ نکاح کر دیا" تو کافی نہ ہوگا کیونکہ اس کہنے میں وہ نائب ہے۔ اور ہدایہ کی وہ عبارت جو ابھی ہم نے ذکر کی ہے وہ اس بات کی نفی میں صریح ہے اور تجنیس میں بھی اس کی نفی پر تصریح، غریب الروایہ اور فتاویٰ صغریٰ کے حوالے سے کی ہے۔ (فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح، بیروت)

مذاق واجباری نکاح کے انعقاد میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمن جزیری لکھتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ کے مذاق کے طور پر نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا عقد تمہارے ساتھ کر دیا اور وہ مخاطب کہے کہ میں قبول کر لیا تو نکاح ہو جائے گا۔ اگرچہ دونوں نے یہ بات مذاق کے طور پر کہی ہو اور طلاق وعتاق میں بھی یہی حکم ہے۔

جو نکاح زبردستی کر دیا جائے اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے وہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو مجبور کیا جائے اور اس طرح دباؤ ڈالا جائے جس کو شرعی طور پر جبر (زبردستی) کہتے ہیں کہ میں نے فلاں عورت کا نکاح اپنے ساتھ قبول کیا ہے تو نکاح منعقد نہ ہوگا جبکہ احناف اس سے اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جبری طور پر نکاح کروالینے سے عقد منعقد ہو جائے گا۔

(کتاب الفقہ، ج ۴، ص ۳۲، اوقاف پنجاب)

ولایت نکاح میں عورت کی حیثیت

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ عورت خود اپنا نکاح

کرے کیونکہ وہ عورت زنا میں مبتلا رہتی ہے جو اپنا نکاح خود کرتی ہے۔ (ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر ۳۵۳)

عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے حنفیہ کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق یا تو اس عورت سے ہے۔ جس کو ولایت حاصل نہ ہو یا پھر یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے کیونکہ اگرچہ بالغہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خود کرلے یا کسی کو بھی اپنا وکیل بنالے۔ لیکن اس کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی ہی کو سپرد کردے چنانچہ اگر کسی عورت کا ولی موجود ہو تو اس عورت کا نکاح اسی کو کرنا مستحب ہے اور یہ بات پہلے بتائی جاچکی ہے اگر کسی کا کوئی بھی ولی موجود نہ ہو تو پھر اسکا ولی قاضی ہوتا ہے۔

لہذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ بہتر اور مناسب بات یہ ہے کہ جس عورت کا ولی موجود ہو تو کوئی دوسری عورت اس کا نکاح نہ کرے بلکہ وہ ولی خود کرے اور اگر ولی موجود نہ ہو تو پھر قاضی کو حق ولایت حاصل ہوگا جو اس عورت کا نکاح کرے گا۔

نہ عورت خود اپنا نکاح کرے حنفیہ کے نزدیک مراد یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے ولی کے بغیر نکاح نہ کرے۔ اس طرح حدیث کے آخری جملہ کا مطلب حنفیہ کی مراد کی روشنی میں تو یہ ہوگا کہ جو عورت اس شوہر سے مجامعت کریگی جس سے اس نے بغیر گواہوں کے اور اس کے غیر کفو ہونے کے باوجود نکاح کیا ہے تو اس کی مجامعت زنا کے حکم میں ہوگی اور حضرت امام شافعی کی مراد کی روشنی میں یہ مطلب ہوگا کہ جو عورت اپنے ولی کے بغیر اپنا نکاح کریگی تو وہ جب بھی اپنے اس شوہر سے مجامعت کریگی گویا زنا کا ارتکاب کریگی کیونکہ امام شافعی کے نزدیک جس طرح کسی عورت کو کسی دوسری عورت کا عقد کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہوتی اسی طرح کوئی عورت خود اپنا عقد نکاح کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتی۔ چنانچہ شوافع کے ہاں عورتوں کی عبارت کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوتا۔

معیار شہادت کا فقہی بیان

اگرچہ ہدایہ کے بعض شارحین نے نبی اکرم ﷺ کا ایک فرمان نقل کیا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے: گواہوں کی عزت افزائی کی جانی چاہئے۔

احناف کی دلیل یہ ہے: ایسا شخص ولایت کا اہل ہوتا ہے، یعنی وہ دوسرے پر کوئی چیز نافذ کرسکتا ہے جیسے وہ خود اپنا نکاح کرسکتا ہے، اپنے کسی غلام یا کنیز کا نکاح کرواسکتا ہے، تو جب وہ ولایت کا اہل ہوگا، تو اسے شہادت (گواہی) کا بھی اہل ہونا چاہئے۔

یہاں ایک سوال ہے: اور وہ یہ کہ اگر حد قذف کا سزا یافتہ شخص ولایت کا اہل ہوتا ہے، تو اس کی ولایت مکمل ہونی چاہئے یعنی وہ تحمل شہادت اور ادائے شہادت دونوں کا حقدار ہونا چاہئے۔ اس کے جواب میں مصنف نے یہ بات واضح کی ہے: بعض اوقات ایسا ہوسکتا ہے، کوئی شخص تحمل شہادت کا اہل ہو، لیکن ادائے شہادت کا اہل نہ ہو۔

اس کی مثال یہ ہے: اگر نکاح کے گواہوں میں نابینا شخص موجود ہو، یا فریقین میں سے کسی ایک کا بیٹا موجود ہو، تو حکم یہی

ہے: نکاح منعقد ہو جائے گا' کیونکہ نابینا شخص اور فریقین میں سے کسی کا بیٹا' تحمل شہادت کے اہل ہیں' لیکن اگر ان دونوں کو عدالت میں پیش کر دیا جائے تو ان کی گواہی معتبر نہیں ہوگی' کیونکہ یہ ادائے شہادت کے اہل نہیں ہیں۔

یہی حکم حد قذف کی سزا یافتہ شخص کا ہے' کیونکہ اس کے جرم کی وجہ سے شرعی ممانعت کے باعث شہادت کی ادائیگی کا ثمرہ فوت ہو گیا ہے' لیکن اس کی فوتگی کی پرواہ نہیں کی جائے گی' کیونکہ شرعی ممانعت کا تعلق تحمل شہادت کے ساتھ نہیں ہے اور اپنی اصل کے اعتبار سے وہ شخص تحمل شہادت کا اہل شمار ہوگا' اسی لئے اس کی گواہی میں نکاح درست ہوگا۔

نکاح کے انعقاد میں ضرورت زبان کے سقوط کا بیان

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں " : جو شخص عربی زبان نہ جانتا ہو تو اس کا نکاح اپنی زبان میں صحیح ہے؛ کیونکہ وہ اور کوئی زبان نہیں جانتا، اس لیے گونگے کی طرح وہ ساقط ہو جائیگی، اسے اس کی ضرورت ہے کہ وہ اس کا خاص معنی لائے، اس طرح کہ وہ عربی الفاظ کے معانی پر مشتمل ہوں، جو عربی نہیں جانتا اس کے لیے نکاح کے الفاظ عربی میں سیکھنا ضروری نہیں۔

اس لیے اگر ان میں سے ایک شخص یعنی ولی یا خاوند میں سے کوئی ایک عربی جانتا ہو وہ عربی میں الفاظ کہے اور جو نہیں جانتا وہ اپنی زبان میں، اور اگر دونوں ہی ایک دوسرے کی زبان نہیں جانتے تو اس بات کی ضرورت ہے کہ اسے علم ہو کہ دوسرا شخص نکاح کے الفاظ کہہ رہا ہے، یعنی اسے کوئی دوسرا با اعتماد شخص بتائے جو دونوں زبانیں جانتا ہو۔

(مغنی، کتاب النکاح)

.می کی شہادت کا بیان

قَالَ ﴿وَاِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ ذِمِّيَّةً بِشَهَادَةِ ذِمِّيَّيْنِ جَازَ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَبِىْ يُوْسُفَ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَّزُفَرُ :لَا يَجُوْزُ﴾ لِاَنَّ السَّمَاعَ فِى النِّكَاحِ شَهَادَةٌ وَّلَاشَهَادَةَ لِلْكَافِرِ عَلَى الْمُسْلِمِ فَكَاَنَّهُمَا لَمْ يَسْمَعَا كَلَامَ الْمُسْلِمِ .

وَلَهُمَا اَنَّ الشَّهَادَةَ شُرِطَتْ فِى النِّكَاحِ عَلٰى اعْتِبَارِ اِثْبَاتِ الْمِلْكِ لِوُرُوْدِهٖ عَلٰى مَحَلٍّ ذِى خَطَرٍ لَّا عَلٰى اعْتِبَارِ وُجُوْبِ الْمَهْرِ اِذْ لَا شَهَادَةَ تُشْتَرَطُ فِىْ لُزُوْمِ الْمَالِ وَهُمَا شَاهِدَانِ عَلَيْهَا ، بِخِلَافِ مَا اِذَا لَمْ يَسْمَعَا كَلَامَ الزَّوْجِ لِاَنَّ الْعَقْدَ يَنْعَقِدُ بِكَلَامَيْهِمَا وَالشَّهَادَةُ شُرِطَتْ عَلَى الْعَقْدِ

ترجمہ

فرمایا: اگر کوئی مسلمان دو ذمیوں کی گواہی کے ساتھ کسی ذمی عورت کے ساتھ شادی کر لے تو امام اعظم ابوحنیفہ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ درست ہوگا امام محمد اور امام زفر یہ فرماتے ہیں: یہ جائز نہیں ہے' کیونکہ (نکاح میں ایجاب وقبول کو) سننا ہی گواہی ہے اور کافر کسی مسلمان کے خلاف کوئی گواہی نہیں دے سکتا تو گویا ان دونوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں۔ ان دونوں حضرات (شیخین) کی دلیل یہ ہے: نکاح میں گواہی کو شرط اس لیے رکھا گیا ہے تا کہ "اثبات ملک" کا اعتبار کیا جا سکے کیونکہ وہ ایک ایسے محل پر وارد ہوتی ہے' جو قابل احترام ہے' اس میں مہر کے وجوب کا اعتبار نہیں کیا جاتا کیونکہ مال کے لازم کیے جانے کے بارے میں گواہی کو شرط قرار نہیں دیا گیا' وہ دونوں گواہ اس عورت پر گواہ ہوں گے

جبکہ وہ صورت اس کے برخلاف ہے' جب ان دونوں نے شوہر کا کلام ہی نہ سنا ہو' کیونکہ "عقد" ان دونوں فریقین کے کلام کے ذریعے منعقد ہوگا اور گواہی عقد پر شرط رکھی گئی ہے۔

نکاح مسلم کی شہادت میں اسلام کے شرط ہونے کا بیان

علاء۔علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔مسلمان مرد کا نکاح مسلمان عورت کے ساتھ ہے تو گواہوں کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے، لہٰذا مسلمان مرد وعورت کا نکاح کافر کی شہادت سے نہیں ہو سکتا اور اگر کتابیہ سے مسلمان مرد کا نکاح ہو تو اس نکاح کے گواہ ذمی کافر بھی ہو سکتے ہیں، اگر چہ عورت کے مذہب کے خلاف گواہوں کا مذہب ہو، مثلاً عورت نصرانیہ ہے اور گواہ یہودی یا بالعکس۔ یو ہیں اگر کافر و کافرہ کا نکاح ہو تو اس نکاح کے گواہ کافر بھی ہو سکتے ہیں اگر چہ دوسرے مذہب کے ہوں۔ سمجھ دار بچے یا غلام کے سامنے نکاح ہوا اور مجلس نکاح میں وہ لوگ بھی تھے جو نکاح کے گواہ ہو سکتے ہیں پھر وہ بچہ بالغ ہو کر یا غلام آزاد ہونے کے بعد اُس نکاح کی گواہی دیں کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا اور اُس وقت ہمارے سوا نکاح میں اور لوگ بھی موجود تھے، جن کی گواہی سے نکاح ہوا تو اُن کی گواہی مان لی جائے گی۔ مسلمان کا نکاح ذمیہ سے ہوا اور گواہ ذمی تھے، اب اگر مسلمان نے نکاح سے انکار کر دیا تو ان کی گواہی سے نکاح ثابت نہ ہوگا۔ (درمختار، کتاب النکاح)

ایجاب وقبول گواہوں کے روبرو ہونا

شیخ نظام الدین حنفی فقہاء احناف سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ باہمی حقوق واختیارات کو محفوظ رکھنے کیلئے کم از کم دو گواہوں یعنی دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کا ایجاب وقبول کے وقت ہونا شرط نکاح ہے۔ گواہوں کا عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ سب نے ایک ساتھ نکاح کے الفاظ سنے اور مسلمان مرد کا نکاح، مسلمان عورت کے ساتھ ہو تو گواہوں کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔ لہٰذا مسلمان مرد وعورت کا نکاح کافروں کی شہادت سے نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر کتابیہ مثلاً نصرانیہ سے مسلمان مرد کا نکاح ہو تو اس نکاح کے گواہ ذمی کافر بھی ہو سکتے ہیں۔

گواہ دوسرے ملک کے ہیں کہ یہاں کی زبان نہیں سمجھتے تو اگر یہ سمجھ رہے ہیں کہ نکاح ہو رہا ہے اور الفاظ بھی سنے اور سمجھے یعنی وہ الفاظ زبان سے ادا کر سکتے ہیں اگر چہ ان کے معنی نہیں سمجھتے تو نکاح ہو گیا۔ (عالمگیری، کتاب النکاح)

شہادت نکاح میں ذمی کا فقہی مفہوم

یہاں پہلے یہ بات واضح ہو جانی چاہیے: یہاں متن میں ذمی سے مراد وہ عورت ہے' جو اہل کتاب سے تعلق رکھتی ہو' کیونکہ ذمی ہونے کے لئے یہ بات شرط نہیں ہے کہ اہل کتاب ہی ہو بلکہ غیر اہل کتاب بھی' یعنی مشرکین اور مجوسی بھی ذمی بن سکتے ہیں' لیکن مسلمان کا نکاح کسی مجوسی یا مشرک عورت کے ساتھ نہیں ہو سکتا اس لیے عبارت میں ذمیہ عورت سے مراد اہل کتاب عورت ہو گی۔

امام محمد اور امام زفر نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: نکاح میں گواہی کا مطلب فریقین کے کلام کو سننا ہے اور کوئی کافر کسی مسلمان کیخلاف گواہی نہیں دے سکتا' جیسا کہ سابقہ سطور میں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے' گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں: اس لیے اگر کسی مسلمان کی کسی ذمی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے دوران گواہ ذمی ہوں اور وہ دونوں فریقین کا کلام سن بھی لیں' تو گویا انہوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں' اس لیے یہ نکاح منعقد نہیں ہو گا۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے: نکاح میں گواہی کو شرط اس لیے قرار دیا گیا ہے تا کہ ملکیت کو ثابت کیا جا سکے جو ایک قابل احترام چیز سے متعلق ہے' یہ گواہی مہر واجب کرنے کے لئے مشروط نہیں کی گئی ہے' کیونکہ مال لازم کرنے میں گواہی شرط نہیں ہو گی' اس لیے یہ گواہی عورت پر لازم ہونے کے اعتبار سے ہو گی' تو ذمی شخص کسی ذمی عورت کا گواہ بن سکتا ہے' لہٰذا یہ نکاح درست ہو گا' جبکہ مرد پر لازم ہونے والی چیز مہر کی ادائیگی ہے اور اس کا وجوب گواہی کے بغیر بھی ممکن ہے اس لیے ان دونوں ذمیوں کی گواہی' مسلمان مرد کے خلاف نہیں ہو گی۔ امام محمد نے جو یہ کہا ہے: یہ اسی طرح ہو گا' جیسے ان دونوں گواہوں نے شوہر کا کلام سنا ہی نہیں۔

مصنف فرماتے ہیں: جب دونوں گواہ شوہر کا کلام سنتے ہی نہیں ہیں' تو اس کا حکم مختلف ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے: عقد فریقین کے کلام کے ذریعے منعقد ہوتا ہے اور اس گواہی کو عقد کے لئے شرط قرار دیا گیا ہے۔

شہادت نکاح میں جب عاقدین انکار کر دیں

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر نکاح کے گواہ فاسق ہوں یا اندھے یا اُن پر تہمت کی حد لگائی گئی ہو تو ان کی گواہی سے نکاح منعقد ہو جائے گا' مگر عاقدین میں سے اگر کوئی انکار کر بیٹھے تو ان کی شہادت سے نکاح ثابت نہ ہو گا۔ عورت یا مرد یا دونوں کے بیٹے گواہ ہوئے نکاح ہو جائے گا مگر میاں بی بی میں سے اگر کسی نے نکاح سے انکار کر دیا' تو ان

لڑکوں کی گواہی اپنے باپ یا ماں کے حق میں مفید نہیں، مثلاً مرد کے بیٹے گواہ تھے اور عورت نکاح سے انکار کرتی ہے، اب شوہر نے اپنے بیٹوں کو گواہی کے لیے پیش کیا، تو ان کی گواہی اپنے باپ کے لیے نہیں مانی جائے گی اور اگر وہ دونوں گواہ دونوں کے بیٹے ہوں یا ایک ایک کا، دوسرا دوسرے کا تو ان کی گواہی کسی کے لیے نہیں مانی جائے گی۔

(درمختار، کتاب النکاح)

مباشر اور وکیل کے بارے میں فقہی احکام

قَالَ ﴿وَمَنْ اَمَرَ رَجُلًا بِاَنْ يُّزَوِّجَ ابْنَتَهُ الصَّغِيْرَةَ فَزَوَّجَهَا وَالْاَبُ حَاضِرٌ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ سِوَاهُمَا جَازَ النِّكَاحُ﴾ لِاَنَّ الْاَبَ يُجْعَلُ مُبَاشِرًا لِلْعَقْدِ لِاتِّحَادِ الْمَجْلِسِ وَيَكُوْنُ الْوَكِيْلُ سَفِيْرًا وَّمُعَبِّرًا فَيَبْقَى الْمُزَوِّجُ شَاهِدًا ﴿وَاِنْ كَانَ الْاَبُ غَائِبًا لَمْ يَجُزْ﴾ لِاَنَّ الْمَجْلِسَ مُخْتَلِفٌ فَلَا يُمْكِنُ اَنْ تَجْعَلَ الْاَبَ مُبَاشِرًا، وَعَلٰى هٰذَا اِذَا زَوَّجَ الْاَبُ ابْنَتَهُ الْبَالِغَةَ بِمَحْضَرِ شَاهِدٍ وَّاحِدٍ اِنْ كَانَتْ حَاضِرَةً جَازَ، وَاِنْ كَانَتْ غَائِبَةً لَّمْ يَجُزْ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

ترجمہ

فرمایا: جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو یہ ہدایت کرے کہ وہ اس کی کمسن بیٹی کی شادی کردے اور پھر وہ شخص اس عورت کی شادی کردے جبکہ وہ باپ وہاں موجود ہو اور ایک گواہ کی موجودگی میں شادی کرے جو ان دونوں (یعنی لڑکی کے باپ اور اس کی شادی کرنے والے) کے علاوہ ہو تو یہ نکاح درست ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے: مجلس کے اتحاد کی وجہ سے باپ کو بذات خود عقد کروانے والا بنا دیا جائے گا' تو اس صورت میں (باپ کی طرف سے مقرر کیا ہوا) وکیل سفیر ہوگا اور تعبیر کرنے والا (یا پیغام دینے والا) ہوگا۔ اس اعتبار سے شادی کروانے والا شخص گواہ شمار ہوگا' لیکن اگر باپ موجود نہ ہو' تو ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا' کیونکہ مجلس مختلف ہے' تو اس صورت میں باپ کو بذات خود عقد کروانے والا نہیں بنایا جاسکتا۔

اسی بنیاد پر جب باپ اپنی بالغ بیٹی کی شادی ایک گواہ کی موجودگی میں کرے' تو اگر وہ لڑکی موجود ہو' تو یہ جائز ہوگا اور اگر موجود نہ ہو' تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

مؤکل کی موجودگی میں وکیل کے نکاح کا حکم شرعی

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میری نابالغہ لڑکی کا نکاح فلاں سے کردے،

اس نے ایک گواہ کے سامنے کر دیا تو اگر لڑکی کا باپ وقتِ نکاح موجود تھا تو نکاح ہو گیا کہ وہ دونوں گواہ ہو جائیں گے اور باپ عاقد اور موجود نہ تھا۔ تو نہ ہوا۔ یونہی اگر بالغہ کا نکاح اُس کی اجازت سے باپ نے ایک شخص کے سامنے پڑھایا، اگر لڑکی وقت عقد موجود تھی ہو گیا ورنہ نہیں۔ یونہی اگر عورت نے کسی کو اپنے نکاح کا وکیل کیا، اُس نے ایک شخص کے سامنے پڑھا دیا تو اگر موکلہ موجود ہے ہو گیا ورنہ نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ موکل اگر بوقتِ عقد موجود ہے تو اگرچہ وکیل عقد کر رہا ہے مگر موکل عاقد قرار پائے گا اور وکیل گواہ مگر یہ ضرور ہے کہ گواہی دیتے وقت اگر وکیل نے کہا، میں نے پڑھایا ہے تو شہادت نا مقبول ہے کہ یہ خود اپنے فعل کی شہادت ہوئی۔ (درمختار، کتاب النکاح)

گواہوں کا ایک مجلس میں ہونے کا فقہی اعتبار

شیخ نظام الدین فقہائے احناف سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ ایک گھر میں نکاح ہوا اور یہاں گواہ نہیں، دوسرے مکان میں کچھ لوگ ہیں جن کو انھوں نے گواہ نہیں بنایا مگر وہ وہاں سے سُن رہے ہیں، اگر وہ لوگ اُنھیں دیکھ بھی رہے ہوں تو اُن کی گواہی مقبول ہے ورنہ نہیں۔ گواہوں کا ایجاب و قبول کے وقت ہونا شرط ہے، فلہٰذا اگر نکاح اجازت پر موقوف ہے اور ایجاب و قبول گواہوں کے سامنے ہوئے اور اجازت کے وقت نہ تھے ہو گیا اور اس کا عکس ہوا تو نہیں۔ گواہ اُسی کو نہیں کہتے جو دو شخص مجلسِ عقد میں مقرر کر لیے جاتے ہیں، بلکہ وہ تمام حاضرین گواہ ہیں جنھوں نے ایجاب و قبول سُنا اگر قابلِ شہادت ہوں۔

(عالمگیری، کتاب النکاح)

ٹیلی فون کے ذریعے نکاح کرنے کا حکم

مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی لکھتے ہیں۔ ٹیلی فون کے ذریعے نکاح کرنے کی عملی ترکیب حسب ذیل ہے۔

سب سے پہلے پاکستان سے نکاح فارم لیں اور ان کو مکمل فل کریں۔ جو فریق ملک سے باہر ہے، اس کا نام، پتہ اور دستخط کرنے کیلئے وہ کاغذات اس کے پاس بھیجیں۔ مثلاً لڑکا باہر ہے تو دولہا اس کا وکیل اور اس کے وکیل کے دو گواہ کم سے کم ان تینوں کے نام مکمل پتے اور ان کے مخصوص جگہ پر دستخط کرنے کیلئے چاروں نکاح فارمز باہر بھیجیں۔ وہ اسے فل کر کے واپس بھیج دیں گے۔ باقی فارم یہاں پُر کریں۔ لڑکے اور ان تینوں کو لڑکی کی تمام ضروری معلومات اور حق مہر کی تفصیل بتا دیں۔

لڑکی یہاں ہے، اس کا نام پتہ اس کے وکیل کا نام، پتہ اور وکیل بنانے کے دو گواہوں کے نام و پتہ لکھیں اور ان سب کے دستخط کروائیں۔ پھر شادی کے دو گواہ بنا لیں ان کے نام و پتہ اور دستخط کروائیں۔

جب اِدھر اُدھر کے دونوں فریقوں کو تمام حقیقت معلوم ہو گئی تو ٹیلی فون سیٹ نکاح خوان کے سامنے رکھیں۔ تمام متعلقہ لوگ جن کے نام فارم پر لکھے ہیں۔ اِدھر کے بھی اور اُدھر کے بھی ایک جگہ بیٹھ جائیں۔ اِدھر کے یہاں اور اُدھر کے

وہاں۔اب نکاح خوان فارم ہاتھ میں لے اور ٹیلی فون یا انٹرنیٹ کی صورت میں مائیک پر لڑکے کا نام اسی سے پوچھے۔والد کا نام اور یہ بھی معلوم کرے کہ کیا اس کا آج نکاح ہو رہا ہے؟ کس لڑکی سے ہے اور وہ کس جگہ سے ہے؟ لڑکی کے والد کا نام حق مہر کوئی اور شرائط ہو تو نکاح خواں وہ بھی اس سے پوچھے۔سپیکر آن ہونے چاہیے تاکہ دوسرے لوگ بھی سن سکیں۔

جب لڑکا یہ تمام باتیں کر لے اور نکاح کی اجازت بھی دے دے تو اس سے کہا جائے کہ اس کا یہاں وکیل کون ہے۔ ان کا والد کون ہے وغیرہ۔اب لڑکی سے اجازت لے کر اس لڑکی کا اس لڑکے سے نکاح کریں۔ٹیلیفون پر لڑکے سے اس کے گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کروائیں۔اس کے ساتھ ساتھ لڑکے کا جو وکیل آپ کے پاس موجود ہے اُس سے بھی نکاح کا ایجاب وقبول کروایا جائے۔یعنی لڑکے کا وکیل کہے کہ میں نے فلاں لڑکی اتنے حق مہر کے عوض ان شرائط کے تحت ان گواہوں کے روبرو اپنے فلاں موکل کے نکاح کیلئے قبول کی۔اگر ٹیلیفون پر پورا بندوبست ہو۔فریقین ایک دوسرے کو پہچان لیں نکاح ہو جائے گا۔اس نکاح میں تین پہلو نمایاں ہو گئے۔

چونکہ دونوں نے اپنا اپنا وکیل بنایا ہوا ہے اور نکاح فارم میں ہر ایک کا وکیل اور اس کے دستخط موجود ہیں۔وکیل بنانے کے دو گواہ اور ان کے دستخط بھی موجود ہیں، لہٰذا یہ نکاح وکالتاً صحیح ہوا۔

ٹیلی فون پر جب نکاح فارموں کے مطابق نام ولدیت، پتہ اور دوسرے فریق سے ان کا تعلق، ہونے والے نکاح کے بارے میں اجازت ورضامندی شرائط مکتوبہ کی تائید وتوثیق وغیرہ صراحتاً موجود ہے اور دوسری طرف سے پوری احتیاط کے ساتھ تمام مراحل طے کرا لئے گئے اور گواہوں کی موجودگی میں یہ نکاح پڑھا گیا تو نکاح درست رہا۔

بالفرض ٹیلی فون پر گفتگو میں کوئی غلط بیانی ہوگئی تو ایسا امکان لڑکے لڑکی کی موجودگی میں بھی ممکن ہے۔مثلاً یہاں ہم آئے دن نکاح پڑھتے ہیں۔نکاح خوان کو کیا معلوم کہ یہی لڑکی ہے، یہی لڑکا ہے اور یہی ان کی پہلی شادی ہے وغیرہ۔محض اعتماد واعتبار کی بات ہے۔ بیرون ملک اور بیرونِ ملک میں جب ٹیلی فون پر شادی ہوگی تو اس میں بھی خطا وغلطی کا امکان رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے یہاں محض غلطی کے امکان سے امکان سے فرق نہیں پڑتا۔آخر ٹیلیفون پر کاروبار لین دین ٹھیکے درآمد وبرآمد موت وحیات کے بہت سے دوسرے امور بھی انجام پاتے ہیں۔غلطی کا امکان ان میں زیادہ ہے کیونکہ نکاح کے سلسلہ میں ہم نے جتنی بھی احتیاط برتی دوسرے معاملات میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔جب اس کے باوجود دوسرے معاملات میں ٹیلی فون وغیرہ سے استفادہ کرتے ہیں تو نکاح وشادی کے معاملات بھی اس احتیاط کے ساتھ کرلئے جائیں تو شرعاً جائز ہے۔

ٹیلی فون کے ذریعے نکاح میں غلطی کا امکان

جس طرح آج کل نکاح پڑھا جاتا ہے۔اس میں بھی غور کریں تو غلطی یا غلط بیانی اور فراڈ کا امکان موجود ہے اور بڑی

آسانی سے فراڈ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً نکاح خوان کو لڑکی، لڑکے کے نام، ولدیت گواہوں کے نام، پتے دولہا، دلہن کی عمریں بتائی اور لکھوائی جاتی ہیں۔ اگر اہلِ خانہ چاہیں تو کس کس جگہ فراڈ نہیں کر سکتے؟ لڑکی کونسی ہے؟ نکاح خوان نہیں جانتا اس نے بلا جبر نکاح کی اجازت دی ہے یا گن پوائنٹ پر اسے اس کی بھی خبر نہیں؟ یہ گھر کے مخصوص لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ نکاح پڑھنے والے کو کچھ معلوم نہیں۔ وہ تو ہر بات میں اہلِ خانہ پر اعتماد کر کے قدم اٹھاتا ہے۔ یہاں بھی ممکن ہے شکل کسی اور لڑکی کی دکھائی اور بیاہ کر کوئی دوسری دیدی۔ نکاح خوان ان حقائق سے بے خبر ہے۔ یہ اور ایسی دوسری باتیں نکاح پڑھنے والا نہیں جانتا۔ محض اہل خانہ پر اعتبار و اعتماد کرتا ہے اور یہ اس کی مجبوری بھی ہے۔ بایں ہمہ ہر روز ہی تقریباً کوئی نہ کوئی نکاح آتا رہتا ہے اور نکاح خوان محض اہل خانہ پر اعتماد کر کے جملہ کوائف تحریر کرتا ہے اور نکاح پڑھاتا ہے۔ غلطی اور فراڈ کا امکان بھی ہوتا ہے۔ تاہم جہاں تک انسان کے بس میں ہے احتیاط لازمی ہے۔ باقی سپردِ خدا۔ یونہی مذکورہ بالا طریق پر احتیاط کے ساتھ فارم فل کئے جائیں۔ فریقین میں سے جو حاضر ہے اس کو اس کے والدین اور دیگر اعزاء کے ساتھ اس تقریب میں مدعو کریں۔

یونہی جن جن کا نام کسی بھی حیثیت سے نکاح فارم پر لکھا ہوا ہے، ان میں سے وہ لوگ جو اس ملک اور اس شہر میں رہتے ہیں ان کو مجلسِ نکاح میں حاضر رکھیں۔ اب نکاح خوان سے بیرونِ ملک متعلقہ لوگوں کا رابطہ کروائیں۔ یہ صاحب نکاح فارم ہاتھ میں پکڑیں اور وہاں پر موجود فریق لڑکا یا لڑکی جو بھی ہے اس کا نام ولدیت پتہ اُسی سے دریافت کریں۔ وہ بتاتا جائے گا آپ فارم پر چیک کرتے جائیں۔ پھر وہاں کے دوسرے لوگ جن کے نکاح فارم پر دستخط ہیں ان سب سے ان کا نام پتہ دریافت کریں اور فارم چیک کرتے جائیں۔ دیگر شرائط بھی ان سے پوچھیں۔ لڑکے اور لڑکی سے جو بھی باہر ہے اس کا نام، پتہ معلوم کریں اور نکاح سے متعلق معلومات اس سے پوچھیں۔ اس طرح تمام متعلقہ امور کی واضح معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ نکاح خوان دو طرح سے ایجاب وقبول کرے:

(۱) جہاں نکاح خوان موجود ہے وہاں لڑکا ہے یا لڑکی اُس سے اجازت اور شرائط وغیرہ بالمشافہ طے کرے اور دوسرے فریق سے بذریعہ ٹیلیفون پر مسئلہ طے کرے۔ ہر اس آدمی سے ٹیلیفون پر رابطہ کرے جس کا فارم کے اوپر نام درج ہے اور اس کی قانونی حیثیت کی اُس فارم پر وضاحت کرے۔ اب اس محفل میں ایک فریق اصالۃً موجود ہے، دوسرے فریق سے ٹیلیفون پر رابطہ ہے۔ یوں ایجاب وقبول آسانی سے کرسکتا ہے۔

(۲) نکاح پڑھنے کا دوسرا طریقہ بھی استعمال کرے اس طرح کہ جو فریق حاضر ہے وہ تو اصالۃً ایجاب وقبول کرے گا۔ مگر جو فریق بیرون ملک ہے، اس کا وہ وکیل جس کا نام نکاح فارم پر لکھا ہے، وہ یہاں موجود ہے۔ نکاح خوان اُن گواہوں کے رُوبرو جن کا نام بطور وکیل کے تقرر کے گواہان فارم پر موجود ہے، اس وکیل سے یوں کہے کہ فلاں لڑکا لڑکی ولد فلاں

بنت فلاں کا نکاح اتنے حق مہر معجّل موجل یا عند الطلب کے بدلے ان مسلمان گواہوں کے روبرو کرتا ہوں تمہیں اپنے موکل کے نکاح کیلئے یہ لڑکی ان شرائط کے ساتھ قبول ہے، وہ کہے ہاں قبول ہے۔ تین بار (احتیاطاً) یہ ایجاب وقبول کیا جائے یہ نکاح شرعاً ہو جائے گا۔ بالفرض اتنی احتیاطوں کے باوجود کوئی ابہام یا غلطی ہو گئی تو اس کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اتنی احتیاط کے باوجود اگر ثابت ہو جائے کہ ٹیلیفون پر متعلقہ لڑکے لڑکی کا ایجاب وقبول نہیں ہوا، دھوکہ سے کسی اور سے کروایا گیا ہے تو کوئی بات نہیں۔ دارومدار صرف ٹیلیفون پر نہیں تھا، تحریری طور پر مقررہ وکیل اور گواہان موجود ہیں۔ ان کے وکالتاً نکاح کرنے سے نکاح ہو گیا۔

بالفرض یہاں کوئی خرابی نکل آئے تو رخصتی کے بعد قربت سے پہلے نکاح ہو سکتا ہے گویا یہ ممکنہ غلطیاں ہو بھی جائیں تو ان کا ازالہ ممکن ہے۔

اہل ظواہر کے نزدیک ٹیلی فون پر نکاح کا حکم

نکاح کیلئے مزید چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے، عورت کی رضامندی، سرپرست کی اجازت، حق مہر کا تعین اور گواہوں کی موجودگی، اگر مذکور ارکان وواجبات اور شرائط نکاح کے موقع پر موجود ہوں تو نکاح صحیح ہے بصورت دیگر نکاح درست نہیں ہوگا۔ فون یا انٹرنیٹ پر نکاح کی صورت میں اگر لڑکی والے اس بات کی شہادت دیں کہ واقعی وہی آدمی ہے جس سے ہم اپنی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو نکاح خواں زوجین ایجاب وقبول گواہوں کی موجودگی میں کرا دیتا ہے تو اس قسم کا نکاح درست ہے۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ دولہا میاں خود موجود نہیں ہوتا لیکن اس کی آواز سنی جاتی ہے، جسے اس کے رشتہ دار اور لڑکی کے سرپرست، گواہ وغیرہ سب پہچانتے ہیں۔ اس قسم کے نکاح میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا ارکان وشرائط موجود ہوں۔ (واللہ اعلم)

مکتبہ فکر دیوبند کی طرف ٹیلی فون پر نکاح کے عدم جواز کا بیان

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں۔ نکاح میں ضروری ہے کہ دو گواہ مجلس میں ہوں اور وہ دونوں اس کو سنیں۔ اس لئے ٹیلی فون پر نکاح درست نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص یا دوسرے شہر یا ملک میں ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی طرف نکاح کا کوئی وکیل کر دیں۔ (فتاویٰ عثمانی، ج ۲، ص ۲۰۳، ۲۶، ۱۰، ۱۴۰۱ھ)

نکاح منعقد ہونے کے لئے شرعاً یہ ضروری ہے کہ مجلس نکاح میں ایجاب وقبول کرنے والے دو مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی اس طور پر ایجاب وقبول کرے کہ یہی دو گواہان ان کی ایجاب وقبول کو سن لیں۔ چونکہ ٹیلی فون پر مجلس ایک نہیں ہوتی ہے اگرچہ تصویر آ رہی ہو اس لئے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

جواز کی صورت یہ ہے کہ جس مقام پر نکاح ہو رہا ہے، دوسرا اسی جگہ ٹیلی فون پر اپنے لئے کوئی وکیل مقرر کریں پھر وہ وکیل اپنی مؤکل کی طرف سے ایجاب وقبول سرانجام دیں۔ فقط واللہ اعلم، دارالافتاء۔ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

غیر مقلدین کے نزدیک ٹیلی فون نکاح کے جواز کا بیان

میں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن اس کا والد کسی اور ملک میں رہتا ہے، اور اس وقت میں وہاں جا بھی نہیں سکتا اور ہم سب کا ایک جگہ پر جمع ہو کر عقد نکاح کرنا مشکل ہے کیونکہ ہماری مالی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی اور اسی طرح کچھ دوسرے اسباب بھی ہیں۔

میں ایک اجنبی ملک میں ہوں تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں لڑکی کے والد کو ٹیلی فون کروں اور ہمارا فون پر ہی ایجاب وقبول ہو مثلا وہ کہے کہ میں نے اپنی فلاں بیٹی کو آپ کے نکاح میں دیا اور میں اسے قبول کرلوں، اور لڑکی بھی اس پر راضی ہو، اور اس میں دو مسلمان گواہ بھی ہوں جو یہ سب کچھ سپیکر کے ذریعہ سن رہے ہوں تو کیا یہ نکاح شرعی شمار ہوگا؟

الجواب

میں نے یہ سوال اپنے استاذ علامہ مفتی عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے سامنے پیش کیا تو ان کا جواب تھا: جو کچھ ذکر کیا ہے اگر تو وہ صحیح ہو (اور اس میں کوئی کھیل وغیرہ نہ ہو) تو اس سے مقصد حاصل ہو جائے گا کہ عقد نکاح کی شروط ہوں اور یہ نکاح شرعی طور پر صحیح ہوگا۔ (واللہ تعالی اعلم . عبدالعزیز بن باز)

ایجاب وقبول کیلئے مجلس ایک ہونے کا فقہی بیان

فقہاء احناف کی ریاست فقہیہ کے خاتم المحققین علامہ محمد امین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ایجاب وقبول دونوں کا ایک مجلس میں ہونا۔ تو اگر دونوں ایک مجلس میں موجود تھے ایک نے ایجاب کیا، دوسرا قبول سے پہلے اُٹھ کھڑا ہو یا کوئی ایسا کام شروع کر دیا، جس سے مجلس بدل جاتی ہے تو ایجاب باطل ہو گیا، اب قبول کرنا بیکار ہے پھر سے ہونا چاہیے۔

مرد نے کہا میں نے فلانی سے نکاح کیا اور وہ وہاں موجود نہ تھی، اُسے خبر پہنچی تو کہا میں نے قبول کیا یا عورت نے کہا میں نے اپنے کو فلاں کی زوجیت میں دیا اور وہ غائب تھا، جب خبر پہنچی تو کہا میں نے قبول کیا تو دونوں صورتوں میں نکاح نہ ہوا۔ اگر چہ جن گواہوں کے سامنے ایجاب ہوا، اُنھیں کے سامنے قبول بھی ہوا ہو۔ اگر ایجاب کے الفاظ خط میں لکھ کر بھیجے اور جس مجلس میں خط اُس کے پاس پہنچا، اُس میں قبول نہ کیا بلکہ دوسری مجلس میں گواہوں کو بُلا کر قبول کیا تو ہو جائے گا جب کہ وہ شرطیں پائی جائیں جو اوپر مذکور ہوئیں، جس کے ہاتھ خط بھیجا مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غیر آزاد، بالغ ہو یا نابالغ، صالح ہو

یافاسق۔ کسی کی معرفت ایجاب کے الفاظ کہلا کر بھیجے، اس پیغام پہنچانے والے نے جس مجلس میں پیغام پہنچایا، اس میں قبول نہ کیا پھر دوسری مجلس میں قاصد نے تقاضا کیا اب قبول کیا تو نکاح نہ ہوا۔ چلتے ہوئے یا جانور پر سوار جارہے تھے اور ایجاب و قبول ہوا نکاح نہ ہوا۔ جبکہ کشتی پر جارہے تھے اور اس حالت میں ہوا تو ہوگیا۔ ایجاب کے بعد فوراً قبول کرنا شرط نہیں جب کہ مجلس نہ بدلی ہو، لہٰذا اگر نکاح پڑھانے والے نے ایجاب کے الفاظ کہے اور دولہا نے سکوت کیا پھر کسی کے کہنے پر قبول کیا تو ہوگیا۔ (ردمحتار، کتاب النکاح، ج۴، ص۸۷، بیروت)

ایجاب وقبول کیلئے مجلس کی شرط کا بیان

ایجاب وقبول میں شرط یہ ہے کہ یہ ایک ہی مجلس میں ہو، کشاف القناع میں درج ہے " :جب تک مجلس میں ہوں تو ایجاب کے بعد قبول میں تاخیر صحیح ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اسی مجلس میں کسی دوسرے ایسے کام میں مشغول نہ ہوں جس سے عام طور پر ایجاب وقبول ختم ہوجاتا ہے، چاہے فاصلہ کتنا ہی ہو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اور اگر ایجاب کے بعد قبول کرنے سے قبل جدا ہو جائیں تو عقد نکاح باطل ہو جاتا ہے، اور اسی طرح اگر وہ ایسے کام میں مشغول ہو جائیں جس سے عرف عام میں ایجاب کے بعد قبول ختم ہو جاتا ہے تو بھی عقد نکاح باطل ہو جائیگا، کیونکہ یہ اس عقد سے اعراض ہے، اور انکار کے مشابہ ہے۔ (کشاف القناع(,(5/ 41)

فَصْلٌ فِي بَيَانِ الْمُحَرَّمَاتِ

﴿یہ فصل محرمات نکاح کے بیان میں ہے﴾

محرمات نکاح والی فصل کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف نے محرمات کو ایک الگ فصل میں بیان کیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ نکاح کا محل شرعی وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح شرعی طور پر مباح ہوا ہے۔ اور نکاح کی اباحت سے متعلق مسائل کی کثرت اور کثیر تفصیل کے پیش نظر ایک الگ مقام پر بیان کیا ہے۔ شہادت نکاح کے بعد اس لئے اس کو بیان کیا ہے۔ نکاح کیلئے شہادت شرط ہے اور شرط شئی ہمیشہ شئی سے مقدم ہوا کرتی ہے۔ (فتح القدیر، ج ۶، ص ۳۴۰، بیروت)

محرمات نکاح کی فصل کو بقیہ فصلوں سے مقدم کرنے کی وجہ یہی ہے کہ نکاح میں اصل اسباب میں سبب وہ عورت ہے جس سے نکاح کی اباحت شریعت کی طرف عنائت ہوئی ہے۔ کیونکہ بقیہ تمام نکاح کے احکام اس کے بعد ثابت ہوں گے جب نکاح کرنے کا اصل محل یعنی وہ عورت جس سے شرعی طور پر نکاح مباح ہوا ہے۔ لہذا اسی سبب اصلی کے پیش نظر مصنف علیہ الرحمہ نے محرمات کی فصل کو مقدم ذکر کیا ہے۔

اسی طرح اس فصل میں محرمات کا بیان کیا ہے حالانکہ محرمات سے مراد وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح کرنا حرام ہے بعض سے دائمی حرام ہے جبکہ بعض سے عارضی طور پر حرام ہے۔ تو اسلوب سے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ محرمات کی تعداد محدود ہے اور قلیل ہے جبکہ وہ عورتیں جن سے نکاح اباحت مشروع ہے ان کی تعداد کثیر ہے اس شریعت میں اس محدود تعداد کو بیان کر دیا گیا ہے تا کہ لوگوں پر یہ واضح ہو جائے کہ ان عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ اور ان کے سوا بقیہ جتنی عورتیں ہیں ان میں جن سے چاہو نکاح کرو خواہ ایک عورت سے نکاح کرو اور اگر انصاف کر سکتے ہو تو بیک وقت چار بیویاں اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو۔

فرقہ غیر مقلدین کے نزدیک محارم سے نکاح کی اباحت وآزادی کا بیان

وطی محارم بعد نکاح پر حد نہیں: دور برطانیہ میں جب یہ فرقہ پیدا ہوا تو شہوت پرستی میں انتہا کو پہنچ گیا چنانچہ انہوں نے فتوی دیا کہ "بہتر عورت وہ ہے جس کی فرج تنگ ہو اور جو شہوت کے مارے دانت رگڑ رہی ہو اور جو جماع کراتے وقت کروٹ سے لیٹتی ہو (لغات الحدیث وحید الزماں غیر مقلد پ 6 ص 56)

اور شہوت میں یہاں تک بڑھے کہ اگر کسی عورت سے زید نے زنا کیا اور اسی زنا سے لڑکی پیدا ہوئی تو زید خود اپنی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے (عرف الجادی ص 109)

فرقہ غیر مقلدین کے نزدیک لاتعداد بیویاں نکاح میں رکھ سکتا ہے

اور اگر چہ قرآن کی نص موجود تھی ایک مرد ایک وقت میں چار سے زائد عورتیں نکاح میں نہیں رکھ سکتا مگر نواب صدیق حسن اور نور الحسن نے فتوی دیا کہ چار کی کوئی حد نہیں جتنی عورتیں چاہے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔

(ظفر الامانی ص 141، عرف الجادی ص 111)

اور نکاح اور زنا میں یہی فرق تھا کہ زنا کے گواہ نہیں ہوتے نکاح میں گواہ شرط ہیں۔ میر نور الحسن صاحب نے اس حدیث کو بھی ضعیف کہا اور کہا کہ یہ نا قابل استدلال ہے۔ (عرف الجادی ص 107)

اور شہوت میں ایسے اندھے ہوگئے کہ فطری مقام کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا غیر فطری مقام استعمال کرے تو بھی (حد یا تعزیر کجا) اس پر انکار تک جائز نہیں (ہدیۃ المہدی ج 1 ص 118)

بلکہ یہاں تک فتوی دیا کہ دبر آدمی میں صحبت کرنے والے پر غسل بھی واجب نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ (ہدیۃ المہدی ج 1 ص 28)

بلکہ ایک اور نسخہ بھی بتادیا کہ اگر کوئی شخص اپنا آلہ تناسل اپنی دبر میں داخل کرے تو غسل واجب نہیں۔

(نزل الابرار ج 1 ص 41)

بلکہ نظر بازی سے بچنے کا یہ وہابی نسخہ بھی بتادیا کہ مشت زنی کرلو اور نظر بازی کے اس گناہ سے بچنا ممکن نہ ہو تو مشت زنی واجب ہے اور بتایا کہ (معاذ اللہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مشت زنی کیا کرتے تھے۔ (عرف الجادی ص 207)

اس قسم کے اور بھی کئی فتوے دیئے گئے تو اہل سنت نے مطالبہ کیا کہ اپنے اصول کے مطابق ان میں سے ہر مسئلے کی دلیل میں کوئی صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث بیان کریں اور لوگوں نے کہا کہ یہ کیسا فرقہ پیدا ہوا ہے جس سے بیٹی تک محفوظ نہیں اور یہ نہ اپنی بیوی کی دبر کو معاف کریں نہ اپنی دبر کو تو یہ فرقہ بھی اپنے مسائل کو قرآن وحدیث سے ثابت نہیں کرسکتا اس لئے بجائے قرآن وحدیث پیش کرنے کے دوسروں پر کیچڑ اچھالتا ہے چنانچہ علماء سے تو یہ منہ چھپانے لگے کہ وہ قرآن وحدیث کا مطالبہ کرتے تھے، اپنے سازشی عناصر کے ذریعے عوام میں یہ بات پھیلادی کہ حنفی مذہب میں بھی بیٹی اور دیگر محرمات سے نکاح جائز ہے اس کا جواب میں احناف نے جو بیان کیا ہے اس کو ہم آئندہ سطور میں لکھ رہے ہیں۔

محرمات ابدیہ سے نکاح کی حرمت میں غیر مقلدین کا فقہ حنفی پر اعتراض

ابوطلحہ صاحب نے اپنے اعتراض پر یہ لیبل لگایا تھا: محرمات ابدیہ سے نکاح کی حرمت صریح وقطعی نصوص سے ثابت ہے مگر اس کے خلاف امام ابوحنیفہ کا فتوی ملاحظہ فرمایئے اس کے بعد ابوطلحہ صاحب نے یہ فتوی پیش کیا۔

اسی طرح اگر محرمات ابدیہ سے نکاح کرلے مثلا بیٹی، بہن، ماں پھوپھی اور خالہ سے نکاح کرے اور پھر ان سے جماع بھی کرلے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس پر کوئی حد نہیں ہے چاہے وہ یہ جانتا بھی ہو یہ کام مجھ پر حرام ہے۔

(فتاوی قاضی خان جلد ص (468)

آیئے دیکھتے ہیں اس الزام کی حقیقت؟

اس سے پہلے کہ ہم اس فتوی کی وضاحت کریں آپ حضرات ایک بات یہ سمجھ لیں کہ یہ مسئلہ فقہی نوعیت کا ہے۔۔۔جس کے لئے توجہ سے ہر ہر پہلو پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ آسان الفاظ میں اس کی وضاحت کریں لیکن اس کے باوجود بھی اگر کسی بھائی یا بہن کو کوئی سمجھ نہ آئے تو اپنی رائے قائم کرنے سے بہتر ہے کہ وہ سوال کر کے سمجھ لے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ معترض کے ذمہ فرض تھا کہ اعتراض نقل کرنے کے بعد اس کی حد نص صریح کے حوالہ سے نقل کرتا۔لیکن معترض نے حد نقل نہیں کی۔

محرمات ابدیہ سے نکاح میں فقہ حنفی کے مطابق سزا کا بیان

شاید غیر مقلدین کے علم میں نہیں ہے کہ طحاوی جلد 2 ص 73 میں واضح طور پر یہ فتوی موجود ہے سوتیلی ماں سے نکاح کی وجہ سے مرتد ہوگیا ہے۔کیوں کہ اس نے حرام کو حلال سمجھا لہذا اس پر ارتداد کی سزا نافذ ہوگی اور یہ صرف عقد نکاح ہی سے نافذ ہو جائے گی اس کے لئے مباشرت شرط نہیں اور اگر اس نے یہ نکاح حرام سمجھ کر کیا تو مباشرت و وطی کی صورت میں حد نافذ ہوگی، اسی طرح محرم سے بلا نکاح وطی کی تو بھی حد نافذ ہوگی۔یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

غور فرمایئے کہ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔

(اول) محرمات میں سے کسی کے ساتھ نکاح کیا گیا، اگر حلال اور جائز سمجھ کر کیا تو کافر و مرتد ہو گیا ہے۔لہٰذا اس پر ارتداد کی شرعی سزا نافذ ہوگی (اور یہ صرف عقد نکاح ہی سے نافذ ہو جائیگی، مباشرت شرط نہیں)۔اور اگر حرام و ناجائز سمجھ کر (صرف نکاح کیا وطی یا مباشرت نہ کی) کیا تو اس کے لئے شرعاً کوئی حد اور سزا مقرر نہیں ہے (البتہ گنہگار ہوگا)

(دوم) نکاح کے بعد اگر اس نے وطی و مباشرت بھی کر لی تو یہ زنا ہے۔لہٰذا اس پر زنا کی حد جاری ہوگی۔(سوم) بغیر نکاح کے اگر کسی محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کر لیا تو اس پر بھی زنا کی حد جاری ہوگی۔

باقی رہا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے شخص کے لئے قتل کی سزا کا حکم دیا ہے تو اس کے بارے میں (غیر مقلدین کے امام) قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ اس نے فعل حرام کو حلال سمجھا جو کفر کے لوازمات میں سے ہے اس لئے قتل کیا گیا (نیل الاوطار ج 7 ص 122) گویا یہ قتل کی سزا حد نہیں بلکہ ارتداد کی سزا تھی۔

امام حافظ ابن الہمام الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قتل کی سزا بطور سیاست و تعزیر تھی (فتح القدیر ص 148) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اختلاف قتل کی سزا میں نہیں ہے بلکہ اس میں ہے کہ یہ قتل کی سزا حد ہے یا تعزیر؟

لیکن مذکورہ مسئلہ معترض نے اس طرح پیش کیا۔جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ محرمات ابدیہ سے نکاح کے قبیح فعل کی حرمت سے انکاری ہیں اور قرآن و حدیث سے صریح نصوص کے مخالف ہیں (معاذ اللہ)؟

ذرا غور فرمائیں کہ غیر مقلدین کا یہ فعل اور عامی مسلمان کے سامنے ایسے مسائل کو یوں پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے سوائے اس

کے کہ مقلدین حضرات کے دلوں میں سے ائمہ کرام کا اعتماد ختم کر دیا جائے؟

مزید ملاحظہ فرمائیں فقہ حنفی کی کتابوں سے محرمات ابدیہ سے نکاح پر فتوی جات: درمختار (جلد 3 ص 179) میں ہے اسے تعزیراً قتل کیا جائے گا عالمگیری (جلد 2 ص 148) میں ہے کہ اسے عبرتناک سزا دی جائے گی۔

طحاوی (جلد 2 ص 97) میں ہے کہ یہ زنا سے بڑا گناہ ہے ولکن یجب فیه التعزیر والعقوبة البلیغة اس پر تعزیراً سخت ترین سزا واجب ہے۔

حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا کہ ماں بیٹی وغیرہ سے نکاح جائز ہے وہ کافر، مرتد اور واجب القتل ہے (فتح القدیر ج 5 ص 42) (طحاوی ج 2 ص 96)

ہم اسے مذاق یا بطور استہزاء نہیں کہہ رہے بلکہ حقیقت یہی ہے کہ غیر مقلد جو موجودہ دور کے ہیں ان کی تعریف یہی ہے کہ جس میں عقل نہ ہو وہ غیر مقلد ہے۔

ماں اور دادی کی طرف سے حرمت کا بیان

قَالَ ﴿لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّتَزَوَّجَ بِاُمِّهٖ وَلَا بِجَدَّاتِهٖ مِنْ قِبَلِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ﴾ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ﴾ وَالْجَدَّاتُ اُمَّهَاتٌ، اِذِ الْاُمُّ هِيَ الْاَصْلُ لُغَةً اَوْ ثَبَتَتْ حُرْمَتُهُنَّ بِالْاِجْمَاعِ،

ترجمہ

فرمایا: کسی بھی مرد کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ شادی کرلے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اپنی دادیوں، نانیوں کے ساتھ شادی کرے۔ خواہ وہ مردوں کی طرف سے ہوں یا خواتین کی طرف سے ہوں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں حرام قرار دی گئی ہیں"۔ دادیاں، نانیاں بھی "امہات" میں شامل ہوں گی، کیونکہ لغت میں "ام" بنیاد کو کہتے ہیں۔ یا پھر ان کی حرمت "اجماع" کے ذریعے ثابت ہوگی۔

وہ نسبی رشتے جن کی حرمت قرآن وسنت نے حرمت ابدیہ کے طور پر بیان کر دی ہے

محرمات نسبیہ کی تفصیل کا بیان

مائیں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، اور بھانجیاں ہیں۔ ان سے نکاح کرنا، صحبت کرنا اور کسی قسم کا کوئی بھی شہوانی عمل کرنا دائما حرام ہے۔

ا۔ ماؤں میں دادی، پردادی، نانی، پرنانی، اور ان سے بھی اوپر کی دادیاں اور نانیاں داخل ہیں۔

۲۔بیٹی میں اس کی اپنی بیٹی، اس کی پوتی، پرپوتی، اور اس سے نچلے درجہ کی سب بیٹیاں داخل ہیں۔
۳۔بہن میں اس کی عینی بہن (سگی) علاتی بہن (باپ کی طرف سے سوتیلی) اخیافی بہن (ماں کی طرف سے سوتیلی) بہنیں داخل ہیں۔
۴۔اور اسی طرح بھتیجیوں اور بھانجیوں میں اس کے نچلے درجے کی بھی داخل ہیں
۵۔پھوپھیوں میں اس کے باپ کی عینی بہن، علاتی بہن اور اخیافی بہن داخل ہیں اسی طرح اس کے باپ اور دادا کی پھوپھیاں اور اس کی ماں اور اس کی نانی کی پھوپھیاں بھی داخل ہیں۔اور ان سے اوپر کی عینی اور علاتی پھوپھی کی پھوپھی بھی حرام ہے۔اور اخیافی پھوپھی کی پھوپھی حرام نہیں ہے یعنی باپ کی اخیافی بہن کی پھوپھی۔
۶۔خالاؤں میں ماں کی سگی بہن، ماں کی علاتی بہن، اور ماں کی اخیافی بہن سب حرام ہیں اور عینی خالہ کی خالہ اور اخیافی خالہ کی خالہ بھی حرام ہے البتہ علاتی خالہ کی خالہ حرام نہیں ہے (فتاوی عالم گیری، ج ا،ص ۲۷۳، مکتبہ امیریہ بولاق مصر)

بیٹی' پوتی' نواسی' بہن' بھانجی' بھتیجی' خالہ' پھوپھی کی حرمت

قَالَ (وَلَا بِبِنْتِهِ) لِمَا تَلَوْنَا (وَلَا بِبِنْتِ وَلَدِهِ وَإِنْ سَفَلَتْ) لِلْإِجْمَاعِ . (وَلَا بِأُخْتِهِ وَلَا بِبَنَاتِ أُخْتِهِ وَلَا بِبَنَاتِ أَخِيهِ وَلَا بِعَمَّتِهِ وَلَا بِخَالَتِهِ)لِأَنَّ حُرْمَتَهُنَّ مَنْصُوصٌ عَلَيْهَا فِي هٰذِهِ الْآيَةِ ، وَتَدْخُلُ فِيهَا الْعَمَّاتُ الْمُتَفَرِّقَاتُ وَالْخَالَاتُ الْمُتَفَرِّقَاتُ وَبَنَاتُ الْإِخْوَةِ الْمُتَفَرِّقِينَ لِأَنَّ جِهَةَ الِاسْمِ عَامَّةٌ .

ترجمہ

فرماتے ہیں: اور بیٹیوں کے ساتھ (شادی کرنا بھی جائز نہیں ہے) اس کی دلیل وہی آیت ہے' جو ہم نے تلاوت کی ہے۔اور اپنی اولاد کی بیٹیوں کے ساتھ بھی (شادی کرنا جائز نہیں ہے) اگرچہ وہ نیچے کے طبقے سے تعلق رکھتی ہوں اور اس کی دلیل "اجماع" ہے۔اپنی بہن کے ساتھ' اپنی بھتیجیوں کے ساتھ' بھانجیوں کے ساتھ' پھوپھی کے ساتھ' خالہ کے ساتھ (شادی کرنا جائز نہیں ہے) کیونکہ ان سب کی حرمت پر "نص" موجود ہے' جو اس آیت میں ہے۔اس حکم میں مختلف قسم کی پھوپھیاں شامل ہوں گی' اور متفرق قسم کی خالائیں بھی شامل ہوں گی' اور متفرق قسم کی بھانجیاں بھی شامل ہوں گی' اور متفرق قسم کی بھتیجیاں بھی شامل ہوں گی' کیونکہ اسم کی جہت' عام ہے۔

محرمات کو جمع کرنے کی حرمت میں احادیث

(۱) حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت کو اسکی پھوپھی کے ساتھ اپنے نکاح میں نہ

رکھا جائے اور نہ کسی عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ اپنے نکاح میں رکھا جائے۔

(بخاری ومسلم) مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 377)

پھوپھی اور خالہ سے عمومیت مراد ہے یعنی خواہ حقیقی پھوپھی اور خالہ ہوں جیسے اس عورت کے باپ اور ماں کی بہن یا مجازی ہوں جیسے اس عورت کے دادا اور پڑدادا یا اس سے اوپر کے درجہ کی بہن اور نانی و پڑنانی یا اس سے اوپر کی درجہ کی بہن۔ حدیث میں پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کی تخصیص محض اتفاقی ہے کہ کسی شخص نے ان دونوں ہی کے بارے میں پوچھا ہوگا اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انہی دو کا تذکرہ فرمایا ورنہ ان دونوں کے علاوہ اور بھی کچھ عورتیں ایسی ہیں جن کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی کی موجودگی میں یا کسی عورت سے اس کی بھتیجی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے اور اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے اس کی خالہ کی موجودگی میں یا کسی عورت سے اس کی بھانجی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) بڑے رشتہ والی کی موجودگی میں چھوٹے رشتہ والی سے اور چھوٹی رشتہ والی کی موجودگی میں بڑی رشتہ والی سے نکاح کیا جائے (ترمذی ابوداود دارمی نسائی) اور نسائی نے اس روایت کو بنت اختہا تک نقل کیا ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 384)

حدیث کا جو سرا جز یعنی (لاتنکح الصغری علی الکبری) الخ دراصل حدیث کے پہلے جز یعنی (ان تنکح المراۃ علی عمتھا) الخ کے حکم کی تاکید کے طور پر ہے چنانچہ بڑے رشتہ والی سے پھوپھی اور خالہ مراد ہیں اور چھوٹے رشتہ والی سے بھتیجی اور بھانجی مراد ہے

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ بھتیجی پھوپھی اور بھانجی خالہ کو ایک (شخص کے) نکاح میں اکٹھا نہ کیا کرو۔(سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1201)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھوپھی کے نکاح میں رہتے ہوئے بھتیجی سے نکاح کو منع فرمایا اور خالہ کے نکاح میں رہتے ہوئے بھانجی سے نکاح کو منع فرمایا۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا چار عورتوں کے نکاح میں جمع کرنے کو (ایک تو) بھتیجی کو پھوپھی کے ساتھ اور (دوسرے) بھانجی کو خالہ کے ساتھ اور اس کا عکس (یعنی پھوپھی خالہ بھتیجی بھانجی کے ساتھ جمع کرنے کو)۔(سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر ۵۔۱۲۰۴)

محرمات مختلفہ کی انواع کی وضاحت کا بیان

نسبی، رضاعی اور سسرالی رشتے سے جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا بیان آیہ کریمہ میں ہو رہا ہے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں سات عورتیں بوجہ نسب حرام ہیں اور سات بوجہ سسرال کے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی جس میں بہن کی لڑکیوں تک نسبی

رشتوں کا ذکر ہے جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے

پھر فرماتا ہے کہ جس طرح تم پر تمہاری سگی ماں حرام ہے اسی طرح رضاعی ماں بھی حرام ہے بخاری ومسلم میں ہے کہ رضاعت بھی اسے حرام کرتی ہے جسے ولادت حرام کرتی ہے صحیح مسلم میں ہے رضاعت سے بھی وہ حرام ہے جو نسب سے ہے، بعض فقہاء نے اس میں سے چار صورتیں بعض نے چھ صورتیں مخصوص کی ہیں جو احکام کی فروع کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس میں سے کچھ بھی مخصوص نہیں اس لئے کہ اسی کے مانند بعض صورتیں نسبت میں بھی پائی جاتی ہیں اور ان صورتوں میں سے بعض صرف سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہیں لہذا حدیث پر اعتراض خارج از بحث ہے۔

ممانعت جمع میں سلف وخلف کے اجماع کا بیان

بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میری بہن ابوسفیان کی لڑکی عزہ سے نکاح کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم یہ چاہتی ہو؟ ام المومنین نے کہا ہاں میں آپ کو خالی تو رکھ نہیں سکتی پھر میں اس بھلائی میں اپنی بہن کو ہی کیوں نہ شامل کروں؟ آپ نے فرمایا ان کی وہ بیٹی جو ام سلمہ سے ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا اولاً تو وہ مجھ پر اس وجہ سے حرام ہے کہ وہ میری ربیبہ ہے جو میرے ہاں پرورش پارہی ہے دوسری یہ کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حرام تھیں اس لئے کہ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی میری بھتیجی ہیں۔ مجھے اور اس کے باپ ابوسلمہ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے۔ خبردار اپنی بیٹیاں اور اپنی بہنیں مجھ پر پیش نہ کرو،

بخاری کی روایت ہے یہ الفاظ ہیں کہ اگر میرا نکاح ام سلمہ سے نہ ہوا ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حلال تھیں، یعنی صرف نکاح کو آپ نے حرمت کا اصل قرار دیا، یہی مذہب چاروں اماموں ساتوں فقیہوں اور جمہور سلف وخلف کا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ اس کے ہاں پر پرورش پاتی ہو تو بھی حرام ہے ورنہ نہیں،

حضرت مالک بن اوس بن حدثان فرماتے ہیں میری بیوی اولاد چھوڑ کر مرگئیں مجھے ان سے بہت محبت تھی اس وجہ سے ان کی موت کا مجھے بڑا صدمہ ہوا حضرت علی سے میری اتفاقیہ ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھے مغموم پا کر دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ میں نے واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا تجھ سے پہلے خاوند سے بھی اس کی کوئی اولاد ہے؟ میں نے کہا ہاں ایک لڑکی ہے اور وہ طائف میں رہتی ہے فرمایا پھر اس سے نکاح کرلو میں نے قرآن کریم کی آیت پڑھی کہ پھر اس کا کیا مطلب ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ تو اس وقت ہے جبکہ اس نے تیرے ہاں پرورش پائی ہو اور وہ بقول تمہارے طائف میں رہتی ہے تیرے پاس ہے ہی نہیں گو اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ قول بالکل غریب ہے،

حضرت امام مالک کا بھی یہی قول بتایا ہے، ابن حزم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، ہمارے شیخ حافظ ابوعبداللہ ذہبی نے ہم سے کہا کہ میں نے یہ بات ابن تیمیہ کے سامنے پیش کی تو آپ نے اسے بہت مشکل محسوس کیا اور توقف فرمایا واللہ اعلم۔ حجور سے مراد گھر ہے جیسے کہ حضرت ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ ہاں جو کنیز ملکیت میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی ہو اس کے بارے میں حضرت عمر

سے سوال ہوا کہ ایک کے بعد دوسری جائز ہوگی یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا اسے پسند نہیں کرتا، اس کی سند منقطع ہے،

حضرت ابن عباس نے ایسے ہی سوال کے جواب میں فرمایا ہے ایک آیت سے یہ حلال معلوم ہوتی ہے دوسری آیت سے حرام اس لئے میں تو ایسا ہرگز نہ کروں، شیخ ابو عمر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ علماء میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ کسی کو حلال نہیں کہ کسی عورت سے پھر اس کی لڑکی سے بھی اسی ملکیت کی بنا پر وطی کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نکاح میں بھی حرام قرار دے دیا ہے یہ آیت ملاحظہ ہو اور علماء کے نزدیک ملکیت احکام نکاح کے تابع ہے مگر جو روایت حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے کی جاتی ہے لیکن آئمہ فتاوی اور ان کے تابعین میں سے کوئی بھی اس پر متفق نہیں۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں ربیبہ کی لڑکی اور اس لڑکی کی لڑکی اس طرح جس قدر نیچے یہ رشتہ چلا جائے سب حرام ہیں، حضرت ابو العالیہ سے بھی اسی طرح یہ روایت قتادہ مروی ہے آیت (دخلتم بهن) سے مراد حضرت ابن عباس تو فرماتے ہیں ان سے نکاح کرنا ہے

حضرت عطا فرماتے ہیں کہ وہ رخصت کر دے جائیں کپڑا ہٹا دیا جائے چھیڑ ہو جائے اور ارادے سے مرد بیٹھ جائے ابن جریج نے سوال کیا کہ اگر یہ کام عورت ہی کے گھر میں ہوا ہو فرمایا وہاں یہاں دونوں کا حکم ایک ہی ہے ایسا اگر ہو گیا تو اس کی لڑکی اس پر حرام ہوگئی۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ صرف خلوت اور تنہائی ہو جانے سے اس کی لڑکی کی حرمت ثابت نہیں ہوتی اگر مباشرت کرنے اور ہاتھ لگانے سے اور شہوت سے اس کے عضو کی طرف دیکھنے سے پہلے ہی طلاق دے دی ہے تو تمام کے اجماع سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لڑکی اس پر حرام نہ ہوگی تاوقتیکہ جماع نہ ہوا ہو! پھر فرمایا تمہاری بہوئیں بھی تم پر حرام ہیں جو تمہاری اولاد کی بیویاں ہوں یعنی لے پالک لڑکوں کی بیویاں حرام نہیں، ہاں سگے لڑکے کی بیوی یعنی بہو اپنے کسر پر حرام ہے جیسے اور جگہ ہے آیت (فلما قضى زيد منها وطرا زوجنكها لكيلا يكون على المومنين حرج فى ازواج ادعيائهم الخ، یعنی جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا تا کہ مومنوں پر ان کے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے، حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ ہم سنا کرتے تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی بیوی سے نکاح کر لیا تو مکہ کے مشرکوں نے کائیں کائیں شروع کر دی اس پر یہ آیت اور آیت (وما جعل ادعياء كم ابناء كم) اور آیت (ما كان محمد ابا احد من رجالكم) نازل ہوئیں یعنی بیشک صلبی لڑکے کی بیوی حرام ہے۔ تمہارے لئے پالک لڑکے شرعاً تمہاری اولاد کے حکم میں نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں،

حسن بن محمد فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مبہم ہیں جیسے تمہارے لڑکوں کی بیویاں تمہاری سا سیں، حضرت طاؤس ابراہیم زہری اور مکحول سے بھی اسی طرح مروی ہے میرے خیال میں مبہم سے مراد عام ہیں۔ یعنی مدخول بہا اور غیر مدخول دونوں ہی شامل ہیں اور صرف نکاح کرتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس مسئلہ پر اتفاق ہے اگر کوئی شخص سوال کرے کہ

رضاعی بیٹے کی حرمت کیسے ثابت ہوگی کیونکہ آیت میں تو صلبی بیٹے کا ذکر ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ حرمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا رضاعت سے وہ حرام ہے جو نسبت سے حرام ہے۔

رضاعی بیٹے کی بیوی کی حرمت پر اجماع کا بیان

جمہور کا مذہب یہی ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی بھی حرام ہے بعض لوگوں نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا بھی تم پر حرام ہے اسی طرح ملکیت کی لونڈیوں کا حکم ہے کہ دو بہنوں سے ایک ہی وقت وطی حرام ہے مگر جاہلیت کے زمانہ میں جو ہو چکا اس سے ہم درگزر کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ اب یہ کام آئندہ کسی وقت جائز نہیں، جیسے اور جگہ ہے آیت (لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولی یعنی وہاں موت نہیں آئے گی ہاں پہلی موت جو آنی تھی سو آ چکی تو معلوم ہوا کہ اب آئندہ کبھی موت نہیں آئے گی،

ساس اور سوتیلی بیٹی کی حرمت کا بیان

قَالَ ﴿وَلَا بِاُمِّ امْرَاَتِهِ الَّتِیْ دَخَلَ بِهَا اَوْ لَمْ یَدْخُلْ﴾ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿وَاُمَّهٰتُ نِسَائِكُمْ﴾ مِنْ غَیْرِ قَیْدِ الدُّخُوْلِ ﴿وَلَا بِبِنْتِ امْرَاَتِهِ الَّتِیْ دَخَلَ بِهَا﴾ لِثُبُوْتِ قَیْدِ الدُّخُوْلِ بِالنَّصِّ ﴿سَوَاءٌ كَانَتْ فِیْ حِجْرِهٖ اَوْ فِیْ حِجْرِ غَیْرِهٖ﴾ لِاَنَّ ذِكْرَ الْحِجْرِ خَرَجَ مَخْرَجَ الْعَادَةِ لَا مَخْرَجَ الشَّرْطِ وَلِهٰذَا اكْتَفٰی فِیْ مَوْضِعِ الْاِحْلَالِ بِنَفْیِ الدُّخُوْلِ

ترجمہ

فرمایا: اور نہ ہی اپنی اس بیوی کی ماں کے ساتھ (شادی کرنا جائز ہے) جس (ماں) کی بیٹی کے ساتھ اس نے دخول کیا ہو یا دخول نہ کیا ہو۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور تمہاری بیویوں کی مائیں" اس میں "دخول" کی قید نہیں ہے۔ اور نہ ہی اپنی اس بیوی کی بیٹی کے ساتھ جائز ہے، جس کے ساتھ اس نے دخول کیا ہو، کیونکہ دخول کی قید "نص" کے ذریعے ثابت ہے، خواہ وہ لڑکی اس کے زیر پرورش ہو یا کسی دوسرے کی زیر پرورش ہو، کیونکہ زیر پرورش ہونے کا ذکر عام محاورے کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ شرط کے طور پر نہیں کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے: حلال قرار دینے کے مقام پر، دخول کی نفی پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

ساس کی حرمت و جمع میں اسلاف سے روایات

﴿وَاُمَّهٰتُ نِسَائِكُمْ﴾ پھر فرماتا ہے ساس حرام ہے جس لڑکی سے نکاح ہوا مجرد نکاح ہونے کے سبب اس کی ماں اس پر حرام ہوگئی خواہ صحبت کرے یا نہ کرے، ہاں جس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور اس کی لڑکی اس کے اگلے خاوند سے اس کے ساتھ ہے تو اگر اس سے صحبت کی تو وہ لڑکی حرام ہوگی اگر مجامعت سے پہلے ہی اس عورت کو طلاق دے دی تو وہ لڑکی اس پر حرام نہیں،

اسی لئے اس آیت میں یہ قید لگائی بعض لوگوں نے ضمیر کو ساس اور اس کی پرورش کی ہوئی لڑکیوں دونوں کی طرف لوٹایا ہے وہ کہتے ہیں کہ ساس بھی اس وقت حرام ہوتی ہے جب اس کی لڑکی سے اس کے داماد نے خلوت کی ورنہ نہیں، صرف عقد سے نہ تو عورت کی ماں حرام ہوتی ہے نہ عورت کی بیٹی، حضرت علی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی لڑکی سے نکاح کیا پھر دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی تو وہ اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے جیسے کہ ربیبہ لڑکی سے اس کی ماں کو اسی طرح کی طلاق دینے کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔

حضرت زید بن ثابت سے بھی یہی منقول ہے ایک اور روایت میں بھی آپ سے مروی ہے آپ فرماتے تھے جب وہ عورت غیر مدخولہ مرجائے اور یہ خاوند اس کی میراث لے لے تو پھر اس کی ماں کو لانا مکروہ ہے ہاں اگر دخول سے پہلے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے نکاح کر سکتا ہے

حضرت ابوبکر بن کنانہ فرماتے ہیں کہ میرا نکاح میرے باپ نے طائف کی ایک عورت سے کرایا ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا باپ میرا چچا فوت ہو گیا اس کی بیوی یعنی میری ساس بیوہ ہو گئی وہ بہت مالدار تھیں میرے باپ نے مجھے مشورہ دیا کہ اس لڑکی کو چھوڑ دوں اور اس کی ماں سے نکاح کر لوں میں نے حضرت ابن عباس سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا تمہارے لئے یہ جائز ہے پھر میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ جائز نہیں میں نے اپنے والد سے ذکر کیا انہوں نے تو امیر معاویہ کو ہی سوال کیا حضرت امیر معاویہ نے تحریر فرمایا کہ میں نہ تو حرام کو حلال کروں نہ حلال کر حرام تم جانو اور تمہارا کام تم حالت دیکھ رہے ہو معاملہ کے تمام پہلو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ عورتیں اس کے علاوہ بھی بہت ہیں۔ غرض نہ اجازت دی نہ انکار کیا چنانچہ میرے باپ نے اپنا خیال اس کی ماں کی طرف سے ہٹا لیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ عورت کی لڑکی اور عورت کی ماں کا حکم ایک ہی ہے اگر عورت سے دخول نہ کیا ہو تو یہ دونوں حلال ہیں، لیکن اس کی اسناد میں مبہم راوی ہے، حضرت مجاہد کا بھی یہی قول ہے، ابن جبیر اور حضرت ابن عباس بھی اسی طرف گئے ہیں،

حضرت معاویہ نے اس میں توقف فرمایا ہے شوافع میں سے ابوالحسن احمد بن محمد بن صابونی سے بھی بقول رافعی یہی مروی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی اسی کے مثل مروی ہے لیکن پھر آپ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے طبرانی میں ہے کہ قبیلہ فزارہ کی شاخ قبیلہ بنو کمخ کے ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا پھر اس کی بیوہ ماں کے حسن پر فریفتہ ہوا تو حضرت ابن مسعود سے مسئلہ پوچھا کہ کیا مجھے اس کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے آپ نے فرمایا ہاں چنانچہ اس نے اس لڑکی کو طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کر لیا اس سے اولاد بھی ہوئی پھر حضرت ابن مسعود مدینہ آئے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ حلال نہیں چنانچہ آپ واپس کوفے گئے اور اس سے کہا کہ اس عورت کو الگ کر دے یہ تجھ پر حرام ہے اس نے اس فرمان کی تعمیل کی اور اسے الگ کر دیا

جمہور علماء اس طرف ہیں لڑکی تو صرف عقد نکاح سے حرام نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس کی ماں سے مباشرت نہ کی ہو ہاں ماں صرف لڑکی کے عقد نکاح ہوتے ہی حرام ہو جاتی ہے گو مباشرت نہ ہوئی ہو،

پھر فرماتا ہے تمہاری پرورش کی ہوئی وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں وہ بھی تم پر حرام ہیں بشرطیکہ تم نے ان سوتیلی لڑکیوں کی ماں سے صحبت کی ہو جمہور کا فرمان ہے کہ خواہ گود میں پلی ہوں حرام ہیں چونکہ عموماً ایسی لڑکیاں اپنی ماں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور اپنے سوتیلے باپوں کے ہاں ہی پرورش پاتی ہیں اس لئے یہ کہہ دیا گیا ہے یہ کوئی قید نہیں جیسے اس آیت میں ہے آیت (ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا) یعنی تمہاری لونڈیاں اگر پاکدامن رہنا چاہتی ہوں تو تم انہیں بدکاری پر بے بس نہ کرو، یہاں بھی یہ قید کہ اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں صرف باعتبار واقعہ کے غلبہ کے ہے یہ نہیں کہ اگر وہ خود ایسی نہ ہوں تو انہیں بدکاری پر آمادہ کرو، اسی طرح اس آیت میں ہے کہ گود میں چاہے نہ ہوں پھر بھی حرام ہی ہیں ۔ (ابن کثیر)

اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کی ممانعت

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عورت سے نکاح کرے اور پھر اس سے جماع کرے تو اس کے لئے اس بیوی کی بیٹی سے جو اس کے پہلے شوہر سے ہے) نکاح کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ اس بیوی کو طلاق دے چکا ہو یا وہ مرگئی ہو کیونکہ اس بیوی کو اور اس کی بیٹی کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھنا اس صورت میں بھی جائز نہیں ہے) اور جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کرلیا تو اب اس کے لئے اپنی اس منکوحہ کی ماں یعنی اپنی ساس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا خواہ اپنی اس منکوحہ سے جماع کیا ہو یا جماع نہ کیا ہو۔ اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث اپنی سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو ابن لہیعہ اور مثنی ابن صباح نے عمرو بن شعیب سے نقل کیا ہے اور وہ دونوں حدیث روایت کرنے کے سلسلے میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں

اگرچہ یہ حدیث اپنے راویوں سے اعتبار سے تو صحیح نہیں ہے لیکن اپنے مفہوم ومعنی کے اعتبار سے صحیح ہے کیونکہ اس حدیث میں جو مفہوم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کی آیت کے مطابق ہے۔

حدیث میں اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کے عدم جواز کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے چنانچہ فرمایا کہ اور حرام ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو ان کے لئے پہلے شوہر سے ہیں اور تمہاری پرورش میں ہیں اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم جماع کر چکے ہو اور اگر تم نے ان بیویوں سے جماع نہیں کیا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کرو۔ اور بیوی کی ماں یعنی اپنی ساس سے نکاح کے عدم جواز کا جو مطلق حکم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کریم کی اس مطلق آیت سے ثابت ہے۔ اور حرام ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں۔

اہل تشیع کے نزدیک لواطت سبب حرمت نکاح ہے

یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام ایسے افراد کے لئے جن سزاؤں کا قائل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ فاعل پر مفعول کی بہن، ماں اور بیٹی سے نکاح حرام ہے یعنی اگر یہ کام نکاح سے پہلے ہوا ہو تو یہ عورتیں اس کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہیں۔

(تفسیر نمونہ، ج۹، ص۱۹۶)

اہل تشیع کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل تشیع کے نام نہاد فقہاء مرد کو عورت تصور کر لیتے ہیں اور پھر انوکھے وغریب الفکر کے ذریعے استدلال کر لیتے ہیں۔ اور اس کے بعد غیر منطقی جزی کا انطباق علی غیر محلہ سے ملاتے ہوئے احکام فقہ سپرد قلم کر دیتے ہیں۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ شامی میں مذکور ہے۔ اغلام سے مصاہرت نہیں ثابت ہوتی۔ (ردالمحتار، کتاب النکاح)

باپ' دادا کی بیویوں کی حرمت کا بیان

﴿قَالَ وَلَا بِامْرَاَةِ اَبِیْهِ وَاَجْدَادِهٖ﴾ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِنَ النِّسَآءِ﴾ ﴿وَلَا بِامْرَاَةِ اِبْنِهٖ وَبَنِیْ اَوْلَادِهٖ﴾ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ﴾ وَذِكْرُ الْاَصْلَابِ لِاِسْقَاطِ اعْتِبَارِ التَّبَنِّیْ لَا لِاِحْلَالِ حَلِیْلَةِ الْاِبْنِ مِنَ الرَّضَاعَةِ.

ترجمہ

فرمایا: نہ ہی اپنے باپ کی' یا اپنے اجداد میں سے کسی کی بیوی کے ساتھ (شادی کرنا جائز ہے)۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اور تم ان کے ساتھ نکاح نہ کرو جن خواتین کے ساتھ تمہارے آباؤ اجداد نے نکاح کیا ہو''۔ اور نہ ہی اپنے بیٹے کی بیوی کے ساتھ' یا اپنی اولاد کی اولاد میں سے کسی کی بیوی کے ساتھ (شادی کرنا جائز ہے)۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں'' یہاں پر صلبی کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ ''منہ بولے'' بیٹے کے معتبر ہونے کو ساقط قرار دیا جائے' اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی کو حلال قرار دیا گیا ہے۔

منکوحہ اب کی حرمت میں نص قطعی کا بیان

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِیْلًا ـ)(النساء، ۲۲)

اور باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو مگر جو ہو گزرا وہ بے شک بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت بری راہ۔ (کنزالایمان)

صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا تم نے عورتوں کو اللہ کی امانت کے طور پہ لیا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے اپنے لئے حلال کیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ

سوتیلی ماؤں کی حرمت بیان فرماتا ہے اور ان کی تعظیم اور توقیر ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ باپ نے کسی عورت سے صرف نکاح کیا ابھی وہ رخصت ہو کر بھی نہیں آئی مگر طلاق ہو گئی یا باپ مر گیا وغیرہ تو بھی وہ سبب اور برار استہ ہے اور جگہ فرماتا ہے آیت (ولا تقربوا الفواحش) الخ یعنی کسی برائی بیحیائی اور فحش کام کے قریب بھی نہ جاؤ یا وہ بالکل ظاہر ہو خواہ پوشیدہ ہو اور فرمان ہے آیت (ولا تقربوا الزنا) الخ، زنا کے قریب نہ جاؤ یقیناً وہ فحش کام اور بری راہ ہے یہاں مزید فرمایا کہ یہ کام بڑے بغض کا بھی ہے یعنی فی نفسہ بھی بڑا ابرا امر ہے اس سے باپ بیٹے میں عداوت پڑ جاتی ہے اور دشمنی قائم ہو جاتی ہے،

یہی مشاہدہ میں آیا ہے اور عموماً یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے دوسرا نکاح کرتا ہے وہ اس کے پہلے خاوند سے بغض ہی رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں امہات المومنین قرار دے گئیں اور امت پر مثل ماں کے حرام کی گئیں کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں اور آپ مثل باپ کے ہیں، بلکہ اجماعاً ثابت ہے کہ آپ کے حقوق باپ دادا کے حقوق سے بھی بہت زیادہ اور بہت بڑے ہیں بلکہ آپ کی محبت خود اپنی جانوں کی محبت پر بھی مقدم ہے صلوات اللہ وسلامہ علیہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کام اللہ کے بغض کا موجب ہے اور برار استہ ہے اب جو ایسا کام کرے وہ دین سے مرتد ہے اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا مال بیت المال میں بطور رفے کے داخل کر لیا جائے،

سنن اور مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کے بعد نکاح کیا تھا کہ اسے قتل کر ڈالو اور اس کے مال پر قبضہ کر لو،

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میرے چچا حارث بن عمیر اپنے ہاتھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا جھنڈا لے کر میرے پاس سے گزرے میں نے پوچھا کہ چچا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کہاں بھیجا ہے؟ فرمایا اس شخص کی طرف جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہے مجھے حکم ہے کہ میں اس کی گردن ماروں (مسند احمد)

منکوحہ اب سے نکاح کرنے والے کی وعید کا بیان

حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ ایک دن میرے ماموں حضرت ابو بردہ بن نیار میرے پاس سے اس حال میں گزرے کہ ان کے ہاتھ میں ایک نشان تھا میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس شخص کے پاس بھیجا ہے تا کہ میں اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں لے آؤں۔ (ترمذی) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت میں نیز نسائی ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ ابو بردہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی گردن ماردوں اور اس کا مال واسباب لے آؤں۔ اور اس روایت میں میرے ماموں کی جگہ میرے چچا کے الفاظ ہیں (لہذا یہ بات مختلف فیہ ہو گئی کہ حضرت بردہ بن نیاز حضرت براء بن عازب کے ماموں تھے یا چچا تھے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ کو اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنے والے کی گردن مارنے کے لئے بھیجا تو ان کے

ہاتھ میں بطور نشان ایک جھنڈا دے دیا تھا تا کہ لوگ اس علامتی جھنڈے کو دیکھ کر جان لیں کہ یہ شخص مذکورہ بالا خدمت کی انجام دہی کے لئے دربار رسالت فرستادہ ہے۔

علامہ طیبی شافعی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ کو جس شخص کی گردن مارنے کا حکم دیا تھا اس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر کے شریعت اسلام کے ایک ظاہری حکم کی خلاف ورزی ہی نہیں کی تھی بلکہ اس کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ باپ کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے جیسا کہ اہل جاہلیت یعنی کفار ایسا عقیدہ رکھتے تھے لہٰذا اسلامی شریعت کا یہ فیصلہ ہے کہ جو شخص کسی حرام چیز کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کر ڈالنا اور اس کا مال و اسباب ضبط کر لینا جائز ہے۔

سوتیلی ماں سے نکاح حرمت پر اجماع

اس پر تو علماء کا اجماع ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کر لی خواہ نکاح کر کے خواہ ملکیت میں لا کر خواہ شبہ سے وہ عورت بیٹے پر حرام ہے، ہاں اگر جماع نہ ہوا ہو تو صرف مباشرت ہوئی ہو یا وہ اعضاء دیکھے ہوں جن کا دیکھنا اجنبی ہونے کی صورت میں حلال نہ تھا تو اس میں اختلاف ہے۔

امام احمد تو اس صورت میں بھی اس عورت کو لڑکے پر حرام بتاتے ہیں، حافظ ابن عساکر کے اس واقعہ سے بھی اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت خدیج حمصی نے جو حضرت معاویہ کے مولی تھے حضرت معاویہ کے لئے ایک لونڈی خریدی جو گورے رنگ کی اور خوبصورت تھی اسے برہنہ ان کے پاس بھیج دیا ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اس سے اشارہ کر کے کہنے لگے اچھا نفع تھا اگر یہ ملبوس ہوتی پھر کہنے لگے اسے یزید بن معاویہ کے پاس لے جاؤ پھر کہا نہیں نہیں ٹھہرو ربیعہ بن عمرو حرسی کو میرے پاس بلا لاؤ یہ بڑے فقیہ تھے جب آئے تو حضرت معاویہ نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ میں نے اس عورت کے یہ اعضاء مخصوص دیکھے ہیں، یہ برہنہ تھی۔ اب میں اسے اپنے لڑکے یزید کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں تو کیا اس کے لئے یہ حلال ہے؟ حضرت ربیعہ نے فرمایا امیر المومنین ایسا نہ کیجئے یہ اس کے قابل نہیں رہی فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو اچھا جاؤ عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو بلا لاؤ وہ آئے وہ تو گندم گوں رنگ کے تھے اس سے حضرت معاویہ نے فرمایا اس لونڈی کو میں تمہیں دیتا ہوں تا کہ تمہاری اولاد سفید رنگ پیدا ہو یہ عبداللہ بن مسعدہ وہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو دیا تھا آپ نے انہیں پالا پرورش کیا پھر اللہ تعالیٰ کے نام سے آزاد کر دیا پھر یہ حضرت معاویہ کے پاس چلے آئے تھے۔

وَحَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا .(النساء ۲۳)

اور تمہاری نسلی بیٹوں کی بی بیاں اور دو بہنیں اکٹھی کرنا مگر جو ہو گزرا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس سے مُتبنّیٰ نکل گئے ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور رضاعی بیٹے کی بی بی بھی حرام ہے کیونکہ وہ نسبی کے حکم میں

ہے اور پوتے پر پوتے بیٹوں میں داخل ہیں۔

فرمایا کہ عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو کہ تمہاری پشت سے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بیٹے یا پوتے نسبی ہوں منہ بولے یعنی لے پالک نہ ہوں جس کو متبنّٰی کہتے ہیں رضائی سے احتراز نہیں اور اِلَّامَا قَدْسَلَفَ کا یہ مطلب ہے، کہ زمانہ جاہلیت میں اس حکم سے پہلے جو دو بہنوں کو جمع کر لیتے تھے وہ معاف ہے اور فِیْ حُجُوْرِکُمْ فرمانے سے یہ مطلب ہے، کہ جن کو تم اپنی گود میں پالتے ہو اور ان کی پرورش کرتے ہو یعنی اولاد جیسا ان سے معاملہ کرتے ہو اور گویا اولاد ہی سمجھتے ہو اس سے ان کے نکاح کی حرمت اور ظاہر ہوگئی یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرمت کے لئے گود میں رکھنا ضروری ہے۔

رضائی ماں اور رضائی بہن کی حرمت کا بیان

﴿ولَابِاُمِّهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ ولَابِاُخْتِهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ﴾ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ اللّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ وَلِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ﴿يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ﴾ ۔"

ترجمہ

اور نہ ہی رضائی ماں کے ساتھ اور نہ ہی رضائی بہن کے ساتھ (شادی کرنا جائز ہے)۔ اس کی دلیل' اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضائی بہنیں''۔ ☆ اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے: ''رضاعت کے ذریعے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے' جو حرمت نسب کے ذریعے ثابت ہوتی ہے''۔

فقہاء احناف کے نزدیک مدت رضاعت کا بیان

صدر الا فاضل علامہ نعیم الدین مراد آبادی حنفی بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ دودھ کے رشتے شیر خواری کی مدت میں قلیل دودھ پیا جائے یا کثیر اس کے ساتھ حرمت متعلق ہوتی ہے شیر خواری کی مدت حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تیس ماہ اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہیں شیر خواری کی مدت کے بعد دودھ پیا جائے اس سے حرمت متعلق نہیں ہوتی اللہ نے رضاعت (شیر خواری) کو نسب کے قائم مقام کیا ہے اور دودھ پلانے والی کو شیر خوار کی ماں اور اس کی لڑکی کو شیر خوار کی بہن فرمایا اسی طرح دودھ پلائی کا شوہر شیر خوار کا باپ اور اس کا باپ شیر خوار کا دادا اور اس کی بہن اس کی پھوپھی اور اس کا ہر بچہ جو دودھ پلائی کے سوا اور کسی عورت سے بھی ہو خواہ وہ قبل شیر خواری کے پیدا ہوا یا اس کے بعد وہ سب اس کے سوتیلے بھائی بہن ہیں۔

اور دودھ پلائی کی ماں شیر خوار کی نانی اور اُس کی بہن اُس کی خالہ اور اُس شوہر سے اُس کے جو بچے پیدا ہوں وہ شیر خوار کے رضائی بھائی بہن اور اُس شوہر کے علاوہ دوسرے شوہر سے جو ہوں وہ اس کی سوتیلے بھائی بہن اس میں اصل یہ حدیث ہے کہ

رضاع سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں اس لئے شیر خوار پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان کے نسبی و رضاعی اصول و فروع سب حرام ہیں۔ (خزائن العرفان، نساء ۲۳)

حرمت رضاعت کا حرمت نسب پر قیاس کرنے کا بیان

(۱) حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو رشتے نسب سے حرام کیے ہیں وہی رشتے رضاعت سے بھی حرام کیے ہیں اس باب میں حضرت عائشہ، ابن عباس، ام حبیبہ سے بھی روایت ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1152)

(۲) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام کیے ہیں جو ولادت سے حرام کیے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اسی پر عمل ہے اس مسئلہ میں علماء کا اتفاق ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1153)

حرمت رضاعت سے متعلق بعض فقہی مذاہب کا بیان

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میرے پاس میرے رضاعی چچا تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے بغیر انہیں اجازت دینے سے انکار کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارے پاس داخل ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ تو تمہارے چچا ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں آپ نے فرمایا انہیں چاہیے کہ وہ تمہارے پاس آجائیں اس لیے کہ وہ تمہارے چچا ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے کہ انہوں نے رضاعی رشتہ والے مرد کے سامنے ہونے کو مکروہ کہا ہے بعض اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1154)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کے پاس دو لونڈیاں ہیں ان میں سے ایک نے لڑکی کو اور دوسرے نے ایک لڑکے کو دودھ پلایا کیا اس لڑکے کے لیے وہ لڑکی حلال ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ منی تو ایک ہی ہے (یعنی وہ شخص دونوں باندیوں کے ساتھ صحبت کرتا ہے) یہ مرد کے دودھ کی تفسیر ہے اس باب میں یہی اصل ہے امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1155)

محرمات رضاعیہ کی تفصیل کا بیان

حرمت رضاعت کا تعلق جس طرح دودھ پلانے والی عورت سے ہوتا ہے اسی طرح اس کے شوہر سے بھی ہوتا ہے دودھ پینے والے پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول و فروع حرام ہیں۔ خواہ وہ اصول اور فروع نسبا ہوں یا رضاعی حتی کہ دودھ پلانے والی کا اس شخص (شوہر) سے یا کسی سے بچہ پیدا ہو، اس دودھ پلانے سے پہلے یا اس کے بعد یا وہ عورت کسی اور بچہ کو دودھ

پلائے تو یہ سب اس دودھ پینے والے کے بہن بھائی ہیں اور ان کی اولاد اس کے بھائی بہنوں کی اولاد ہے اور دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کا بھائی اس کا چچا ہے اور اس کی بہن اس کی پھوپھی ہے اور اس کا بھائی اس کا ماموں ہے اور اس کی بہن اس کی خالہ ہے اسی طرح دادا، اور دادی کا حکم ہے اور رضاعت میں مصاہرت بھی ثابت ہوگی حتی کہ دودھ پلانے والی کے شوہر کی بیوی دودھ پینے والے پر حرام ہوگی اور دودھ پینے والے کی بیوی اس پر حرام ہوگی۔ (فتاوی عالم گیری، ج ۱، ص ۳۴۳۔۳۴۲، بولاق مصر)

دعویٰ رضاعت میں شہادت کا فقہی حکم

حضرت عقبہ بن حارث سے نقل کرتے ہیں عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عقبہ سے بھی سنی ہے لیکن عبید کی حدیث مجھے زیادہ یاد ہے کہ عقبہ نے کہا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو ایک سیاہ فام عورت آئی اور اس نے کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے پس میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو ایک سیاہ فام عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور وہ جھوٹی ہے۔ عقبہ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ پر چہرہ پھیر لیا میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اور آیا اور عرض کیا وہ جھوٹی ہے آپ نے فرمایا کیسے؟ جب کہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ کو پلایا ہے تم اس عورت کو چھوڑ دو۔

حدیث عقبہ بن حارث حسن صحیح ہے کئی راوی یہ حدیث ابن ابی ملیکہ سے اور وہ عقبہ بن حارث سے نقل کرتے ہیں اور اس میں عبید بن ابی مریم کا ذکر نہیں کرتے پھر اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نہیں ہیں کہ تم اس کو چھوڑ دو۔ بعض علماء صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ رضاعت کے ثبوت کے لیے ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں یہ اس صورت میں کافی ہے کہ اس عورت سے قسم لی جائے۔ امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ایک عورت کی گواہی کافی نہیں بلکہ زیادہ ہونی چاہییں۔ امام شافعی کا یہی قول ہے۔

عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ عبداللہ بن زبیر نے انہیں طائف میں قاضی مقرر کیا تھا ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیس صحابیوں کو پایا ہے ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے جارود بن معاذ سے سنا ہے کہ وکیع کے نزدیک بھی رضاعت کے لیے ایک عورت کی گواہی کافی نہیں لیکن اگر ایک عورت کی گواہی سے اپنی بیوی کو چھوڑ دے تو یہ عین تقویٰ ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1158)

حرمت نکاح کا سبب رضاعت در بیبہ ہونے کا بیان

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری بہن پسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیوں کیا بات ہے؟ بولیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے نکاح کر لیجئے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ سے پوچھا کہ کیا تم اس بات کو پسند کروگی وہ بولیں صرف میں ہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی نہیں ہوں اور میں اس بات کو پسند کروں گی کہ میری بہن بھی ان میں شامل ہو جائے جو میرے ساتھ خیر میں (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں) شریک ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ میرے لیے حلال نہیں ہو سکتی (کیونکہ ایک ساتھ دو بہنوں سے نکاح جائز نہیں) (یہ سن کر) ام حبیبہ نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درہ (یا ذرہ) بنت ابی سلمہ سے نکاح کا پیغام دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیرت سے دریافت فرمایا کہ کیا ام سلمہ کی بیٹی درہ سے ام حبیبہ نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ تو میری ربیبہ ہے اور اگر وہ ربیبہ نہ بھی ہوتی تو بھی وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہے (پس دونوں صورتوں میں وہ میرے لیے حلال نہیں لہذا تمہیں اس کی جو خبر ملی ہے وہ غلط ہے) مجھے اور اس کے باپ ابو سلمہ کو تو ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے پس تم میرے لیے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو پیش مت کرو۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 291)

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت کا بیان

﴿وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ أُخْتَيْنِ نِكَاحًا وَلَا بِمِلْكِ يَمِينٍ وَطْئًا﴾ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ (۳) وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ﴿مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَجْمَعَنَّ مَاءَهُ فِي رَحِمِ أُخْتَيْنِ﴾

ترجمہ

دو بہنوں کو نکاح میں یا ملک یمین میں صحبت کرنے میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ”اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو“۔ اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ”جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے نطفے کو دو بہنوں کے رحم میں جمع نہ کرے“۔

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت کا بیان

ابن فیروز دیلمی سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں آپ نے فرمایا ان دونوں میں سے جس کو چاہو اپنے لیے منتخب کر لو، یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1134)۔

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت پر سلف وخلف کا اجماع

صحابہ تابعین ائمہ اور سلف وخلف کے علماء کرام کا اجماع ہے کہ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اور جو شخص مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ ایک کو رکھ لے اور دوسری کو طلاق دے دے اور یہ اسے کرنا ہی پڑے گا حضرت فیروز فرماتے ہیں میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو عورتیں تھیں جو آپس میں بہنیں تھیں پس آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دے دو۔ (مسند احمد)

ابن ماجہ ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے ترمذی میں بھی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے جسے چاہو ایک کو رکھ لو اور ایک کو طلاق دے دو، امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں، ابن ماجہ میں ابوخراش کا ایسا واقعہ بھی مذکور ہے ممکن ہے کہ ضحاک بن فیروز کی کنیت ابوخراش ہو اور یہ واقعہ ایک ہی ہو اور اس کے خلاف بھی ممکن ہے

حضرت دیلمی نے رسول مقبول صلعم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں آپ نے فرمایا ان سے جسے چاہو ایک کو طلاق دے دو (ابن مردویہ) پس دیلمی سے مراد ضحاک بن فیروز ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ یمن کے ان سرداروں میں سے تھے جنہوں نے اسود عنسی متنبی ملعون کو قتل کیا چنانچہ دو لونڈیوں کو جو آپس میں سگی بہنیں ہوں ایک ساتھ جمع کرنا ان سے وطی کرنا بھی حرام ہے، اس کی دلیل اس آیت کا عموم ہے جو بیویوں اور اور لونڈیوں پر مشتمل ہے

حضرت ابن مسعود سے اس کا سوال ہوا تو آپ نے مکروہ بتایا سائل نے کہا قرآن میں جو ہے آیت (الا ما ملکت ایمانکم) یعنی وہ جو جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں اس پر حضرت ابن مسعود نے فرمایا تیرا اونٹ بھی تو تیرے داہنے ہاتھ کی ملکیت میں ہے، جمہور کا قول بھی یہی مشہور ہے اور آئمہ اربعہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں گو بعض سلف نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے۔

حضرت عثمان بن عفان سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ایک آیت اسے حلال کرتی ہے دوسری حرام میں تو اس سے منع کرتا سائل وہاں سے نکلا تو راستے میں ایک صحابی سے ملاقات ہوئی اس نے ان سے بھی یہی سوال کیا انہوں نے فرمایا اگر مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں ایسا کرنے والے کو عبرت ناک سزا دیتا،

حضرت امام مالک فرماتے ہیں میرا گمان ہے کہ یہ فرمانے والے غالباً علی کا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ عبدالملک بن مروان کا مصاحب تھا اور ان لوگوں پر آپ کا نام بھاری پڑتا تھا حضرت الیاس بن عامر کہتے ہیں میں نے حضرت علی بن ابی طالب سے سوال کیا کہ میری ملکیت میں دو لونڈیاں ہیں دونوں آپس میں سگی بہنیں ہیں ایک سے میں نے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور میرے ہاں اس سے اولاد بھی ہوئی ہے اب میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی بہن سے جو میری لونڈی ہے اپنے تعلقات قائم کروں تو فرمایئے شریعت کا اس میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا پہلی لونڈی کو آزاد کر کے پھر اس کی بہن سے یہ تعلقات قائم کر سکتے ہو، اس نے کہا اور لوگ تو کہتے ہیں کہ میں اس کا نکاح کرا دوں پھر اس کی بہن سے مل سکتا ہوں،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا دیکھو اس صورت میں بھی خرابی ہے وہ یہ کہ اگر اس کا خاوند اسے طلاق دے دے یا انتقال کر جائے تو وہ پھر لوٹ کر تمہاری طرف آ جائے گی، اسے تو آزاد کر دینے میں ہی سلامتی ہے، پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا سنو آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے احکام حلت وحرمت کے لحاظ سے یکساں ہیں ہاں البتہ تعداد میں فرق ہے یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے اور لونڈیوں میں کوئی تعداد کی قید نہیں اور دودھ پلائی کے رشتہ سے بھی اس رشتہ کی وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسل

اور نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔

نکاح میں ممانعت جمع سے متعلق قاعدہ فقہیہ

توقف اول الکلام علی آخرہ فلا جرم یقترنان (نور الانوار)

کلام کا اول حصہ آخری حصہ پر موقوف ہوتا ہے لہذا دونوں حصے اول و آخر زمانے میں مقترن ہو گئے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔

ولا یجمع بین الاختین ۔(النساء)

اگر کسی شخص کے وکیل نے دو حقیقی بہنوں کو اس کے نکاح میں جمع کر دیا اور نکاح پڑھا دیا تو اس پر نکاح کرنے والے نے کہا" اجزت نکاح ھذہ و ھذہ " میں نے اس اور اس کے نکاح کی اجازت دی۔ تو دونوں سے نکاح باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ پہلی بہن کے نکاح کا اقرار کلام کے آخری حصہ پر موقوف تھا اور آخری حصہ میں اس کی دوسری بہن کا نکاح کا اقرار ہے جبکہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے لہذا ایک زمانہ میں دو حقیقی بہنوں سے اقرار نکاح کی وجہ سے دونوں سے نکاح باطل ہو گیا۔ پہلی بہن سے نکاح کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نکاح تو کلام کے آخری حصہ پر موقوف تھا اور آخری حصے کا اقرار شرعا باطل تھا وہ تو موقوف علیہ ہونے کی وجہ سے باطل ہو گیا۔ اور دوسری بہن کا نکاح بھی پہلے اقرار کو ثابت کرنے کیلئے تھا جبکہ اس اقرار کو اس طرح ثابت کرنا شرعا باطل تھا لہذا دونوں کا نکاح باطل ہو گیا۔ اور یہ قاعدہ بھی ثابت ہو گیا۔ (نور الانوار)

موطوءہ کنیز کی بہن کی شادی کا حکم

﴿فَاِنْ تَزَوَّجَ اُخْتَ اَمَةٍ لَهُ قَدْ وَطِئَهَا صَحَّ النِّكَاحُ﴾ لِصُدُوْرِهِ مِنْ اَهْلِهِ مُضَافًا اِلٰى مَحِلِّهِ ﴿وَ﴾ اِذَا جَازَ ﴿لَا يَطَأُ الْاَمَةَ وَاِنْ كَانَ لَمْ يَطَأِ الْمَنْكُوْحَةَ﴾ لِاَنَّ الْمَنْكُوْحَةَ مَوْطُوْءَةٌ حُكْمًا ، وَلَا يَطَأُ الْمَنْكُوْحَةَ لِلْجَمْعِ اِلَّا اِذَا حَرَّمَ الْمَوْطُوْءَةَ عَلٰى نَفْسِهِ لِسَبَبٍ مِّنَ الْاَسْبَابِ فَحِيْنَئِذٍ يَطَأُ الْمَنْكُوْحَةَ لِعَدَمِ الْجَمْعِ ، وَيَطَأُ الْمَنْكُوْحَةَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ وَطِئَ الْمَمْلُوْكَةَ لِعَدَمِ الْجَمْعِ وَطْئًا اِذِ الْمَرْقُوْقَةُ لَيْسَتْ مَوْطُوْءَةً حُكْمًا

ترجمہ

اگر کوئی شخص اپنی ایسی کنیز کی بہن کے ساتھ شادی کرلے جس کے ساتھ وہ صحبت کرتا تھا' تو یہ نکاح درست ہوگا' کیونکہ یہ اس کے اہل سے صادر ہوا ہے اور اس کی نسبت اس کے محل کی طرف ہے اور جب یہ درست ہو جائے گا' تو پھر وہ شخص اس کنیز کے ساتھ صحبت نہیں کر سکے گا۔ اگر چہ اس نے اپنی منکوحہ کے ساتھ وطی نہ کی ہو' کیونکہ منکوحہ عورت حکمی اعتبار سے "موطوءہ" شمار ہوگی۔

وہ شخص اپنی منکوحہ کے ساتھ بھی وطی نہیں کرے گا' کیونکہ اس صورت میں جمع کرنا لازم آئے گا' البتہ اگر وہ موطوءہ (کنیز) کو اپنے اوپر حرام کر دیتا ہے کسی بھی سبب کی وجہ سے' تو اس صورت میں وہ منکوحہ کے ساتھ وطی کر سکتا ہے' کیونکہ جمع وطی کے اعتبار سے جمع کی صورت معدوم ہو جائے گی۔ وہ شخص اپنی منکوحہ کے ساتھ وطی کر سکتا ہے۔ اگر اس نے (اپنی مملوکہ (کنیز) کے ساتھ وطی نہ کی ہو' کیونکہ اس صورت میں بھی وطی کا جمع ہونا معدوم ہے' کیونکہ مرقوقہ (یعنی کنیز)' موطوءہ کے حکم میں نہیں ہوگی۔

دو باندیوں کو جمع کرنے کی حرمت میں احادیث

حضرت قبیصہ بن ذویب سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عثمان بن عفان سے پوچھا کہ دو بہنوں کو ملک یمین سے رکھنا درست ہے یا نہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آیت کی رو سے درست ہے اور دوسری آیت کی رو سے درست نہیں ہے مگر میں اس کو پسند نہیں کرتا پھر وہ شخص چلا گیا اور ایک اور صحابی سے ملا ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا انہوں نے کہا اگر میں حاکم ہوتا اور کسی کو ایسا کرتے دیکھتا تو سخت سزا دیتا ابن شہاب نے کہا میں سمجھتا ہوں وہ صحابی حضرت علی تھے۔ زبیر بن عوام سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔

حضرت امام مالک نے فرمایا: اگر کسی شخص کے پاس ایک لونڈی ہو اور وہ اس سے جماع کرے پھر اس کی بہن سے جماع کرنا چاہے تو یہ درست نہیں ہے جب تک پہلی بہن کی فرج اپنے اوپر حرام نہ کرے مثلا اس کا نکاح کر دے یا اپنے غلام سے بیاہ کر دے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1009)

نکاح میں دو باندیوں کو جمع کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ جس طرح حضرت عثمان سے مروی ہے چنانچہ ابن مردویہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں ایک ہی وقت جمع کر کے ان سے مباشرت کرنا ایک آیت سے حرام ہوتا ہے اور دوسری سے حلال حضرت ابن عباس فرماتے ہیں لونڈیاں مجھ پر میری قرابت کی وجہ سے جو ان سے ہے بعض اور لونڈیوں کو حرام کر دیتی ہیں لیکن انہیں خود آپس میں جو قرابت ہو اس سے مجھ پر حرام نہیں ہوتیں، جاہلیت والے بھی ان عورتوں کو حرام سمجھتے تھے جنہیں تم حرام سمجھتے ہو مگر اپنے باپ کی بیوی کو جو ان کی سگی ماں نہ ہو اور دو بہنوں کو ایک ساتھ ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنا وہ حرام نہیں سمجھتے تھے لیکن اسلام نے آ کر ان دونوں کو بھی حرام قرار دیا اس وجہ سے ان دونوں کی حرمت کے بیان کے ساتھ ہی فرمایا کہ جو نکاح ہو چکے وہ ہو چکے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو آزاد عورتیں حرام ہیں وہی لونڈیاں بھی حرام ہیں ہاں تعداد میں حکم ایک نہیں یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے لونڈیوں کے لئے یہ حد نہیں،

حضرت شعبی بھی یہی فرماتے ہیں ابو عمرو فرماتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں جو فرمایا ہے وہی سلف کی ایک جماعت بھی کہتی ہے جن میں سے حضرت ابن عباس بھی ہیں لیکن اولا تو اس کی نقل میں خود انہی حضرات سے بہت کچھ

اختلاف ہوا ہے دوسرے یہ کہ اس قول کی طرف سمجھدار پختہ کار علماء کرام نے مطلقاً توجہ نہیں فرمائی اور نہ اسے قبول کیا حجاز عراق شام بلکہ مشرق ومغرب کے تمام فقہاء اس کے خلاف ہیں سوائے ان چند کے جنھوں نے الفاظ کو دیکھ، سوچ سمجھ اور غور وخوض کئے بغیر ان سے علیحدگی اختیار کی ہے۔

اور اس اجماع کی مخالفت کی ہے کامل علم والوں اور سچی سمجھ بوجھ والوں کا تو اتفاق ہے کہ دو بہنوں کو جس طرح نکاح میں جمع نہیں کر سکتے دو لونڈیوں کو بھی جو آپس میں بہنیں ہوں بوجہ ملکیت کے ایک ساتھ نکاح میں نہیں لا سکتے اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس آیت میں ماں بیٹی، بہن وغیرہ حرام کی گئی ہیں ان سے جس طرح نکاح حرام ہے اسی طرح اگر یہ لونڈیاں بن کر ماتحتی میں ہوں تو بھی جنسی اختلاط حرام ہے غرض نکاح اور ملکیت کے بعد کی دونوں حالتوں میں یہ سب کی سب برابر ہیں، نہ ان سے نکاح کر کے میل جول حلال نہ ملکیت کے بعد میل جول حلال اسی طرح ٹھیک یہی حکم ہے کہ دو بہنوں کے جمع کرنے ساس اور دوسرے خاوند سے اپنی عورت کی لڑکی ہو اس کے بارے میں خود ان کے جمہور کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی دلیل ان چند مخالفین پر پوری سند اور کامل حجت ہے الغرض دو بہنوں کو ایک وقت نکاح میں رکھنا بھی حرام اور دو بہنوں کو بطور لونڈی کہہ کر ان سے ملنا جلنا بھی حرام ہے۔

ایک عقد میں دو بہنوں سے نکاح کا حکم

﴿فَاِنْ تَزَوَّجَ اُخْتَيْنِ فِيْ عُقْدَتَيْنِ وَلَايَدْرِيْ اَيَّتُهُمَا اُولٰى فُرِّقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمَا﴾ لِاَنَّ نِكَاحَ اِحْدَاهُمَا بَاطِلٌ بِيَقِيْنٍ، وَلَاوَجْهَ اِلَى التَّعْيِيْنِ لِعَدَمِ الْاَوْلَوِيَّةِ وَلَااِلَى التَّنْفِيْذِ مَعَ التَّجْهِيْلِ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ اَوْ لِلضَّرَرِ فَتَعَيَّنَ التَّفْرِيْقُ ﴿وَلَهُمَا نِصْفُ الْمَهْرِ﴾ لِاَنَّهُ وَجَبَ لِلْاُوْلٰى مِنْهُمَا، وَانْعَدَمَتْ الْاَوْلَوِيَّةُ لِلْجَهْلِ بِالْاَوَّلِيَّةِ فَيُصْرَفُ اِلَيْهِمَا، وَقِيْلَ لَا بُدَّ مِنْ دَعْوٰى كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا اَنَّهَا الْاُوْلٰى اَوْ الْاِصْطِلَاحِ لِجَهَالَةِ الْمُسْتَحِقَّةِ.

ترجمہ

اگر کوئی شخص دو عقدوں میں دو بہنوں کے ساتھ شادی کر لیتا ہے اور اسے یہ پتہ نہیں چلتا ان میں سے کس کے ساتھ پہلے شادی ہوئی ہے تو اس مرد اور ان دونوں خواتین کے درمیان علیحدگی کروادی جائے گی کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا نکاح یقینی طور پر باطل ہے اور تعیین کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ پہلے ہونے کا پتہ نہیں چلتا اور نہ ہی کسی ایک کو نافذ قرار دینے کی کوئی صورت ہے کیونکہ (پہلے ہونا) مجہول ہے اس کی وجہ کسی فائدے کا نہ ہونا ہے یا اس کی وجہ ضرر ہے تو علیحدگی متعین ہو جائے گی اور ان دونوں خواتین کو نصف مہر ملے گا کیونکہ یہ ان دونوں میں سے پہلی والی کے لئے واجب ہو گیا تھا اور کسی کے پہلے ہونے سے لاعلمی کی وجہ سے پہلے ہونے کا پہلو معدوم ہو گیا تو یہ صورت دونوں کی طرف جائے گی۔

ایک قول کے مطابق یہ ضروری ہوگا ان دونوں میں ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ اس کے ساتھ پہلے نکاح ہوا ہے یا پھر اس بات پر

اتفاق ہو جائے' کیونکہ اصل مستحق کا پتہ نہیں ہے۔

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے سے متعلق چند فقہی مسائل

اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو نکاح باطل ہوگا اور ان دونوں کو ان کے شوہر سے جدا کرا دیا جائے گا اور پھر یہ جدائی اگر دخول یعنی جماع سے پہلے ہوگی تو ان دونوں کو مہر کے طور پر کچھ نہیں دلوایا جائے گا اور اگر جدائی دخول کے بعد ہوگی تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو دیا جائیگا۔ اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے مختلف عقد میں یعنی یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو جو نکاح بعد میں ہوگا وہ فاسد ہو جائیگا اور شوہر کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اس سے علیحدگی اختیار کرے اگر وہ خود سے علیحدگی اختیار نہ کرے اور قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو قاضی علیحدگی کرا دے۔ اور پھر یہ علیحدگی اگر دخول جماع سے پہلے واقع ہوگئی تو علیحدگی کے احکام (یعنی مہر و عدت وغیرہ) میں سے کوئی حکم نافذ نہیں ہوگا اور اگر دخول کے بعد علیحدگی واقع ہوگئی تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ مہر مل جائے گا اور اس پر عدت واجب ہوگی اور اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہوگا۔

اور اس شخص کو اپنی بیوی یعنی پہلی منکوحہ سے اس وقت تک علیحدہ رہنا ہوگا جب تک کہ اس کی بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے اور اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے دو عقدوں میں یعنی یکے بعد دیگرے نکاح کرلیا مگر یہ معلوم نہیں کہ کس بہن سے پہلے اور کس بہن سے بعد میں نکاح کیا تھا تو ایسی صورت میں شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بیان کرے اگر وہ بیان کردے کہ فلاں بہن سے پہلے اور فلاں بہن سے بعد میں نکاح کیا تھا تو اس بیان کے مطابق عمل کیا جائے (یعنی پہلی کا نکاح باقی اور دوسری کا نکاح باطل قرار دیا جائے اور اگر شوہر بھی بیان نہ کرسکے تو پھر قاضی ان دونوں ہی سے شوہر کی علیحدگی کرادے، علیحدگی کے بعد ان دونوں کو نصف مہر ملے گا بشرطیکہ دونوں کا مہر برابر ہو اور عقد کے وقت متعین ہوا ہو اور یہ علیحدگی بھی جماع سے پہلے واقع ہوئی ہو اور اگر دونوں کا مہر برابر نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مہر کا چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر عقد کے وقت مہر متعین نہ ہوا تو آدھے مہر کی بجائے ایک جوڑا کپڑا دونوں کو دیا جائیگا۔ اور اگر یہ علیحدگی جماع کے بعد ہوئی ہو تو ہر ایک کو اس کا مہر پورا ملے گا۔

اور ابو جعفر ہندوانی فرماتے ہیں کہ مسئلہ مذکورہ کا یہ حکم اس وقت ہوگا جب کہ ان دونوں میں سے ہر ایک یہ دعوی کرے کہ پہلے مجھ سے نکاح ہوا تھا اور گواہ کی ایک کے بھی پاس نہ ہوں تو دونوں کو نصف مہر دلایا جائے گا لیکن اگر دونوں یہ کہیں کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ہم میں سے کس کا نکاح پہلے ہوا ہے تو ان کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب تک کہ دونوں کسی ایک بات پر متفق ہو کر صلح نہ کرلیں اور دونوں کے صلح کی صورت یہ ہوگی کہ وہ دونوں قاضی کے پاس جا کر یہ کہیں کہ ہم دونوں کا مہر ہمارے خاوند پر واجب ہے اور ہمارے اس مطالبہ میں کوئی تیسرا دعوی دار شریک نہیں ہے (یعنی ہمارے خاوند پر مہر کی جو رقم واجب ہے اس میں ہم دونوں کے علاوہ اور کسی تیسری عورت کا کوئی حق نہیں ہے) لہذا ہم دونوں اس بات پر صلح و اتفاق کرتی ہیں کہ نصف مہر لے لیں اس کے بعد قاضی فیصلہ کردے گا اور اگر ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنا نکاح پہلے ہونے پر گواہ پیش کیے تو مرد پر نصف مہر واجب

ہوگا جو دونوں کے درمیان تقسیم کردیا جائے گا اس حکم میں تمام علماء کا اتفاق ہے نیز دو بہنوں کے سلسلہ میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ ایسی تمام عورتوں میں بھی جاری ہوں گے جن کا جمع کرنا (یعنی جن کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا) حرام ہے اور اگر یہ شخص یعنی جس نے دو بہنوں سے ایک عقد میں نکاح کرلیا تھا اور یہ نکاح باطل ہونے کی وجہ سے ان دونوں بہنوں اور اس کے درمیان علیحدگی کرادی تھی) ان دونوں بہنوں کے علیحدہ ہوجانے کے بعد پھر ان دونوں میں سے کسی ایک سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کرسکتا ہے بشرطیکہ علیحدگی جماع سے پہلے ہوئی ہو اور اگر یہ علیحدگی جماع کے بعد ہوئی تھی تو اس صورت میں دونوں بہنوں کی عدت گزر جانے سے پہلے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر ایک عدت میں ہے اور دوسری کی عدت پوری ہوگئی ہے تو اس بہن سے نکاح کرنا جائز ہوگا جو عدت میں ہے دوسری سے اس وقت تک نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا جب تک اس بہن کی عدت پوری نہ ہوجائے جو عدت میں ہے ۔اور اگر علیحدگی سے پہلے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ جماع ہوگیا تھا تو اس بہن سے نکاح کرنا جائز ہوگا جس سے جماع ہو چکا تھا اور اگر اس بہن سے نکاح کرنا چاہے جس سے جماع نہیں ہوا تھا تو) اس سے اس وقت تک نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا جب تک اس بہن کی عدت پوری نہ ہوجائے جس سے جماع ہوا تھا، ہاں اگر اس بہن کی عدت پوری ہوجائے جس سے جماع ہوا تھا تو پھر ان دونوں میں سے جس سے چاہے نکاح کرسکتا ہے۔

نکاح میں دو بہنیں باندیاں جمع کرنا مثل آزاد بہنوں کے ہے

جس طرح بیک وقت دو بہنوں کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے اسی طرح بیک وقت دو باندی بہنوں سے جنسی لطف حاصل کرنا یعنی مساس و جماع کرنا بھی جائز نہیں ہے (یعنی اگر کسی شخص کی ملکیت میں بیک وقت دو بہنیں بطور باندی ہوں تو وہ ان دونوں سے جنسی تلذذ حاصل نہ کرے بلکہ ان میں سے کسی ایک ہی سے مساس و جماع وغیرہ کرے) کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے جنسی لطف لینے کے بعد دوسری بہن حرام ہوجائے گی اس دوسری بہن سے اسی وقت جنسی لطف حاصل کرسکتا ہے جب کہ پہلی بہن کو اپنے اوپر حرام کرلے۔اسی طرح اگر کسی شخص نے ایک باندی خریدی اور اس سے جماع کرلیا پھر اس کے بعد اس کی بہن کو خرید لیا تو صرف پہلی ہی سے جماع کرسکتا ہے دوسری سے جماع اس وقت تک حرام ہوگا جب تک کہ پہلی کو اپنے لئے حرام نہ کرلے اور حرام کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یا تو کسی سے اس کا نکاح کردے یا اپنی ملکیت سے نکال دے یا آزاد کردے یا کسی کو ہبہ کردے یا فروخت کردے یا صدقہ کردے اور یا مکاتب بنادے۔

اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ بعض حصہ کو آزاد کرنا کل حصہ کو آزاد کرنے کے مترادف ہے (مثلاً کسی نے اپنی باندی سے کہا کہ میں نے تیرا آدھا حصہ یا تیرا چوتھائی حصہ آزاد کیا تو یہ کل کو آزاد کرنے کے مرادف ہوگا اور اس سے جماع کرنا ناجائز ہوگا) اسی طرح اس کے بعض حصہ کو اپنی ملکیت سے نکالنا کل کو اپنی ملکیت سے نکالنے کے مرادف ہوگا۔اگر صرف یہ کہہ دیا جائے کہ پہلی مجھ پر حرام ہے تو اس کو کہہ دینے کی وجہ سے دوسری سے جماع کرنا جائز نہیں ہوگا جیسا کہ ایک کے حیض و نفاس اور احرام و روزہ کی وجہ سے دوسری حلال نہیں ہوجاتی یعنی جس طرح اگر ایک بہن حیض وغیرہ کی حالت میں حرام ہوجاتی ہے تو محض اس کی وجہ

سے اس کی دوسری بہن حلال نہیں ہو جاتی اسی طرح فقط اتنا کہہ دینا کہ پہلی میرے لئے حرام ہے دوسری کو حلال کر دینے کے لئے کافی نہیں ہے)

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت میں فقہی جزئیات

اگر کسی شخص نے ان دونوں بہنوں سے جماع کر لیا جو بطور باندی اس کی ملکیت میں تھیں تو اس کے بعد ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ جماع نہیں کر سکتا تاوقتیکہ مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق دوسری کو اپنے لئے حرام نہ کر لے۔

اگر کسی شخص نے ان دونوں باندی بہنوں میں سے کہ جو بیک وقت اس کی ملکیت میں تھیں کسی ایک کو فروخت کر دیا لیکن وہ کسی عیب کی وجہ سے لوٹ کر آ گئی یا اس کو ہبہ کر دیا تھا لیکن اپنے ہبہ کو ختم کر کے اسے واپس لے لیا یا اس کا نکاح کر دیا تھا مگر اس کے شوہر نے اس کو طلاق دیدی اور اس کی عدت بھی پوری ہو گئی تو ان صورتوں میں وہ شخص ان میں سے کسی ایک سے بھی جماع نہ کرے تاوقتیکہ دوسری بہن کو اپنے لئے حرام نہ کر لے۔

کسی شخص نے ایک باندی سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اس کی بہن کو خرید لیا تو اس کے لئے خریدی ہوئی باندی سے جنسی لطف حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ فراش یعنی زوجیت کا استحقاق نفس نکاح سے ثابت ہو جاتا ہے اس لئے اگر وہ خریدی ہوئی باندی سے جماع کرے گا تو یہی کہا جائے گا کہ اس نے فراش یعنی زوجیت کا استحقاق) میں دو بہنوں کو جمع کیا اور یہ حرام ہے۔

اگر ایک شخص نے اپنی باندی سے جماع کر لیا اور اس کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگا اور جب نکاح صحیح ہو گیا تو اب وہ باندی سے جماع نہ کرے گا اگر چہ ابھی تک منکوحہ سے جماع نہ کیا ہو اور اس منکوحہ سے اس وقت تک جماع نہ کرے جب تک کہ اپنی باندی یعنی منکوحہ کی بہن کو مذکورہ بالا طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے اپنے لئے حرام نہ کر لے اور اگر اس نے اپنی باندی کی بہن سے ایسی صورت میں نکاح کیا کہ اس باندی سے جماع نہیں ہوا ہے تو پھر منکوحہ سے جماع کر سکتا ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے جماع کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا مگر وہ نکاح کسی وجہ سے فاسد ہو گیا تو محض نکاح سے وہ باندی حرام نہ ہوگی ہاں اگر نکاح کے بعد وہ منکوحہ سے جماع کر لے تو باندی سے جماع کرنا حرام ہو جائیگا۔

اگر دو بہنوں نے کسی شخص سے یہ کہا کہ ہم نے اتنے مہر کے عوض تمہارے ساتھ اپنا نکاح کیا اور یہ الفاظ دونوں کی زبان سے ایک ساتھ ادا ہوئے اور اس شخص نے ان میں سے ایک کا نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح جائز ہو جائیگا اور اگر پہلے خود اس شخص نے ان دونوں بہنوں سے یہ کہا کہ میں نے تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کے عوض اپنا نکاح کیا اور ان میں سے ایک نے قبول کر لیا اور دوسری نے انکار کر دیا تو دونوں کا نکاح باطل ہوگا۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے اپنا نکاح کروانے کے لئے ایک آدمی کو اپنا وکیل بنایا اور پھر کسی دوسرے آدمی کو بھی اسی کام کے لئے اپنا وکیل بنا دیا اس کے بعد ان دونوں میں سے ہر ایک وکیل نے ایک ایک عورت سے اس شخص کا نکاح ان عورتوں کی

اجازت کئے بغیر کردیا اور پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں عورتیں رضاعی بہنیں ہیں، نیز ان دونوں وکیلوں کی زبان سے نکاح کے الفاظ ایک ساتھ ادا ہوئے تھے تو اس صورت میں دونوں عورتوں کے نکاح باطل ہوں گے، اسی طرح اگر یہ دونوں نکاح ان عورتوں کی اجازت سے ہوں یا ایک کی اجازت سے اور ایک کی بغیر اجازت تو بھی یہی حکم ہوگا۔

ایک شخص مثلاً زید نے دو بہنوں سے نکاح کیا حالانکہ ان میں سے ایک بہن کسی دوسرے شخص کے نکاح میں تھی یا کسی دوسرے شوہر کے طلاق دینے کی وجہ سے ابھی عدت کے دن گزار رہی تھی تو اس صورت میں زید کا نکاح صرف دوسری بہن کے ساتھ صحیح ہوگا۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی یا ایک طلاق بائن یا تین طلاق بیں دیں یا نکاح فاسد ہو جانے کی وجہ سے نکاح فسخ ہو گیا یا شبہ ہو کر کسی عورت سے جماع کر لیا غرضیکہ ان میں سے کسی بھی صورت کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ عورت کہ عدت کے دن گزار رہی ہو تو اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے وہ شخص نکاح نہیں کر سکتا اور جس طرح اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کی کسی بھی ایسی رشتہ والی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں جو اس کے لئے ذوات الارحام میں سے ہو اور دونوں کا بیک وقت کسی ایک کے نکاح میں رہنا حرام ہو (مثلاً اس کے زمانہ عدت میں اس کی بھتیجی سے نکاح کرنا جائز نہیں) اور اسی طرح اس کے زمانہ عدت میں اس کے علاوہ مزید چار عورتوں سے نکاح کرنا بھی حلال نہیں۔

اگر کسی شخص نے اپنی باندی کو جو ام ولد یعنی اس کے بچہ کی ماں تھی آزاد کر دیا تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے اس کی بہن سے شادی کرنا جائز نہیں ہوگا۔ البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کے زمانہ عدت میں اس کے ماسوا چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہوگا جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس کے زمانہ عدت میں اس کی بہن سے بھی نکاح کر سکتا ہے۔

مطلقہ کی عدت کی مدت میں شوہر کے قول کا اعتبار

اگر کسی شوہر نے کہا کہ میری مطلقہ بیوی نے بتایا کہ اس کی عدت کے دن پورے ہو گئے ہیں (لہذا میں اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہوں) تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ طلاق دیئے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟ اگر طلاق دیئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے جس میں عدت پوری ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں تو شوہر کا قول معتبر نہیں ہوگا اس طرح اس کی مطلقہ بیوی کا یہ کہنا کہ میری عدت پوری ہوگئی ہے قابل اعتبار نہ ہوگا ہاں اگر وہ کوئی ایسی صورت بیان کرے جس میں عدت پوری ہونے کا احتمال ہو جیسے وہ یہ بیان کرے کہ طلاق کے دوسرے دن میرا حمل جس کے اعضاء پورے تھے ساقط ہو گیا ہے تو اس صورت میں ان کا قول معتبر ہوگا۔ اور طلاق کو اتنا عرصہ گزر چکا ہو کہ اس میں عدت پوری ہونے کا امکان ہو تو اگر عورت اپنے شوہر کے قول کی تصدیق کر دے یا اس مجلس میں موجود نہ ہو تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اور اس کیلئے بیک وقت چار دوسری عورتوں سے یا سابقہ بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہوگا بلکہ حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں اگر بیوی شوہر کو جھٹلا دے تو بھی شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

کسی شخص کی بیوی مرتد ہو کر دار الحرب چلی جائے تو شوہر کے لئے اس کی عدت پوری ہونے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ اس کے مر جانے کی صورت میں اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے پھر اگر وہ مرتدہ عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے لوٹے اور اس کا شوہر اس کی بہن سے نکاح کر چکا ہو تو اس کی بہن کا نکاح فاسد نہیں ہوگا اور اگر وہ بہن کے ساتھ نکاح ہونے سے پہلے لوٹے تو حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو اس صورت میں بھی وہ شخص اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اس صورت میں اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔

اگر دو بہنوں سے علیحدہ علیحدہ نکاح کیا تو دوسری کا نکاح فاسد ہے اور اس پر مفارقت لازم ہے، اور اگر قاضی کو یہ معلوم ہو تو وہ دونوں میں تفریق کر دے، اگر دوسری کو دخول سے قبل علیحدہ کر دیا تو نکاح کا کوئی حکم نہ ثابت ہوگا،

اور اگر اس کو دخول کے بعد جدا کیا تو پھر اس کو مہر دینا ہوگا مہر مثل اور مقررہ سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا اور اس پر عدت ہوگی اور نسب ثابت ہو سکے گا، اور پہلی سے اس وقت تک علیحدگی اختیار کرے۔ جب تک دوسری بہن کی عدت نہ گزر جائے، محیط سرخسی میں یونہی ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ کتاب النکاح)

عورت اور اس کی خالہ، پھوپھی، بھانجی، بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنے کا حکم

﴿وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا اَوْ خَالَتِهَا اَوْ ابْنَةِ اَخِيهَا اَوْ ابْنَةِ اُخْتِهَا﴾ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ﴿لَا تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَلَا عَلٰى خَالَتِهَا وَلَا عَلٰى ابْنَةِ اَخِيهَا وَلَا عَلٰى ابْنَةِ اُخْتِهَا﴾ " وَهٰذَا مَشْهُوْرٌ ، يَجُوْزُ الزِّيَادَةُ عَلَى الْكِتَابِ بِمِثْلِهِ .

ترجمہ

اور عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ یا اس کی بھانجی یا (عورت اور) اس کی بھتیجی کو (نکاح میں) اکٹھا نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "کسی عورت کے ساتھ اور اس کی پھوپھی کے ساتھ یا اس کی خالہ کے ساتھ یا اس کی بھانجی کے ساتھ یا اس کی بھتیجی کے ساتھ (بیک وقت) نکاح نہ کیا جائے"۔ یہ روایت مشہور ہے اور اس نوعیت کی روایت کے ذریعے کتاب (کے حکم) پر اضافہ جائز ہے۔

شرح

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی عورت کا نکاح اسکی پھوپھی پر اور پھوپھی کا نکاح بھتیجی پر نہ کیا جائے اسی طرح کسی عورت کا نکاح اسکی خالہ پر اور خالہ کا نکاح اسکی بھانجی پر نہ کیا جائے اور نہ بڑے ناتے والی کا نکاح چھوٹے ناتے والی پر اور نہ چھوٹے ناتہ والی کا نکاح بڑے ناتہ والی پر کیا جائے۔

(سنن ابو داؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 300 حدیث متواتر)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالہ اور بھانجی کو اور پھوپھی اور بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 301 حدیث متواتر حدیث مرفوع)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا پھوپھی اور خالہ کو جمع کرنے سے اور دو خالاؤں کے جمع کرنے سے اور دو پھوپھیوں کے جمع کرنے سے۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 302 حدیث متواتر حدیث مرفوع)

جمع بین امرأتین سے متعلق قاعدہ فقہیہ

﴿وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ لَوْ كَانَتْ إِحْدَاهُمَا رَجُلًا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْأُخْرَى﴾ لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا يُفْضِي إِلَى الْقَطِيعَةِ وَالْقَرَابَةُ الْمُحَرِّمَةُ لِلنِّكَاحِ مُحَرِّمَةٌ لِلْقَطْعِ ، وَلَوْ كَانَتْ الْمَحْرَمِيَّةُ بَيْنَهُمَا بِسَبَبِ الرَّضَاعِ يَحْرُمُ لِمَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ .

ترجمہ

(نکاح میں) ایسی دو عورتوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا کہ اگران دونوں میں سے کوئی ایک مذکر ہوتا' تو اس کے لیئے یہ جائز نہ ہوتا کہ وہ دوسری کے ساتھ شادی کرلے۔اس کی وجہ یہ ہے: ان دونوں کو نکاح میں جمع کرنے کی صورت میں رشتے داری کے حقوق کی پامالی لازم آئے گی' تو جو قرابت نکاح کو حرام قرار دیتی ہے' وہ "قطع رحمی" کو بھی حرام قرار دیتی ہے۔اگران دونوں کے درمیان حرمت رضاعت کی وجہ سے ہو' تو پھر بھی وہ حرام ہوگی اس کی دلیل وہی ہے' جو ہم اس سے پہلے روایت کر چکے ہیں۔

حرمت نکاح کے عارضی ذرائع واسباب:

۱۔جمع:

لا يجمع بين الاختين .(النساء)

۱۔نکاح میں دو بہنوں جمع کرنا حرام ہے صاحب ہدایہ نے کے بارے میں قاعدہ لکھتے ہیں

قاعدہ:

ولا يجمع بين امراء تين لو كانت احدهما رجلا لم يجز له (هدايه اولين ج ۲ ص ۲/۹،۲ المجتبائے دهلى)

۲۔ایسی دو عورتوں کو جمع نہ کیا جائے اگران میں سے ایک کو مرد تصور کریں تو اس کا نکاح دوسری کے ساتھ جائز نہ ہو۔

۲۔مدخول بھا کی بیٹی یا ماں کو جمع کرنا:

من نساء کم التی دخلتم بھن ۔(النساء،۲۳) ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

۳۔بیوی پر اسکی پھوپھی یا خالہ کو جمع کرنا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا: کہ کوئی شخص اپنی بیوی پر اسکی پھوپھی یا اسکی خالہ سے نکاح نہ کرے۔(سنن نسائی، ج ۲،ص ۸۱، مکتبہ فاروقیہ ملتان)

۴۔کفر وشرک:

مسلمان مرد وعورت کا نکاح کافر ومشرک مرد وعورت سے منع ہے تاہم کافر مرد وعورت اسلام کو قبول کر لیں تو پھر نکاح درست ہوگا۔

۵۔تعدد ازواج:

جس کی چار بیویاں ہوں تو اس کیلئے یہ جائز نہیں کہ چار بیویوں کے ہوتے ہوئے کسی اور عورت سے نکاح کرے کیونکہ اسلام میں چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کی اجازت ہے لیکن اگر اس کی کوئی بیوی فوت ہو جائے یا اس نے کسی کو طلاق دے دی ہو تو وہ بعد از عدت نکاح کر سکتا ہے۔جبکہ عورت کیلئے یہ حکم ہے کہ وہ ایک وقت میں صرف ایک ہی نکاح کر سکتی ہے اسے منکوحہ ہوتے ہوئے یا عدت والی ہوتے ہوئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کی اجازت ہرگز نہیں۔

۶۔عدت:

کسی عورت کا اگر شوہر فوت ہو جائے یا اسے تین طلاقیں ہو چکیں یا کسی اور سبب یا ذریعے سے نکاح ختم ہو چکا اور وہ عدت میں ہو تو اس کا نکاح عدت میں کسی اور مرد سے منع ہے۔مگر جبکہ عدت پوری ہو جائے تو پھر نکاح کرنا حلال ہوگا۔

۷۔بیٹوں کی بیویاں:

وحلائل ابناء کم الذین من اصلا بکم (النساء) اور تمھارے نسلی بیٹوں کی بیویاں (تم پر حرام ھیں)

۸۔غیر کے حق میں حرمت:

کسی شخص کا کسی دوسرے شخص کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے یعنی پہلے سے منکوحہ کے ساتھ نکاح کرنا۔

۹۔دین:

مجوسی عورتوں سے نکاح کرنا یا اسی طرح مشرکین کی خواتین سے نکاح کرنا منع ہے۔

۱۰۔غیر مدخولہ کی ماں سے نکاح:

یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے پاس جانے سے پہلے اسے جدا کردیا (نکاح ختم کردیا) کیا اس شخص کیلئے اس کی ماں (سے نکاح) حلال ہے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ (موطا امام مالک، ص ۳۰۰ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

۱۱۔مفقود الشوہر عورت سے نکاح:

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے اور اس کو معلوم نہ کہ وہ کہاں ہے تو چار سال انتظار کرے، پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے۔ پھر وہ حلال ہو جائے گی۔ (موطا امام مالک ص ۳۳۲، مکتبہ فاروقیہ ملتان)

۱۲۔طلاق ثلاثہ والی عورت سے نکاح:

اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو وہ شخص عدت کے بعد بھی دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا۔ حتیٰ کہ اس عورت کا حلالہ ہو جائے۔

حضرت زبیر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں رفاعہ بن سموال نے اپنی بیوی تمیمہ بنت وھب کو تین طلاقیں دی تھیں پس اس عورت نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کیا تو عبدالرحمٰن بن زبیر نے اس عورت سے اعراض کیا کیونکہ وہ اسے چھونے کی طاقت نہیں رکھتے تھے پس انہوں نے اسے جدا کردیا تو رفاعہ نے اسی عورت سے نکاح کا ارادہ کیا جو کہ اس عورت کے پہلے شوہر تھے پھر انہوں نے یہ مسئلہ رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے اس عورت سے نکاح منع کیا اور فرمایا: وہ تمہارے لئے حلال نہیں حتیٰ کہ وہ (کسی دوسرے سے جماع) کرلے۔ (موطا امام مالک، ص ۳۰۵، مکتبہ فاروقیہ ملتان)

۱۳۔مزنیہ عورت کے اصول وفروع حرام ہیں:

جس عورت کو شہوت کے ساتھ مس کیا ہو اور وہ جس کی شرمگاہ کے داخل حصہ کو شہوت سے دیکھا ہو، ان عورتوں کے اصول فروع حرام ہو جائیں گے۔ (درمختار، ج ۱، ص ۱۸۸، المجتبائے دہلی) یعنی یہاں پر حرمت سے مراد حرمت دائمی ہے۔

۱۴۔عدم ادائیگی حقوق:

۱۔جس عورت کو اپنے نفس سے خوف ہو کہ غالباً اس سے شوہر کی اطاعت اور اس کے حقوق واجبہ ادا نہ ہوں گے اسے نکاح ممنوع وناجائز ہے اور اگر کرے گی، تو یہ صورت کراہت تحریمی کی ہوگی۔

۲۔ اگر یہ خوف مرتبہ ظن سے تجاوز کر کے یقین تک پہنچا جب تو اسے نکاح حرام قطعی ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج ۱۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

۱۵۔ مجنون کی دوسری شادی:

علمائے شوافع کے نزدیک مجنون کی دوسری شادی جائز نہیں کیونکہ اس کی پہلی شادی بھی ضرورت کے تحت مباح ہوئی تھی لہذا جو چیز ضرورت کے تحت مباح ہو، وہ بقدر ضرورت ہی ہوتی ہے (الاشباہ)

۱۶۔ بدعقیدہ لوگوں کے ہاں نکاح:

وہ لوگ جنہوں نے ختم نبوت کے عقیدے کا انکار کیا وہ ہمارے ملک میں مرزائی یا قادیانی کہلاتے ہیں اسی طرح گستاخ رسول ﷺ اور شان رسالت ﷺ میں توہین آمیز کتابیں لکھنے والے وہ دیوبندی، وہابی، اہل حدیث، اہل تشیع اور ان کی اتباع کرنے والے لوگوں کے ہاں مسلمانوں کو شادی بیاہ کرنا ہرگز جائز نہیں۔

آج ہماری حالت یہ ہو چکی ہے کہ لوگ دین کے معاملات میں بالکل ہی دل چسپی نہیں رکھتے لیکن دنیاوی معاملات میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیٹی کی شادی کرنی ہو بالخصوص جب برادری سے باہر کہیں رشتہ کرنا ہو، تو تحقیق کی جاتی ہے کہ لڑکے والوں کی قوم، ان کے رسم و رواج، رہن سہن کے طریقے، مزاج، زبان، کاروباری حالت، نوکری، تنخواہ، گھریلو افراد کی تعداد، وراثتی جائیداد، تعلیم، شعبہ، اور اس کے بعد نکاح نامہ پر کڑی شرائط اور غیر شرعی پابندیاں اور کئی مراحل طے کرنے کے بعد بھی کچھ لوگ اعتماد کرتے ہیں جبکہ بعض لوگ پھر بھی اعتماد نہیں کرتے۔ کیونکہ ایک بچی کی زندگی کا مسئلہ ہے لیکن صد افسوس: کہ لوگ اپنا دینی رہنما و پیشوا بناتے وقت یا جس سے دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اس کے بارے اتنا بھی علم نہیں رکھتے کہ اس کے اپنے عقائد کیا ہیں۔ گمراہ فرقوں کے عقائد اگر لوگوں کو معلوم ہو جائیں اور انصاف کے ساتھ لوگ تصفیہ کریں تو یہ دنیا دیوبندیت، وہابیت اور اہل تشیع سے پاک ہو جائے۔ یاد رہے کہ ترمذی شریف کی آخری حدیث مبارکہ ہے۔ حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہے تم دیکھو کہ تم کس سے دین حاصل کر رہے ہو۔ (ترمذی، ج ۲، ص ۶۸۶، مکتبہ فاروقیہ ملتان)

عدم قربت و رضاعت کے سبب جمع کا بیان

﴿وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ امْرَأَةٍ وَبِنْتِ زَوْجٍ كَانَ لَهَا مِنْ قَبْلُ﴾ لِأَنَّهُ لَا قَرَابَةَ بَيْنَهُمَا وَلَا رَضَاعَ .وَقَالَ زُفَرُ :لَا يَجُوزُ لِأَنَّ ابْنَةَ الزَّوْجِ لَوْ قَدَّرْتَهَا ذَكَرًا لَا يَجُوزُ لَهُ التَّزَوُّجُ بِامْرَأَةِ أَبِيهِ .قُلْنَا :امْرَأَةُ الْأَبِ لَوْ صَوَّرْتَهَا ذَكَرًا جَازَ لَهُ التَّزَوُّجُ بِهَذِهِ وَالشَّرْطُ أَنْ يُصَوَّرَ ذَلِكَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ

ترجمہ

اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت اور اس کے سابقہ شوہر کی بیٹی کو (جو شوہر کی دوسری بیوی سے ہو) کو نکاح میں جمع کر دیا جائے کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی قرابت نہیں ہے اور رضاعت بھی نہیں ہے۔

امام زفر یہ فرماتے ہیں: یہ جائز نہیں ہے' کیونکہ شوہر کی بیٹی کو اگر آپ مذکر فرض کریں تو اس کے لئے اپنے باپ کی بیوی کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں ہوگا۔ہم یہ کہتے ہیں: باپ کی بیوی کو اگر آپ مذکر بنا دیں تو اس کے لئے اس عورت کے ساتھ شادی کرنا جائز ہوگا اور شرط یہ ہے: یہ صورت دونوں جانب پائی جانی چاہیے۔

شرح

اصول یہ ہے کہ نکاح میں ہر ایسی دو عورتوں کا جمع کرنا حرام ہے جن میں سے ہر ایک کو مرد فرض کرنے سے دوسری اس کے لئے حلال نہ ہو جیسے کہ پھوپھی بھتیجی اگر پھوپھی کو مرد فرض کیا جائے تو چچا ہوا بھتیجی اس پر حرام ہے اور اگر بھتیجی کو مرد فرض کیا جائے تو بھتیجا ہوا پھوپھی اس پر حرام ہے حرمت دونوں طرف ہے اگر ایک طرف سے ہو تو جمع حرام نہ ہوگی جیسے کہ عورت اور اس کے شوہر کی لڑکی ان دونوں کو جمع کرنا حلال ہے کیونکہ شوہر کی لڑکی کو مرد فرض کیا جائے تو اس کے لئے باپ کی بیوی تو حرام رہتی ہے۔ مگر دوسری طرف سے یہ بات نہیں ہے یعنی شوہر کی بی بی کو اگر مرد فرض کیا جائے تو یہ اجنبی ہوگا اور کوئی رشتہ ہی نہ رہے گا۔

ربیبہ کی مشروط حرمت کا بیان

ربیبۃ: بیوی کے پہلے خاوند سے لڑکی۔ اسکی حرمت مشروط ہے۔ یعنی اس کی ماں سے اگر مباشرت کر لی گئی ہوگی تو ربیبہ سے نکاح حرام بصورت دیگر حلال ہوگا۔ فی حجور کم (وہ ربیبہ جو تمہاری گود میں پرورش پائیں) یہ قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے بطور شرط کے نہیں ہے اگر یہ لڑکی کسی اور جگہ بھی زیر پرورش یا مقیم ہوگی۔ تب بھی اس سے نکاح حرام ہوگا۔ حلائل یہ حلیلۃ کی جمع ہے یہ حل یحل (اترنا) ہے فعیلۃ کے وزن پر بمعنی فاعلۃ ہے۔ بیوی کو حلیلہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کا محل (جائے قیام) خاوند کے ساتھ ہی ہوتا ہے یعنی جہاں خاوند اترتا یا قیام کرتا ہے یہ بھی وہیں اترتی یا قیام کرتی ہے۔

کسی عورت اور اس عورت کے' پہلے شوہر کی' دوسری بیوی سے ہونے والی بیٹی' کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے' کیونکہ یہاں اس عورت اور اس لڑکی کے درمیان قرابت یا رضاعت کے اعتبار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہاں امام زفر کی رائے مختلف ہے: ان کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ عورت کے پہلے شوہر کی دوسری بیوی کی بیٹی کو اگر لڑکا فرض کر لیا جائے تو اس کے لئے اس عورت کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں ہوگا' کیونکہ یہ اس کے باپ کی بیوی ہے' تو اس صورت میں آپ کا بیان کردہ ضابطہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اس کے جواب میں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: ہمارے ضابطے کے اندر بنیادی اصول یہ ہے' ان دونوں کو مذکر

فرض کرنے کی صورت میں ان دونوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نکاح درست نہ ہو۔ یہاں جو صورت ہے یہاں اگر لڑکی کو مذکر فرض کرلیا جائے تو اس کے لئے باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرنا درست نہیں ہے لیکن اگر آپ یہاں پہ اس عورت کو مذکر فرض کر لیتے ہیں تو اب اس کا اس شخص کی بیٹی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور اس عورت کو مذکر فرض کرنے کی صورت میں اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوگا۔ جبکہ ضابطے کا تقاضا یہ ہے: یہ عدم جواز دونوں طرف سے پایا جانا چاہئے اس لئے مذکورہ بالا صورت میں شادی کرنا اور ان دو خواتین کو جمع کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے۔

زنا کے ذریعے حرمت مصاہرت کا ثبوت

قَالَ ﴿وَمَنْ زَنٰى بِامْرَاَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ اُمُّهَا وَبِنْتُهَا﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :اَلزِّنَا لَا يُوْجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ لِاَنَّهَا نِعْمَةٌ فَلَا تُنَالُ بِالْمَحْظُوْرِ .

وَلَنَا اَنَّ الْوَطْءَ سَبَبُ الْجُزْئِيَّةِ بِوَاسِطَةِ الْوَلَدِ حَتّٰى يُضَافَ اِلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا كَمَلًا فَتَصِيْرُ اُصُوْلُهَا وَفُرُوْعُهَا كَاُصُوْلِهٖ وَفُرُوْعِهٖ وَكَذٰلِكَ عَلَى الْعَكْسِ ، وَالِاسْتِمْتَاعُ بِالْجُزْءِ حَرَامٌ اِلَّا فِيْ مَوْضِعِ الضَّرُوْرَةِ وَهِيَ الْمَوْطُوْءَةُ ، وَالْوَطْءُ مُحَرِّمٌ مِّنْ حَيْثُ اِنَّهٗ سَبَبُ الْوَلَدِ لَا مِنْ حَيْثُ اِنَّهٗ زِنًا .

ترجمہ

جو شخص کسی عورت کے ساتھ زناء کرلے تو اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی اس مرد پر حرام ہو جائیں گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں: زناء کے ذریعے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک نعمت ہے تو کسی ممنوعہ کام کے ذریعے یہ حاصل نہیں ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے: وطی کرنا "جزء" ہونے کا سبب ہے اولاد کے واسطے کے ساتھ یہاں تک کہ اس کی نسبت کی جائے گی ان دونوں میں سے ہر ایک کی طرف مکمل طور پر تو عورت کے اصول اور فروع اس مرد کے اصول اور فروع کی طرح ہوں گے اسی طرح اس کے برخلاف ہوگا اور "جز" سے نفع حاصل کرنا حرام ہے ماسوائے اس صورت کے جب ضرورت لاحق ہو۔ اور وہ موطوءہ ہے۔ وطی حرمت کو ثابت کرتی ہے اس اعتبار سے کہ وہ اولاد کا سبب ہے نہ کہ اس اعتبار سے کہ وہ زنا ہے۔

حرمت مصاہرت کے سات رشتوں کا بیان

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ از روئے نسب سات رشتوں کی عورتیں حرام کی گئی ہیں۔ اور از روئے مصاہرت بھی ...ت رشتوں کی عورتیں حرام کی گئی ہیں پھر حضرت ابن عباس نے یہ آیت (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ) 4۔ النساء:

23) آخر تک پڑھی۔(بخاری)(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 392)

از روئے نسب جو سات رشتہ والی عورتیں حرام قرار دی گئی ہیں وہ یہ ہیں ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی۔

مصاہرت کی تعریف وحکم کا بیان

مصاہرت اس رشتہ اور قرابت کو کہتے ہیں جو نکاح کے ذریعہ قائم ہو اور جسے سسرالی رشتہ بھی کہا جاتا ہے چنانچہ مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ کی وجہ سے جو سات عورتیں حرام قرار دی گئی ہیں ان میں سے چار تو ہمیشہ کے لئے حرام ہوتی ہیں کہ ان سے کسی بھی حال میں اور کسی بھی وقت نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا اور وہ یہ ہیں، بیوی کی ماں یعنی ساس، بیٹے اور پوتے کی بیویاں یعنی بہو اور پوت بہو، اگر چہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہوں جیسے پڑپوتے اور سکڑ پوتے وغیرہ کی بیویاں، باپ اور دادا کی بیویاں اگر چہ اوپر کے درجہ کی ہوں جیسے پڑدادا اور سکڑ دادا وغیرہ کی بیویاں، اپنی اس بیوی کی بیٹی جس سے جماع کر چکا ہو، سسرالی رشتہ کی وہ تین عورتیں جو ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہیں وہ یہ ہیں، بیوی کی بہن، بیوی کی پھوپھی، بیوی کی خالہ۔

حضرت ابن عباس نے اپنی بات کی دلیل کے طور پر قرآن کریم کی آیت پڑھی چنانچہ اس آیت میں نسبی رشتہ والی ان ساتوں عورتوں کا ذکر ہے جو حرام قرار دی گئی ہیں اور سسرالی رشتہ کی وجہ سے جو عورتیں حرام ہیں ان میں سے اکثر کا ذکر اس آیت میں ہے پوری آیت یوں ہے۔(حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ) 4۔النساء،23)

نکاح بنت کے ذریعے ماں کی حرمت میں فقہ شافعی وحنبلی کا بیان

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی عورت سے نکاح کرے اس سے صحبت بھی کرے اس کے لیے اس عورت کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز نہیں لیکن اگر صحبت نہ کی تو اس صورت میں اس کی بیٹی اس کے لیے حلال ہے اور اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرلے تو اس کی ماں اس پر حرام ہو جاتی ہے خواہ اس نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح نہیں، ابن لہیعہ، مثنی بن صباح، اور وہ عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں اور ابن لہیعہ اور مثنی دونوں حدیث میں ضعیف ہیں۔اکثر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کر کے اس سے صحبت کیے بغیر طلاق دے دے تو اس کی بیٹی اس کے لیے حلال ہے لیکن بیوی کی ماں اس پر ہر صورت میں حرام ہے چاہے وہ اس کے ساتھ صحبت کر کے طلاق دے یا اس سے پہلے اس کی دلیل اللہ کا ارشاد ہے وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ (ترجمہ) اور تمہاری بیویوں کی مائیں تمہارے لیے حرام ہیں۔امام شافعی، احمد، اور اسحاق، کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی، ج۱، رقم الحدیث،۱۱۱۹)

زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت فقہ حنفی کے دلائل

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ تم پر حرام کی گئیں تمہاری گود کی پالیاں ان عورتوں کی بیٹیاں جن سے تم نے صحبت کی پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

اس آیہ کریمہ میں زن مدخولہ کی بیٹی حرام فرمائی اور جس طرح وصف "التی فی حجور کم "یعنی اس کی گود میں پلنا بالاجماع شرط حرمت نہیں۔ مثلاً زید کسی پچیس سال والی عورت سے نکاح کرے اور اس کے پہلے شوہر سے اس کی ایک بیٹی چاردہ سالہ ہو جسے گود میں پالنا درکنار زید نے آج سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو کیا زید کو حلال ہو سکتا ہے کہ اس کی لڑکی سے بھی نکاح کر لے اور مادر دختر دونوں کو تصرف میں لائے۔

لا الہ الا اللہ یہ ہرگز شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں۔ اسی طرح وصف نسائکم یعنی ان مدخولات کا زوجہ ومنکوحہ ہونا بھی بالاتفاق شرط نہیں، کیا لیلٰی وسلمی ماں بیٹی دونوں جس کی کنیز شرعی ہوں اسے حلال ہے کہ دونوں سے جماع کیا کرے، مادر ودختر دونوں ایک پلنگ پر، عیاذاً باللہ، یہ شریعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کس درجہ بعید ہے۔ حالانکہ ہرگز کنیزیں "نسائکم " میں داخل نہیں نہ ان کی بیٹیوں پر "ربائبکم "صادق، غالباً ان حراموں کو حلال بتاتے ہوئے غیر مقلد صاحب بھی شرم کریں، تو ثابت ہوا کہ نکاح جس طرح بحکم تحرہ آیت "فان لم تکونوا دخلتم بھن." تحریم دختر کے لیے کافی نہیں، یونہی شرط ضروری بھی نہیں یعنی نہ وہ علت ہے، نہ جزء علت اب آیہ کریمہ میں نہ رہا مگر "التی دخلتم بھن "یعنی ان عورتوں کی بیٹیاں جن کے ساتھ تم نے صحبت کی، معلوم ہوا صرف اس قدر علت تحریم ہے اور یہ قطعاً مزنیہ میں بھی ثابت کہ وہ ایک عورت ہے جس کے ساتھ اس نے صحبت کی، لاجرم بحکم آیت اس کی بیٹی اس پر حرام ہوگئی، نظیر اس کی اسی بیان محرمات میں ہے قولہ عزشانہ ہے۔ "وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم "حرام کی گئیں تم پر تمہارے ان بیٹوں کی جوروئیں جو تمہاری پشت سے ہیں۔

کہ جس طرح "الذین من اصلابکم "یعنی بیٹے کا اس کی پشت سے ہونا اخراج متبنی کے لیے ہے نہ کہ اخراج نبیرہ وبنسہ کے واسطے، یونہی وصف "حلائل "یعنی بیٹے کی جورو ہونا بھی ملحوظ نہیں، بیٹے کی کنیز مدخولہ بھی ضرور حرام ہے اور وہ لفظ حلیلہ میں داخل نہیں، اور اگر اشتقاقی معنی لیجئے جو بیٹے پر حلال ہے تو اب عموم تحریم صحیح نہ رہے گا کہ بیٹے کی کنیز مطلقاً حرام نہیں جب تک مدخولہ نہ ہو، یہی حال "وامہات نسائکم "کا ہے کہ حرام کی گئیں تم پر تمہاری عورتوں کی مائیں۔

یہاں پر بھی وصف زوجیت قید نہیں کہ کنیز مدخولہ کی ماں بھی بدلیل مذکور بالاتفاق حرام، بعینہ اسی دلیل سے "ولاتنکحوا مانکح اباؤ کم من النساء "(اپنے باپوں کی منکوحہ بیویوں سے نکاح نہ کرو۔ت)

میں اگر نکاح بہ معنی عقد لیجئے تو عقد غیر قید اور بمعنی وطی لیجئے تو وہ ہمارا عین مذہب، بالجملہ ان سب مواضع میں مطمع نظر

صرف مدخولہ ہونا ہے اگرچہ بلا نکاح وبس، اب "دخلتم بھن " میں مولیٰ عزوجل نے دخول حلال وحرام کی کوئی قید ذکر نہ فرمائی اور اس کے اطلاق میں دونوں داخل، تو جو مدعی تخصیص ہو دلیل پیش کرے اور دلیل کہاں بلکہ دلیل اس کے خلاف پر قائم، کیا جس نے اپنی منکوحہ سے صرف حالت حیض یا نفاس یا صوم یا اعتکاف یا احرام میں صحبت کی، اس کی بیٹی اس پر قطعا اجماعا حرام نہ ہوئی حالانکہ یہ دخول حرام تھا بلکہ علمائے کرام نے بہت وہ صورتیں ذکر فرمائیں جن میں دخول تو دخول، عورت ہی کو اس کے لیے حلال نہیں کہہ سکتے اور اس سے وطی بالاتفاق موجب تحریم دختر موطوءہ ہو جاتی ہے مثلا ایک کنیز دو مولیٰ میں مشترک ہے ان میں سے جو اس سے مقاربت کرے گا دختر کنیز اس پر حرام ہو جائے گی، یونہی اپنے پسر کی کنیز یا اپنی کنیز کافرہ غیر کتابیہ یا اپنی اس عورت سے مجامعت جس سے ظہار کیا اور کفارہ نہ دیا، یہ سب بالاتفاق ان عورتوں کی بنات کو حرام کر دیتی ہے حالانکہ یہ عورات سرے سے خود ہی حلال نہ تھیں۔

اقول ان مسائل سے زن مظاہرہ تو استناد بالاتفاق کا بھی محتاج نہیں کہ اس پر خود قرآن عظیم دلیل شافی، ظہار بنص قرآن مزیل نکاح نہیں تو زن مظاہر بلا شبہہ "نسائکم " میں داخل، اور بعد وطی "دخلتم بھن " بھی حاصل، تو قطعا اس کی دختر کو حکم حرمت شامل، زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور قبل صحبت ظہار کر لیا بعدہ مشغول بجماع ہوا اور کفارہ نہ دیا، کیا اس صورت میں اسے روا ہے کہ ہندہ کی بیٹی سے بھی نکاح کر لے۔

حاش للہ یہ شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں، حالانکہ بعد ظہار عورت بنص قرآن اس پر حرام ہو گئی اور جب تک کفارہ نہ دے اسے ہاتھ لگانا جائز نہ تھا، تو ثابت ہوا کہ نہ نکاح شرط نہ وطی کا بروجہ حلال ہونا لازم بلکہ مناط حرمت صرف وطی ہے اور حاصل آیت کریمہ یہ کہ جس عورت سے تم نے کسی طرح صحبت کی اگرچہ بلا نکاح اگرچہ بروجہ حرام، اس کی بیٹی تم پر حرام ہو گئی۔

زنا سے حرمت نکاح میں مذہب صحابہ وتابعین

یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب، اور یہی اکابر صحابہ کرام مثل حضرت امیر المومنین عمر فاروق وحضرات علماء صحابہ کرام عبداللہ بن مسعود وحضرت عالم القرآن عبداللہ بن عباس وحضرت اقرء الصحابہ ابی بن کعب وحضرت عمران بن حصین وحضرت جابر بن عبداللہ وحضرت مفتیہ چار خلافت صدیقہ بنت الصدیق محبوبہ رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین وجماہیر ائمہ تابعین مثل حضرات امام حسن بصری وافضل التابعین سعید بن المسیب وامام اجل ابراہیم نخعی وامام عامر شعبی وامام طاؤس وامام عطا بن ابی رباح وامام مجاہد وامام سلیمن بن یسار وامام حماد اور اکابر مجتہدین مثل امام عبدالرحمٰن اوزاعی وامام احمد بن حنبل وامام اسحٰق بن راہویہ اور ایک روایت میں امام مالک بن انس کا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(فتاویٰ رضویہ، ج۱۱، کتاب النکاح، رضا فاونڈیشن لاہور)

زنا سے پیدا ہونے لڑکی حرمت میں فقہی مذاہب اربعہ

زنا سے جولڑکی پیدا ہوئی وہ بھی اس زانی پر حرام ہے کیونکہ یہ بھی بیٹی ہے اور بیٹیاں حرام ہیں، یہی مذہب ابوحنیفہ، امام مالک اور احمد بن حنبل کا ہے، امام شافعی سے کچھ اس کی اباحت میں بھی بحث کی گئی ہے اس لئے کہ شرعا یہ بیٹی نہیں پس جیسے کہ ورثے کے حوالے سے یہ بیٹی کے حکم سے خارج ہے اور ورثہ نہیں پاتی اسی طرح اس آیت حرمت میں بھی وہ داخل نہیں ہے واللہ اعلم، (صحیح مذہب وہی ہے جس پر جمہور ہیں۔

زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہونے میں اہل ظواہر کا مذہب

حافظ صلاح الدین لکھتے ہیں۔ زنا سے حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بدکاری کی تو اس بدکاری کی وجہ سے وہ عورت اس پر حرام نہ ہوگی، اسی طرح اگر اپنی بیوی کی ماں (ساس) سے یا اس کی بیٹی سے (جو دوسرے خاوند سے ہو) زنا کرلے گا تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی (دلائل کے لیے دیکھیے فتح القدیر) احناف اور دیگر بعض علماء کی رائے میں زنا کاری سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔

امام شوکانی اور صاحب فقہ السنۃ نے جمہور کی رائے کو صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ قرآن میں ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ تمہاری بیویوں کی مائیں حرام ہیں اور انسان جس عورت سے بدکاری کرتا ہے تو وہ اس کی بیوی نہیں بن جاتی ہے کہ اس کی ماں سے یا اسکی بیٹی سے نکاح حرام ہو جائے۔

محرمات کے ذکر کے بعد کہا گیا ہے کہ **واحل لکم ما وراء ذلکم** ان کے علاوہ سب عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ قرآن کے اس عموم نے محرمات کے علاوہ سب سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور اللہ نے زنا کو اسباب تحریم میں شمار نہیں کیا۔ اسی طرح حدیث میں بھی اس کا بیان نہیں ہے۔ حدیث **لایحرم الحرام الحلال** .

(سنن ابن ماجہ کتاب النکاح)

حرام حلال کو حرام نہیں کرتا، اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے اس لیے صرف اسے مدار استدلال نہیں بنایا جاسکتا تاہم مذکورہ دلائل کی تائید میں اسے پیش کیا جاسکتا ہے بالخصوص جب کہ اس کے ہم معنی ایک اثر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔ **ان وطیء الحرام لا یحرم** (ارواء الغلیل 6/287) ۔ زنا سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

دخول زوجہ وعدم دخول کی صورت میں حرمت ساس میں مذاہب اربعہ

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دے دے یا وہ عورت مرجائے تو

اس کی ماں اس پر حلال نہیں چونکہ مبہم ہے اس لئے اسے ناپسند فرمایا، حضرت ابن مسعود، عمران بن حصین، مسروق، طاؤس، عکرمہ، عطاء، حسن، مکحول، ابن سیرین، قتادہ اور زہری سے بھی اسی طرح مروی ہے، چاروں اماموں ساتوں فقہاء اور جمہور علماء سلف وخلف کا یہی مذہب ہے۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں ٹھیک قول انہی حضرات کا ہے جو ساس کو دونوں صورتوں میں حرام بتلاتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کے ساتھ دخول کی شرط نہیں لگائی جیسے کہ لڑکی کی ماں کے لئے یہ شرط لگائی ہے پھر اس پر اجماع ہے جو ایسی دلیل ہے کہ اس کا خلاف کرنا اس وقت جائز ہی نہیں جب کہ اس پر اتفاق ہو اور ایک غریب حدیث میں بھی یہ مروی ہے گو اس کی سند میں کلام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اگر اس نے اس کی ماں سے نکاح کیا ہے پھر ملنے سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے، گو اس حدیث کی سند کمزور ہے لیکن اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے جو اس کی صحت پر ایسا گواہ ہے جس کے بعد دوسری گواہی کی ضرورت نہیں۔

شہوت سے چھونے میں ثبوت حرمت کا بیان

﴿وَمَنْ مَسَّتْهُ امْرَاَةٌ بِشَهْوَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ اُمُّهَا وَابْنَتُهَا﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا تَحْرُمُ، وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ مَسُّهُ امْرَاَةً بِشَهْوَةٍ وَنَظَرُهُ اِلٰى فَرْجِهَا وَنَظَرُهَا اِلٰى ذَكَرِهٖ عَنْ شَهْوَةٍ لَهُ اَنَّ الْمَسَّ وَالنَّظَرَ لَيْسَا فِيْ مَعْنَى الدُّخُوْلِ، وَلِهٰذَا لَا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا فَسَادُ الصَّوْمِ وَالْاِحْرَامِ وَوُجُوْبُ الْاِغْتِسَالِ فَلَا يَلْحَقَانِ بِهٖ.

وَلَنَا اَنَّ الْمَسَّ وَالنَّظَرَ سَبَبٌ دَاعٍ اِلَى الْوَطْءِ فَيُقَامُ مُقَامَهُ فِيْ مَوْضِعِ الْاِحْتِيَاطِ، ثُمَّ الْمَسُّ بِشَهْوَةٍ اَنْ تَنْتَشِرَ الْاٰلَةُ اَوْ تَزْدَادَ انْتِشَارًا هُوَ الصَّحِيْحُ، وَالْمُعْتَبَرُ النَّظَرُ اِلَى الْفَرْجِ الدَّاخِلِ وَلَا يَتَحَقَّقُ ذٰلِكَ اِلَّا عِنْدَ اتِّكَائِهَا،

وَلَوْ مَسَّ فَاَنْزَلَ فَقَدْ قِيْلَ اِنَّهٗ يُوْجِبُ الْحُرْمَةَ، وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ لَا يُوْجِبُهَا لِاَنَّهٗ بِالْاِنْزَالِ تَبَيَّنَ اَنَّهٗ غَيْرُ مُفْضٍ اِلَى الْوَطْءِ، وَعَلٰى هٰذَا اِتْيَانُ الْمَرْاَةِ فِي الدُّبُرِ.

ترجمہ

جس شخص کو کوئی عورت شہوت کے ساتھ چھولے تو اس مرد کے لئے اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائیں گی جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں: وہ حرام نہیں ہوں گی۔ اسی اختلاف کی بنیاد پر یہ مسئلہ بھی ہے: جب وہ مرد کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھولے یا وہ

عورت مرد کی شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھے۔امام شافعی کی دلیل یہ ہے: چھونا یا دیکھنا یہ دونوں دخول کے معنی میں نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے: ان دونوں کی وجہ سے روزے یا احرام کے فاسد ہونے یا غسل کے واجب ہونے کا حکم متعلق نہیں ہوتا' تو یہ دونوں بھی اس کے ساتھ متعلق نہیں ہوں گے۔

ہماری دلیل یہ ہے: چھونا اور دیکھنا سبب ہے' جو وطی تک لے جاتا ہے' تو احتیاط کے پیش نظر یہ اس کا قائم مقام شمار ہوگا۔ پھر شہوت کے ساتھ چھونے کا مطلب یہ ہے: آلہ (تناسل) منتشر ہو جائے یا انتشار میں اضافہ ہو جائے اور یہی رائے درست ہے۔اور "دیکھنے میں" شرمگاہ کے داخلی حصے کی طرف دیکھنا معتبر ہوگا اور یہ صورت صرف اسی وقت متحقق ہوگی جب وہ عورت تکیہ لگا کر بیٹھی ہوئی ہو۔

اگر مرد نے چھولیا اور اسے انزال ہو گیا' تو ایک قول کے مطابق یہ بات حرمت کو واجب کر دیتی ہے۔تاہم صحیح قول یہ ہے: یہ اس کو واجب نہیں کرتی' کیونکہ اس کے انزال کے ذریعے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ یہ عمل وطی تک لے جانے والا نہیں ہے۔اور اسی اصول کی بنیاد پر' عورت کی پچھلی شرمگاہ میں صحبت کرنے کا حکم شامل ہے۔

حرمت مصاہرت کے ذرائع واسباب کا بیان

ملا نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔اگر کسی شخص نے ایک عورت سے جماع کیا جس کی وجہ سے اس عورت کے پیشاب اور پاخانہ کا مقام ایک ہو گیا تو اس عورت کی ماں جماع کرنیوالے کے لئے حرام نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے عورت کے پیشاب کے مقام ہی میں جماع کیا ہے ہاں اگر جماع کے بعد وہ عورت حاملہ ہو جائے اور یہ معلوم بھی ہو جائے کہ یہ حمل اسی شخص کے نطفہ سے قرار پایا ہے تو اس صورت میں اس کی ماں اس کے لئے حرام ہو جائے گی۔اور جس طرح یہ حرمت جماع کرنے سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح شہوت کے ساتھ) عورت کو چھونے بوسہ لینے اور شہوت کے ساتھ عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے ثابت ہو جاتی ہے۔اور یہ مذکورہ چیزیں یعنی چھونا وغیرہ خواہ نکاح کی صورت میں پیش آئیں یا خواہ ملکیت کی صورت میں اور خواہ فجور کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک یہ تینوں یکساں ہیں۔نیز حنفی علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس بارے میں شبہ اور غیر شبہ برابر ہیں اور اس سلسلہ میں شہوت کے ساتھ مباشرت (مرد و عورت کا شہوت کے ساتھ ایک دوسرے سے لپٹنا) بھی بوسہ کے حکم میں ہے اسی طرح معانقہ کا بھی یہی حکم ہے ایسے ہی اگر شہوت کے ساتھ دانتوں سے اس کو کاٹا تو بھی یہی حکم ہے یعنی ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

اگر کسی نے شہوت کے ساتھ مرد کے عضو مخصوص کی طرف دیکھا یا شہوت کے ساتھ اسکو ہاتھ لگایا یا بوسہ لیا تو اس صورت میں اس کے ساتھ حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اور باقی دوسرے تمام اعضاء کی طرف دیکھنے سے اور ان کو ہاتھ لگانے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہاں اگر یہ دیکھنا یا ہاتھ لگانا شہوت کے ساتھ ہو تو پھر بغیر کسی اختلاف کے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ حرمت کے سلسلہ میں عورت کی شرمگاہ کے ظاہری حصہ کو دیکھنے کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اندر کے حصہ کو دیکھنے سے حرمت ثابت ہوا کرتی

ہے۔

چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مرد کسی کھڑی ہوئی عورت کی شرم گاہ کو دیکھ لے تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہو گی کیونکہ عورت جب کھڑی ہوئی ہو تو اس کی شرم گاہ کے اندرونی حصہ پر نظر نہیں پڑتی بلکہ شرمگاہ کے اندرونی حصہ پر اس وقت نظر پڑے گی جب وہ پشت سے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھی ہو۔اگر کسی مرد نے عورت کی شرمگاہ کے اندرونی حصہ کو اس طرح دیکھا کہ درمیان میں باریک پردہ یا شیشہ حائل تھا لیکن اندرونی حصہ نظر آ رہا تھا تو بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ہاں اگر کوئی شخص آئینہ دیکھ رہا تھا اور اس میں کسی عورت کی شرمگاہ نظر آ گئی اور پھر مرد نے اس کو شہوت کے ساتھ دیکھا تو اس مرد پر نہ اس عورت کی ماں حرام ہو گی اور نہ بیٹی حرام ہو گی کیونکہ اس نے شرمگاہ کو نہیں دیکھا بلکہ اس کا برعکس دیکھا۔اگر کوئی عورت پانی کے حوض کے کنارے پر یا پل پر بیٹھی ہو اور کسی مرد نے اس کا عکس پانی میں دیکھا اور پھر اس کے بعد وہ شہوت کے ساتھ پانی ہی میں اس کی شرمگاہ کا عکس دیکھتا رہا تو اس صورت میں بھی حرمت ثابت نہیں ہو گی ہاں اگر عورت پانی میں ہو اور مرد کی نگاہ اس کی شرمگاہ پر پڑ جائے اور پھر اسے شہوت کے ساتھ دیکھے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

مس سے حرمت مصاہرت ثابت ہونے کی فقہی جزئیات

کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت ثابت ہونے کے سلسلے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ قصداً چھوئے تب ہی حرمت ثابت ہو گی بلکہ چاہے قصداً چھوئے یا چاہے بھول کر چھوئے چاہے کسی کے زبردستی کرنے سے یا خود غلطی سے چھوئے اور چاہے نیند کی حالت میں چھوئے ہر صورت میں حرمت ثابت ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر کسی مرد نے جماع کرنے کے لئے اپنی بیوی کو نیند سے اٹھانا چاہا مگر غلطی سے اس کا ہاتھ لڑکی پر پڑ گیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ یہی میری بیوی ہے شہوت کے ساتھ اس کی چٹکی بھر لی اور وہ لڑکی بھی جوان تھی قابل شہوت تھی تو اس صورت میں اس مرد کے لئے اس لڑکی کی ماں یعنی اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔

اگر کسی مرد نے شہوت کے ساتھ عورت کے ان بالوں کو ہاتھ لگایا جو سر سے ملے ہوئے ہیں تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر لٹکے ہوئے بالوں کو ہاتھ لگایا تو حرمت ثابت نہیں ہو گی مگر ناطفی نے اس تفصیل کے بغیر مطلقاً بالوں کے چھونے کو حرمت کا باعث لکھا ہے اسی طرح اگر مرد نے عورت کے ناخن کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

یہ جو بتایا گیا ہے کہ عورت کو شہوت کے ساتھ چھونا اور ہاتھ لگانا حرمت کو ثابت کر دیتا ہے تو اس بارے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ عورت کو چھونے اور ہاتھ لگانے سے اسی صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جب کہ دونوں کے درمیان کپڑا حائل نہ ہو اور اگر کپڑا حائل ہو تو وہ اس قدر باریک ہو کہ چھونے والے کا ہاتھ بدن کی حرارت محسوس نہیں ہوتی تو حرمت ثابت نہیں ہو گی خواہ اس کی وجہ سے مرد کے عضو مخصوص میں ایستادگی ہی کیوں نہ ہو جائے، اسی طرح اگر کسی مرد نے عورت کے موزہ کے نیچے کا حصہ چھوا تو حرمت ثابت ہو جائے گی ہاں اگر موزے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو جس کی وجہ سے عورت کے پاؤں کی ایڑھی چھونے والے کو محسوس نہ ہوا تو

حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

اگر کسی مرد نے عورت کا بوسہ لیا ایسی حالت میں کہ دونوں کے درمیان کپڑا حائل ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ بوسہ لینے والے کو عورت کے دانتوں کی یا ہونٹوں کی ٹھنڈک محسوس ہو۔

حرمت ثابت ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ چھونے کے بعد دیر تک چھوتا ہی رہے چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کیطرف ہاتھ بڑھایا لیکن وہ ہاتھ بیوی کی بجائے اپنی لڑکی کی ناک پر پڑھ گیا اور اس کے ساتھ ہی شہوت زیادہ ہوگئی تو اس لڑکی کی ماں یعنی بیوی اس مرد کے لئے حرام ہو جائے گی اگر چہ اس نے اپنا ہاتھ فوراً ہی ہٹا لیا ہو۔

حرمت ثابت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جس عورت کو ہاتھ لگایا جائے یا بوسہ لیا جائے اور وہ قابل شہوت ہو اور فتوی اس پر ہے کہ کم سے کم نو سال کی لڑکی قابل شہوت ہوتی ہے اس سے کم نہیں، چنانچہ اگر کسی مرد نے کسی ایسی نابالغہ لڑکی سے جماع کیا جو قابل شہوت نہ ہو یں تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اس کے برخلاف اگر عورت اتنی بوڑھی ہو جائے کہ قابل شہوت نہ رہے تو وہ حرمت ثابت ہونے کا باعث بن جاتی ہے کیونکہ وہ حرمت کے حکم میں داخل ہو چکی تھی اور بڑھاپے کی وجہ سے اس حکم سے باہر نہیں ہو سکتی جب کہ نابالغہ ابھی حرمت کے حکم میں داخل ہی نہیں ہوئی۔

جس طرح حرمت ثابت ہونے کے لئے عورت کا قابل شہوت ہونا شرط ہے اسی طرح مرد کا بھی قابل شہوت ہونا شرط ہے۔ لہذا اگر چار سال کے بچہ نے مثلاً اپنے باپ کی بیوی یعنی اپنی سوتیلی ماں سے جماع کر لیا تو اس کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر جماع کرنیوالا ایسا بچہ ہو جس کے ہم عمر بچے عام طور پر جماع کر سکتے ہوں تو تو اس کا وہی حکم ہوگا جو بالغ کا ہوتا ہے اور اس بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ ایسے بچہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ جماع کرنے پر قادر ہو عورت کی طرف اس کا میلان ظاہر ہوتا ہو اور عورتیں اس سے شرم کرتی ہوں۔

مذکورہ بالا چیزوں یعنی چھونے اور دیکھنے کے بارے میں شہوت یعنی ہیجان کا ہونا شرط ہے یعنی عورت کو ہاتھ لگانے بوسہ لینے اور شرم گاہ کے اندرونی حصہ کی طرف دیکھتے وقت اگر شہوت ہو تب حرمت ثابت ہوگی لہذا اگر یہ دونوں چیزیں بغیر شہوت کے پائی جائیں اور پھر بعد میں شہوت پیدا ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اور شہوت کا معیار مرد کے لئے یہ ہے کہ اس کے عضو مخصوص میں ایستادگی ہو جائے اور اگر ایستادگی پہلے سے تھی تو اس میں زیادتی ہو جائے۔ اس مسئلہ میں یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے لہذا اگر کسی مرد کے عضو مخصوص میں ایستادگی تھی ایسی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو اپنے پاس بلایا اور پھر اسی دوران کسی طرح اس کا عضو مخصوص اس کی لڑکی کی دونوں رانوں کے درمیان داخل ہو گیا تو اس صورت میں اگر اس کے عضو مخصوص کی ایستادگی میں زیادتی نہ پیدا ہوگئی ہو تو اس لڑکی کی ماں یعنی اس کی بیوی اس کے لئے حرام نہیں ہوگی۔ اور شہوت کا معیار اس مرد کے لئے ہے جو جوان اور جماع کرنے پر قادر ہو اور اگر مرد بوڑھا ہو تو اس کے حق میں شہوت کا معیار یہ ہے کہ خواہش کے وقت اس کے قلب میں حرکت پیدا ہو جائے اگر پہلے سے حرکت نہیں تھی اور اگر قلب میں پہلے سے حرکت موجود تھی تو اس خواہش میں زیادتی ہو جائے اور عورت کے

لئے اس اس مرد کے لئے جس کا عضو مخصوص کستا ہوا ہو شہوت کا معیار یہ ہے کہ قلب میں خواہش پیدا ہو اور ہاتھ لگانے وغیرہ سے جنسی لذت حاصل ہو۔ اگر خواہش وغیرہ پہلے سے موجود نہ تھی اور اگر یہ پہلے سے موجود تھی تو اس میں زیادتی ہو جائے اور یہ بات ملحوظ رہے کہ مرد و عورت میں سے کسی ایک میں شہوت کا ہونا حرمت ثابت ہونے کے لئے کافی ہو۔

ہاتھ لگانے یا بوسہ لینے وغیرہ سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے اس میں یہ شرط اور ضروری ہے کہ انزال نہ ہو اگر ہاتھ لگانے یا شرمگاہ کی طرف دیکھنے کے وقت انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اب انزال ہونے سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ چھونا وغیرہ جماع لینے کا سبب نہیں بنا۔ اگر کسی مرد نے عورت کی مقعد کی طرف دیکھا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اسی طرح اگر کسی مرد نے عورت کے پیچھے کی طرف بدفعلی کی تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ ایسے ہی اگر مرد کے ساتھ جماع کے افعال کیے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ حرمت مصاہرت کا اقرار کیا تو اس کا اعتبار کیا جائے گا اور ان دونوں یعنی میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کرادی جائے گی اسی طرح اگر مرد نکاح سے قبل زمانہ کی طرف حرمت کی نسبت کرے یعنی اپنی بیوی سے یوں کہے کہ میں نے تم سے نکاح کرنے سے پہلے تمہاری ماں سے جماع کیا تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائیگا اور دونوں میں جدائی کرادی جائے گی لیکن اس عورت کا پورا مہر (جو نکاح کے وقت متعین ہوا تھا) واجب ہوگا عقد واجب نہیں ہوگا اور اس اقرار کے لئے مداومت شرط نہیں یعنی صرف ایک مرتبہ اقرار کر لینا کافی ہے بار بار اقرار کرنا ضروری نہیں ہے اسی لئے اگر کوئی شخص اپنے اقرار سے رجوع کرلے یعنی ایک مرتبہ اقرار کرنے کے بعد پھر انکار کردے تو قاضی اس نکاح کو صحیح تسلیم نہیں کرے گا ہاں اگر اس نے واقعۃً غلط اقرار کیا تھا تو عنداللہ وہ عورت اس کی بیوی رہے گی اگرچہ ظاہراً قاضی جدائی کرادے گا۔

اگر کسی شخص نے ایک عورت کے بارے میں یہ کہا کہ میری رضاعی ماں ہے (یعنی اس عورت نے مجھے دودھ پلایا ہے) اور پھر کچھ عرصہ بعد جب اس عورت سے نکاح کرنا چاہے اور یہ کہے کہ میں نے پہلے غلط کہا تھا کہ یہ میری رضاعی ماں ہے تو اس صورت میں اس کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا استحساناً جائز ہوگا۔

اگر کسی شخص نے عورت کا بوسہ لیا اور پھر کہنے لگا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا یا عورت کو چھوا اور یا اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو بوسہ لینے کی صورت میں تو فوراً حرمت کا حکم لگا دیا جائے گا جب تک کہ یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس نے واقعی شہوت کے ساتھ بوسہ نہیں لیا تھا اور دوسری دونوں صورتوں میں حرمت کا حکم فوراً لگا دیا جائیگا جب یہ یقین ہو جائے کہ یہ چیز شہوت کے ساتھ سرزد ہوئی ہے تو حرمت کا حکم لگایا جائے گا اور یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ بوسہ عام طور پر شہوت کے ساتھ لیا جاتا ہے اور بوسہ کی بنیاد ہی شہوت پر ہوتی ہے بخلاف چھونے اور دیکھنے کے کہ یہ دونوں فعل بغیر شہوت کے بھی سرزد ہوتے ہیں مگر یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کہ شرمگاہ کے علاوہ کسی اور عضو کو چھوا ہو اور اگر کسی شخص نے عورت کی شرمگاہ کو چھوا ہو اور پھر کہا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ اگر کسی شخص نے عورت کی چھاتی پکڑ لی اور کہا کہ

شہوت کے ساتھ نہیں پکڑی تھی تو اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اسی طرح اگر عورت کے ساتھ جانور پر سوار ہوا تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ ہاں اگر عورت کی پشت پر سوار ہو کر دریا کو پار کیا اور کہا کہ اس وقت شہوت نہیں تھی تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔

ایک شخص نے لوگوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے یا اس کا بوسہ لیا ہے اور ان لوگوں نے اس کے اس اقرار کی گواہی دی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اسی طرح اگر گواہ یہ کہیں کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تھا یا بوسہ لیا تھا تو ان کی گواہی مانی جائے گی کیونکہ شہوت ایک ایسی چیز ہے جو فی الجملہ معلوم ہو جاتی ہے چنانچہ جن لوگوں کے عضو میں حرکت ہوتی ہے اس کو دیکھ کر اور جن کے عضو میں حرکت نہیں ہوتی ان کے بارے میں دوسری علامتوں سے شہوت کا معلوم ہو جانا ممکن ہوتا ہے۔

بے ہوشی میں چھونے والے کی حرمت مصاہرت کا بیان

قاضی علی سعدی فرماتے ہیں کہ اگر نشہ میں مدہوش کسی شخص نے اپنی لڑکی کو پکڑ کر اپنے بدن سے لپٹایا اور اس کا بوسہ لیا اور پھر جب اس سے جماع کرنے کا ارادہ کیا تو لڑکی نے کہا کہ میں تمہاری لڑکی ہوں، یہ سن کر اس شخص نے لڑکی کو چھوڑ دیا تو اس صورت میں بھی لڑکی کی ماں یعنی اس شخص کی بیوی اس کے لئے حرام ہو جائے گی۔

اگر کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنی ساس کے ساتھ کیا کیا ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے جماع کیا ہے تو اس صورت میں بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اگرچہ سوال کرنے والے نے مذاق میں سوال کیا ہو اور اس شخص نے بھی ازراہ مذاق ہی جواب دیا ہو پھر اس کے بعد وہ شخص لاکھ کہے کہ میں نے یہ بات غلط کہی تھی اس کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

اگر کسی شخص نے کسی ایسی لونڈی کے بارے میں جو اس کی ملکیت میں ہو یہ کہا کہ میں نے اس لونڈی سے جماع کیا ہے تو وہ لونڈی اس کے لڑکے کے لئے حلال نہیں ہوگی اور اگر اس نے کسی ایسی لونڈی کے بارے میں جو اس کی ملکیت نہیں ہے بلکہ کسی اور کی ہے یہ کہا کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے تو اس صورت میں اس کے لڑکے کے لئے یہ جائز ہوگا کہ اپنے باپ کی اس بات کا اعتبار نہ کرے اور اس لونڈی کو اپنی ملکیت میں لے کر اس سے جماع کرلے اور اگر کسی شخص کو اپنے باپ کی میراث میں کوئی لونڈی ملی تو وہ اس سے جماع کر سکتا ہے جب تک کہ یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ باپ نے اس لونڈی کے ساتھ جماع کیا ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ باکرہ ہے لیکن شادی کے بعد جب اس سے جماع کرنے کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ باکرہ نہیں ہے پھر اس نے عورت سے پوچھا کہ تمہارا پردہ بکارۃ کس طرح زائل ہوا ہے (یعنی تمہارے ساتھ کسی مرد نے جماع کیا ہے؟) عورت نے جواب دیا کہ تمہارے باپ نے اس صورت میں اگر وہ شخص خاوند اس کی بات کا اعتبار کرے تو نکاح ختم ہو جائیگا۔ اور عورت مہر کی حقدار نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ شخص اس کی بات کا اعتبار نہ کرے اور کہے کہ تم جھوٹ بولتی ہو تو نکاح باقی رہے گا۔

اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے لڑکے کے بارے میں کہا کہ اس نے مجھے شہوت کے ساتھ چھوا ہے لہذا میں اپنے شوہر کی

بیوی نہیں رہی تو عورت کی اس بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ شوہر کے لڑکے کا قول معتبر ہوگا۔

کسی شخص نے اپنے باپ کی بیوی کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا یا کسی باپ نے اپنے لڑکے کی بیوی کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا اور شوہر نے کہا کہ یہ عمل شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو شوہر کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ اسی کی بیوی رہے گی لیکن اگر شوہر نے اس بات کو تسلیم کرلیا کہ بوسہ لینا واقعی شہوت ہی کے ساتھ تھا تو پھر دونوں میاں بیوی) میں جدائی ہو جائے گی اور شوہر پر مہر واجب ہوگا مگر شوہر وہ رقم جو اس نے مہر میں ادا کی ہے اس شخص سے وصول کرلے گا جس کی وجہ سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے بشرطیکہ اس نے فتنہ پھیلانے کے لئے یہ حرکت کی ہو اور اگر یہ حرکت فتنہ پھیلانے کے مقصد سے نہیں تھی تو پھر کچھ بھی وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اور اگر اس مسئلہ میں بوسہ لینے کی بجائے باپ نے لڑکے کی بیوی سے یا لڑکے نے باپ کی بیوی سے جماع کرلیا تو اس صورت میں شوہر مہر میں دی ہوئی رقم کسی طرح بھی وصول نہیں کرسکتا کیونکہ جماع کرنیوالے پر حد واجب ہوگی اور ضابطہ یہ ہے کہ شرعی حد کے ساتھ کوئی مالی جرمانہ واجب نہیں ہوتا۔

باندی سے متعلق حرمت مصاہرت کی فقہی جزئیات

کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کی باندی کے ساتھ نکاح کیا اور پھر اسکے قبل کہ اس کا خاوند جماع کرتا باندی نے شوہر کے لڑکے کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا خاوند نے دعوی کیا کہ میری بیوی نے میرے لڑکے کا بوسہ شہوت کے ساتھ لیا ہے مگر باندی کے آقا نے کہا کہ یہ غلط ہے، اس صورت میں نکاح ختم ہو جائیگا کیونکہ شوہر نے اس بات کا اقرار کرلیا ہے کہ میری بیوی نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا ہے لیکن شوہر پر پورا مہر واجب نہیں ہوگا بلکہ نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ اس باندی کے مالک نے اس کی بات کو جھٹلایا ہے اس بارے میں لونڈی کا قول معتبر نہیں ہوگا کہ میں نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تھا لہذا میرا پورا مہر دو۔

اگر کسی عورت نے لڑائی جھگڑے میں اپنے دادا کا عضو مخصوص پکڑ لیا اور کہا کہ میں نے شہوت کے ساتھ نہیں پکڑا تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائیگا۔

حرمت مصاہرت یا حرمت رضاعت کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے جماع کرنا حرام ہو جاتا ہے لہذا شوہر کو چاہئے کہ طلاق دیدے اگر وہ طلاق نہ دے تو پھر قاضی دونوں کے درمیان جدائی کرادے) چنانچہ جدائی سے پہلے اگر شوہر نے جماع کرلیا تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی خواہ اس نے جماع شبہ میں مبتلا ہو کر ہی کیا ہو یا بغیر شبہ کے کیا ہو۔ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے حرام کاری کی یا ایسا کوئی بھی فعل کیا جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے جیسے چھونا وغیرہ اور پھر توبہ کرلی تو یہ شخص اس عورت کی لڑکی کا محرم ہی رہے گا اس لئے کہ اس کی لڑکی سے نکاح کرنا اس کے حق میں ہمیشہ کے لئے حرام ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محرمت، زنا سے ثابت ہو جاتی ہے اور ایسے ہی ان تمام چیزوں سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جیسے چھونا وغیرہ۔

اگر مثلاً زید نے خالدہ سے نکاح کیا اور زید کے لڑکے نے (جو خالدہ کے پیٹ سے نہیں ہے) خالدہ کی بیٹی سے جو خالدہ

کے پہلے شوہر سے ہے) نکاح کرلیا یا خالدہ کی ماں سے نکاح کرلیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے عضو مخصوص پر کپڑا لپیٹ کر اپنی بیوی سے جماع کیا تو دیکھا جائے گا کہ وہ کپڑا باریک تھا اور مرد کے عضو مخصوص کو حرارت محسوس ہونے سے نہیں روکتا تھا تو وہ عورت جماع کے بعد پہلے شوہر کے لئے جس نے اسے طلاق مغلظہ دیدی تھی) حلال ہوجائے گی اور اگر کپڑا ایسا تھا جس کی وجہ سے اس کے عضو مخصوص کو حرارت محسوس نہیں ہو رہی تھی تو وہ عورت اپنے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ عالم گیری، کتاب النکاح، بیروت)

مطلقہ بیوی کی عدت کے دوران اس کی بہن سے نکاح کا حکم

﴿وَاِذَا طَلَّقَ امْرَاَةً طَلَاقًا بَائِنًا اَوْ رَجْعِيًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُخْتِهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ كَانَتِ الْعِدَّةُ عَنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ اَوْ ثَلَاثٍ يَجُوْزُ لِانْقِطَاعِ النِّكَاحِ بِالْكُلِّيَّةِ اِعْمَالًا لِلْقَاطِعِ، وَلِهٰذَا لَوْ وَطِئَهَا مَعَ الْعِلْمِ بِالْحُرْمَةِ يَجِبُ الْحَدُّ.

وَلَنَا اَنَّ نِكَاحَ الْاُوْلٰى قَائِمٌ لِبَقَاءِ بَعْضِ اَحْكَامِهِ كَالنَّفَقَةِ وَالْمَنْعِ وَالْفِرَاشِ وَالْقَاطِعُ تَاَخَّرَ عَمَلُهُ وَلِهٰذَا بَقِيَ الْقَيْدُ، وَالْحَدُّ لَا يَجِبُ عَلٰى اِشَارَةِ كِتَابِ الطَّلَاقِ، وَعَلٰى عِبَارَةِ كِتَابِ الْحُدُوْدِ يَجِبُ لِاَنَّ الْمِلْكَ قَدْ زَالَ فِيْ حَقِّ الْمِلْكِ فَيَتَحَقَّقُ الزِّنَا وَلَمْ يَرْتَفِعْ فِيْ حَقِّ مَا ذَكَرْنَا فَيَصِيْرُ جَامِعًا.

ترجمہ

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق بائنہ یا طلاق رجعی دے تو اس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی بہن کے ساتھ شادی کرے تاوقتیکہ اس عورت کی عدت نہ گزر جائے۔

'امام شافعی فرماتے ہیں: اگر عدت' طلاق بائن کی وجہ سے ہو یا تین طلاقوں کی وجہ سے ہو' تو ایسا کرنا جائز ہوگا' کیونکہ نکاح کلی طور پر منقطع ہوگیا ہے اور قاطع (یعنی طلاق) پر عملدرآمد ہوگا۔ یہی وجہ ہے: اگر وہ شخص حرمت کا علم رکھنے کے باوجود اس (پہلی) بیوی کے ساتھ صحبت کرلیتا ہے' تو اس پر حد واجب ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے: پہلا نکاح ابھی قائم شمار ہوگا' کیونکہ اس کے بعض احکام باقی ہیں جیسے خرچ دینا ہے' گھر سے باہر نکلنے سے روکنا ہے' بستر (فراہم کرنا) ہے' تاہم قطع کرنے والی چیز (یعنی طلاق) نے اس کے (یعنی نکاح کے) عمل کو متاخر کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ (اگر وہ شخص عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ صحبت کرلیتا ہے) تو اس کے لئے قید باقی رہے گی (یعنی اسے حرمت کا علم

ہونا چاہئے)۔ جہاں تک حد کا تعلق ہے تو ''کتاب الطلاق'' میں موجود عبارت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے: یہ واجب نہیں ہوگی البتہ ''کتاب الحدود'' کی عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے: یہ واجب ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے: حلت کے اعتبار سے ملکیت زائل ہو چکی ہے' تو اس صورت میں (وطی کرنے سے) زنا متحقق ہوگا اور (نکاح کا) حکم اس چیز کے حق میں مرتفع نہیں ہوا' جس کا ہم نے ذکر کیا ہے' تو اس اعتبار سے وہ مرد (نکاح میں دو بہنوں کو) جمع کرنے والا ہو جائے گا۔

شرح

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بہن کی جانب رجحان فرما رہے ہیں؟ (یعنی میری بہن کی طرف کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رغبت ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو میں کیا کروں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ان سے نکاح کر لیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم اس بات پر خوشی سے راضی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ اس لیے کہ میں تنہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلیہ نہیں ہوں چنانچہ میری خواہش ہے کہ کسی دوسرے کے بجائے میری بہن میرے ساتھ بھلائی کے کام میں حصہ دار بن جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ میرے واسطے حلال اور جائز نہیں ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو اس کی اطلاع ملی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درہ بنت ام سلمہ کو نکاح کا رشتہ بھیجنے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر اس نے میرے یہاں پرورش نہیں پائی ہوتی تو جب بھی وہ میرے واسطے حلال نہیں تھی کیونکہ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی لڑکی ہے تم لوگ اپنی لڑکیاں اور بہنیں میرے نکاح کے واسطے نہ تجویز کیا کرو۔

(سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1200)

ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کی ممانعت میں اجماع

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت عبیدہ سلمی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ: صحابہ کرام کا کسی بھی چیز میں اس طرح اجماع نہیں جس طرح کہ ظہر سے قبل چار (رکعتوں) اور بہن کی عدت میں دوسری بہن سے شادی نہیں کی جاسکتی میں اجماع پایا جاتا ہے۔

تو نہی زوجیت کے ثبوت میں جمع کرنے سے ہے، لیکن اب جبکہ سابقہ بیوی کی عدت ختم ہو چکی ہے تو اس سے طلاق کی وجہ سے تعلق ختم ہو چکا ہے، لھذا اس سے شادی کرنے میں کوئی مانع نہیں۔ (المغنی لابن قدامہ المقدسی (7 / 69 -68)

تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ ابھی تک وہ آپ کی بیوی ہے تو آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ کسی بھی آزاد شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ چار سے زیادہ بیویاں رکھ سکے یعنی ایک ہی وقت میں وہ سب اس کے نکاح میں ہوں اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث میں بھی ملتی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسلمان ہوئے تو جاہلیت میں

ان کی دس بیویاں تھیں جوان کے ساتھ مسلمان ہو گئیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے حکم دیا کہ (ان میں سے چار کو اختیار کرلے)۔

(سنن ترمذی حدیث نمبر(1128)

.مندرجہ بالا سطور سے یہ واضح ہوا کہ مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ طلاق رجعی کی حالت میں پانچویں سے شادی کرے، اس لیے کہ اس طرح اس نے پانچ عورتوں کو جمع کر دیا۔

صحابہ کرام اور آئمہ اربعہ اور سارے اہل سنت علماء کرام کا قولی اور عملی اجماع ہے کہ کسی بھی مرد کے لیے اپنے نکاح میں چار بیویوں سے زیادہ رکھنا جائز نہیں، صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنی ہیں۔(المغنی لابن قدامہ(104 /7)

اپنی کنیز یا غلام کے ساتھ نکاح کرنے کا عدم جواز

﴿ولَا يَتَزَوَّجُ الْمَوْلَى اَمَتَهُ وَلَا الْمَرْاَةُ عَبْدَهَا﴾ لِاَنَّ النِّكَاحَ مَا شُرِعَ اِلَّا مُثْمِرًا ثَمَرَاتٍ مُشْتَرَكَةً بَيْنَ الْمُتَنَاكِحَيْنِ ، وَالْمَمْلُوكِيَّةُ تُنَافِي الْمَالِكِيَّةَ فَيَمْتَنِعُ وُقُوعُ الثَّمَرَةِ عَلَى الشَّرِكَةِ .

ترجمہ

آقا اپنی کنیز کے ساتھ یا عورت اپنے غلام کے ساتھ شادی نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے: نکاح کو مشروع اس لیے کیا گیا ہے تا کہ وہ ان ثمرات کو سامنے لائے جو نکاح کرنے والوں کے درمیان مشترک ہوتے ہیں اور مملوکیت' مالک ہونے کے منافی ہے' تو اس اعتبار سے شراکت کی بنیاد پر ثمرات کا حصول ناممکن ہو جائے گا۔

شرح

حضرت رویفع بن ثابت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنا پانی، دوسرے کی اولاد کو نہ پلائے یعنی جو عورت کسی اور سے حاملہ ہو (لونڈی) اور اس نے اسے خریدا تو اس سے صحبت نہ کرے۔ یہ حدیث حسن ہے اور کئی سندوں سے رویفع بن ثابت ہی سے منقول ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی باندی کو حاملہ ہوتے ہوئے خریدے تو بچہ پیدا ہونے تک اس سے جماع نہ کرے۔ اس باب میں ابودرداء، عرباض بن ساریہ، اور ابوسعید سے بھی روایت ہے۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1135)

آزاد عورتوں سے نکاح اور کنیزوں سے متعلق فقہی احکام

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ

وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔(النساء، ۲۵)

اور تم میں بے مقدوری کے باعث جن کے نکاح میں آزاد عورتیں ایمان والیاں نہ ہوں تو اُن سے نکاح کرے جو تمہارے ہاتھ کی مِلک ہیں ایمان والی کنیزیں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم میں ایک دوسرے سے ہے تو ان سے نکاح کرو اُنکے مالکوں کی اجازت سے اور حسب دستور اُن کے مہر انہیں دو قید میں آتیں، نہ مستی نکالتی اور نہ یار بناتی۔ جب وہ قید میں آ جائیں۔ پھر برا کام کریں تو اُن پر اس سزا کی آدھی ہے جو آزاد عورتوں پر ہے۔ یہ اس کے لئے جسے تم میں سے زنا کا اندیشہ ہے اور صبر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنز الایمان)

آزاد عورتوں کی وسعت نہ رکھنے والے کا باندیوں سے نکاح کرنا

حافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جسے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی وسعت وقدرت نہ ہو، ربیعہ فرماتے ہیں طول سے مراد قصد وخواہش یعنی لونڈی سے نکاح کی خواہش،

ابن جریر نے اس قول کو وارد کر کے پھر اسے خود ہی توڑ دیا ہے، مطلب یہ کہ ایسے حالات میں مسلمانوں کی ملکیت میں جو لونڈیاں ہیں ان سے وہ نکاح کر لیں، تمام کاموں کی حقیقت اللہ تعالیٰ پر واضح ہے، تم حقائق کو صرف سطحی نگاہ سے دیکھتے ہو، تم سب آزاد اور غلام ایمانی رشتے میں ایک ہو، لونڈی کا ولی اس کا سردار ہے اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح منعقد نہیں ہوسکتا، اسی طرح غلام بھی اپنے سردار کی رضامندی حاصل کئے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتا،

حدیث میں ہے جو غلام بغیر اپنے آقا کی اجازت کے اپنا نکاح کر لے وہ زانی ہے، ہاں اگر کسی لونڈی کی مالکہ کوئی عورت ہو تو اس کی اجازت سے اس لونڈی کا نکاح وہ کرائے جو عورت کا نکاح کرا سکتا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے عورت عورت کا نکاح نہ کرائے نہ عورت اپنا نکاح کرائے، وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح آپ کرتی ہیں۔ پھر فرمایا عورتوں کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو، گھٹا کر کم کر کے تکلیف پہنچا کر لونڈی سمجھ کر کمی کر کے نہ دو، پھر فرماتا ہے کہ دیکھ لیا کرو یہ عورتیں بدکاری کی طرف از خود مائل نہ ہوں، نہ ایسی ہوں اگر کوئی ان کی طرف مائل ہو تو یہ جھک جائیں، یعنی نہ تو علانیہ زناکار ہوں نہ خفیہ بدکردار ہوں کہ ادھر ادھر آشنائیاں کرتی پھریں اور چپ چاپ دوست آشنا بناتی پھریں، جو ایسی بداطوار ہوں ان سے نکاح کرنے کو اللہ تعالیٰ منع فرما رہا ہے۔

احصن کی دوسری قرأت احسن بھی ہے، کہا گیا ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے، یہاں احصان سے مراد اسلام ہے یا نکاح والی ہو جانا ہے، ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان کا احصان اسلام اور عفت ہے لیکن یہ حدیث منکر ہے اس میں ضعف بھی ہے اور ایک راوی کا نام نہیں، ایسی حدیث حجت کے لائق نہیں ہوتی، دوسرا قول یعنی احصان سے مراد نکاح ہے حضرت ابن

عباس مجاہد عکرمہ طاؤس سعید بن جبیر حسن قتادہ وغیرہ کا بھی قول ہے،

باندی کے محصنہ ہونے کا فقہی مفہوم

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ابو علی طبری نے اپنی کتاب الایضاح میں بھی نقل کیا ہے، مجاہد فرماتے ہیں لونڈی کا محصن ہونا یہ ہے کہ وہ کسی آزاد کے نکاح میں چلی جائے، اسی طرح غلام کا احصان یہ ہے کہ وہ کسی آزاد مسلمہ سے نکاح کرلے، ابن عباس سے بھی یہ منقول ہے، شعبی اور نخعی بھی یہی کہتے ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں قرآتوں کے اعتبار سے معنی بھی بدل جاتے ہیں، احصن سے مراد تو نکاح ہے اور احصن سے مراد اسلام ہے،

امام ابن جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں، لیکن بظاہر مراد یہاں نکاح کرنا ہے واللہ اعلم، اسی لئے کہ سیاق آیات کی دلالت اسی پر ہے، ایمان کا ذکر تو لفظوں میں موجود ہے، بہر دو صورت جمہور کے مذہب کے مطابق آیت کے معنی میں بھی اشکال باقی ہے اس لئے کہ جمہور کا قول ہے کہ لونڈی کو زنا کی وجہ سے پچاس کوڑے لگائے جائیں گے خواہ وہ مسلمہ ہو یا کافرہ ہو شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ہو باوجود یہ کہ آیت کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ غیر محصنہ لونڈی پر حد ہی نہ ہو، پس اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں، جمہور کا قول ہے کہ بیشک "جو بولا گیا" مفہوم پر مقدم ہے اس لئے ہم نے ان عام احادیث کو جن میں لونڈیوں کو حد مارنے کا بیان ہے اس آیت کے مفہوم پر مقدم کیا،

باندیوں پر حد قائم کرنے میں فقہی اختلاف واختلاف استدلال کا بیان

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت علی نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگو اپنی لونڈیوں پر حدیں قائم رکھو خواہ وہ محصنہ ہوں یا نہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی لونڈی کے زنا پر حد مارنے کو فرمایا چونکہ وہ نفاس میں تھی اس لئے مجھے ڈر لگا کہ کہیں حد کے کوڑے لگنے سے یہ مر نہ جائے چنانچہ میں نے اس وقت اسے حد نہ لگائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تم نے اچھا کیا جب تک وہ ٹھیک ٹھاک نہ ہو جائے حد نہ مارنا،

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب یہ نفاس سے فارغ ہو تو اسے پچاس کوڑے لگانا، حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور زنا ظاہر ہو جائے تو اسے وہ حد مارے اور برا بھلا نہ کہے پھر اگر دوبارہ زنا کرے تو بھی حد لگائے اور ڈانٹ جھڑک نہ کرے، پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے اور ظاہر ہو تو اسے بیچ ڈالے اگرچہ ایک رسی کے ٹکڑے کے بدلے ہی ہو، اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب تین بار یہ فعل اس سے سرزد ہو تو چوتھی دفعہ فروخت کر ڈالے،

عبداللہ بن عیاش بن ابو ربیعہ فحز ومی فرماتے ہیں کہ ہم چند قریش نوجوانوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امارت کی لونڈیوں سے کئی ایک پر حد جاری کرنے کو فرمایا ہم نے انہیں زنا کی حد میں پچاس پچاس کوڑے لگائے دوسرا جواب ان کا ہے جو

اس بات کی طرف گئے ہیں کہ لونڈی پر احصان بغیر حد نہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ مارنا صرف بطور ادب سکھانے اور باز رکھنے کے ہے، ابن عباس اسی طرف گئے ہیں طاؤس سعید ابو عبید داؤد ظاہری کا مذہب بھی یہی ہے ان کی بڑی دلیل مفہوم آیت ہے اور یہ شرط ہے مفہوموں میں سے ہے اور اکثر کے نزدیک یہ محض حجت ہے اس لئے ان کے نزدیک ایک عموم پر مقدم ہو سکتا ہے اور ابو ہریرہ اور زید بن خالد کی حدیث جس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جب لونڈی زنا کرے اور وہ محصنہ نہ ہو یعنی اس کا نکاح نہ ہوا ہو تو کیا جائے؟ آپ نے فرمایا اگر وہ زنا کرے تو اسے حد لگاؤ پھر زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ پھر بیچ ڈالو گو ایک رسی کے ٹکڑے کے قیمت پر ہی کیوں نہ بیچنا پڑے،

راوی حدیث ابن شہاب فرماتے ہیں نہیں جانتا کہ تیسری مرتبہ کے بعد یہ فرمایا یا چوتھی مرتبہ کے بعد۔ پس اس حدیث کے مطابق وہ جواب دیتے ہیں کہ دیکھو یہاں کی حد کی مقدار اور کوڑوں کی تعداد بیان نہیں فرمائی جیسے کہ محصنہ کے بارے میں صاف فرما دیا ہے اور جیسے کہ قرآن میں مقرر طور پر فرمایا گیا کہ محصنات کی نسبت نصف حد ان پر ہے، پس آیت وحدیث میں اس طرح تطبیق دینا واجب ہوگئی واللہ اعلم۔ اس سے بھی زیادہ صراحت والی وہ روایت ہے جو سعید بن منصور نے بروایت ابن عباس نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی لونڈی پر حد نہیں جب تک کہ وہ احصان والی نہ ہو جائے یعنی جب تک نکاح والی نہ ہو جائے پس جب خاوند والی بن جائے تو اس پر آدھی حد ہے بہ نسبت اس حد کے جو آزاد نکاح والیوں پر ہے، یہ حدیث ابن خزیمہ میں بھی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں اسے مرفوع کہنا خطا ہے یہ موقوف ہے یعنی حضرت ابن عباس کا قول ہے،

بیہقی میں بھی یہ روایت ہے اور آپ کا بھی یہی فیصلہ ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عمر والی حدیثیں ایک واقعہ کا فیصلہ ہیں، اور حضرت ابو ہریرہ والی حدیث دوسرے واقعہ کا فیصلہ ہیں اور حضرت ابو ہریرہ والی حدیث کے بھی کئی جوابات ہیں ایک تو یہ کہ یہ محمول ہے اس لونڈی پر جو شادی شدہ ہو اس طرح ان دونوں احادیث میں تطبیق اور جمع ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ اس حدیث میں لفظ حد کسی راوی کا داخل کیا ہوا ہے اور اس کی دلیل جواب کا فقرہ ہے،

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دو صحابیوں کی ہے اور وہ حدیث صرف ایک صحابی کی ہے اور ایک والی پر دو والی مقدم ہے، اور اسی طرح یہ حدیث نسائی میں بھی مروی ہے اور مسلم کی شرط پر اس کی سند ہے کہ حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا سے جو بدری صحابی تھے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ پھر جب زنا کرے تو کوڑے مارو پھر جب زنا کرے تو کوڑے لگاؤ پھر جب زنا کرے تو بیچ دو اگرچہ ایک رسی کے ٹکڑے کے بدلے ہی بیچنا پڑے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ بھی بعید نہیں کہ کسی راوی نے جلد کو حد خیال کر لیا ہو یا لفظ حد کا اطلاق کر دیا ہو اور اس نے جلد کو حد خیال کر لیا ہو یا لفظ حد کا اطلاق تادیب کے طور پر سزا دینے پر کر دیا ہو جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس سزا پر بھی کیا گیا ہے جو بیمار زانی کو کھجور کا ایک خوشہ مارا گیا تھا جس میں ایک سو چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں، اور جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس شخص پر بھی کیا گیا ہے جس نے اپنی بیوی کو اس لونڈی کے ساتھ زنا کیا جسی بیوی نے اس کے لئے حلال کر دیا تھا حالانکہ اسے سو کوڑوں کا لگنا تعزیر کے طور پر صرف ایک سزا ہے جیسے

کہ امام احمد وغیرہ سلف کا خیال ہے۔ حد حقیقی صرف یہ ہے کہ کنوارے کو سو کوڑے اور شادی شدہ ہوئے کو رجم۔

ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت سعید بن جبیر کا فرمان ہے کہ لونڈی نے جب تک نکاح نہیں کیا اسے زنا پر مارا نہ جائے ، اس کی اسناد تو صحیح ہے لیکن معنی دو ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ بالکل مارا ہی نہ جائے نہ حد نہ اور کچھ تو یہ قول بالکل غریب ہے، ممکن ہے آیت کے الفاظ پر نظر کر کے یہ فتویٰ دے دیا ہو اور حدیث نہ پہنچی ہو، دوسرے معنی یہ ہیں کہ حد کے طور پر نہ مارا جائے اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو اس کے خلاف نہیں کہ اور کوئی سزا کی جائے ،

پس یہ قیاس حضرت ابن عباس وغیرہ کے فتوے کے مطابق ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں دلالت ہے کہ محصنہ لونڈی پر بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی حد ہے، لیکن محصنہ ہونے سے پہلے کتاب وسنت کے عموم میں یہ بھی شامل ہے کہ اسے بھی سو کوڑے مارے جائیں جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے (آیت الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ) یعنی زنا کار عورت زنا کار مرد کو ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور جیسے حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری بات لے لو میری بات سمجھ لو اللہ نے ان کے لئے راستہ نکال لیا اگر دونوں جانب غیر شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور اگر دونوں طرف شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور پتھروں سے رجم کر دینا۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف کی ہے۔

اور اسی طرح کی اور حدیثیں بھی ہیں، حضرت داؤد بن علی ظاہری کا یہی قول ہے لیکن یہ سخت ضعیف ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے محصنہ لونڈیوں کو بہ نسبت آزاد کے آدھے کوڑے مارنے کا عذاب بیان فرمایا یعنی پچاس کوڑے تو پھر جب تک وہ محصنہ نہ ہوں اس سے بھی زیادہ سزا کی سزاوار وہ کیسے ہو سکتی ہیں؟ حالانکہ قاعدہ شریعت یہ ہے کہ احصان سے پہلے کم سزا ہے اور احصان کے بعد زیادہ سزا ہے پھر اس کے برعکس کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

غیر شادی شدہ باندی کی سزا میں کوڑوں کا بیان

دیکھئے شارع علیہ السلام سے آپ کے صحابہ غیر شادی شدہ لونڈی کے زنا کی سزا پوچھتے ہیں اور آپ انہیں جواب دیتے ہیں کہ اسے کوڑے مارو لیکن یہ نہیں فرماتے کہ ایک سو کوڑے لگاؤ پس اگر اس کا حکم وہی ہوتا جو داؤد سمجھتے ہیں تو اسے بیان کر دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھا اس لئے کہ ان کا یہ سوال تو صرف اسی وجہ سے تھا کہ لونڈی کے شادی شدہ ہو جانے کے بعد اسے کوڑے مارنے کا بیان نہیں ورنہ اس قید کے لگانے کی کیا ضرورت تھی کہ سوال میں کہتے وہ غیر شادی شدہ ہے کیونکہ پھر تو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں کوئی فرق ہی نہ رہا اگر یہ آیت اتری ہوئی نہ ہوتی لیکن چونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ایک کا علم تو انہیں ہو چکا تھا اس لئے دوسری کی بابت سوال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ پر درود پڑھنے کی نسبت پوچھا تو آپ نے اسے بیان فرمایا اور فرمایا سلام تو اسی طرح ہے جس طرح تم خود جانتے ہو، اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان (آیت یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما) نازل ہوا اور صلوۃ وسلام آپ پر بھیجنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو صحابہ نے کہا کہ سلام کا طریقہ اور اس کے الفاظ تو ہمیں معلوم ہیں صلوۃ کی کیفیت بیان فرمائے۔

پس ٹھیک اسی طرح یہ سوال ہے مفہوم آیت کا چوتھا جواب ابو ثور کا ہے جو داؤد کے جواب سے زیادہ بودا ہے، وہ فرماتے ہیں جب لونڈیاں شادی شدہ ہو جائیں تو ان کی زنا کاری کی حد ان پر آدھی ہے اس حد کی جو شادی شدہ آزاد عورتوں کی زنا کاری کی حد تو ظاہر ہے کہ آزاد عورتوں کی حد اس صورت میں رجم ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رجم آدھا نہیں ہو سکتا تو لونڈی کو اس صورت میں رجم کرنا پڑے گا اور شادی سے پہلے اسے پچاس کوڑے لگیں گے، کیونکہ اس حالت میں آزاد عورت پر سو کوڑے ہیں۔ پس دراصل آیت کا مطلب سمجھنے میں اس سے خطا ہوئی اور اس میں جمہور کا بھی خلاف ہے۔

باندی کی حد میں فقہی مذاہب اربعہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کسی مسلمان کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ مملوک پر زنا کی سزا میں رجم ہے ہی نہیں، اس لئے کہ آیت کی دلالت کرتی ہے کہ ان پر محصنات کا نصف عذاب ہے اور محصنات کے لفظ میں جو الف لام ہے وہ عہد کا ہے یعنی وہ محصنات جن کا بیان آیت کے شروع میں ہے (آیت ان ینکح المحصنات) میں گزر چکا ہے اور مراد صرف آزاد عورتیں ہیں۔ اس وقت یہاں آزاد عورتوں کا نکاح کے مسئلہ کی بحث نہیں بحث یہ ہے کہ پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ ان پر زنا کاری کی جو سزا تھی اس سے آدھی سزا ان لونڈیوں پر ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اس سزا کا ذکر ہے جو آدھی ہو سکتی ہو اور وہ کوڑے ہیں کہ سو سے آدھے پچاس رہ جائیں گے رجم یعنی سنگسار کرنا ایسی سزا ہے جس کے حصے نہیں ہو سکتے۔

مسند احمد میں ہے ایک واقعہ ہے جو ابو ثور کے مذہب کی پوری تردید کرتا ہے اس میں ہے کہ صفیہ لونڈی نے ایک غلام سے زنا کاری کی اور اسی زنا سے بچہ ہوا جس کا دعویٰ زانی نے کیا مقدمہ حضرت عثمان کے پاس پہنچا آپ نے حضرت علی کو اس کا تصفیہ سونپا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے بچہ تو اس کا سمجھا جائے گا جس کی یہ لونڈی ہے اور زانی کو پتھر مارے جائیں گے پھر ان دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد مفہوم سے تنبیہ ہے اعلیٰ کے ساتھ ادنیٰ پر یعنی جب کہ وہ شادی شدہ ہوں تو ان پر بہ نسبت آزاد عورتوں کے آدھی حد ہے پس ان پر رجم تو سرے سے کسی صورت میں ہے ہی نہیں نہ قبل از نکاح نہ بعد نکاح، دونوں حالتوں میں صرف کوڑے ہیں جس کی دلیل حدیث ہے، صاحب مصباح یہی فرماتے ہیں اور حضرت امام شافعی سے بھی اسی کو ذکر کرتے ہیں،

امام بیہقی اپنی کتاب سنن و آثار میں بھی اسے لائے ہیں لیکن یہ قول لفظ آیت سے بہت دور ہے اس طرح کہ آدھی حد کی دلیل صرف آیت ہے اس کے سوا کچھ نہیں پس اس کے علاوہ میں آدھا ہونا کس طرح سمجھا جائے گا؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں صرف امام ہی حد قائم کر سکتا ہے اس لونڈی کا مالک اس حال میں اس پر حد جاری نہیں کر سکتا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے ہاں شادی سے پہلے اس کے مالک کو حد جاری کرنے کا اختیار ہے بلکہ حکم ہے لیکن دونوں صورتوں میں حد آدھی ہی آدھی رہے گی اور یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ آیت میں اس کی دلالت بھی نہیں، اگر اگر یہ آیت نہ ہوتی تو ہم نہیں جان سکتے تھے کہ لونڈیوں کے بارے میں آدھی حد ہے اور اس صورت میں انہیں بھی عموم میں داخل

کر کے پوری حد یعنی سو کوڑے اور رجم ان پر بھی جاری کرنا واجب ہو جاتا جیسے کہ عام روایتوں سے ثابت ہے،

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوگو اپنے ماتحتوں پر حدیں جاری کرو شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ اور عام حدیثیں جو پہلے گزر چکی ہیں جن میں خاوندوں والی اور خاوندوں کے بغیر کوئی تفصیل نہیں، حضرت ابو ہریرہ کی روایت والی حدیث جس سے جمہور نے دلیل) پکڑی ہے یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کی کوئی زنا کرے اور پھر اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اس پر حد جاری کرے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے (مخص)

الغرض لونڈی کی زناکاری کی حد میں کئی قول ہیں ایک تو یہ کہ جب تک اس کا نکاح نہیں ہوا اسے پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور نکاح ہو جانے کے بعد بھی یہی حد رہے گی اور اسے جلاوطن بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ جلاوطنی ہوگی دوسرے یہ کہ نہ ہوگی تیسرے یہ کہ جلاوطنی میں آدھے سال کو لحوظ رکھا جائے گا یعنی چھ مہینے کا دیس نکالا دیا جائے گا پورے سال کا نہیں، پورا سال آزاد عورتوں کے لئے ہے، یہ تینوں قول امام شافعی کے مذہب میں ہیں،

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جلاوطنی تعزیر کے طور پر ہے وہ حد میں سے نہیں امام کی رائے پر موقوف ہے اگر چاہے جلاوطنی دے یا نہ دے مرد وعورت سب اسی حکم میں داخل ہیں۔

امام مالک کے مذہب میں ہے کہ جلاوطنی صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں پر نہیں اس لئے کہ جلاوطنی صرف اس کی حفاظت کے لئے ہے اور اگر عورت کو جلاوطن کیا گیا تو حفاظت میں سے نکل جائے گی اور مردوں یا عورتوں کے بارے میں دیس نکالے کی حدیث صرف حضرت عبادہ اور حضرت ابو ہریرہ سے ہی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زانی کے بارے میں جس کی شادی نہیں ہوئی تھی حد مارنے اور ایک سال دیس نکالا دینے کا حکم فرمایا تھا (بخاری)

اس سے معنی مراد یہی ہے کہ اس کی حفاظت رہے اور عورت کو وطن سے نکالے جانے میں یہ حفاظت بالکل ہی نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لونڈی کو اس کی زناکاری پر شادی کے بعد پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور ادب دکھانے کے طور پر اسے کچھ مار پیٹ کی جائے گی لیکن اس کی کوئی مقرر گنتی نہیں پہلے گزر چکا ہے کہ شادی سے پہلے اسے مارا نہ جائے گا جیسے حضرت سعید بن مسیب کا قول ہے لیکن اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ سرے سے کچھ مارنا ہی نہ چاہئے تو یہ محض تاویل ہی ہوگی ورنہ قول ثانی میں اسے داخل کیا جا سکتا ہے جو یہ ہے کہ شادی سے پہلے سو کوڑے اور شادی کے بعد پچاس جیسے کے داؤد کا قول ہے اور یہ تمام اقوال سے بودا قول ہے اور یہ کہ شادی سے پہلے پچاس کوڑے اور شادی کے بعد رجم جیسے کہ ابو ثور کا قول ہے لیکن یہ قول بھی بودا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

پھر فرمان ہے کہ لونڈیوں سے نکاح کرنا ان شرائط کی موجودگی میں جو بیان ہوئیں ان کے لئے جنہیں زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو اور تجرد اس پر بہت شاق گزر رہا ہو اور اس کی وجہ سے سخت تکلیف میں ہو تو بیشک اسے پاکدامن لونڈیوں سے نکاح کر لینا جائز ہے گو اس حالت میں بھی اپنے نفس کو روکے رکھنا اور ان سے نکاح نہ کرنا بہت بہتر ہے اس لئے کہ اس سے جو اولاد ہوگی وہ اس

کے مالک کے لونڈی یا غلام ہوگی ہاں اگر خاوند غریب ہو تو اس کی یہ اولاد اس کے آقا کی ملکیت امام شافعی کے قول قدیم کے مطابق نہ ہوگی۔ پھر فرمایا اگر تم صبر کرو تو تمہارے لئے افضل ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

باندی سے نکاح میں جمہور علماء کے اتفاق کا بیان

جمہور علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے نکاح جائز ہے لیکن یہ اس وقت جب آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو اور نہ ہی رکے رہنے کی طاقت ہو، بلکہ زنا واقع ہو جانے کا خوف ہو۔ کیونکہ اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اولاد غلامی میں جاتی ہے دوسرے ایک طرح ہے کہ آزاد عورت کو چھوڑ کر لونڈیوں کی طرف متوجہ ہونا۔ ہاں جمہور کے مخالف امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں یہ دونوں باتیں شرط نہیں بلکہ جس کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہ ہو اسے لونڈی سے نکاح جائز ہے وہ لونڈی خواہ مومنہ ہو خواہ اہل کتاب میں سے ہو۔ چاہے اسے آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت بھی ہو اور اسے بدکاری کا خوف بھی نہ ہو، اس کی بڑی دلیل یہ آیت والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم یعنی آزاد عورتیں ان میں سے جو تم سے پہلے کتاب اللہ دیئے گئے۔ پس وہ کہتے ہیں یہ آیت عام ہے جس میں آزاد اور غیر آزاد سب ہی شامل ہیں اور محصنات سے مراد پاکدامن باعصمت عورتیں ہیں لیکن اس کی ظاہری دلالت بھی اسی مسئلہ پر ہے جو جمہور کا مذہب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، نساء ۲۵)

اہلِ کتاب عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا بیان

(وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الْكِتَابِيَّاتِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَالْمُحْصَنَاتُ مِنْ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ) أَيْ الْعَفَائِفُ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْكِتَابِيَّةِ الْحُرَّةِ وَالْأَمَةِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ مِنْ بَعْدُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ

اہلِ کتاب عورتوں کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور ان میں سے پاکدامن عورتیں جنہیں کتاب دی گئی ہے"۔ (یہاں المحصنات سے مراد پاکدامن عورتیں ہیں) کتابی عورت میں آزاد اور کنیز کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا جیسا کہ عنقریب ہم اس بارے میں بیان کریں گے۔

محصنہ عورت کا فقہی مفہوم

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری اپنی کتاب: جامع البیان عن تاویل آیات القرآن میں المحصنة کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

جب کوئی عورت عفت وعصمت اختیار کرے تو کہا جاتا ہے حصنت، تحصن، حصانة، اور حاصن من النساء یعنی عورتوں میں سے عفیفہ عورت کو حاصن کہا جاتا ہے۔۔۔ اور ایک قول یہ بھی ہے: شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی اور بے حیائی سے

بچنے والی کومحصنہ کہا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے :(ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجھا) اور مریم بنت عمران جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی۔

یعنی اس نے شک وشبہ سے اپنی حفاظت کی اور فجور وبے حیائی سے اپنے آپ کو روکا، پھر اس کے بعد رحمہ اللہ تعالی نے مندرجہ ذیل فرمان باری تعالی کی تفسیر کے بارہ میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں :

(والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم) اور مومنوں میں سے پاکباز عورتیں اور جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی ہے ان کی پاکباز عورتیں۔

ابن جریر طبری کا کہنا ہے کہ دوسروں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے اس فرمان سے یہ مراد لیا ہے :(مومنوں میں سے پاکباز عورتیں اور جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی ہے ان کی پاکباز عورتیں)

یعنی دونوں فریقوں سے پاکباز چاہے وہ تمہاری آزاد عورتیں ہوں یا لونڈیاں اللہ تعالی نے اس قول میں سے اہل کتاب لونڈیاں جو دین والی ہوں ان سے نکاح کرنا جائز ہے اور مومنوں اور اہل کتاب میں سے حرام کاری کرنے والی عورتیں حرام کی گئی ہیں۔

پھر اس کے بعد رحمہ اللہ تعالی نے اس قول پر کچھ اثر بھی نقل کرنے کے بعد یہ بھی کہا ہے کہ :اہل تفسیر کا مندرجہ ذیل فرمان کے حکم میں اختلاف ہے :(اور جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی ہے ان کی پاکباز عورتیں) کیا اس کا حکم عام ہے یا کہ خاص؟

کچھ مفسرین کا کہنا ہے :یہ ان میں سے عفائف کے بارہ میں عام ہے، کیونکہ محصنات ہی عفائف ہیں اور مسلمان کے لیے ہر اہل کتاب کی آزاد اور لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے، چاہے وہ ذمیہ ہو یا پھر حربیہ۔

اور اس میں انہوں نے مندرجہ ذیل فرمان باری تعالی کے ظاہر سے دلیل لی ہے :(اور جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی ہے ان کی پاکباز عورتیں) یہاں پر معنی عفائف ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو، یہ قول محصنات سے عفائف مراد لینے والوں کا ہے۔اور کچھ دوسرے مفسرین کا کہنا ہے کہ یہاں سے اہل کتاب کی وہ عورتیں مراد ہیں جو مسلمانوں کے ذمہ اور معاہدہ میں ہوں لیکن جو اہل حرب کتابی کی عورتیں مسلمان پر حرام ہیں۔

ابن جریر رحمہ اللہ تعالی نے کتابی عورت سے نکاح میں ایک بہت ہی اہم شرط ذکر کی ہے جس پر ہر مسلمان کو غور وفکر کرنا ضروری ہے جو بھی کفار کے ممالک میں رہتا ہوا ان سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ اس پر غور کرے کہ :نکاح کرنے والا ایسی جگہ ہو جہاں پر اسے اپنی اولاد کے بارہ میں کفر پر مجبور کیے جانے کا خدشہ نہ ہو۔(جامع البیان عن تاویل آیات القرآن (8 / 165)

مجوس سے نکاح میں فقہی مذاہب کا بیان

حافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں ۔ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کے ذبح کیے ہوئے جانور کا کھانا ممنوع ہے۔ہاں ابو ثور ابراہیم بن خالد کلبی جو شافعی اور احمد کے ساتھیوں میں سے تھے،اس کے خلاف ہیں، جب انہوں نے اسے جائز کہا اور لوگوں میں

اس کی شہرت ہوئی تو فقہاء نے اس قول کی زبردست تردید کی ہے۔

یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبل نے تو فرمایا کہ ابوثور اس مسئلہ میں اپنے نام کی طرح ہی ہے یعنی بیل کا باپ، ممکن ہے ابو ثور نے ایک حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر یہ فتوی دیا ہو جس میں حکم ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا سا طریقہ برتو لیکن اولاً تو یہ روایت ان الفاظ سے ثابت ہی نہیں دوسرے یہ روایت مرسل ہے،

ہاں البتہ صحیح بخاری شریف میں صرف اتنا تو ہے کہ ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا۔ علاوہ ان سب کے ہم کہتے ہیں کہ ابوثور کی پیش کردہ حدیث کو اگر ہم صحیح مان لیں، تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے عموم سے بھی اس آیت میں حکم امتناعی کو دلیل بنا کر اہل کتاب کے سوا اور دین والوں کا ذبیحہ بھی ہمارے لئے حرام ثابت ہوتا ہے، پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ بھی ہمارے لئے حرام ثابت ہوسکتا ہے، پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کیلئے حلال ہے یعنی تم انہیں اپنا ذبیحہ کھلا سکتے ہو۔ یہ اس امر کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں ان کیلئے تمہارا ذبیحہ حلال ہے ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس بات کی خبر ہو کہ انہیں بھی ان کی کتاب میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور کا ذبیحہ اللہ کے نام پر ہوا ہو اسے وہ کھا سکتا ہے بلحاظ اس سے کہ ذبح کرنے والا انہیں میں سے ہو یا ان کے سوا کوئی اور ہو، لیکن زیادہ باوزن بات پہلی ہی ہے۔

یعنی یہ کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنا ذبیحہ کھلاؤ جیسے کہ ان کے ذبح کیے ہوئے جانور تم کھا لیتے ہو۔ یہ گویا اول بدل کے طور پر ہے، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کو اپنے خاص کرتے ہیں کفن دیا جس کی وجہ سے بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ اس نے آپ کے چچا حضرت عباس کو اپنا کرتا دیا تھا جب وہ مدینے میں آئے تھے تو آپ نے اس کا بدلہ چکا دیا۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومن کے سوا کسی اور کی ہم نشینی نہ کر اور اپنا کھانا بجز پرہیزگاروں کے اور کسی کو نہ کھلا اسے اس بدلے کے خلاف نہ سمجھنا چاہئے، ہوسکتا ہے کہ حدیث کا یہ حکم بطور پسندیدگی اور افضلیت کے ہو، واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے یہ بطور تمہید کے ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے ان کی عفیفہ عورتوں سے بھی نکاح تمہیں حلال ہے۔ یہ قول بھی ہے کہ مراد محصنات سے آزاد عورتیں ہیں یعنی لونڈیاں نہ ہوں۔

یہ قول حضرت مجاہد کی طرف منسوب ہے اور حضرت مجاہد کے الفاظ یہ ہیں کہ محصنات سے آزاد مراد ہیں اور جب یہ ہے تو جہاں اس قول کا وہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ لونڈیاں اس سے خارج ہیں وہاں یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ پاک دامن عفت شعار، جیسے کہ انہی سے دوسری روایت ان ہی لفظوں میں موجود ہے، جمہور بھی کہتے ہیں اور یہ زیادہ ٹھیک بھی ہے۔ تاکہ ذمیہ ہونے کے ساتھ ہی غیر عفیفہ ہونا شامل ہو کر بالکل ہی باعث فساد نہ بن جائے اور اس کا خاوند صرف فضول بھرتی کے طور پر بری رائے پر نہ چل پڑے پس بظاہر یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ محصنات سے مراد عفت مآب اور بدکاری سے بچاؤ والیاں ہی لی جائیں، جیسے دوسری آیت میں محصنات کے ساتھ ہی آیت (غیر مسافحات ولا متخذی اخدان) آیا ہے۔

علماء اور مفسرین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا آیت ہر کتابیہ عفیفہ عورت پر مشتمل ہے؟ خواہ وہ آزاد ہو خواہ لونڈی ہو؟ ابن جریر میں سلف کی ایک جماعت سے اسے نقل کیا ہے جو کہتے ہیں کہ محصنات سے مراد پاک دامن ہے، ایک قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں مراد اہل کتاب سے اسرائیلی عورتیں ہیں، امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ذمیہ عورتیں ہیں سوائے آزاد عورتوں کے اور دلیل یہ آیت ہے (قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر) الخ، یعنی ان سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر نصرانیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جانتے تھے اور فرماتے تھے اس سے بڑا شرک کیا ہوگا؟ کہ وہ کہتی ہو کہ اس کا رب عیسیٰ ہے اور جب یہ مشرک ٹھہریں تو نص قرآنی موجود ہے کہ آیت (ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن) الخ، یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں،

ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ ان سے رک گئے یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے نکاح کرنے کی رخصت نازل ہوئی تو صحابہ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کئے اور صحابہ کی ایک جماعت سے ایسے نکاح اسی آیت کو دلیل بنا کر کرنے ثابت ہیں تو گویا پہلے سورہ بقرہ کی آیت کی ممانعت میں یہ داخل تھیں لیکن دوسری آیت نے انہیں مخصوص کر دیا۔ یہ اس وقت جب یہ مان لیا جائے کہ ممانعت والی آیت کے حکم میں یہ بھی داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی معارض نہیں، اس لئے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں عام مشرکین سے انہیں الگ بیان کیا گیا ہے جیسے آیت لم یکن الذین کفروا . قل اللذین اوتوا الکتاب والامین۔ پھر فرماتا ہے جب تم انہیں ان کے مقررہ مہر دے دو وہ اپنے نفس کو بچانے والیاں ہوں اور تم ان کے مہر ادا کرنے والے ہو،

حضرت جابر بن عبداللہ عامر شعبی ابراہیم نخعی حسن بصری کا فتویٰ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور دخول سے پہلے اس نے بدکاری کی تو میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے گی اور جو مہر خاوند نے عورت کو دیا ہے اسے واپس دلوایا جائے گا (ابن جریر) پھر فرماتا ہے تم بھی پاک دامن عفت مآب ہو اور علانیہ یا پوشیدہ بدکار نہ ہو۔ پس عورتوں میں جس طرح پاک دامن اور عفیفہ ہونے کی شرط لگائی تھی مردوں میں بھی یہی شرط لگائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ کھلے بدکار نہ ہوں کہ ادھر ادھر منہ مارتے پھرتے ہوں اور نہ ایسے ہوں کہ خاص تعلق سے حرام کاری کرتے ہوں۔ سورہ نساء میں بھی اسی کے مماثل حکم گزر چکا ہے۔

حضرت امام احمد اسی طرف گئے ہیں کہ زانیہ عورتوں سے توبہ سے پہلے ہرگز کسی بھلے آدمی کو نکاح کرنا جائز نہیں، اور یہی حکم ان کے نزدیک مردوں کا بھی ہے کہ بدکار مردوں کا نکاح نیک کار عفت شعار عورتوں سے بھی ناجائز ہے جب تک وہ سچی توبہ نہ کریں اور اس رذیل فعل سے باز نہ آ جائیں۔ ان کی دلیل ایک حدیث بھی ہے جس میں ہے کوڑے لگایا ہوا زانی اپنے جیسی سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔ خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروق نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ جو مسلمان کوئی بدکاری کرے میں اسے ہرگز کسی مسلمان پاک دامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں۔ اس پر حضرت ابی بن کعب نے عرض کی کہ اے امیر المومنین شرک اس سے بہت بڑا ہے اس کے باوجود بھی اس کی توبہ قبول ہے۔ اس مسئلے کو ہم آیت (الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ) الخ، کی

تفسیر میں پوری طرح بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ آیت کے خاتمہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال اکارت ہیں اور وہ آخرت میں نقصان یافتہ ہیں۔

فقہ مالکی کے مطابق اہل کتاب باندی سے عدم نکاح کا بیان

عبدالملک بن مروان نے اپنے دوست کو ایک لونڈی ہبہ کی پھر اس سے اس لونڈی کا حال پوچھا اس نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اس لونڈی کو ہبہ کردوں اپنے بیٹے کو تاکہ وہ اس سے جماع کرے عبدالملک نے کہا کہ مروان تجھ سے زیادہ پرہیزگار تھا اس نے اپنے بیٹے کو ایک لونڈی ہبہ کی اور کہہ دیا اس سے صحبت نہ کرنا کیونکہ میں نے اس کی پنڈلیاں کھلی ہوئی دیکھی تھیں۔

کہا مالک نے یہودی لونڈی اور نصرانی لونڈی سے نکاح کرنا درست نہیں اور اللہ جل جلالہ نے اپنی کتاب میں جو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح درست کیا ہے اس سے آزاد عورتیں مراد ہیں اور اللہ جل جلالہ نے فرمایا جو شخص تم میں سے مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرے اللہ نے مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرنا حلال کیا ہے نہ کہ اہل کتاب کی لونڈیوں سے البتہ یہودی یا نصرانی لونڈی سے اس کے مالک کو جماع کرنا درست ہے مگر مشرکہ لونڈی سے درست نہیں۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1013)

اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی اباحت کے اسباب

ابن قیم کہتے ہیں: نص قرآنی کی بنا پر کتابی عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور پاکباز مومن عورتیں، اور ان لوگوں کی پاکباز عورتیں جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی ہے)۔ یہاں محصنات سے مراد پاکدامن عورتیں ہیں، اور محصنات المحرمات جن کا ذکر سورۃ النساء میں ہوا ہے ان سے مراد شادی شدہ عورتیں ہیں، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ: جو محصنات مباح ہیں وہ آزاد عورتیں ہیں، اسی لیے اہل کتاب کی لونڈی حلال نہیں، لیکن پہلا کئی ایک وجوہات کی بنا پر پہلا قول صحیح ہے، پھر اس کے بعد ابن قیم نے ان وجوہات کو بھی ذکر کیا ہے۔

مقصد یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے لیے اہل کتاب کی پاکدامن اور عفت و عصمت کی مالک عورتیں مباح کی ہیں، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے اس پر عمل بھی کیا، چنانچہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصرانی عورت سے شادی کی، اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایک عیسائی عورت سے شادی کی، اور حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی عورت سے شادی کی تھی۔

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں "میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ: کیا مسلمان شخص کسی عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کرسکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں تو یہ پسند نہیں کرتا، لیکن اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو بعض صحابہ کرام نے بھی اس پر عمل کیا ہے۔ (احکام اہل الذمۃ (2 / (795 - 794)

اگر ہم اس کے جواز کا کہیں تو بلاشک وشبہ یہ واضح نص قرآنی کی بنا پر ہے، لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ کئی ایک امور کی بنا پر مسلمان شخص کو اس وقت اہل کتاب کی عورت سے شادی نہیں کرنی چاہیے:

اہل کتاب کی عورت سے شادی کرنے کی شرط ہے کہ وہ عورت عفت وعصمت کی مالکہ اور پاکدامن ہو، لیکن اس وقت اس معاشرے اہل کتاب کی عورتیں عفت وعصمت کی مالکہ بہت ہی کم ہونگی۔

اہل کتاب کی عورت سے شادی کی شروط میں شامل ہے کہ ولایت وفوقیت مسلمان شخص کو حاصل ہو، لیکن اس دور میں جو حاصل ہے وہ یہی کہ جو شخص کافر ممالک میں جا کر اہل کتاب کی عورت سے شادی کرتا ہے تو وہ اسے اس عورت سے اپنے قوانین کے مطابق شادی کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اور وہ اس مسلمان شخص پر اپنا قانون لاگو کرتے ہیں جس میں ظلم وستم اور بہت کچھ خلاف شریعت پایا جاتا ہے۔۔!

اور پھر وہ مسلمان مرد کی ولایت کا بھی اعتراف نہیں کرتے کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کا ذمہ دار اور ان پر حاکم ہوگا، جیسے ہی عورت ناراض ہوئی تو گھرانہ تباہ ہو جاتا ہے اور وہ عورت اپنے ملک کے قانون کی طاقت سے بچوں کو لے کر چلی جاتی ہے، اور اگر کفریہ ملک میں نہ بھی رہتی ہو بلکہ مسلمان ملک میں منتقل ہونے کے بعد بھی خاوند سے ناراضگی ہونے کی صورت میں وہ اپنے سفارت خانے کی مدد سے بچوں کو چھین لیتی ہے، مسلمان ممالک کا ان کفریہ ممالک کے سامنے کمزور ہونا اور سفارت خانے کے سامنے کچھ نہ کرسکنا کسی پر بھی مخفی نہیں ہے، انا اللہ وانا الیہ راجعون

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مسلمان عورتوں میں سے بھی دین کا التزام کرنے والی عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دلائی ہے، لیکن اگر مسلمان عورت اللہ کی توحید کو ماننے کے باوجود دین اور اخلاق کی مالکہ نہ ہو تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت سے شادی کی ترغیب نہیں دلائی۔ کیونکہ شادی صرف مباشرت وجماع واستمتاع کا نام نہیں ہے، بلکہ شادی تو اللہ سبحانہ وتعالی اور خاوند کے حقوق کی دیکھ بھال کا نام ہے، اور اسی طرح خاوند کے گھر اور اس کی عزت ومال کی حفاظت اور بچوں کی تربیت کو شادی کہا جاتا ہے، تو پھر ایک کتابی عورت بچوں کی تربیت کس طرح کرسکتی ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں جبکہ وہ خود اللہ کی اطاعت نہیں کرتی، اور جس دین کو وہ خود نہیں مانتی اس دین پر اپنے بچوں کی تربیت کیسے کریگی۔

اور پھر خاوند اپنے بچوں کو ایسی ماں کے سامنے چھوڑ دے گا جو اللہ کے ساتھ شرک کرتی اور اللہ تعالی کے ساتھ کفر کرتی پھرے؟

اس لیے اگر ہم اس شادی کے جواز کے قائل بھی ہیں لیکن ہم اس کی نصیحت نہیں کرتے، اور نہ ہی اس کی ترغیب دلاتے ہیں، کیونکہ اس کا انجام اچھا نہیں، لہذا عقل ودانش رکھنے والے مسلمان شخص کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ اپنا نطفہ کہاں رکھ رہا ہے، اور اپنے بچوں کے دین اور ان کے مستقبل کو مدنظر رکھے، اسے بس کی شہوت اور دنیا کی چکاچوند روشنی اندھا نہ کردے، کہ دنیا کی مصلحت کی خاطر یا ظاہری جمال وعیش کی خاطر کہ اسے وہاں کی شہریت حاصل ہو جائیگی وہ اپنی اولاد کا مستقبل اور دین تباہ کر کے بیٹھ جائے، کیونکہ یہ ظاہری دنیا اور جمال وخوبصورتی ہے، اصل خوبصورتی وجمال تو اخلاق فاضلہ کی خوبصورتی ہے۔

اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اگر اس نے اس طرح کی شادی صرف اس لیے ترک کی کہ وہ اپنے دین اور اپنے بچوں کی افضلیت چاہتا ہے اور دین کو ترجیح دیتا ہو تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے اس کا نعم البدل ضرور عطا فرمائیگا۔ کیونکہ جو کوئی شخص بھی اللہ کے لیے کسی چیز کو ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بھی بہتر عطا فرماتا ہے" جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ہماری راہنمائی فرمائی ہے، اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے بلکہ اللہ کی وحی سے زبان کو حرکت دیتے ہیں۔

اہل کتابیہ سے نکاح کی اباحت میں مذاہب اربعہ

علامہ ابوبکر جصاص حنفی احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔

قال أبو بكر :اختلف أهل العلم فيه، فروى عن الحسن ومجاهد وسعيد بن عبد العزيز وابى بكر بن عبد الله بن أبي مريم كراهة ذلك، وهو قول الثورى .وقال أبو ميسرة في آخرين " :يجوز نكاحها ".

وهو قول أبي حنيفة وابي يوسف ومحمد وزفر .وروى عن ابي يوسف انه كرهه إذا كان مولاها كافرا والنكاح جائز ؛ ويشبه أن يكون ذهب إلى أن ولدها يكون عبدا لمولاها وهو مسلم بإسلام الأب، كما يكره بيع العبد المسلم من الكافر .

وقال مالك والأوزاعي والشافعي والليث بن سعد " :لا يجوز النكاح ."والدليل على جوازه جميع ما ذكرنا من عموم الآيه في الباب الذى قبله الموجبة لجواز نكاح الأمة مع وجود الطول إلى الحرة، ودلالتها على جواز نكاح الأمة الكتابية كهى على إباحة نكاح المسلمة .ومما يختص منها بالدلالة على هذه المسألة قوله عز وجل :(والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم) .

مجوسی عورت کے ساتھ نکاح کی ممانعت کا بیان

وَلَا يَجُوزُ تَزْوِيجُ الْمَجُوسِيَّاتِ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ غَيْرَ نَاكِحِي نِسَائِهِمْ وَلَا آكِلِي ذَبَائِحِهِمْ)

ترجمہ

اور مجوسی عورت کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں ہے اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔" ان کے ساتھ اہل

کتاب کا سا طرزِ عمل رکھو۔ البتہ ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو اور انکا ذبیحہ نہ کھاؤ''۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مسلمان کا نکاح مجوسیہ بت پرست، آفتاب پرست، ستارہ پرست عورت سے نہیں ہوسکتا خواہ یہ عورتیں حرہ ہوں یا باندیاں، غرض کتابیہ کے سوا کسی کافرہ عورت سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ (فتح القدیر، ج ۳، ص ۱۳۶، بیروت)

شیخ نظام الدین فقہاء احناف سے عالم گیری میں لکھتے ہیں۔

مرتد و مرتدہ کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا، اگرچہ مرد و عورت دونوں ایک ہی مذہب کے ہوں۔ یہودیہ اور نصرانیہ سے مسلمان کا نکاح ہوسکتا ہے مگر چاہیے نہیں کہ اس میں بہت سے مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے۔ مگر یہ جواز اُسی وقت تک ہے جب کہ اپنے اُسی مذہب یہودیت یا نصرانیت پر ہوں اور اگر صرف نام کی یہودی نصرانی ہوں اور حقیقۃً نیچری اور دہریہ مذہب رکھتی ہوں، جیسے آجکل کے عموماً نصاریٰ کا کوئی مذہب ہی نہیں تو اُن سے نکاح نہیں ہوسکتا، نہ ان کا ذبیحہ جائز بلکہ ان کے یہاں تو ذبیحہ ہوتا بھی نہیں۔

کتابیہ سے نکاح کیا تو اُسے گرجا جانے اور گھر میں شراب بنانے سے روک سکتا ہے۔ کتابیہ سے دارالحرب میں نکاح کرکے دارالاسلام میں لایا، تو نکاح باقی رہے گا اور خود چلا آیا اسے وہیں چھوڑ دیا تو نکاح ٹوٹ گیا۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب النکاح، ج ۱، ص ۲۷۲)

بت پرست یا صابی عورت کے ساتھ نکاح کا حکم

قَالَ (وَلَا الْوَثَنِيَّاتِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ) (وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الصَّابِئَاتِ إنْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِدِينِ نَبِيٍّ وَيُقِرُّونَ بِكِتَابٍ) لِأَنَّهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ (وَإِنْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْكَوَاكِبَ وَلَا كِتَابَ لَهُمْ لَمْ تَجُزْ مُنَاكَحَتُهُمْ) لِأَنَّهُمْ مُشْرِكُونَ ، وَالْخِلَافُ الْمَنْقُولُ فِيهِ مَحْمُولٌ عَلَى اشْتِبَاهِ مَذْهَبِهِمْ ، فَكُلٌّ أَجَابَ عَلَى مَا وَقَعَ عِنْدَهُ ، وَعَلَى هَذَا حِلُّ ذَبِيحَتِهِمْ .

ترجمہ

فرمایا: اور بت پرست (عورتوں کے ساتھ بھی شادی کرنا جائز) نہیں ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اور تم مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جب تک وہ مومن نہ ہو جائیں''۔ صابیہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے' اگر وہ کسی نبی کے دین پر ایمان رکھتے ہوں اور کتاب کی تلاوت کرتے ہوں' کیونکہ اس صورت میں وہ اہل کتاب کا حصہ شمار ہوں گے لیکن اگر وہ ستاروں کی عبادت کرتے ہوں اور ان کی کوئی مذہبی کتاب نہ ہو' تو ان کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں ہوگا' کیونکہ وہ مشرک شمار ہوں گے۔ اس بارے میں جو اختلاف منقول ہے وہ اس صورت حال پر محمول ہوگا' جب ان کا مذہب مشتبہ ہو' تو ہر ایک نے اسی کے مطابق

جواب دیا۔ جس طرح کی صورت حال ان کے سامنے پیش آئی تھی اور اسی بنیاد پر ان کے ذبیحے کے حلال ہونے کا حکم ہوگا۔

شرح

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۔(البقرہ، ۲۲۱)

اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور بیشک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی اگر چہ وہ تمہیں بھاتی ہو اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بیشک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگر چہ وہ تمہیں بھاتا ہو وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اپنے حکم سے اور اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں۔

بت پرستوں و مشرکین سے نکاح کی ممانعت کا بیان

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ حضرت مرثد غنوی ایک بہادر شخص تھے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مکہ مکرمہ روانہ فرمایا تا کہ وہاں سے تدبیر کے ساتھ مسلمانوں کو نکال لائیں وہاں عناق نامی ایک مشرکہ عورت تھی جو زمانہ جاہلیت میں ان کے ساتھ محبت رکھتی تھی حسین اور مالدار تھی جب اس کو ان کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ آپ کے پاس آئی اور طالب وصال ہوئی آپ نے بخوف الٰہی اس سے اعراض کیا اور فرمایا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا تب اس نے نکاح کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ یہ بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت پر موقوف ہے اپنے کام سے فارغ ہو کر جب آپ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حال عرض کر کے نکاح کی بابت دریافت کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر احمدی)

بعض علماء نے فرمایا جو کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کرے وہ مشرک ہے خواہ اللہ کو واحد ہی کہتا ہو اور توحید کا مدعی ہو (خازن)

ایک روز حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کسی خطا پر اپنی باندی کے طمانچہ مارا پھر خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حال دریافت کیا عرض کیا کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور حضور کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ رمضان کے روزے رکھتی ہے خوب وضو کرتی ہے اور نماز پڑھتی ہے حضور نے فرمایا وہ مؤمنہ ہے آپ نے عرض کیا: تو اس کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا میں اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کروں گا اور آپ نے ایسا ہی کیا اس پر لوگوں نے طعنہ زنی کی کہ تم نے ایک سیاہ فام باندی کے ساتھ نکاح کیا باوجودیکہ فلاں مشرکہ حرہ عورت تمہارے لئے حاضر ہے وہ حسین بھی ہے

مالدار بھی ہے اس پر نازل ہوا۔ "وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ" یعنی مسلمان باندی مشرکہ سے بہتر ہے خواہ مشرکہ آزاد ہو اور حسن و مال کی وجہ سے اچھی معلوم ہوتی ہو۔ (خزائن العرفان، البقرہ، ۲۲۱)

مسلمان مرد کسی غیر مسلم عورت یعنی یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح کر سکتا ہے، اس کے علاوہ کسی اور دین سے تعلق رکھنے والی عورت سے مسلمان شادی نہیں کر سکتا اس کی دلیل اللہ تعالی کا مندرجہ ذیل فرمان ہے۔

ساری پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لیے حلال کر دی گئیں ہیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے، اور پاکدامن مسلمان عورتیں اور جو لوگ تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاکدامن عورتیں بھی حلال ہیں جب کہ تم ان کے مہر ادا کرو اس طرح کہ ان سے باقاعدہ نکاح کرو یہ نہیں کہ اعلانیہ زنا کرو یا پوشیدہ بدکاری کرو) (المائدۃ (5)

امام طبری رحمہ اللہ تعالی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: (اور تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے ان کی پاکدامن عورتیں) یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے عرب اور باقی سب لوگو جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی ہے اور وہ تورات اور انجیل پر عمل کرنے والے یہودی اور عیسائی ہیں ان کی آزاد اور پاکدامن عورتوں سے بھی نکاح کر سکتے ہو۔

(جب تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو) یعنی: جن مسلمان اور ان کتابی پاکدامن عورتوں سے تم نکاح کرو اور انہیں ان کے مہر ادا کر دو۔ (تفسیر الطبری (6 / 104)

اور مسلمان مرد کے لیے کسی مجوسی، کیمونسٹ، بت پرست، وغیرہ عورت سے شادی کرنا حلال نہیں کیونکہ اللہ تعالی نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیت ہے: اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (اور تم مشرکہ عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہیں لے آتیں، اور مومن لونڈی مشرکہ آزاد عورت سے بہتر ہے اگرچہ تمہیں اچھی ہی لگے) البقرۃ (221) ۔

مشرک عورت وہ ہے جو بت پرستی کرتی ہو چاہے وہ عرب میں سے ہو یا کسی اور قوم سے۔

اور مسلمان عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی غیر مسلم مرد سے شادی کرے، وہ نہ تو یہودی اور نہ ہی عیسائی اور نہ ہی کسی اور کافر سے شادی کر سکتی ہے، تو اس طرح مسلمان عورت کے حلال نہیں کہ وہ کسی یہودی، یا نصرانی یا مجوسی یا کیمونسٹ اور بت پرست وغیرہ سے نکاح کرے، اس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے: (اور مشرک مردوں کے نکاح میں اپنی عورتوں کو نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں، ایمان والا غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے، گو مشرک تمہیں اچھا ہی لگے، یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالی اپنے حکم سے جنت اور اپنی بخشش کی طرف بلاتا ہے، وہ اپنی آیات لوگوں کے لیے بیان فرما رہا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں) البقرۃ (221)

امام طبری رحمہ اللہ تعالی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: (اور تم مشرک مردوں کے نکاح میں اپنی عورتوں کو نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں، اور مومن غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے گو وہ تمہیں اچھا ہی لگے) ۔ یعنی اللہ تعالی نے یہاں پر یہ بیان کیا ہے

کہ: اللہ تعالی نے مومن عورتوں پر مشرک مردوں سے نکاح کرنا حرام کردیا ہے چاہے وہ کسی بھی قسم کا مشرک ہوتو اے مومنوں تم اپنی عورتوں کو ان کے نکاح میں نہ دو یہ تم پر حرام ہے، ان کا نکاح کسی مومن غلام سے کرنا جو اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالی کی شریعت پر ایمان رکھتا ہو تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم ان کا نکاح کسی آزاد مشرک مرد سے کرو چاہے وہ حسب ونسب اور شرف والا ہی کیوں نہ ہو اور تمہیں اس کا شرف اور قبیلہ اچھا لگے۔

قتادہ اور زہری رحمہما اللہ تعالی سے اس کے بارہ میں روایت ہے کہ: (اور تم اپنی عورتوں کو مشرکوں کے نکاح میں نہ دو) وہ کہتے ہیں: اپنے دین والے کے علاوہ کسی اور دین چاہے وہ یہودی ہو یا عیسائی اور اسی طرح مشرک سے اپنی عورتوں کا نکاح کرنا حلال نہیں۔ (تفسیر الطبری (2 / 379)

حالتِ احرام میں نکاح کرنے کا فقہی بیان

قَالَ ﴿وَيَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ أَنْ يَتَزَوَّجَا فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ، وَتَزْوِيجُ الْوَلِيِّ الْمُحْرِمِ وَلِيَّتَهُ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ. لَهُ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ﴾(۱) " وَلَنَا مَا رُوِيَ " ﴿أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ بِمَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ﴾(۲) " وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى الْوَطْءِ.

ترجمہ

فرمایا: اور حالت احرام والے مرد اور حالت احرام والی عورت کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ حالت احرام میں شادی کر لیں۔ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ جائز نہیں ہے۔ حالت احرام والا "ولی" اپنی "ولیہ" کی شادی کرسکتا ہے (یا نہیں کرسکتا) اور اس کی بنیاد بھی سابقہ اختلاف ہے امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "حالت احرام والا شخص نہ نکاح کرے اور نہ ہی کسی دوسرے کا نکاح کروائے"۔ ہماری دلیل وہ روایت ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ میمونہ W کے ساتھ شادی کی تھی تو آپ حالت احرام میں تھے۔ وہ روایت جسے امام شافعی علیہ الرحمہ نے نقل کیا ہے وہ وطی کرنے پر محمول ہوگی۔

(۱) اخرجه مسلم فی "صحيحه" ۲/۱۰۳۰-۱۰۳۱ برقم (۱۴۰۹) وابو داؤد في "سننه" برقم (۱۸۴۱) والترمذی برقم (۸۴۸) والنسائی (۲۶۶۰) وابن ماجه في "سننه" برقم (۱۹۶۶) (۲) البخاري في "صحيحه" ۴/۵۱ برقم (۱۸۳۷) و مسلم فی "صحيحه" ۲/۱۰۳۱ برقم (۱۴۱۰) وابو داؤد برقم (۱۸۴۴) والترمذی برقم (۸۵۱) والنسائي في "المجتبى" برقم (۱۸۲) وابن ماجه برقم (۱۹۶۵)

حالت احرام کے نکاح میں مذاہب اربعہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ محرم نکاح کرے

اسی طرح (ولایۃ یا وکالۃ) نکاح کرانا اور منگنی کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1228، مسلم)

حضرت امام شافعی اور اکثر علماء کے نزدیک خود اپنا نکاح کرنے یا کسی کا نکاح کرانے کی ممانعت مکروہ تحریمی کے طور پر ہے اور منگنی کرنے کی ممانعت مکروہ تنزیہی کے طور پر ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک حالت احرام میں نہ تو خود اپنا نکاح کرنا درست ہے اور نہ کسی کا نکاح کرانا جائز ہے۔

فقہاء مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک بھی حالت احرام میں کیا ہوا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ لہذا جس نے حالت احرام میں نکاح کیا وہ درست نہ ہوگا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں تینوں کی ممانعت صرف مکروہ تنزیہی کے طور پر ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کی حالت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے اپنا نکاح کیا تھا۔

(مذاہب اربعہ، ج ۴، ص ۳۴، اوقاف پنجاب)

حالت احرام کے نکاح میں فقہ حنفی کی برتری کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے اس حالت میں نکاح کیا کہ آپ (عمرۃ القضا کا) احرام باندھے ہوئے تھے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر ۱۹۲۹)

حضرت یزید بن اصم (تابعی) جو ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا) سے جب نکاح کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام کی حالت میں نہیں تھے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1230، مسلم)

حضرت امام محی السنہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء (یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے علاوہ) اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت احرام میں نہیں تھے۔ ہاں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کا اظہار عام اس وقت ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام کی حالت میں تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف مقام سرف ہی میں جو مکہ کے راستہ میں واقع ہے اس وقت گزاری جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام کھول چکے تھے۔

یہ حدیث جسے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت یزید نے روایت کیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے بالکل برخلاف ہے جو اس سے پہلے نقل کی گئی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت تو اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا تھا جب کہ حضرت یزید کی یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح اس وقت ہوا تھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت احرام میں نہیں تھے۔ اس طرح ان دونوں روایتوں میں تعارض ہو گیا ہے۔

حنفیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اول تو اس وجہ سے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے علم وفضل، قوت حافظہ، فقہی بصیرت اور اپنی شان مرتبت کے اعتبار سے حضرت یزید پر کہیں زیادہ برتری حاصل ہے، دوسرے یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بخاری ومسلم دونوں نے نقل کیا ہے جب کہ حضرت یزید کی روایت کو صرف مسلم نے نقل کیا ہے۔

اب رہی یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت (چار) میں احرام کی حالت میں نکاح کرنے کرانے کی ممانعت منقول ہے؟ تو اس کے بارے میں حنفی علماء لکھتے ہیں کہ اس ممانعت سے یہ مراد ہی نہیں ہے کہ نکاح کرنا کرانا قطعاً ناجائز یا حرام ہے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ محرم چونکہ ایک عبادت میں مشغول رہتا ہے اس لئے اس کی شان اور اس کے حال کے مناسب یہ نہیں ہے کہ وہ نکاح کرے یا کسی کا نکاح کرائے۔ چنانچہ اس حدیث کی تشریح میں بھی وضاحت کی گئی تھی کہ یہاں اس ممانعت کا مطلب مکروہ تنزیہی ہے۔

حضرت امام محی السنۃ کے یہ الفاظ وظهر امر تزويجها وهو محرم (حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کے نکاح کا اظہار عام اس وقت ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام کی حالت میں تھے۔

دراصل شوافع کی طرف سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ سے اس حالت میں نکاح کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام باندھے ہوئے تھے۔ کی تاویل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح تو اس وقت ہی کیا تھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت احرام میں نہیں تھے ہاں اس نکاح کا علم لوگوں کو اس وقت ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھ لیا تھا۔

امام محی السنۃ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی اس نکاح کا علم اس وقت ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت احرام میں تھے اس لئے وہ یہی سمجھے کہ نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالت احرام ہی میں کیا ہے حالانکہ شوافع کی طرف سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کی یہ تاویل تکلف سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت احرام میں نہیں تھے، اور جب ان کے ساتھ شب زفاف گزاری تب بھی حالت احرام میں نہیں تھے۔ نیز ان دونوں کے درمیان نکاح کا پیغام لے جانے والا میں تھا۔ (احمد، ترمذی) امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1242)

یہ حدیث بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے برخلاف ہے جس میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اس وقت کیا تھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت احرام میں تھے، اس موقع پر بھی یہ جان لیجئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے جب کہ اس روایت کو ان دونون

میں سے کسی نے بھی نقل نہیں کیا ہے، اس بنیاد پر یہ روایت چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی اس لئے ترجیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت کو حاصل ہوگی۔

جب نفی ایسی چیز کی جنس سے ہو قاعدہ فقہیہ

جب نفی ایسی چیز کی جنس سے ہو جسے اسکی دلیل سے پہچانا جائے یا ایسی چیز سے ہو جس کا حال مشتبہ ہو لیکن یہ معلوم ہو کہ راوی نے دلیل معرفت پر اعتماد کیا ہے تو نفی اثبات کی طرح ہوگی ورنہ نہیں۔ (الحسامی)

اس کا ثبوت یہ ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مُحرم اپنا نکاح کر سکتا ہے نہ کسی اور کا، نہ نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ص ۴۵۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حالت احرام میں نکاح نہ کیا جائے، تو یہاں ایسی نفی بیان ہوئی ہے جس کی دوسری دلیل سے حال مشتبہ ہے لہذا یہ نفی اثبات کی طرح ہوگی اور وہ دوسری روایت یہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حالت احرام میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ (صحیح مسلم ج ۱، ۴۵۳ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس روایت سے پہلی نفی والی روایت کا حال مشتبہ جبکہ ایک تیسری روایت میں ہے جو یزید بن اصم بیان کرتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا، حضرت میمونہ میری اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں۔ (صحیح مسلم ج ۱، کتاب النکاح، قدیمی کتب خانہ کراچی)

مسلمان یا اہل کتاب باندی سے نکاح کرنے کا بیان

﴿وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الْأَمَةِ مُسْلِمَةً كَانَتْ أَوْ كِتَابِيَّةً﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَجُوزُ لِلْحُرِّ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِأَمَةٍ كِتَابِيَّةٍ لِأَنَّ جَوَازَ نِكَاحِ الْإِمَاءِ ضَرُورِيٌّ عِنْدَهُ لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْرِيضِ الْجُزْءِ عَلَى الرِّقِّ، وَقَدْ انْدَفَعَتْ الضَّرُورَةُ بِالْمُسْلِمَةِ وَلِهَذَا جَعَلَ طَوْلَ الْحُرَّةِ مَانِعًا مِنْهُ. وَعِنْدَنَا الْجَوَازُ مُطْلَقٌ لِإِطْلَاقِ الْمُقْتَضَى، وَفِيهِ امْتِنَاعٌ عَنْ تَحْصِيلِ الْجُزْءِ الْحُرِّ لَا إرْقَاقُهُ وَلَهُ أَنْ لَا يُحَصِّلَ الْأَصْلَ فَيَكُونُ لَهُ أَنْ لَا يُحَصِّلَ الْوَصْفَ.

ترجمہ

کنیز کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ ہو۔ امام شافعی فرماتے ہیں: آزاد شخص کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کنیز یا کتابیہ عورت کے ساتھ شادی کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے: ان کے نزدیک کنیز کے ساتھ نکاح کرنا ضرورت کے وقت جائز ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں آزاد کو غلامی پر پیش کرنا لازم آتا ہے اور مسلم عورت کے ذریعے یہ ضرورت ختم ہو سکتی

ہے۔اس کی وجہ یہ بھی ہے: آزاد عورت کے ساتھ شادی کرنے کی استطاعت رکھنا اس کے لئے رکاوٹ ہوگا۔ہماری دلیل یہ ہے: جواز مطلق ہے' کیونکہ اس کا مقتضی مطلق ہے اور اس میں آزاد جزء کے حصول سے روکنا لازم آ رہا ہے' اسے غلام بنانا لازم نہیں آ رہا۔لہذا جب وہ اصل کو حاصل نہ کرے تو وہ وصف کو بھی حاصل کرنے والا نہ ہوگا۔

باندی کو آزاد کر کے نکاح کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے واسطے سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص ہیں جن کے لیے دوگنا اجر ہے۔ایک وہ جو اہل کتاب سے ہو اور اپنے نبی پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور (دوسرے) وہ غلام جو اپنے آقا اور اللہ (دونوں) کا حق ادا کرے اور (تیسرے) وہ آدمی جس کے پاس کوئی لونڈی ہو۔جس سے شب باشی کرتا ہے اور اسے تربیت دے تو اچھی تربیت دے، تعلیم دے تو عمدہ تعلیم دے، پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے، تو اس کے لیے دو گنا اجر ہے۔پھر عامر نے (صالح بن حیان سے) کہا کہ ہم نے یہ حدیث تمہیں بغیر اجرت کے سنادی ہے (ورنہ) اس سے کم حدیث کے لیے مدینہ تک کا سفر کیا جاتا تھا۔

حدیث سے باب کی مطابقت کے لیے لونڈی کا ذکر صریح موجود ہے اور بیوی کو اسی پر قیاس کیا گیا ہے۔اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں۔جنھوں نے اسلام قبول کیا۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعلیم کے ساتھ تادیب یعنی ادب سکھانا اور عمدہ تربیت دینا بھی ضروری ہے۔

باندی کے نکاح کے بعد آزاد سے نکاح کرنا

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔پہلے باندی سے نکاح کیا پھر آزاد سے تو دونوں نکاح ہو گئے اور اگر باندی سے بلا اجازت مالک نکاح کیا اور دخول نہ کیا تھا پھر آزاد عورت سے نکاح کیا، اب اس کے مالک نے اجازت دی تو نکاح صحیح نہ ہوا۔یونہی اگر غلام نے بغیر اجازت مولیٰ حرہ سے نکاح کیا اور دخول کیا پھر باندی سے نکاح کیا، اب مولیٰ نے دونوں نکاح کی اجازت دی تو باندی سے نکاح نہ ہوا۔آزاد عورت کو طلاق دے دی تو جب تک وہ عدت میں ہے، باندی سے نکاح نہیں کرسکتا اگرچہ تین طلاقیں دے دی ہوں۔

اگر حرہ نکاح میں نہ ہو تو باندی سے نکاح جائز ہے اگرچہ اتنی استطاعت ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرلے۔باندی نکاح میں تھی اسے طلاق رجعی دے کر آزاد سے نکاح کیا، پھر رجعت کرلی تو وہ باندی بدستور زوجہ ہوگئی۔اگر چار باندیوں اور پانچ آزاد عورتوں سے ایک عقد میں نکاح کیا تو باندیوں کا ہو گیا اور آزاد عورتوں کا نہ ہوا اور دونوں چار چار تھیں تو آزاد عورتوں کا ہوا، باندیوں کا نہ ہوا۔(درمختار، کتاب النکاح)

غلاموں سے متعلق احکام نکاح

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۔(النور ،۳۲)

اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا ان کو اپنے فضل سے خوشحال کر دے گا اور خدا (بہت) وسعت والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام بیان فرما دیئے ہیں اولا نکاح کا۔علماء کی جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہو اس پر نکاح کرنا واجب ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے نوجوانو ! تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہو، اسے نکاح کر لینا چاہئے۔نکاح نظر کو نیچی رکھنے والا شرمگاہ کو بچانے والا ہے اور جسے طاقت نہ ہو وہ لازمی طور پر روزے رکھے، یہی اس کے لیے خصی ہونا ہے (بخاری مسلم)

سنن میں ہے آپ فرماتے ہیں زیادہ اولاد جن سے ہونے کی امید ہو ان سے نکاح کرو تا کہ نسل بڑھے میں تمہارے ساتھ اور امتوں میں فخر کرنے والا ہوں۔ایک روایت میں ہے یہاں تک کہ کچے گرے ہوئے بچے کی گنتی کے ساتھ بھی۔ایامی جمع ہے ایم کی جوہری کہتے ہیں اہل لغت کے نزدیک بغیر بیوی کا مرد اور بغیر خاوند کی عورت کو "ایم " کہتے ہیں، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔پھر مزید رغبت دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر وہ مسکین بھی ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل و کرم سے مالدار بناوے گا۔خواہ وہ آزاد ہوں خواہ غلام ہوں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ہے تم نکاح کے بارے میں اللہ کا حکم مانو، وہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں امیری کو نکاح میں طلب کرو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، تین قسم کے لوگوں کی مدد کا اللہ کے ذمے حق ہے۔نکاح کرنے والا جو حرام کاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے۔وہ لکھت لکھ دینے والا غلام جس کا ارادہ ادائیگی کا ہو، وہ غازی جو اللہ کی راہ میں نکلا ہو۔(ترمذی وغیر)

اسی کی تائید میں وہ روایت ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا نکاح ایک عورت سے کرا دیا، جس کے پاس سوائے تہبند کے اور کچھ نہ تھا یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی اس کے پاس سے نہیں نکلی تھی اس فقیری اور مفلسی کے باوجود آپ نے اس کا نکاح کر دیا اور مہر یہ ٹھہرایا کہ جو قرآن اسے یاد ہے، اپنی بیوی کو یاد کرا دے۔یہ اسی بنا پر کہ نظریں اللہ کے فضل و کرم پر تھیں کہ وہ مالک انہیں وسعت دے گا اور اتنی روزی پہنچائے گا کہ اسے اور اس کی بیوی کو کفالت ہو۔ایک حدیث اکثر لوگ وارد کیا کرتے ہیں کہ فقیری میں بھی نکاح کیا کرو اللہ تمہیں غنی کر دے گا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔میری نگاہ سے تو یہ حدیث نہیں گزری۔نہ کسی قوی سند سے نہ ضعیف سند سے۔اور نہ ہمیں ایسی لا پتہ روایت کے اس مضمون میں کوئی ضرورت ہے کیونکہ قرآن کی اس آیت اور ان احادیث میں یہ چیز موجود ہے۔

پھر حکم دیا کہ جنہیں نکاح کا مقدور نہیں وہ حرام کاری سے بچیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے جوان لوگو ! تم میں سے جو نکاح کی وسعت رکھتے ہوں، وہ نکاح کر لیں یہ نگاہ نیچی کرنے والا، شرمگاہ کو بچانے والا ہے اور جسے اس کی طاقت نہ ہو وہ

اپنے ذمے روزوں کا رکھنا ضروری کرلے یہی اس کے لئے خصی ہونا ہے۔ یہ آیت مطلق ہے اور سورہ نساء کی آیت اس سے خاص ہے یعنی یہ فرمان آیت (ومن یستطع منکم طولا) پس لونڈیوں سے نکاح کرنے سے صبر کرنا بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں اولاد پر غلامی کا حرف آتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، النور ۳۲)

بیوی و باندی کے ستر چھپانے کا بیان

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد حضرت حکیم سے اور وہ بہز کے دادا (حضرت معاویہ ابن حیدہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا ستر چھپائے رکھو علاوہ اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے (کہ ان کے سامنے اپنا ستر چھپانا ضروری نہیں ہے) حضرت معاویہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتایئے کہ آدمی جب خلوت تنہائی میں ہو تو کیا وہاں بھی اپنا ستر چھپائے رکھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لائق تر ہے کہ اس سے شرم کی جائے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 336)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ خلوت میں اگرچہ کوئی موجود نہیں ہوتا لیکن اسوقت بھی اپنا ستر کھولنا مناسب نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ تو بہرصورت دیکھتا ہے جو انسانوں سے زیادہ اس بات کا لائق ہے کہ اس سے شرم وحیا کی جائے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ خلوت میں بھی ستر کو چھپائے رکھنا واجب ہے ہاں کسی ضرورت کی بناء پر کھولنا جائز ہے۔

حدیث میں ستر کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں بیوی اور لونڈی کا جو استثناء کیا گیا ہے کہ اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے سامنے اپنا ستر چھپانا ضروری نہیں ہے تو اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ملک اور نکاح جانبین یعنی مرد وعورت کے لئے ایک دوسرے کے ستر کی طرف دیکھنے کو مباح کردیتے ہیں۔

آزاد بیوی کے ہوتے ہوئے کنیز سے نکاح کا حکم

﴿وَلَا يَتَزَوَّجُ اَمَةً عَلٰى حُرَّةٍ﴾ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿لَا تُنْكَحُ الْاَمَةُ عَلَى الْحُرَّةِ﴾ (۱) " وَهُوَ بِاِطْلَاقِهٖ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِيْ تَجْوِيْزِهٖ ذٰلِكَ لِلْعَبْدِ، وَعَلٰى مَالِكٍ فِيْ تَجْوِيْزِهٖ ذٰلِكَ بِرِضَا الْحُرَّةِ، وَلِاَنَّ لِلرِّقِّ اَثَرًا فِيْ تَنْصِيْفِ النِّعْمَةِ عَلٰى مَا نُقَرِّرُهٗ فِيْ كِتَابِ الطَّلَاقِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَيَثْبُتُ بِهٖ حِلُّ الْمَحَلِّيَّةِ فِيْ حَالَةِ الْاِنْفِرَادِ دُوْنَ حَالَةِ الْاِنْضِمَامِ (۱) اخرجہ الدار قطنی فی "سننہ" ص ۳۴۱ فی الطلاق

ترجمہ

مرد آزاد بیوی کی موجودگی میں کنیز کے ساتھ شادی نہیں کرے گا' اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "آزاد

بیوی کی موجودگی میں کنیز کے ساتھ شادی نہ کی جائے"۔ یہ فرمان اپنے اطلاق کے اعتبار سے امام شافعی کے خلاف حجت ہے' کیونکہ وہ غلام کے لئے اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور یہ امام مالک کیخلاف بھی حجت ہے' کیونکہ وہ آزاد بیوی کی رضامندی کے ساتھ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے: اس کی ایک وجہ یہ ہے: غلامی نعمت کو نصف کرنے میں اثر انداز ہوتی ہے' جیسا کہ ہم ''کتاب الطلاق'' میں اس بارے میں بحث کریں گے' تو اس کی وجہ سے انفرادی حالت میں محل کی حلت ثابت ہو جائے گی نہ کہ انضمام کی حالت میں ہوگی۔

غلامی خون کی عصمت میں موثر نہیں جبکہ اسکی قیمت میں موثر ہوتی ہے۔ (الحسامی)

فقہائے احناف کے نزدیک یہی قاعدہ ہے کہ اگر کسی شخص نے غلام کو قتل کر دیا تو غلام کے قصاص میں اس آزاد کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ خون کی عصمت میں ایسی مساوات ہیں جس میں غلامیت کا کوئی اثر نہیں لہذا جس طرح آزاد شخص کے قصاص ہے اسی طرح غلام کے خون پر بھی قصاص ہوگا جبکہ غلامی کا اثر دیت میں ضرور ہوتا ہے کہ غلام کی دیت دس دراہم ہوگی۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔

ترجمہ: اور قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔ (البقرہ، ۱۷۹)

اس آیت میں عمومی حکم بیان کیا گیا ہے جس میں ہر آزاد و غلام ہر مرد و عورت سب داخل ہیں۔ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ جب کوئی آزاد کسی غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۹ ص ۳۰۷، ادارۃ القرآن کراچی)

غلامیت کی اثر آفرینی:

غلامی ایک ایسی اثر آفریں حالت ہے جس کی وجہ سے انسانی حقوق میں قدرے تبدل و تغیر ہوتا ہے۔

جہاد، فریضہ حج، مال غنیمت سے عطیہ وغیرہ وہ تمام احوال ہیں کہ جہاں غلام کے حقوق اور آزاد کے حقوق کے درمیان واضح فرق نظر آتا ہے بلکہ شادی بیاہ کے جو فطری تقاضے ہیں وہاں بھی حالت غلامیت میں بہت سے حقوق جو آزاد لوگوں سے مختلف ہیں غلاموں کے اس قدر احوال کی وجہ سے اسلام نے انہیں آج پوری دنیا میں آزادی دلائی ہے کہ وہ بھی دوسرے آزاد انسانوں کی طرح اپنی زندگی بسر کریں۔

قاعدہ نمبر 146

و انقطعت الولايات كلها بالرق ، (الحسامی)

غلامیت کی وجہ سے تمام ولایات ختم ہو جاتی ہیں۔

شرعی حکم کے مطابق غلام اپنے تمام تصرفات سے عاجز ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر حکم میں اپنے مالک کے حکم کے تابع ہوتا ہے اور جب اسے اپنے اوپر ولایت حاصل نہیں ہے تو دوسروں پر بھی ولایت حاصل نہ ہوگی، اس لئے کہ آدمی کی ولایت سب سے پہلے خود اس کی

ذات پر ثابت ہوتی ہے پھر دوسروں کیلئے ثابت ہوتی ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارادہ فرمایا کہ ایک باندی کو خرید کو آزاد کردوں، جبکہ باندی کے مالکوں نے کہا کہ ہم باندی کو اس شرط پر فروخت کریں گے کہ اسکی ولاء ہمارے لئے ہوگی، (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے اس کا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا۔آپ نے فرمایا: تم اس کو خریدنے سے مت رکو، ولاء صرف آزاد کرنے والے کا حق ہے۔(مسلم ج ۱ص ۴۹۳،قدیمی کتب خانہ کراچی)

آزاد و باندی کو نکاح میں جمع کرنے کی کراہت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر سے سوال ہوا کہ ایک شخص کے نکاح میں آزاد عورت موجود ہو پھر وہ لونڈی سے نکاح کرنا چاہے جواب دیا ان دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے۔(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1004)

حضرت سعید بن مسیب کہتے تھے کہ آزاد عورت کے ہوتے ہوئے لونڈی سے نکاح نہ کیا جائے گا مگر جب آزاد عورت راضی ہوجائے دو دن خاوند اس کے پاس رہے گا اور ایک دن لونڈی کے پاس۔

حضرت مالک نے فرمایا: آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہو تو لونڈی سے نکاح نہ کرے اور اگر آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو تو بھی لونڈی سے نکاح نہ کرے مگر اس حال میں کہ زنا کا خوف ہو کیونکہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے قدرت نہ رکھے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرلے اور یہ اس شخص کے واسطے ہے جو تم میں سے زنا کا خوف کرے۔(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1005)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

آزاد عورت نکاح میں ہے اور باندی سے نکاح کیا صحیح نہ ہوا۔یونہی ایک عقد میں دونوں سے نکاح کیا، حرہ کا صحیح ہوا، باندی سے نہ ہوا۔

ایک عقد میں آزاد عورت اور باندی سے نکاح کیا اور کسی وجہ سے آزاد عورت کا نکاح صحیح نہ ہوا تو باندی سے نکاح ہو جائے گا۔ پہلے باندی سے نکاح کیا پھر آزاد سے تو دونوں نکاح ہو گئے اور اگر باندی سے بلا اجازت مالک نکاح کیا اور دخول نہ کیا تھا پھر آزاد عورت سے نکاح کیا، اب اس کے مالک نے اجازت دی تو نکاح صحیح نہ ہوا۔یونہی اگر غلام نے بغیر اجازت مولیٰ حرہ سے نکاح کیا اور دخول کیا پھر باندی سے نکاح کیا، اب مولیٰ نے دونوں نکاح کی اجازت دی تو باندی سے نکاح نہ ہوا۔ آزاد عورت کو طلاق دے دی تو جب تک وہ عدت میں ہے، باندی سے نکاح نہیں کرسکتا اگرچہ تین طلاقیں دے دی ہوں۔ اگر حرہ نکاح میں نہ ہو تو باندی سے نکاح جائز ہے اگرچہ اتنی استطاعت ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرلے۔

اور اگر باندی نکاح میں تھی اسے طلاق رجعی دے کر آزاد سے نکاح کیا، پھر رجعت کرلی تو وہ باندی بدستور زوجہ ہوگئی۔اگر چار باندیوں اور پانچ آزاد عورتوں سے ایک عقد میں نکاح کیا تو باندیوں کا ہوگیا اور آزاد عورتوں کا نہ ہوا اور دونوں چار چار تھیں تو آزاد

عورتوں کا ہوا، باندیوں کا نہ ہوا۔ (درمختار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۱۳۵)

آزاد و باندی کو جمع کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان

امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے۔ اگر شوہر آزاد مرد ہے' تو وہ ایسا نہیں کر سکتا' لیکن اگر وہ کسی کا غلام ہے' تو وہ آزاد عورت' بیوی ہونے کی موجودگی میں' کسی کنیز کے ساتھ بھی شادی کر سکتا ہے۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے۔ آزاد مرد کے مسئلے میں' آزاد بیوی کی موجودگی میں' کسی کنیز کے ساتھ نکاح کرنے کی ممانعت شوہر کی وجہ سے ہے' یعنی اگر شوہر آزاد ہوگا' تو کنیز کے ساتھ نکاح کرنے کی صورت میں' وہ شخص اپنی اولاد کو غلام بنانے والا ہوگا' تو یہ درست نہیں ہے۔

لیکن جب شوہر خود ہی غلام ہوگا' تو اب اس صورت میں یہ چیز خرابی شمار نہیں ہوگی اس لئے اگر کسی غلام کی آزاد بیوی موجود ہو' تو وہ کنیز کے ساتھ شادی کر سکتا ہے۔

امام مالک اس بات کے قائل ہیں۔ اگر آزاد عورت بیوی اس بات کی اجازت دے دیتی ہے' تو یہ نکاح درست تسلیم کیا جائے گا۔ خواہ شوہر آزاد شخص ہو یا کسی کا غلام ہو' ان کا یہ کہنا ہے: آزاد عورت بیوی کی موجودگی میں کنیز کے ساتھ شادی کی ممانعت کی وجہ صرف آزاد بیوی کا حق ہے' تو جب وہ خود اپنا حق ساقط کرنے کے لئے تیار ہے' تو پھر اس کی ممانعت کی وجہ باقی نہیں رہے گی۔

احناف نے یہ بات بیان کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مطلق طور پر ارشاد فرمایا ہے: "آزاد عورت کی موجودگی میں کنیز کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے"۔

اس میں واضح طور پر اس بات کی ممانعت کی گئی ہے کہ پہلے سے آزاد عورت بیوی موجود ہو' تو کنیز کے ساتھ نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ اس حدیث میں شوہر کے غلام ہونے' یا آزاد ہونے' یا آزاد عورت بیوی کی رضامندی' یا عدم رضامندی کے حوالے سے کوئی شرط بیان نہیں کی گئی ہے۔

اس کے بعد مصنف نے اس کی دوسری وجہ میں یہ بیان کی ہے: غلام ہونے کے نتیجے میں نعمت نصف ہو جاتی ہے۔ جیسے آزاد مرد بیک وقت چار خواتین کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے' لیکن غلام کے لئے یہ نعمت نصف ہو جاتی ہے اور وہ صرف دو نکاح کر سکتا ہے تو نعمت میں اس حوالے سے ظاہر ہوگی کہ صرف انفرادی حالت میں' یعنی جب کوئی شخص پہلی شادی کرنے لگا ہے' تو وہ کنیز کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے' لیکن انضمام کی صورت میں' یعنی پہلے سے آزاد عورت بیوی موجود تھی' اور اس کے ساتھ دوسری بیوی شامل کرنے کی صورت میں' اس کے لئے کنیز کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں ہوگا۔

ایسا کنیز کے حق میں نصف کمی کی وجہ سے ہے' اس کے برخلاف آزاد عورت' کے ساتھ انفرادی حالت میں شادی کی جا

سکتی ہے اور انضمام کی حالت میں بھی شادی کی جاسکتی ہے۔

کنیز بیوی کی موجودگی میں آزاد عورت سے نکاح کا حکم

﴿وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الْحُرَّةِ عَلَيْهَا﴾ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿وَتُنْكَحُ الْحُرَّةُ عَلَى الْأَمَةِ﴾(۱) " وَلِأَنَّهَا مِنَ الْمُحَلَّلَاتِ فِي جَمِيعِ الْحَالَاتِ إِذْ لَا مُنَصِّفَ فِي حَقِّهَا .

ترجمہ

اور باندی کی موجودگی میں آزاد عورت کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔ ''کنیز (بیوی) کی موجودگی میں آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا جاسکتا ہے''۔اس کی وجہ یہ بھی ہے: وہ ہر طرح کی حالت میں حلال ہے اور اس کے حق کو نصف کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

(۱) اخرجه الدار قطني في "سننه" ٤١٠ عن عائشة رضي الله عنها بسند ضعيف' وعند الطبري عن الحسن مرسلا: "ان النبي ﷺ قال: "وينكح الحرة على الامة" موقوفا على جابر بسند صحيح انظر "نصب الراية" ٣/١٧٦ و "الدراية" ٢/٥٧

آزاد عورت سے نکاح کرنے کی اہمیت

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات کا خواہشمند ہو کہ وہ زنا کی نجاست سے پاکی کی حالت میں اور پاکیزہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔

(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 316)

اس کی وجہ عام طور پر آزاد عورتیں لونڈیوں کی بہ نسبت زیادہ پاک و پاکیزہ ہوتی ہیں اسلئے ان کی پاکیزگی مخالطت و مباشرت کے ذریعہ ان کی شوہروں میں سرایت کرتی ہے پھر یہ کہ آزاد عورتیں اپنی اولاد کو جو ادب وسلیقہ اور تہذیب سکھا سکتی ہیں وہ لونڈیوں کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ جب وہ خود بھی کمتر و پست حیثیت ہوتی ہیں تو اپنی اولاد کو ادب و تہذیب اور اخلاق سے کیسے مزین کر سکتی ہیں۔

نکاح کے بعد باندی کے پردے کا حکم

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کا نکاح اپنی لونڈی سے کردے تو پھر اس لونڈی کی شرمگاہ کو نہ دیکھو کیونکہ نکاح کے بعد وہ اپنے آقا کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تو وہ اس لونڈی کے جسم کے اس حصہ کو نہ دیکھے جو ناف کے نیچے سے زانو کے اوپر تک ہے(ابوداود، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر ۳۳۲)

جب اپنے غلام کے ساتھ نکاح کردینے کی صورت میں یہ حکم ہے تو پھر کسی دوسرے کے غلام کے ساتھ اپنی لونڈی کا نکاح کر

دینے کی صورت میں یہ حکم بطریق اولی ہوگا کہ اس لونڈی کو اپنے لئے بالکل حرام سمجھا جائے۔ لہذا اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جب اس لونڈی کو بیاہ دیا جائے تو پھر اس کے جسم کی اس حد کو دیکھنا حرام ہوگا جو ناف اور زانوں کے درمیان ہوتا ہے۔

اس بارے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ بیاہ ہو جانے کے بعد لونڈی اپنے آقا کے حق میں کسی غیر کی لونڈی کی مانند ہو جاتی ہے اور غیر کی لونڈی کے جسم کے مستور حصہ کی تفصیل اور اس کا حکم پیچھے حضرت ابوسعد کی روایت کی تشریح میں گزر چکا ہے لیکن حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ بیاہ ہو جانے کے بعد لونڈی کا سر عین اسکے جسم کا مستور حصہ) مرد کے ستر کی مانند ہے دونوں کے دلائل فقہ کی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔

مصنف نے اس کی دوسری دلیل بیان کی ہے: آزاد عورت ہر حالت میں حلال ہوتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے: اس کے حق کو نصف کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

آزاد بیوی کی عدت کے دوران کنیز سے نکاح کا حکم

﴿فَإِنْ تَزَوَّجَ أَمَةً عَلَى حُرَّةٍ فِي عِدَّةٍ مِنْ طَلَاقٍ بَائِنٍ أَوْ ثَلَاثٍ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَيَجُوزُ عِنْدَهُمَا﴾ لِأَنَّ هَذَا لَيْسَ بِتَزَوُّجٍ عَلَيْهَا وَهُوَ الْمُحَرَّمُ، وَلِهَذَا لَوْ حَلَفَ لَا يَتَزَوَّجُ عَلَيْهَا لَمْ يَحْنَثْ بِهَذَا. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ نِكَاحَ الْحُرَّةِ بَاقٍ مِنْ وَجْهٍ لِبَقَاءِ بَعْضِ الْأَحْكَامِ فَيَبْقَى الْمَنْعُ احْتِيَاطًا، بِخِلَافِ الْيَمِينِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ أَنْ لَا يُدْخِلَ غَيْرَهَا فِي قَسْمِهَا .

ترجمہ

اگر کوئی شخص آزاد بیوی کی موجودگی میں' کنیز کے ساتھ شادی کر لیتا ہے' جو آزاد بیوی طلاق کی وجہ سے یا طلاق بائنہ کی وجہ سے عدت بسر کر رہی ہو' تو یہ نکاح امام ابوحنیفہ کے نزدیک درست نہیں ہوگا' جبکہ صاحبین کے نزدیک درست ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ اس عورت پر نکاح کرنا نہیں ہوگا اور یہی بات حرمت کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے: اگر وہ شخص یہ قسم اٹھالے کہ اس عورت پر سوکن نہیں لائے گا تو وہ اس کے ذریعے حانث نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: آزاد عورت کے ساتھ نکاح' عدت میں ایک اعتبار سے باقی ہے' کیونکہ اس کے بعض احکام باقی ہیں' تو ممانعت کا حکم احتیاط کے پیش نظر باقی رہے گا' جبکہ قسم کا حکم اس کے برخلاف ہے' کیونکہ وہاں اصل مقصد یہ ہے: دوسری عورت اس کی تقسیم (یا باری) میں داخل نہیں ہوگی۔

خاوند کے گھر عدت گزارنے میں مذاہب اربعہ

اکثر علماء کرام جن میں آئمہ اربعہ بھی شامل ہیں کا یہی قول ہے ان کی دلیل میں مندرجہ ذیل حدیث شامل ہے : فریعہ بنت مالک رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ان سے سوال کیا کہ اس کا خاوند اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کو تلاش کرنے نکلا اور جب وہ ان کے قریب جا پہنچا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا تو کیا وہ اپنے خاندان بنو خدرہ میں واپس چلی جائے کیونکہ میرے خاوند نے مجھے اپنی ملکیت والے گھر میں نہیں چھوڑا؟ وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا جی ہاں آپ جا سکتی ہیں، تو میں واپس پلٹی اور ابھی کمرہ یا مسجد میں ہی تھی تو انہوں نے مجھے بلایا، یا پھر مجھے حکم دیا، میں وہی قصہ دوبارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دھرایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ تم اپنے گھر میں ہی رہو حتی کہ تمہاری عدت ختم ہو جائے۔

ان کا کہنا ہے کہ میں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری، اور جب عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کا وقت آیا تو انہوں نے مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا اور میں نے انہیں بتایا تو انہوں نے بھی اسی کی پیروی کرتے ہوئے فیصلہ کیا۔ سنن ابوداود، سنن نسائی، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، امام ترمذی، ابن حبان، حاکم، اور ابن نعیم رحمہم اللہ تعالی وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ ابن قیم کا کہنا ہے کہ : اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو سنت صحیحہ کو رد کرنے کا باعث ہو جسے عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ اور اکابر صحابہ کرام نے قبول کیا۔ (زاد المعاد (ج 5 ص 691)

احناف، حنابلہ، مالکیہ کے جمہور علماء کے ہاں اس حالت میں اس کے لیے وہاں سے اپنی مرضی کی رہائش میں منتقل ہونا جائز ہے، اور اس کے لیے لازم نہیں کہ وہ قریبی رہائش اختیار کرے بلکہ وہ جہاں چاہے رہ سکتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس دوسری رہائش میں بھی وہ ان احکام کی پابندی کرے گی جو پہلی رہائش میں کرتی تھی۔ اور جو عورت اپنے خاوند کی فوتگی کے وقت والے گھر میں رہتے ہوئے اپنے معاملات کو چلا سکتی ہو اسے وہاں سے منتقل ہونا صحیح نہیں کیونکہ اس کا کوئی عذر نہیں ہے، مثلا وہ وراثت یا املاک کے بارہ میں کسی معتبر شخص کو وکیل بنا سکتی ہے۔

اس بنا پر اگر آپ کی والدہ جس گھر میں اپنے خاوند کی فوتگی کے وقت رہ رہی تھی وہاں پر عدت گزار سکتی ہے اور اس کے لیے ممکن ہے تو وہ اسی گھر میں عدت گزارے۔

آزاد آدمی کیلئے چار بیویوں سے نکاح کرنے کا بیان

﴿وَلِلْحُرِّ اَنْ یَّتَزَوَّجَ اَرْبَعًا مِّنَ الْحَرَائِرِ وَالْاِمَاءِ، وَلَیْسَ لَہٗ اَنْ یَّتَزَوَّجَ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ﴾

لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی ﴿فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ (۱)

وَالتَّنْصِيصُ عَلَى الْعَدَدِ يَمْنَعُ الزِّيَادَةَ عَلَيْهِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَتَزَوَّجُ إِلَّا أَمَةً وَاحِدَةً لِأَنَّهُ ضَرُورِيٌّ عِنْدَهُ: وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا تَلَوْنَا إِذِ الْأَمَةُ الْمَنْكُوحَةُ يَنْتَظِمُهَا اسْمُ النِّسَاءِ كَمَا فِي الظِّهَارِ .(١) الآية رقم ٣ من سورة النساء ـ

ترجمہ

آزاد شخص کو یہ حق حاصل ہے: وہ چار آزاد عورتوں یا کنیزوں کے ساتھ شادی کر سکتا ہے اسے (بیک وقت) اس سے زیادہ شادیاں کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "تمہیں جو پسند ہو دو یا تین یا چار خواتین کے ساتھ شادی کرلو"۔ متعین عدد کے ساتھ نص ہونا اس پر زیادتی کو منع کر دیتا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: ایسا شخص صرف ایک کنیز کے ساتھ شادی کر سکتا ہے' کیونکہ ان کے نزدیک یہی ضروری ہے اور ان کے خلاف دلیل وہ آیت ہے' جو ہم تلاوت کر چکے ہیں' کیونکہ منکوحہ کنیز بھی لفظ "النساء" میں شامل ہوگی جیسا کہ "ظہار" میں بھی ہے۔

تعدد ازواج کے فقہی مسائل کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک یتیم لڑکی تھی جس کے پاس مال بھی تھا اور باغ بھی جس کی پرورش میں وہ تھی اس نے صرف اس مال کے لالچ میں بغیر اس کا پورا مہر وغیرہ مقرر کرنے کے اس سے نکاح کر لیا جس پر یہ آیت اتری میرا خیال ہے کہ اس باغ اور مال میں یہ لڑکی حصہ دار تھی، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن شہاب نے حضرت عائشہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا بھانجے، یہ ذکر اس یتیم لڑکی کا ہے جو اپنے ولی کے قبضہ میں ہے اس کے مال میں شریک ہے اور اسے اس کا مال و جمال اچھا لگتا ہے چاہتا ہے کہ اس سے نکاح کر لے لیکن جو مہر وغیرہ اور جگہ سے اسے ملتا ہے اتنا یہ نہیں دیتا تو اسے منع کیا جا رہا ہے کہ وہ اس اپنی نیت چھوڑ دے اور کسی دوسری عورت سے جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے،

پھر اس کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی بابت دریافت کیا اور آیت (ویستفتونك فی النساء) الخ، نازل ہوئی وہاں فرمایا گیا ہے کہ جب یتیم لڑکی کم مال والی اور کم جمال والی ہوتی ہے اس وقت تو اس کے والی اس سے بے رغبتی کرتے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ مال و جمال پر مائل ہو کر اس کے پورے حقوق ادا نہ کر کے اس سے اپنا نکاح کر لیں، ہاں عدل و انصاف سے پورا مہر وغیرہ مقرر کریں تو کوئی حرج نہیں، ورنہ پھر عورتوں کی کمی نہیں اور کسی سے جس سے چاہیں اظہار نکاح کر لیں دو دو عورتیں اپنے نکاح میں رکھیں اگر چاہیں تین تین رکھیں اگر چاہیں چار چار، جیسے اور جگہ یہ الفاظ ان ہی معنوں میں ہیں، فرماتا ہے آیت (جاعل الملائکته رسلا اولی اجنحته مثنی و ثلث ورباع) یعنی جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ اپنا قاصد بنا کر بھیجتا ہے ان میں سے بعض دو دو پروں والے ہیں بعض تین تین پروں والے بعض چار پروں والے فرشتوں میں اس سے زیادہ پر والے فرشتے بھی ہیں کیونکہ دلیل سے یہ ثابت شدہ ہے، لیکن مرد کو ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کا جمع کرنا منع ہے جیسے کہ اس آیت میں

موجود ہے اور جیسے کہ حضرت ابن عباس اور جمہور کا قول ہے، یہاں اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور انعام بیان فرمارہا ہے پس اگر چار سے زیادہ کی اجازت دینی منظور ہوتی تو ضرور فرمادیا جاتا،

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث جو قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے اس نے بتلادیا ہے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے لئے چار سے زیادہ بیویوں کا بیک وقت جمع کرنا جائز نہیں اسی پر علماء کرام کا اجماع ہے، البتہ بعض شیعہ کا قول ہے کہ نو تک جمع کرنی جائز ہیں،

بلکہ بعض شیعہ نے تو کہا ہے کہ نو سے بھی زیادہ جمع کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں کوئی تعداد مقرر ہے ہی نہیں، ان کا استدلال ایک تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آچکا ہے کہ آپ کی نو بیویاں تھیں اور بخاری شریف کی معلق حدیث کے بعض راویوں نے گیارہ کہا ہے، حضرت انس سے مروی ہے کہ آپ نے پندرہ بیویوں سے عقد کیا تیرہ کی رخصتی ہوئی ایک وقت میں گیارہ بیویاں آپ کے پاس تھیں۔ انتقال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا اجمعین، ہمارے علماء کرام اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی خصوصیت تھی امتی کو ایک وقت میں چار سے زیادہ پاس رکھنے کی اجازت نہیں، جیسے کہ یہ حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں،

حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسلمان ہوتے ہیں تو ان کے پاس ان کی دس بیویاں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ان میں سے جنہیں چاہو چار رکھ لو باقی کو چھوڑ دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا پھر حضرت عمر کی خلافت کے زمانے میں اپنی ان بیویوں کو بھی طلاق دے دی اور اپنے لڑکوں کو اپنا مال بانٹ دیا،

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا شاید تیرے شیطان نے بات اچک لی اور تیرے دل میں خیال جمادیا کہ تو عنقریب مرنے والا ہے اس لئے اپنی بیویوں کو تو نے الگ کر دیا کہ وہ تیرا مال نہ پائیں اور اپنا مال اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی بیویوں سے رجوع کر لے اور اپنے اولاد سے مال واپس لے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے بعد تیری ان مطلقہ بیویوں کو بھی تیرا وارث بناؤں گا کیونکہ تو نے انہیں اسی ڈر سے طلاق دی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تیری زندگی بھی اب ختم ہونے والی ہے اور اگر تو نے میری بات نہ مانی تو یاد رکھ میں حکم دوں گا کہ لوگ تیری قبر پر پتھر پھینکیں جیسے کہ ابورغال کی قبر پر پتھر پھینکے جاتے ہیں (مسند احمد شافعی ترمذی ابن ماجہ دار قطنی بیہقی وغیرہ)

مرفوع حدیث تک تو ان سب کتابوں میں ہے ہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا واقعہ صرف مسند احمد میں ہی ہے لیکن یہ زیادتی حسن ہے، اگر چہ امام بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس کی اسناد کا دوسرا طریقہ بتا کر اس طریقہ کو غیر محفوظ کہا ہے مگر اس تعلیل میں بھی اختلاف ہے واللہ اعلم اور بزرگ محدثین نے بھی اس پر کلام کیا ہے لیکن مسند احمد والی حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شرط شیخین پر ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ یہ دس عورتیں بھی اپنے خاوند کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں ملاحظہ ہو (سنن نسائی)، اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر چار سے زیادہ کا ایک وقت میں نکاح میں رکھنا جائز ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ نہ

فرماتے کہ اپنی ان دس بیویوں میں سے چار کو جنہیں تم چاہو روک لو باقی کو چھوڑ دو کیونکہ یہ سب بھی اسلام لا چکی تھیں، یہاں یہ بات بھی خیال میں رکھنی چاہئے کہ ثقفی کے ہاں تو یہ دس عورتیں بھی موجود تھیں اس پر بھی آپ نے چار کے سوا باقی چھڑوا دیں پھر بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص نئے سرے سے چار سے زیادہ جمع کرے؟

چار سے زائد نہیں، وہ بھی بشرط انصاف ورنہ ایک ہی بیوی

"دوسری حدیث" ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ میں ہے حضرت امیرہ اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے جس وقت اسلام قبول کیا میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا آپ نے فرمایا ان میں سے جن چار کو چاہو رکھ لو، اس کی سند حسن ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں راویوں کے ناموں کا یہ پھیر وغیرہ ایسی روایات میں نقصان دہ نہیں ہوتا "تیسری حدیث" مسند شافعی میں ہے حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب اسلام قبول کیا اس وقت میری پانچ بیویاں تھیں مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے پسند کر کے چار رکھ لو اور ایک کو الگ کر دو میں نے جو سب سے زیادہ عمر کی بڑھیا اور بے اولاد بیوی ساٹھ سال کی تھیں انہیں طلاق دے دی، پس یہ حدیثیں حضرت غیلان والی پہلی حدیث کی شواہد ہیں جیسے کہ حضرت امام بیہقی نے فرمایا۔ پھر فرماتا ہے ہاں اگر ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل وانصاف نہ ہو سکنے کا خوف ہو تو صرف ایک ہی پر اکتفا کرو اور اپنی کنیزوں سے استمتاع کرو جیسے اور جگہ ہے آیت (ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم) یعنی گو تم چاہو لیکن تم سے نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کے درمیان پوری طرح عدل وانصاف کو قائم رکھ سکو پس بالکل ایک ہی طرف جھک کر دوسری کو مصیبت میں نہ ڈال دو، ہاں یاد رہے کہ لونڈیاں میں باری وغیرہ کی تقسیم واجب نہیں البتہ مستحب ہے جو کرے اس نے اچھا کیا اور جو نہ کرے اس پر حرج نہیں۔ اس کے بعد کے جملے کے مطلب میں بعض نے تو کہا ہے کہ یہ قریب ہے ان معنی کے کہ تمہارے عیال یعنی فقیری زیادہ نہ ہو جیسے اور جگہ ہے آیت (وان خفتم) یعنی اگر تمہیں فقر کا ڈر ہو،

یعنی فقیر نہیں جانتا کہ کب امیر ہو جائے گا، اور امیر کو معلوم نہیں کہ کب فقیر بن جائے گا، جب کوئی مسکین محتاج ہو جائے تو عرب کہتے ہیں (عال الرجل) یعنی یہ شخص فقیر ہو گیا غرض اس معنی میں یہ لفظ مستعمل تو ہے لیکن یہاں یہ تفسیر کچھ زیادہ اچھی نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ اگر آزاد عورتوں کی کثرت فقیری کا باعث بن سکتی ہے تو لونڈیوں کی کثرت بھی فقیری کا سبب ہو سکتی ہے، پس صحیح قول جمہور کا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ قریب ہے اس سے کہ تم ظلم سے بچ جاؤ، عرب میں کہا جاتا ہے (عال فی الحکم) جبکہ ظلم و جور کیا ہو،

یعنی ایسی ترازو سے تولتا ہے جو ایک جو برابر کی بھی کمی نہیں کرتا اس کے پاس اس کا گواہ خود اس کا نفس ہے جو ظالم نہیں ہے ابن جریر میں ہے کہ جب کوفیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک خط کچھ الزام لکھ کر بھیجے تو ان کے جواب میں خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ (انی لست بمیزان اعول) میں ظلم کا ترازو نہیں ہوں، صحیح ابن حبان وغیرہ میں ایک مرفوع حدیث اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس کا معنی ہے تم ظلم نہ کرو،

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مرفوع ہونا تو خطا ہے ہاں یہ حضرت عائشہ کا قول ہے اسی طرح لاتعولوا کے یہی معنی میں یعنی تم ظلم نہ کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہ، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت حسن، حضرت ابو مالک، حضرت ابو زرین، حضرت نخعی، حضرت شعبی، حضرت ضحاک، حضرت عطاء خراسانی، حضرت قتادہ، حضرت سدی اور حضرت مقاتل بن حیان وغیرہ سے بھی مروی ہیں۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابوطالب کا وہی شعر پیش کیا ہے،

امام ابن جریر نے اسے روایت کیا ہے اور خود امام صاحب بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اپنی بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کر دیا کرو جو بھی مقرر ہوئے ہوں اور جن کو تم نے منظور کیا ہو، ہاں اگر عورت خود اپنا سارا یا تھوڑا بہت مہر اپنی خوشی سے مرد کو معاف کر دے تو اسے اختیار ہے اور اس صورت میں بیشک مرد کو اس کا اپنے استعمال میں لانا حلال طیب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو جائز نہیں کہ بغیر مہر واجب کے نکاح کرے نہ یہ کہ جھوٹ موٹ مہر کا نام ہی نام ہو،

ابن ابی حاتم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مروی ہے کہ تم میں سے جب کوئی بیمار پڑے تو اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے اس کے مال کے تین درہم یا کم وبیش لے ان کا شہد خرید لے اور بارش کا آسمانی پانی اس میں ملا لے تو تین تین بھلائیاں مل جائیں گی آیت (ھنیا امریا) تو مال عورت اور شفاء شہد اور مبارک بارش کا پانی۔ حضرت ابوصالح فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا مہر آپ لیتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور انہیں اس سے روک دیا گیا (ابن ابی حاتم اور ابن جریر)

اس حکم کو سن کر لوگوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ان کا مہر کیا ہونا چاہئے؟ آپ نے فرمایا جس چیز پر بھی ان کے ولی رضامند ہو جائیں (ابن ابی حاتم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں تین مرتبہ فرمایا کہ بیوہ عورتوں کا نکاح کر دیا کرو، ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی صورت میں ان کا مہر کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا جس پر ان کے گھر والے راضی ہو جائیں، اس کے ایک راوی ابن سلمانی ضعیف ہیں، پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔

تعدد ازواج سے متعلق اسلامی نظریات اور جدید تجزیاتی افکار

دنیا میں عورتوں کی کثرت کی علت بیان کرتے ہوئے اخبار اس اہم مسئلے کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ عورتوں کی تعداد روز بروز دنیا میں کیوں بڑھ رہی ہے؟ اس کی دو علل ہیں۔

1۔ عورتوں کی پیدائش (مردوں کے بہ نسبت) زیادہ ہوتی ہے۔

2۔ مردوں کے مقابلے میں ان کی عمریں بھی لمبی ہوتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ عورتوں کی بہ نسبت مردوں کی عمریں کم ہوتی ہیں۔ اعداد وشمار کے مطابق ایک غیر شادی شدہ مرد کے مقابلے میں بیس بیوہ عورتیں موجود ہیں۔ عورت کی تنہائی اس کے لئے بہت دشوار اور افسردہ کرنے والی چیز ہے۔ غیر شوہر دار عورتیں ہمیشہ

شریک زندگی کے انتظار میں رہتی ہیں اوران کی پوری زندگی انتظار کے کرے میں گزر جاتی ہے۔

آخر کیا بات ہے کہ بڑی زحمت ومحنت سے پکائے ہوئے کھانے عورتوں کو تنہا کھانے میں لطف نہیں آتا؟ اس کی وجہ یہ ہے محض اپنے نلئے کام کرنے کو عبث وبیکار سمجھتی ہیں، حالانکہ بچوں اور شوہر کے لئے کام بڑی رغبت سے کرتی ہیں۔ کنواری اور بیوہ عورتیں زیادہ تر اپنے دن کو بے مقصد اور بددلی سے گزارتی ہیں۔ دوستوں اور قرابت داروں کے یہاں شوہر دار عورتوں کو دیکھ کران کا یہ احساس مزید بڑھ جاتا ہے۔

فاضل اور زائد عورتوں کا حل اسلام نے تعدد ازدواج کی صورت میں نکالا ہے کہ عورتوں کو یہ حق ہے کہ شادی شدہ مرد کے ساتھ شادی کر کے اپنے رنج وتنہائی اور دیگر محرومیتوں سے نجات حاصل کریں۔

مردوں میں تولید نسل کی صلاحیت اور جنسی خواہش تقریباً ہمیشہ باقی رہتی ہے لیکن عورتیں پچاس سال کے بعد حمل و پیدائش کی صلاحیت کھو بیٹھتی ہیں۔ اب جس زمانے میں عورت کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے مرد کی شہوت پھر بھی بیدار رہتی ہے۔ اس لئے اگر مردوں کے لئے دوسری شادی کرنا غیر قانونی ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عمر کے ایک حصے میں مرد کو اپنی اس صلاحیت سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ بہت سی عورتیں عقیم ہوتی ہیں لیکن میاں بیوی کے آپسی محبت کی بناء پر مرد سے جدائی بھی نہیں چاہتیں اور اد ہر مرد کے اندر وجود فرزند اور بقائے نسل کی فطری خواہش موجود ہے، ایسی صورت میں کس جرم کی بناء پر مرد پوری زندگی اولاد کی خاطر آتش حسرت میں جلتا رہے اور اپنے مقصد کو کیوں نہ حاصل کرے؟

ایک مرد کی تین بیویاں شوہر کی چوتھی شادی پر راضی کے عنوان سے ماہر تجزیہ نگار لکھتا ہے۔

کل ظہر کے بعد ایک مرد اپنی تین عورتوں کو لے کر ایران کے شہر رشت کی عدالت میں حاضر ہوا اور حاکم سے خواہش کی کہ میں ایک لڑکی سے محبت کرتا ہوں مجھے اس سے شادی کی اجازت دی جائے اور میری موجودہ بیویاں اس پر راضی ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ تینوں عورتوں نے عدالت کے سامنے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ اس شخص نے عدالت کے سامنے اپنی مجبوری اس طرح بیان کی کہ میری تینوں بیویاں بانجھ ہیں لیکن زراعت کے کاموں میں میرا ہاتھ بٹاتی ہیں اس لئے ان کو طلاق بھی نہیں دینا چاہتا اور چاہتا ہوں کہ ایک اور لڑکی سے شادی کروں جس سے میرے یہاں اولاد پیدا ہو۔ لڑکی نے بھی ہمارے رشت کے نامہ نگار سے کہا کہ ہمارا ہونے والا شوہر ہمارے دیہات سفید کپلتہ کے بہت اچھے لوگوں میں سے ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے دیہات میں دو ہزار عورتیں اور صرف چار سو مرد ہیں۔ مردوں میں بھی آدھے دس سے سولہ سال کے لڑکے ہیں یعنی ہمارے دیہات میں ایک مرد کے حصے میں پانچ عورتیں پڑتی ہیں۔ ان دلائل کے پیش نظر اگر میں چوتھی بیوی بنوں تو جائے تعجب نہیں ہے۔

جو قانون مرد کو اس کی خواہش پوری نہ کرنے دے یعنی اولاد کی خواہش کو پوری نہ ہونے دے، کیا وہ مرد کے حق میں ظالم قانون نہیں ہے۔؟

اسی طرح زائد عورتوں کی صورت میں جب مرد وعورت دونوں کے مصالح پیش نظر رکھے جائیں تو تعدد ازواج کی صورت کے علاوہ کون سا ایسا طریقہ ہے کہ معاشرے میں خلل واقع نہ ہو اور نسل کے اندر تعاون وتوازن موجود رہے؟

یہ ایک روحی، حیاتی واجتماعی ضرورت ہے اور ایک واقعی حقیقت ہے جس کا سامنا کرنا ہی ہے، یہ کوئی افسانہ یا تخیل نہیں ہے۔
اسی طرح کبھی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عورت کسی زمانے میں کسی زمین گیر بیماری میں گرفتار ہو جائے جو نا قابل علاج ہو اور ہمبستری کے لائق بھی نہ ہو، دوسری طرف مرد کی شہوت میں کوئی کمی نہ ہو اور اسلام عفت و پاکدامنی کے مخالف کام کی اجازت تو دیتا نہیں اب دوسری شادی کو بھی روک دے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہوگا۔ اس موقع پر تعدد ازواج کے قانون سے بہتر کون سا طریقہ ہے جس سے مرد کی ضرورت پوری ہو جائے؟

اسی طرح اگر شوہر کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے جو نا قابل علاج ہو اور جنسی رابطہ عورت کے لئے نقصان دہ ہو تو اس کو بھی حق ہے کہ قاضی اسلام کی طرف رجوع کر کے طلاق کی خواہش کرے اور حاکم شرع شوہر سے اس کو طلاق دلوا دے گا۔ اگر شوہر طلاق دینے پر تیار نہ ہو تو حاکم شرع اپنے اختیارات کو استعمال کر کے خود طلاق نافذ کر سکتا ہے۔
اب ایسی صورت میں کہ جب عورت زمین گیر مرض میں مبتلا ہو گیا یہ بہتر ہے کہ مرد اس کو طلاق دیدے اور اس عضو معطل کے ذریعہ معاشرے کے بے سروساماں لوگوں میں ایک اور فرد کا اضافہ کر دے؟ یا پھر تعدد ازواج پر عمل کرتے ہوئے دوسری شادی کر لے اور اس عورت کو اپنی سرپرستی میں رکھ کر علاج ومعالجہ کرائے؟ ظاہر ہے دوسری صورت بہتر ہے کیونکہ جس عورت نے اپنی زندگی کے قیمتی حصے کو شوہر کے گھر میں گزارا ہو اس کے رنج وغم خوشی ومسرت میں برابر کی شریک رہی ہو کیا انصاف اور وجدان کا تقاضا یہ ہے کہ شوہر تندرستی کے زمانے میں تو شریک زندگی بنائے لیکن بیمار ہونے کے بعد اس کو علیحدہ کر دے؟ کیا یہی انسانیت اور شرافت ہے؟

حفظ عفت عمومی اور جنسی بے راہ روی کی روک تھام کرنے ہی کے لئے اسلام نے تعدد ازواج جیسا موثر قانون ایجاد کیا ہے، جس سے لاکھوں عورتوں کو انحرافات جنسی سے بچا کر ان کی فطری شوہر واولاد کی خواہش کو پورا کیا جا سکتا ہے۔
دوسری جنگ عظیم میں جب کروڑوں افراد لقمہ اجل بن گئے اور بہت سی عورتیں بغیر شوہر کے رہ گئیں تو عورتوں کی انجمن نے جرمنی حکومت سے جرمن کے اندر تعدد ازواج کے قانون کے نفاذ کی مانگ کی لیکن کلیسا کی مخالفت کی وجہ سے ان کی مانگ پوری نہیں کی گئی اور خود کلیسا نے اس مسئلے کا کوئی عملی ومنطقی حل نہیں پیش کیا اس لئے عورتیں مختلف اخلاقی مفاسد اور جنسی بے راہ روی کی شکار ہو گئیں اور ناجائز اولاد کی بھرمار ہو گئی۔

تعدد ازواج میں مغربی اخبارات سے تجزیہ

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد جرمنی کی بے شوہر عورتوں نے حکومت سے تعدد ازواج کے قانون کے نفاذ کا مطالبہ کیا تا کہ عورتوں کی شرعی وفطری مانگ (شوہر واولاد) پوری ہو سکے مگر کلیسا نے مخالفت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا یورپ بدکاری کا اڈا بن

گیا۔زندگی کی وحشت تنہائی، بیس سالہ عورتوں تک میں عام ہو رہی ہے تیس چالیس سالہ عورتوں کا پوچھنا ہی کیا۔مردوں اور عورتوں کی آزادی بھی عورتوں کے دل سے (شوہر) کی خواہش نہیں نکال سکی۔آج بھی بنت حوا کی نظریں ابن آدم کی متلاشی ہیں۔ تمام امکانی صورتوں اور ترقیوں کے باوجود جو اتحادی جرمنی کے اندر عورتوں کے لئے مہیا کی گئی تھیں، آج بھی عورت اپنی حفاظت و پاسداری کے لئے شوہر کی تلاش میں ہے۔

مغرب کا دعویٰ ہے کہ اس نے عورتوں کے ساتھ بڑی مہربانی برتی ہے اور ان کو کامل آزادی بخشی ہے۔اگر ایسا ہے تو ان کی جائز خواہشوں اور گھر بسانے کی تمنا کے سامنے کیوں دیوار کھڑی کرتا ہے؟ ان کو ان کے اصلی فریضے۔تولید فرزند و تربیت اولاد۔۔سے کیوں محروم کرتا ہے؟

ایک مرد کے گھر میں ایک یا چند عورتوں کے ساتھ رہ کر زندگی بسر کرنے پر آمادگی خود بتاتی ہے کہ بے شوہری اور تنہائی کی زندگی سے تعدد ازواج بہتر ہے۔یہ بے چارہ مرد ہے جو کئی شادیاں کر کے اپنی ذمہ داریوں میں اضافہ کر لیتا ہے۔

ایک پڑھی لکھی معزز خاتون جنھوں نے حقوق میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے اس مسئلے پر اظہار رائے کرتے ہوئے واضح الفاظ میں تحریر کرتی ہیں : کوئی بھی عورت چاہے وہ پہلی بیوی ہو یا دوسری یا کوئی اور تعدد ازواج سے اس کو کوئی نقصان نہیں ہوتا [1] بلکہ طے شدہ بات یہ ہے کہ اس قانون سے مردوں کو ضرر پہنچتا ہے کیونکہ ان کا بوجھ بڑھ جاتا ہے ان کی تکلیف زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے کہ جب کوئی مرد کسی عورت سے شادی کرے گا تو شرعا، اخلاقا، قانونا اور عرفا اس عورت کا ذمہ دار ہوگا اور آخر عمر تک اس عورت کے شایان شان وسائل زندگی مہیا کرنا مرد کا فریضہ ہوگا۔اسی طرح عورت کے صحت کی ذمہ داری بھی اس پر ہوگی یعنی بیماری کی صورت میں علاج معالجہ کرانا اور اس کے مصارف برداشت کرنا ہوں گے اور خطرات سے بچانا بھی اس کا فریضہ ہوگا۔

اگر مرد ان چیزوں میں کوتاہی کرتا ہے تو عرف اس کو فرائض کی انجام دہی پر مجبور کرے گا اس خاتون کے عقیدے کے لحاظ سے تعدد ازواج کے سلسلے میں نادانستہ جتنے اعتراض عورتوں کی زبان سے ہوتے ہیں یہ درحقیقت مردوں کے اعتراض ہیں جو عورتوں کی زبان سے ہوتے ہیں۔عورتیں طوطی کی طرح رٹ کر ہر جگہ اس راگ کو الاپتی رہتی ہیں (گویا یہ عورتوں کی بے وقوفی اور مردوں کی عقل مندی ہے) کیونکہ درحقیقت مرد مختلف شبہات پیدا کر کے شادی سے روکتے ہیں کیونکہ اس قانون سے انہیں کو نقصان ہے عورتوں کو کوئی نقصان نہیں ہے اور مرد یہ چاہتا ہے کہ قانونی پابندی سے بچ کر اپنی جنسی خواہش پوری کرتا رہے مگر نادان عورت اس بات کو نہیں سمجھ پاتی۔اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہیں تو جنسی تعلق سے عورت کو کوئی نقصان نہیں ہے بس روحانی طور پر عورت کو یہ احساس ہوتا ہے کہ میرے شوہر کی دوسری بیوی بھی ہے لیکن یہ روحانی تکلیف بھی حقیقی چیز نہیں ہے۔بلکہ مردوں کی سمجھائی ہوئی بات ہے اور اس کی دلیل یہ ہے زمانہ سابق میں لوگوں کی کئی بیویاں ہوتی تھی اب بھی ایسی مثالیں مل جائیں گی کہ ایک گھر میں دو تین بیویاں مل کر زندگی بسر کرتی ہیں اور کسی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہے لیکن مردوں کے بہکائے میں آ کر اب ان کو بھی تکلیف کا احساس ہونے لگا ہے اگر واقعاً دوسری بیوی باعث تکلیف ہوتی تو پہلے زمانے میں یہ احساس کیوں نہیں تھا؟

اب آپ سمجھئے کہ مغرب نے جنسی بے راہ روی تو جائز قرار دے دی لیکن فطری خواہش (شوہر واولاد) پر پابندی لگادی لیکن اسلام لوگوں کو معقول آزادی دیتا ہے اور ایسی آزادی جو مصالح فرد یا اجتماع کے لئے نقصان دہ ہو، اس کی کسی قیمت پر اجازت نہیں دیتا۔

چونکہ اسلام کی نظر میں عدل وانصاف، فرد واجتماع کی سعادت کا اہم جزو ہے اسی لئے تعدد ازدواج میں بھی اسلام نے عدالت کی شرط رکھی ہے اور مختلف امور میں عورتوں کے ساتھ کیسی عدالت برتی جائے اس سلسلے میں فقہ اسلامی کے اندر بہت زیادہ دستور بتائے گئے ہیں اور عورتوں کی آزادی وبرابری کے حقوق وغیرہ کی بہت عمدہ طریقے سے ضمانت دی گئی ہے۔

بہت سی ایسی عورتیں بھی ہیں جو رضا ورغبت کے ساتھ اپنے شوہروں کو دوسری شادی کی اجازت دے دیتی ہیں، عورتوں کی یہ رضامندی اس بات کی دلیل ہے کہ تعدد ازدواج کا مسئلہ انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ اگر یہ خلاف فطرت قانون ہوتا تو عورت کسی بھی قیمت پر مرد کو دوسری شادی کی اجازت نہ دیتی۔

اگر کسی گھر میں ناراضگی، اختلافات دکھائی دیتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں امتیاز برتا جاتا ہے عورتوں کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا ہے اسلام کا اعلان ہے اور اگر یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکنے کا خطرہ ہے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہیں دو تین چار ان سے نکاح کر لو اور اگر ان میں بھی انصاف نہ کر سکنے کا خطرہ ہے تو صرف ایک یا جو کنیزیں تمہارے ہاتھ کی ملکیت ہیں یہ بات انصاف سے تجاوز نہ کرنے سے قریب تر ہے۔

مختصر یہ بعض اوقات کچھ مردوں کے غیر معقول اور سخت گیر رویہ سے گھروں میں شدید اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور شرعی واخلاقی فریضہ میں بیویوں سے انصاف نہ کرنے کی وجہ سے گھریلو ماحول مہر ومحبت کے بجائے دہکتا ہوا جہنم بن جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے اعمال کی طرف توجہ دیئے بغیر اسلام کے احکام کی گہرائی کو سوچنا چاہئے تاکہ حقیقت کا پتہ چل سکے۔ اسلام کے اندر ایسے بھی دستور وقانون موجود ہیں جن کی بناء پر مردوں کو عورتوں سے منصفانہ سلوک کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے مثلاً اگر کوئی مرد بیوی کا نان و نفقہ نہیں دیتا یا بیویوں میں عدالت سے کام نہیں لیتا اور اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں کرتا تو اس سے شرعی باز پرس ہوگی اور اس کو سزا بھی دی جائے گی۔

البتہ دلی لگاؤ اور قلبی جھکاؤ انسان کی قدرت سے باہر کی چیز ہے اور بہت ممکن ہے کہ کسی عورت کے اندر زیادہ خصوصیات ہوں جس کی بناء پر مرد اس سے زیادہ محبت کرتا ہو، اسی لئے اسلام نے مرد کو نان ونفقہ، مکان، ہمبستری اور تمام روحانی، جسمانی اور مالی خواہشات کی مساوات پر مجبور کیا ہے یعنی جو چیزیں انسان کے بس کی ہیں ان میں عدالت شرط ہے اس میں کسی قسم کی زیادتی اور ظلم و ستم جائز نہیں ہے لیکن جو باتیں انسان کے بس سے باہر ہیں ان میں عدالت شرط نہیں ہے۔

عورتوں کے لئے جن حقوق کی خانگی زندگی میں زیادہ اہمیت ہے اسلام نے ان کی حفاظت کی ہے اور یہ طے شدہ بات ہے کہ دلی لگاؤ کی وجہ سے اگر برتاؤ میں فرق پڑ جائے تب تو عورت کے حقوق ضائع ہوتے ہیں لیکن اگر کسی عورت سے قلبی لگاؤ ہونے کے

باوجود لباس، خوراک، مکان، اور دیگر ضروریات زندگی میں مثلاً ہمسری وغیرہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ عدالت کے موافق کام ہوتا ہے تو پھر اس قلبی لگاؤ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اسی لئے خانگی زندگی میں بے مہری، کے آثار نہیں پیدا ہونے دینا چاہئے۔ قرآن کہتا ہے۔ عورت کو معلق (نہ شوہردار نہ بے شوہر) نہ کرو اس کو موت وزندگی کے بیچ میں مت پھنساؤ۔ اسی لئے کسی مرد کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنی کچھ بیویوں کے ساتھ بے رخی سے پیش آئے اور ان کو بیچ منجدھار میں چھوڑ دے۔

حضور سرور کائنات ﷺ کے زمانے میں جب یہ حکم نافذ ہوا تو جن اصحاب کے پاس چار بیویاں تھیں ان کو پابند بنایا گیا کہ اگر سب کے ساتھ انصاف نہ کر سکو تو صرف ایک بیوی پر اکتفا کرو اور اگر انصاف بھی کر سکتے ہو تو چار بیویوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتے۔ اس حکم کے ذریعے اسلام نے تعدد ازواج کے غیر عادلانہ برتاؤ، عورتوں کے حقوق سے لاپرواہی اور مطلق العنان جنسی بے راہ روی پر پابندی عائد کردی اور ہر ظلم وستم کا خاتمہ کر دیا۔

مسلمانوں میں جو مذہبی قانون کے پابند تھے ان میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنہوں نے عورتوں کے مرنے کے بعد بھی عدالت وانصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا مثلاً

معاذ بن جبل صحابی پیغمبر کی دو بیویاں تھیں اور طاعون میں دونوں ایک ساتھ فوت ہوگئیں۔ معاذ رضی اللہ عنہ اس وقت بھی عدل انصاف سے کام لینا چاہتے تھے کہ کس کو پہلے دفن کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس کام کے لئے قرعہ اندازی سے کام لیا۔

تعدد ازواج میں مغربی ماہرین کی آراء کا بیان

مغرب میں بھی بعض ایسے منصف مزاج دانش مند پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اس مسئلے پر کافی غور وخوض کے بعد فیصلہ دیا ہے کہ تعدد ازواج معاشرے کی ایک اہم ضرورت ہے۔

مشہور جرمنی فلسفی شوپنہاور (SCHOPENHUER) اپنی کتاب عورتوں کے بارے میں چند باتیں میں تحریر کرتا ہے:
جس مذہب میں تعدد ازواج کا قانون موجود ہے اس میں اس کا امکان ہے کہ عورتوں کی ایسی اکثریت جو کل کے قریب ہو شوہر، فرزند اور سرپرست سے ہمکنار ہو۔ لیکن یورپ کے اندر کلیسا ہم کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا اس لئے شوہردار عورتیں بغیر شوہر والی عورتوں سے کئی گنا کم تعداد میں ہیں۔ بہت سی کنواریاں شوہر کی آرزو لے کر اور بہت سی عورتیں اولاد کی خواہش لے کر اس دنیا سے چلی گئیں اور بہت سی عورتیں اور لڑکیاں جنسی خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی عفت کھو بیٹھیں اور بدنام ہوگئیں اور ساری زندگی آتش عصیاں وتنہائی میں جلتی رہیں اور انجام کار اپنی فطری خواہش تک نہ پہنچ سکیں اگر تعدد ازواج کا قانون ہوتا تو یہ بات نہ ہوتی۔

کافی غور وخوض کے بعد بھی کوئی دلیل نہیں ملی کہ اگر کسی مرد کی بیوی زمین گیر مرض میں گرفتار ہو یا بانجھ ہو، یا عمل حمل ووضع سے عاجز ہو تو وہ بے چارہ دوسری عورت سے شادی کیوں نہ کرے؟ اس کا جواب کلیسا کو دینا چاہئے مگر کلیسا کے پاس کوئی جواب نہیں ہے بہترین قانون وہ ہوتا ہے جس کے سہارے زندگی کی سعادت محفوظ رہے نہ کہ وہ جس کی بدولت زندگی جہنم کا نمونہ بن جائے۔

آنی بسنٹ (NIE BESNT) تحریر کرتی ہے۔ مغرب کا دعویٰ ہے کہ اس نے تعدد ازواج کے قانون کو نہیں قبول کیا

لیکن واقعیت یہ ہے کہ بغیر قبول کئے یہ قانون مغرب میں موجود ہے بایں معنی کہ مرد جب اپنی معشوقہ سے سیر ہو جاتا ہے تو اس کو بھگا دیتا ہے اور یہ بے چاری گلی کوچوں میں ماری ماری پھرتی ہے کیونکہ پہلا عاشق اپنی کوئی ذمہ داری محسوس ہی نہیں کرتا اور عورت کی یہ حالت ہزار درجہ اس عورت کی حالت سے بدتر ہے جو قانونی شوہر رکھتی ہے بال بچے والی ہے، خاندان میں شوہر کے زیر حمایت زندگی بسر کر رہی ہے۔ میں جب ہزاروں عورتوں کو رات کے وقت سڑکوں پر حیران وسرگرداں دیکھتی ہوں تو مجبورا سوچتی ہوں کہ اہل مغرب کو اسلام کے تعدد ازواج کے قانون پر ہرگز اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ جو عورت تعدد ازواج قانون کے ماتحت شوہر رکھتی ہے، گود میں چھوٹے بچے رکھتی ہے اور نہایت احترام کے ساتھ شوہر کے خاندان میں زندگی بسر کرتی ہے وہ ہزاروں ہزار درجے اس عورت سے بہتر ہے جو گلی کوچے میں حیران وپریشاں گھومتی ہے، گود میں ناجائز بچہ رکھتی ہے جس بچے کو کوئی قانونی حمایت حاصل نہیں ہے، جو دوسروں کی شہوتوں کے قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ چکی ہے۔

ڈاکٹر گوستاولیبون (Dr. GUSTVELEBON) لکھتا ہے۔ مشرقی رسم ورواج میں سے تعدد ازواج کے مسئلے کو مغرب میں جس قدر غلط طریقے سے پیش کیا گیا ہے کسی بھی رسم کے بارے میں ایسا نہیں ہوا ہے، اور کسی بھی مسئلے پر مغرب نے اتنی غلطی نہیں کی ہے جتنی تعدد ازواج کے مسئلے پر کی ہے، میں واقعا متحیر ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ مشرق میں تعدد ازواج کا مسئلہ مغرب کے فریبی ازدواج سے کس طرح کم ہے اور اس میں کیا کمی ہے۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ تعدد ازواج کا شرعی مسئلہ ہر لحاظ سے بہتر وشائستہ ہے۔ (ایرانی اخبار، سروس مخصوص خبرگزاری فرانسہ اطلاعات، مجمع البیان، تمدن اسلام وعرب)

غلام شخص بیک وقت دو سے زیادہ شادیاں نہیں کرسکتا

﴿وَلَا يَجُوزُ لِلْعَبْدِ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَكْثَرَ مِنْ اثْنَتَيْنِ﴾ وَقَالَ مَالِكٌ: يَجُوزُ لِاَنَّهُ فِي حَقِّ النِّكَاحِ بِمَنْزِلَةِ الْحُرِّ عِنْدَهُ حَتّٰى مَلَكَهُ بِغَيْرِ اِذْنِ الْمَوْلٰى .وَلَنَا اَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ فَيَتَزَوَّجُ الْعَبْدُ اثْنَتَيْنِ وَالْحُرُّ اَرْبَعًا اِظْهَارًا لِشَرَفِ الْحُرِّيَّةِ .

ترجمہ

غلام کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے: وہ دو سے زیادہ خواتین کے ساتھ شادی کرے۔ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس کے لئے چار شادیاں کرنا جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ نکاح کے اعتبار سے وہ غلام ان کے نزدیک آزاد مرد کی مانند ہے' یہاں تک کہ وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر بھی شادی کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے۔ غلامی (نعمتوں کو) نصف کر دیتی ہے' تو غلام دو شادیاں کرسکتا ہے اور آزاد شخص چار شادیاں کرسکتا ہے تاکہ آزادی کے شرف کو ظاہر کیا جاسکے۔

آیت تعدد ازواج سے امام شافعی کا حریت استدلال کرنا

حضرت امام شافعی وامام بیہقی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا" : غلام دو عورتوں سے

نکاح کرسکتا ہے، زیادہ نہیں۔ (سنن کبریٰ، کتاب النکاح، رقم الحدیث، ۱۳۸۹۷)

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے مسئلہ یعنی غلام کیلئے دوشادیوں کے جواز کا استدلال اس آیت کریمہ سے کیا ہے کہ جس میں چار شادیوں کی اباحت کا ثبوت ہے ان کی دلیل اور استدلال یہ ہے کہ چار شادیوں کیلئے مرد میں مالی طور اور ان کے دیگر کفالتی معاملات میں خود کفیل ہونے کی صلاحیت ہونی چاہیے جبکہ غلام میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی اس لئے اس کیلئے دو شادیوں کا جواز ملتا ہے۔ ائمہ احناف کا بھی فقہی مؤقف یہی ہے اور ہم حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ اس کی دلیل سے اتفاق کرتے ہوئے اسے من وعن قارئین کے سامنے پیش کررہے ہیں۔

قال الشافعی :قال الله تبارك وتعالى :(فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث ورباع فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة أو ما ملكت أيمانكم) فكان بينا في الآية (والله أعلم): أن المخاطبين بها :الأحرار لقوله عز وجل(فواحدة او ما ملكت أيمانكم) (لأنه) لا يملك إلا الأحرار .وقوله تعالى :(ذلك ادنى الا تعولوا) ، فإنما يعول من له المال ولا مال للعبد .(احکام القران ،ص ۱۸۰ ،شافعی)

، حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے مذکورہ آیت مبارکہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ دو، دو اور تین ،تین اور چار ، چار کا حکم آزاد مردوں کیلئے ہے کیونکہ مالی طور پر آزاد ہی ملکیت رکھتے ہیں جبکہ غلام کسی قسم کے مال کی ملکیت نہیں رکھتا۔ اس لئے اس کا حکم ان کیلئے نہ ہوگا۔

چوتھی بیوی کو طلاق دینے کے بعد نئی شادی کرنے کا بیان

قَالَ ﴿فَإِنْ طَلَّقَ الْحُرُّ إِحْدَى الْأَرْبَعِ طَلَاقًا بَائِنًا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ رَابِعَةً حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا﴾ وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ نَظِيرُ نِكَاحِ الْأُخْتِ فِي عِدَّةِ الْأُخْتِ .

ترجمہ

فرمایا: اگر آزاد شخص چار بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق بائنہ دے دیتا ہے تو اس مرد کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا وہ چوتھی شادی کرلے جب تک اس عورت کی عدت نہیں گزر جاتی۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اس کی نظیر وہ مسئلہ ہے۔ جب ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن کے ساتھ شادی کرلی جائے۔

چوتھی کی عدت میں پانچویں نکاح کی ممانعت کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی مقدسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر کسی نے اپنی چوتھی بیوی کو طلاق رجعی دی ہے یعنی یہ اس کی پہلی یا دوسری طلاق ہے تو علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ عدت کے ختم ہونے تک رجعی طلاق والی عورت بیوی ہی شمار ہوگی۔

تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ ابھی تک وہ آپ کی بیوی ہے تو آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ کسی بھی آزاد شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ چار سے زیادہ بیویاں رکھ سکے یعنی ایک ہی وقت میں وہ سب اس کے نکاح میں ہوں اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث میں بھی ملتی ہے: ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ الثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسلمان ہوئے تو جاہلیت میں ان کی دس بیویاں تھیں جو ان کے ساتھ مسلمان ہو گئیں، تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ: (ان میں سے چار کو اختیار کر لے) سنن ترمذی حدیث نمبر (1128)

مندرجہ بالا سطور سے یہ واضح ہوا کہ مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ طلاق رجعی کی حالت میں پانچویں سے شادی کرے، اس لیے کہ اس طرح اس نے پانچ عورتوں کو جمع کر دیا۔

صحابہ کرام اور آئمہ اربعہ اور سارے اہل سنت علماء کرام کا قولی اور عملی اجماع ہے کہ کسی بھی مرد کے لیے اپنے نکاح میں چار بیویوں سے زیادہ رکھنا جائز نہیں، صرف نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (المغنی لابن قدامہ (7/ 104)

زنا کے نتیجے میں حاملہ ہونے والی عورت سے شادی کا حکم

قَالَ ﴿فَإِنْ تَزَوَّجَ حُبْلَى مِنْ زِنًا جَازَ النِّكَاحُ وَلَا يَطَؤُهَا حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا﴾ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: النِّكَاحُ فَاسِدٌ ﴿وَإِنْ كَانَ الْحَمْلُ ثَابِتَ النَّسَبِ فَالنِّكَاحُ بَاطِلٌ بِالْإِجْمَاعِ﴾ لِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الْإِمْتِنَاعَ فِي الْأَصْلِ لِحُرْمَةِ الْحَمْلِ، وَهٰذَا الْحَمْلُ مُحْتَرَمٌ لِأَنَّهُ لَا جِنَايَةَ مِنْهُ، وَلِهٰذَا لَمْ يَجُزْ إِسْقَاطُهُ. وَلَهُمَا أَنَّهَا مِنَ الْمُحَلَّلَاتِ بِالنَّصِّ وَحُرْمَةُ الْوَطْيِ كَيْ لَا يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ، وَالْإِمْتِنَاعُ فِي ثَابِتِ النَّسَبِ لِحَقِّ صَاحِبِ الْمَاءِ وَلَا حُرْمَةَ لِلزَّانِي.

ترجمہ

فرمایا: اگر کوئی شخص زناء کے نتیجے میں حاملہ ہونے والی عورت کے ساتھ شادی کرلے تو وہ نکاح درست ہوگا تاہم مرد اس عورت کے ساتھ اس وقت تک وطی نہیں کرے گا جب تک وہ عورت بچے کو جنم نہ دے۔ یہ حکم بھی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں: یہ نکاح فاسد شمار ہوگا۔ اگر وہ حمل "ثابت النسب" ہو تو یہ نکاح بالاجماع باطل شمار ہوگا۔ امام

ابو یوسف کی دلیل یہ ہے: اصل میں منع کرنے کی وجہ "حمل" کی حرمت ہے اور یہ "حمل" قابل احترام ہے کیونکہ اس سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے: اسے ساقط کرنا جائز نہیں ہے۔ جبکہ صاحبین کی دلیل یہ ہے: ایسی عورت ان عورتوں میں شامل ہے جو نص کے ذریعے حلال ثابت ہوتی ہیں۔ وطی کو حرام اس لیے قرار دیا گیا ہے تا کہ وہ اپنے پانی کے ذریعے دوسرے کے کھیت کو سیراب نہ کرے۔ ثابت النسب میں ممانعت پانے والے شخص (یعنی جس سے وہ حمل ہے) کے ساتھ حق ہوگی اس حرمت کا زنا کرنے والے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

شرح

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ۔(النور،۳)

بدکار مرد نکاح نہ کرے مگر بدکار عورت یا شرک والی سے اور بدکار عورت سے نکاح نہ کرے مگر بدکار مرد یا مشرک اور یہ کام ایمان والوں پر حرام ہے۔ (کنزالایمان)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ابتدائے اسلام میں زانیہ سے نکاح کرنا حرام تھا بعد میں آیت "وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ" سے منسوخ ہوگیا۔ (خزائن العرفان، نور،۳)

زانی اور زانیہ کے نکاح کے بارے میں فقہی احکام

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ زانی سے زنا کاری پر رضا مند وہی عورت ہوتی ہے جو بدکار ہو یا مشرکہ ہو کہ وہ اس برے کام کو عیب ہی نہیں سمجھتی۔ ایسی بدکار عورت سے وہی مرد ملتا ہے جو اسی جیسا بدچلن ہو یا مشرک ہو جو اس کی حرمت کا قائل ہی نہ ہو۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہ سند صحیح مروی ہے کہ یہاں نکاح سے مراد جماع ہے یعنی زانیہ عورت سے زنا کار یا مشرک مرد ہی زنا کرتا ہے۔ یہی قول مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر، ضحاک، مکحول، مقاتل بن حیان اور بہت سے بزرگ مفسرین سے مروی ہے۔ مومنوں پر یہ حرام ہے یعنی زنا کاری کرنا اور زانیہ عورتوں سے نکاح کرنا یا عفیفہ اور پاک دامن عورتوں کو ایسے زانیوں کے نکاح میں دینا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بدکار عورتوں سے نکاح کرنا مسلمانوں پر حرام ہے جیسے اور آیت میں ہے (محصنت غیر مسافحات ولا متخذات اخدان) یعنی مسلمانوں کو جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہیے ان میں یہ تینوں اوصاف ہونے چاہئیں وہ پاک دامن ہوں، وہ بدکار نہ ہوں، نہ چوری چھپے برے لوگوں سے میل ملاپ کرنے والی ہوں۔ یہی تینوں وصف مردوں میں بھی ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔

اسی لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ نیک اور پاک دامن مسلمان کا نکاح بدکار عورت سے صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لے ہاں بعد از توبہ عقد نکاح درست ہے۔ اسی طرح بھولی بھالی، پاک دامن، عفیفہ عورتوں کا نکاح زانی اور بدکار لوگوں سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔ جب تک وہ سچے دل سے اپنے اس ناپاک فعل سے توبہ نہ کر لے کیونکہ فرمان الٰہی ہے کہ یہ مومنوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔

ایک شخص نے ام مھزول نامی ایک بدکار عورت سے نکاح کر لینے کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کی طلب اجازت پر یہ آیت اتری۔

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک صحابی جن کا نام مرثد بن ابو مرثد تھا، یہ مکہ سے مسلمان قیدیوں کو اٹھا لایا کرتے تھے اور مدینے پہنچا دیا کرتے تھے۔ عناق نامی ایک بدکار عورت مکے میں رہا کرتی تھی۔ جاہلیت کے زمانے میں ان کا اس عورت سے تعلق تھا۔ حضرت مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں ایک قیدی کو لانے کیلئے مکہ شریف گیا۔ میں ایک باغ کی دیوار کے نیچے پہنچا رات کا وقت تھا چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اتفاق سے عناق آ پہنچی اور مجھے دیکھ لیا بلکہ پہچان بھی لیا اور آواز دے کر کہا کیا مرثد ہے؟ میں نے کہا ہاں مرثد ہوں۔ اس نے بڑی خوشی ظاہر کی اور مجھ سے کہنے لگی چلو رات میرے ہاں گزارنا۔

میں نے کہا عناق اللہ تعالیٰ نے زناکاری حرام کر دی ہے۔ جب وہ مایوس ہو گئی تو اس نے مجھے پکڑوانے کیلئے غل مچانا شروع کیا کہ اے خیمے والو ہوشیار ہو جاؤ دیکھو چور آ گیا ہے۔ یہی ہے جو تمہارے قیدیوں کو چرا کر لے جایا کرتا ہے۔ لوگ جاگ اٹھے اور آٹھ آدمی مجھے پکڑنے کیلئے میرے پیچھے دوڑے۔ میں مٹھیاں بند کر کے خندق کے راستے بھاگا اور ایک غار میں جا چھپا۔ یہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی پیچھے غار پر آ پہنچے لیکن میں انہیں نہ ملا۔ یہ وہیں پیشاب کرنے کو بیٹھے واللہ ان کا پیشاب میرے سر پر آ رہا تھا لیکن اللہ نے انہیں اندھا کر دیا۔ ان کی نگاہیں مجھ پر نہ پڑیں۔ ادھر ادھر ڈھونڈ بھال کر واپس چلے گئے۔ میں نے کچھ دیر گزار کر جب یہ یقین کر لیا کہ وہ پھر سو گئے ہوں گے تو یہاں سے نکلا، پھر مکے کی راہ لی اور وہیں پہنچ کر اس مسلمان قیدی کو اپنی کمر پر چڑھایا اور وہاں سے لے بھاگا۔ چونکہ وہ بھاری بدن کے تھے۔ میں جب اذخر میں پہنچا تو تھک گیا میں نے انہیں کمر سے اتارا ان کے بندھن کھول دیئے اور آزاد کر دیا۔ اب اٹھاتا چلاتا مدینے پہنچ گیا۔ چونکہ عناق کی محبت میرے دل میں تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں اس سے نکاح کر لوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور یہ آیت اتری۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے مرثد زانیہ سے نکاح زانی یا مشرک ہی کرتا ہے تو اس سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دے۔

امام ابو داؤد اور نسائی بھی اسے اپنی سنن کی کتاب النکاح میں لائے ہیں۔ ابو داؤد وغیرہ میں ہے زانی جس پر کوڑے لگ چکے ہوں وہ اپنے جیسے سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔ مسند امام احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، تین قسم کے لوگ ہیں جو جنت میں نہ جائیں گے اور جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ (۱) ماں باپ کا نافرمان۔ (۲) وہ عورتیں جو مردوں

کی مشابہت کریں۔ (۳) اور دیوث۔ اور تین قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) ہمیشہ کا نشے کا عادی (۳) اور اللہ کی راہ میں دے کر احسان جتانے والا۔ مسند میں ہے آپ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے (۱) ہمیشہ کا شرابی۔ (۲) ماں باپ کا نافرمان۔ (۳) اور اپنے گھر والوں میں خباثت کو برقرار رکھنے والا۔

ابوداؤد طیالسی میں ہے جنت میں کوئی دیوث نہیں جائے گا۔ ابن ماجہ میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے پاک صاف ہو کر ملنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ پاکدامن عورتوں سے نکاح کرے جو لونڈیاں نہ ہوں۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ دیوث کہتے ہیں بے غیرت شخص کو۔ نسائی میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے اپنی بیوی سے بہت ہی محبت ہے لیکن اس میں یہ عادت ہے کہ کسی ہاتھ کو واپس نہیں لوٹاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق دے دے۔ اس نے کہا مجھے تو صبر نہیں آنے کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر جا اس سے فائدہ اٹھا۔ لیکن یہ حدیث ثابت نہیں اس کا راوی عبدالکریم قوی نہیں۔

دوسرا راوی اس کا ہارون ہے جو اس سے قوی ہے مگر ان کی روایت مرسل ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ یہی روایت مسند میں مروی ہے لیکن امام نسائی رحمۃ اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ مسند کرنا خطا ہے صواب یہی ہے کہ یہ مرسل ہے۔ یہ حدیث کی اور کتابوں میں بھی اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ تو اسے منکر کہتے ہیں۔

امام ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ جو ہے کہ وہ کسی چھونے والے کے ہاتھ کو واپس نہیں لوٹاتی اس سے مراد اس کی سخاوت ہے کہ وہ کسی سائل سے انکار ہی نہیں کرتی۔ لیکن اگر یہی مطلب ہوتا تو حدیث میں بجائے لامس کے ملتمس کا لفظ ہونا چاہئے تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی خصلت ایسی معلوم ہوتی تھی نہ یہ کہ وہ واقع بدکار تھی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی رضی اللہ عنہ کو اس کے ساتھ رہنے کی اجازت نہ دیتے کیونکہ یہ تو دیوثی ہے جس پر سخت وعید آئی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ خاوند کو اس کی عادت ایسی لگی ہو اور اس کا اندیشہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ پھر طلاق دے دو لیکن جب اس نے کہا کہ مجھے اس سے بہت ہی محبت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی کیونکہ محبت تو موجود ہے۔ اسے ایسے خدشے سے صرف وہم پر توڑ دینا ممکن ہے کوئی برائی پیدا کر دے۔

الغرض زانیہ عورتوں سے پاک دامن مسلمانوں کو نکاح کرنا منع ہے ہاں جب وہ توبہ کر لیں تو نکاح حلال ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ایک ایسی ہی واہی عورت سے میرا تعلق تھا لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں توبہ کی توفیق دی تو میں چاہتا ہوں کہ اس سے نکاح کر لوں لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ زانی مرد زانیہ عورت سے ہی نکاح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس آیت کا یہ مطلب نہیں تم اس سے اب نکاح کر سکتے ہو جاؤ اگر کوئی گناہ ہو تو میرے ذمے۔ حضرت یحییٰ سے جب یہ ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہے اس کے بعد کی آیت و انکحوا الایامی منکم سے۔ امام ابو عبید قاسم بن سلام اور امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، نور ۳)

امام ابو یوسف نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ بات بیان کی ہے: ثابت النسب حمل میں نکاح کی ممانعت کی وجہ حمل کا احترام ہوتا ہے۔

اس کے جواب میں مصنف نے یہاں یہ بات بیان کی ہے: ثابت نسب حمل میں ممانعت کی وجہ حمل کا احترام نہیں ہے بلکہ اس شخص کا حق ممانعت کی وجہ ہے جس شخص کا وہ نطفہ ہے جبکہ زنا کرنے والے شخص کے لئے اس نوعیت کا کوئی احترام نہیں ہوتا ہے۔

نکاح زانیہ کے بعد اباحت جماع کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح ہے اگرچہ اس سے وطی اور اس سے متعلق امور حرام ہیں جب تک وہ بچے کو جنم نہ دے تاکہ اس کا پانی غیر کی کھیتی کو سیراب نہ کرے یہ اس لیے کہ جماع سے حاملہ کے بچے کو بال اگتے ہیں، اور اس سے خود زانی نے نکاح کیا تو اس کو جماع بھی جائز ہے۔ (درمختار کتاب النکاح فصل فی محرمات)

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ عتبہ ابن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد ابن ابی وقاص کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی کا لڑکا میرے نطفہ سے ہے تم اس کو لے لینا چنانچہ فتح مکہ کے سال سعد نے اس لڑکے کو لے لیا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے جبکہ ابن زمعہ نے کہ کہ یہ میرا بھائی ہے پھر وہ دونوں اپنا معاملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور سعد نے کہا کہ یہ لڑکا میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے جو میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی بات سن کر فرمایا کہ عبد ابن زمعہ اس بچہ کے تم ہی حقدار ہو کیونکہ بچہ صاحب فراش کی طرف منسوب ہوتا ہے اور زانی کے لئے نسب ومیراث سے محرومی ہے یا یہ کہ زانی سنگساری کا مستوجب ہے) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو کیونکہ اس میں عتبہ کی شباہت نظر آتی ہے چنانچہ حضرت سودہ اس لڑکے کے سامنے کبھی نہیں آئیں یہاں تک کہ وہ واصل بحق ہوگیا) ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبد ابن زمعہ وہ لڑکا تمہارا بھائی ہے اس لئے کہ وہ لڑکا ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا (بخاری ومسلم)

اس حدیث میں جو چند نام ذکر ہوئے ہیں پہلے ان کے بارہ میں بتا دینا ضروری ہے تاکہ صورت واقعہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ عتبہ حضرت سعد ابن ابی وقاص کا حقیقی بھائی تھا حضرت سعد کو تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے بہرہ ور کیا اور وہ ایک جلیل القدر صحابی ہوئے مگر عتبہ کفر کے اندھیرے سے نہ نکل سکا یہاں تک کہ کفر کی حالت میں مرگیا اور یہی وہ بدبخت تھا اور یہی وہ بدبخت تھا جس نے غزوہ احد کے موقع پر رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید کئے تھے۔ زمعہ حضرت سودہ کے باپ تھے اور عبدان زمعہ کے بیٹے یعنی حضرت سودہ کے حقیقی بھائی تھے حضرت سودہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ اب حدیث کی طرف آیئے کہ عتبہ نے زمعہ کی لونڈی سے زنا کیا جس کے نتیجہ میں لڑکا پیدا ہوا چونکہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ زانی کے دعویٰ پر ولد الزنا (حرامی بچہ) کا نسب اسی زانی سے ثابت ہوتا تھا اس لئے عتبہ نے اس قدیم دستور کے مطابق اس لڑکے کے بارہ میں دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے اور اپنے بھائی حضرت سعد کو وصیت کی کہ تم اس لڑکے کو اپنی تحویل میں لے لینا اور اس کی پرورش کرنا چنانچہ

حضرت سعد نے فتح مکہ کے سال اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق اس لڑکے کو اپنی تحویل میں لے لیا اور یہ اعلان کیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے ادھر زمعہ کے بیٹے عبد نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بھائی ہے کیونکہ اس کو میرے باپ نے اپنی لونڈی سے جنوایا ہے غرضیکہ ان دونوں کے درمیان ایک تنازعہ کی صورت ہوگئے۔

تو وہ دونوں اس معاملہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد ابن زمعہ سے فرمایا کہ یہ تمہارا بھائی ہے کیونکہ بچہ صاحب فراش ہی سے ثابت ہوتا ہے اور زانی اس سے محروم رہتا ہے۔ (بچہ صاحب فراش کی طرف منسوب ہوتا ہے اور زانی کے لئے محرومی ہے) کی تفصیلی وضاحت باب الوصایا کی پہلی فصل میں حضرت ابوامامہ کی روایت کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ ام المؤمنین حضرت سودہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کہ تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو) کا مطلب یہ تھا کہ اگرچہ یہ لڑکا شرعی حکم کے مطابق تمہارا بھائی ہوا بایں طور کہ اس کا نسب تمہارے باپ زمعہ سے ثابت ہو گیا ہے اور یہ بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ شرعی معاملات میں مشابہت اور قیافہ قرائن کا اعتبار نہیں لیکن وہ لڑکا چونکہ عتبہ کے مشابہ ہے اور عتبہ کے دعویٰ کیوجہ سے اس کا عتبہ کے نطفہ سے ہونا ایک حد تک حقیقت کے مطابق بھی ہے اس لئے احتیاط و ورع کا تقاضا یہی ہے کہ تم اس کے سامنے نہ آؤ۔

دوسری روایت کے آخری الفاظ انہ ولد علی فراش ابیہ (اس لئے ہے کہ وہ لڑکا ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا) دراصل حدیث کے راوی کا اپنا قول ہے یعنی راوی نے ان الفاظ کے ذریعہ یہ واضح کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد ابن زمعہ کے حق میں یہ حکم کہ وہ لڑکا تمہارا بھائی ہے اس لئے صادر فرمایا تھا کہ وہ ان کے باپ (زمعہ) کے بستر پر پیدا ہوا تھا) ان کے بستر پر پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ استقرار حمل اور بچہ کی ولادت کے زمانہ میں وہ لونڈی زمعہ کی ملکیت میں اور ان کے تصرف میں تھی نیز وہ لڑکا انہی کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔

حاملہ قیدی عورت کے ساتھ شادی کا حکم

﴿فَإِنْ تَزَوَّجَ حَامِلًا مِنَ السَّبْيِ فَالنِّكَاحُ فَاسِدٌ﴾ لِأَنَّهُ ثَابِتُ النَّسَبِ ﴿وَإِنْ زَوَّجَ أُمَّ وَلَدِهِ وَهِيَ حَامِلٌ مِنْهُ فَالنِّكَاحُ بَاطِلٌ﴾ لِأَنَّهَا فِرَاشٌ لِمَوْلَاهَا حَتَّى يَثْبُتَ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ مِنْ غَيْرِ دَعْوَةٍ ، فَلَوْ صَحَّ النِّكَاحُ لَحَصَلَ الْجَمْعُ بَيْنَ الْفِرَاشَيْنِ ، إِلَّا أَنَّهُ غَيْرُ مُتَأَكِّدٍ حَتَّى يَنْتَفِيَ الْوَلَدُ بِالنَّفْيِ مِنْ غَيْرِ لِعَانٍ فَلَا يُعْتَبَرُ مَا لَمْ يَتَّصِلْ بِهِ الْحَمْلُ .

ترجمہ

اگر کوئی شخص (جنگ کے بعد) قیدی عورتوں میں سے کسی حاملہ عورت کے ساتھ شادی کر لیتا ہے تو یہ نکاح فاسد شمار ہوگا کیونکہ وہ (حمل) ثابت النسب ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی "ام ولد" کی کسی دوسرے شخص کے ساتھ شادی کر دے اور وہ عورت اس

شخص سے حاملہ ہو تو یہ نکاح بھی باطل ہوگا' کیونکہ وہ عورت اپنے آقا کی ہم بستر تھی۔ یہاں تک کہ اس عورت نے بچے کا نسب اس آقا سے ثابت ہوگا' کسی بھی دعوے کے بغیر' اور اگر اس نکاح کو درست قرار دے دیا جائے تو اس صورت میں دو بستروں کو اکٹھا کرنا لازم آئے گا۔ تاہم اس میں تاکید نہیں ہے' یہاں تک کہ وہ شخص لعان کے بغیر بچے کے نسب کی نفی کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ اس وقت تک معتبر نہیں ہوگا جب تک حمل اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔

ثبوت نسب سے متعلق فقہی تصریحات

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے :علماء کرام کا اجماع ہے کہ اگر بچہ مرد کے بستر پر پیدا ہوا اور کوئی دوسرا شخص اس کا دعویٰ کرے تو بچے کی نسبت دعویٰ کرنے والے کی طرف نہیں کی جائے گی ،لیکن اگر بچہ بستر کے علاوہ (شادی کے بغیر) پیدا ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ اگر عورت بیوی نہ ہو اور زنا سے بچہ پیدا ہو جائے اور زانی اس کا دعویٰ کرے تو کیا اس بچے کی نسبت اس کی طرف کی جائے گی؟ جمہور علماء کرام کا کہنا ہے کہ اس حالت میں بچہ کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جائے گی۔ حسن اور ابن سیرین اور عروہ، امام نخعی، اسحاق، سلیمان بن یسار رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ بچہ اس (زانی کی طرف منسوب ہوگا)

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے (علی بن عاصم نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ان کا قول ہے :میرے خیال میں اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ جب کوئی مرد کسی عورت سے زنی کرے اور اس سے وہ حاملہ ہو اور وہ اس حمل میں ہی اس سے شادی کر لے اور اس پر پردہ ڈالے رکھے اور وہ بچہ اسی کا ہوگا) ۔ (المغنی (9 / 122). نے یہ اختیار کیا ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنے زنا کی بچے کی نسبت اپنی کرنے کا مطالبہ کیا اور وہ عورت اس کی بیوی نہ ہو تو اس بچے کے الحاق اس کی طرف کر دیا جائے گا۔ (الفروع (6 / 625)

زانی کے بچے کی نسبت صاحب فراش کی طرف ہونے میں اجماع

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے :(جمہور کے قول کے مطابق اگر عورت زانی کی بیوی نہ ہو تو اس کے بچے کا الحاق زانی سے نہیں ہوگا ، اور حسن ، ابن سیرین رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے جب وطی کرنے والے کو حد لگا دی جائے تو بچہ اس سے ملحق ہوگا اور وارث بھی ہوگا ۔ اور ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں :جب اسے حد لگا دی جائے اور یا پھر وہ زنی کی جانے والی عورت کا مالک بن جائے تو بچے کی نسبت اس کی طرف کر دی جائے گی ، اور اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے :اس کا الحاق کر دیا جائے گا۔ اور اسی طرح عروہ ، اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی قول منقول ہے)

اور اسی طرح اگر عورت زانی کی بیوی نہ ہو تو اس کیبچے کی زانی کی طرف نسبت کرنے میں اہل علم کے دو قول ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :(بچہ خاوند کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں) ۔

اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ صاحب فراش یعنی جس کی بیوی ہے اس کا قرار دیا ہے نہ کہ زانی کا ، اور اگر عورت کسی کی

بیوی نہ ہوتو حدیث اسے بیان نہیں کرتی۔

اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاھلیت میں پیدا ہونے والے بچوں کو ان کے باپوں کی طرف ہی منسوب کیا تھا، اور اس مقام پر اس مسئلہ کی تفصیل کا موقع نہیں۔(الفتاوی الکبری(3 / 178)

جمہور علماء کرام نے زنا سے پیدا شدہ بچے کی نسبت زانی کی طرف نہ کرنے میں مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

عمرو بن شعیب اپنے باپ وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ :(بلاشبہ جو کسی ایسی لونڈی سے ہو جو اس کی ملکیت نہیں اور یا پھر کسی آزاد عورت سے ہو جس سے اس نے زنا کیا تو اس کا الحاق اس سے نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی وہ اس کا وارث ہوگا، اور اگر وہ جس کا دعوی کررہا ہے وہ صرف اس کا دعوی ہی ہے اور وہ ولد زنا ہی ہے چاہے وہ آزاد عورت سے ہو یا پھر لونڈی سے)۔(مسند احمد حدیث نمبر(7002) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر(2746)

جمہور کے مذھب کی دلیل یہ ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ولد زنا زانی سے ملحق نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا وارث بنے گا چاہے زانی اس کا دعوی بھی کرتا رہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ بچے کو کسی بھی شخص کی طرف منسوب کرنا بہت ہی عظیم اور بڑا معاملہ ہے جس کے بارہ میں بہت سے احکام مرتب ہوتے ہیں مثلا وراثت، عزیز و اقارب، اور اس کے نلیے محرم وغیرہ۔

بہر حال اس بحث کا لب لباب یہ ہے کہ زنا سے پیدا شدہ بچے کی نسبت زانی کی طرف نہ کرنے کا فتوی جمہور علماء کرام کے موافق ہے لھذا جمہور علماء کرام کے قول کے مطابق زنی سے پیدا شدہ بچہ چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی زانی کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی یہ کہا جائے گا وہ بچہ زانی کا ہے بلکہ اس کی نسبت ماں کی طرف کی جائے گی اور وہ بچہ ماں کا محرم ہوگا اور باقی بچوں کی طرح وارث بھی ہوگا۔

ام ولد ہونے کی صورت میں ممانعت باندی کا حکم

اگر باندی سے آقا نے مجامعت کی اور اسے حمل ٹھہر گیا، یہاں تک کہ اس نے صحیح سالم تندرست یا کمزور بچہ جنا، یا اس کا اسقاط ہوگیا یا اس نے مردہ بچہ کو جنا تو وہ آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہوجائے گی اور بچہ آقا کا ہی شمار کیا جائے گا اور اگر بچہ زندہ رہا تو اپنے والد کا وارث ہوگا، اب مالک نہ تو باندی کو فروخت کرسکتا ہے اور نہ ہبہ، خلفائے اربعہ کے عہد میں بھی اس پر بہ کثرت عمل ہوتا تھا؛ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :امہات ولد کی بیع نہیں کی جائے گی، نہ انھیں فروخت کیا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ وراثت میں بانٹا جائے گا۔ آقا جب تک زندہ رہے، ام ولد سے تمتع کرتا رہے اور جب مرجائے تو وہ آزاد ہے۔

باندی سے اس کے بچہ کو بھی الگ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: جو ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی کرائے گا، قیامت کے دن اللہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ کچھ لوگ اپنی باندی سے مجامعت تو کرتے تھے، مگر اس خوف سے عزل کرلیتے تھے کہ اگر اسے حمل ٹھہر گیا اور اس سے بچہ پیدا ہوگیا تو وہ آزاد ہوجائے گی، ایسا کرنے کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا۔ کیوں کہ اس سے اس کا حق آزادی سلب ہوتا ہے۔

(موطا امام مالک، کتاب العتق، مسند احمد بن حنبل۔ جامع الترمذی، کتاب السیر)

ام ولد ہونے کی صورت میں ثبوت نسب کا بیان

(i) پہلا مسئلہ انہوں نے یہ بات بیان کی ہے: اگر کسی عورت کو دارالحرب سے گرفتار کر کے لایا جائے اور وہ حاملہ ہو اور پھر کوئی شخص اس کے ساتھ نکاح کرے تو یہ نکاح فاسد ہوگا' کیونکہ اس عورت کا حمل اپنے حربی شوہر سے ثابت نسب ہوگا اور ثابت نسب حمل کی صورت میں اصول یہ ہے' اگر ثابت نسب حمل کی حالت میں کوئی شخص عورت کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے' تو وہ نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔

(ii) مصنف نے یہاں دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی ام ولد کنیز کے ساتھ صحبت کرتا ہے' اور وہ حاملہ ہو جاتی ہے تو اب اگر یہ شخص اس ام ولد کی شادی کسی اور سے کرنا چاہے تو ایسا نہیں کر سکے گا کیونکہ یہ نکاح باطل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ ام ولد اپنے آقا کی فراش ہے۔ اور اس کا حمل اپنے آقا سے ثابت نسب۔ یہی وجہ ہے: آقا دعویٰ نہ بھی کرے' تو اس بچے کا نسب اس آقا سے ثابت ہوگا۔ اب اگر اسی ام ولد' جو اپنے آقا کی فراش ہے' اس کا نکاح کسی اور سے کر دیا جائے تو وہ اپنے شوہر کی بھی فراش بن جائے گی۔ اس صورت میں دو فراشوں کو اکٹھا کرنا لازم آئے گا اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے' اس لئے یہ نکاح درست نہیں ہوگا۔ یہاں ایک اعتراض کیا جا سکتا ہے: وہ یہ کہ ام ولد کو آقا کی فراش قرار دیا گیا ہے' اگر وہ حاملہ ہو' تو اس کے نکاح کو درست قرار نہیں دیا گیا' تو جب وہ حاملہ نہیں ہوتی تو اس وقت بھی اس کا نکاح درست نہیں ہونا چاہئے۔ حالانکہ آپ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر ام ولد حاملہ نہ ہو' تو اس کی کسی دوسرے کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے۔

مصنف نے اس کے جواب میں یہ بات بیان کی ہے: اس صورت میں ام ولد' آقا کی فراش تو ہوگی' لیکن یہ فراش مستحکم نہیں ہوگی' یہی وجہ ہے: اگر آقا بچے کے نسب کی نفی کر دیتا ہے' تو کسی لعان کے بغیر اس بچے کا نسب اس آقا سے منقطع ہو جائے گا حالانکہ اگر فراش مستحکم ہو تو بچے کی نفی کی صورت میں لعان لازم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے: یہاں فراش مؤکد نہیں ہے' تو اب لئے اس فراش کو تقویت دینے کے لئے حمل کو شرط قرار دیا جائے گا۔ اگر ام ولد حاملہ ہو جاتی ہے' تو اس کا فراش مستحکم ہوگا اور کسی دوسرے جگہ اس کا نکاح درست نہیں ہوگا' لیکن اگر وہ حاملہ نہیں ہوتی تو اس کا فراش کمزور ہے' اس اعتبار سے اس کی کسی دوسری جگہ شادی کرنا جائز ہوگا۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جس عورت کا حمل ثابت النسب ہے اُس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ کسی نے اپنی ام ولد حاملہ کا نکاح دوسرے سے کر دیا تو صحیح نہ ہوا اور حمل نہ تھا تو صحیح ہو گیا۔ جس باندی سے وطی کرتا تھا اس کا نکاح کسی سے کر دیا نکاح ہو گیا مگر مالک پر استبرا واجب ہے یعنی جب اس کا نکاح کرنا چاہے تو وطی چھوڑ دے یہاں تک کہ اُسے ایک حیض آ جائے بعد حیض نکاح کر دے اور شوہر کے ذمہ استبرا نہیں، لہٰذا اگر استبرا سے پہلے شوہر نے وطی کر لی تو جائز ہے مگر نہ چاہیے اور اگر مالک بیچنا چاہتا ہے تو استبرا مستحب ہے واجب نہیں۔ زانیہ سے

نکاح کیا تو استبرا کی حاجت نہیں ہے۔ (درمختار، کتاب النکاح)

ثبوت نسب میں زانی سے عدم انتساب میں قاعدہ فقہیہ

اسی طرح ثبوت نسب کے معاملہ میں حنفیہ نے ممکن حد تک احتیاط اور زنا کی طرف انتساب سے بچانے کی کوشش کی ہے، قاضی ابوزید دبوسی رحمہ اللہ نے صحیح لکھا ہے:

"اَلْاَصْلُ عِنْدَنَا اَنَّ الْعِبْرَۃَ فِیْ ثُبُوْتِ النَّسَبِ صِحَّۃُ الْفِرَاشِ وَکَوْنِ الزَّوْجِ مِنْ اَھلِہ لَا بِالتَّمَکُّنِ بِالْوَطْیِ" ۔ (تاسیس النظر)

ہمارے یہاں اصل یہ ہے کہ ثبوت نسب کے لیے (نکاح کے ذریعہ) فراش کا صحیح ہونا اور شوہر کا اس کا اہل ہونا کافی ہے، فی الواقع وطی پر قادر ہونا ضروری نہیں ہے۔

چنانچہ وقت نکاح سے ٹھیک چھ ماہ پر ولادت ہو تب بھی حنفیہ کے یہاں نسب ثابت ہو جائے گا (شامی، فصل فی ثبوت النسب: ۲) اس طرح زوجین میں مشرق و مغرب کا فرق ہو اور بظاہر زوجین کی ملاقات ثابت نہ ہو اس کے باوجود نسب ثابت ہو جائے گا؛ تاکہ کسی مسلمان کی طرف فعل زنا کی نسبت سے بچا جاسکے، کسی مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگائے جانے اور دائرہ اسلام سے خارج کیے جانے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کس درجہ محتاط تھے،

اس کا اندازہ علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، ابن نجیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام صاحبؒ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کہتا تھا کہ مجھے جنت کی امید نہیں، جہنم کا اندیشہ نہیں، خدا سے ڈرتا نہیں ہوں، قرأت اور رکوع وسجدہ کے بغیر نماز پڑھ لیتا ہوں اور ایسی چیز کی شہادت دیتا ہوں جسے دیکھا تک نہیں، حق کو ناپسند کرتا ہوں اور فتنہ کو پسند کرتا ہوں،

امام صاحب رحمہ اللہ نے ان تمام باتوں کی توجیہ فرمائی، فرمایا کہ جنت کے امیدوار نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی رضا کا امیدوار ہوں اور جہنم سے نہ ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا سے ظلم کا خطرہ نہیں، بغیر رکوع وسجدہ اور قرأت کے نماز سے مراد نماز جنازہ ہے، بن دیکھی گواہی توحید کی گواہی ہے، حق سے بغض رکھنے سے مراد موت کو ناپسند کرنا ہے کہ موت بھی سب سے بڑی حقیقت ہے، فتنہ سے محبت کے معنی اولاد سے محبت ہے؛ کیونکہ کہ اولاد کو قرآن میں فتنہ قرار دیا گیا ہے؛ چنانچہ استفسار کرنے والا کھڑا ہوا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جبین فراست کو بوسہ دیا اور عرض کیا کہ آپ ظرف علم ہیں (الاشباہ مع حموی:) غور کیا جائے کہ کس طرح ایک مسلمان کی طرف کفر کی نسبت کرنے سے بچایا گیا؛ البتہ اگر قائل خود ہی کفر کا اعتراف کرلے تو پھر کسی تاویل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

موطوءہ کنیز کی شادی کسی اور کے ساتھ کرنے کا حکم

قَالَ ﴿وَمَنْ وَطِئَ جَارِيَتَهُ ثُمَّ زَوَّجَهَا جَازَ النِّكَاحُ﴾ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِفِرَاشٍ لِمَوْلَاهَا فَإِنَّهَا لَوْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْ غَيْرِ دَعْوَةٍ إِلَّا أَنَّ عَلَيْهِ أَنْ يَسْتَبْرِئَهَا صِيَانَةً لِمَائِهِ ، وَإِذَا جَازَ النِّكَاحُ ﴿فَلِلزَّوْجِ أَنْ يَطَأَهَا قَبْلَ الْإِسْتِبْرَاءِ﴾ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا أُحِبُّ لَهُ أَنْ يَطَأَهَا حَتَّى يَسْتَبْرِئَهَا لِأَنَّهُ احْتَمَلَ الشَّغْلَ بِمَاءِ الْمَوْلَى فَوَجَبَ التَّنَزُّهُ كَمَا فِي الشِّرَاءِ .وَلَهُمَا أَنَّ الْحُكْمَ بِجَوَازِ النِّكَاحِ أَمَارَةُ الْفَرَاغِ فَلَا يُؤْمَرُ بِالِاسْتِبْرَاءِ لَا اسْتِحْبَابًا وَلَا وُجُوبًا .بِخِلَافِ الشِّرَاءِ لِأَنَّهُ يَجُوزُ مَعَ الشَّغْلِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جو شخص اپنی کنیز کے ساتھ صحبت کرے اور پھر اس کی شادی کر دے تو یہ نکاح درست ہوگا۔ کیونکہ یہاں پر وہ اپنے آقا کی ''ام ولد'' شمار نہیں ہوگی' کیونکہ اس صورت میں اگر وہ بچے کو جنم دیتی ہے' تو اس بچے کا نسب دعوے کے بغیر ثابت نہیں ہوگا' البتہ آقا پر یہ بات لازم ہے کہ اپنے نطفے کی حفاظت کے لئے اس کا استبراء کرلے۔ جب یہ نکاح جائز ٹھہرا' تو شوہر کو یہ حق حاصل ہوگا' استبراء سے پہلے' اس کنیز کے ساتھ وطی کرلے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں: ایسے مرد کے لئے میں یہ بات پسند نہیں کروں گا' وہ اس عورت کے ساتھ وطی کرنے جب تک وہ اس کا استبراء نہیں کر لیتا کیونکہ اس بات کا احتمال موجود ہے کہ وہ اپنے آقا کے نطفے کے ساتھ مشغول ہو (یعنی حاملہ ہو چکی ہو) تو اس کا پاک ہونا اسی طرح لازم ہوگا جس طرح خریدنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ ان دونوں (یعنی شیخین ;) حضرات کی دلیل یہ ہے: نکاح کے جواز کا حکم فارغ ہونے کی نشانی ہے۔ لہٰذا استبراء کا حکم نہیں دیا جائے گا' نہ ہی استحباب کے طور پر اور نہ ہی وجوب کے طور پر' جبکہ خریدنے کا حکم اس کے برخلاف ہے' کیونکہ وہ شغل (یعنی دوسرے کے نطفے کے ہمراہ) بھی جائز ہے۔

شریعت اسلامیہ کے مطابق استبرائے رحم کا فقہی معنی ومفہوم

شریعت میں استبراء کا مطلب ہے لونڈی کے رحم کی حمل سے پاکی صفائی طلب کرنا اس کی فقہی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ملکیت میں کوئی لونڈی آئے خواہ اس نے اس کو خریدا ہو یا کسی وصیت میں ملی ہو، یا کسی نے ہبہ کی ہو اور یا میراث میں ملی ہو تو اس شخص کو اس لونڈی سے اس وقت تک جماع کرنا یا مباشرت کرنا اور یا بوسہ لینا وغیرہ حرام ہے جب تک کہ استبراء نہ کرلے یعنی اس کے قبضہ میں آنے کے بعد ایک حیض نہ آجائے اگر اس کو حیض آتا ہو یا نہ آنے کی صورت میں اس پر ایک مہینہ کی مدت نہ گزر جائے اور یا

حاملہ ہونے کی صورت میں ولادت نہ ہو جائے۔

اور یہ استبراء ہر حال میں کرنا ضروری ہے خواہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو یا اس کو کسی عورت نے کیوں نہ خریدا ہو یا وہ کسی محرم یا اپنے نابالغ بچہ کے مال سے بذریعہ وراثت وغیرہ کیوں نہ حاصل ہوئی ہو اگرچہ ان صورتوں میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ استبراء واجب نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ استبراء میں حکمت یہ ہے کہ اس طریقہ سے اس کے رحم کا کسی غیر کے نطفہ سے پاک ہونا معلوم ہو جائے تاکہ اس کے نطفہ کا کسی غیر کے نطفہ کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں کسی غیر کے نطفہ کا کوئی احتمال نہیں ہے لیکن چونکہ یہ صریح نص ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کے غزوہ کے موقع پر حاصل ہونیوالی لونڈیوں کے بارے میں فرمایا کہ خبردار حاملہ لونڈی سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آ جائے اور ظاہر ہے کہ ان لونڈیوں میں باکرہ بھی ہوں گی اور ایسی لونڈیاں بھی ہوں گی جو باکرہ کی نطفہ کے اختلاط کا احتمال نہیں رکھتی ہوں گی اس لئے قیاس کو نظر انداز کر کے ان صورتوں میں بھی استبراء کو واجب قرار دیا ہے۔

استبراء سے متعلق فقہی احکام کا بیان

استبراء کہتے ہیں لونڈی کا رحم پاک کرنے کو، یعنی کوئی نئی لونڈی خریدے، تو جب تک حیض نہ آئے اس سے صحبت نہ کرے۔ اور سفر میں لے جانے کا ذکر اس لیے آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کو جو شروع میں بہ حیثیت لونڈی کے آئی تھیں، سفر میں اپنے ساتھ رکھا۔

آگے روایت میں سد الروحاء کا ذکر آیا ہے جو مدینہ کے قریب ایک مقام تھا۔ حیس کا ذکر آیا ہے، جو ولیمہ میں تیار کیا گیا تھا۔ یہ گھی، کھجور، اور پنیر سے ملا کر بنایا جاتا ہے۔ باب کے آخر میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ مومنون کی ایک آیت کا حصہ نقل کیا اور اس کے اطلاق سے یہ نکالا کہ بیویوں اور لونڈیوں سے مطلقاً حظ نفس درست ہے۔ صرف جماع استبراء سے پہلے ایک حدیث کی رو سے منع ہوا تو دوسرے عیش بدستور درست رہیں گے۔

اور امام حسن بصری رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایسی باندی کا (اس کا مالک) بوسہ لے یا اپنے جسم سے لگائے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب ایسی باندی جس سے وطی کی جا چکی ہے، ہبہ کی جائے یا بیچی جائے یا آزاد کی جائے تو ایک حیض تک اس کا استبراء رحم کرنا چاہئے۔ اور کنواری کے لیے استبراء رحم کی ضرورت نہیں ہے۔ عطاء نے کہا کہ اپنی حاملہ باندی سے شرمگاہ کے سوا باقی جسم سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ مومنون میں فرمایا مگر اپنی بیویوں سے یا باندیوں سے۔ حدیث نمبر 2235 :

ہم سے عبدالغفار بن داؤد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے یعقوب بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا، ان سے عمرو بن ابی عمرو نے اور ان سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے قلعہ فتح

کرادیا تو آپ کے سامنے صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا کے حسن کی تعریف کی گئی۔ان کا شوہر قتل ہو گیا تھا۔وہ خود ابھی دلہن تھیں۔پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لیے پسند کرلیا۔پھر روانگی ہوئی۔جب آپ سدالروحاء پہنچے تو پڑاؤ ہوا۔اور آپ نے وہیں ان کے ساتھ خلوت کی۔پھر ایک چھوٹے دستر خوان پر حیس تیار کر کے رکھوایا۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اپنے قریب کے لوگوں کو ولیمہ کی خبر کردو۔صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا یہی ولیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔پھر جب ہم مدینہ کی طرف چلے تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباء سے صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے پردہ کرایا۔اور اپنے اونٹ کو پاس بٹھا کر اپنا ٹخنہ بچھادیا۔صفیہ رضی اللہ عنہا اپنا پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹخنے پر رکھ کر سوار ہو گئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حیی بن اخطب کی بیٹی ہیں۔یہ کنانہ رئیس خیبر کی بیوی تھیں اور یہ کنانہ وہی یہودی ہے جس نے بہت سے خزانے زیر زمین دفن کر رکھے تھے۔اور فتح خیبر کے موقعہ پر ان سب کو پوشیدہ رکھنا چاہا تھا۔مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی سے اطلاع مل گئی۔اور کنانہ کو خود اسی کے قوم کے اصرار پر قتل کر دیا گیا۔کیوں کہ اکثر غربائے یہود اس سرمایہ دار کی حرکتوں سے نالاں تھے۔اور آج بمشکل ان کو یہ موقع ملا تھا۔صفیہ رضی اللہ عنہا نے پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ چاند میری گود میں ہے۔جب انہوں نے یہ خواب اپنے شوہر کنانہ سے بیان کیا تو اس کی تعبیر کنانہ نے یہ سمجھ کر یہ نبی موعود علیہ السلام کی بیوی بنے گی ان کے منہ پر ایک زور کا طمانچہ مارا تھا۔خیبر فتح ہوا تو یہ بھی قیدیوں میں تھی اور حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کے حصہ غنیمت مین لگادی گئی تھی۔

بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شرافت نسبی معلوم ہوئی کہ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے خاندان سے ہیں تو آپ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ان کے عوض سات غلام دے کر ان سے واپس لے کر آزاد فرمادیا۔اور خود انہوں نے اپنے پرانے خواب کی بناء پر آپ سے شرف زوجیت کا سوال کیا،تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حرم محترم میں ان کو داخل فرمالیا۔اور ان کا مہر ان کی آزادی کو قرار دے دیا۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بہت ہی وفادار اور علم دوست ثابت ہوئیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی شرافت کے پیش نظر ان کو عزت خاص عطا فرمائی۔اس سفر ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عباء مبارک سے ان کا پردہ کرایا اور اپنے اونٹ کے پاس بیٹھ کر اپنا ٹخنہ بچھادیا۔جس پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنا پاؤں رکھا اور اونٹ پر سوار ہو گئیں۔50ھ میں انہوں نے وفات پائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے بہت سے مسائل کا استخراج فرماتے ہوئے کئی جگہ اسے مختصر اور مطول نقل فرمایا ہے۔یہاں آپ کے پیش نظر وہ جملہ مسائل ہیں جن کا ذکر آپ نے ترجمۃ الباب میں فرمایا ہے اور وہ سب اس حدیث سے بخوبی ثابت ہوتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا لونڈی کی حیثیت میں آئی تھیں۔آپ نے ان کو آزاد فرمایا اور سفر میں اپنے ہمراہ رکھا۔اسی سے باب کا مقصد ثابت ہوا۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جس باندی سے وطی کرتا تھا اس کا نکاح کسی سے کر دیا نکاح ہو گیا مگر مالک پر استبرا واجب ہے یعنی جب اس کا نکاح کرنا چاہے تو وطی چھوڑ دے یہاں تک کہ اُسے ایک حیض آ جائے بعدِ حیض نکاح کر دے اور شوہر کے ذمہ استبرا نہیں، لہٰذا اگر استبرا سے پہلے شوہر نے وطی کر لی تو جائز ہے مگر نہ چاہیے اور اگر مالک بیچنا چاہتا ہے تو استبرا مستحب ہے واجب نہیں۔ زانیہ سے نکاح کیا تو استبرا کی حاجت نہیں۔ (درمختار، کتاب النکاح)

لونڈیوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنے کی ممانعت

عرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ جو لونڈیاں گرفتار ہو کر آتی تھیں، ان سے استبراء رحم کے بغیر مباشرت کرنا جائز سمجھتے تھے اور اس میں حاملہ وغیرہ حاملہ کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز قرار دیا اور ان لونڈیوں کو مطلقہ عورتوں کے حکم میں شامل کر لیا، یعنی جب تک غیر حاملہ لونڈیوں پر عدت حیض نہ گذر جائے اور حاملہ لونڈیوں کا وضع حمل نہ ہو جائے ان سے اس قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام غزوات میں اس حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت رویفع بن ثابت انصاریؓ نے مغرب کے ایک گاؤں پر حملہ کیا مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو فوج کو یہ ہدایت فرمائی۔

من اصاب من هذا السبى فلايطوء ها حتى تحيض

یہ لونڈیاں جن لوگوں کے حصے میں آئیں جب تک ان کو حیض نہ آ جائے وہ ان سے جماع نہ کریں۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

أيها الناس إني لا أقول فيكم إلا ما سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول قام فينـا يوم حنين فقال لا يحل لامرء يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقى ماء ه زرع غيره يعنى آتيان الحبالى من السبايا وأن يصيب امرأة ثيبا من السبئ حتى يستبرئها (مسند ابن حنبل)

لوگو! میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ نے حنین کے دن فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کی کھیتی میں آب پاشی کرے یعنی حاملہ اور ثیبہ لونڈیوں سے بغیر استبراء رحم جماع کرے۔

بغیر استبراء کے جماع کرنے پر وعید کا بیان

حضرت ابو درداء کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے قریب سے گزرے جس کے جلد ہی ولادت ہونے والی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا کہ یہ کوئی آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کی لونڈی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا وہ شخص اس سے صحبت کرتا ہے صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے یعنی ایسی لعنت جو ہمیشہ رہے بایں طور کہ اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد باقی رہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا جب کہ بیٹے سے خدمت کے لیے کہنا یا اس کو غلام بنانا حلال نہیں ہے یا اسکو کس طرح اپنا وارث قرار دے گا جب کہ غیر کے بیٹے کو اپنا وارث بنانا حلال نہیں ہے (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 531)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت کا ارادہ اس لئے فرمایا کہ جب اس نے ایک لونڈی سے جماع کیا جو حالت حمل میں اس کی ملکیت میں آئی تو اس استبراء کو ترک کیا حالانکہ وہ فرض ہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا الخ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ ترک استبراء پر لعنت کے سبب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لونڈی سے بغیر استبراء کے صحبت کرے گا اور پھر اس سے بچہ پیدا ہوگا تو اس بچہ کے بارے میں یا یہ احتمال ہوگا کہ وہ اس شخص کے نطفہ سے جس کی ملکیت سے نکل کر یہ لونڈی بغیر استبراء کے صحبت کرنیوالے کی ملکیت میں آئی ہے تو وہ اس صورت میں اگر وہ شخص کہ جس نے بغیر استبراء کے اس لونڈی سے جماع کیا ہے اس بچہ کے نسب کا اقرار کرے گا یعنی یہ کہے گا کہ یہ بچہ میرا ہے جب کہ حقیقت میں وہ اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو وہ بچہ اس شخص کا وارث ہوگا لہذا اس طرح ایک دوسرے شخص کے بچہ کا اپنا وارث بنانا لازم آئے گا جو حرام ہے اور اس پر وہ لعنت کا مستحق ہوگا یا پھر یہ صورت ہوگی کہ وہ اس بچہ کے نسب سے انکار کردے گا جب کہ اس احتمال کے مطابق حقیقت میں وہ بچہ اس کا بیٹا ہوگا لہذا اس طرح اپنے ہی بیٹے سے غلامی کرانا اور اپنا نسب منقطع کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی لعنت کو مستحق کرنیوالی صورت ہے لہذا ثابت ہوا کہ تحقیق حال کے لئے استبراء نہایت ضروری ہے۔

زانیہ عورت کے ساتھ شادی کا حکم

﴿وَكَذَا إِذَا رَأَى امْرَأَةً تَزْنِي فَتَزَوَّجَهَا حَلَّ لَهُ أَنْ يَطَأَهَا قَبْلَ أَنْ يَسْتَبْرِئَهَا عِنْدَهُمَا، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا أُحِبُّ لَهُ أَنْ يَطَأَهَا مَا لَمْ يَسْتَبْرِئْهَا﴾ وَالْمَعْنَى مَا ذَكَرْنَا.

ترجمہ

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی عورت کو زنا کرتے ہوئے دیکھے اور پھر اس عورت کے ساتھ شادی کرلے تو اس مرد کے لئے یہ بات جائز ہے کہ اس عورت کے استبراء سے پہلے اس کے ساتھ وطی کرلے یہ ان دونوں حضرات (امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف) کے نزدیک ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں: میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ اس مرد کو یہ حق ہو کہ وہ اس عورت کے ساتھ وطی کرے جب تک وہ اس کا استبراء نہیں کرلیتا۔ اس کا مفہوم وہی ہے، جو ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔

تین حیض کے استبراء سے قبل وطی کرنے کا بیان

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں " : اور اگر عورت مرد سے زنا کرے، یا اس کا خاوند زنا کرے تو عام اہل علم کے قول کے مطابق

نکاح فسخ نہیں ہوگا، چاہے زنا دخول سے قبل ہو یا دخول کے بعد، لیکن امام احمد نے بیوی کے زنا کرنے کی صورت میں مرد کے لیے بیوی کو چھوڑنا مستحب قرار دیا ہے۔

ان کا کہنا ہے: میرے رائے کے مطابق اس طرح کی عورت کو رکھنا نہیں چاہیے، کیونکہ خدشہ ہے کہ وہ اس کا بستر خراب کریگی، اور ایسی اولاد اس سے ملحق کریگی جو اس کی نہیں۔

ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: لگتا ہے جس نے اس عورت کو ناپسند کیا ہے وہ حرام ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ مکروہ ہے، تو یہ امام احمد کے اس قول جیسا ہی ہوگا۔

امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے: وہ تین حیض سے اس کا استبراء رحم کیے بغیر اس سے وطئی اور جماع نہ کرے۔ اور بہتر یہی ہے کہ ایک حیض کے ساتھ ہی اس کا استبراء رحم کافی ہے۔ (المغنی ابن قدامہ (9 / . (565)

اور کشاف القناع میں درج ہے: "اور اگر دخول سے قبل یا بعد عورت زنا کرے تو نکاح فسخ نہیں ہوتا، یا پھر مرد اپنی بیوی سے دخول کرنے سے قبل یا بعد زنا کا مرتکب ہو تو زنا سے نکاح فسخ نہیں ہوگا، اور نہ ہی اس کے نکاح میں رہنا حرام ہوتا ہے، بعض جنہوں نے زانیہ کے نکاح سے ممانعت کا کہا ہے انہوں نے اس کے نکاح میں ہمیشہ رہنا میں فرق کرتے ہوئے ایسا کہا ہے۔

اس قول والوں نے عمرو بن احوص جشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے: وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر موجود تھے، وہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور وعظ و نصیحت فرماتے ہوئے کہا: "عورتوں کے ساتھ اچھا اور بہتر سلوک کیا کرو، کیونکہ وہ تمہارے ماتحت اور قیدی ہیں، تم انہیں تکلیف دینے کے مالک نہیں، الا یہ کہ اگر وہ واضح فحش کام کریں اگر وہ اس کی مرتکب ہوں تو ان کے پاس مت جاؤ اور بستر میں انہیں علیحدہ چھوڑ دو، اور انہیں مارو لیکن وہ زخم نہ کرے اور ہڈی نہ توڑے، اور اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو تم ان کے خلاف کوئی راہ تلاش مت کرو"

علامہ شوکانی عمرو بن احوص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کے متعلق کہتے ہیں: اسے ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح کہا ہے، اور ابن عبد البر "الاستیعاب" میں عمرو بن احوص کے حالات زندگی لکھتے ہوئے کہتے ہیں: اور خطبہ کے متعلق اس کی حدیث صحیح ہے۔ (کشاف القناع (5 / . (2)

آزاد و باندی کے اختلاف استبراء کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں حاصل کردہ ایک لونڈی کے بارے میں حکم دیا کہ اس سے اس وقت تک ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے جائیں جب تک ایک مرتبہ حیض آنے سے اس کا "استبراء" نہ ہو جائے (یعنی یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ حاملہ تو نہیں ہے۔) آزاد اور لونڈی کے بارے میں استبراء میں فرق کیا گیا ہے۔ آزاد خاتون کا استبراء تین مکمل حیض کے دورانیوں سے ہوتا ہے جب وہ پاک ہو جائے اور لونڈی کا استبراء ایک ہی مکمل حیض سے پاکیزگی کے بعد ہوتا ہے۔

وطی سے متعلق اباحت کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ "دخول کے بغیر سرینوں کے ساتھ لذت حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ سنت نبویہ میں دبر کی حرمت وارد ہے اور وہ اس میں مخصوص ہے، اور اس لیے بھی کہ یہ گندگی کی بنا پر حرام کیا گیا ہے، اور یہ دبر (یعنی پاخانہ کرنے والی جگہ) کے ساتھ خاص ہے، اس لیے حرمت بھی اس کے ساتھ خاص ہوئی۔(المغنی ابن قدامہ (7 / 226)

اور الکاسانی رحمہ اللہ کہتے ہیں " : صحیح نکاح کے احکام میں عورت کو زندگی میں سر سے لیکر پاؤں تک دیکھنا اور چھونا شامل ہے؛ کیونکہ وطء اور جماع تو دیکھنے اور چھونے سے بھی اوپر ہے، اس لیے جماع اور وطئی کی حلت دیکھنے اور چھونے کے لیے بالاولی حلت ہوگی۔(بدائع الصنائع (2 / 231)

اور ابن عابدین کہتے ہیں " : ابو یوسف نے ابوحنیفہ سے دریافت کیا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کی شرمگاہ کو چھوئے اور بیوی خاوند کی شرمگاہ کو چھوئے تا کہ اس میں حرکت پیدا ہو تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں، مجھے امید ہے کہ اس میں عظیم اجر ملے گا۔(رد المحتار (6 / 367)

قال أبو زكريا بن أبي إسحاق في آخرين قالوا :نا أبو العباس الأصم أنا الربيع بن سليمان نا الشافعي :أنا سفيان عن يحيى بن سعيد ، عن سعيد بن المسيب أنه قال في قول الله عز وجل :(الزاني لا ينكح إلا زانية أو مشركة والزانية لا ينكحها إلا زان أو مشرك وحرم ذلك على المؤمنين) . إنها منسوخة ؛ نسخها قول الله - ص - 179عز وجل :(وأنكحوا الأيامى منكم) ؛ فهي من أيامى المسلمين .

قال الشافعي (رحمه الله) في غير هذه الرواية :فهذا :كما قال ابن المسيب إن شاء الله وعليه دلائل من القرآن والسنة.

وذكر الشافعي (رحمه الله) سائر ما قيل في هذه الآية وهو منقول في (المبسوط) ، وفي كتاب :(المعرفة) .

نکاحِ متعہ کے بارے میں فقہی احکام

قَالَ ﴿وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ بَاطِلٌ﴾ وَهُوَ اَنْ يَقُوْلَ لِامْرَاَةٍ اَتَمَتَّعُ بِك كَذَا مُدَّةً بِكَذَا مِنَ الْمَالِ وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ :هُوَ جَائِزٌ لِاَنَّهُ كَانَ مُبَاحًا فَيَبْقَى اِلَى اَنْ يَظْهَرَ نَاسِخُهُ .قُلْنَا :ثَبَتَ النَّسْخُ بِاِجْمَاعِ (ا) الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمْ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ

عَنْهُمَا صَحَّ رُجُوْعُهُ اِلٰى قَوْلِهِمْ فَتَقَرَّرَ الْاِجْمَاعُ (۲)۔

ترجمہ

فرمایا: اور نکاح "متعہ" باطل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے: مرد عورت سے یہ کہے: میں اتنے مال کے عوض میں اتنے عرصے تک تم سے تمتع کرتا رہوں گا۔ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: یہ جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: یہ پہلے مباح تھا' تو اس کی یہ صورت حال باقی رہے گی یہاں تک کہ اس کو منسوخ کرنے والی چیز ظاہر ہو جائے۔ ہم یہ کہتے ہیں: اس کا منسوخ ہونا صحابہ کرام کے اجماع کے ذریعے ثابت ہے۔ جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تعلق ہے' تو ان کا بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موقف کی طرف رجوع کرنا ثابت ہے' لہٰذا اجماع مقرر ہو گیا ہے۔

(۱) اخرجه مسلم في "صحيحه" في باب نكاح المتعة عن ابي نضرة: كنت عند جابر فاتاه آت فقال: ان ابن عباس و ابن الزبير اختلفا في المتعتين فقال جابر فعلنا هما مع رسول الله ﷺ' ثم نهانا عنهما عمر' فلم نعد لهما' انظر "نصب الراية" ۳/۱۷۶-۱۷۷ و "الدراية" ۲/۵۷(۲) اخرج الترمذي في "جامعه" برقم (۱۱۳۶) عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: انما كانت المتعة في اول الاسلام' كان الرجل يقدم البلدة' ليس له بها معرفة' فيتزوج المراة بقدر مايرى انه يقيم' فتحفظ له متاعه' وتصلح له شيئه' حتى اذا نزلت الآية (الا على ازواجهم او ماملكت ايمانهم) قال ابن عباس رضي الله عنهما: "فكل فرج سواهما فهو حرام" قال الحافظ ابن حجر في "الدراية" ولا يصح هذا عن ابن عباس فانه من رواية موسى بن عقبة وهو ضعيف جدا لانه لم يلت بها وقال: والله ما بهذا افتيت وما هي الا كالميتة والدم' ولا تحل الا للمضطر انظر "الدراية" ۲/۵۹

اہل تشیع کے نزدیک متعہ (بدکاری) کے احکام

معروف شیعہ مصنف محمد حسن مطہری احکام شیعہ میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۸۱۲ عورت کے ساتھ متعہ کرنا اگرچہ لذت حاصل کرنے کے لئے نہ بھی ہو تب بھی صحیح ہے۔

مسئلہ ۱۸۲ احتیاط واجب یہ ہے کہ مرد نے جس عورت سے متعہ کیا ہو اس کے ساتھ چار مہینے سے زیادہ مجامعت ترک نہ کرے مگر یہ کہ وہ راضی ہو جائے۔

مسئلہ ۲۷۸ جس عورت کے ساتھ متعہ کیا جا رہا ہو اگر وہ عقد میں یہ شرط عائد کرے کہ شوہر اس سے مجامعت نہ کرے تو عقد اور اس کی عائد کردہ شرط صحیح ہے اور شوہر اس سے فقط دوسری لذتیں حاصل کر سکتا ہے' لیکن اگر وہ بعد میں راضی ہو جائے تو شوہر اس سے مجامعت کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۲۸۸ جس عورت کے ساتھ متعہ کیا گیا ہو خواہ وہ حاملہ بھی ہو جائے تب بھی خرچہ لینے کا حق نہیں رکھتی ہے مگر یہ کہ اس نے عقد متعہ یا کسی دوسرے لازم عقد میں اس بات کی شرط رکھ دی ہو' اسی طرح اس وقت خرچ لینے کا حق رکھتی ہے جب کسی عقد جائز میں شرط رکھی ہو بشرطیکہ وہ عقد جائز باقی رہے۔

مسئلہ ۱۸۹: جس عورت کے ساتھ متعہ کیا گیا ہو وہ ہم بستری کا حق نہیں رکھتی ہے اور شوہر سے میراث بھی نہیں پاتی ہے اور شوہر بھی اس سے میراث نہیں پاتا ہے مگر یہ کہ میراث پانے کی شرط عائد کی ہو تو اس صورت میں جس نے ایسی شرط عائد کی ہو وہ میراث پاتا ہے۔

مسئلہ ۱۹۰: جس عورت سے متعہ کیا گیا ہو اگرچہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ خرچ اور ہم بستری کا حق نہیں رکھتی اس کا عقد صحیح ہے اور اس وجہ سے کہ وہ ان امور سے ناواقف تھی اس کا شوہر پر کوئی حق پیدا نہیں ہوتا ہے۔

مسئلہ ۱۹۱: جس عورت سے متعہ کیا گیا ہو وہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکل سکتی ہے لیکن اگر اس کے باہر نکلنے سے شوہر کا حق ضائع ہو رہا ہو تو اس کا باہر نکلنا حرام ہے۔

مسئلہ ۱۹۲: اگر کوئی عورت کسی مرد کو وکیل بنائے کہ معین مدت اور معین رقم کے عوض اس کا خود اپنے ساتھ متعہ پڑھے اور وہ مرد اس کا دائمی عقد اپنے ساتھ پڑھ لے یا معینہ مدت یا مقررہ مہر کے علاوہ پر عقد متعہ پڑھ دے تو پتہ چلنے پر اگر عورت اس کی اجازت دے دے تو عقد صحیح ہے ورنہ باطل ہے۔

مسئلہ ۱۹۳: اگر باپ یا دادا محرم بن جانے کی غرض سے کسی لڑکی کا عقد تھوڑی مدت کے لئے مثلاً ایک گھنٹے کے لئے اپنے ایسے بیٹے سے کر دیں جو لذت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو یہ عقد صحیح ہے اور باپ یا دادا اس بیٹے کے فائدہ و مصلحت کا خیال رکھتے ہوئے عقد کی مدت عورت کو بخش سکتے ہیں۔ اسی طرح باپ یا دادا محرم بن جانے کی غرض سے کسی شخص کا عقد اپنی ایسی نابالغ بیٹی سے کر سکتے ہیں جس سے لذت اٹھائی جا سکتی ہو اور دونوں صورتوں میں ضروری ہے کہ عقد کی وجہ سے نابالغ بچے کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچے۔

مسئلہ ۱۹۴: اگر باپ یا دادا اپنی لڑکی کا عقد محرم بن جانے کی خاطر کسی سے کر دیں جب کہ وہ لڑکی دوسری جگہ پر ہو اور معلوم نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی ہے تو اگر وہ لڑکی عقد کی مدت میں اس قابل ہو کہ اس سے لذت اٹھائی جا سکے تو ظاہراً محرم بننا حاصل ہو جائے گا۔ ہاں، اگر بعد میں پتہ چلے کہ وہ لڑکی زندہ نہیں تھی تو عقد باطل ہے اور وہ لوگ جو عقد کی وجہ سے بظاہر محرم بن گئے تھے نامحرم ہیں۔

مسئلہ ۱۹۵: اگر مرد غیر دائمی ازدواج کی مدت عورت کو بخش دے تو اگر اس نے اس کے ساتھ مجامعت کی ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام چیزیں جن کا عہد کیا تھا اسے دے دے اور اگر اس نے اس کے ساتھ مجامعت نہ کی ہو تو ضروری ہے کہ ان چیزوں کی آدھی مقدار اسے دے اور احتیاط مستحب یہ ہے کہ وہ تمام چیزیں دے دے۔

مسئلہ ۱۹۶: مرد کے لئے جائز ہے کہ جس عورت کے ساتھ اس نے پہلے متعہ کیا ہو اور عقد کی مدت تمام ہو گئی ہو یا اس نے مدت بخش دی ہو لیکن عدت کی مدت ابھی پوری نہ ہوئی ہو، اس سے دائمی عقد کر لے یا دوبارہ متعہ کر لے۔ (احکام شیعہ، نکاح کے احکام)

نکاح متعہ کی حرمت کے دلائل کا بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا ہے

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے گدھوں کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا ہے گھروں میں رہنے والے گدھوں سے مراد وہ گدھے ہیں جو لوگوں کے پاس رہتے ہیں اور بار برداری وغیرہ کے کام آتے ہیں جنگلی گدھا کہ جس کو گورخر کہتے ہیں حلال ہے اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے۔ (بخاری ومسلم) مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 363

کسی متعینہ مدت کے لیے ایک متعینہ رقم کے عوض نکاح کرنے کو متعہ کہتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ یہ کہہ کر نکاح کرے کہ فلاں مدت مثلا دو سال تک اتنے روپے مثلا ایک ہزار روپے) کے عوض تم سے فائدہ اٹھاؤں گا نکاح کا یہ خاص طریقہ یعنی متعہ اسلام کے ابتداء زمانہ میں تو جائز تھا مگر بعد میں حرام قرار دیا گیا۔

علماء لکھتے ہیں کہ متعہ کے سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ متعہ دو مرتبہ تو حلال قرار دیا گیا اور دو مرتبہ حرام ہوا، چنانچہ پہلی مرتبہ تو جنگ خیبر سے پہلے کسی جہاد میں جب صحابہ تجرد کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصی کرانے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متعہ کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر جنگ خیبر کے دن جو ۷ ھ کا واقعہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے متعہ کو حرام قرار دیا چنانچہ جواز متعہ کا فسخ ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت ابن عمر نے اپنی روایت میں یہ ذکر کیا ہے کہ جس طرح حالت اضطرار میں بھوکے کو مردار کھانے کی اجازت ہے اسی طرح اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس شخص کے لئے جو بسبب تجرد جنسی ہیجان کی وجہ سے حالت اضطرار کو پہنچ گیا ہو یہ اجازت تھی کہ وہ متعہ کرلے مگر جب بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ حرام قرار دیا گیا تو) پھر صحابہ نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ متعہ کے طور پر جو بھی نکاح ہوا اسے باطل قرار دیا جائے۔

اس لئے ہر دور میں تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع واتفاق رہا ہے کہ متعہ حرام ہے کیا صحابہ کیا فقہاء اور کیا محدثین سبھی کے نزدیک اس کا حرام ہونا ایک متفقہ مسئلہ ہے صحابہ میں صرف ابن عباس پہلے اضطرار کی حالت میں متعہ کو مباح سمجھتے تھے مگر جب حضرت علی المرتضی نے ان کو سخت تہدید کی اور متعہ کی قطعی وابدی حرمت سے ان کو واقف کیا تو حضرت ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کرلیا اور وہ بھی اس کی حرمت کے قائل ہوگئے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس کا اپنے اباحت کے قول سے رجوع کرنا حدیث وفقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ہدایہ فقہ حنفی کی ایک مشہور ترین اور اونچے درجہ کی کتاب ہے، اس کے مصنف اپنے علم وفضل اور فقہی بصیرت ونکتہ رسی کے اعتبار سے فقہاء کی جماعت میں سب سے بلند مرتبہ حیثیت کے حامل ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ متعہ کے سلسلہ میں انہوں نے حضرت امام مالک کی طرف قول جواز کی جو نسبت کی ہے وہ ان کی سخت علمی چوک ہے نہ معلوم انہوں نے یہ بات کہاں سے لکھ دی کہ امام مالک متعہ کے جائز ہونے کے قائل تھے۔ امام مالک بھی متعہ کو اسی طرح حرام کہتے ہیں جس طرح تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ چنانچہ نہ صرف ابن ہمام نے ہدایہ میں مذکورہ امام مالک کی طرف قول جواز کی نسبت کو غلط کہا ہے بلکہ ہدایہ کے بعد فقہ کی جتنی بڑی کتابیں تالیف ہوئیں تقریبا سب ہی میں ہدایہ کی اس غلطی کو بیان کرنا لازم سمجھا گیا ہے۔

حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 308

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ متعہ حرام ہے۔ لیکن نہ معلوم شیعہ یوں اب بھی اسے جائز کہتے ہیں۔ بڑی عجیب بات یہ ہے کہ شیعوں کی کتابوں میں تو انہی کی صحیح احادیث میں ائمہ سے متعہ کی حرمت، منقول ہے مگر شیعوں کا عمل یہ ہے کہ وہ نہ صرف متعہ کے حلال ہونے پر اصرار کرتے ہیں بلکہ اس کے فضائل بھی بیان کرتے ہیں اور پھر مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ شیعہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ متعہ کو دراصل حضرت عمر نے حرام کیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے حضرت عمر کو حرام کرنے کا کیا اختیار تھا ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ انہوں نے جس طرح دوسرے اسلامی احکام کی تبلیغ میں بڑی شدت کے ساتھ حصہ لیا ہے اسی طرح انہوں نے متعہ کی حرمت کے اعلان میں بھی بڑی شد و مد کے ساتھ کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا آخری اعلان یہ تھا کہ اگر میں نے سنا کہ کسی نے متعہ کیا ہے تو میں اس کو زنا کی سزا دوں گا ان کے اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اس وقت کی متعہ کی حرمت سے ناواقف تھے وہ بھی واقف ہو گئے لہذا حضرت عمر نے تو صرف اتنا کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی تبلیغ کردی اب اگر شیعہ یہ کہیں کہ متعہ کو حضرت عمر نے حرام کیا ہے تو اس کی ایک مضحکہ خیز الزام سے زیادہ کوئی اور اہمیت نہیں ہوگی۔

حضرت سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اوطاس کے تین یوم کے لئے متعہ کی اجازت دی تھی پھر اس سے ہمیشہ کے لئے منع کر دیا (مسلم) مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 364

اوطاس ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب طائف جانیوالے راستہ میں واقع ہے اور جس کے گرد وپیش قبیلہ ہوازن کی شاخیں آباد تھیں اس کو وادی حنین بھی کہتے ہیں جب رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کی طاقت نے گویا پورے عرب کے باطل عناصر کو حق کے سامنے سرنگوں کر دیا تو اوطاس میں بسنے والے ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کو بڑی غیرت آئی اور انہوں نے پوری حشر سامانیوں کے ساتھ ایک مرتبہ اسلام کے مقابلہ کی ٹھانی چنانچہ شوال ۸ھ میں ان قبیلوں کے لوگوں کے ساتھ اوطاس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں وہ جنگ ہوئی جسے غزوہ حنین کہا جاتا ہے اور غزوہ اوطاس اور غزوہ ہوازن کے نام سے بھی اس کو یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو سر بلند کیا اور اسلامی لشکر کو فتح عطاء فرمائی اس غزوہ میں غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو بہت زیادہ مال واسباب ہاتھ لگا چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور تقریباً چالیس ہزار روپیہ کی مالیت کی چاندی پر مسلمانوں نے قبضہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا مال غنیمت وہیں اوطاس میں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

بہر حال متعہ کی تحلیل وتحریم دوسری مرتبہ اسی جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے اور یہ جنگ چونکہ فتح مکہ کے فوراً بعد

ہوئی ہے اس لئے اس موقع پر متعہ کی ہونیوالی تحلیل وتحریم کی نسبت کو فتح مکہ کے دن کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ گویا اس سے پہلے کی حدیث کی تشریح میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ متعہ کی تحلیل وتحریم دوسری مرتبہ فتح مکہ کے دن ہوئی ہے تو وہاں فتح مکہ کے دن سے مراد فتح مکہ کے سال ہے، لہٰذا اب بات یوں ہوگی کہ دوسری مرتبہ متعہ کی تحلیل وتحریم فتح مکہ کے سال یعنی ۸ھ میں جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے۔

جوازِ متعہ کی تنسیخ کا بیان

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ ایک غزوہ کے موقع پر ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک جہاد تھے اور اس وقت ہمارے ساتھ ہماری عورتیں یعنی بیویاں اور لونڈیاں نہیں تھیں چنانچہ جب عورتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم جنسی ہیجان سے پریشان ہوئے تو (ہم نے کہا کہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تا کہ جنسی ہیجان اور شیطان کے وسوسوں سے ہمیں نجات مل جائے) لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے تو منع فرمادیا البتہ ہمیں متعہ کرنے کی اجازت دیدی چنانچہ ہم میں سے بعض لوگ کپڑے کے معاوضہ پر ایک معینہ مدت کے لئے عورت سے نکاح (متعہ) کر لیتے تھے۔ اس کے بعد ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ)5 ۔ المائدہ87 :) (اے ایمان والو! جن پاک چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان کو حرام نہ سمجھو)۔

(بخاری ومسلم) مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 370)

یہ حدیث متعہ کی اجازت پر دلالت کرتی ہے چنانچہ ابتداء اسلام میں متعہ کی اجازت تھی مگر بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی اور اب متعہ کرنا حرام ہے جیسا کہ آگے آنیوالی حدیث سے بھی معلوم ہوگا اور پہلے بھی وہ احادیث گزر چکی ہیں جن سے متعہ کی اجازت کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

حضرت ابن مسعود کا مذکورہ بالا آیت پڑھنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت ابن مسعود بھی حضرت ابن عباس کی طرح متعہ کی مباح ہونے کے قائل تھے، لیکن حضرت ابن عباس کے بارے میں تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور وہ بھی متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہو گئے تھے جیسا کہ آگے آنیوالی حدیث سے معلوم ہوگا اب رہی حضرت ابن مسعود کی بات تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بھی اس کے بعد اس سے رجوع کر لیا ہو اور وہ بھی متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہو گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں جواز متعہ کے منسوخ ہونے کا صریح حکم معلوم ہی نہ ہوا ہو اور اس وجہ سے وہ آخر تک جواز متعہ کے قائل رہے ہوں۔

اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ متعہ کا جواز صرف ابتداء اسلام میں تھا اور اس وقت متعہ کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ) جب کوئی مرد کسی شہر میں جاتا اور وہاں لوگوں سے اس کی کوئی شناسائی نہ ہوتی کہ جن کے ہاں وہ اپنے قیام وطعام کا

بندوبست کرتا تو وہاں کسی عورت سے اتنی مدت کے لیے نکاح کر لیتا جتنی مدت اس کو ٹھہرنا ہوتا چنانچہ وہ عورت اس کے سامان کی دیکھ بھال کرتی اور اس کا کھانا پکاتی یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی (**الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم**) (حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان دونوں یعنی بیوی اور لونڈی کی شرمگاہ کے علاوہ ہر شرمگاہ حرام ہے۔ (ترمذی)

آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اپنی شرمگاہوں کو اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے محفوظ رکھتے ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے لیکن جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر قناعت نہیں کرتے یا جو لوگ نکاح کے ذریعہ اپنی شرعی طور پر اپنی جنسی خواہش کی تسکین کا سامان نہیں کرتے بلکہ غیر عورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں وہ دراصل حلال سے گزر کر حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں جن کے لیے سخت ملامت ہے۔

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے حضرت ابن عباس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ پرہیزگار بندوں کی تعریف بیان کی ہے کہ وہ عورتوں سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں البتہ اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں سے اجتناب نہیں کرتے بلکہ ان کے ذریعہ اپنے جنسی جذبات کو تسکین پہنچاتے ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ متعہ کی صورت میں جو اس عورت پر تسلط حاصل ہوتا ہے وہ نہ تو بیوی ہوتی ہے اور نہ مملوکہ لونڈی ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ بیوی ہوتی تو اس کے اور اسکے مرد کے درمیان میراث کا سلسلہ ضرور ہوتا اور یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ متعہ کی عورت کے ساتھ میراث کا کوئی سلسلہ قائم نہیں ہوتا چونکہ وہ عورت محض چند روز یعنی ایک متعین مدت کے لیے اجرت پر اپنے نفس کو اس مرد کے حوالہ کرتی ہے۔ اس لئے وہ مملوکہ بھی نہیں ہوسکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص متعہ کے طور پر کسی عورت سے جنسی تسکین حاصل کرتا ہے تو وہ ان لوگوں کے زمرہ میں نہیں ہے جن کی توصیف مذکورہ آیت بیان کر رہی ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے متعہ کرتا ہے تو وہ عورت اس کی بیوی نہیں بنتی اور جب وہ بیوی نہیں بنتی تو پھر لامحالہ یہ واجب ہوگا کہ وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہو۔

شیعوں کے بارے میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ان کے نزدیک متعہ جائز ہے چنانچہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کہ وہ حضرت ابن عباس کے قول پر تو عمل کرتے ہوئے متعہ کو جائز کہتے ہیں۔ باوجودیکہ جواز متعہ کے بارے میں حضرت ابن عباس کا اپنے قول سے رجوع کرنا ثابت ہو چکا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مسلک وعقیدہ کو ترک کرتے ہیں اور انکے خلاف عمل کرتے ہیں جب کہ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ جب حضرت علی نے یہ سنا کہ حضرت ابن عباس متعہ کو جائز کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عباس ایسا نہ کہو کیونکہ میں نے خود سنا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔

ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرمت متعہ کے بارے میں احادیث

(۱) حضرت ربیع بن سبرہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے نکاح متعہ کی اجازت دی تھے اور تحقیق اللہ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کردیا ہے پس جس کے پاس ان میں سے کوئی عورت ہو تو اسے آزاد کردے اور ان سے جو کچھ تم نے انہیں دیا ہے نہ لے۔ (صحیح مسلم: جلددوم: حدیث نمبر 929)

(۲) حضرت عبدالملک بن ربیع بن سبرہ الجہنی اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فتح مکہ کے سال مکہ میں داخلہ کے وقت نکاح متعہ کی اجازت دی پھر ہم مکہ سے نکلے ہی نہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمادیا۔ (صحیح مسلم: جلددوم: حدیث نمبر 931)

(۳) حضرت ابی ربیع بن سبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو فتح مکہ کے سال عورتوں سے نکاح متعہ کی اجازت دی راوی کہتے ہیں پس میں اور میرا ایک ساتھی بنی سلیم سے نکلے یہاں تک کہ ہم نے بنی عامر کی ایک عورت کو پایا جو کہ نوجوان اور لمبی گردن والی معلوم ہوتی تھی ہم نے اسے نکاح متعہ کا پیغام دیا اور اس کے سامنے ہم نے اپنی اپنی دو چادریں پیش کیں پس اس نے مجھے دیکھنا شروع کیا کیونکہ میں اپنے ساتھی سے زیادہ خوبصورت تھا اور میرے ساتھی کی چادر کو دیکھا جو کہ میری چادر سے زیادہ عمدہ تھی تھوڑی دیر تک اس نے سوچا پھر مجھے میرے ساتھی سے پسند کرلیا پس وہ میرے ساتھ تین دن تک رہی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں مسلمانوں کو ان کے چھوڑنے کا حکم دے دیا۔
(صحیح مسلم: جلددوم: حدیث نمبر 932)

(۴) حضرت ربیع بن سبرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح متعہ سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم: جلددوم: حدیث نمبر 933)

(۵) حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ میں قیام کیا تو فرمایا کہ لوگوں کے دلوں کو اللہ نے اندھا کردیا ہے جیسا کہ وہ بینائی سے نابینا ہیں کہ وہ متعہ کا فتویٰ دیتے ہیں اتنے میں ایک آدمی نے انہیں پکارا اور کہا کہ تم کم علم اور نادان ہو میری عمر کی قسم امام المتقین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں متعہ کیا جاتا تھا تو ان سے (ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے) ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تم اپنے آپ پر تجربہ کرلو اللہ کی قسم اگر آپ نے ایسا عمل کیا تو میں تجھے پتھروں سے سنگسار کردوں گا ابن شہاب نے کہا مجھے خالد بن مہاجر بن سیف اللہ نے خبر دی کہ وہ ایک آدمی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے اس سے آکر متعہ کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تو اس نے اسے اس کی اجازت دے دی تو اس سے ابن ابی عمرہ انصاری نے کہا ٹھہر جا انہوں نے کہا کیا بات ہے حالانکہ امام المتقین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کیا گیا۔ ابن

ابی عمرہ نے فرمایا کہ یہ رخصت ابتدائے اسلام میں مضطر آدمی کے لئے تھی مردار اور خون اور خنزیر کے گوشت کی طرح پھر اللہ نے دین کو مضبوط کر دیا اور متعہ سے منع کر دیا ابن شہاب نے کہا مجھے ربیع بن سبرہ الجہنی نے خبر دی ہے اس کے باپ نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں متعہ کیا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں متعہ سے منع فرما دیا ابن شہاب نے کہا کہ میں نے ربیع بن سبرہ کی یہ حدیث عمر بن عبدالعزیز سے بیان کرتے سنا اس حال میں کہ میں وہاں بیٹھا ہوا تھا۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 936)

(۶) حضرت ربیع بن سبرہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح متعہ سے ممانعت فرمائی اور فرمایا آگاہ رہو یہ آج کے دن سے قیامت کے دن تک حرام ہے اور جس نے کوئی چیز دی ہو تو اسے واپس نہ لے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 937)

(۷) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابوطالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن عورتوں سے نکاح متعہ کرنے سے گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 938 متفق علیہ 11)

(۸) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عورتوں کے متعہ میں نرمی کرتے ہوئے سنا تو فرمایا ٹھہر جاؤ اے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے غزوہ خیبر کے دن منع فرمایا اور پالتو گدھوں کے گوشت سے بھی۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 941 متفق علیہ 11)

(۹) حسن بن محمد بن علی اور اس کے بھائی عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت علی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جنگ میں نکاح متعہ اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 105 متفق علیہ 11)

(۱۰) حضرت امام زہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس تھے متعہ کا (متعینہ مدت کے لیے نکاح) ذکر چل نکلا تو ایک شخص نے کہا جسکا نام ربیع بن سبرہ تھا کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ کرنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 307)

(۱۱) حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 308)

(۱۲) حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ سے اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 118 حدیث متواتر)

(۱۳) عبدالعزیز بن عمر، ربیع بن حضرت سبرہ فرماتے ہیں کہ ہم حجۃ الوداع میں گئے لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے دوری ہمارے لئے سخت گراں ہورہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھران عورتوں سے نکاح کر کے فائدہ اٹھاؤ ہم ان عورتوں کے پاس گئے تو انہوں نے باہمی مدت مقرر کیے گئے نکاح سے انکار کر دیا۔ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر باہمی مدت مقرر کرلو تو میں اور میرا ایک چچازاد بھائی نکلے میرے پاس بھی ایک چادر تھی اور اس کے پاس بھی لیکن اس کی چادر میری چادر سے عمدہ تھی البتہ میں اس کی بہ نسبت زیادہ جوان تھا۔ اس عورت نے کہا چادر تو چادر کی طرح ہے سو میں نے اس سے شادی کرلی میں اس رات اس کے پاس ٹھہرا۔ صبح آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکن اور باب کے درمیان کھڑے ہوئے فرمارہے تھے اے لوگو میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی غور سے سنو اللہ نے قیامت تک کیلئے متعہ حرام فرمادیا اسلئے جس کے پاس کوئی متعہ والی عورت ہو اس کا راستہ چھوڑ دے اور جو تم نے انہیں دیا اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 119)

(۱۴) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب خلیفہ بنے تو لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا بلاشبہ رسول نے تین مرتبہ ہمیں متعہ کی اجازت دی پھر اسے حرام قرار دیدیا۔ اللہ کی قسم جس کے متعلق معلوم ہوا کہ متعہ کرتا ہے اور وہ محصن ہوا تو میں اس کو سنگسار کروں گا۔ الا یہ کہ میرے پاس چار گواہ لائے جو گواہی بھی دیں کہ اللہ کے رسول نے اسے حرام کرنے کے بعد پھر اسے حلال بتایا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 120)

(۱۵) حسن اور عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ بات بیان کرتے ہوئے سنا ہے جب خیبر فتح ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کر دیا۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 58)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کیا

مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ نکاح متعہ باطل ہوتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ روایت منقول ہے کہ وہ اس کو جائز قرار دیتے تھے تو اس کا جواب مصنف نے یہ دیا ہے: ان کا رجوع' یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا رجوع' ان حضرات کے قول کی طرف' یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کی طرف رجوع کرنا مستند طور پر ثابت ہے' لہذا جب ان کا بھی رجوع ثابت ہوگیا' تو اب اجماع پختہ ہوجائے گا' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کے نتیجے میں اس کو باطل قرار دیا جائے گا۔

مذہب بگاڑنے میں اہل تشیع و یہود کا طرز و طریقہ

اصولی وفروعی مسائل کا جب ایک محقق مطالعہ کرتا ہے۔ اور اس کے بعد جب وہ اہل تشیع کی کتب اور ان کے عقائد واعمال

سے متعلق تحقیق کرتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے۔ کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے ادیان کو بدل ڈالا اور ان کے اصل احکام دنیا سے ختم کر دیئے گئے۔ اسی طرح اہل تشیع بھی دنیا سے اسلام کے احکام کا نقشہ بگاڑ کر (نعوذ باللہ) اسلام کو ختم کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ لیکن یہ اس مذہب کا اعجاز اور اسلام کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ یہ دین قیامت کے دن تک مسلمانوں کے پاس اپنی اصلی صورت میں رہے گا۔ خواہ مسلمان قلیل ہی کیوں نہ ہوں اور قیامت اس وقت قائم ہوگی جب اس دنیا سے آخری شخص جو کلمہ شریف پڑھنے والا ہوگا اور وہ وصال کر جائے گا۔

نکاحِ موقت کے بارے میں فقہی بیان

﴿وَالنِّكَاحُ الْمُوَقَّتُ بَاطِلٌ﴾ مِثْلُ أَنْ يَتَزَوَّجَ امْرَأَةً بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ إِلَى عَشَرَةِ أَيَّامٍ .وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: هُوَ صَحِيحٌ لَازِمٌ لِأَنَّ النِّكَاحَ لَا يَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ .وَلَنَا أَنَّهُ أَتَى بِمَعْنَى الْمُتْعَةِ وَالْعِبْرَةُ فِي الْعُقُودِ لِلْمَعَانِي ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا طَالَتْ مُدَّةُ التَّأْقِيتِ أَوْ قَصُرَتْ لِأَنَّ التَّأْقِيتَ هُوَ الْمُعَيِّنُ لِجِهَةِ الْمُتْعَةِ وَقَدْ وُجِدَ .

ترجمہ

اور ''موقت نکاح'' باطل ہے' جیسے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ دو گواہوں کی موجودگی میں دس دن کے لئے شادی کرے۔ امام زفر فرماتے ہیں: یہ درست ہے اور لازم ہوگا' کیونکہ نکاح' باطل شرائط کی وجہ سے فاسد نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے: اس شخص نے متعہ کا مفہوم استعمال کیا ہے اور عقود میں معنیٰ کا اعتبار ہوتا ہے۔ اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہوگا' وہ معینہ مدت طویل ہوتی ہے یا مختصر ہوتی ہے' کیونکہ وقت کو متعین کر دینا متعہ کے اعتبار سے ہوتا ہے اور یہ چیز یہاں پائی جا رہی ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک نکاح موقت کی اباحت کا بیان

معروف شیعہ محمد حسن مطہری لکھتا ہے۔ اگر خود عورت اور مرد چاہیں تو غیر دائمی عقد کا صیغہ عقد کی مدت اور مہر معین کرنے کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر عورت کہے "زَوَّجْتُكَ نَفْسِي فِي الْمُدَّةِ الْمَعْلُومَةِ عَلَى الْمَهْرِ الْمَعْلُومِ" اور اس کے بعد عرفی موالات کے ختم ہوئے بغیر مرد کہے "قَبِلْتُ هٰكَذَا" تو عقد صحیح ہے۔ اور اگر وہ کسی اور شخص کو وکیل بنائیں اور پہلے عورت کا وکیل مرد کے وکیل سے کہے "زَوَّجْتُ مُوَكِّلَتِي مُوَكِّلَكَ فِي الْمُدَّةِ الْمَعْلُومَةِ عَلَى الْمَهْرِ الْمَعْلُومِ" پھر عرفی موالات کے ختم ہوئے بغیر مرد کا وکیل کہے "قَبِلْتُ لِمُوَكِّلِي هٰكَذَا" تو عقد صحیح ہوگا۔ (احکام شیعہ، مسئلہ ۲۴۴)

نکاح متعہ اور نکاح موقت میں بنیادی فرق یہ ہے: نکاح موقت لفظ نکاح یا تزویج کے ذریعے منعقد ہوتا ہے' جبکہ متعہ میں لفظ ''تمتع'' استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ ان دونوں کے درمیان دوسرا بنیادی فرق یہ ہے: نکاح متعہ میں گواہوں کی موجودگی شرط نہیں ہوتی جبکہ نکاح موقت میں گواہوں کی موجودگی شرط ہوتی ہے۔ امام زفر کے نزدیک نکاح موقت درست ہوتا ہے اور لازم ہو جاتا

ہے۔امام زفر نے اپنے موقف کی تائید دلیل یہ پیش کی ہے: فاسد شرائط کے نتیجے میں نکاح لازم ہو جاتا ہے اور شرط کالعدم ہو جاتی ہے اس لئے یہاں بھی اس کی شرط کو کالعدم قرار دیا جائے گا اور نکاح ہو جائے گا۔احناف کی دلیل یہ ہے: یہ متعہ کا مفہوم رکھتا ہے اور اصول یہ ہے کہ عقود میں معانی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔یہاں مصنف نے یہ اصول بیان کیا ہے: موقت نکاح میں مدت کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔دونوں صورت میں یہ باطل ہے اس کی وجہ یہ ہے: وقت مقررہ کرنے میں متعہ کی ضرورت پائی جاتی ہے اور وہ یہاں موجود ہے اس لئے اسے حرام قرار دیا جائے گا۔

غیر مقلدین کے نزدیک اجرتی زنا پر عدم حد کا بیان

اجرت دیکر زنا کرنے پر حد نہیں: دور برطانیہ میں جب لا مذہب غیر مقلدین کا فرقہ پیدا ہوا تو اس فرقہ نے شہوت پرست امراء کو اپنے فرقہ میں شامل کرنے کے لئے اپنی عورتوں کو متعہ کے نام سے زنا کی کھلی چھٹی دے دی چنانچہ ان کے سب سے بڑے مصنف علامہ وحید الزماں جس نے قرآن اور صحاح ستہ کا ترجمہ کیا ہے نے صاف لکھ دیا کہ "متعہ کی اباحت قرآن پاک کی قطعی آیت سے ثابت ہے "(نزل الابرار ج 2 ص 3)

جب قرآن پاک سے متعہ کا قطعی لائسنس مل گیا تو اب نہ گناہ رہا نہ کو سزا "حد یا تعزیر کا تو کیا ذکر "، انہوں نے صاف لکھا کہ "متعہ پر عمل کر کے سو شہید کا ثواب نہ لیتی "اہل مکہ کے متبرک عمل میں شرکت نہ کرتی جب کہ حد یا تعزیر تو کجا کسی کے انکار کا بھی خطرہ نہ تھا اس سے ملک بھر کے شرفاء چیخ اٹھے کہ یہ کونسا فرقہ ہے جس نے گھر گھر یہ کام شروع کر لیا ہے تو اب یہ بہت پریشان ہوئے انہوں نے سوچا کہ اپنا کام جاری رکھو لیکن بدنام حنفیوں کو کردو تا کہ وہ ہمیں روک نہ سکیں چنانچہ انہوں نے شور مچا دیا کہ تمہارے مذہب میں بھی تو اجرت دے کر زنا کرنے پر حد نہیں۔اس ایک حوالے میں کئی بے ایمانیاں کیں۔

ایک عقد میں دو خواتین کے ساتھ نکاح کا حکم

﴿وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَتَيْنِ فِيْ عُقْدَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّاحْدَاهُمَا لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا صَحَّ نِكَاحُ الَّتِيْ يَحِلُّ نِكَاحُهَا وَبَطَلَ نِكَاحُ الْأُخْرٰى﴾ لِاَنَّ الْمُبْطِلَ فِيْ اِحْدَاهُمَا ، بِخِلَافِ مَا اِذَا جَمَعَ بَيْنَ حُرٍّ وَّعَبْدٍ فِي الْبَيْعِ لِاَنَّهُ يَبْطُلُ بِالشُّرُوْطِ الْفَاسِدَةِ ، وَقَبُوْلُ الْعَقْدِ فِي الْحُرِّ شَرْطٌ فِيْهِ ، ثُمَّ جَمِيْعُ الْمُسَمّٰى لِلَّتِيْ يَحِلُّ نِكَاحُهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ ، وَعِنْدَهُمَا يُقْسَمُ عَلٰى مَهْرِ مِثْلَيْهِمَا وَهِيَ مَسْاَلَةُ الْاَصْلِ .

ترجمہ

اور جس شخص نے ایک ہی عقد میں دو خواتین کے ساتھ شادی کی۔جن میں سے ایک کے ساتھ شادی کرنا اس کے لئے جائز نہ ہو تو اس شخص کی شادی اس عورت کے ساتھ جائز ہوگی جس کے ساتھ نکاح کرنا اس کے لئے جائز تھا اور دوسری عورت کے ساتھ اس

کا نکاح باطل شمار ہوگا' کیونکہ باطل کرنے والی چیز ایک میں پائی جاتی ہے جبکہ یہ حکم اس کے برخلاف ہے: جب وہ ایک سودے میں ایک آزاد شخص اور ایک غلام شخص کو اکٹھے خرید لیتا ہے' کیونکہ فاسد شرائط کی موجودگی میں سودا باطل ہو جاتا ہے اور اس سودے میں آزاد شخص کو قبول کرنا شرط تھا۔ (مذکورہ بالا صورت میں) طے شدہ تمام مہر اس عورت کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح کرنا جائز تھا۔

یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین کے نزدیک یہ طے شدہ مہر "مہر مثل" کے تناسب سے ان دونوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ (مصنف فرماتے ہیں) یہ کتاب "الاصل" (یعنی المبسوط) کا مسئلہ ہے۔

عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت کے ذرائع

وہ عورتیں جو دوسری عورتوں کے ساتھ جمع ہو کر محرمات میں سے ہو جاتی ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اجنبی عورتوں کو جمع کرنا (۲) ذوات الارحام کو جمع کرنا۔

پہلی قسم یعنی اجنبی عورتوں کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے جس قدر نکاحوں کی اجازت دی ہے ان سے زیادہ نکاح کرنا چنانچہ شریعت نے آزاد مرد کو ایک وقت میں چار نکاح تک کی اجازت اور غلام کو ایک وقت میں دو نکاح تک کی اجازت دی ہے لہذا کسی آزاد شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں کو جمع کرے (یعنی چار سے زیادہ عورتوں کو اپنی بیوی بنائے) اور غلام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں دو سے زیادہ عورتوں کو جمع کرے آزاد شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ایک وقت میں جتنی چاہے بغیر نکاح باندیاں رکھے باندیاں رکھنے کی تعداد کی کوئی قید نہیں ہے لیکن غلام کو بغیر نکاح باندی رکھنا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا آقا اجازت دیدے آزاد شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور وہ چار عورتیں خواہ آزاد ہوں خواہ باندیاں ہوں اور آزاد دونوں ملی جلی ہوں۔

اگر کسی شخص نے پانچ عورتوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو پہلی چار کا نکاح جائز اور پانچویں کا باطل ہوگا اور اگر پانچوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو پانچوں کا نکاح باطل ہوگا اسی طرح اگر کسی غلام نے تین عورتوں سے نکاح کیا تو یہی تفصیل ہوگی کہ ان تینوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرنے کی صورت میں تو پہلی دونوں کا نکاح صحیح ہو جائیگا اور تیسری کا باطل ہوگا اور اگر تینوں سے ایک ہی عقد میں نکاح کیا تو تینوں کا نکاح باطل ہوگا۔

اگر کسی حربی کافر نے پانچ کافرہ عورتوں سے نکاح کیا اور پھر وہ سب یعنی پانچوں بیویاں اور شوہر مسلمان ہو گئے تو اگر یہ پانچوں نکاح یکے بعد دیگرے ہوئے تھے تو پہلی چار بیویاں جائز رہیں گی اور پانچویں بیوی سے جدائی کرادی جائے گی اور اگر پانچوں نکاح ایک ہی عقد میں ہوئے تھے تو پانچوں کا نکاح باطل ہو جائیگا اور ان پانچوں سے شوہر کی جدائی کرادی جائے گی۔

اگر کسی عورت نے ایک عقد میں دو مردوں سے نکاح کیا اور ان میں سے ایک شخص کے نکاح میں پہلے سے چار عورتیں تھیں تو اس کا نکاح اس دوسرے شخص کے ساتھ صحیح ہوگا (جس کے نکاح میں پہلے چار بیویاں نہیں تھیں اور اگر ان دونوں کے نکاح میں پہلے سے چار بیویاں تھیں یا ان میں سے کسی ایک کے بھی نکاح میں چار عورتیں نہیں تھیں تو یہ نکاح کسی کے ساتھ بھی صحیح نہیں ہوگا۔

ذوات الارحام کو جمع کرنے کا فقہی مفہوم

جمع کرنے کی دوسری قسم یعنی ذوات الارحام کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھا جائے گا جو آپس میں ذی رحم اور نسبی رشتہ دار ہوں چنانچہ دو بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے اسی طرح دو بہنوں کو باندی بنا کر ان سے جماع کرنا بھی حرام ہے یعنی اگر دو بہنیں بطور باندی کسی کی ملکیت میں ہوں تو دونوں سے جماع نہ کیا جائے اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے خواہ وہ دونوں نسبی حقیقی بہنیں ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں۔

اس بارے میں اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں جو ایک دوسرے کی رشتہ دار ہوں اور ایسا رشتہ ہو کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو آپس میں ان دونوں کا نکاح درست نہ ہو خواہ وہ رشتہ نسبی حقیقی ہو یا رضاعی ہو تو ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہوتا لہٰذا جس طرح دو حقیقی یا رضاعی بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے اسی طرح لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضاعی پھوپھی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے ایسے ہی کسی لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضاعی خالہ یا اسی قسم کی کسی اور رشتہ دار کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں کسی عورت اور اس کے پہلے خاوند کی لڑکی کو جو اس عورت کے بطن سے نہیں ہے) بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے کیونکہ اگر اس عورت کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کے شوہر کی اس لڑکی سے اس کو نکاح کرنا جائز ہوگا بخلاف اس کے عکس کے کہ اگر اس لڑکی کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کے لئے اس عورت یعنی باپ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا) اسی طرح کسی عورت اور اس کی باندی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے بشرطیکہ پہلے اس باندی سے نکاح کیا ہو۔

جب عورت کسی شخص کی بیوی ہونے کا دعویٰ کردے

﴿وَمَنْ ادَّعَتْ عَلَيْهِ امْرَاَةٌ اَنَّهُ تَزَوَّجَهَا وَاَقَامَتْ بَيِّنَةً فَجَعَلَهَا الْقَاضِىْ امْرَاَتَهُ وَلَمْ يَكُنْ تَزَوَّجَهَا وَسِعَهَا الْمُقَامُ مَعَهُ وَاَنْ تَدَعَهُ يُجَامِعُهَا﴾ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ يُوْسُفَ اَوَّلًا ، وَفِىْ قَوْلِهِ الْاٰخِرِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ لَّا يَسَعُهُ اَنْ يَّطَاَهَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِاَنَّ الْقَاضِىَ اَخْطَاَ الْحُجَّةَ اِذِ الشُّهُوْدُ كَذَبَةٌ فَصَارَ كَمَا اِذَا ظَهَرَ اَنَّهُمْ عَبِيْدٌ اَوْ كُفَّارٌ وَلِاَبِىْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الشُّهُوْدَ صَدَقَةٌ عِنْدَهُ وَهُوَ الْحُجَّةُ لِتَعَذُّرِ الْوُقُوْفِ عَلٰى حَقِيْقَةِ الصِّدْقِ، بِخِلَافِ الْكُفْرِ وَالرِّقِّ لِاَنَّ الْوُقُوْفَ عَلَيْهِمَا مُتَيَسِّرٌ ، وَاِذَا ابْتَنَى الْقَضَاءُ عَلَى الْحُجَّةِ وَاَمْكَنَ تَنْفِيْذُهُ بَاطِنًا بِتَقْدِيْمِ النِّكَاحِ نَفَذَ قَطْعًا لِّلْمُنَازَعَةِ، بِخِلَافِ الْاَمْلَاكِ الْمُرْسَلَةِ لِاَنَّ فِى الْاَسْبَابِ تَزَاحُمًا فَلَا اِمْكَانَ .

ترجمہ

جس شخص کیخلاف کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس شخص نے اس عورت کے ساتھ شادی کی ہوئی ہے اور وہ عورت ثبوت بھی پیش کردے اور قاضی اس عورت کو اس کی بیوی قرار دیدے حالانکہ اس شخص نے اس عورت کے ساتھ شادی نہ کی ہو تو وہ عورت اس مرد کے ساتھ رہ سکتی ہے اور اسے اپنے ساتھ صحبت کرنے دے سکتی ہے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور پہلے امام ابو یوسف کی بھی یہی رائے تھی۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے اور یہی امام محمد کی رائے بھی ہے: وہ مرد اس عورت کے ساتھ صحبت نہیں کرسکتا۔ امام شافعی بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے: قاضی نے ثبوت کے معاملے میں غلطی کی ہے' کیونکہ گواہوں نے اس کے ساتھ جھوٹ بولا تھا' تو یہ بالکل اسی طرح ہوجائے گا' جیسے اس (قاضی) کے سامنے یہ بات ظاہر ہوجائے وہ گواہ غلام تھے یا کافر تھے۔ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: قاضی کے نزدیک گواہ سچے ہی شمار ہوں گے' اور وہ چیز حجت بنے گی' کیونکہ سچائی کی حقیقت پر مطلع ہونا عملاً ناممکن ہے' جبکہ کفر یا غلامی پر مطلع ہونے کا حکم اس کے خلاف ہے ان دونوں پر مطلع ہونا آسان ہے۔ جب فیصلے کی بنیاد ثبوت پر ہو اور اسے باطنی طور پر نافذ کرنا ممکن ہو یعنی نکاح کو برقرار رکھنا' تو اختلاف ختم کرنے کے لئے یہ فیصلہ نافذ تصور ہوگا۔ جبکہ ''املاک مرسلہ'' کا حکم اس کے برخلاف ہے' کیونکہ اسباب میں تضاد پایا جاتا ہے' تو یہاں امکان نہیں ہے' تو باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نفاذ کا مطلب

بعض لوگ غلط فہمی اور جلد بازی میں یہ سمجھ لیتے ہیں کہ قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نفاذ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس حرکت پر اس سے باز پرس نہیں ہوگی۔ جب کہ یہ امام ابوحنیفہ کا موقف قطعاً نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ ایک شخص نے غلط اور جھوٹا دعویٰ کسی عورت سے نکاح کا کیا۔ اور اپنی تائید میں دو جھوٹے گواہ پیش کردیئے۔ اور قاضی نے بھی اس عورت کے مدعی کے منکوحہ ہونے کا فیصلہ کردیا تو اب قضاء قاضی کی وجہ سے وہ عورت اس کی منکوحہ ہوجائے گی اور اس شخص کو حق استمتاع حاصل ہوجائے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس شخص کو جھوٹا دعویٰ کرنے اور جھوٹے گواہ پیش کرنے کا گناہ ہوگا۔

قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نفاذ کی شرطیں

قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نفاذ کی کچھ شرطیں بھی ہیں یونہی اسے مطلق اور آزاد نہیں چھوڑا گیا ہے کہ جس معاملے میں جو شخص چاہے۔ جو بھی دعویٰ کردیا اور جھوٹے گواہ پیش کردے تو اس کے تعلق سے قضاء قاضی کا ظاہراً و باطناً نفاذ ہوگا۔ قضاء قاضی کے ظاہراً و باطناً نفاذ کی شرطیں یہ ہیں۔

قاضی کا وہ فیصلہ عقود یا فسوخ سے متعلق ہو یعنی کا دعویٰ کا عقد ہو، مثلاً یہ دعویٰ کہ میں نے اس سے نکاح کیا تھا یا فسخ کا دعویٰ ہو۔ مثلاً کوئی عورت دعویٰ کرے کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ لہٰذا اگر عقود و فسوخ کا دعویٰ نہ ہو تو قضاء قاضی باطناً نافذ

نہیں ہوگی۔

املاک مرسلہ کا فقہی مفہوم وحکم

(۱) املاک مرسلہ کا دعویٰ نہ ہو۔املاک مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے لیکن ملکیت میں آنے کا سبب بیان نہ کرے ایسی املاک کا املاک مرسلہ کہا جاتا ہے۔لہذا اگر کوئی شخص املاک مرسلہ کا دعویٰ کرے اور قاضی اس کے حق میں فیصلہ کردے تو قضاء قاضی ظاہرا نافذ ہوگی باطنا نافذ نہیں ہوگی۔

(۲)

معاملہ انشاء کا احتمال رکھتا ہو یعنی اس بات کا احتمال ہو کہ وہ عقد اب قائم کردیا جائے۔مثلا نکاح اور اگر وہ معاملہ انشاء کا احتمال نہ رکھتا ہو تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہرا نافذ ہوگا۔باطنا نافذ نہ ہوگا مثلا میراث کا دعویٰ۔میراث ایک مرتبہ ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اس میں دوبارہ انشاء کا احتمال نہیں رہتا۔مثلا کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ مکان مجھے اپنے باپ کی میراث میں ملا تھا اور مدعی علیہ انکار کردے اور مدعی اس پر جھوٹا بینہ پیش کردے اور قاضی اس بینہ کے مطابق مدعی کے حق میں فیصلہ کردے تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہرا نافذ ہوگا باطنا نافذ نہیں ہوگا۔اس لئے کہ میراث کے اندر انشاء ممکن نہیں ہے۔

(۳) وہ معاملہ ""محل قابل للعقد"" ہو یعنی اگر اس محل میں ہی عقد قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ نہ ظاہرا نافذ ہوگا اور نہ باطنا۔مثلا کوئی شخص کسی محرم عورت کے بارے میں دعویٰ کرے کہ یہ میری منکوحہ ہے۔تو اس صورت میں اگر وہ مدعی گواہ پیش کردے اور قاضی فیصلہ بھی کردے تب بھی اس کا فیصلہ ظاہرا اور باطنا کسی طرح بھی نافذ نہیں ہوگا کیونکہ **محل قابل للعقد** ہی نہیں ہے۔

قاضی نے فیصلہ بینہ کی بنیاد پر یا مدعی کے **نکول عن الیمین** کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو۔تب قاضی کا فیصلہ باطنا نافذ ہوگا۔لیکن اگر قاضی نے مدعی علیہ کی یمین کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو تو اس صورت مین قاضی کا فیصلہ ظاہرا نافذ ہوگا۔باطنا نہیں۔بہرحال ان مذکورہ شرائط کے ساتھ حنفیہ کے نزدیک قضاء قاضی ظاہرا و باطنا نافذ ہوگا۔

عموی طور پر یہی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس طرح احناف نے چوپٹ دروازہ کھول دیا ہے کہ جس شخص کو کوئی عورت پسند آئے وہ جھوٹی گواہی کے ذریعہ اسے حاصل کرلے۔

یہ بظاہر توی اعتراض معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت سطحی اعتراض ہے۔اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مفروضہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ وہمی اور حقیقی۔

ایک مفروضہ تو وہ ہے جو بعض اندیشوں کی بنیاد پر قائم کیا لیکن اس کا وقوع نہیں ہوا وہ صرف خیال اور وہم کی حد تک محدود رہ گیا دوسرا مفروضہ وہ ہوتا ہے جو اندیشوں کی بنیاد پر ہی قائم کئے جاتے ہیں لیکن وہ وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اور مفروضہ قائم کرنے والے کی رائے درست ہوتی ہے۔

ایک مثال روس جب ہندوستان امریکہ صدر بش کے دور صدارت میں امریکا سے نیوکلیر معاہدہ کر رہا تھا تو بائیں بازو کی پارٹیاں شور مچا رہی تھیں کہ اس سے ہندوستان امریکہ کا محتاج اور دست نگر بن جائے گا اور بھی دنیا بھر کے اندیشے۔

لیکن یہ صرف خیال تک ہی رہا۔ بعض عالمی امور میں ہندوستان نے امریکہ سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی بات سامنے رکھی۔ ابھی ہندوستان نے اپناسب سے بڑا، فائی سودا کیا ہے۔ اس کے حصول کیلئے امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس کوشاں تھے۔ امریکہ صدر براک اوباما نیاس کیلئے بڑی کوششیں بھی کیں لیکن ہندوستان نے اپنے مفادات کو دھیان میں رکھتے ہوئے فرانس کے جنگی جہاز رافیل کے حق میں یہ سودا کیا۔

امام صاحب کے تعلق سے جو لوگ شور مچاتے ہیں کہ انہوں نے چوپٹ دروازہ کھول دیا ہے وہ صرف اس سوال کا جواب دیں۔

مسلمانوں کی چودہ سو سالہ دور حکومت میں اقتدار کے دروبست پر حنفی قابض رہے ہیں۔ قاضی بھی عموماً حنفی رہے ہیں۔ حنفی فقہ ہی رائج الوقت قانون رہی ہے۔ چاہے وہ عباسی خلافت ہو، سلجوقی حکومت، عثمانی حکومت ہو، مغلیہ حکومت ہو۔ ہمیں تاریخ میں ایسے کتنے واقعات ملتے ہیں کہ لوگ اس پر جری ہو گئے تھے کہ جس عورت کو دل چاہا اس کے تعلق سے جھوٹے گواہ پیش کر کے اسے حاصل کر لیتے تھے۔ تاریخ کا یہ طویل دورانیہ دیکھیں اور اس کے مقابل میں ہمیں ہزار دو ہزار بھی ایسے واقعات مل جائیں تو یہ اس طویل دورانیہ کے مقابلہ میں بہت کم ہوں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہزار دو ہزار تو بہت دور کی بات ہے۔ اس کا پانچ فیصد بھی تاریخ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

تاریخ کی یہ گواہی بتا رہی ہے کہ مخالفین کے جو اندیشے تھے وہ وہمی اور خیالی تھی۔ صداقت وحقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے علاوہ امام صاحب کے موقف میں چند دیگر باتیں بھی قابل غور ہیں۔

کسی شخص نے کسی عورت کے خلاف منکوحہ ہونے کا دعویٰ کر دیا اور قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا تو آپ کہتے ہیں کہ یہ عورت ظاہراً تو اس کی منکوحہ ہے لیکن باطناً اس کی منکوحہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں نکاح نہیں ہوا اور عورت پر واجب ہے کہ اس فیصلے کے بعد وہ اس شخص کو اپنے اوپر قدرت نہ دے اس لئے کہ حقیقت میں وہ اس کی منکوحہ نہیں ہے اور اگر وہ عورت اس شخص کو اپنے اوپر قدرت دیتی ہے اور حق زوجیت ادا کرنے کی اجازت دیتی ہے تو وہ خود گناہ گار ہوتی ہے اور اگر حق زوجیت ادا کرنے نہیں دیتی تو شوہر کو قاضی کی حمایت حاصل ہے۔ اس لئے کہ شوہر جا کر قاضی کی عدالت میں یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ عورت حق زوجیت ادا کرنے کی اجازت نہیں دے رہی ہے۔ اب قاضی شوہر کے حق میں ہی فیصلہ کرے گا۔ اور اگر وہ عورت شوہر کے پاس سے بھگ جاتی ہے تو قاضی اس کو پکڑوا کر دوبارہ شوہر کے پاس بھیج دے گا۔ اس طرح وہ عورت ایک عذاب میں مبتلا ہو جائے گی اور اس کے پاس مخلصی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

اگر شوہر نے اس سے زبردستی وطی کر لی اور بچہ پیدا ہو گیا تو آپ کہیں گے کہ وہ بچہ ظاهر اثابت النسب ہے حقیقتاً ثابت

النسب نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر میں وہ اپنے باپ کا وارث ہے باطنا وارث نہیں۔ اور اسی حالت میں جب کہ وہ عورت اس مدعی کے پاس تھی اگر اس عورت نے کسی اور سے نکاح کر لیا تو اس صورت میں قاضی اس کو زانیہ قرار دے گا اور اس کا وہ نکاح زنا میں شمار ہوگا۔ لیکن باطنا وہ نکاح درست ہے اور اس دوسرے شوہر سے اگر اس کے بچے ہو گئے تو وہ بچے ظاھرا ثابت النسب نہیں اور باطنا ثابت النسب ہیں۔ یہی معاملہ وراثت وغیرہ کا بھی ہوگا۔ آپ کہیں گے کہ ایک بچہ ظاہرا وارث ہے اور دوسرا باطنا وارث ہے۔

احکام کے ظاہر پر عمل کرنے میں قاعدہ فقہیہ

احکام میں ظاہر پر عمل کیا جاتا ہے اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

اس کا ثبوت یہ اصل ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا ہم صبح سویرے ہی قبیلہ جہینہ کی بستیوں میں پہنچ گئے میں نے ایک آدمی پر حملہ کیا اس نے کہا ''لا الہ الا اللہ'' لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا، پھر مجھے اس فعل کے بارے میں کچھ تردد ہوا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اس شخص کے کلمہ پڑھنے کے باوجود تم نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے اپنی جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا؟ جس سے تم کو پتہ چل جاتا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا نہیں، رسول اللہ ﷺ بار بار یہی کلمات دہراتے رہے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کاش! میں اس وقت اسلام لایا ہوتا۔ الخ) (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۶۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس قاعدہ سے بہت سے مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ مثلا خاص کر حدود کے بارے میں کہ جب گواہوں کی شہادت پوری نہ ہو، حالانکہ اگر تین گواہوں نے قسم کھا کر بھی کہا کہ ہم نے زنا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو حد ثابت نہ ہوگی اگرچہ ان کے نزدیک حقیقت یہی ہے کہ زنا ہوا ہے لیکن چونکہ گواہی کا نصاب چار گواہوں کا ہے اس لئے حکم حد ثابت نہ ہوگا بلکہ حد کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔

قاعدہ، ہر وہ خیال جس کی غلطی ظاہر ہو جائے وہ قابل اعتبار نہیں ہوتا

ہر وہ خیال جس کی غلطی ظاہر ہو جائے وہ قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ (الفروق) (الاصول)

اس کا ثبوت یہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص روزے میں بھول سے کچھ کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔ (مسلم ج ا ص باب ان اکل الناسی)

اگر کسی روزہ دار نے بھول کر کھا پی لیا اور بعد میں اسے یاد آیا کہ وہ تو روزہ دار تھا تو اس کا روزہ نہ ٹوٹے گا کیونکہ بعد میں ظاہر ہونے والی غلطی قابل اعتبار نہ ہوگی۔

حضرت سیدنا امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی کو یہ سمجھتے ہوئے زکوٰۃ دی کہ وہ فقیر ہے بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو غنی ہے یا ہاشمی ہے یا کافر ہے یا اس نے اندھیرے میں زکوٰۃ دی پھر اس پر ظاہر ہوا کہ وہ اسکا باپ ہے یا اسکا بیٹا ہے تو ان صورتوں میں اس پر اعادہ واجب نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ ج۱ص ۳۱۸، رحمانیہ لاہور)

شادی بیاہ کی فضول رسموں سے پرہیز کرنے کا بیان

علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شادیوں میں طرح طرح کی رسمیں برتی جاتی ہیں، ہر ملک میں نئی رسوم ہر قوم و خاندان کے رواج اور طریقے جداگانہ جو رسمیں ہمارے ملک میں جاری ہیں ان میں بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔ رسوم کی بنا عرف پر ہے یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ شرعاً واجب یا سنت یا مستحب ہیں لہٰذا جب تک کسی رسم کی ممانعت شریعت سے ثابت نہ ہو اُس وقت تک اُسے حرام و ناجائز نہیں کہہ سکتے کھینچ تان کر ممنوع قرار دینا زیادتی ہے، مگر یہ ضرور ہے کہ رسوم کی پابندی اسی حد تک کرسکتا ہے کہ کسی فعل حرام میں مبتلا نہ ہو۔

بعض لوگ اس قدر پابندی کرتے ہیں کہ ناجائز فعل کرنا پڑے تو پڑے مگر رسم کا چھوڑنا گوارا نہیں، مثلاً لڑکی جوان ہے اور رسوم ادا کرنے کو روپیہ نہیں تو یہ نہ ہوگا کہ رسوم چھوڑ دیں اور نکاح کر دیں کہ سبکدوش ہوں اور فتنہ کا دروازہ بند ہو۔ اب رسوم کے پورا کرنے کو بھیک مانگنے طرح طرح کی فکریں کرتے، اس خیال میں کہ کہیں سے مل جائے تو شادی کریں برسیں گزار دیتے ہیں اور بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ قرض لے کر رسوم کو انجام دیتے ہیں، یہ ظاہر کہ مفلس کو قرض دے کون پھر جب یوں قرض نہ ملا تو بنیوں کے پاس گئے۔

اور سودی قرض کی نوبت آئی سود لینا جس طرح حرام اسی طرح دینا بھی حرام حدیث میں دونوں پر لعنت آئی اللہ (عزوجل) و رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی لعنت کے مستحق ہوتے اور شریعت کی مخالفت کرتے ہیں مگر رسم چھوڑنا گوارا نہیں کرتے۔ پھر اگر باپ دادا کی کمائی ہوئی کچھ جائداد ہے تو اُسے سودی قرض میں مکفول کیا ورنہ رہنے کا جھونپڑا ہی گروی رکھا تھوڑے دنوں میں سود کا سیلاب سب کو بہالے گیا۔ جائداد نیلام ہوگئی، مکان بنیے کے قبضہ میں گیا دربدر مارے مارے پھرتے ہیں نہ کھانے کا ٹھکانہ، نہ رہنے کی جگہ اسکی مثالیں ہر جگہ بکثرت ملیں گی کہ ایسے ہی غیر ضروری

مصارف کی وجہ سے مسلمانوں کی بیشتر جائدادیں سود کی نذر ہوگئیں، پھر قرضخواہ کے تقاضے اور اُسکے تشدد آمیز لہجہ سے رہی سہی عزت پر بھی پانی پڑ جاتا ہے۔ یہ ساری تباہی بربادی آنکھوں دیکھ رہے ہیں مگر اب بھی عبرت نہیں ہوتی اور مسلمان اپنی فضول خرچیوں سے باز نہیں آتے، یہی نہیں کہ اسی پر بس ہو اس کی خرابیاں اسی زندگی دنیا ہی تک محدود ہوں بلکہ آخرت کا وبال الگ ہے۔ بموجب حدیث صحیح لعنت کا استحقاق والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اکثر جاہلوں میں رواج ہے کہ محلہ یا رشتہ کی عورتیں جمع ہوتی ہیں اور گاتی بجاتی ہیں یہ حرام ہے کہ اولاً ڈھول بجانا ہی حرام پھر عورتوں کا گانا مزید براں عورت کی آواز نامحرموں کو پہنچنا اور وہ بھی گانے کی اور وہ بھی عشق و ہجر و وصال کے اشعار یہ غیث۔ جو

ہو، تم اپنے گھروں میں بیٹھ کر بات کرنا پسند نہیں کرتیں کہ مرد یا باہر آواز جائے تو معیوب جانتی ہیں ایسے موقعوں پر وہ کیوں شریک ہو جاتی ہیں گویا ان کے نزدیک گانا کوئی عیب ہی نہیں کتنی ہی دور تک آواز جائے کوئی حرج نہیں نیز ایسے گانے میں جوان جوان کنواری لڑکیاں بھی ہوتی ہیں ان کا ایسے اشعار پڑھنا یا سننا کس حد تک ان کے دبے ہوئے جوش کو ابھارے گا اور کیسے کیسے ولولے پیدا کرے گا اور اخلاق و عادات پر اس کا کہاں تک اثر پڑے گا۔ یہ باتیں ایسی نہیں جن کے سمجھانے کی ضرورت ہو ثبوت پیش کرنے کی حاجت ہو۔

نیز اسی ضمن میں رت جگا بھی ہے کہ رات بھر عورتیں گاتی ہیں اور گلگلے پکتے ہیں صبح کو مسجد میں طاق بھرنے جاتی ہیں۔ یہ بہت سی خرافات پر مشتمل ہے۔ نیاز گھر میں بھی ہو سکتی ہے اور اگر مسجد ہی میں ہو تو مرد لے جا سکتے ہیں عورتوں کی کیا ضرورت، پھر اگر اس رسم کی ادا کے لیے عورت ہی ہو ضرور ہو تو اس جمگھٹے کی کیا حاجت، پھر جوانوں اور کنواریوں کی اس میں شرکت اور نامحرم کے سامنے جانے کی جرات کس قدر حماقت ہے۔ پھر بعض جگہ یہ بھی دیکھا گیا کہ اس رسم کے ادا کرنے کے لیے جاتی ہیں تو ڈوم کا باجا ساتھ ہوتا ہے اسی شان سے مسجد تک پہنچتی ہیں ہاتھ میں ایک چومکھا ہوتا ہے یہ سب ناجائز جب تک کوئی چراغ کی ضرورت اور چراغ کی حاجت تو ایک کافی ہے آٹے کا چراغ بنانا اور تیل کی جگہ گھی جلانا فضول خرچی ہے۔

دولہا دلہن کو ابٹنا لگانا، مانجھوں بٹھانا، جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ دولہا کو مہندی لگانا ناجائز ہے۔ یونہی کنگنا باندھنا، ڈال بری کی رسم کہ کپڑے وغیرہ بھیجے جاتے ہیں جائز۔ دولہا کو ریشمی کپڑے پہنانا حرام۔ یونہی مغرق ہوتے بھی ناجائز۔ خالص پھولوں کا سہرا جائز بلا وجہ ممنوع نہیں کہا جا سکتا۔

ناچ باجے آتش بازی حرام ہیں۔ کون اس کی حرمت سے واقف نہیں مگر بعض لوگ ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ یہ نہ ہوں تو گویا شادی ہی نہ ہوئی، بلکہ بعض تو اتنے بے باک ہوتے ہیں کہ اگر شادی میں یہ محرمات نہ ہوں تو اسے غمی اور جنازہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ ایک تو گناہ اور شریعت کی مخالفت ہے، دوسرے مال ضائع کرنا ہے۔ تیسرے تمام تماشائیوں کے گناہ کا یہ سبب ہے اور سب کے مجموعہ کے برابر اس پر گناہ کا بوجھ۔ آتش بازی میں کبھی کپڑے جلتے کبھی کسی کے مکان یا چھپر میں آگ لگ جاتی ہے کوئی جل جاتا ہے۔

ناچ میں جن فواحش و بدکاریوں اور مخرب اخلاق باتوں کا اجتماع ہے ان کے بیان کی حاجت نہیں۔ ایسی ہی مجلسوں سے اکثر نوجوان آوارہ ہو جاتے ہیں، دھن دولت برباد کر بیٹھتے ہیں، بازاریوں سے تعلق اور گھر والی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیسے کیسے برے نتائج رونما ہوتے ہیں اور اگر ان بیہودہ کاریوں سے کوئی محفوظ رہا تو اتنا ضرور ہوتا ہے کہ حیا و غیرت اٹھا کر طاق پر رکھ دیتا ہے۔ بعضوں کو یہاں تک سنا گیا ہے کہ خود بھی دیکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ جوان بیٹوں کو دکھاتے ہیں۔ ایسی بد تہذیبی کے مجمع میں باپ بیٹے کا ساتھ ہونا کہاں تک حیا و غیرت کا پتا دیتا ہے۔

شادی میں ناچ باجے کا ہونا بعض کے نزدیک اتنا ضروری امر ہے کہ نسبت کے وقت طے کر لیتے ہیں کہ ناچ لانا ہوگا

ورنہ ہم شادی نہ کریں گے۔لڑکی والا یہ نہیں خیال کرتا کہ بیجا صرف نہ ہو تو اُسی کی اولاد کے کام آئے گا۔ایک وقتی خوشی میں یہ سب کچھ کرلیا مگر یہ نہ سمجھ کہ لڑکی جہاں بیاہ کر گئی وہاں تو اب اُس کے بیٹھنے کا بھی ٹھکانا نہ رہا۔ایک مکان تھا وہ بھی سود میں گیا اب تکلیف ہوئی تو میاں بی بی میں لڑائی ٹھنی اور اس کا سلسلہ دراز ہوا تو اچھی خاصی جنگ قائم ہوگئی،یہ شادی ہوئی یا اعلانِ جنگ۔ہم نے مانا کہ یہ خوشی کا موقع ہے اور مدت کی آرزو کے بعد یہ دن دیکھنے نصیب ہوئے بے شک خوشی کرو مگر حد سے گزرنا اور حدودِ شرع سے باہر ہو جانا کسی عاقل کا کام نہیں۔

ولیمہ سنت ہے بنیت اتباع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولیمہ کرو خویش واقارب اور دوسرے مسلمانوں کو کھانا کھلاؤ۔بالجملہ مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے ہر کام کو شریعت کے موافق کرے،اللہ (عزوجل) ورسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی مخالفت سے بچے اسی میں دین ودنیا کی بھلائی ہے۔

باب فی الاولیاء والاکفاء

﴿یہ باب ولایت نکاح واکفاء کے بیان میں ہے﴾

باب الاولیاء والاکفاء کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ جب محرمات کو بیان کرنے والے باب سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے شرائط نکاح میں سے ولایت نکاح کا بیان شروع کیا ہے۔ کیونکہ اصل نکاح میں محرمات کی تفصیل تھی جس کو مصنف نے اس کی اہمیت کے پیش نظر مقدم ذکر کیا ہے۔ جبکہ ولایت نکاح شرط کے مرتبے میں ہے یعنی جب کسی نابالغ ونابالغہ کا نکاح ہوجائے یا کہیں غیر کفو میں ہوجائے تو اولیاء منکوحہ کو اعتراض کا حق حاصل ہے کہ وہ قاضی کو درخواست دیتے ہوئے نکاح فسخ کرواسکتے ہیں۔

محرمات کے احکام کے بغیر احکام ولایت کو بیان کرنے سے وجود موقوف معدوم ہوتا ہے۔ جبکہ اس کا علم ہونا پہلے ضروری تھا لہذا مصنف نے ان کے احکام کو بھی مقدم ذکر کیا ہے۔

ولایت نکاح کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ولی وہ ہے جس کا قول دوسرے پر نافذ ہو دوسرا چاہے یا نہ چاہے۔ ولی کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے، بچہ اور مجنون ولی نہیں ہوسکتا۔ مسلمان کے ولی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے کہ کافر کو مسلمان پر کوئی اختیار نہیں، متقی ہونا شرط نہیں۔ فاسق بھی ولی ہوسکتا ہے۔ ولایت کے اسباب چار ہیں: قرابت، ملک، ولا، امامت۔

(درمختار، کتاب النکاح بیروت)

ولی نکاح کی تعریف کا بیان

ولی لغوی طور پر کارساز منتظم کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص جو کسی کام کا منتظم ہو لیکن یہاں ولی سے مراد وہ شخص ہے جو کسی عورت کے نکاح کا متولی وذمہ دار ہوتا ہے، بایں طور کہ اس عورت کے نکاح کا اختیار اسے حاصل ہوتا ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ولایت یعنی کسی کے ولی ہونے کا حق کن کن لوگوں کو حاصل ہے چنانچہ جاننا چاہئے کہ نکاح کے سلسلہ میں ولایت کے اختیار اس کے ان رشتہ دار کو حاصل ہوتے ہیں جو عصبہ بنفسہ ہوں اگر کئی عصبات بنفسہ ہوں تو ان میں مقدم وہ ہوگا جو وراثت میں مقدم ہو گویا اس بارے میں عصبات کی وہ ترتیب رہے گی جو وراثت میں ہوتی ہے اگر عصبات بنفسہ میں کوئی نہ ہو تو ماں، و ولایت حاصل ہوگی پھر دادی کو (قنیہ میں اس کے برعکس ترتیب مذکور ہے) پھر بیٹی کو پھر پوتی کو پھر نواسی کو پھر پوتے کی بیٹی کو، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر نانا کو ولایت حاصل ہوگی پھر حقیقی بہن کو پھر سوتیلی بہن کو پھر ماں کی اولاد کو (خواہ مرد یا عورت ہوں) پھر اسی ترتیب کے مطابق ان کی اولاد کو اور اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر ذوی الارحام کو حاصل ہوگی۔

ذوی الارحام میں سب سے پہلے پھوپھیاں ولی ہوں گی ان کے بعد ماموں ان کے بعد خالائیں ان کے بعد چچا کی بیٹیاں اوران کے بعد اسی ترتیب کے مطابق ان کی اولاد اور اگران میں سے کوئی بھی نہ ہوتو حق ولایت مولی الموالات کو حاصل ہوگا مولی الموالات کے معنی باب الفرائض میں بیان ہوچکے ہیں) ۔

اگر مولی الموالات بھی نہ ہوتو پھر بادشاہ وقت ولی ہوگا بشرطیکہ وہ مسلمان ہواس کے بعد بادشاہ وقت کا کوئی نائب مثلاً قاضی بھی ولی ہوسکتا ہے بشرطیکہ بادشاہ کی طرف سے اس کو یہ اختیار دیا گیا ہواس کے بعد قاضی کے نائبوں کوحق ولایت حاصل ہوگا بشرطیکہ اپنا نائب بنانے کی اجازت واختیار قاضی کو حاصل ہواگر قاضی کو یہ اجازت حاصل نہیں ہوگی تو پھراس کا کوئی بھی نائب ولی نہیں ہوسکے گا۔

ولایت کا حق حاصل ہونے کے لیے آزاد ہونا عاقل ہونا بالغ ہونا اور مسلمان ہونا شرط ہے لہذا کوئی غلام کسی کا ولی نہیں ہوسکتا کوئی نابالغ کسی کا ولی نہیں ہوسکتا، کوئی دیوانہ کسی کا ولی نہیں ہوسکتا اور پاگل کسی کا ولی نہیں ہوسکتا، اور نہ کوئی کافر کسی مسلمان کا ولی ہو سکتا ہے، اسی طرح کوئی مسلمان بھی کسی کافر کا ولی نہیں ہوسکتا الا یہ کہ عام سبب پایا جائے جیسے کوئی مسلمان کسی کافرہ لونڈی کا آقا ہو یا مسلمان بادشاہ یا بادشاہ کا نائب ہوتو اس صورت میں مسلمان کافر کا ولی ہوسکتا ہے۔

آزاد عاقلہ بالغہ کی اجازت نکاح کا بیان

﴿وَيَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْحُرَّةِ الْعَاقِلَةِ الْبَالِغَةِ بِرِضَاهَا﴾ وَاِنْ لَّمْ يَعْقِدْ عَلَيْهَا وَلِيٌّ بِكْرًا كَانَتْ اَوْ ثَيِّبًا ﴿عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ﴾ (١) رَحِمَهُمَا اللّٰهُ ﴿فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ .وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ﴾ رَحِمَهُ اللّٰهُ ﴿اَنَّهُ لَا يَنْعَقِدُ اِلَّا بِوَلِيٍّ .وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَنْعَقِدُ مَوْقُوْفًا﴾ وَقَالَ مَالِكٌ وَّالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَنْعَقِدُ النِّكَاحُ بِعِبَارَةِ النِّسَاءِ اَصْلًا لِاَنَّ النِّكَاحَ يُرَادُ لِمَقَاصِدِهِ وَالتَّفْوِيضُ اِلَيْهِنَّ مُخِلٌّ بِهَا ، اِلَّا اَنَّ مُحَمَّدًا رَحِمَهُ اللّٰهُ يَقُوْلُ : يَرْتَفِعُ الْخَلَلُ بِاِجَازَةِ الْوَلِيِّ .

وَوَجْهُ الْجَوَازِ اَنَّهَا تَصَرَّفَتْ فِيْ خَالِصِ حَقِّهَا وَهِيَ مِنْ اَهْلِهِ لِكَوْنِهَا عَاقِلَةً مُمَيِّزَةً وَلِهٰذَا كَانَ لَهَا التَّصَرُّفُ فِي الْمَالِ وَلَهَا اخْتِيَارُ الْاَزْوَاجِ ، وَاِنَّمَا يُطَالَبُ الْوَلِيُّ بِالتَّزْوِيجِ كَيْ لَا تُنْسَبَ اِلَى الْوَقَاحَةِ ، ثُمَّ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْكُفْءِ وَغَيْرِ الْكُفْءِ وَلٰكِنْ لِلْوَلِيِّ الْاِعْتِرَاضُ فِيْ غَيْرِ الْكُفْءِ .وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اَنَّهُ لَا يَجُوْزُ فِيْ غَيْرِ الْكُفْءِ لِاَنَّ كَمْ مِنْ وَاقِعٍ لَّا يُرْفَعُ وَيُرْوٰى رُجُوْعُ مُحَمَّدٍ اِلٰى قَوْلِهِمَا

ترجمہ

آزاد عاقل اور بالغ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی کے ساتھ منعقد ہو جاتا ہے' اگرچہ ولی نے اسے منعقد نہ کروایا ہو خواہ وہ لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ ہو' یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور ظاہر الروایت کے مطابق امام ابو یوسف بھی اسی بات کے قائل ہیں۔

امام ابو یوسف سے یہ روایت بھی منقول ہے: نکاح صرف ولی کی موجودگی میں منعقد ہوگا۔ امام محمد کے نزدیک وہ منعقد ہو جائے گا (لیکن ولی کے اجازت دینے پر) موقوف ہوگا۔ امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں: خواتین کی عبارت کے ذریعے نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا' کیونکہ نکاح سے مراد اس کے مخصوص مقاصد ہوتے ہیں اور یہ معاملہ ان خواتین کے سپرد کرنے کے نتیجے میں' ان مقاصد میں خلل لازم آتا ہے۔ امام محمد یہ فرماتے ہیں: وہ خلل' ولی کے اجازت دینے سے ختم ہو جاتا ہے۔ (ایسے نکاح کو) جائز قرار دینے کی وجہ یہ ہے: اس عورت نے خالص اپنے حق میں تصرف کیا ہے اور وہ اس کی اہل بھی ہے' کیونکہ وہ عاقل ہے اور سمجھدار ہے' یہی وجہ ہے: اسے اپنے مال میں بھی تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اسے شوہر منتخب کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے۔ ولی کے ذریعے شادی کرنے کا مطالبہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ اسے بے شرمی کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ پھر ظاہر الروایت میں یہ بھی منقول ہے: اس بارے میں کفو اور غیر کفو کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے' تاہم غیر کفو کے بارے میں اعتراض کرنے کا حق' ولی کو حاصل ہوگا۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف سے یہ روایت بھی منقول ہے: غیر کفو میں ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا' کیونکہ کتنے ہی ایسے واقعات ہیں جو مشہور نہیں ہو پاتے (یا جو عدالت تک نہیں پہنچ پاتے)۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے: امام محمد نے ان دونوں حضرات کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

انعقاد نکاح کی ولایت میں فقہاء تابعین کے مذاہب

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے، باطل ہے، پھر اگر خاوند نے اس سے جماع کیا تو اس پر مہر واجب ہو جائے گا کیونکہ مرد نے اس کی شرمگاہ سے فائدہ اٹھایا اگر ان کے درمیان کوئی جھگڑا ہو جائے تو بادشاہ وقت اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی (وارث) نہ ہو۔ یہ حدیث حسن ہے۔

یحیی بن سعید انصاری، یحیی بن ایوب، سفیان ثوری اور کئی حفاظ حدیث ابن جریج سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں۔

ابوموسی کی حدیث میں اختلاف ہے اسرائیل، شریک بن عبداللہ، ابوعوانہ، زہیر بن معاویہ، اور قیس بن ربیع، ابواسحاق سے وہ ابوبردہ سے وہ ابوموسی سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

ابوبردہ سے وہ ابوموسی سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مانند روایت کرتے ہیں اور اس میں ابواسحاق کا ذکر

نہیں کرتے۔ یہ حدیث یونس بن ابواسحاق سے بھی ابوبردہ کے حوالے سے مرفوعا مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی حدیث روایت کرتے ہیں۔ سفیان کے بعض ساتھی بھی سفیان سے وہ ابواسحاق سے وہ ابوبردہ سے اور وہ ابوموسیٰ سے روایت کرتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے میرے نزدیک ابواسحاق کی ابوبردہ سے اور ان کی ابوموسیٰ کے حوالے سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی حدیث کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا زیادہ صحیح ہے۔

اس لیے کہ ان تمام راویوں کا جو ابواسحاق سے روایت کرتے ہیں ابواسحاق سے حدیث سننا مختلف اوقات میں تھا اگرچہ سفیان اور شعبہ ان سب سے زیادہ اثبت اور احفظ ہیں۔ پس گئی راویوں کی روایت میرے نزدیک اصح واشبہ ہے اس لیے کہ ثوری اور شعبہ دونوں نے یہ حدیث اس ابواسحاق سے ایک ہی وقت میں سنی ہے۔

جس کی دلیل یہ ہے کہ محمود بن غیلان ابوداؤد سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے شعبہ نے کہا میں نے سفیان ثوری کو ابواسحاق سے یہ پوچھتے ہوئے سنا کہ کیا آپ نے ابوبردہ سے یہ حدیث سنی ہے تو انہوں نے فرمایا ہاں پس یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان دونوں نے یہ حدیث ایک ہی وقت میں سنی جب کہ دوسرے راویوں نے مختلف اوقات میں سنی پھر اسرائیل ابواسحاق کی روایتوں کو اچھی طرح یاد رکھنے والے ہیں۔ محمد بن مثنی، عبدالرحمٰن بن مہدی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا ثوری کی جو احادیث مجھ سے چھوٹ گئی ہیں وہ اسرائیل ہی پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے چھوٹی ہیں کیونکہ انہیں اچھی طرح یاد رکھتے تھے پھر حضرت عائشہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ حسن ہے۔

اس حدیث کو ابن جریج سلیمان بن موسیٰ سے وہ زہری سے وہ عروہ سے وہ عائشہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں پھر حجاج بن ارطاۃ اور جعفر بن ربیعہ بھی زہری سے وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ سے اسی کے مثل مرفوعا روایت کرتے ہیں ہشام بھی اپنے والد سے وہ حضرت عائشہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں بعض محدثین زہری کی بحوالہ عائشہ، عروہ سے مروی حدیث میں کلام کرتے ہیں۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے ملاقات کی اور اسی حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے یہ حدیث روایت نہیں کی۔ لہذا اسی وجہ سے اس حدیث کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن معین کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے کہا کہ حدیث کے یہ الفاظ صرف اسماعیل بن ابراہیم ہی ابن جریج سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان کا ابن جریج سے سماع قوی نہیں ہے ان کے نزدیک بھی یہ ضعیف ہیں۔ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں پر بعض صحابہ کرام کا عمل ہے جن میں عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ شامل ہیں۔ بعض فقہاء تابعین سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ سعید بن مسیب، حسن بصری، شریح، ابراہیم نخعی عمر بن عبدالعزیز، وغیرھم ان تابعین میں شامل ہیں سفیان ثوری، اوزاعی، مالک، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد، اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث، ۱۱۰۲)

اجازت ولی کے بغیر نکاح میں مذاہب اربعہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر ۳۰۸)

حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق نابالغہ اور غیر عاقلہ سے ہے یعنی کمسن لڑکی اور دیوانی کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نکاح اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب کہ ولی عقد کرے اور عورتوں کی عبارت کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا عورت خواہ اصیلہ ہو یا وکیلہ ہو۔

علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو نابالغہ اور غیر عاقلہ پر محمول نہ ماننے بلکہ رکھنے کی صورت میں) جمہور علماء نے نفی صحت پر اور امام ابوحنیفہ نے نفی کمال پر محمول کیا ہے۔

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت نے اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تو اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، پھر اگر شوہر نے اس کے ساتھ مجامعت کی تو وہ مہر کی حق دار ہوگی کیونکہ شوہر نے اس کی شرم گاہ سے فائدہ اٹھایا ہے اور اگر کسی عورت کے ولی باہم اختلاف کریں تو جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی بادشاہ ہے (احمد ترمذی)

اس کا نکاح باطل ہے، یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرما کر گویا ولی کی اجازت کے بغیر ہونیوالے نکاح پر متنبہ کیا اور اس بات کی تاکید فرمائی کہ نکاح کے معاملہ میں ولی کی اجازت و مرضی کو بنیادی درجہ حاصل ہونا چاہئے، اس طرح یہ حدیث اور اسی مضمون کی دوسری حدیثیں ارشاد گرامی (الایم احق بنفسہا من ولیہا) (ایم کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا حکم حاصل نہ کرلیا جائے) کے معارض و برعکس ہیں اسلئے حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر کفو سے نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے یا یہ کہ جو کمسن لڑکی یا لونڈی اور یا مکاتبہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو اس کا نکاح باطل ہوگا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ یہ حدیث اور اس سے پہلے کی حدیث یہ دونوں فنی طور پر اس درجہ کی نہیں ہیں کہ انہیں کسی مسلک کے خلاف بطور دلیل اختیار کیا جاسکے کیونکہ ان دونوں حدیثوں کے صحیح ہونے میں محدثین نے کلام کیا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی عورت کے ولی آپس میں اختلاف و نزاع کرتے ہیں اور کسی فیصلہ پر متفق نہیں ہو پاتے تو وہ سب کالعدم ہو جاتے ہیں اور اس صورت میں ولایت کا حق بادشاہ وقت کو حاصل ہوتا ہے ورنہ تو یہ معلوم ہی ہے کہ ولی کی موجودگی میں بادشاہ کو ولایت کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

بیوہ، بالغہ کے نکاح میں رضامندی کا حکم شرعی

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایم (یعنی بیوہ بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے اسی طرح کنواری عورت (یعنی کنواری بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کنواری عورت کی اجازت کیسے حاصل ہوگی (کیونکہ کنواری عورت تو بہت شرم و حیا کرتی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کہ وہ چپکی رہے یعنی کوئی کنواری عورت اپنے نکاح کی اجات مانگتے جاتے پر اگر بسبب شرم و حیا زبان سے ہاں نہ کرے بلکہ خاموش رہے تو اس کی یہ خاموشی بھی اس کی اجازت سمجھی جائے گی (بخاری و مسلم)

ایم اس عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند نہ ہو خواہ وہ باکرہ ہو (پہلے کبھی اس کی شادی نہ ہوئی ہو) خواہ ثیب ہو کہ پہلے اس کی شادی ہو چکی ہو اور پھر یا تو اس کا خاوند مر گیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو) لیکن یہاں ایم سے مراد ثیب بالغہ ہے یعنی وہ عورت جو بالغہ ہو اور اس کا پہلا شوہر یا تو مر گیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو۔

عورت سے اس کے نکاح کی اجازت حاصل کرنے کے سلسلے میں حدیث نے باکرہ کنواری اور ثیب بیوہ کا ذکر اس فرق کے ساتھ کیا ہے کہ ثیب کے بارے میں تو یہ فرمایا گیا کہ جب تک اس کا حکم حاصل نہ کر لیا جائے اور باکرہ کے بارے میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے لہذا حکم اور اجازت کا یہ فرق اس لئے ظاہر کیا گیا ہے کہ ثیب یعنی بیوہ عورت اپنے نکاح کے سلسلہ میں زیادہ شرم و حیا نہیں کرتی بلکہ وہ خود کھلے الفاظ میں اپنے نکاح کا حکم کرتی ہے یا کم سے کم صریح اشارات کے ذریعہ اپنی خواہش کا از خود اظہار کر دیتی ہے اور اس بارے میں کوئی خاص جھجک نہیں ہوتی اس کے برخلاف باکرہ یعنی کنواری عورت چونکہ بہت زیادہ شرم و حیا کرتی ہے اس لئے وہ نہ تو کھلے الفاظ میں اپنے نکاح کا حکم کرتی ہے اور نہ صریح اشارات کے ذریعہ ہی اپنی خواہش کا اظہار کرتی ہے ہاں جب اس کے نکاح کی اجازت اس سے لی جائے تو وہ اپنی رضامندی و اجازت دیتی ہے بلکہ زیادہ تر تو یہ ہوتا ہے کہ طلب اجازت کے وقت وہ زبان سے اجازت دینا بھی شرم کے خلاف سمجھتی ہے اور اپنی خاموشی و سکوت کے ذریعہ ہی اپنی رضامندی کا اظہار کر دیتی ہے۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے حکم یا اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں ہوتا لیکن فقہاء کے یہاں اس بارے میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ تمام عورتوں کی چار قسمیں ہیں اول ثیب بالغہ یعنی وہ بیوہ عورت جو بالغ ہو ایسی عورت کے بارے متفقہ طور پر تمام علماء کا قول یہ ہے کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ عاقلہ ہو یعنی دیوانی نہ ہو اگر عاقلہ نہ ہوگی تو ولی کی اجازت سے اس کا نکاح ہو جائے گا۔

دوم باکرہ صغیرہ یعنی وہ کنواری لڑکی جو نابالغ ہو، اس کے بارے میں بھی تمام علماء کا متفقہ طور پر یہ قول ہے کہ اس کے نکاح کے لئے اس کی اجازت کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا ولی اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے۔

سوم ثیب صغیرہ یعنی وہ بیوہ جو بالغ نہ ہو اس کے بارے میں حنفی علماء کا تو یہ قول ہے کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر ہو سکتا ہے لیکن شافعی علماء کہتے ہیں کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

باکرہ بالغہ کی اجازت نکاح میں فقہ شافعی وحنفی کا بیان

چہارم باکرہ بالغہ یعنی وہ کنواری جو بالغہ ہو، اس کے بارے میں حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں لیکن شافعی علماء کے نزدیک جائز ہے۔

گویا تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ حنفی علماء کے نزدیک ولایت کا مدار صغر پر ہے یعنی ان کے نزدیک ولی کو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دینے کا حق اسی صورت میں حاصل ہوگا جب کہ وہ کمسن یعنی نابالغ ہو خواہ وہ باکرہ کنواری ہو یا ثیب بیوہ ہو جب کہ شافعی علماء کے نزدیک ولایت کا مدار بکارت پر ہے یعنی ان کے نزدیک ولی کو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دینے کا حق اس صورت میں حاصل ہوگا جب کہ وہ باکرہ ہو خواہ بالغ ہو یا نابالغ ہو۔ لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک بالغہ پر محمول ہے خواہ وہ ثیب ہو یا باکرہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی حدیث (ولا تنکح البکر حتی تستاذن) (کنواری عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے) شوافع کے قول کے خلاف ایک واضح دلیل ہے۔

پسند کی شادی کرنے کے اسباب ونقصانات

شیخ مقصود الحسن فیضی لکھتے ہیں۔قوم کے غیور ودانشور حضرات اصل سبب کو تلاش کریں، آر ایس ایس کے بجائے حقیقی مجرم کون ہے اس کی نشاندہی کریں اور لڑکیوں کے ایسے باغیانہ قدم اٹھانے پر کیا شرعی احکام مترتب ہوتے ہیں اسے واضح کریں تاکہ مرض کا صحیح علاج کیا جا سکے بصورت دیگر "لیھلك من عن بینة و یحی من حی عن بینة "تاکہ جو ہلاک ہو دلیل پر ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل پر (حق کو پہچان کر) زندہ رہے۔

مرضی کی شادی میں برائی کا اصل سبب:

میری ناقص معلومات میں اس برائی کا اصل سبب دین کی کمی اور مسلم گھرانوں میں دینی ماحول کا فقدان ہے، آج ہمارے بچے یہ نہیں جانتے کہ ان کے مسلمان ہونے کا معنی کیا ہے؟ ہم مسلمان کیوں ہیں؟ ہم میں اور کافر میں کیا بنیادی اور حقیقی فرق ہے، انہیں معلوم نہیں ہے کہ ایک مسلمان بشرط اسلام اللہ کا ولی ہوتا ہے اور کافر بحالت کفر اللہ کا، اللہ کے رسول کا اور مسلمانوں کا دشمن ہے۔ (إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا) (النساء 101:) " یقین مانو ! کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں " . (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ) (الممتحنة 1:) " اے ایمان والو ! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم تو ان کی طرف دوستی سے پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق (قرآن واسلام) کے ساتھ جو تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں"۔

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا ولی اللہ تعالی کے دشمن کو اپنا دوست بنائے اور ایک قرآن ورسول پر ایمان لانے والی عورت اپنے منعم حقیقی اللہ کے دشمن اور خود اپنے دشمن کے ساتھ زندگی گزارنے کا عہد و پیمان کرے؟ کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی دشمنی ہو سکتی ہے کہ کوئی تمہیں ایک لہلاتے باغ اور آرام و آرائش کی جگہ سے نکال کر دہکتی آگ اور نہ ختم ہونے والی الم وحسرت کی جگہ میں ڈال دے :(اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ) (البقرۃ257:) " اللہ تبارک وتعالی مومنوں کو ولی وکارساز ہے وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیطان ہیں وہ انہیں روشنی سے (اسلام سے) نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا جب بیوہ ہوئیں تو مدینہ منورہ کے ایک رئیس زادے ابوطلحہ شادی کا پیغام بھیجتے ہیں، اس وقت ام سلیم مسلمان ہو چکی تھیں اور ابوطلحہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لہذا ام سلیم نے یہ دوٹوک جواب دے کران کے پیغام کو رد کر دیا کہ اے ابوطلحہ اللہ کی قسم آپ کی وہ حیثیت ہے کہ آپ کا پیغام رد نہ کیا جائے، لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ کافر ہیں اور میں مسلمان عورت ہوں، اور کسی مسلمان عورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ کسی کافر کے ساتھ شادی کرے (مسند احمد، سنن نسائی)

حالانکہ ابھی تک مسلم وکافر کی شادی کے بطلان کا حکم نازل نہیں ہوا تھا پھر بھی ایک مسلمان عورت کی غیرت اور عزت نفس دیکھئے کہ اپنے کو کسی کافر کی قوامیت اور نگرانی میں دینا گوارا نہیں کیا۔

مرضی کی شادیوں کے مواقع فراہم کرنے میں اصلی مجرم:

میرے تجزیے کے مطابق لڑکیوں کی اس بے راہ روی کا حقیقی مجرم ان کے باپ ہیں اور ان کی ماؤں کو بھی اس جرم میں۔ حصہ ملا ہے کیونکہ باپ ماں نے نہ تو اپنے گھر کا ماحول دینی رکھا، نہ ہی اولاد کو دینی اقدار سکھلایا اور نہ مومن وکافر کا حقیقی فرق بتلایا، ان کی ساری توجہ اس امر پر مرکوز رہی کہ میری بیٹی اعلی تعلیم حاصل کرلے، اسے اچھی نوکری مل جائے لیکن اس طرف قطعا توجہ نہ دی کہ ان حالات میں میری بیٹی مسلمان بھی رہ جائے گی کہ نہیں؟ انہیں یہ فکر تو صبح وشام دامن گیر رہی کہ میری بیٹی ڈاکٹر بن جائے، انجینئر بن جائے لیکن مومن ومسلمان بھی بنے اس کے بارے میں شاید کبھی سوچا بھی نہ ہو، ان کی یہ کوشش ضرور رہی کہ میری بیٹی اچھے نمبرات حاصل کرے اسے اچھا ٹیوٹر ملے لیکن اس بارے میں کبھی بھی نہ سوچا کہ میری بیٹی کا استاذ دین واخلاق کا بھی مالک ہے کہ نہیں، اگر بیٹی امتحان میں کم نمبر سے پاس ہوتی ہوگی تو سخت برہمی کا اظہار کیا ہوگا مارنے کی دھمکی دی ہوگی لیکن لڑکی نے نماز میں کوتاہی کی ہوگی تو اسکے عوض ماتھوں پر بل نہ آئے ہوں گے، ان کی توجہ اس پر تو مرکوز رہی ہوگی کہ میری بچی انگریزی زبان بولنے اور سمجھنے لگے لیکن یہ کبھی نہ سوچا ہوگا کہ اسے قرآن مجید کا صرف ترجمہ ہی پڑھا دیا جائے، غرض یہ کہ اللہ تعالی کی طرف سے سونپی گئی حقیقی ذمہ داریوں کو وہ بھولے رہے، انہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے اوپر اولاد کی کیا ذمہ داری رکھی ہے۔

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ) (التحریم6:) " ایمان والو! تم

اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں "۔
نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جس کسی بندے کو اللہ تعالیٰ رعایا کی ذمہ داری دیتا ہے اور اس کی موت اس حالت میں ہوتی ہے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ دھوکہ کرنے والا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے (صحیح بخاری وصحیح مسلم)
ہر ذی ہوش ماں باپ سے سوال ہے کہ دنیا میں اس سے بڑا دھوکہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ باپ اپنی اولاد کو دنیا کی عارضی زندگی میں کام آنے والے امور سے آشنا کرائے اور آخرت کی ابدی زندگی میں کام آنے والے امور کی طرف کوئی توجہ نہ ہو، اللہ کی قسم اس سے بڑا دھوکہ اور خیانت دنیا میں اور کچھ نہیں ہے، لہذا جو باپ اپنی اولاد کو دین کی بنیادی باتوں سے آشنا نہیں کراتا، دینی تعلیم نہیں دیتا، حجاب و پردہ کے احکام نہیں بتلاتا، غیر مردوں کے ساتھ اختلاط وخلوت سے نہیں روکتا، عریانیت سے دور نہیں رکھتا وغیرہ وغیرہ تو وہ اپنی اولاد کے ساتھ سب سے بڑا دھوکہ باز اور خائن ہے، پھر اگر لڑکی کوئی غلط قدم اٹھالیتی ہے تو دنیا میں رسوائی وذلت اور آخرت میں دردناک عذاب کا مستحق سب سے زیادہ اس کا باپ ہے۔
() اس موقعہ پر ایک اہم معاملہ یہ بھی قابل غور ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے لڑکی کی شادی کے لئے اس کے ولی کی اجازت ضروری ہے بلکہ ہر وہ نکاح جو ولی کی اجازت کے بغیر ہو باطل اور غیر شرعی قرار پاتا ہے، ارشاد نبوی ہے : جو عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرتی ہے تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے (سنن ابوداود، سنن الترمذی) ۔
ایک دوسری حدیث میں ارشاد نبوی ہے : کوئی عورت کسی عورت کی شادی نہ کرے اور نہ ہی کوئی عورت خود اپنی شادی کرے اور وہ تو زانیہ اور فاحشہ عورتیں ہیں جو (ولی کی اجازت کے بغیر) اپنا نکاح خود کر لیتی ہے (سنن ابن ماجہ)
لہذا یہ امر اچھی طرح ذہن نشین رہنا چاہئے کہ کورٹ میرج اور لو میرج کرنے والی لڑکیاں اگر اس کا تدارک نہیں کرتیں تو بحکم شرع زنا کاری کی شکار ہیں اور ان کی اولاد حرام اولاد شمار ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جس لڑکے سے وہ لڑکی کورٹ میرج کر رہی ہے وہ مسلمان ہے لیکن اگر کوئی لڑکی کسی غیر مسلم سے شادی کرتی ہے، خواہ ولی کی اجازت ہی سے کیوں نہ ہو تو یہ معاملہ خطرناک سے خطرناک تر ہے کیونکہ شرعی طور پر ایسا نکاح باطل اور مزید یہ کہ ایسا عمل کفر اور دین سے ارتداد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :(وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتّٰى يُؤْمِنُوا) (البقرۃ221:) "اور مشرک مردوں کے نکاح میں اپنی عورتوں کو مت دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، نیز فرمایا :(لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ) (الممتحنۃ10:) " یہ مومنہ عورتیں ان کے یعنی کافروں کے لئے حلال نہیں اور وہ کافر مرد ان کے یعنی مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں "۔ ان دونوں آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ برضا ورغبت مسلمان نہ ہو جائے، لہذا اسے جائز سمجھنا، اس پر راضی ہونا، اس پر موافقت کا اظہار کرنا علماء کے نزدیک متفقہ طور پر کفر اور دین سے پھر جانا ہے، لہذا معاملہ بڑا ہی خطرناک ہے، وہ لڑکی جو کسی غیر مسلم سے شادی کرنا چاہتی ہے یا کر رہی ہے اور اس کے والدین اگرچہ طوعا وکرھا اس پر موافقت ظاہر کر رہے ہیں، انہیں یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ ان کی لڑکی اور وہ خود دین اسلام سے نکل کر دین کفر میں داخل ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ

کے ولیوں کے گروپ سے جدا ہو کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور شیطان کے ولیوں میں شامل ہو رہے ہیں، اور بالآخر جنتیوں کے گروہ سے کنارہ کش ہو کر جہنمیوں کے گروہ میں داخل ہو جا رہے ہیں، ایسا شخص اگر نماز بھی پڑھتا ہے، روزہ بھی رکھتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کام کو حلال سمجھ رہا ہے لہٰذا کافر ہے اور اس کے کفر پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے :(ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ) (محمد 28:) " یہ اس لئے کہ وہ ایسی راہ پر چلے جس سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیا، اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کام کو ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے تمام اعمال اکارت کر دئے۔

نیز جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا، ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں، اور کافر لوگ اس (جہنم) میں چیخیں ماریں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو نکال لے، اب ہم اچھے کام کریں گے، برخلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے، (لیکن جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا لہٰذا مزہ چکھو، ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (فاطر ۳۶،۳۷)

بالغہ باکرہ کے نکاح میں عدم اجبار کا بیان

﴿وَلَا يَجُوزُ لِلْوَلِيِّ إِجْبَارُ الْبِكْرِ الْبَالِغَةِ عَلَى النِّكَاحِ﴾ (۱) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ. لَهُ الْاعْتِبَارُ بِالصَّغِيرَةِ وَهَذَا لِأَنَّهَا جَاهِلَةٌ بِأَمْرِ النِّكَاحِ لِعَدَمِ التَّجْرِبَةِ وَلِهَذَا يَقْبِضُ الْأَبُ صَدَاقَهَا بِغَيْرِ أَمْرِهَا.

وَلَنَا أَنَّهَا حُرَّةٌ مُخَاطَبَةٌ فَلَا يَكُونُ لِلْغَيْرِ عَلَيْهَا وِلَايَةٌ، وَالْوِلَايَةُ عَلَى الصَّغِيرَةِ لِقُصُورِ عَقْلِهَا وَقَدْ كَمُلَ بِالْبُلُوغِ بِدَلِيلِ تَوَجُّهِ الْخِطَابِ فَصَارَ كَالْغُلَامِ وَكَالتَّصَرُّفِ فِي الْمَالِ، وَإِنَّمَا يَمْلِكُ الْأَبُ قَبْضَ الصَّدَاقِ بِرِضَاهَا دَلَالَةً وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ مَعَ نَهْيِهَا

ترجمہ

ولی کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور کرے۔ اس بارے میں امام شافعی کی رائے مختلف ہے۔ ان کی دلیل نابالغہ پر قیاس کرنا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے: وہ نکاح کے معاملات سے ناواقف ہوتی ہے چونکہ اسے تجربہ نہیں ہوتا اسی لیے اس کا باپ اس کا مہر اس کی اجازت کے بغیر قبضے میں لے سکتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے: وہ آزاد ہے تو کسی دوسرے شخص کو اس کے ساتھ زبردستی کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ نابالغہ پر تصرف کا حق اس کی عقل میں کمی کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ (کمی) بلوغت کے ہمراہ مکمل (یعنی ختم) ہو جاتی ہے اس کی دلیل یہ ہے: خطاب اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے (یعنی وہ شرعی احکام کی پابند ہو جاتی ہے) تو اس کی مثال نابالغ لڑکے کی طرح ہوگی اور مال میں تصرف

کرنے کے حکم کی طرح ہوگی۔ باپ اس کی رضامندی کے ساتھ اس کا مہر قبضے میں لے سکتا ہے یہی وجہ ہے: اگر وہ اس سے منع کر دے تو باپ اس (مہر) کا مالک نہیں ہوگا۔

نابالغہ غیر عاقلہ کے نکاح میں مذاہب ثلاثہ

حضرت ابوموسیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا (مسند احمد، جامع ترمذی، ابواب النکاح)

حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق نابالغہ اور غیر عاقلہ سے ہے یعنی کمسن لڑکی اور دیوانی کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نکاح اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب کہ ولی عقد کرے اور عورتوں کی عبارت کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا عورت خواہ اصیلہ ہو یا وکیلہ ہو۔

علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو نابالغہ اور غیر عاقلہ پر محمول نہ ماننے بلکہ رکھنے کی صورت میں) جمہور علماء نے نفی صحت پر اور امام ابوحنیفہ نے نفی کمال پر محمول کیا ہے۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا جو خاتون کنواری نہ ہو تو ولی کا اس پر (زبردستی کرنے کا) کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے اور کنواری لڑکی سے اجازت حاصل کرے کے اس کا نکاح کرنا چاہیے نیز اس کی خاموشی اس کا اقرار ہے۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1176)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا بیوہ خاتون اپنے نفس کی اپنے ولی کے اعتبار سے زیادہ حقدار ہے۔ اور کنواری لڑکی سے اجازت حاصل کر کے اس کا نکاح کیا جائے نیز اس کی خاموشی اس کی اجازت پر دلالت کرتی ہے۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1174)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا ثیبہ (یعنی جس کا پہلے نکاح ہو کر شوہر سے خلوت ہوگئی ہو) اس کی منظوری اور اجازت کے بغیر نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کسی کنواری لڑکی سے اجازت کے بغیر نکاح کیا جائے۔ حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنواری لڑکی سے کس طریقہ سے اجازت حاصل کرنا چاہیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کی اجازت اور منظوری اس کا خاموش رہنا ہے۔

(سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1178)

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن ایک جوان لڑکی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھائی کے لڑکے سے اس وجہ سے کر دیا ہے کہ میری وجہ سے (یعنی مجھ سے شادی کرنے کی وجہ سے) اس کی رزالت ختم ہو جائے گی اور وہ بھی لوگوں کی نظر میں ایک باعزت شخص بن جائے جب کہ میں اس کو ناپسند کرتی ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرو۔ چنانچہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو

اس نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عرض کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے والد کو طلب فرمایا اور اس کی لڑکی کو اختیار عطا فرمادیا اس پر لڑکی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے والد صاحب نے جو کچھ کیا وہ مجھ کو منظور ہے لیکن میں اس سے واقف ہونا چاہتی ہوں کیا خواتین کو بھی اس معاملہ میں کسی قسم کا کوئی حق ہے یا نہیں؟

(سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1182)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کنواری لڑکی سے اس کے نفس کے بارے میں اجازت اور رضامندی حاصل کرنا چاہیے اگر وہ خاموش رہے تو یہ اس کی اجازت ہے اور اگر انکار کردے تو اس پر کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔(سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1183)

جبری شادی سے متعلق فقہی نظریہ اور اخلاقی حکم

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یتیم لڑکی سے بھی نکاح کے لیے اس کی اجازت لی جائے اگر وہ خاموش رہے تو یہ اس کی رضامندی ہے اور اگر وہ انکار کردے تو اس پر کوئی جبر نہیں اس باب میں ابوموسیٰ، اور ابن عمر سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ حسن ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر یتیم لڑکی کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح کردیا تو یہ موقوف ہے یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے پھر اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو قبول کرے اور اگر چاہے تو ختم کردے بعض تابعین وغیرہم کا بھی یہی قول ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یتیم لڑکی کا بلوغت سے پہلے نکاح کرنا جائز نہیں اور نہ ہی نکاح میں اختیار دینا جائز ہے۔سفیان ثوری، شافعی، اور دوسرے علماء کا یہی قول ہے امام احمد، اور اسحاق کہتے ہیں کہ اگر یتیم لڑکی کا نو سال کی عمر میں اس کی رضامندی سے نکاح کیا گیا تو جوانی کے بعد اس کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ان کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ نو سال کی عمر میں شب زفاف گذاری، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگر لڑکی کی عمر نو سال ہو تو وہ مکمل جوان ہے۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1109)

احناف کے نزدیک عاقدین کے اختیار کا بیان

شریعت نے نکاح کو عاقدین کے اختیار سے متعلق رکھا ہے۔مرد و عورت کی رضامندی سے ہی نکاح منعقد ہوتا ہے لیکن رضا اور عدم رضا قلب کا فعل ہے، جس سے آگاہ ہونا دوسروں کے لیے ممکن نہیں۔اسی لیے زبان سے اظہار رضامندی کو نکاح کے منعقد ہونے کے لیے کافی سمجھا گیا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی مرد یا عورت سے جبراً رضامندی کا اظہار کرالیا جائے تو کیا نکاح منعقد ہوجائے گا؟۔اس سلسلے میں حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اکراہ کے ساتھ اگر قبولیت کے الفاظ کہلادیے جائیں تب بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور اس سلسلے میں لڑکا اور لڑکی دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔یہ نقطہ نظر حنفیہ کے علاوہ بعض دوسرے فقہاء کا بھی ہے۔ پھر جن فقہاء کے نزدیک ولی کو باکرہ لڑکی پر ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے،ان کے یہاں تو ویسے بھی لڑکی کی رضامندی کے بغیر ولی کا کیا

ہوا نکاح اس کے اوپر لازم ہو جاتا ہے۔

اور فیصلہ کیا کہ اگرچہ اس طرح کا نکاح فقہی اعتبار سے منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اولیا کا ایسے عمل کا ارتکاب کرنا قطعاً جائز نہیں۔ اگر اس طرح نکاح کر دیا گیا اور لڑکی اس پر راضی نہ ہو تو وہ فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے اور قاضی شریعت اس کا نکاح فسخ کر دے گا۔ اس کی دلیل حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کا وہ مشہور واقعہ ہے، جس کے مطابق صرف بیوی کی ناپسندیدگی کی وجہ سے آپ نے حضرت ثابت کو طلاق دینے کا حکم فرمایا تھا۔

باکرہ سے نکاح کی اجازت کا شرعی حکم

قَالَ ﴿وَإِذَا اسْتَأْذَنَهَا فَسَكَتَتْ أَوْ ضَحِكَتْ فَهُوَ إِذْنٌ﴾ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿الْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا ، فَإِنْ سَكَتَتْ فَقَدْ رَضِيَتْ﴾(۱) وَلِأَنَّ جَنْبَةَ الرِّضَا فِيهِ رَاجِحَةٌ ، لِأَنَّهَا تَسْتَحْيِي عَنْ إِظْهَارِ الرَّغْبَةِ لَا عَنْ الرَّدِّ ، وَالضَّحِكُ أَدَلُّ عَلَى الرِّضَا مِنْ السُّكُوتِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا بَكَتْ لِأَنَّهُ دَلِيلُ السُّخْطِ وَالْكَرَاهَةِ .وَقِيلَ إِذَا ضَحِكَتْ كَالْمُسْتَهْزِئَةِ بِمَا سَمِعَتْ لَا يَكُونُ رِضًا ، وَإِذَا بَكَتْ بِلَا صَوْتٍ لَمْ يَكُنْ رَدًّا .

ترجمہ

مصنف فرماتے ہیں: جب ولی اس سے اجازت مانگے' اور وہ خاموش رہے یا ہنس پڑے تو یہ اجازت شمار ہوگی۔ اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''کنواری لڑکی سے اس کے معاملے میں معلوم کیا جائے گا اگر وہ خاموش رہے تو وہ راضی شمار ہوگی''۔ اس کی وجہ یہ ہے: اس معاملے میں رضامندی کے پہلو کو ترجیح حاصل ہو جاتی ہے' کیونکہ وہ دلچسپی کا اظہار کرنے سے حیاء کرتی ہے نہ کہ تردید (کرنے سے حیاء کرتی ہے) اور ہنس پڑنا' خاموش رہنے کی بہ نسبت زیادہ رضامندی کی دلیل ہے۔ اس کے برخلاف اگر وہ رو پڑے تو یہ ناخوشی اور ناپسندیدگی کی دلیل ہوگی۔ ایک قول کے مطابق اگر وہ ایسے ہنسے جیسے وہ مذاق اڑا رہی ہے' اس چیز کا' جو اس نے سنی ہے' تو یہ بات رضامندی شمار نہیں ہوگی اور اگر وہ آواز کے بغیر رو پڑے تو یہ بات ''مسترد کرنا'' شمار نہیں ہوگی۔

شرح

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو خاتون کنواری نہ ہو وہ اپنے نفس کی ولی سے زیادہ حقدار ہے (یعنی مستحق) ہے جب کہ کنواری سے اس کا والد اجازت حاصل کرے اور اس کی اجازت اور منظوری اس کا (اجازت لیتے وقت) خاموش رہنا ہے۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1177)

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کنواری

لڑکیوں سے ان کے متعلق فیصلہ کرنے کے وقت ان کی اجازت حاصل کرنا چاہیے۔(سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1179)

عورت کا خود عقد کرنے میں فقہ شافعی کا موقف

عورت کا ولی خود عقد نکاح کرے، یا پھر کسی دوسرے شخص کو وکیل بنا دے جو اس کی نیابت کرتے ہوئے نکاح کرے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ": ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا" سنن ابوداود حدیث نمبر (2085)

اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ": کوئی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح نہ کرے، اور نہ ہی عورت اپنا نکاح خود کرے"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "بلوغ المرام " میں لکھتے ہیں :اس کے رجال ثقات ہیں. اور احمد شاکر نے عمدۃ التفسیر (1 / 285) میں اسے صحیح قرار دیا ہے.

اور "سبل السلام " میں صنعانی کہتے ہیں ": اس میں دلیل ہے کہ عورت کو اپنا نکاح خود کرنے میں کوئی ولایت حاصل نہیں، اور نہ ہی وہ کسی دوسری عورت کی وکیل بننے کا حق حاصل ہے، ... چنانچہ نہ تو وہ ولی یا کسی اور کی اجازت سے اپنا نکاح کر سکتی ہے، اور بطور ولی اور بطور وکیل کسی دوسری عورت کا نکاح بھی نہیں کر سکتی، جمہور علماء کا قول یہی ہے۔

اور شافعی کتاب "مغنی المحتاج " میں درج ہے۔

"(عورت اپنا نکاح خود نہ کرے) یعنی وہ کسی بھی حال میں نہ تو اجازت کے ساتھ اور نہ ہی بغیر اجازت کے وہ خود بغیر واسطہ کے نکاح کی مالک نہیں بن سکتی، چاہے ایجاب وقبول برابر ہے؛ کیونکہ شرم وحیاء اور اصل میں اس کے عدم بیان کی بنا پر وہ اس طرح کے کاموں میں داخل نہیں ہوسکتی اور یہ اس کے لائق ہی نہیں"

ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ ": کوئی بھی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح مت کرے اور نہ ہی عورت اپنا نکاح خود کرے "اسے دار قطنی نے شیخین کی شرط پر سند سے روایت کیا ہے (مغنی المحتاج (4 / (239)

اس بنا پر اگر تو مذکورہ مسؤلہ صورت میں نکاح ہوا ہے تو یہ نکاح صحیح نہیں، اور اس نکاح کو دوبارہ کرنا لازم ہے جو کہ ولی خود کرے یا پھر اس کی جانب سے مقرر کردہ وکیل کرے گا۔

ولی کے سوا کسی دوسرے کا اجازت نکاح لینا

قَالَ ﴿وَإِنْ فَعَلَ هٰذَا غَيْرُ وَلِيٍّ﴾ يَعْنِي اسْتَأْمَرَ غَيْرُ الْوَلِيِّ ﴿أَوْ وَلِيٌّ غَيْرُهُ أَوْلَى مِنْهُ﴾ ﴿لَمْ يَكُنْ رِضًا حَتَّى تَتَكَلَّمَ بِهِ﴾ لِأَنَّ هٰذَا السُّكُوتَ لِقِلَّةِ الْإِلْتِفَاتِ إِلَى كَلَامِهِ فَلَمْ يَقَعْ دَلَالَةً عَلَى الرِّضَا، وَلَوْ وَقَعَ فَهُوَ مُحْتَمَلٌ، وَالْاكْتِفَاءُ بِمِثْلِهِ لِلْحَاجَةِ وَلَا حَاجَةَ فِي حَقِّ غَيْرِ الْأَوْلِيَاءِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْمُسْتَأْمِرُ رَسُولَ الْوَلِيِّ لِأَنَّهُ قَائِمٌ مَقَامَهُ، وَيُعْتَبَرُ فِي

الْاِسْتِئْمَارِ تَسْمِيَةُ الزَّوْجِ عَلٰى وَجْهٍ تَقَعُ بِهِ الْمَعْرِفَةُ لِتَظْهَرَ رَغْبَتُهَا فِيْهِ مِنْ رَغْبَتِهَا عَنْهُ

ترجمہ

صاحب ہدایہ نے فرمایا اور اگر ولی کے علاوہ کوئی اور ایسا کرے (یعنی) ولی کے علاوہ کوئی دوسرا اس سے مرضی معلوم کرے یا ایسا ولی (مرضی معلوم کرے) جس سے زیادہ قریبی عزیز موجود ہو (یعنی وہ ولی دور کا عزیز ہو) تو عورت کی رضا مندی اس وقت تک شمار نہیں ہوگی جب تک وہ کلام کر کے (رضامندی ظاہر نہ کرے) اس کی وجہ یہ ہے: یہ خاموشی اس شخص کے کلام کی طرف کم توجہ کی وجہ سے ہی ہوسکتی ہے تو یہ رضامندی پر دلالت نہیں کرے گی اور اگر کر بھی دے تو اس میں احتمال پایا جائے گا۔ اس کی مانند (یعنی خاموشی) پر اکتفاء ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے اور ولی کے علاوہ شخص کے لیے ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ اس کے برخلاف صورت یہ ہے: جب ولی کا پیغام رساں یہ اجازت طلب کرے (تو حکم مختلف ہوگا) کیونکہ وہ اس کا قائم مقام ہوگا۔

اجازت لیتے ہوئے شوہر کا نام لینا اس طرح سے معتبر ہوگا جس کے ذریعے اس کی پہچان ہو جائے تا کہ اس عورت کی اس شخص میں رغبت یا بے رغبتی واضح ہو جائے۔ نکاح کے وقت مہر کا ذکر کرنا شرط نہیں ہے

خاموشی میں اظہار رضامندی ولی کے ساتھ خاص ہے

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالغہ کنواری عورت سے اس کے نکاح کے بارے میں اجازت حاصل کی جائے اور اگر وہ طلب اجازت کے وقت خاموش رہے تو اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو اس پر جبر نہ کیا جائے (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) دارمی نے اس روایت کو حضرت ابوموسیٰ سے نقل کیا ہے۔

شادی بیاہ کا معاملہ انسانی زندگی کا بڑا اہم موڑ ہوتا ہے اس موڑ پر زوجین کی مرضی و خواہش کے علی الرغم والدین اور ولی و سرپرست کا کوئی بھی فیصلہ اور اس میں ادنی درجہ کی کوتاہی اور غیر دانشمندی زوجین کی پوری زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے۔ اس لئے شریعت نے ہر بالغ مسلمان کو خواہ مرد ہو یا عورت یہ حق دیا ہے کہ وہ اس مرحلہ پر اپنی مرضی و خواہش اور اپنی پسند و ناپسند کا پورا پورا اظہار کرے۔ خاص طور پر عورتوں کے بارے میں ان کے ماں باپ اور ولی سرپرست پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ وہ اس معاملہ میں اپنی ذاتی پسند و ناپسند ہی کو مدار قرار نہ دیں بلکہ عورت کو خود بھی سوچنے سمجھنے کا موقع دیں اور اس کی اجازت و مرضی ہی کو اصل فیصلہ سمجھیں۔ پھر اس کی اجازت کے بارے میں یہ آسانی بھی دی گئی ہے کہ اگر کوئی عورت شرم وحیا کی وجہ سے اپنی اجازت و مرضی کا زبان سے اظہار نہیں کر سکتی تو اس کی خاموشی ہی کو اس کی اجازت سمجھا جائے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ عورت کی خاموشی کو اس کی اجازت کا قائم مقام ہونا صرف اس کے ولی کے حق میں ہے یعنی عورت اگر اپنے ولی کی طلب اجازت کے موقع پر خاموش رہے تو اس کی خاموشی اس کی اجازت سمجھی جائے گی اور اگر ولی کے علاوہ کوئی اور اجازت طلب کرے تو اس صورت میں عورت کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ زبان سے اجازت دے۔

کنواری و بیوہ کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے میں مذاہب فقہاء

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کنواری اور بیوہ دونوں کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔اس باب میں حضرت عمر ابن عباس، عائشہ، عرس بن عمیرہ سے بھی مروی ہے۔حضرت ابوہریرہ کی حدیث حسن صحیح ہے اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ بیوہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اگرچہ اس کا والد ہی اس کا نکاح کرنا چاہیے اور اگر اس کے والد نے اس کی رضامندی کے بغیر نکاح کر دیا تو اکثر اہل علم کے نزدیک نکاح ٹوٹ جائے گا جب کہ کنواری لڑکی کے نکاح کے متعلق علماء کا اختلاف ہے اکثر علماء کوفہ اور دوسرے لوگوں کے نزدیک اگر بالغہ کنواری لڑکی کا نکاح اسکے باپ نے اس کی رضامندی کے بغیر کیا تو یہ نکاح ٹوٹ جائے گا بعض علماء مدینہ کہتے ہیں کنواری لڑکی کا باپ اگر اس کا نکاح کر دے تو اس کی عدم رضا کے باوجود یہ نکاح جائز ہے امام مالک بن انس، شافعی، احمد، اسحاق، کا یہی قول ہے۔(جامع ترمذی، رقم الحدیث، ۱۱۰۷)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس عورت کا نکاح ولی نہ کرایا ہو تو اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے اگر مرد نے اس سے صحبت کرلی تو اسے اس وجہ سے مہر ملے گا اور لوگوں میں جھگڑا ہو تو بادشاہ ولی ہے اس کا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 36)

ذکر مہر کے عدم شرط ہونے کا بیان

﴿وَلَا تُشْتَرَطُ تَسْمِيَةُ الْمَهْرِ هُوَ الصَّحِيحُ﴾ لِاَنَّ النِّكَاحَ صَحِيحٌ بِدُونِهِ وَلَوْ زَوَّجَهَا فَبَلَغَهَا الْخَبَرُ فَسَكَتَتْ فَهُوَ عَلٰى مَا ذَكَرْنَا لِاَنَّ وَجْهَ الدَّلَالَةِ فِي السُّكُوتِ لَا يَخْتَلِفُ ، ثُمَّ الْمُخْبِرُ اِنْ كَانَ فُضُولِيًّا يُشْتَرَطُ فِيهِ الْعَدَدُ اَوْ الْعَدَالَةُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ خِلَافًا لَهُمَا ، وَلَوْ كَانَ رَسُولًا لَا يُشْتَرَطُ اِجْمَاعًا وَلَهُ نَظَائِرُ

ترجمہ

اور صحیح روایت کے مطابق مہر کو ذکر کرنے کی شرط نہیں لگائی جائے گی کیونکہ نکاح اس کے بغیر بھی درست ہوتا ہے۔اگر ولی اس لڑکی کی شادی کر دیتا ہے اور جب اس لڑکی کو یہ اطلاع ملتی ہے تو وہ خاموش رہتی ہے تو اس کا وہی حکم ہوگا جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس کی وجہ یہ ہے۔سکوت میں دلالت کی وجہ مختلف نہیں ہوتی۔پھر اطلاع دینے والا شخص اگر "فضولی" ہو تو اس میں عدد یا عدالت شرط ہوگی۔یہ امام ابوحنیفہ۔کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین حضرات کی رائے اس کے برخلاف ہے۔لیکن اگر وہ پیغام رساں ہو تو اس بات پر اتفاق ہے یہ شرط نہیں ہوگی اور اس کی نظائر موجود ہیں۔

مہر ذکر نہ کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت علقمہ، حضرت ابن مسعود کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا کچھ مہر مقرر نہیں کیا اور پھر اس نے ابھی دخول نہیں کیا تھا یعنی نہ تو اپنی بیوی کے ساتھ جماع کیا تھا اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی تھی۔ کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابن مسعود نے ایک مہینہ تک اس مسئلہ پر غور وفکر کیا اور پھر اپنے اجتہاد کی بنیاد پر فرمایا کہ اس عورت کو وہ مہر ملے گا جو اس کے خاندان کی عورتوں کا ہے (یعنی اس شخص کی بیوہ کو مہر دیا جائیگا) نہ اس میں کوئی کمی ہوگی نہ زیادتی اور اس عورت پر شوہر کی وفات کی عدت بھی واجب ہوگی اور اس کو میراث بھی ملے گی۔ یہ سن کر حضرت معقل بن سنان اشجعی کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں یہی حکم دیا تھا جو اس وقت آپ نے بیان کیا ہے حضرت ابن مسعود یہ بات سنکر بہت خوش ہوئے۔

(ترمذی ابوداؤد نسائی دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 409)

حضرت ابن مسعود کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل ذہانت وذکاوت اور دینی فہم وفراست کی دولت بڑی فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھی کسی بھی الجھے ہوئے مسئلے کو اپنی بے پناہ قوت اجتہاد کے ذریعہ اس طرح حل فرما دیتے تھے کہ وہ قرآن وحدیث کے بالکل مطابق ہوتا انہوں نے اپنی قوت اجتہاد سے اس کا شرعی فیصلہ سنایا تو ایک صحابی حضرت معقل نے علی الاعلان یہ شہادت دی کہ حضرت ابن مسعود کا یہ فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے عین مطابق ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی قسم کے ایک معاملہ میں ایسا ہی فیصلہ صادر فرمایا تھا چنانچہ حضرت ابن مسعود نے اپنی اس بات پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میری رہبری فرمائی اور میرا یہ فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہوا۔ مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرت علی اور صحابہ کی ایک جماعت کا یہ مسلک تھا کہ اس صورت میں عورت عدم دخول کی وجہ سے مہر کی حق دار نہیں ہوتی ہاں اس پر عدت واجب ہوتی ہے اور اسے شوہر کی میراث بھی ملتی ہے۔

اس بارے میں حضرت امام شافعی کے دو قول ہیں ایک تو حضرت علی کے موافق ہے اور دوسرا قول حضرت ابن مسعود کے مطابق ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد کا مسلک وہی ہے جو حضرت ابن مسعود نے بیان کی ہے۔

مہر مثل کسے کہتے ہیں؟ مہر مثل عورت کے اس مہر کو کہتے ہیں جو اس کے باپ کے خاندان کی ان عورتوں کا ہو جو ان باتوں میں اس کے مثل ہوں عمر، جمال، زمانہ، عقل، دینداری، بکارت وثیوبت، علم وادب اور اخلاق وعادات ہیں۔

اس مسئلے کی مختلف نظائر ہیں: جس کی مثال میں یہ بات بیان کی جاسکتی ہے' جیسے کوئی شخص کسی کو وکیل مقرر کرے' تو وہ وکیل مقرر کرنے والا شخص' وکیل کے پاس اپنے، کسی پیغام رساں کو بھیج کر یہ کہے: میں تمہیں معزول کر رہا ہوں وغیرہ' تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک ایسی صورت میں تعداد یا عدالت شرط ہوگی اور اس کے بغیر اطلاع معتبر نہیں ہوگی' جبکہ صاحبین ؛ کے نزدیک ایسی کوئی چیز شرط نہیں ہوگی اور اطلاع معتبر ہوگی۔

ثیبہ کی مرضی معلوم کرنے کا بیان

﴿وَلَوِ اسْتَأْذَنَ الثَّيِّبَ فَلَا بُدَّ مِنْ رِضَاهَا بِالْقَوْلِ﴾ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿الثَّيِّبُ تُشَاوَرُ﴾(۱) وَلِأَنَّ النُّطْقَ لَا يُعَدُّ عَيْبًا مِنْهَا وَقَلَّ الْحَيَاءُ بِالْمُمَارَسَةِ فَلَا مَانِعَ مِنَ النُّطْقِ فِيْ حَقِّهَا .

ترجمہ

اگر (ولی) ثیبہ سے اجازت مانگتا ہے تو اس کی رضامندی کا لفظی اظہار ضروری ہے۔ اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''ثیبہ عورت سے مشورہ کیا جائے گا''۔ اس کی وجہ یہ ہے: ثیبہ عورت کے حق میں بات کرنا عیب شمار نہیں کیا جاتا اور اس میں (شادی شدہ زندگی کا تجربہ ہونے کی وجہ سے) حیاء کی کیفیت مختلف ہوتی ہے تو اپنے حق کے بارے میں بات کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔

(۱) اخرجه الحارثي في "المسند" من حديث ابي هريرة رضي الله عنه: "لا تنكح الثيب حتى تشاور" كذا في تعليقات العلامة الحافظ قاسم بن قطلوبغا على "الدراية"

نکاح کی رضامندی سے متعلق احادیث

(۱) حضرت عدی کندی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ! ثیبہ خود اپنی مرضی کا اظہار کرے اور کنواری کی رضامندی خاموشی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 28)

(۲) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اس کے والد نے زبردستی اس کا نکاح کرا دیا ہے تو نبی نے اس لڑکی کو اختیار دیا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 31)

(۳) عبدالرحمٰن بن یزید، اور مجمع بن یزید دونوں انصاری ہیں روایت کرتے ہیں کہ ان میں ایک شخص خدام نامی نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ بیٹی کو باپ کا یہ نکاح پسند نہ آیا وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یہ بات عرض کر دی آپ نے باپ کے نکاح کو رد فرما دیا۔ پھر اس نے ابولبابہ بن عبدالمنذر سے نکاح کیا۔ حضرت یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ یہ لڑکی ثیبہ (مطلقہ یا بیوہ) تھیں (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 29)

(۴) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ثیبہ کا نکاح نہ کرایا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لی جائے اور کنواری کا بھی نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لی جائے اور کنواری کا خاموش رہنا اجازت ہے۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 27)

(۵) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شوہر والی عورت (بیوہ یا مطلقہ) اپنے ولی سے زیادہ اپنے

نفس پر حق رکھتی ہے۔اور کنواری سے اس کے بارے میں اجازت لی جائے گی کسی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کنواری بات کرنے سے شرماتی ہے۔فرمایا اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 26)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور اگر لڑکی کو نکاح کی اطلاع ملی تو انکار کر دیا پھر بعد میں اس نے کہا میں راضی ہوں، تو پہلے رد شدہ نکاح اس سے جائز نہ ہوگا کیونکہ وہ انکار کرنے کی وجہ سے باطل ہو چکا ہے۔اسی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا کہ ایسی صورت میں رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح کرنا بہتر ہوگا کیونکہ اچانک نکاح کی خبر پر نفرت کا اظہار ہوتا ہے(اس لیے پہلا انکار نفرت کی وجہ سے ہوا۔

(درمختار کتاب النکاح باب الولی)

ولی اور بالغ عورت کے اختیار میں فقہی مذاہب اربعہ

ولی اور عاقل بالغ عورت کے نکاح کے باب میں اختیار کے حوالے سے کتاب وسنت کے مختلف دلائل کی روشنی میں فقہی مذاہب کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حضرت امام محمد شیبانی اور امام ابو یوسف کے ایک قول کے مطابق عاقلہ بالغہ عورت کے لیے ولایت شرکت ثابت ہے۔ (کاسانی، بدائع الصنائع)

اس سے معلوم ہوا کہ ولایت شرکت کے مطابق عاقلہ بالغہ کی رضا کے ساتھ ولی کی اجازت ضروری ہے۔امام ابن حزم نے بھی المحلیٰ میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے مطابق عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی رضا سے منعقد ہو جاتا ہے اگر چہ ولی نے اس کا عقد نکاح نہ کیا ہو۔(مرغینانی ، الهداية) امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسی صورت میں عورت پر لازم ہے کہ کفو(معاشرتی حوالے سے مساوی و مماثل) میں نکاح کرے۔اگر وہ غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کا ولی اس کو امام وقت کے پاس لے جائے تو وہ ان کے مابین تفریق کرا دے گا۔(امام محمد، کتاب الآثار) سو اس میں ایک حد تک توازن ہے کہ وہ عورت اپنے ہم پلہ خاندانی آدمی سے نکاح کرے گی۔عورت کو حق نکاح ملنے کے باوجود اس کے لیے ولی کو اختیار نکاح دینا بہتر ہے۔امام شامی کے مطابق عورت کے لیے اپنا معاملہ اپنے ولی کو تفویض کرنا مستحب ہے تاکہ اس عورت کی طرف بے حیائی کی نسبت نہ کی جاسکے۔

حضرات حنابلہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک عاقلہ بالغہ کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح کر سکتے ہیں مگر وہ کفو میں نکاح کرنے پابند ہیں۔غیر کفو میں نکاح کرنے پر عورت یا دیگر اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار ہے۔(المغنی؛ المهذب؛ بدایۃ المجتهد)

ولی کے اس اختیار کے باوجود عورت سے اجازت لینے کے مستحب ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ یہ عمل دلوں کو شبہات سے پاک کرنے اور اختلاف دور کرنے کا سبب ہے۔(ابن قدامہ، المغنی)

کسی دوسری وجہ سے بکارت زائل ہونے کا حکم

﴿وَاِذَا زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ اَوْ حَيْضَةٍ اَوْ جِرَاحَةٍ اَوْ تَعْنِيسٍ فَهِيَ فِي حُكْمِ الْاَبْكَارِ﴾ لِاَنَّهَا بِكْرٌ حَقِيقَةً لِاَنَّ مُصِيبَهَا اَوَّلُ مُصِيبٍ لَهَا وَمِنْهُ الْبَاكُورَةُ وَالْبُكْرَةُ وَلِاَنَّهَا تَسْتَحْيِي لِعَدَمِ الْمُمَارَسَةِ ﴿وَلَوْ زَالَتْ﴾ بَكَارَتُهَا ﴿بِزِنًا فَهِيَ كَذٰلِكَ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ﴾ وَقَالَ اَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ: لَا يُكْتَفَى بِسُكُوتِهَا لِاَنَّهَا ثَيِّبٌ حَقِيقَةً لِاَنَّ مُصِيبَهَا عَائِدٌ اِلَيْهَا وَمِنْهُ الْمَثُوبَةُ وَالْمَثَابَةُ وَالتَّثْوِيبُ،

وَلِاَبِي حَنِيفَةَ اَنَّ النَّاسَ عَرَفُوهَا بِكْرًا فَيُعَيِّرُونَهَا بِالنُّطْقِ فَتَمْتَنِعُ عَنْهُ فَيُكْتَفَى بِسُكُوتِهَا كَيْ لَا تَتَعَطَّلَ عَلَيْهَا مَصَالِحُهَا، بِخِلَافِ مَا اِذَا وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ اَوْ بِنِكَاحٍ فَاسِدٍ لِاَنَّ الشَّرْعَ اَظْهَرَهُ حَيْثُ عَلَّقَ بِهِ اَحْكَامًا، اَمَّا الزِّنَا فَقَدْ نُدِبَ اِلَى سَتْرِهِ، حَتّٰى لَوْ اشْتَهَرَ حَالُهَا لَا يُكْتَفٰى بِسُكُوتِهَا

ترجمہ

اور جب کسی عورت کی بکارت اچھلنے کی وجہ سے یا حیض کی وجہ سے یا زخم کی وجہ سے یا زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے زائل ہو جائے تو وہ باکرہ کے حکم میں ہوگی' کیونکہ وہ حقیقت کے اعتبار سے باکرہ ہی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے: اس کے ساتھ صحبت کرنے والا شخص اس کے ساتھ صحبت کرنے والا پہلا فرد ہوگا۔اور اسی سے لفظ "باکورہ" ماخوذ ہے (جو موسم کے پہلے پھل کو کہتے ہیں) اور لفظ "بکرہ" ماخوذ ہے (جو صبح کو کہتے ہیں) اس کی دلیل یہ بھی ہے: وہ "عدم ممارست" عوم ممارشت کی وجہ سے حیا کرے گی۔اگر کسی لڑکی کی بکارت زناء کی وجہ سے زائل ہوئی ہو' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا یہی حکم ہوگا۔امام ابو یوسف' امام محمد اور امام شافعی یہ فرماتے ہیں: ایسی صورت میں اس کی خاموشی پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا' کیونکہ وہ حقیقت کے اعتبار سے ثیبہ ہے' کیونکہ اس کے ساتھ صحبت کرنے والا شخص (یہ عمل کرنے والا) دوسرا فرد ہوگا۔اور اسی سے لفظ "المثوبہ" ماخوذ ہے (جو جزاء کو کہتے ہیں) اور لفظ المثابہ (لوٹ کر آنے کی جگہ) اور تثویب (دوسری مرتبہ اعلان کرنا) ماخوذ ہیں۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: لوگ اسے کنواری ہی سمجھتے ہیں' تو وہ اس کے بات کرنے کی وجہ سے اس پر تنقید کریں گے' تو اس وجہ سے وہ لڑکی اس سے باز رہے گی' اس لیے اس کی خاموشی پر اکتفاء کیا جائے گا تاکہ اس وجہ سے اس کے مصالح معطل نہ ہو جائیں۔اس کے برخلاف جب شبہ کی وجہ سے یا نکاح فاسد کی وجہ سے' اس کے ساتھ صحبت کر لی گئی ہو (تو حکم مختلف ہوگا) اس کی وجہ یہ ہے: شریعت نے اس بات کو ظاہر کر دیا ہے اور اس سے احکام کو متعلق کیا ہے' لیکن جہاں تک زناء کا تعلق ہے' تو اس کی پردہ پوشی

مستحب ہے' یہاں تک کہ اگر اس عورت کی حالت مشہور ہو جائے (یعنی اگر وہ بدنام عورت ہو) تو اس کی خاموشی کافی نہیں ہو گی۔

شرح

اگر کسی لڑکی کا پردہ بکارت اچھلنے کی وجہ سے' یا حیض آنے کی وجہ سے' یا کسی زخم کی وجہ سے' یا عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے پھٹ جاتا ہے' تو وہ عورت باکرہ شمار ہو گی' کیونکہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے' وہ باکرہ ہی ہے' کیونکہ اس کے ساتھ صحبت کرنے والا شخص' وہ پہلا شخص ہو گا جو اس کے ساتھ صحبت کرے گا۔ یہی وجہ ہے: اسی سے لفظ باکورہ ماخوذ ہے' جو موسم کے پہلے پھل کو کہتے ہیں' اور لفظ ''بکرہ'' ماخوذ جو صبح کو کہتے ہیں۔

اس لئے ایسی عورت سے اجازت لیتے ہوئے' اس کی خاموشی اس کی رضامندی شمار کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے: اس کا مردوں کے ساتھ تعلق نہیں رہا' جس کے نتیجے میں وہ رضامندی ظاہر کرتے ہوئے شرما جائے گی۔ لیکن اگر کسی لڑکی کا پردہ بکارت زنا کی وجہ سے زائل ہو جاتا ہے' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ باکرہ ہی شمار ہو گی۔ امام ابویوسف' امام محمد اور امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: ایسی صورت میں اس کی خاموشی پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا' کیونکہ وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے ثیبہ ہو چکی ہے' کیونکہ اس کے ساتھ صحبت کرنے والا شخص اس کے ساتھ صحبت کرنے والا پہلا شخص نہیں ہو گا۔

لفظ ثیبہ سے متعلق ایک لفظ ''مثوبہ'' یعنی آخرت میں ملنے والا ثواب اسی سے لفظ ''مثابہ'' ماخوذ ہے' یعنی ''لوٹنے کی جگہ'' اسی سے لفظ ''تثویب'' بھی ماخوذ ہے' جو دوسری مرتبہ کئے جانے والے اعلان کو کہا جاتا ہے' اس لئے چونکہ اس کے ساتھ صحبت کرنے والا شخص دوسرا شخص ہو گا' تو اسے بھی ثیبہ ہی قرار دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ نے یہ دلیل پیش کی ہے: لوگ اسے کنواری لڑکی کے طور پر ہی جانتے ہیں' یعنی باکرہ کے طور پر ہی جانتے ہیں۔ اس لئے اگر وہ بولے گی' تو یہ چیز اس کے حق میں عیب شمار کی جائے گی' اور یہ خوف اس کے لئے بولنے میں رکاوٹ بنے گا لہٰذا اس کی خاموشی پر اکتفاء کیا جائے گا تاکہ اس کے مصالح معطل نہ ہو جائے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: اگر کسی لڑکی کے ساتھ شبہ کی وجہ سے' یا فاسد نکاح کے نتیجے میں' صحبت کی جا چکی ہو' تو اس کے بارے میں آپ یہ کہتے ہیں: وہ ثیبہ ہی شمار ہوتی ہے' اور اس کے لئے لفظی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ مصنف نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے: شریعت نے اس کی حیثیت کو ظاہر کر دیا ہے۔ اس کے متعلق احکام بیان کئے ہیں' اور وہ اس کا ثیبہ ہونا ہے' کیونکہ اس کے نتیجے میں اس پر عدت کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے اور اس کے حق میں مہر ثابت ہوتا ہے وغیرہ۔

لیکن چونکہ زنا کے معاملے میں پردہ پوشی ضروری ہے' اس لئے وہاں اس کی خاموشی بھی رضامندی شمار کی جائے گی' لیکن اگر اس کی حالت مشتہر ہو جائے یعنی وہ بدنام عورت ہو' تو اسی کی خاموشی کافی نہیں ہو گی بلکہ لفظی رضامندی کا اظہار ضروری ہو گا۔

نکاح کے بارے میں عورت ومرد میں اختلاف کا بیان

﴿وَإِذَا قَالَ الزَّوْجُ بَلَغَكِ النِّكَاحُ فَسَكَتِّ وَقَالَتْ رَدَدْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا﴾ وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: الْقَوْلُ قَوْلُهُ لِأَنَّ السُّكُوتَ أَصْلٌ وَالرَّدَّ عَارِضٌ، فَصَارَ كَالْمَشْرُوطِ لَهُ الْخِيَارُ إِذَا ادَّعَى الرَّدَّ بَعْدَ مُضِيِّ الْمُدَّةِ، وَنَحْنُ نَقُولُ إِنَّهُ يَدَّعِي لُزُومَ الْعَقْدِ وَتَمَلُّكَ الْبُضْعِ وَالْمَرْأَةُ تَدْفَعُهُ فَكَانَتْ مُنْكِرَةً، كَالْمُودِعِ إِذَا ادَّعَى رَدَّ الْوَدِيعَةِ، بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ الْخِيَارِ لِأَنَّ اللُّزُومَ قَدْ ظَهَرَ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ، وَإِنْ أَقَامَ الزَّوْجُ الْبَيِّنَةَ عَلَى سُكُوتِهَا ثَبَتَ النِّكَاحُ لِأَنَّهُ نَوَّرَ دَعْوَاهُ بِالْحُجَّةِ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ بَيِّنَةٌ فَلَا يَمِينَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الِاسْتِحْلَافِ فِي الْأَشْيَاءِ السِّتَّةِ، وَسَتَأْتِيكَ فِي الدَّعْوَى إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ

اور جب (کسی مقدمے کے دوران) شوہر یہ کہے: تمہیں جب نکاح کی اطلاع ملی تھی تو تم خاموش رہی تھیں اور عورت یہ کہے: میں نے اسے مسترد کر دیا تھا' تو اس بارے میں عورت کا قول معتبر ہوگا۔ امام زفر فرماتے ہیں: اس بارے میں مرد کا قول معتبر ہوگا' کیونکہ خاموشی اصل ہوتی ہے اور مسترد کرنا ایک عارضہ ہے۔ تو یہ اس سودے کی طرح ہوگا جس میں (سودا ختم کرنے) کے اختیار کی شرط موجود ہو اور وہ شخص مدت گزر جانے کے بعد اس سودے کو رد کرنے کا دعویٰ کرے۔ ہم یہ کہتے ہیں: مرد یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ عقد لازم ہو چکا ہے اور اب وہ عورت کے ساتھ صحبت کرنے کا مالک ہے' جبکہ عورت اس بات کا انکار کر رہی ہے' تو یہ عورت انکار کرنے والی شمار ہوگی اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہوگی جس کے پاس کوئی ودیعت رکھی گئی ہو جب وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ ودیعت واپس کر چکا ہے۔ لیکن اختیار کا مسئلہ اس کے برخلاف ہے چونکہ لازم ہونا' مدت گزرنے کے ساتھ ظاہر ہو چکا ہے۔ اگر شوہر عورت کے خاموش رہنے کا ثبوت پیش کر دے' تو نکاح لازم ہو جائے گا' کیونکہ اس نے اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کر دیا ہے لیکن اگر مرد کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو' تو عورت پر قسم اٹھانا لازم نہیں ہوگا یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ اور یہ چھ چیزوں کے بارے میں حلف اٹھانے کا مسئلہ ہے' جو عنقریب کتاب ''الدعویٰ'' میں آئے گا' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

انکار عورت کو مسئلہ ودیعت پر قیاس کرنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر مالک نے مودَع سے کہا ودیعت واپس کر دو اُس نے انکار کر دیا کہتا ہے میرے پاس ودیعت رکھی ہی نہیں اور اُس چیز کو جہاں تھی وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا حالانکہ وہاں کوئی ایسا بھی نہ تھا جس کی جانب سے

یہ اندیشہ ہو کہ اسے پتہ چل جائے گا تو ودیعت کو چھین لے گا اور انکار کے بعد ودیعت کو حاضر بھی نہیں کیا اور اُس کا یہ انکار خود مالک سے ہوا سکے بعد ودیعت کا اقرار کیا تو اب بھی ضامن ہے اور اگر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ چیز تم نے مجھے ہبہ کر دی تھی یا میں نے خرید لی تھی اس کے بعد ودیعت کا اقرار کیا تو ضامن نہیں رہا اور اگر مالک نے ودیعت واپس نہیں مانگی صرف اُس کا حال پوچھا ہے کہ کس حالت میں ہے اس نے انکار کر دیا کہ میرے پاس ودیعت نہیں رکھی ہے پھر اقرار کیا تو ضمان نہیں۔ اور اگر اُس کو وہاں سے منتقل نہیں کیا جب بھی ضامن نہیں اور اگر وہاں کوئی ایسا تھا جس سے اندیشہ تھا اس وجہ سے انکار کر دیا تو ضامن نہیں اور اگر انکار کے بعد چیز کو حاضر کر دیا کہ مالک لے سکتا تھا مگر نہیں لی کہہ دیا کہ اسے تم اپنے ہی پاس رکھو تو یہ جدید ایداع ہے اور ضامن نہیں اور مالک کے سوا دوسرے لوگوں سے انکار کیا ہے جب بھی ضامن نہیں۔ ودیعت سے مودَع نے انکار کر دیا یعنی یہ کہا کہ میرے پاس تمھاری ودیعت نہیں ہے اسکے بعد یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے تمھاری ودیعت واپس کر دی تھی اور اس پر گواہ قائم کیے یہ گواہ مقبول ہیں۔

(درمختار، کتاب الودیعہ)

ملا نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مودَع نے ودیعت اپنی عورت کو دیدی اور مر گیا تو عورت سے مطالبہ ہوگا اگر عورت کہتی ہے چوری ہوگئی یا ضائع ہوگئی تو قسم کے ساتھ عورت کی بات معتبر ہے اور اس کا مطالبہ اب کسی سے نہ ہوگا اور اگر عورت کہتی ہے میں نے مرنے سے پہلے شوہر کو واپس دیدی تھی تو اس کی بات معتبر ہے اور عورت کو شوہر سے جو کچھ ترکہ ملا ہے اس میں سے ودیعت کا تاوان لیا جائے گا۔

(عالم گیری، کتاب الودیعت)

ہم یہ کہتے ہیں: مذکورہ بالا مسئلے میں شوہر عقد کے لازم ہونے اور بضع کی ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے' جبکہ عورت اس کا انکار کر رہی ہے۔ تو ان کی مثال اس طرح ہو جائے گی: جیسے وہ شخص ہوتا ہے' جس کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھوائی گئی ہو اور وہ یہ کہے: میں اس امانت کو واپس کر چکا ہوں تو اسی شخص کا قول معتبر ہوگا۔

امام زفر نے اس صورت حال کو سودے میں اختیار پر قیاس کیا تھا' اس کا جواب دیتے ہوئے مصنف یہ بات بیان کرتے ہیں: اس مسئلے میں فروخت کنندہ کا قول' اس لئے معتبر ہے' کیونکہ اس کا قول ظاہر کے موافق ہے۔ اس وجہ سے معتبر نہیں ہے سکوت کا دعوی دار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے' اختیار کی طے شدہ مدت گزرنے کے بعد' یہ بات طے ہو جائے گی کہ اختیار ختم ہو چکا ہے اور عقد لازم ہو چکا ہے۔

اسی مسئلے کی ایک ذیلی صورت یہ ہے: اگر شوہر اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کر دیتا ہے' یعنی اس بات کا ثبوت کہ جب عورت کو نکاح کی اطلاع ملی تھی' تو وہ خاموش رہی تھی' تو ایسی صورت میں شوہر کی بات معتبر ہوگی' کیونکہ عورت کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اگر شوہر ثبوت پیش نہیں کر پاتا' تو اصول یہ ہے: جس کے خلاف دعویٰ کیا جائے' وہ انکار کرتا ہے اور قسم اٹھاتا ہے۔ اب یہاں شوہر ثبوت پیش نہیں کر سکا اور دعویٰ عورت کے خلاف کیا گیا ہے' تو کیا عورت کو قسم اٹھانے کے لئے کہا جائے گا؟ مصنف نے یہ بات

بیان کی ہے: امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں عورت سے قسم نہیں لی جائے گی۔ اس کے بعد مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: چھ امور ایسے ہیں، جن میں مدعیٰ علیہ سے قسم لینے یا نہ لینے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی وضاحت ہم کتاب الدعویٰ میں کریں گے۔

نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح جب ولی کرائے

(وَيَجُوزُ نِكَاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ إذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِيُّ بِكْرًا كَانَتْ الصَّغِيرَةُ أَوْ ثَيِّبًا وَالْوَلِيُّ هُوَ الْعَصَبَةُ) وَمَالِكٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يُخَالِفُنَا فِي غَيْرِ الْأَبِ ، وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي غَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ ، وَفِي الثَّيِّبِ الصَّغِيرَةِ أَيْضًا .وَجْهُ قَوْلِ مَالِكٍ أَنَّ الْوِلَايَةَ عَلَى الْحُرَّةِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَةِ وَلَا حَاجَةَ هُنَا لِانْعِدَامِ الشَّهْوَةِ ، إلَّا أَنَّ وِلَايَةَ الْأَبِ ثَبَتَتْ نَصًّا بِخِلَافِ الْقِيَاسِ وَالْجَدُّ لَيْسَ فِي مَعْنَاهُ فَلَا يُلْحَقُ بِهِ .قُلْنَا :لَا بَلْ هُوَ مُوَافِقٌ لِلْقِيَاسِ لِأَنَّ النِّكَاحَ يَتَضَمَّنُ الْمَصَالِحَ وَلَا تَتَوَفَّرُ إلَّا بَيْنَ الْمُتَكَافِئَيْنِ عَادَةً وَلَا يَتَّفِقُ الْكُفْءُ فِي كُلِّ زَمَانٍ ، فَأَثْبَتْنَا الْوِلَايَةَ فِي حَالَةِ الصِّغَرِ إحْرَازًا لِلْكُفْءِ .وَجْهُ قَوْلِ الشَّافِعِيِّ أَنَّ النَّظَرَ لَا يَتِمُّ بِالتَّفْوِيضِ إلَى غَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ لِقُصُورِ شَفَقَتِهِ وَبُعْدِ قَرَابَتِهِ وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ فِي الْمَالِ مَعَ أَنَّهُ أَدْنَى رُتْبَةً ، فَلَأَنْ لَا يَمْلِكَ التَّصَرُّفَ فِي النَّفْسِ وَإِنَّهُ أَعْلَى وَأَوْلَى .

وَلَنَا أَنَّ الْقَرَابَةَ دَاعِيَةٌ إلَى النَّظَرِ كَمَا فِي الْأَبِ وَالْجَدِّ ، وَمَا فِيهِ مِنْ الْقُصُورِ أَظْهَرْنَاهُ فِي سَلْبِ وِلَايَةِ الْإِلْزَامِ ، بِخِلَافِ التَّصَرُّفِ فِي الْمَالِ فَإِنَّهُ يَتَكَرَّرُ فَلَا يُمْكِنُ تَدَارُكُ الْخَلَلِ فَلَا تُفِيدُ الْوِلَايَةُ إلَّا مُلْزِمَةً وَمَعَ الْقُصُورِ لَا تَثْبُتُ وِلَايَةُ الْإِلْزَامِ وَجْهُ قَوْلِهِ فِي الْمَسْأَلَةِ الثَّانِيَةِ أَنَّ الثِّيَابَةَ سَبَبٌ لِحُدُوثِ الرَّأْيِ لِوُجُودِ الْمُمَارَسَةِ فَأَدَرْنَا الْحُكْمَ عَلَيْهَا تَيْسِيرًا .وَلَنَا مَا ذَكَرْنَا مِنْ تَحَقُّقِ الْحَاجَةِ وَوُفُورِ الشَّفَقَةِ ، وَلَا مُمَارَسَةَ تُحْدِثُ الرَّأْيَ بِدُونِ الشَّهْوَةِ فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى الصِّغَرِ ، ثُمَّ الَّذِي يُؤَيِّدُ كَلَامَنَا فِيمَا تَقَدَّمَ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿النِّكَاحُ إلَى الْعَصَبَاتِ﴾ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَالتَّرْتِيبُ فِي الْعَصَبَاتِ فِي وِلَايَةِ النِّكَاحِ كَالتَّرْتِيبِ فِي الْإِرْثِ وَالْأَبْعَدُ مَحْجُوبٌ بِالْأَقْرَبِ .

ترجمہ

نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کا نکاح کردینا جائز ہے' جبکہ ان دونوں کی شادی ولی نے کی ہو' خواہ وہ لڑکی جو نابالغ ہے وہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو' لیکن ولی اس کا عصبہ ہو۔ باپ کے علاوہ (دیگر اولیاء کے بارے میں) امام مالک کی رائے ہم سے مختلف ہے' جبکہ باپ اور دادا کے علاوہ (دیگر اولیاء کے بارے میں) امام شافعی کی رائے ہم سے مختلف ہے۔ اسی طرح اس نابالغ بچی کے بارے میں بھی اختلاف ہے' جو ثیبہ ہو۔

امام مالک کی رائے کی وجہ یہ ہے: آزاد عورت پر ولایت ضرورت کے اعتبار سے ہوتی ہے اور یہاں وہ ضرورت نہیں ہے' کیونکہ نابالغ بچی میں شہوت نہیں پائی جاتی۔ تاہم باپ کی ولایت کیونکہ نص سے ثابت ہے اور قیاس کے خلاف ہے (اس لیے ہم اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں) اور کیونکہ باپ کی جگہ دادا نہیں ہوسکتا اس لیے اسے اس کے ساتھ شامل نہیں کیا جائے گا۔

ہم یہ کہتے ہیں: ایسا نہیں ہے بلکہ یہ قیاس کے مطابق ہے' کیونکہ نکاح مختلف مصالح کو متضمن ہوتا ہے اور یہ مصالح اس وقت پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں جب دونوں طرف کا پلڑا برابر ہو' عام رواج یہی ہے' لیکن ہر زمانے میں کفو دستیاب نہیں ہوتا' اسی لیے ہم نے نابالغ ہونے کی حالت میں ولایت کو برقرار رکھا تاکہ وہ کفو کی حفاظت کرسکے۔ امام شافعی کے قول کی وجہ یہ ہے: باپ دادا کے علاوہ کسی اور کو یہ معاملہ سپرد کرنے سے "نظر" مکمل نہیں ہوتی کیونکہ ان کے علاوہ جو دیگر رشتے دار ہیں ان کی شفقت میں کمی پائی جاتی ہے اور رشتے داری دور کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے: ایسا دور کا ولی مال میں تصرف کرنے کا مالک نہیں ہوتا۔ حالانکہ مال کی حیثیت کمتر ہے' تو اسے ذات میں تصرف کرنے کا مالک بھی نہیں ہونا چاہئے' جو برتر اور اہم حیثیت رکھتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے: رشتے داری ہی شفقت پیدا کرتی ہے' جیسا کہ باپ اور دادا میں ہوتی ہے البتہ اس میں جو کمی پائی جاتی ہے ہم اسے ولایت الزام سب کرکے ظاہر کردیتے ہیں۔ جبکہ مال میں تصرف کرنے کا حکم مختلف ہے' کیونکہ اس میں تکرار پایا جاتا ہے' تو وہاں خلل کا تدارک ممکن نہیں ہے اس لیے وہاں وہی ولایت فائدہ دے گی جو لازم کرنے والی ہو اور قصور کے ہمراہ' ولایت الزام ثابت نہیں ہوتی۔ دوسرے مسئلے میں ان (امام شافعی) کی رائے کی وجہ یہ ہے' بچی کا ثیبہ ہونا اس میں رائے کی تبدیلی کا باعث ہوا کرتا ہے' کیونکہ اسے ازدواجی زندگی سے واقفیت حاصل ہوچکی ہوتی ہے اس لیے اس کے علم اور تجربے کا خیال رکھتے ہوئے اس کے بارے میں ہی فیصلہ دیا جائے گا تاکہ آسانی رہے۔ ہماری دلیل وہی ہے: جو ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ یہ ضرورت کی بنیاد پر ہوتی ہے اور شفقت کی زیادتی کی وجہ سے ہوتی ہے اور عملی طور پر ازدواجی زندگی سے آگاہی اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک شہوت نہ ہو' اس لیے حکم کا مدار نابالغ ہونے پر ہوگا۔ پھر وہ بات جو ہمارے کلام کی تائید کرتی ہے' وہ ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "نکاح میں عصبات کا لحاظ کسی تفریق کے بغیر ہوگا"۔ نکاح کی ولایت کے بارے میں عصبات کی ترتیب وہی ہوگی جو وراثت میں ان کی ترتیب ہوتی ہے اور دور کا عصبہ قریب کے عصبہ کی وجہ سے محجوب ہوجائے گا۔

ولایت نکاح کے حقداروں کا بیان

علامہ امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔قرابت کی وجہ سے ولایت عصبہ بنفسہ کے لیے ہے یعنی وہ مرد جس کو اس سے قرابت کسی عورت کی وساطت سے نہ ہو یا یوں سمجھو کہ وہ وارث کہ ذوی الفروض کے بعد جو کچھ بچے سب لے لے اور اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو سارا مال یہی لے۔ایسی قرابت والا ولی ہے اور یہاں بھی وہی ترتیب ملحوظ ہے جو وراثت میں معتبر ہے یعنی سب میں مقدم بیٹا، پھر پوتا، پھر پر پوتا اگر چہ کئی پشت کا فاصلہ ہو، یہ نہ ہوں تو باپ، پھر دادا، پھر پر دادا، وغیرہم اصول اگر چہ کئی پشت اوپر کا ہو، پھر حقیقی بھائی، پھر سوتیلا بھائی، پھر حقیقی بھائی کا بیٹا، پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا، پھر حقیقی چچا، پھر سوتیلا چچا، پھر حقیقی چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا، پھر باپ کا حقیقی چچا، پھر سوتیلا چچا، پھر باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا، پھر دادا کا حقیقی چچا، پھر سوتیلا چچا، پھر دادا کے حقیقی چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اُس خاندان میں سب سے زیادہ قریب کا رشتہ دار جو مرد ہو، وہ ولی ہے اگر بیٹا نہ ہو تو جو حکم بیٹے کا ہے وہی پوتے کا ہے، وہ نہ ہو تو پر پوتے کا اور عصبہ کے ولی ہونے میں اُس کا آزاد ہونا شرط ہے اگر غلام ہے تو اس کو ولایت نہیں بلکہ اس صورت میں ولی وہ ہوگا جو اُس کے بعد ولی ہو سکتا ہے۔

کسی پاگل عورت کے باپ اور بیٹا یا دادا اور بیٹا ہیں تو بیٹا ولی ہے باپ اور دادا نہیں مگر اس عورت کا نکاح کرنا چاہیں تو بہتر یہ ہے کہ باپ اس کے بیٹے (یعنی اپنے نواسے) کو نکاح کر دینے کا حکم کر دے۔

عصبہ نہ ہوں تو ماں ولی ہے، پھر دادی، پھر نانی، پھر بیٹی، پھر پوتی، پھر نواسی، پھر پر پوتی، پھر نواسی کی بیٹی، پھر نانا، پھر حقیقی بہن، پھر سوتیلی بہن، پھر اخیافی بھائی بہن یہ دونوں ایک درجے کے ہیں، ان کے بعد بہن وغیرہا کی اولاد اسی ترتیب سے پھر پھوپی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچا زاد بہن، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد۔

جب رشتہ دار موجود نہ ہوں تو ولی مولی الموالاۃ ہے یعنی وہ جس کے ہاتھ پر اس کا باپ مشرف باسلام ہوا اور یہ عہد کیا کہ اس کے بعد یہ اس کا وارث ہوگا یا دونوں نے ایک دوسرے کا وارث ہونا ٹھہرا لیا ہو۔(بہار شریعت، کتاب النکاح)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مذکورہ اولیاء کے بعد بادشاہِ اسلام ولی ہے پھر قاضی جب کہ سلطان کی طرف سے اسے نابالغوں کے نکاح کا اختیار دیا گیا ہو اور اگر اس کے متعلق یہ کام نہ ہوا اور نکاح کر دیا پھر سلطان کی طرف سے یہ خدمت بھی اسے سپرد ہوئی اور قاضی نے اس نکاح کو جائز کر دیا تو جائز ہو گیا۔

قاضی نے اگر کسی نابالغہ لڑکی سے اپنا نکاح کر لیا تو یہ نکاح بغیر ولی کے ہوا یعنی اس صورت میں قاضی ولی نہیں۔یونہی بادشاہ نے اگر ایسا کیا تو یہ بھی بے ولی کے نکاح ہوا اور اگر قاضی نے نابالغہ لڑکی کا نکاح اپنے باپ یا لڑکے سے کر دیا تو یہ بھی جائز نہیں۔

قاضی کے بعد قاضی کا نائب ہے جب کہ بادشاہ اسلام نے قاضی کو یہ اختیار دیا ہو اور قاضی نے اس نائب کو اجازت دی

ہو یا تمام امور میں اس کو نائب کیا ہو۔ وصی کو یہ اختیار نہیں کہ یتیم کا نکاح کردے اگرچہ اس یتیم کے باپ دادا نے یہ وصیت بھی کی ہو کہ میرے بعد تم اس کا نکاح کر دینا، البتہ اگر وہ قریب کا رشتہ دار یا حاکم ہے تو کر سکتا ہے کہ اب وہ ولی بھی ہے۔

(درمختار، کتاب النکاح)

چھوٹی بچی کی شادی کی اباحت میں قرآن وسنت واجماع

عام علماء کرام اس کو جائز قرار دیتے ہیں، کہ شریعت میں شادی کے لیے بچی کی عمر کی تعیین نہیں کہ اس عمر سے قبل بچی کی شادی نہ کی جائے۔ اس کا ثبوت اللہ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اہل علم کے اجماع میں ہے۔

1 اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (اور تمہاری عورتوں میں سے وہ جو حیض سے ناامید ہو گئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو)۔ (طلاق،۴)

یہ آیت کریمہ اس مسئلہ پر واضح دلالت کرتی ہے جس میں ہم بحث کر رہے ہیں، اور اس آیت میں اس طلاق شدہ عورت کی عدت بیان ہوئی ہے جو ابھی بچی ہو اور اسے حیض آنا ہی شروع نہیں ہوا۔

امام بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اور وہ عورتیں جنہیں ابھی حیض نہیں آیا)۔ یعنی وہ چھوٹی عمر کی جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں، تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ (تفسیر البغوی، ج ۴، ص ۱۵۲)

اور ابن قیم کہتے ہیں۔ اس عورت کی عدت جسے حیض نہیں آتا اس عورت کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ چھوٹی عمر کی جسے ابھی حیض آیا ہی نہیں، اور دوسری وہ بڑی عمر کی عورت جو حیض سے ناامید ہو چکی ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالی نے ان دونوں قسم کی عورتوں کی عدت بیان کرتے ہوئے فرمایا: (اور تمہاری عورتوں میں سے وہ جو حیض سے ناامید ہو گئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو) یعنی ان کی عدت بھی اسی طرح ہے۔

(زاد المعاد فی ھدی خیر العباد (5 / . (595)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ " : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی تو ان کی عمر ابھی چھ برس تھی، اور جب رخصتی ہوئی تو وہ نو برس کی تھیں، اور نو برس ہی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر (4840) صحیح مسلم حدیث نمبر (. (1422)

علماء کے صحیح قول کے مطابق اس چھوٹی عمر کی لڑکی کی شادی اس کا باپ کریگا باپ کے علاوہ کوئی اور ولی نہیں کر سکتا اور بالغ ہونے کے بعد یہ لڑکی اختیار کی مالک نہیں۔

عورت کی اجازت کے بغیر کوئی بھی عورت کی شادی نہیں کر سکتا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، اور اگر وہ اسے ناپسند کرے تو اسے نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا، لیکن چھوٹی عمر کی کنواری بچی کو، اس کی شادی اس کا والد کریگا، اور اس کو اجازت کا حق نہیں۔ (مجموع الفتاوی (32 / . (39)

باپ کیلئے عدم اجازت صغیرہ پر اجماع کا بیان

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں " : علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ باپ اپنی چھوٹی عمر کی بچی کی شادی کر سکتا ہے اور اس میں اسے بچی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہما سے شادی کی تو ان کی عمر ابھی چھ یا سات برس تھی، ان کا نکاح ان کے والد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔

(الاستذکار(ج 16 / .(50 - 49)

اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ چھوٹی بچی کا والد اس کی شادی کریگا اس پر اتفاق ہے بخلاف شاذ قول کے۔ کیونکہ اسی پر اتفاق ہے۔(فتح الباری (ج۹،ص۳۳۹)

چھوٹی بچی کی رخصتی اور اس سے دخول کرنا

عقد نکاح کرنے سے یہ چیز لازم نہیں آتی، کیونکہ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ بعض اوقات بڑی عمر کی عورت کا نکاح ہوتا ہے لیکن اس سے اس کا دخول لازم نہیں آتا، اور اس کا پوری وضاحت سے بیان اس طرح ہو سکتا ہے کہ :

بعض اوقات عقد نکاح کے بعد اور دخول یعنی رخصتی سے قبل ہی طلاق ہو جاتی ہے، تو اس صورت میں اس کے کچھ احکام بھی ہیں اور یہ اپنے عموم کے اعتبار سے چھوٹی عمر کی بچی کو بھی شامل ہے اگر مہر مقرر کیا گیا ہے تو اسے نصف مہر ادا کرنا ہوگا، اور اس کی کوئی عدت نہیں ہوگی ۔

نصف مہر کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے :) اور اگر تم انہیں چھونے سے پہلے ہی طلاق دے دو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقرر کردہ مہر کا آدھا مہر دے دو، یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں، یا وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ معاف کر دے (البقرۃ (.(237) اور دوسری عورت یعنی جس پر عدت نہیں کے متعلق ارشاد باری تعالی ہے :) اے ایمان والو جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو، چنانچہ تم کچھ نہ کچھ انہیں دے دو اور بھلے طریقہ سے انہیں رخصت کر دو (الاحزاب (.(49)

اس بنا پر جس چھوٹی بچی کا نکاح ہو جائے تو اسے خاوند کے سپرد اس وقت نہیں کیا جائیگا جب تک وہ رخصتی اور مباشرت کے قابل نہیں ہو جاتی، اور اس میں اس کے بالغ ہونے کی شرط نہیں؛ بلکہ مباشرت کو برداشت کرنے کی طاقت ہونی چاہیے، اور اگر رخصتی ہونے کے بعد طلاق ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہوگی جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے ۔ اس سلسلہ میں علماء کے یہ اقوال ہیں جو کہ چھوٹی بچی سے استمتاع یا اس سے دخول کا گمان کرنے والے کار دہیں ۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں " : چھوٹی عمر کی لڑکی کی رخصتی اور اس سے دخول کا وقت یہ ہے کہ :اگر خاوند اور ولی کسی ایسی چیز پر متفق ہوئے ہوں جس میں چھوٹی بچی کو نقصان اور ضرر نہیں تو اس پر عمل کیا جائیگا، اور اگر ان میں اختلاف ہو تو امام احمد اور ابو عبید کہتے

ہیں کہ : نو برس کی بچی کو اس پر مجبور کیا جائیگا، لیکن اس سے چھوٹی بچی کو نہیں ۔

اور امام شافعی اور مالک اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کہتے ہیں ۔ اس کی حد جماع برداشت کرنے کی استطاعت ہے، اور یہ چیز عورتوں میں مختلف ہوتی ہے اس میں عمر کی قید نہیں لگائی جاسکتی، اور صحیح بھی یہی ہے، اور پھر عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث میں عمر کی تحدید نہیں، اور نہ ہی اس میں منع کیا گیا ہے کہ اگر وہ اس عمر سے قبل استطاعت رکھتی ہو اس کی رخصتی نہیں کی جائیگی ۔ اور نہ ہی اس کے لیے اجازت پائی جاتی ہی جو نو برس کی ہونے کے باوجود جماع کی استطاعت نہ رکھتی ہو ۔ داودی رحمہ اللہ کہتے ہیں : عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بہت بہتر جوان ہوئی تھیں ۔ (شرح مسلم (9 /). (206)

صاحب رائے عورت کی ولایت میں مذاہب اربعہ

احناف کے جب عورت بڑی عمر کی ہو جائے اور صاحب رائے بن جائے تو اس کے باپ کی ولایت ختم ہو جاتی ہے، اس طرح وہ جہاں پسند کرے جہاں اس کو کوئی خوف وخطرہ نہ ہو رہ سکتی ہے، اور ثیبہ عورت (مطلقہ یا بیوہ) کو اپنے ساتھ اسی صورت میں رکھا جاسکتا ہے جب امن نہ ہو اور خطرہ محسوس ہو تو پھر والد یا دادا اسے اپنے ساتھ رکھے کوئی اور نہیں، ابتدا میں یہی لکھا ہے ۔

اور مالکی کہتے ہیں : عورت کے بارے میں یہ ہے کہ اس کی پرورش اور دیکھ بھال جاری رہے گی، حتی کہ شادی تک نفسی ولایت ہوگی اور جب خاوند کے پاس چلی جائے تو یہ ولایت ختم ہوگی ۔

اور شافعیہ کے ہاں یہ ہے کہ : جب بچہ بالغ ہو جائے تو اس کی ولایت ختم ہو جاتی ہے چاہے وہ لڑکی ہو یا لڑکا ۔

اور حنابلہ کے ہاں یہ ہے کہ : اگر لڑکی ہو تو وہ علیحدہ نہیں رہ سکتی اور اس کے والد کو اسے منع کرنے کا حق حاصل ہے، کیونکہ ایسی حالت میں خدشہ ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسا شخص آ جائے جو اسے غلط راہ پر لگائے اور خراب کردے، اور اس طرح اس لڑکی اور اس کے خاندان پر عار بن جائے، اور اگر اس لڑکی کا والد نہ ہو تو اس کے ولی اور خاندان والوں کے لیے اسے منع کرنے کا حق حاصل ہے

(الموسوعة الفقهية (8 /). (205 - 204)

اولاد کی مسئولیت وذمہ داری ختم ہونے کے وقت میں مذاہب اربعہ کے اقوال یہی ہیں، اور علماء کرام کا تقریبا اس پر اتفاق ہی ہے کہ لڑکی پر اس کے گھر والوں کی ذمہ داری جاری رہتی ہے چاہے وہ بالغ بھی ہو جائے، اور کچھ نے اس کی شادی ہونے پر ذمہ داری ختم ہونے کا کہا ہے، کیونکہ شادی ہونے کے بعد اس کا خاوند ذمہ دار موجود ہے، اور کچھ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ امن والی جگہ میں ہو جہاں اس کو کوئی خطرہ نہ ہو ۔

ولایت نکاح کے اطلاق میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف

امام شافعی کا موقف یہ ہے: ولایت کا حق دینے کی بنیاد شفقت اور مہربانی کا جذبہ ہے کیونکہ باپ اور دادا کے علاوہ دیگر رشتے داروں میں یہ جذبہ کم پایا جاتا ہے ۔ اس لئے اس کی کمی کی وجہ سے باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے کسی رشتے دار میں یہ ولایت

ثابت نہیں ہوگی۔

اپنے موقف کی تائید میں امام شافعی یہ دلیل پیش کرتے ہیں: یہی وجہ ہے: باپ اور دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کے مال میں تصرف نہیں کرسکتا۔ حالانکہ مال کی حیثیت ذات کے مقابلے میں کم ہوتی ہے تو پھر ذات کے بارے میں تصرف کرنے کا حق باپ دادا کے علاوہ کسی اور کو کیسے دیا جاسکتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے: نفسِ قرابت (رشتے داری) شفقت اور رحمت کا تقاضا کرتی ہے اس لئے باپ اور دادا کی طرح دیگر رشتے داروں کو ولایت کا حق حاصل ہوگا' کیونکہ قرابت کا پہلو ان میں بھی موجود ہے' لیکن کیونکہ دوسرے رشتے داروں میں باپ اور دادا سے کم شفقت پائی جاتی ہے۔ اس لئے ہم باپ دادا کو ولایت الزام بھی دیتے ہیں' یعنی ان کا کیا ہوا عقد لازم ہوگا' جسے وہ نابالغ لڑکا یا لڑکی' بالغ ہونے کے بعد فسخ نہیں کرسکتے' اس کے برخلاف دیگر رشتے دار نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کرسکتے ہیں' لیکن اس لڑکے یا لڑکی کو بالغ ہونے پر یہ اختیار حاصل ہوگا' اگر وہ چاہیں تو اس نکاح کو فسخ کردیں۔

امام شافعی نے نکاح میں باپ اور دادا کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کی نکاح میں ولایت کو مال میں ولایت پر قیاس کیا تھا۔ مصنف فرماتے ہیں: مال میں تصرف کرنے کی صورت اس سے مختلف ہے' کیونکہ اس تصرف میں تکرار پایا جاتا ہے اور تصرف کے نتیجے میں پیش آنے والے خلل کا تدارک ممکن نہیں ہوتا۔ اس لئے اس میں وہی ولایت مفید ثابت ہوسکتی ہے جس میں الزام (لازم) کرنے کا پہلو پایا جاتا ہو' تو کیونکہ باپ اور دادا کے علاوہ دیگر رشتے داروں کو ولایت الزام کا حق حاصل نہیں ہوتا اس لئے انہیں مال میں تصرف کا حال دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

اگر نابالغ لڑکی ثیبہ ہو' تو امام شافعی کے نزدیک حکم مختلف ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے: ہمارے نزدیک ولایت کا حق دینے کی وجہ بچی کا نابالغ ہونا ہے' جبکہ امام شافعی کے نزدیک اس حق کی وجہ بچی کا باکرہ ہونا ہے۔ امام شافعی اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: عقل اور فہم ہونا ایک باطنی معاملہ ہے اور جب لڑکی ثیبہ ہوجائے تو اس کے ذریعے اس عقل اور تجربے کا ظہور ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے: ہم اس نابالغ لڑکی کے ثیبہ ہونے پر حکم کی بنیاد رکھیں' کیونکہ ثیبہ کا تعلق مرد سے قائم ہوچکا ہوتا ہے' اس لئے وہ اپنا نفع نقصان بہتر طور پر سمجھ سکتی ہے اور اس کے لئے کسی دوسرے کی ولایت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا ثیبہ خواہ بالغ یا نابالغ ہو اس پر ولایت کا حق کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔

احناف یہ دلیل پیش کرتے ہیں: ولایت کا مدار دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ ضرورت اور کامل شفقت نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کے لئے ولایت کی ضرورت ہوتی ہے' جبکہ باپ اور دادا میں کامل شفقت پائی جاتی ہے' اس لئے نابالغ لڑکے اور لڑکی کے حق میں یہ بات ثابت ہوگی خواہ وہ لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ۔

امام شافعی کا یہ کہنا: مرد کے ساتھ تعلق قائم ہونے کے نتیجے میں ثیبہ لڑکی سمجھدار ہوجاتی ہے اور اس کے لیے ولایت کی ضرورت باقی نہیں رہتی' ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے: اس کی وجہ یہ ہے: نابالغ لڑکی میں شہوت موجود نہیں ہوتی اور شہوت کی عدم موجودگی کی

وجہ سے مرد کے ساتھ تعلق ہونا یا نہ ہونا اس کے لئے یکساں حیثیت رکھتا ہے اس لئے یہ تعلق اس لڑکی کی سمجھ بوجھ میں اضافے کا باعث نہیں بن سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے: ہم ولایت کے بارے میں باکرہ ہونے کی بجائے نابالغ ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔ یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: ہم نے باپ دادا کے علاوہ دیگر رشتے داروں کو نابالغ لڑکی کا نکاح کروانے کا جو حق دیا ہے اس کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کے ذریعے ہوتی ہے۔ ”نکاح عصبات کے سپرد ہوگا“۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: نبی اکرم ﷺ نے یہ بات مطلق طور پر ارشاد فرمائی ہے اس میں کوئی فصل نہیں ہے یعنی فلاں کو یہ حق ہوگا اور فلاں کو نہیں ہوگا۔ کیونکہ عصبہ رشتے دار مختلف قسم کے ہوتے ہیں تو اس کے بارے میں مصنف نے یہ اصول بیان کیا ہے ان میں ولایت کا حق اسی ترتیب سے ہوگا جس ترتیب کے مطابق وہ عصبہ رشتے دار وراثت کے حق دار بنتے ہیں اور وراثت کی طرح نکاح میں بھی قریبی عصبہ دور کے عصبہ کو مجوب کر دے گا۔

نابالغ لڑکے یا لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد ملنے والے اختیار کا حکم

قَالَ (فَإِنْ زَوَّجَهُمَا الْأَبُ وَالْجَدُّ) يَعْنِي الصَّغِيرَ وَالصَّغِيرَةَ (فَلَا خِيَارَ لَهُمَا بَعْدَ بُلُوغِهِمَا) لِأَنَّهُمَا كَامِلَا الرَّأْيِ وَافِرَا الشَّفَقَةِ فَيَلْزَمُ الْعَقْدُ بِمُبَاشَرَتِهِمَا كَمَا إذَا بَاشَرَاهُ بِرِضَاهُمَا بَعْدَ الْبُلُوغِ (وَإِنْ زَوَّجَهُمَا غَيْرُ الْأَبِ وَالْجَدِّ فَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْخِيَارُ إذَا بَلَغَ ، إنْ شَاءَ أَقَامَ عَلَى النِّكَاحِ ، وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا خِيَارَ لَهُمَا اعْتِبَارًا بِالْأَبِ وَالْجَدِّ .

وَلَهُمَا أَنَّ قَرَابَةَ الْأَخِ نَاقِصَةٌ وَالنُّقْصَانُ يُشْعِرُ بِقُصُورِ الشَّفَقَةِ فَيَتَطَرَّقُ الْخَلَلُ إلَى الْمَقَاصِدِ عَسَى وَالتَّدَارُكُ مُمْكِنٌ بِخِيَارِ الْإِدْرَاكِ ، وَإِطْلَاقُ الْجَوَابِ فِي غَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ يَتَنَاوَلُ الْأُمَّ ، وَالْقَاضِي هُوَ الصَّحِيحُ مِنْ الرِّوَايَةِ لِقُصُورِ الرَّأْيِ فِي أَحَدِهِمَا وَنُقْصَانِ الشَّفَقَةِ فِي الْآخَرِ فَيَتَخَيَّرُ .

ترجمہ

پس اگر باپ یا دادا ان دونوں کی شادی کر دیتے ہیں۔ نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کی تو ان دونوں کے بالغ ہونے کے بعد ان دونوں کو اسے ختم کرنے کا اختیار نہیں ہوگا کیونکہ وہ دونوں کامل رائے رکھتے ہیں اور زیادہ شفقت رکھتے ہیں تو ان دونوں کی موجودگی کی وجہ سے عقد لازم ہو جائے گا جیسا کہ اس لڑکے اور لڑکی کے بلوغت کے بعد رضامندی کی وجہ سے یہ لازم ہو جاتا۔

اگر باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور (رشتے دار) ان کی شادی کر دیتا ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو (نکاح کو ختم کرنے کا)

اس وقت اختیار حاصل ہوگا جب وہ بالغ ہو جائے اگر وہ چاہے تو نکاح کو برقرار رکھے گا اگر چاہے تو فسخ کر دے۔ یہ رائے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: ان دونوں کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ انہوں نے اسے بھی باپ اور دادا پر قیاس کیا ہے۔ ان دونوں حضرات (یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد) کی دلیل یہ ہے: بھائی کی رشتے داری ناقص ہوتی ہے اور یہ کمی شفقت میں کمی کا احساس دلاتی ہے جس کے نتیجے میں مقاصد میں خلل کا امکان در آتا ہے' تو اس کا تدارک صرف بالغ ہونے پر اختیار دینے سے ہی ممکن ہے۔ حکم کے مطلق ہونے میں باپ' دادا کے علاوہ میں' ماں اور قاضی بھی شامل ہوں گے' اور یہی صحیح روایت ہے' کیونکہ ان میں سے ایک میں رائے کمزور ہوتی ہے اور دوسرے میں شفقت کی کمی پائی جاتی ہے' تو ایسی صورت میں اس کو اختیار دیا جائے گا۔

بلوغ کی علامت ومفہوم کا بیان

لڑکے کے بالغ ہونے کی علامت یہ کہ اس کو احتلام ہونے لگے اور اس میں عورت کو حاملہ کر دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور انزال ہو سکتا ہو۔ اسی طرح لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کو ماہوری آ جائے اور احتلام ہو جائے اور اس کے حمل ہو سکتا ہو اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو پھر جب لڑکے اور لڑکی دونوں کی عمر پندرہ سال کی ہو جائے تو وہ بالغ کے حکم میں داخل ہو جائیں گے فتوی اسی قول پر ہے لڑکے کے بالغ ہونے کی کم سے کم مدت بارہ برس کی عمر ہے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم مدت نو برس ہے۔

اگر لڑکا لڑکی بالغ ہونے کے قریب ہوں اور وہ یہ کہیں کہ ہم بالغ ہو گئے ہیں تو ان دونوں کی اس بات کو صحیح سمجھا جائے گا اور وہ دونوں حکم میں بالغ کی مانند ہوں گے۔

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ تین ہجری میں غزوہ احد کے موقع پر جہاد میں جانے کے لئے مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا جب کہ میری عمر چودہ سال تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے واپس کر دیا یعنی جہاد میں شرکت کے لئے مجھ کو نہ لے گئے) پھر غزوہ خندق کے موقع پر جب کہ میری عمر پندرہ سال تھی مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جہاد میں جانے کی اجازت عطاء فرما دی کیونکہ بالغ ہونے کی عمر پندرہ سال ہے) حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ عمر لڑنے والوں اور لڑکوں کے درمیان فرق کرنیوالی ہے (بخاری مسلم مشکوۃ شریف، ج ۳، حدیث ۵۶۴)

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ حدیث سنی تو مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا کہ جس سے ان کی مراد یہ تھی کہ جب لڑکا پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جائے اور جو پندرہ سال کی عمر کو نہ پہنچے اس کو نابالغ لڑکوں میں شمار کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ بالغ ہونے کی عمر پندرہ سال ہے۔

نکاح میں خیارِ بلوغ کا فقہی مفہوم وحکم

نابالغ لڑکی یا لڑکے کا بلوغت سے قبل ولی کے کیے ہوئے نکاح کو بالغ ہونے پر رد کر دینے کا اختیار خیارِ بلوغ کہلاتا ہے۔ اسلام نے خواتین کو ازدواجی حقوق عطا کرتے ہوئے خیارِ بلوغ کا حق عطا کیا جو اسلام کے نزدیک انفرادی حقوق کے باب میں ذاتی اختیار کی حیثیت رکھتا ہے۔احناف کے نزدیک اگر کسی ولی نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کیا ہو تو وہ لڑکا یا لڑکی بالغ ہونے پر خیارِ بلوغ کا حق استعمال کر کے نکاح ختم کر سکتے ہیں۔

جس طرح بالغ خاتون کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر ولی نے اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کیا ہو تو عدم رضا کی بناء پر اسے اس نکاح کو تسلیم نہ کرنے اور باطل قرار دینے کا اختیار حاصل ہے،اسی طرح ایک نابالغہ کو بھی جس کا نکاح نابالغی کے زمانہ میں کسی ولی نے کیا ہو، بلوغ کے بعد عدم رضا کی بناء پر خیارِ بلوغ حاصل ہے۔

خیارِ بلوغ کے حق کی بناء پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث مبارکہ ہے جس میں قدامہ بن مظعون نے اپنی بھتیجی اور حضرت عثمان بن مظعون کی صاحب زادی کا نکاح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کر دیا تھا اور وہ لڑکی بوقت نکاح نابالغ تھی۔ بلوغت کے بعد اُس لڑکی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون فوت ہوئے اور پسماندگان میں خویلہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن اوقص سے ایک بیٹی چھوڑی اور اپنے بھائی قدامہ بن مظعون کو وصیت کی۔ راوی عبداللہ کہتے ہیں : یہ دونوں میرے خالو تھے۔ میں نے قدامہ بن مظعون کو عثمان بن مظعون کی بیٹی سے نکاح کا پیغام بھیجا تو اس نے میرا نکاح اس سے کرا دیا اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ اس لڑکی کی ماں کے پاس آیا اور اسے مال کا لالچ دیا۔ وہ عورت اس کی طرف مائل ہو گئی اور لڑکی بھی اپنی ماں کی خواہش کی طرف راغب ہو گئی پھر ان دونوں نے انکار کر دیا یہاں تک کہ ان کا معاملہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا۔

قدامہ بن مظعون نے عرض کیا : یارسول اللہ ! یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے اور میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی پس میں اس کی شادی اس کے ماموں زاد عبداللہ بن عمر سے کر دی۔ میں نے اس کی بھلائی اور کفو میں کوئی کمی نہ کی لیکن یہ عورت اپنی ماں کی خواہش کی طرف مائل ہو گئی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : وہ یتیم ہے، لہٰذا اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ راوی کہتے ہیں : اس کے بعد میرا اس کے مالک بننے کا جھگڑا ہی ختم ہو گیا اور اس نے مغیرہ سے شادی کر لی۔ (احمد بن حنبل، المسند، رقم ۶۱۳۶)

پس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی علیحدگی کا حکم دیا اور فرمایا : یتیم بچیوں کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے پس اگر وہ خاموش رہیں تو وہی ان کی اجازت ہے۔ (بیہقی، السنن الکبری، 7 : 121)

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی نبی کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی کہ اس کے باپ نے اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کر دیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اختیار دیا (یعنی اگر وہ چاہے تو نکاح فسخ کر دے)۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 331)

دعویٰ بلوغت میں قول مدعی قبول کیا جائے گا

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی لڑکی کا نکاح نابالغہ سمجھ کر اس کے باپ نے کر دیا وہ کہتی ہے میں بالغہ ہوں میرا نکاح صحیح نہ ہوا اور اس کا باپ یا شوہر کہتا ہے نابالغہ ہے اور نکاح صحیح ہے تو اگر اس کی عمر نو برس کی ہو اور مراہقہ (۹ برس عمر تقریباً) ہو تو لڑکی کا قول مانا جائے گا اور اگر دونوں نے اپنے اپنے دعوے پر گواہ پیش کیے تو بلوغ کے گواہ کو ترجیح ہے۔ یونہی اگر لڑکے مراہق (۱۲ سال تقریباً عمر ہو) نے اپنے بلوغ کا دعویٰ کیا تو اسی کا قول معتبر ہے، مثلاً اس کے باپ نے اس کی کوئی چیز بیچ ڈالی، یہ کہتا ہے میں بالغ ہوں اور بیع صحیح نہ ہوئی اس کا باپ یا خریدار کہتا ہے نابالغ ہے تو بالغ ہونا قرار پائے گا جب کہ اس کی عمر اس قابل ہو۔ (درمختار، کتاب النکاح، ج۴، ص۱۶۵، بیروت)

فسخ نکاح کے اختیار میں قاضی کے فیصلے کی شرط کا بیان

قَالَ (وَيُشْتَرَطُ فِيهِ الْقَضَاءُ) بِخِلَافِ خِيَارِ الْعِتْقِ لِأَنَّ الْفَسْخَ هَاهُنَا لِدَفْعِ ضَرَرٍ خَفِيٍّ وَهُوَ تَمَكُّنُ الْخَلَلِ وَلِهَذَا يَشْمَلُ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى فَجُعِلَ إلْزَامًا فِي حَقِّ الْآخَرِ فَيَفْتَقِرُ إلَى الْقَضَاءِ .وَخِيَارُ الْعِتْقِ لِدَفْعِ ضَرَرٍ جَلِيٍّ وَهُوَ زِيَادَةُ الْمِلْكِ عَلَيْهَا (وَلِهَذَا يَخْتَصُّ بِالْأُنْثَى فَاعْتُبِرَ دَفْعًا وَالدَّفْعُ لَا يَفْتَقِرُ إلَى الْقَضَاءِ)

ترجمہ

اور اس بارے میں قاضی کا فیصلہ شرط قرار دیا گیا ہے' جبکہ آزاد کرنے کے اختیار کا حکم اس کے برخلاف ہے' کیونکہ وہاں پر فسخ کرنا' ضرر کو دور کرنے کے لئے ہے جو ضرر خفی ہے اور وہ خلل کا ممکن ہونا ہے۔ اسی لیے مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل ہوگا۔ پس اسے دوسرے شخص کے حق میں الزام قرار دیا جائے گا' تو یہ قاضی کے فیصلے کا محتاج ہوگا۔ جہاں تک آزاد کرنے کے اختیار کا تعلق ہے' تو وہ واضح ضرر کو دور کرنے کے لئے ہے اور وہ اس عورت پر ملکیت کا زیادہ ہونا ہے یہی وجہ ہے: اسے خاتون کے ساتھ مختص کیا گیا ہے' تو اس اعتبار سے دور کرنا معتبر ہوگا' اور دور کرنے میں قاضی کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

شرح

صاحب ہدایہ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جس نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور قریبی عزیز نے کیا ہوا سے بالغ ہونے کے بعد نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اس کے لئے قاضی کا فیصلہ ضروری ہے کیونکہ از خود قاضی کے فیصلے کے

بغیر اسے فسخ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے: اگر کوئی عورت کنیز ہو کسی کی بیوی ہو تو اگر اسے آزاد کر دیا جائے تو اسے بھی اپنے نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور اس اختیار کے لئے قاضی کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہوتی؟

مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: یہاں یعنی نابالغ لڑکی یا لڑکے کے بالغ ہونے پر ملنے والے اختیار میں پوشیدہ خلل کو دور کرنا ہے اور یہی وجہ ہے: یہ اختیار مذکر اور مونث دونوں کو حاصل ہوتا ہے تو اس صورت میں دوسرے شخص کے حق میں الزام قرار دیا جائے گا یعنی جس ولی نے نابالغ ہونے کے عالم میں اس کا نکاح کیا تھا اس نے مناسب رشتے کا خیال نہیں رکھا تو اس بارے میں قاضی کے فیصلے کی ضرورت ہوگی جبکہ آزاد ہونے پر کنیز کو ملنے والا اختیار اس سے مختلف ہے کیونکہ وہ ایک ایسے خلل دور کرنے کے لئے ہے جو واضح اور نمایاں ہے اور وہ یہ ہے: شوہر کی عورت پر ملکیت زیادہ ہو جائے گی یعنی پہلے وہ دو طلاقوں کا مالک تھا اب وہ تین طلاقوں کا مالک ہو جائے گا۔

یہی وجہ ہے: آزاد ہونے پر ملنے والا یہ اختیار عورت کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے اس میں شوہر کو ملنے والے اضافی اختیار کو پرے کرنے کا مفہوم پایا جائے گا اور اپنی ذات سے کسی نقصان کو دور کرنے کے لئے قاضی کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

نابالغ لڑکی کے اختیار فسخ نکاح کی مدت کا بیان

ثُمَّ عِندَهُمَا إِذَا بَلَغَتِ الصَّغِيرَةُ وَقَدْ عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ فَسَكَتَتْ فَهُوَ رِضًا ﴿ وَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالنِّكَاحِ فَلَهَا الْخِيَارُ حَتَّى تَعْلَمَ فَتَسْكُتَ ﴾ شَرَطَ الْعِلْمَ بِأَصْلِ النِّكَاحِ لِأَنَّهَا لَا تَتَمَكَّنُ مِنَ التَّصَرُّفِ إِلَّا بِهِ ، وَالْوَلِيُّ يَنْفَرِدُ بِهِ فَعُذِرَتْ بِالْجَهْلِ ، وَلَمْ يُشْتَرَطْ الْعِلْمُ بِالْخِيَارِ لِأَنَّهَا تَتَفَرَّغُ لِمَعْرِفَةِ أَحْكَامِ الشَّرْعِ وَالدَّارُ دَارُ الْعِلْمِ فَلَمْ تُعْذَرْ بِالْجَهْلِ ، بِخِلَافِ الْمُعْتَقَةِ لِأَنَّ الْأَمَةَ لَا تَتَفَرَّغُ لِمَعْرِفَتِهَا فَتُعْذَرُ بِالْجَهْلِ بِثُبُوتِ الْخِيَارِ .

ترجمہ

اس کے بعد صاحبین کے نزدیک جب وہ نابالغ لڑکی بالغ ہو جائے اور اسے نکاح کا علم ہو اور وہ خاموش رہے تو یہ اس کی رضامندی شمار ہوگی لیکن اگر اسے نکاح کا علم نہ ہو تو پھر اسے اس وقت تک اختیار حاصل ہوگا جب تک اسے علم نہیں جاتا اور وہ خاموش نہیں رہتی۔ علم ہونے کی شرط اصل نکاح کے بارے میں ہے کیونکہ وہ تصرف صرف اسی کے بارے میں کر سکتی ہے (اور ایسا ہو سکتا ہے) کہ ولی اس بارے میں (یعنی اس کا نکاح کرنے کے بارے میں) منفرد ہو اور اس لڑکی کو علم نہ ہو سکا ہو تو وہ لاعلم ہونے کی وجہ سے معذور شمار ہوگی۔ یہاں پر ''اختیار ہونے'' کا علم ہونے کو شرط قرار نہیں دیا گیا کیونکہ وہ لڑکی اتنی بالغ تھی کہ شرعی احکام کی معرفت حاصل کر سکتی جبکہ وہ اسلامی ریاست میں رہ رہی ہو تو لاعلم ہونے کی وجہ سے اسے معذور قرار نہیں دیا جا سکتا' اس کے

برخلاف آزاد ہونے والی کنیز کا حکم ہے کیونکہ وہ شرعی احکام کی معرفت کے لئے فارغ نہیں ہوتی تو اپنے اختیار سے لاعلم ہونے کی وجہ سے اسے معذور قرار دیا جاسکتا ہے۔

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

عورت کو یہ معلوم نہ تھا کہ اسے خیار بلوغ حاصل ہے اس بنا پر اس نے اس پر عملدرآمد بھی نہ کیا، اب اسے یہ مسئلہ معلوم ہوا تو اب کچھ نہیں کرسکتی کہ اس کے لیے جہل عذر نہیں اور لونڈی کسی کے نکاح میں ہے اب آزاد ہوئی تو اسے خیار عتق حاصل ہے کہ بعد آزادی چاہے اس نکاح پر باقی رہے یا فسخ کرالے۔اس کے لیے جہل عذر ہے کہ باندیوں کو مسائل سیکھنے کا موقع نہیں ملتا اور حرہ کو ہر وقت حاصل ہے اور نہ سیکھنا خود اسی کا قصور ہے لہٰذا قابلِ معذوری نہیں۔لڑکا یا ثیب بالغ ہوئے تو سکوت سے خیار بلوغ باطل نہ ہوگا ، جب تک صاف طور پر اپنی رضا یا کوئی ایسا فعل جو رضا پر دلالت کرے (مثلاً بوسہ لینا، چھونا، مہر لینا دینا، وطی پر راضی ہونا) نہ پایا جائے ،مجلس سے اٹھ جانا بھی خیار کو باطل نہیں کرتا کہ اس کا وقت محدود نہیں عمر بھر اس کا وقت ہے۔رہا یہ امر کہ فسخ نکاح۔ سے مہر لازم آئے گا یا نہیں اگر اُس سے وطی نہ ہوئی تو مہر بھی نہیں اگرچہ فرقت جانب زوج سے ہو اور وطی ہو چکی ہے تو مہر لازم ہوگا اگرچہ فرقت جانب زوجہ سے ہو۔(جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور اگر ولی نے عورت بالغہ کا نکاح اس کے سامنے کردیا اور اُسے اس کا علم بھی ہوا اور سکوت کیا تو یہ رضا ہے۔ یہ احکام جو مذکور ہوئے ولی اقرب کے ہیں، اگر ولی بعید یا اجنبی نے نکاح کا اذن طلب کیا تو سکوت اذن نہیں بلکہ اگر عورت کوآری ہے تو صراحۃً اذن کے الفاظ کہے یا کوئی ایسا فعل کرے جو قول کے حکم میں ہو، مثلاً مہر یا نفقہ طلب کرنا، خوشی سے ہنسنا، خلوت پر راضی ہونا، مہر یا نفقہ قبول کرنا۔اور اگر ولی نے عورت سے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ فلاں سے تیرا نکاح کردوں۔اس نے کہا ٹھیک ہے، جب چلا گیا تو کہنے لگی میں راضی نہیں اور ولی کو اس کا علم نہ ہوا اور نکاح کردیا تو صحیح ہوگیا۔(درمختار، کتاب النکاح)

لڑکی اور لڑکے کے اختیار کے اختتام میں فرق ہے

﴿ثُمَّ خِيَارُ الْبِكْرِ يَبْطُلُ بِالسُّكُوتِ ، وَلَا يَبْطُلُ خِيَارُ الْغُلَامِ مَا لَمْ يَقُلْ رَضِيت أَوْ يَجِيءُ مِنْهُ مَا يُعْلَمُ أَنَّهُ رِضًا ، وَكَذَلِكَ الْجَارِيَةُ إذَا دَخَلَ بِهَا الزَّوْجُ قَبْلَ الْبُلُوغِ﴾ اعْتِبَارًا لِهَذِهِ الْحَالَةِ بِحَالَةِ ابْتِدَاءِ النِّكَاحِ ، وَخِيَارُ الْبُلُوغِ فِي حَقِّ الْبِكْرِ لَا يَمْتَدُّ إلَى آخِرِ الْمَجْلِسِ وَلَا يَبْطُلُ بِالْقِيَامِ فِي حَقِّ الثَّيِّبِ وَالْغُلَامِ لِأَنَّهُ مَا ثَبَتَ بِإِثْبَاتِ الزَّوْجِ بَلْ لِتَوَهُّمِ الْخَلَلِ فَإِنَّمَا يَبْطُلُ بِالرِّضَا غَيْرَ أَنَّ سُكُوتَ الْبِكْرِ رِضًا ، بِخِلَافِ خِيَارِ الْعِتْقِ لِأَنَّهُ ثَبَتَ بِإِثْبَاتِ الْمَوْلَى وَهُوَ الْإِعْتَاقُ فَيُعْتَبَرُ فِيهِ الْمَجْلِسُ كَمَا فِي خِيَارِ الْمُخَيَّرَةِ،

ترجمہ

اور باکرہ لڑکی کا اختیار اس کی خاموشی سے ختم ہو جائے گا' البتہ نابالغ لڑکے کا اختیار اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک وہ یہ کہہ نہیں دیتا کہ میں راضی ہوں' یا اس کی طرف سے کوئی ایسی چیز سامنے آئے جس سے یہ پتہ چل جائے کہ وہ راضی ہے۔ اسی طرح وہ ثیبہ عورت کہ جب اس کا شوہر اس کے بالغ ہونے سے پہلے اس کے ساتھ دخول کر لے۔ اس حالت کو نکاح کے آغاز کی حالت پر قیاس کیا جائے گا۔ بالغ ہونے پر حاصل ہونے والا اختیار باکرہ کے حق میں محفل کے آخر تک برقرار نہیں رہے گا ثیبہ اور لڑکے کے حق میں محفل اٹھ جانے کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ زوجیت کو ثابت کرنے کے لئے ثابت نہیں ہوا بلکہ اس خلل کے وہم کی وجہ سے ہے (کہ کہیں اس کے ساتھ زیادتی نہ کی گئی ہو) تو یہ رضامندی کے ساتھ ہی باطل ہوگا' تاہم باکرہ کی خاموشی اس کی رضامندی ہوگی۔ آزاد ہونے پر حاصل ہونے والا اختیار اس کے برخلاف ہوگا' کیونکہ وہ مولیٰ (آقا) کے اثبات کے ذریعے ثابت ہوا ہے اور وہ آزاد کرنا ہے' تو اس بارے میں محفل کا اعتبار کیا جائے گا' جیسا کہ اس عورت کے بارے میں ہوتا ہے جسے اختیار دیا گیا ہو۔

باکرہ کے سقوط اختیار کے فقہی مسائل

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور اگر ولی اس عورت سے خود اپنا نکاح کرنا چاہتا ہے اور اجازت لینے گیا اس نے سکوت کیا تو یہ رضا ہے اور اگر نکاح اپنے سے کر لیا اب خبر دی اور سکوت کیا تو یہ رد ہے رضا نہیں۔ اور اگر کسی خاص کی نسبت عورت سے اذن مانگا اس نے انکار کر دیا مگر ولی نے اسی سے نکاح کر دیا۔ اب خبر پہنچی اور ساکت رہی تو یہ اذن ہو گیا اور اگر کہا کہ میں تو پہلے ہی سے اُس سے نکاح نہیں چاہتی ہوں تو یہ رد ہے اور اگر جس وقت خبر پہنچی انکار کیا پھر بعد کو رضا ظاہر کی تو یہ نکاح جائز نہ ہوا۔

اور اذن لینے میں یہ بھی ضروری ہے کہ جس سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو اس کا نام اس طرح لیا جائے جس کو وہ عورت جان سکے۔ اگر یوں کہا کہ ایک مرد سے تیرا نکاح کر دوں یا یوں کہ فلاں قوم کے ایک شخص سے نکاح کر دوں تو یوں اذن نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یوں کہا کہ فلاں یا فلاں سے تیرا نکاح کر دوں اور عورت نے سکوت کیا تو اذن ہو گیا۔ ان دونوں میں جس ایک سے چاہے کر دے یا یوں کہا کہ پڑوس والوں میں سے کسی سے نکاح کر دوں یا یوں کہا کہ چچا زاد بھائیوں میں کسی سے نکاح کر دوں اور سکوت کیا اور ان دونوں صورتوں میں ان سب کو جانتی بھی ہو تو اذن ہو گیا۔ ان میں جس ایک سے کریگا ہو جائے گا اور سب کو جانتی نہ ہو تو اذن نہیں۔

اور اگر عورت نے اذنِ عام دے دیا۔ مثلاً ولی نے کہا کہ بہت سے لوگوں نے پیغام بھیجا ہے، عورت نے کہا جو تو کرے مجھے منظور ہے یا جس سے تو چاہے نکاح کر دے تو یہ اذنِ عام ہے۔ جس سے چاہے نکاح کر دے مگر اس صورت میں بھی اگر کسی خاص شخص

کی نسبت عورت پیشتر انکار کر چکی ہے تو اس کے بارے میں اذن نہ سمجھا جائے گا۔ اور اگر اذن لینے میں مہر کا ذکر شرط نہیں اور بعض مشائخ نے شرط بتایا لہٰذا ذکر ہو جانا چاہیے کہ اختلاف سے بچنا ہے اور اگر ذکر نہ کیا تو ضرور ہے کہ جو مہر باندھا جائے وہ مہر مثل سے کم نہ ہو اور کم ہو تو بغیر عورت کے راضی ہوئے عقد صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر زیادہ کی ہو تو اگرچہ عورت راضی ہو اولیا کو اعتراض کا حق حاصل ہے یعنی جب کہ کسی غیر ولی نے نکاح کیا ہو اور ولی نے خود ایسا کیا تو اب کون اعتراض کرے۔ (ردمحتار، ج ۲، ص ۱۵۹، بیروت)

خیار بلوغ سے فرقت کے طلاق نہ ہونے کا بیان

ثُمَّ الْفُرْقَةُ بِخِيَارِ الْبُلُوْغِ لَيْسَتْ بِطَلَاقٍ لِاَنَّهُ يَصِحُّ مِنَ الْاُنْثٰى وَلَا طَلَاقَ اِلَيْهَا ، وَكَذَا بِخِيَارِ الْعِتْقِ لِمَا بَيَّنَّا ، بِخِلَافِ الْمُخَيَّرَةِ لِاَنَّ الزَّوْجَ هُوَ الَّذِىْ مَلَّكَهَا وَهُوَ مَالِكٌ لِلطَّلَاقِ

ترجمہ

پھر بالغ ہونے پر حاصل ہونے والے اختیار کی وجہ سے ہونے والی علیحدگی طلاق شمار نہیں ہوگی' کیونکہ یہ علیحدگی خاتون کی طرف سے بھی درست ہوتی ہے' جبکہ عورت کو طلاق کا اختیار نہیں ہے۔ (کنیز کے) آزاد ہونے پر حاصل ہونے والے اختیار کا بھی یہی حکم ہے' جس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ لیکن جس عورت کو علیحدگی کا اختیار دیا گیا ہو'اس کا معاملہ اس کے برخلاف ہے' کیونکہ اس صورت میں شوہر ہی نے اس کو مالک بنایا ہے اور شوہر ہی طلاق کا (اصل) بھی مالک ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر وطی ہو چکی ہے تو فسخ کے بعد عورت کے لیے عدت بھی ہے ورنہ نہیں اور اس زمانہ عدت میں اگر شوہر اسے طلاق دے تو واقع نہ ہوگی اور یہ فسخ طلاق نہیں، لہٰذا اگر پھر انہیں دونوں کا باہم نکاح ہو تو شوہر تین طلاق کا مالک ہوگا۔

اور اگر ثیب کا نکاح ہوا اس کے بعد شوہر کے یہاں سے کچھ تحفہ آیا، اس نے لے لیا رضا ثابت نہ ہوئی۔ یونہی اگر اس کے یہاں کھانا کھایا یا اس کی خدمت کی اور پہلے بھی خدمت کرتی تھی تو رضا نہیں۔ نابالغ غلام کا نکاح نابالغہ لونڈی سے ان کے مولی نے کر دیا پھر ان کو آزاد کر دیا۔ اب بالغ ہوئے تو ان کو خیار بلوغ حاصل نہیں اور اگر لونڈی کو آزاد کرنے کے بعد نکاح کیا تو بالغہ ہونے کے بعد اسے خیار حاصل ہے۔ (ردمحتار، کتاب النکاح)

اختیار فسخ اختیار طلاق نہیں ہے

یہاں سے مصنف اس اختیار کو استعمال کرنے کے مسائل ذکر کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ بات بیان کی ہے: بالغ ہونے پر ملنے والا فسخ کا اختیار طلاق شمار نہیں ہوگا۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: یہ فسخ عورت کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی

طرح آزاد ہونے کی صورت میں اگر کوئی کنیز اپنے شوہر سے علیحدگی کو اختیار کرتی ہے' تو اس کا یہ اختیار بھی طلاق شمار نہیں ہوگا۔لیکن اگر کسی عورت کو یہ کہا جائے: تم اگر چاہو تو اپنی ذات کو اختیار کرسکتی ہو' اور وہ اپنی ذات کو اختیار کرے' تو یہ بات طلاق شمار ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: اس طرح شوہر نے اس عورت کو اس چیز کا مالک بنایا ہے کہ وہ اپنی ذات کو طلاق دے سکتی ہے' حالانکہ حقیقت میں شوہر ہی طلاق کا مالک ہے' جب وہ طلاق کا مالک ہے' تو وہ کسی دوسرے کو بھی اس کا مالک بنا سکتا ہے۔

جب نابالغ میاں بیوی میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے

﴿فَإِنْ مَاتَ اَحَدُهُمَا قَبْلَ الْبُلُوْغِ وَرِثَهُ الْاٰخَرُ﴾ وَكَذَا اِذَا مَاتَ بَعْدَ الْبُلُوْغِ قَبْلَ التَّفْرِيْقِ لِاَنَّ اَصْلَ الْعَقْدِ صَحِيْحٌ وَّالْمِلْكُ ثَابِتٌ بِهٖ وَقَدِ انْتَهٰى بِالْمَوْتِ، بِخِلَافِ مُبَاشَرَةِ الْفُضُوْلِيِّ اِذَا مَاتَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ قَبْلَ الْاِجَازَةِ لِاَنَّ النِّكَاحَ ثَمَّةَ مَوْقُوْفٌ فَيَبْطُلُ بِالْمَوْتِ وَهٰهُنَا نَافِذٌ فَيَتَقَرَّرُ بِهٖ .

ترجمہ

اگر ان دونوں میاں بیوی میں سے کوئی ایک بالغ ہونے سے پہلے مرجاتا ہے' تو دوسرا اس کا وارث ہوگا۔اسی طرح اگر وہ بالغ ہونے کے بعد علیحدگی سے پہلے فوت ہو جاتا ہے' تو بھی یہی حکم ہوگا۔اس کی وجہ یہ ہے: اصل کے اعتبار سے یہ عقد صحیح ہے اور اس کے ذریعے ملکیت ثابت ہے' جو موت کی وجہ سے اختتام پذیر ہوئی۔لیکن اگر کسی فضولی نے اس معاملے میں حصہ لیا ہو (یعنی اس نے شادی کروادی ہو) تو جب فریقین میں سے کوئی ایک نکاح کو جائز قرار دینے سے پہلے فوت ہو جائے' تو (حکم مختلف ہوگا)۔اس کی وجہ یہ ہے: اس صورت میں نکاح کا حکم موقوف ہوگا اور وہ موت کی وجہ سے باطل ہو گیا۔جبکہ یہاں یہ نافذ ہوا تھا اور موت کی وجہ سے مزید پختہ ہو گیا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اور اگر ولی نے نکاح کر دیا عورت کو خبر پہنچی اس نے سکوت کیا مگر اس وقت شوہر مر چکا تھا تو یہ اذن نہیں اور اگر شوہر کے مر جانے کے بعد کہتی ہے کہ میرے اذن سے میرے باپ نے اس سے نکاح کیا۔اور شوہر کے ورثہ انکار کریں تو عورت کا قول مانا جائے گا لہٰذا وارث ہوگی اور عدت واجب۔اور اگر عورت نے یہ بیان کیا کہ میرے اذن کے بغیر نکاح ہوا مگر جب نکاح کی خبر پہنچی میں نے نکاح کو جائز کیا تو اب ورثہ کا قول معتبر ہے اب نہ مہر پائے گی نہ میراث۔رہا یہ کہ عدت گزارے گی یا نہیں اگر واقع میں سچی ہے تو عدت گزارے ورنہ نہیں مگر نکاح کرنا چاہے تو عدت تک روکی جائے گی کہ جب اس نے اپنا نکاح ہونا بیان کیا تو اب بغیر عدت کیونکر نکاح کرے گی۔(ردمحتار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۱۷۵، بیروت)

غلام' نابالغ لڑکے اور پاگل شخص کو ولایت (تصرف) کا حق نہیں ہوتا

قَالَ ﴿وَلَا وِلَايَةَ لِعَبْدٍ وَّلَا صَغِيرٍ وَّلَا مَجْنُونٍ﴾ لِاَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَاَوْلٰى اَنْ لَّا تَثْبُتَ عَلٰى غَيْرِهِمْ وَلِاَنَّ هٰذِهِ وِلَايَةٌ نَظَرِيَّةٌ وَّلَا نَظَرَ فِي التَّفْوِيضِ اِلٰى هٰؤُلَاءِ

ترجمہ

مصنف فرماتے ہیں: غلام' نابالغ لڑکے' مجنون کو کوئی ولایت حاصل نہیں ہوگی۔اس کی وجہ یہ ہے: ان لوگوں کو اپنی ذات کے بارے میں تصرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔تو یہ بات زیادہ مستحق ہے کہ دوسروں کے بارے میں بھی یہ بات ثابت نہ ہو۔اس کی یہ وجہ بھی ہے: تصرف کا یہ حق شفقت پر مبنی ہے اور ان لوگوں کو یہ حق تفویض کرنے میں نظر (شفقت) کا پہلو نہیں پایا جاتا۔

شرح

ولایت اس کو ملے گی جو لوگوں میں اس کا سب سے قریبی ہے، چاہے وہ ماں ہی ہو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عقلمند وہوشیار ہو کیونکہ اس چھوٹے بچے کی دیکھ بھال مقصود ہے، اور مجنون و پاگل اور کند ذہن کی دیکھ بھال کرنی ہے، لہذا جب اس کے قریبی رشتہ داروں میں کوئی اس کی دیکھ بھال کرنے والا ہو تو وہ دوسروں سے زیادہ حقدار ہے۔

حق ولایت آزاد کرنے والوں کا ہے

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے (تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ) اگر اس کے پاس اتنا مال موجود ہو جو (اس غلام کے باقی حصوں) کی قیمت کے بقدر ہو تو انصاف کے ساتھ (یعنی بغیر کمی بیشی کے) اس غلام کے (باقی ان حصوں) کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ اس غلام کے دوسرے شریکوں کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر اس غلام کا جو حصہ اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا (اور دوسرے شرکاء کے حصے مملوک رہیں گے۔

(بخاری و مسلم مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 574)

اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ایک غلام کے مثلاً دو مالک ہوں اور ان میں سے ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کرنا چاہے تو اگر وہ آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کو اس کے حصہ کے بقدر قیمت ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو (اور دوسرے شریک کو اس کے حصہ کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو) تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کے حصہ کے بقدر تو آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کے حصہ کے بقدر غلام رہے گا۔

نیز حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی ہو سکتی ہیں (یعنی کسی غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو جانا اور کچھ حصہ غلام رہنا جائز رہتا ہے) اور دوسرے شریک کو اپنا حصہ آزاد کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس غلام سے استسعاء (محنت) کرائی جائے! چنانچہ حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ باوجودیکہ آزادی اور غلامی کے متجزی ہونے کا قائل ہیں لیکن اس صورت میں ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کا حصہ بھر دے (یعنی وہ اس کو اس کے حصہ کی قیمت ادا کردے) یا دوسرا شریک اپنے حصے کے بقدر اس غلام سے استسعاء کرائے یا وہ شریک بھی اپنا حصہ آزاد کردے اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو تو پھر وہ اپنے شریک کو اس کا حصہ نہ پھیر دے۔ بلکہ وہ شریک یا تو اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصے کی قیمت وصول کرلے یا اپنا حصہ آزاد کردے اس صورت میں حق ولاء دونوں کو حاصل ہوگا! اس بارے صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسف اور امام محمد کا یہ قول ہے کہ آزاد کرنے والا شخص اگر صاحب مقدور ہو تو دوسرے شریک کا حصہ پھیر دے اور اگر صاحب مقدور نہ ہو دوسرا شریک اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصہ کی قیمت حاصل کرلے، اور چونکہ آزادی متجزی نہیں ہوتی اس لئے اس صورت میں حق ولاء صرف آزاد کرنے والے کو حاصل ہوگا۔

صاحبین کے مؤقف کی دلیل یہ حدیث ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے گا تو وہ غلام پورا آزاد ہو جائے گا (اور یہ آزادی اس آزاد کرنے والے شخص کی طرف سے متصور ہوگی) اور اگر اس شخص کے پاس (اتنا) مال ہو (کہ وہ اپنے حصہ کے علاوہ باقی حصوں کی قیمت کی ادائیگی کر سکے تو دوسرے شرکاء کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے) اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر ہو غلام (ان باقی حصوں) کے بقدر محنت مزدوری یا دوسرے شرکاء کی خدمت پر مامور کیا جائے لیکن غلام کو (کسی ایسے کام اور محنت کی) مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے (جو اس کی طاقت سے باہر ہو)۔" (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 575)

شیخ ملا نظام الدین فقہاء احناف سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

اور ولی اگر پاگل ہو گیا ہے تو اس کی ولایت جاتی رہی اور اگر اس قسم کا پاگل ہے کہ کبھی پاگل رہتا ہے اور کبھی ہوش میں تو ولایت باقی ہے، افاقہ کی حالت میں جو کچھ تصرفات کریگا نافذ ہوں گے۔ (عالمگیری، کتاب النکاح)

ولایت کے انتقال میں مذاہب اربعہ

مذاہب اربعہ کے فقہا اس پر متفق ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں کہ والد اور دادا کی وفات کے بعد بڑا بھائی بہنوں کا ولی ہو گا، لیکن ولی کی ترتیب میں ان کا اختلاف پایا جاتا ہے اس میں اختلاف نہیں کہ اگر لڑکی کا باپ یا دادا یا بیٹا یا والد کی جانب سے وصیت کردہ شخص نہ ہو تو اس کا بڑا بھائی ہی لڑکی کا ولی ہوگا۔

لڑکی کی ولایت نفسی میں لڑکی کی شادی کرنا بھی شامل ہے اور راجح یہی ہے کہ لڑکی بالغ ہونے کی صورت میں لڑکی کے لیے اس کی اجازت کے بغیر شادی کرنا جائز نہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

دوسرا امر مالی ولایت کا معنی یہ ہے کہ: قاصر شخص کے مالی امور کی نگرانی کرنا یعنی اس کے مال کی حفاظت اور معاہدے وغیرہ کرنے، اور تمام مالی معاملات طے کرنا شامل ہیں، اور یہ چھوٹے بچے اور بچی اور جو مال میں تصرف کا اہل نہیں اس کے ساتھ مخصوص ہیں مثلا مجنون اور کند ذہن ۔ اور اگر بہن یا بھائی مکلف ہونے کی عمر کا ہو جائے اور لڑکی مال میں حسن تصرف رکھتی ہو تو اس کا مال اس کے سپرد کر دیا جائیگا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:

اور یتیموں کو پرکھو حتی کہ وہ جب نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اور تم ان میں ہوشیاری اور حسن تدبیر دیکھو تو انہیں ان کے مال سونپ دو، اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مال جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ مت کرو، مالداروں کو چاہیے کہ (ان کے مال سے) بچتے رہیں، ہاں مسکین ومحتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طور سے کھالے، پھر جب انہیں ان کے مال سونپو تو گواہ بنا لو، دراصل حساب لینے والا اللہ تعالی ہی کافی ہے۔ (نساء، ۵)

بھائی کے لیے بہن کے مال میں سے اس کی رضامندی کے بغیر کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے ۔ ان اموال اور نفس پر ولی اور نگران بننے والے شخص میں عقل وبلوغت کی شرط ہونا ضروری ہے، اس لیے کسی بچے اور مجنون کے لیے ولایت نہیں ہوگی یعنی وہ ولی نہیں بن سکتا۔

یہاں تنبیہ کے لیے ایک گزارش ہے کہ: نفسی ولایت باپ سے دادا کی طرف اور پھر بھائی کی طرف منتقل ہوتی ہے، لیکن مالی ولایت میں اولاء کی ترتیب میں اختلاف کا کوئی تعلق نہیں۔

احناف کے ہاں باپ اور پھر اس نے جس کی وصیت کی ہو اور پھر دادا اور پھر اس نے جس کی وصیت کی ہو اور پھر قاضی اور اس نے جس کی وصیت کی ہو ولی ہوگا۔

اور مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں باپ اور پھر اس کی جانب سے وصیت کردہ شخص اور پھر قاضی یا اس کا قائم مقام شخص ولی بنے گا۔

اور شافعی حضرات کے ہاں باپ اور پھر دادا پھر ان میں باقی رہنے والے کی جانب سے وصیت کردہ شخص پھر قاضی یا اس کا قائم مقام شخص ولی بنے گا۔

چوتھا قول: مالی ولایت باپ اور دادا کے بعد ماں کے لیے ہوگی اور پھر اس کے بعد اقرب ترین عصبہ نفس کے ساتھ، امام احمد سے ایک روایت ہے۔ (الانصاف (5 / 324) .

کافر شخص کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہوتی

﴿وَلَا﴾ وِلَايَةَ ﴿لِكَافِرٍ عَلَى مُسْلِمٍ﴾ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى

الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾(۱) وَلِهٰذَا لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ عَلَيْهِ وَلَا يَتَوَارَثَانِ ، اَمَّا الْكَافِرُ فَتَثْبُتُ لَهُ وِلَايَةُ الْإِنْكَاحِ عَلٰى وَلَدِهِ الْكَافِرِ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾(۲) وَلِهٰذَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ عَلَيْهِ وَيَجْرِي بَيْنَهُمَا التَّوَارُثُ (۲) الآية رقم ۷۳ من سورة الانفال

ترجمہ

اور کسی کافر کو کسی مسلمان پر تصرف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مومنوں پر تصرف کرنے کا حق نہیں دیا"۔ یہی وجہ ہے: مسلمان کیخلاف اس کافر کی گواہی قبول نہیں ہوتی اور وہ ایک دوسرے کے وارث بھی نہیں بنتے۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو اسے اپنے کافر بچے کا نکاح کروانے کا تصرف حاصل ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے ولی ہیں"۔ یہی وجہ ہے: اس کافر کی دوسرے کافر کے حق میں گواہی قبول ہوتی ہے اور ان دونوں کے درمیان وراثت کا حکم جاری ہوتا ہے۔

شرح

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۔((۱) الآية رقم ۱۴۱ من سورة النساء)

اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔

یعنی کافر نہ مسلمانوں کو مٹا سکیں گے نہ حجت میں غالب آسکیں گے علماء نے اس آیت سے چند مسائل مستنبط کیے ہیں (۱) کافر مسلمان کا وارث نہیں (۲) کافر مسلمان کے مال پر استیلاء پا کر مالک نہیں ہوسکتا۔

(۳) کافر کو مسلمان غلام کے خریدنے کا مجاز نہیں (۴) ذمی کے عوض مسلمان قتل نہ کیا جائے گا۔ (جمل)

دو مختلف مذاہب والے آپس میں دوست نہیں ہوسکتے۔

اوپر مومنوں کے کارنامے اور رفاقت وولایت کا ذکر ہوا اب یہاں کافروں کی نسبت بھی بیان فرما کر کافروں اور مومنوں میں سے دوستانہ کاٹ دیا۔ مستدرک حاکم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے نہ مسلمان کافر کا وارث اور نہ کافر مسلمان کا وارث پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ بخاری ومسلم میں بھی ہے مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ سنن وغیرہ میں ہے دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حسن کہتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک نئے مسلمان سے آپ نے عہد لیا کہ نماز قائم رکھنا، زکوۃ دینا، بیت اللہ شریف کا حج کرنا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور جب اور جہاں شرک کی آگ بھڑک اٹھے تو اپنے آپ کو ان کا مقابل اور ان سے برسر جنگ سمجھنا۔ یہ روایت مرسل ہے اور مفصل روایت میں ہے آپ فرماتے ہیں میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین میں ٹھہرا رہے۔ کیا وہ دونوں جگہ لگی ہوئی آگ نہیں دیکھتا؟ ابوداؤد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں جو مشرکوں سے خلا ملا رکھے اور ان میں ٹھہرا رہے وہ انہی جیسا ہے۔ابن مردویہ میں ہے اللہ کے رسول رسولوں کے سرتاج حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تمہارے پاس وہ آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم رضامند ہوتو اس کے نکاح میں دے دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں زبردست فتنہ فساد برپا ہوگا۔لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ چاہے وہ انہیں میں رہتا ہو آپ نے پھر فرمایا جب تمہارے پاس کسی ایسے شخص کی طرف سے پیغام نکاح آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم خوش ہو تو اس کا نکاح کر دو تین بار یہی فرمایا۔آیت کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے مشرکوں سے علیحدگی اختیار نہ کی اور ایمان داروں سے دوستیاں نہ رکھیں تو ایک فتنہ برپا ہو جائے گا۔یہ اختلاط برے نتیجے دکھائے گا لوگوں میں زبردست فساد برپا ہو جائے گا۔

کافر کی مسلمان پر عدم ولایت میں اجماع

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ :اہل علم کے اجماع کے مطابق کافر مسلمان عورت کا کسی بھی حالت میں ولی نہیں بن سکتا۔اور ابن منذر رحمہ اللہ تعالی سے بھی یہی کچھ نقل کیا ہے۔(المغنی (7 / 356)

ا،اسلام ب - عقل،یعنی ولی عاقل ہونا چاہیے۔ج -بلوغت۔ولی بالغ ہونا چاہیے۔د -مذکر۔یعنی ولی مرد ہونا ضروری ہے علماء کرام کا اتفاق ہے کہ ولی ہونے کی شروط میں اسلام،بلوغت،اور مذکر ہونا شرط ہے۔(بداية المجتهد (2 / 12)

ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالی کہ یہ بھی کہنا ہے :سب علماء کرام کے ہاں صرف مرد ہی ولی بن سکتا ہے اور اس میں مرد ہونے کی شرط ہے۔(المغنی لابن قدامہ (7 / 356)

مندرجہ ذیل شروط میں اختلاف ہے۔ا -حریت،یعنی ولی صرف آزاد مرد ہی بن سکتا ہے۔اکثر اہل علم کے ہاں حریت کی شرط ہے لیکن احناف اس کی مخالفت کرتے ہیں۔حریت کی شرط میں علت یہ ہے کہ :غلام کو تو اپنے آپ پر ولایت نہیں تو بالا ولی کسی دوسرے پر ولی نہیں بن سکتا۔(المغنی ابن قدامہ (7 / 356)

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ نے ولی کے عادل ہونے کی شرط لگائی ہے۔یہاں پر عدالۃ سے ظاہری عدل مراد ہے،یہ شرط نہیں کہ ولی ظاہری اور باطنی دونوں طور پر عادل ہو،اگر ایسی شرط لگائی جائے تو اس میں بہت حرج اور مشقت ہوگی،اور پھر یہ نکاح کے باطل ہونے کا باعث بن جائے گا۔(کشاف القناع (3 / 30)

یہاں پر ایک تنبیہ کرنا ضروری ہے :ہوسکتا ہے کہ سائل عورت میں رغبت رکھتا ہو اور کسی مسئلہ میں اس کے ولی سے بحث کرے اور اس میں ان دونوں کا اختلاف ہو جائے جس کی بنا پر خاوند ولی کو الزام دے کہ وہ کتاب وسنت پر ایمان نہیں رکھتا !یہ ایک بہت ہی خطرناک مسئلہ گناہ ہے کیونکہ اس میں کسی مسلمان پر ایسی تہمت لگائی جا رہی ہے جس سے وہ دائرہ اسلام سے ہی خارج ہوتا ہے۔

لیکن اگر لڑکی کا ولی حقیقت پر حدیث پر ایمان نہیں رکھتا مثلا جس طرح کے اہل قران یا جنہیں منکرین حدیث کہا جاتا ہے اس

سے بحث کی جائے گی اور اسے کے سامنے حق بیان کیا جائے گا اور اس کے شبہات زائل کیے جائیں گے لیکن اگر وہ اس کے باوجود بھی دلائل و براہین سننے کے باوجود بھی انکار کرنے پر اصرار کرے تو وہ کافر ہے۔

اور ایسا شخص مسلمان عورت کے نکاح کا ولی نہیں بن سکتا چاہے وہ اس کی بیٹی ہی کیوں نہ ہو، لھذا ایسی حالت میں اس سے ولایت ساقط ہو کر اس عورت کے قریبی مسلمان مرد کو مل جائے گی۔ فقہائے احناف و مالکیہ کا موقف بھی اسی طرح ہے جس طرح صاحب ہدایہ نے بیان کردیا ہے۔

عصبات کے علاوہ دوسرے رشتے دار شادی کرواسکتے ہیں

﴿وَلِغَيْرِ الْعَصَبَاتِ مِنَ الْاَقَارِبِ وِلَايَةُ التَّزْوِيْجِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ﴾ مَعْنَاهُ عِنْدَ عَدَمِ الْعَصَبَاتِ ، وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ :لَا تَثْبُتُ وَهُوَ الْقِيَاسُ ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ، وَقَوْلُ اَبِيْ يُوْسُفَ فِيْ ذٰلِكَ مُضْطَرِبٌ وَّالْاَشْهَرُ اَنَّهُ مَعَ مُحَمَّدٍ .

لَهُمَا مَا رَوَيْنَا ، وَلِاَنَّ الْوِلَايَةَ اِنَّمَا تَثْبُتُ صَوْنًا لِّلْقَرَابَةِ عَنْ نِسْبَةِ غَيْرِ الْكُفْءِ اِلَيْهَا وَاِلَى الْعَصَبَاتِ الصِّيَانَةُ .وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْوِلَايَةَ نَظَرِيَّةٌ وَّالنَّظَرُ يَتَحَقَّقُ بِالتَّفْوِيْضِ اِلٰى مَنْ هُوَ الْمُخْتَصُّ بِالْقَرَابَةِ الْبَاعِثَةِ عَلَى الشَّفَقَةِ

ترجمہ

عصبات کے علاوہ دیگر قریبی عزیزوں کو بھی شادی کروانے کی ولایت حاصل ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے: عصبہ رشتے دار موجود نہ ہوں اور یہ استحسان کے پیش نظر ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں: یہ ثابت نہیں ہے اور یہ بات قیاس کے مطابق ہے اور یہی روایت امام ابوحنیفہ سے بھی منقول ہے۔ اس بارے میں امام ابو یوسف کا قول مضطرب (طور پر منقول) ہے زیادہ مشہور یہ ہے: ان کی رائے امام محمد کے ساتھ ہے۔ ان دونوں حضرات کی دلیل وہ روایت ہے جسے ہم نقل کر چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے: ولایت اس لیے ثابت ہوتی ہے تاکہ رشتے داری کو غیر کفو کی طرف منسوب کرنے سے بچایا جاسکے۔ اور عصبہ رشتے داروں میں یہ بچاؤ پایا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: ولایت نظری ہے اور یہ نظر (یعنی شفقت) ان لوگوں کی طرف تفویض کرنے سے بھی متحقق ہو جاتی ہے جو ایسی قریبی رشتے داری کا مالک ہو جو شفقت کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

ولایت عصبہ کا فقہی مفہوم

نکاح صحیح ہونے میں شرط یہ ہے کہ نکاح عورت کا ولی یا اس کا وکیل کرے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "ولی

اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا" اسے امام بیہقی نے عائشہ اور عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔
(صحیح الجامع حدیث نمبر (7557)

عورت کا ولی اس کا باپ اور پھر اس کا دادا، پھر عورت کا بیٹا (اگر اس کا بیٹا ہو) پھر عورت کا سگا بھائی، اور پھر باپ کی طرف سے بھائی، اور پھر ان کے بیٹے پھر چچا اور پھر چچا کی بیٹے پھر باپ کی جانب سے چچا پھر حکمران ولی ہو"

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر لڑکی کا دادا نہ ہو تو پھر اس کا بھائی ولی ہوگا، اور اگر ایک سے زائد بھائی ہوں تو ان میں سے ایک بھائی شادی کر دے تو صحیح ہے، چاہے وہ ان میں سے بڑا نہ ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بالغ ہونا چاہیے۔
(المغنی (9 / 355)

نکاح کے ارکان جس کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا ایجاب وقبول شامل ہے، عورت کے ولی یا اس کے وکیل کی جانب سے ایجاب اور خاوند یا اس کے وکیل کی جانب سے قبول ہوگا۔ بھائی کہے گا: میں نے اپنی فلاں بہن کا آپ کے ساتھ نکاح کیا اور آپ اسے قبول کرتے ہوئے کہیں: میں نے قبول کیا۔ یا پھر وکیل کہے کہ میں نے اپنے موکل کی فلاں بہن کا فلاں کے ساتھ نکاح کیا۔ اور آپ کا وکیل کہے: میں نے اپنے فلاں موکل کے لیے قبول کی۔

اور کشاف امام خرشی مختصر خلیل کی شرح میں کہتے ہیں: نکاح کے پانچ ارکان ہیں جن میں ولی بھی شامل ہے اس کے بغیر نکاح نہیں ہوتا.. اور اس میں ولی کی جانب سے ادا کردہ اور خاوند کی جانب سے یا ان دونوں کے وکیل کی جانب سے عقد نکاح کے ایجاب وقبول کی ادائیگی بھی ہے۔ (شرح مختصر خلیل (3 / 172)

القناع میں درج ہے۔ ایجاب وقبول کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، ایجاب ولی یا اس کے قائم مقام مثلا وکیل کی جانب سے ادا کردہ الفاظ ہیں۔ اس لیے ولی کی موجودگی میں عورت کا نکاح فارم پر دستخط کرنا ہی کافی نہیں، بلکہ عقد نکاح ولی یا اس کے وکیل کی جانب سے منعقد ہونا ضروری ہے۔ کشاف القناع (5 / 37)

آزاد کرنے والے آقا اور حاکم کا شادی کر دینا

﴿وَمَنْ لَّا وَلِيَّ لَهَا﴾ يَعْنِي الْعَصَبَةَ مِنْ جِهَةِ الْقَرَابَةِ ﴿إِذَا زَوَّجَهَا مَوْلَاهَا الَّذِي أَعْتَقَهَا﴾ ﴿جَازَ﴾ لِأَنَّهُ آخِرُ الْعَصَبَاتِ، وَإِذَا عُدِمَ الْأَوْلِيَاءُ فَالْوِلَايَةُ إِلَى الْإِمَامِ وَالْحَاكِمِ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿السُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهُ﴾،

ترجمہ

جس کا کوئی ولی نہ ہو، یا کوئی ایسا عصبہ نہ ہو جو رشتے داری کے حوالے سے ہو، تو جب اسے آزاد کرنے والا آقا اس کی شادی کر دے، تو یہ درست ہوگا، کیونکہ وہ آخری درجے کا عصبہ رشتے دار شمار ہوگا۔ لیکن جب (لڑکی کے) اولیاء موجود نہ ہوں تو ولایت

حاکم وقت کے سپرد ہوگی۔اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:"سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو"۔

شرح

جس عورت کا ولی نہ ہو اگر تو بستی یا محلہ میں حاکم کا نائب ہو تو وہ اسکی شادی کریگا،اور بستی کا نمبردار،اور اگر ان میں کوئی ایسا امام ہو جس کی لوگ بات تسلیم کرتے ہوں تو عورت کی اجازت سے وہ شادی کر دیگا۔(مجموع الفتاوی (32 / (35)

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں "اگر عورت کا ولی بھی نہ ہو اور حکمران بھی تو امام احمد سے مروی ہے کہ عورت کی اجازت سے کوئی عادل شخص اس کی شادی کر دیگا۔(المغنی (7 / (352)

(۱) بعض الحدیث اخرجه الشافعی فی "المسند" ۲/۱۱ واحمد فی "مسنده" ٦٦/٦ والدارمی فی "سننه" ۱۳۷/۲ وابو داؤد فی "سننه" برقم (۲۰۸۳) والترمذی فی "جامعه" برقم (۱۱۰۲) وابن ماجه فی "سننه" برقم (۱۸۷۹) وصححه ابن حبان کما فی الموارد برقم (۱۲٤۸) والحاکم فی "المستدرك" (۱٦۸/۲) وقال صحیح علی شرط الشیخین۔

ولایت نکاح اسباب فقہی کا بیان

ولایت نکاح کے پانچ اسباب ہیں :ملکیت ،قرابت داری، ولاء، امامت، وصایا۔

صحت نکاح کے لیے ولی شرط ہے،اور کسی بھی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ ولی بغیر خود ہی اپنا نکاح کرلے یا بغیر کسی سبب کے ولی کے علاوہ کوئی اور اس کا نکاح کرے،نہ تو اصل میں اور نہ ہی قائم مقام اور وکیل بن کر،اور اگر عورت خود ہی نکاح کرتی ہے تو یہ نکاح باطل ہوگا۔

لیکن مال کے بارہ میں یہ ہے کہ عورت جب عاقلہ اور سمجھدار اور بالغ ہو تو وہ اپنے مال پر پورا اختیار رکھتی ہے،اسے اس میں پورا تصرف کرنے کا حق حاصل ہے وہ جس طرح چاہے اس میں عوض یا بغیر عوض کے تصرف کرسکتی ہے مثلا خرید وفروخت یا پھر کرایہ اور قرض یا اپنا سارا یا مال کا کچھ حصہ صدقہ وھبہ وغیرہ کرسکتی ہے۔کسی ایک کو بھی اسے اس سے منع کرنے کا حق حاصل نہیں،اور نہ ہی عورت کو اس کام کے لیے کسی کی اجازت درکار ہے،چاہے وہ عورت کنواری ہو اور اپنے باپ کے ساتھ رہتی ہو یا بغیر باپ کے،یا پھر وہ شادی شدہ ہو۔

اور عورت کے لیے اپنی اولاد کے مال میں بھی تصرف کرنے کا حق حاصل ہے یعنی وہ اس میں سے کھا پی سکتی ہے،جیسا کہ مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی اولاد کے مال میں تصرف کرسکتا ہے،اور اسی طرح عورت اپنے والدین کے مال سے جو اس کے لیے مباح ہے کھا پی سکتی ہے اور اس میں تصرف کرسکتی ہے۔ماں کو اپنے چھوٹے بچوں اور مجنون کے مال کی ولایت حاصل ہے،کیونکہ وہ اپنی اولاد پر دوسروں سے زیادہ شفقت کرنے والی ہے۔عورت اپنے خاوند کے مال میں خاوند کی اجازت کے بغیر نہ تو تصرف کرسکتی ہے اور نہ ہی اسے صدقہ کرسکتی ہے،چاہے خاوند اسے صراحتا اجازت دے یا پھر عادت اور عرف سے مفہوم لیا جائے۔

عورت وصی بھی بن سکتی ہے جب اس میں وصی کی شروط پائی جائیں تو اسے وصیت کے ذریعہ مال کی ولایت مل سکتی ہے، چاہے وہ بچوں کی ماں ہو یا ان سے اجنبی ہو۔ عورت وقف مال کی نگران بھی بن سکتی ہے، بالاتفاق وقف میں تصرف اور نگرانی میں ولایت بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

جب قریبی ولی موجود نہ ہو

﴿وَإِذَا غَابَ الْوَلِيُّ الْأَقْرَبُ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً جَازَ لِمَنْ هُوَ أَبْعَدُ مِنْهُ أَنْ يُزَوِّجَ﴾ وَقَالَ زُفَرُ: لَا يَجُوزُ لِأَنَّ وِلَايَةَ الْأَقْرَبِ قَائِمَةٌ لِأَنَّهَا ثَبَتَتْ حَقًّا لَهُ صِيَانَةً لِلْقَرَابَةِ فَلَا تَبْطُلُ بِغَيْبَتِهِ، وَلِهَذَا لَوْ زَوَّجَهَا حَيْثُ هُوَ جَازَ، وَلَا وِلَايَةَ لِلْأَبْعَدِ مَعَ وِلَايَتِهِ. وَلَنَا أَنَّ هَذِهِ وِلَايَةٌ نَظَرِيَّةٌ وَلَيْسَ مِنَ النَّظَرِ التَّفْوِيضُ إِلَى مَنْ لَا يُنْتَفَعُ بِرَأْيِهِ فَفَوَّضْنَاهُ إِلَى الْأَبْعَدِ وَهُوَ مُقَدَّمٌ عَلَى السُّلْطَانِ كَمَا إِذَا مَاتَ الْأَقْرَبُ، وَلَوْ زَوَّجَهَا حَيْثُ هُوَ فِيهِ مَنْعٌ وَبَعْدَ التَّسْلِيمِ نَقُولُ لِلْأَبْعَدِ بُعْدُ الْقَرَابَةِ وَقُرْبُ التَّدْبِيرِ وَلِلْأَقْرَبِ عَكْسُهُ فَنَزَلَا مَنْزِلَةَ وَلِيَّيْنِ مُتَسَاوِيَيْنِ فَأَيُّهُمَا عَقَدَ نَفَذَ وَلَا يُرَدُّ

ترجمہ

اور جب کوئی قریبی ولی اس طرح سے غیر موجود ہو کہ اس کے بارے میں کوئی علم نہ ہو تو یہ بات جائز ہے کہ اس ولی کے مقابلے میں دور والا ولی لڑکی کی شادی کر دے۔ امام زفر فرماتے ہیں: یہ جائز نہیں ہے اس کے قریبی رشتے دار کی ولایت برقرار رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ اس کے حق کے لئے ثابت ہوئی ہے کہ وہ اپنی رشتے داری کو محفوظ رکھے اور اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے باطل نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے: وہ قریبی جگہ موجود ہو اور اگر وہیں سے اس کی شادی کر دیتا ہے تو یہ درست ہوگا اور اس کی ولایت کے ہمراہ دور کے رشتے دار کی ولایت ثابت نہیں ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے: یہ ولایت نظری ہے اور یہ چیز نظر (شفقت) سے متعلق نہیں ہے کہ اسے اس شخص کے سپرد کیا جائے کہ جس کی رائے سے نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا اس لیے ہم نے اسے دور والے رشتے دار کے سپرد کر دیا اور وہ دور کا رشتے دار سلطان پر مقدم ہوگا جیسا کہ اگر قریبی رشتے دار فوت ہو جائے تو ایسا ہی ہوتا۔

اگر وہ ولی وہیں سے شادی کر دے جہاں وہ موجود ہے تو اس میں ممانعت ہے (یعنی حرج ہے)۔ اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم یہ کہیں گے: وہ ولی جو دور کا رشتے دار ہے اس کی رشتے داری دور کی ہے لیکن وہ آسانی کے ساتھ تمام تدابیر کر سکتا ہے وہ ولی جو

قریب کا رشتے دار ہے اس کے لئے یہ صورت حال برخلاف ہے لہٰذا دونوں کا مرتبہ ایک ہی جیسا ہو جائے گا اور وہ دونوں برابر کے ولی شمار ہوں گے اور ان میں سے جو بھی عقد کرے گا وہ نافذ ہو جائے گا اور اسے مسترد نہیں کیا جائے گا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں

ولی اقرب صالح ولایت نہیں، مثلاً بچہ ہے یا مجنون تو ولی ابعد ہی نکاح کا ولی ہے۔ مولیٰ اگر غائب بھی ہو جائے اور اس کا پتا بھی نہ چلے، جب بھی لونڈی، غلام کے نکاح کی ولایت اسی کو ہے اس کے رشتہ دار ولی نہیں۔ اور اگر لونڈی آزاد ہوگئی اور اس کا عصبہ کوئی نہ ہو تو وہ عصبہ ہے، جس نے اسے آزاد کیا اور اسی کی اجازت سے نکاح ہوگا، وہ مرد ہو یا عورت اور ذوی الارحام پر آزاد کنندہ مقدم ہے۔ کفو نے پیغام دیا اور وہ مہر مثل بھی دینے پر تیار ہے مگر ولی اقرب لڑکی کا نکاح اس سے نہیں کرتا بلکہ بلاوجہ انکار کرتا ہے تو ولی ابعد نکاح کرسکتا ہے۔ نابالغ اور مجنون اور لونڈی غلام کے نکاح کے لیے ولی شرط ہے، بغیر ولی ان کا نکاح نہیں ہوسکتا اور حرہ بالغہ عاقلہ نے بغیر ولی کفو سے نکاح کیا تو نکاح صحیح ہوگیا اور غیر کفو سے کیا تو نہ ہوا اگرچہ نکاح کے بعد راضی ہوگیا۔ البتہ اگر ولی نے سکوت کیا اور کچھ جواب نہ دیا اور عورت کے بچہ بھی پیدا ہوگیا تو اب نکاح صحیح مانا جائے گا۔ جس عورت کا کوئی عصبہ نہ ہو، وہ اگر اپنا نکاح جان بوجھ کر غیر کفو سے کرے تو نکاح ہو جائے گا۔ جس عورت کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دے دیں بعد عدت اس نے جان بوجھ کر غیر کفو سے نکاح کرلیا اور ولی راضی نہیں یا ولی کو اس کا غیر کفو ہونا معلوم نہیں تو یہ عورت شوہر اول کے لیے حلال نہ ہوئی۔ (ردمحتار، کتاب النکاح)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یتیم لڑکی سے بھی نکاح کے لیے اس کی اجازت لی جائے اگر وہ خاموش رہے تو یہ اس کی رضامندی ہے اور اگر وہ انکار کردے تو اس پر کوئی جبر نہیں اس باب میں ابو موسی، اور ابن عمر سے بھی روایت ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابو ہریرہ حسن ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر یتیم لڑکی کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح کردیا تو یہ موقوف ہے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے پھر اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو قبول کرے اور اگر چاہے تو ختم کردے بعض تابعین وغیرہم کا بھی یہی قول ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یتیم لڑکی کا بلوغت سے پہلے نکاح کرنا جائز نہیں اور نہ ہی نکاح میں اختیار دینا جائز ہے۔

حضرت سفیان ثوری، امام شافعی، اور دوسرے علماء کا یہی قول ہے امام احمد، اور اسحاق کہتے ہیں کہ اگر یتیم لڑکی کا نو سال کی عمر میں اس کی رضامندی سے نکاح کیا گیا تو جوانی کے بعد اس کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ نو سال کی عمر میں شب زفاف گذاری، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگر لڑکی کی عمر نو سال ہو تو وہ مکمل جوان ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1109)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

"ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں، اور عورت اپنے نکاح کی خود مالک نہیں ہے، اور (ولی کے بغیر) نہ ہی کوئی اور اس کا نکاح کر سکتا ہے، اور عورت کا نکاح کرنے میں کسی دوسرے کو وکیل بنانے کا حق بھی صرف ولی کو حاصل ہے کوئی اور نہیں بنا سکتا، اور اگر وہ خود اپنا نکاح کرے تو اس کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ (المغنی ابن قدامہ (7 / 5)

اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمان ہے "ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے۔

(سنن ابوداود حدیث نمبر (2085) سنن ترمذی حدیث نمبر (1101)

غیبت منقطعہ کے حکم کا بیان

﴿وَالْغَيْبَةُ الْمُنْقَطِعَةُ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ بَلَدٍ لَّا تَصِلُ اِلَيْهَا الْقَوَافِلُ فِي السَّنَةِ اِلَّا مَرَّةً وَّاحِدَةً﴾ وَهُوَ اخْتِيَارُ الْقُدُوْرِيِّ .وَقِيْلَ اَدْنٰى مُدَّةِ السَّفَرِ لِاَنَّهٗ لَا نِهَايَةَ لِاَقْصَاهُ وَهُوَ اخْتِيَارُ بَعْضِ الْمُتَاَخِّرِيْنَ .وَقِيْلَ اِذَا كَانَ بِحَالٍ يَفُوْتُ الْكُفْءُ الْخَاطِبُ بِاسْتِطْلَاعِ رَأْيِهٖ ، وَهٰذَا اَقْرَبُ اِلَى الْفِقْهِ لِاَنَّهٗ لَا نَظَرَ فِيْ اِبْقَاءِ وِلَايَتِهٖ حِيْنَئِذٍ

ترجمہ

یہاں استعمال ہونے والے لفظ "غیبت منقطع" سے مراد یہ ہے: وہ قریبی رشتے دار ایسے شہر میں قیام پذیر ہو جہاں سال میں صرف ایک مرتبہ قافلے پہنچتے ہوں۔ امام قدوری نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد "سفر کی کم ترین مدت" ہے کیونکہ سفر کی کوئی بھی انتہا نہیں ہوتی۔ بعض متاخرین بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد یہ ہے: اس کی حالت ایسی ہو کہ اس کی رائے کا علم ہونے تک کفو کے ہاتھ سے چلے جانے کا اندیشہ ہو اور یہی رائے فقہ کے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی ولایت باقی رکھنے میں شفقت کا پہلو پایا نہیں جائے گا۔

غیبت منقطعہ کے اعتبار کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ذخیرہ میں کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ اگر ایسی صورت ہو کہ حاضر کفو، اس کی انتظار اور اس کی رائے معلوم کرنے تک، ضائع اور فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو یہ غیبۃ منقطعہ ہوگی، اور کتاب میں اسی صورت کی طرف اشارہ ہے۔ بحر میں مجتبیٰ اور مبسوط سے منقول ہے کہ یہی اصح ہے، اور نہایہ میں ہے کہ اس کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے اور ابن فضل نے اس کی تصحیح کی ہے، اور ہدایہ میں ہے کہ یہ اقرب فقہ ہے، اور فتح میں کہا کہ یہ فقہ کے اشبہ ہے اور یہ کہ اکثر متاخرین اور اکثر مشائخ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اور ولی اقرب غائب ہے اس وقت دور والے ولی نے نکاح کر دیا تو صحیح ہے اور اگر اس کی موجودگی میں نکاح کیا تو اس کی

اجازت پر موقوف ہے محض اس کا سکوت کافی نہیں بلکہ صراحۃً یا دلالۃً اجازت کی ضرورت ہے، یہاں تک کہ اگر ولی اقرب مجلس میں موجود ہو تو یہ بھی اجازت نہیں اور اگر اس ولی اقرب نے نہ اجازت دی تھی، نہ رد کیا اور مر گیا یا غائب ہو گیا کہ اب ولایت اسی دُور والے ولی کو پہنچی تو وہ قبل میں اس کا نکاح کر دینا اجازت نہیں بلکہ اب اس کی جدید اجازت درکار ہے۔

ولی کے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کا انتظار کیا جائے تو وہ جس نے پیغام دیا ہے اور کفو بھی ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا اگر ولی قریب مفقود الخبر ہو یا کہیں دورہ کرتا ہو کہ اس کا پتا معلوم نہ ہو یا وہ ولی اُسی شہر میں چھپا ہوا ہے مگر لوگوں کو اس کا حال معلوم نہیں اور ولی ابعد نے نکاح کر دیا اور وہ اب ظاہر ہوا تو نکاح صحیح ہو گیا۔(ردمحتار، کتاب النکاح)

اہل تشیع کے نزدیک شوہر ثانی کے آنے سے نکاح کا حکم

جس عورت کو یقین ہو کہ اس کا شوہر مثلاً سفر میں مر گیا ہے اگر وہ وفات کی عدت، جس کی مقدار احکام طلاق میں بتائی جائے گی، کے بعد شادی کرے و بعد ازاں اس کا پہلا شوہر سفر سے واپس آجائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسرے شوہر سے جدا ہو جائے اور وہ پہلے شوہر پر حلال ہوگی لیکن اگر دوسرے شوہر نے اس سے مجامعت کی ہو تو عورت پر عدت گذارنا ضروری ہے اور دوسرے شوہر پر ضروری ہے کہ اس جیسی عورتوں کے مہر کے مطابق اسے مہر ادا کرے لیکن عدت کے زمانے کا خرچہ دوسرے شوہر کے ذمے نہیں ہے۔(احکام شیعہ، نکاح کے احکام، مسئلہ، ۲۵۲۷)

عورت کے باپ اور بیٹے میں سے کون نکاح کروائے گا؟

﴿وَاِذَا اجْتَمَعَ فِي الْمَجْنُوْنَةِ اَبُوْهَا وَابْنُهَا فَالْوَلِيُّ فِي نِكَاحِهَا ابْنُهَا فِي قَوْلِ اَبِي حَنِيْفَةَ وَاَبِي يُوْسُفَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ اَبُوْهَا﴾ لِاَنَّهُ اَوْفَرُ شَفَقَةً مِّنَ الْاِبْنِ. وَلَهُمَا اَنَّ الْاِبْنَ هُوَ الْمُقَدَّمُ فِي الْعُصُوْبَةِ، وَهٰذِهِ الْوِلَايَةُ مَبْنِيَّةٌ عَلَيْهَا وَلَا مُعْتَبَرَ بِزِيَادَةِ الشَّفَقَةِ كَاَبِي الْاُمِّ مَعَ بَعْضِ الْعَصَبَاتِ.

ترجمہ

اور جب کسی مجنونہ عورت کی شادی میں اس کا باپ اور بیٹا دونوں موجود ہوں تو اس کا نکاح کروانے میں اس کا ولی اس کا بیٹا بنے گا یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول ہے۔امام محمد فرماتے ہیں: اس کا باپ بنے گا' کیونکہ اس میں اس کے بیٹے سے زیادہ شفقت ہوتی ہے۔ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے: عصبہ ہونے میں بیٹا مقدم ہے اور یہ ولایت اسی پر مبنی ہے' تو اس بارے میں زیادہ شفقت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا' جیسا کہ نانا اگر بعض عصبہ رشتے داروں کے ساتھ موجود ہو' تو (بھی یہی حکم ہوتا ہے) باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جس عورت کے اولیاء نے مختلف جگہ نکاح کرایا

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس عورت کے دو ولیوں نے اس کا دو جگہ پر نکاح کر دیا تو وہ ان دونوں میں سے پہلے کی بیوی ہوگی اور اسی طرح اگر کوئی شخص ایک چیز کو دو آدمیوں کے ہاتھ فروخت کرے گا تو وہ ان دونوں میں سے پہلے کی ہوگی۔ یہ حدیث حسن ہے۔

اہل علم کا اس پر عمل ہے اہل علم کا اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کسی عورت کے دو ولی ہوں اور ایک اسکا نکاح کر دے تو وہ پہلے والے کی بیوی ہے اور دوسرا نکاح باطل ہے اور اگر دونوں ایک ہی وقت میں نکاح کریں تو دونوں کا ہی باطل ہوگا سفیان ثوری اور احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1110)

حضرت سمرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت کے دو ولی اس کا نکاح کر دیں تو وہ عورت ان دونوں میں سے اس کے لئے ہے جس کے ساتھ نکاح پہلے ہوا ہے اور جو شخص کسی ایک چیز کو) دو آدمیوں کے ہاتھ بیچے تو وہ چیز ان دونوں میں سے اس کے لئے ہے جسے پہلے بیچی گئی ہے (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، داری)

کسی عورت کے دو ولی ہوں اور دونوں ولی اس عورت کا نکاح الگ الگ وقتوں میں دو مردوں سے کر دیں بایں طور کہ پہلے ایک ولی نے کسی شخص سے نکاح کر دیا پھر دوسرے ولی نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر دیا تو دوسرے ولی کا کیا ہوا نکاح باطل ہوگا اور وہ عورت اسی شخص کی بیوی ہوگی جس سے پہلے نکاح ہوا ہے لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ دونوں ولی ایک ہی درجہ کے ہوں یعنی دونوں یکساں قرابت رکھتے ہوں۔

اگر دونوں ولی ایک درجے کے نہ ہوں تو پھر وہ ولی مقدم ہوگا جو اقرب ہو یعنی قریبی قرابت رکھتا ہو لہذا اس صورت میں وہ عورت اس شخص کی بیوی ہوگی جس سے اس کے قریبی قرابت والے ولی نے نکاح کیا ہے چاہے اس نے پہلے نکاح کیا ہو اور چاہے بعد میں کیا ہو۔ اور اگر عورت کے یکساں درجہ والے دو ولی اس کا نکاح ایک وقت میں دو الگ الگ مردوں سے کر دیں مثلا ایک ولی نے زید سے نکاح کیا اور ٹھیک اسی وقت دوسرے ولی نے بکر سے اس کا نکاح کیا تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام علماء کا مسلک یہ ہے کہ دونوں ہی نکاح باطل ہو گئے۔

جب برابر درجے والے دو ولیوں نے دو اشخاص سے نکاح کر دیا

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ایک درجہ کے دو ولی نے یک وقت دو شخصوں سے نکاح کر دیا اور دونوں کی خبر ایک ساتھ پہنچی عورت نے سکوت کیا۔ تو دونوں موقوف ہیں اپنے قول یا فعل سے جس ایک کو جائز کرے جائز ہے اور دوسرا باطل اور دونوں کو جائز کیا تو دونوں باطل اور دونوں نے اذن مانگا اور عورت نے سکوت کیا تو جو پہلے نکاح کر دے وہ ہوگا۔

اور اگر ولی نے نکاح کر دیا عورت کو خبر پہنچی اس نے سکوت کیا مگر اس وقت شوہر مر چکا تھا تو یہ اذن نہیں اور اگر شوہر کے مر

جانے کے بعد کہتی ہے کہ میرے اذن سے میرے باپ نے اس سے نکاح کیا۔اور شوہر کے ورثہ انکار کریں تو عورت کا قول مانا جائے گا لہٰذا وارث ہوگی اور عدت واجب۔اور اگر عورت نے یہ بیان کیا کہ میرے اذن کے بغیر نکاح ہوا مگر جب نکاح کی خبر پہنچی میں نے نکاح کو جائز کیا تو اب ورثہ کا قول معتبر ہے اب نہ مہر پائے گی نہ میراث۔رہا یہ کہ عدت گزارے گی یا نہیں اگر واقع میں سچی ہے تو عدت گزارے ورنہ نہیں مگر نکاح کرنا چاہے تو مدت تک روکی جائے گی کہ جب اس نے اپنا نکاح ہونا بیان کیا تو اب بغیر عدت کیونکر نکاح کرے گی۔(درمختار، کتاب النکاح)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

تنویر اور در میں ہے ولی اقرب کی غیر حاضری میں ولی ابعد کو نکاح کا اختیار ہے،تو اگر ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نے نکاح دیا تو یہ ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا،غیر حاضری یہ ہے کہ سفر کی مدت پر یا اتنے بعد پر ہو کہ منگنی والا واپسی اس کے جواب واجازت کا انتظار نہ کرتا ہو اور اسی پر فتویٰ ہے۔(ردمختار، کتاب النکاح)

فَصْلٌ فِي الْكَفَاءَةِ

﴿یہ فصل نکاح میں کفو کے بیان میں ہے﴾

کفو کی فصل کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے اولیاء وا کفاء کا مکمل باب ذکر کیا ہے۔ کفاءت کے اعتبار میں کوئی شک نہیں ہے۔ لہذا کفو ہونے کی صورت میں جب ولی غیر کفو سے نکاح کو فسخ کرنے کا حق رکھتا ہے تو یہ اس کے حق میں ثابت ہو گیا ہے۔ ولی کیلئے اس ثبوت حق کے پیش نظر مصنف نے ایک مستقل فصل بیان کر دی ہے۔ تاکہ کفو اور غیر کفو کا امتیاز کرتے ہوئے نکاح کے اولیاء اپنے حق کو صحیح طریقے سے استعمال کریں۔

اس فصل کو باب الاکفاء کے بعد ذکر کرنے کی دوسری وجہ واضح ہے کہ اس میں مسائل وہی ہوں گے جو کفو سے متعلق ہوں گے جن کی بنیاد پر کفو کی بنیاد پر نکاح کرنے یا نہ کرنے کے احکام ثابت ہوں گے۔

نکاح میں کفو کے اعتبار کا بیان

﴿الْكَفَاءَةُ فِي النِّكَاحِ مُعْتَبَرَةٌ﴾ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿أَلَا لَا يُزَوِّجُ النِّسَاءَ إِلَّا الْأَوْلِيَاءُ، وَلَا يُزَوَّجْنَ إِلَّا مِنَ الْأَكْفَاءِ﴾(۱) وَلِأَنَّ انْتِظَامَ الْمَصَالِحِ بَيْنَ الْمُتَكَافِئَيْنِ عَادَةً، لِأَنَّ الشَّرِيفَةَ تَأْبَى أَنْ تَكُونَ مُسْتَفْرَشَةً لِلْخَسِيسِ فَلَا بُدَّ مِنْ اعْتِبَارِهَا، بِخِلَافِ جَانِبِهَا؛ لِأَنَّ الزَّوْجَ مُسْتَفْرِشٌ فَلَا تَغِيظُهُ دَنَاءَةُ الْفِرَاشِ .

ترجمہ

نکاح میں کفو کا اعتبار کیا جائے گا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''خواتین کی شادی صرف ان کے سرپرست کریں اور ان کی شادی صرف ان کے ہم پلہ لوگوں سے کی جائے''۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ عام طور پر مصالح ہم پلہ لوگوں کے درمیان ٹھیک رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے: یہ کسی بڑے خاندان کی عورت کسی کمتر حیثیت رکھنے والے شخص کے پہلو میں لیٹنے (یعنی اس کی بیوی بننے) سے انکار کر سکتی ہے' تو اس لئے کفو کا اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن عورت کے ہم پلہ ہونے کا حکم اس کے برخلاف ہے' اس کی وجہ یہ ہے: شوہر نے اسے اپنا فراش بنایا ہے' تو فراش کا کمتر ہونا اسے غضبناک نہیں کرے گا۔

(۱) اخرجه الدارقطنی (۲/۳۹۲) والبیهقی فی "السنن" (۷/۱۳۳) وقال الدار قطنی فیه مبشر بن عبید متروک الحدیث احادیثه لا یتابع علیها۔

نکاح کے کفو میں اتفاق مذاہب اربعہ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے نطفوں کے لئے (اچھی عورتوں کا) انتخاب کرو اور کفو عورتوں سے نکاح کرو اور کفو مردوں کے نکاح میں دو۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 125)

نفسِ مسئلہ کفاءت تو عقل اور نقل دونوں سے ثابت ہے، تفصیلات سے قطع نظر بجائے خود نکاح میں اُس کے معتبر ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

اس مسئلہ کا ماخذ متعدد احادیث ہیں۔ مثلاً لاتنکحوا النساء الا الاکفاء (دارقطنی ، بیھقی)

عورتوں کی شادیاں نہ کرو مگر اُن لوگوں کے ساتھ جو کفو ہوں۔ یا علی ثلاث لا تو خرھا ۔ الصلوۃ اذا ات ، والجنازۃ اذا حضرت ، والا یم اذا وجدت کفا (ترمذی، حاکم (اے علی (رضی اللہ عنہ) ! تین کام ہیں جن کو ٹالنا نہ چاہئے ایک نماز ، جب کہ اس کا وقت آجائے ، دوسرے جنازہ جب کہ تیار ہو جائے ، تیسرے بن بیاہی عورت کا نکاح جب کہ اس کے لیے کفو مل جائے ۔تخیروا لنطفکم و انکحوا الاکفاء

اپنی نسل پیدا کرنے کے لیے اچھی عورتیں تلاش کرو اور اپنی عورتوں کے نکاح ایسے لوگوں سے کرو جو ان کے کفو ہوں ۔(یہ حدیث حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) ، انس (رضی اللہ عنہ) ، عمر بن الخاطب (رضی اللہ عنہ) سے متعدد طریقوں سے مروی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ نے کتاب الآثار میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: لامنعن فروج ذوات الأحساب الامن الاکفاء

میں شریف گھرانوں کی عورتوں کے نکاح کفو کے سوا کہیں اور نہ کرنے دوں گا۔ یہ تو ہے اس مسئلے کی نقلی دلیل ۔ رہی عقلی دلیل تو عقل کا صریح تقاضا یہ ہے کہ کسی لڑکی کو کسی شخص کے نکاح میں دیتے وقت یہ دیکھا جائے کہ وہ شخص اس کے جوڑ کا ہے یا نہیں؟ اگر جوڑ کا نہ ہو تو یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ان دونوں کا نباہ ہو سکے گا۔

(۱) کفو (برابری) میں اعتبار کس کا ہوگا () کفو (برابری) کا اعتبار صرف مرد کی طرف سے ہے یعنی مرد عورت کے کفو میں ہونا چاہئے ، عورت اگر مرد کے کفو میں نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور ابتدائے نکاح میں کفو کا اعتبار ہوگا بعد میں کفو ختم ہو جائے تو کچھ حرج نہیں جیسے کوئی شخص نکاح کے وقت پرہیزگار تھا بعد میں بدکار ہو گیا تو یہ نکاح فسخ نہ ہوگا۔

فلا بد من اعتبار الكفاءة من جانب الرجل، لا من جانب المرأة؛ لأن الزوج لا يتأثر بعدم الكفاءة عادة .(الفقه الاسلامی وادلته رأى جمهور الفقهاء منهم المذاهب الأربعة)

(۲) کفائت کے لیے دین اور دیانت کے علاوہ کسی اور چیز میں زیادہ شدت نہیں برتی جائے گی اس لیے کہ اسلام میں حسب ونسب حسن و جمال ، مال و دولت اور پیشہ وغیرہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے یہ ساری چیزیں عارضی ہیں اور اصل چیز دین اور تقوی ہے (ان

تمام چیزوں میں کفواز دواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے پیش نظر رکھا گیا ہے لیکن ضروری قرار نہیں دیا گیا۔

کفاءت میں چھ چیزوں کے اعتبار کا بیان

کفاءت میں چھ چیزوں کا اعتبار ہے: ۱ نسب، ۲ اسلام، ۳ حرفہ، ۴ حریت، ۵ دیانت، ۶ مال۔

قریش میں جتنے خاندان ہیں وہ سب باہم کفو ہیں، یہاں تک کہ قرشی غیر ہاشمی ہاشمی کا کفو ہے اور کوئی غیر قرشی قریش کا کفو نہیں۔ قریش کے علاوہ عرب کی تمام قومیں ایک دوسرے کی کفو ہیں، انصار و مہاجرین سب اس میں برابر ہیں، عجمی النسل عربی کا کفو نہیں مگر عالم دین کہ اس کی شرافت نسب کی شرافت پر فوقیت رکھتی ہے۔

جو خود مسلمان ہوا یعنی اس کے باپ، دادا مسلمان نہ تھے وہ اس کا کفو نہیں جس کا باپ مسلمان ہو اور جس کا صرف باپ مسلمان ہو اس کا کفو نہیں جس کا دادا بھی مسلمان ہو اور باپ دادا دو پشت سے اسلام ہو تو اب دوسری طرف اگر چہ زیادہ پشتوں سے اسلام ہو کفو ہیں مگر باپ دادا کے اسلام کا اعتبار غیر عرب میں ہے، عربی کے لیے خود مسلمان ہوا یا باپ، دادا سے اسلام چلا آتا ہو سب برابر ہیں۔ (خانیہ، درمختار)

عدم کفائت کے باوجود نکاح

نکاح میں ایک اہم مسئلہ کفائت کا ہے۔ کفائت کا تعلق بنیادی طور پر عرف سے ہے۔ عرف میں بعض چیزوں کو سماجی اعتبار سے اونچ نیچ کا سبب مان لیا جاتا ہے۔ اگر اولیاء زیر ولایت لڑکی کا رشتہ نیچے سمجھے جانے والے لڑکے سے کر دیں تو یہ لڑکی کے لیے باعث عار ہوتا ہے اور اگر نکاح کرنے والا ولی باپ یا دادا نہ ہو تو اس کو مطالبہ تفریق کا حق حاصل ہے، اسی طرح اگر خود لڑکی اپنا رشتہ اپنے سے نیچی سطح کے لڑکے سے کرلے تو یہ بات اس کے اولیا کے لیے بھی باعث عار سمجھی جاتی ہے؛ لیکن عرف چوں کہ ایک تغیر پذیر چیز ہے؛ اس لیے کفائت کے معیارات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکی رشتے کے انتخاب کے لیے کسی اور معیار کو ترجیح دیتی ہے۔ مثلاً: ایک لڑکا خاندان کے اعتبار سے کم تر سمجھا جاتا ہو؛ لیکن اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہو اور معاشی اعتبار سے بھی وہ بہتر پوزیشن میں ہو تو بعض لڑکیاں تعلیمی اور معاشی معیار کو خاندان پر ترجیح دیتی ہیں، پس اگر لڑکی خود ایسا رشتہ کرلے جو غیر کفو میں ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

اس سلسلے میں حنفیہ کے یہاں دو قول ہیں، ایک یہ کہ نکاح منعقد ہو جائے گا؛ لیکن ولی کو اس پر اعتراض کرنے اور قاضی سے رجوع کر کے نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا۔ یہ ظاہر روایت ہے اور عام طور پر فتویٰ ظاہر روایت پر دیا جاتا ہے۔ لیکن متاخرین احناف کی رائے یہ ہے کہ ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا اور بعد کے فقہاء نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ جیسے جیسے لڑکیوں میں تعلیم کی شرح بڑھ رہی ہے، وہ نکاح میں اپنے حق اختیار کو استعمال کرنا چاہتی ہیں اور تعلیم، معاشی معیار اور مزاج کی ہم آہنگی کو وہ دوسری باتوں پر ترجیح دیتی ہیں۔ اس لیے بعض اوقات اولیا کے معیار کے

لحاظ سے غیر کفو میں نکاح کر لیتی ہیں، اولیا کو اگر چہ یہ رشتہ عدم کفائت کی وجہ سے پسند نہیں ہوتا؛ لیکن جب نکاح ہو جاتا ہے تو وہ اس پر خاموش ہو جانے میں ہی اپنی عزت کا تحفظ محسوس کرتے ہیں۔ اب اگر متاخرین کے فتویٰ کو لیا جائے تو نکاح منعقد نہیں ہوا اور ان کی زندگی معصیت کی زندگی قرار پاتی ہے۔

لہذا اگر چہ لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے رشتوں کے انتخاب میں اولیا کی رائے کو اہمیت دینی چاہیے؛ لیکن اگر عاقلہ بالغہ خاتون نے غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کر لیا تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہو جائے گا؛ البتہ اولیا کو قاضی کے یہاں مرافعہ کا حق حاصل ہوگا۔ اگر اولیا اس نکاح پر خاموش ہو جائیں تو نکاح نافذ رہے گا۔

غیر کفو میں نکاح کرنے والی عورت کا بیان

﴿وَاِذَا زَوَّجَتْ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا مِنْ غَيْرِ كُفْوٍ فَلِلْاَوْلِيَاءِ اَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَهُمَا﴾ دَفْعًا لِضَرَرِ الْعَارِ عَنْ اَنْفُسِهِمْ

ترجمہ

اگر کوئی عورت غیر کفو میں شادی کر لیتی ہے، تو اس کے اولیاء کو یہ حق حاصل ہوگا، وہ میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کروا دیں تاکہ اپنی ذات کو لاحق ہونے والے عار کو دور کر سکیں۔

غیر کفو میں ہونے والے نکاح میں فقہ حنفی کی اختلافی روایات

اگر عاقلہ بالغہ ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلے تو اس کے جواز اور عدمِ جواز یعنی ایسے نکاح کے انعقاد اور عدمِ انعقاد کے بارے میں ائمہ احناف سے دو قسم کی روایات منقول ہیں۔

(۱) احناف کی ظاہر الروایہ کے مطابق اس صورت میں (چونکہ دونوں عاقل و بالغ ہیں اور بنیادی طور پر شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے نکاح کیا ہے) نکاح منعقد ہو جائے گا۔ البتہ ولی کو اعتراض کا حق ہوگا اور وہ چاہے تو عدالت کے ذریعے اس نکاح کو ختم کرا سکتا ہے۔

(۲) احناف کی غیر ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ایسا نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا اس پر احکامِ نکاح لاگو نہ ہوں گے اور نہ ان نکاح کرنے والوں میں سے کسی پر حقوق عائد ہوں گے ان دونوں کو اپنی مرضی سے دوسری جگہ رشتہ کرنے کی اجازت ہوگی متاخرین فقہاء میں سے اکثر نے غیر ظاہر الروایہ پر فتویٰ دیا ہے جبکہ بعض دوسرے فقہاء نے ظاہر الروایہ پر فتویٰ دیا ہے احناف سے دونوں قسم کے فتاویٰ منقول ہیں۔

اس مسئلہ پر اختلاف علت کے اختلاف کی وجہ سے ہے یعنی ظاہر الروایہ کے مطابق فتویٰ کی علت اور ہے اور غیر ظاہر الروایہ کے مطابق فتویٰ کی علت اور ہے۔

ظاہر الروایۃ کے مطابق فتویٰ کی علت یہ ہے کہ : دونوں عاقل وبالغ ہیں دوسرے یہ کہ ان کو بحیثیت انسان اپنے مال اور اپنی ذات میں ولایت کا اختیار حاصل ہے اور انہوں نے انعقادِ نکاح کی بنیادی شرائط (ایجاب وقبول) کو گواہوں کے سامنے استعمال کیا ہے لہٰذا نکاح تو منعقد ہو جائے گا البتہ عورت نے شرعی اور عرفی لحاظ سے دو بڑی غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔

(۱) اس نے نکاح کے لئے غیر شرعی طریقہ استعمال کیا ہے یعنی ولی کے توسط اور سرپرستی میں نکاح نہیں کیا جو کہ غیر مہذبانہ اور غیر معروف طریقہ ہے۔

(۲) دوسری غلطی یہ کہ غیر کفو میں اس نے نکاح کیا ہے جس سے خاندانی رو سے ولی کی بے عزتی اور بے حرمتی ہوئی ہے۔ لہٰذا اس تلافی کے واسطے ولی کو حق ہوگا کہ اس نکاح کے بارہ میں سوچے اور غور کرے۔

اگر وہ غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ چونکہ یہ نکاح غیر شرعی طریقہ سے ہوا ہے اور اس میں ایک گونہ ہماری بے عزتی بھی ہوئی ہے اس لئے یہ نکاح نہیں ہونا چاہئے تو ولی بذریعہ عدالت لڑکے کے غیر کفو ہونے کو دو گواہوں سے ثابت کر کے نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔ جن حضرات نے غیر ظاہر الروایۃ کے مطابق فتویٰ دیا ہے ان کو نصوص اور روایات سے عاقلہ وبالغہ عورت کو نکاح کا اختیار معلوم ہوتا ہے انہوں نے ان سب نصوص وروایات کو تسلیم کرتے ہوئے زمانے کے بعض حالات کی بناء پر سد اللباب عدمِ انعقادِ نکاح کا فتویٰ دیا ہے اور وہ حالات یہ ہیں کہ بہت سے ولی ایسے ہیں جو عدالت اور اس کے طریقہ کار سے ناواقف ہیں لہٰذا اگر فسخ نکاح کے معاملہ کو ضروری قرار دیا جائے تو اس سے بہت بڑی دشواری اور پریشانی ہوگی فیصلہ بھی صحیح نہیں ہوگا حالاتِ متغیرہ کی بناء پر وہ عدمِ انعقادِ نکاح پر فتویٰ دیتے ہیں تاکہ عورتوں کی جانب سے غیر کفو میں نکاح کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ ان دونوں روایات پر مشائخ احناف کے فتاویٰ موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

اذا زوّجت المراۃ نفسها غیر کفوء کان للاولیاء من العصبة حق الفسخ ولایکون الفسخ لعدم الکفاءۃ الا عند القاضی لانه مجتهد فیه وکل واحد من الخصمین یتمسك بنوع دلیل وبقول عالم فلاتنقطع الخصومة الا بفصل من له ولایة علیهما کالفسخ بخیار البلوغ والرّد بالعیب بعد القبض (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

ثم المرأۃ اذا زوجت نفسها من غیر کفو صح النکاح فی ظاهر الروایة عن ابی حنیفةوهو قول ابی یوسف آخرا وقول محمد آخرا ایضا حتی انّ قبل التفریق یثبت فیه حکم الطلاق والظهار والایلاء والتوارث وغیر ذلك ولکن للاولیاء حق الاعتراض ۔ وروی الحسن عن ابیؒ حنیفة،ان النکاح لاینعقد وبه اخذ کثیر من مشائخنا رحمهم الله کذا فی المحیط والمختار فی زماننا للفتوی روایة الحسن۔ وقال الشیخ الامام شمس الائمة السرخسی ۔

روایة الحسن اقرب الی الاحتیاط کذا فی فتاویٰ قاضیخان فی فصل شرائط النکاح . وفی البزازیۃ ذکر برهان الائمة :ان الفتوی فی جواز النکاح بکرا کانت او ثیبا علی قول الامام اعظم وهذا اذا کان لها ولی فان لم یکن صح النکاح اتفاقا کذا فی النهر الفائق ولایکون التفریق بذلك الاعند القاضی اما بدون فسخ القاضی فلا ینفسخ النکاح بینهما وتکون هذه فرقة بغیر طل (فتاویٰ عالمگیری)

مگر جن حالات میں مشائخ نے غیر ظاہر الروایۃ کے مطابق فتویٰ دیا ہے وہ موجودہ زمانے سے مختلف تھے اب تو عدالت کے طریقہ کار سے نہ صرف لڑکی کے اولیاء واقف ہیں بلکہ خود لڑکیاں عدالت میں جا کر نکاح کر لیتی ہیں لہذا غیر کفو میں نکاح ہونے کی صورت میں اولیاء اگر اس نکاح پر راضی نہ ہوں تو انہیں بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی بلکہ نہایت آسانی سے لڑکے کے غیر کفو ہونے کو ثابت کر کے نکاح فسخ کرا سکتے ہیں اس لئے فتویٰ ظاہر الروایۃ کے مطابق دیا جاتا ہے۔ اسی طرح متاخرین فقہائے احناف میں سے بھی بعض نے ظاہر الروایۃ کے مطابق فتویٰ دیا ہے

(۱) عاقلہ وبالغہ کا تصرف عقد نکاح نصوص قرآنی کے مطابق ہے لہذا نکاح کو نافذ اور منعقد قرار نہ دینے میں نصوص کی مخالفت ہوتی ہے۔

(۲) احناف کے متون اربعہ میں اسی ظاہر الروایۃ کو اختیار کیا گیا ہے باقی یہ بات کہ فسخ نکاح کے لئے عدالت جانا ولی کے لئے ایک مستقل ضرر ہے تو نکاح کو باطل قرار دینے میں اس سے زیادہ ضرر ہے مثلاً : غیر کفو میں جو عاقلہ وبالغہ عورتیں بدوں اجازت ولی نکاح کرتی ہیں اکثر وبیشتر ان کے اپنے شوہروں سے تعلقات قائم ہو جاتے ہیں اگر نکاح کو باطل قرار دیا جائے تو اس کے نتیجے میں ان کے تعلقات کو ناجائز اور زنا کہنا پڑے گا جس اس میں زیادہ ضرر ہے اسی وجہ سے صاحب بدائع نے لکھا ہے۔

فی انفاذ النکاح وان کان ضررا للالیاء وفی عدم الانفاذ اکبر ضرراً

کن امور میں کفو اور برابری کو دیکھا جائے گا تو جاننا چاہیئے کہ شریعت میں جس طرح کفو و برابری میں حسب ونسب کا اعتبار کیا گیا ہے اسی طرح دیانت میں بھی کفو کا اعتبار کیا جائے گا یعنی دیندار عورت کا کفو دیندار مرد ہے فاسق وفاجر آدمی اس کا کفو نہیں ہے غرض یہ کہ عورت اور اس کے خاندان میں جس قدر دیانت اور دینداری ہوگی مرد اور اس کے خاندان میں بھی اس قدر دینداری کو دیکھا جائے گا تاکہ دونوں میں ہم آہنگی اور موافقت پیدا ہو ورنہ اختلاف پیدا ہوگا عدم موافقت کی وجہ سے رشتہ برقرار نہیں رہ سکے گا ظاہر ہے کہ عورت جب دیندار ہوگی تو وہ ہر عمل دین کی بنیاد پر کرنا چاہے گی شوہر اگر دیندار نہ ہو فاسق وفاجر ہو تو وہ ہر عمل میں لاپرواہی کا مظاہرہ کرے گا جس سے اختلاف پیدا ہونا ظاہر ہے اس لئے شریعت نے کہا کہ نکاح سے پہلے مرد کی دینداری کو دیکھا جائے گا۔

اعلم انه قال فی البحر :وقع لی تردد فیما اذا کانت صالحة دون ابیها او کان ابوها صالحاً دونها هل یکون الفاسق کفوالها اولا :فظاهر ها کلام الشارحین ان العبرة لصلاح ابیها وحدها فانهم قالوا لایکون

الفاسق کفوئا لبنت الصالحین واعتبر فی المجمع صلاحها فقال :فلایکون الفاسق کفوئا للصالحة .وفی الخانیه :لایکون الفاسق کفوئا للصالحة بنت الصالحین فاعتبر صلاح الکل ولم اره صریحاً . (فتاویٰ شامی کتاب النکاح باب الکفاۃ)

وفی الھندیة :کتاب النکاح .الکفاء ة تعتبر فی اشیاء (ومنھا الدیانة)تعتبر الکفاء ة فی الدیانة وھو قول ابی حنیفة وابی یوسف والصحیح کذا فی الھندیة فلایکون الفاسق کفوئا للصالحة کذا فی المجمع سواء کان معلن الفسق او لم یکن کذا فی المحیط .پھر کفاء ت فی الدیانة زیادۃِ دین ونقصان دین کا بھی شرع نے اعتبار کیا ہے عورت اگر قدیم زمانے سے مسلمان ہے تو نو مسلم مرد اس کا کفو نہیں ہے عورت اگر ولی سے اجازت لئے بغیر نو مسلم سے نکاح کرتی ہے تو غیر ظاہر الروایہ کے مطابق یہ نکاح نافذ نہ ہوگا جب کہ ظاہر الروایہ کے مطابق نکاح ہوجائے گا مگر ولی کو یہ نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا لہٰذا اس صورت میں اگر کسی فاسق وفاجر شخص نے کسی نیک وصالح لڑکی سے اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح منعقد ہوجائے گا البتہ ولی کو بذریعہ عدالت یہ نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہوگا۔

اہل تشیع کے نزدیک نکاح میں کفو کا مفہوم

بے جا توقعات کی ایک وجہ کفو کے صحیح مفہوم سے ناواقفیت ہے بہت سے لوگ بھت ساری چیزوں کو اپنی شان کی خصوصیت سمجھتے ھیں جن کی حیثیت تکلفات سے زیادہ نھیں ہے وہ کھتے ھیں کہ ھم اپنی لڑکی کی شادی کس طرح کریں ابھی تک ھمیں کوئی آئیڈیل لڑکا نھیں مل سکا یعنی مالدار ھو، بڑا خاندان ھو، زندگی کے جملہ وسائل فراھم ھوں۔

بعض افراد اس طرح کے قیود سے عاجز آچکے ھیں اور معاشرہ کو قصوروار قرار دیتے ھیں اور وہ خود اس بات سے غافل ھیں کہ اس طرح کا سماج خود انھیں نے تشکیل دیا ہے۔ اسلام میں کفو کا مطلب مال و دولت، جاہ و منصب اور مادیت کی برابری نھیں ہے بلکہ اگر وہ افراد دینی اور اخلاقی اعتبار سے برابر ھیں تو وہ ایک دوسرے کے کفو ھیں۔ (وسائل شیعہ، ج۱۴، ص ۵۱)

کفو نکاح میں اعتبار نسب کا بیان

﴿ثُمَّ الْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ فِي النَّسَبِ﴾ ؛ لِأَنَّهُ يَقَعُ بِهِ التَّفَاخُرُ ﴿فَقُرَيْشٌ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ ، وَالْعَرَبُ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ﴾ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ﴿قُرَيْشٌ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ بَطْنٌ بِبَطْنٍ ، وَالْعَرَبُ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ قَبِيلَةٌ بِقَبِيلَةٍ ، وَالْمَوَالِي بَعْضُهُمْ أَكْفَاءٌ لِبَعْضٍ رَجُلٌ بِرَجُلٍ﴾ (۱) وَلَا يُعْتَبَرُ التَّفَاضُلُ فِيمَا بَيْنَ قُرَيْشٍ لِمَا رَوَيْنَا .وَعَنْ مُحَمَّدٍ كَذَلِكَ إلَّا أَنْ يَكُونَ نَسَبًا مَشْهُورًا كَأَهْلِ بَيْتِ

الْخِلَافَةِ ، كَأَنَّهُ قَالَ تَعْظِيمًا لِلْخِلَافَةِ وَتَسْكِينًا لِلْفِتْنَةِ . وَبَنُو بَاهِلَةَ لَيْسُوا بِأَكْفَاءَ لِعَامَّةِ الْعَرَبِ ؛ لِأَنَّهُمْ مَعْرُوفُونَ بِالْخَسَاسَةِ .

ترجمہ

پھر کفو ہونا نسب میں معتبر ہوگا' کیونکہ اسی کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے فخر کیا جاتا ہے۔ پس قریش ایک دوسرے کا کفو ہوں گے' اور عرب ایک دوسرے کا کفو ہوں گے۔ اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بنیادی اصل ہے۔ ''قریش ایک دوسرے کا کفو ہیں ایک بطن دوسرے بطن سے ہے اور عرب ایک دوسرے کا کفو ہیں۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے متعلق ہے اور موالی ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ ایک آدمی دوسرے کا کفو ہے''۔ اس بارے میں وہ باہمی فضیلت معتبر نہیں ہوگی' جو قریش کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے' جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ امام محمد سے یہ روایت منقول ہے: اگر اس کا نسب مشہور ہو جائے جیسے خلفاء کے خاندان کی خواتین ہیں (تو حکم مختلف ہوگا)۔

امام محمد نے یہ بات خلافت کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے بیان کی ہے اور فتنے کو دور کرنے کے لئے بیان کی ہے۔ ''بنو باہلہ'' عربوں کے کفو نہیں ہیں' کیونکہ وہ کمتر ہونے کے حوالے سے مشہور ہیں۔

شرح

(۱) اخرجه الحاكم بنحوه عن عبدالله بن عمر۔ والبيهقي في "السنن الكبرى" ۱۳٤/۷ والصفاني هو محمد ابن اسحاق كما في "بغية الالمعي" ۱۹۷/۳ وبه راولم يسم عن ابن جريج وقد اخرجه ابن عدي من طريق علي بن عروة عن ابن جريج وعلي ضعيف جدا۔ وروي من طرق كلها ضعيفة انظر "نصب الراية" ۱۹۷/۳۔۱۹۸ و "الدراية" ۶۳/۲

کفاءت کے اعتبار میں فقہی اجماع کا بیان

کافر مسلمان کا کفو نہیں ہو سکتا بعضوں نے کفاءت میں صرف دین کا اتحاد کافی سمجھا ہے اور کسی بات کی ضرورت نہیں مثلاً سید، شیخ، مغل، پٹھان جو مسلمان ہو وہ سب ایک دوسرے کے کفو ہیں لیکن جمہور علماء کے نزدیک (اسلام کے بعد) کفاءت میں نسب اور خاندان کا بھی لحاظ ہونا چاہئے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ قریش ایک دوسرے کے کفو ہیں دوسرے عرب ان کے کفو نہیں ہیں۔ شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک اگر ولی راضی ہوں تو غیر کفو میں بھی نکاح صحیح ہے مگر ایک ولی بھی اگر ناراض ہو تو نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔

سیدہ کا غیر سید سے نکاح کا فقہی مسئلہ

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ **ينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضائها و ان لم يعقد عليها ولي.** ہر آزاد عقل مند بالغ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر بھی نکاح کرے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ احناف اور دیگر ائمہ نے کفو کا اعتبار کیا

ہے۔انہوں نے بھی کبھی کہیں یہ نہیں فرمایا کہ غیر کفو میں نکاح نہیں ہوتا بلکہ یہ فرمایا کہ بالغ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے اور باپ یا دادا سے اجازت نہ لے تو ان حضرات کو اعتراض کا حق ہے اور وہ قاضی کے پاس تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر سکتے ہیں، اگر نکاح ہی نہیں ہوتا تو اعتراض کس کا۔(بدائع الصنائع، 2/318)

باپ اور دادا کی اجازت سے تو غیر کفو میں نکاح ناجائز ہونا کسی کے قول سے ثابت نہیں ہے، سب کے نزدیک جائز ہے۔ قرآن مجید میں جن رشتوں کو حرام قرار دیا گیا ہے اس میں سیدہ کا غیر سید سے نکاح نہ ہونے کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی حدیث پاک میں ہے۔فتاویٰ رضویہ گیارہویں جلد میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ فتویٰ موجود ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں، براہ کرم جواب سے مع دلائل نقلی کے مشرف وممتاز فرمائیں (۱) ایک عورت ہے جونسبی سیدہ ہے اس سے کسی شخص نے جونسبا سید نہیں ہے نکاح کیا تو اس کو لوگ کافر کہتے ہیں تو کیا شخص مذکورہ کافر ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کہنے والوں پر شریعت کا کیا حکم ہے؟(۲) عورت بالغہ جونسبا سیدہ ہے باکرہ ہو یا ثیبہ یا مطلقہ کسی شخص سے جونسبا سید نہیں ہے نکاح کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟(۳) مرد غیر سید نے سیدہ عورت سے نکاح کیا اور اگر وہ نکاح جائز ہوا تو جو اولاد کہ اس سے پیدا ہوگی وہ نسبا سید کہلائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

امام احمد رضا حنفی بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

الجواب(۱) حاشا للہ اسے کفر سے کیا علاقہ، کافر کہنے والوں کو تجدید اسلام چاہئے کہ بلاوجہ مسلمان کو کافر کہتے ہیں، امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کہ بطن پاک حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا سے تھیں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں دیں اور ان سے حضرت زید بن عمر پیدا ہوئے اور امیر المومنین نسبا سادات سے نہیں۔(۲) سیدہ عاقلہ بالغہ اگر ولی رکھتی ہے تو جس کفو سے نکاح کرے گی ہو جائے گا اگرچہ سید نہ ہو مثلاً شیخ صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا علوی یا عباسی، اور اگر غیر کفو سے بے اجازت صریحہ ولی نکاح کرے گی تو نہ ہوگا جیسے کسی شیخ انصاری یا مغل، پٹھان سے مگر جبکہ وہ معزز عالم دین ہو،(۳) جب باپ سید نہ ہو اولاد سید نہیں ہو سکتی اگرچہ ماں سیدانی ہو۔(فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔

اگر کسی نے اپنا نسب چھپایا اور دوسرا نسب بتادیا بعد کو معلوم ہوا تو اگر اتنا کم درجہ ہے کہ کفو نہیں تو عورت اور اس کے اولیا کو حق فسخ حاصل ہے اور اگر اتنا کم نہیں کہ کفو نہ ہو تو اولیا کو حق نہیں ہے عورت کو ہے اور اگر اس کا نسب اس سے بڑھ کر ہے جو بتایا تو کسی کو نہیں۔ عورت نے شوہر کو دھوکا دیا اور اپنا نسب دوسرا بتایا تو شوہر کو حق فسخ نہیں، چاہے رکھے یا طلاق دیدے۔اگر غیر کفو سے عورت نے خود یا اس کے ولی نے نکاح کردیا مگر اس کا غیر کفو ہونا معلوم نہ تھا اور کفو ہونا اس نے ظاہر بھی نہ کیا تھا تو فسخ کا اختیار نہیں۔ پہلی صورت میں عورت کو نہیں، دوسری میں کسی کو نہیں۔عورت مجھولۃ النسب سے کسی غیر شریف نے نکاح کیا، بعد میں کسی قرشی نے دعویٰ کیا کہ یہ میری لڑکی ہے اور قاضی نے اس کی بیٹی ہونے کا حکم دے دیا تو اس شخص کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

(عالمگیری، کتاب النکاح)

امام حاکم شہید کی کافی میں ہے کہ قریش ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں، اور عرب ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں مگر قریش کے لئے کفو نہیں اسلام میں اگر کسی کے دو باپ یعنی باپ دادا، یا تین باپ آزادی میں ہو گزرے ہوں وہ ایک دوسرے کے کفو ہوں گے لیکن عربوں کے کفو نہیں ہوں گے۔ شامی

امام احمد رضا حنفی بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:۔

سید ہر قوم کی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور سیدانی کا نکاح قریش کے ہر قبیلہ سے ہو سکتا ہے خواہ علوی ہو یا عباسی یا جعفری یا صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا اموی، رہے غیر قریش جیسے انصاری یا مغل یا پٹھان ان میں جو عالم دین معظم مسلمین ہو اس سے مطلقاً نکاح ہو سکتا ہے ورنہ اگر سیدانی نابالغہ ہے اور اس غیر قریشی کے ساتھ اس کا نکاح کرنے والا ولی باپ یا دادا نہیں تو نکاح باطل ہوگا اگرچہ چچا یا سگا بھائی کرے، اور اگر باپ دادا اپنی کسی لڑکی کا نکاح ایسے ہی پہلے کر چکے ہیں تو اب ان کے کئے بھی نہ ہو سکے گا اور اگر بالغہ ہے اور اس کا کوئی ولی نہیں تو وہ اپنی خوشی سے اس غیر قریشی سے اپنا نکاح کر سکتی ہے، اور اگر اس کا کوئی ولی یعنی باپ دادا پردادا ان کی اولاد و نسل سے کوئی مرد موجود ہے اور اس نے پیش از نکاح اس شخص کو غیر قرشی جان کر صراحۃً اس نکاح کی اجازت دے دی جب بھی جائز ہوگا، ورنہ بالغہ کا کیا ہوا بھی باطل محض ہوگا۔ ان تمام مسائل کی تفصیل درمختار و ردالمحتار وغیرہما کتب معتمدہ مذہب اور فقیر کے فتاوی میں متعدد جگہ ہے۔ (فتاوی رضویہ، کتاب النکاح)

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔

ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نسب کا علم حاصل کرو تا کہ صلہ رحمی کر سکو صلہ رحمی سے لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے تمہارے مال اور تمہاری زندگی میں اللہ برکت دے گا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے پھر فرمایا حسب نسب اللہ کے ہاں نہیں چلتا وہاں تو فضیلت، تقوی اور پرہیزگاری سے ملتی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ بزرگ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو لوگوں نے کہا ہم یہ عام بات نہیں پوچھتے فرمایا پھر سب سے زیادہ بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود نبی تھے نبی زادے تھے دادا بھی نبی تھے پردادا تو خلیل اللہ تھے انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ فرمایا پھر عرب کے بارے میں پوچھتے ہو؟ سنو! ان کے جو لوگ جاہلیت کے زمانے میں ممتاز تھے وہی اب اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں جب کہ وہ علم دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔

صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر سے فرمایا خیال رکھ کہ تو کسی سرخ و سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا ہاں تقوی میں بڑھ جا تو فضیلت ہے۔ طبرانی میں ہے مسلمان سب آپس میں بھائی ہیں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوی کے ساتھ۔ مسند بزار میں ہے تم

سب اولاد آدم ہو اور خود حضرت آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں لوگو اپنے باپ دادوں کے نام پر فخر کرنے سے باز آ ؤ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریت کے تودوں اور آبی پرندوں سے بھی زیادہ ہلکے ہو جاؤ گے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر طواف کیا اور ارکان کو آپ اپنی چھڑی سے چھو لیتے تھے۔ پھر چونکہ مسجد میں اس کے بٹھانے کو جگہ نہ ملی تو لوگوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ اتارا اور اونٹنی بطن مسیل میں لے جا کر بٹھایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد وثنا بیان کر کے فرمایا لوگو اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے کی رسم اب دور کر دی ہے۔

پس انسان دو ہی قسم کے ہیں یا تو نیک پرہیزگار جو اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں یا بدکار غیر متقی جو اللہ کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ تمہارے نسب نامے دراصل کوئی کام دینے والے نہیں تم سب بالکل برابر کے حضرت آدم کے لڑکے ہو کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہاں فضیلت دین وتقویٰ سے ہے انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ وہ بدگو، بخیل، اور فحش کلام ہو۔ ابن جریر کی اس روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسب نسب کو قیامت کے دن نہ پوچھے گا تم سب میں سے زیادہ بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام منبر پر تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بہتر کون ہے ؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ مہمان نواز سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا سب سے زیادہ بری بات سے روکنے والا سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے۔

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی کوئی چیز یا کوئی شخص کبھی بھلا نہیں لگتا تھا مگر تقوے والے انسان کے اللہ تمہیں جانتا ہے اور تمہارے کاموں سے بھی خبردار ہے ہدایت کے لائق جو ہیں انہیں راہ راست دکھاتا ہے اور جو اس لائق نہیں وہ بےراہ ہو رہے ہیں۔ رحم اور عذاب اس کی مشیت پر موقوف ہیں فضیلت اس کے ہاتھ ہے جسے چاہے جس پر چاہے بزرگی عطا فرمائے یہ تمام امور اس کے علم اور اس کی خبر پر مبنی ہیں۔ اس آیت کریمہ اور ان احادیث شریفہ سے استدلال کر کے علماء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں قومیت اور حسب نسب کی شرط نہیں سوائے دین کے اور کوئی شرط معتبر نہیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ ہم نسبی اور قومیت بھی شرط ہے اور ان کے دلائل ان کے سوا اور ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں اور ہم بھی انہیں کتاب الاحکام میں ذکر کر چکے ہیں فالحمد اللہ۔

طبرانی میں حضرت عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انہوں نے بنو ہاشم میں سے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ نسبت اور تمام لوگوں کے بہت زیادہ قریب ہوں پس فرمایا تیرے سوا میں بھی بہت زیادہ قریب ہوں ان سے بہ نسبت تیرے جو تجھے آپ سے نسبت ہے۔

موالی کے کفو نکاح ہونے کا فقہی بیان

﴿وَاَمَّا الْمَوَالِي فَمَنْ كَانَ لَهُ اَبَوَانِ فِي الْاِسْلَامِ فَصَاعِدًا فَهُوَ مِنَ الْاَكْفَاءِ﴾ يَعْنِي لِمَنْ لَهُ آبَاءٌ فِيهِ. وَمَنْ اَسْلَمَ بِنَفْسِهِ اَوْ لَهُ اَبٌ وَاحِدٌ فِي الْاِسْلَامِ لَا يَكُوْنُ كُفُوًا لِمَنْ لَهُ اَبَوَانِ فِي الْاِسْلَامِ ؛ لِاَنَّ تَمَامَ النَّسَبِ بِالْاَبِ وَالْجَدِّ ، وَاَبُو يُوْسُفَ اَلْحَقَ الْوَاحِدَ بِالْمُثَنَّى كَمَا هُوَ مَذْهَبُهُ فِي التَّعْرِيفِ. وَمَنْ اَسْلَمَ بِنَفْسِهِ لَا يَكُوْنُ كُفُوًا لِمَنْ لَهُ اَبٌ وَاحِدٌ فِي الْاِسْلَامِ ؛ لِاَنَّ التَّفَاخُرَ فِيمَا بَيْنَ الْمَوَالِي بِالْاِسْلَامِ. وَالْكَفَاءَةُ فِي الْحُرِّيَّةِ نَظِيرُهَا فِي الْاِسْلَامِ فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا ؛ لِاَنَّ الرِّقَّ اَثَرُ الْكُفْرِ وَفِيهِ مَعْنَى الذُّلِّ فَيُعْتَبَرُ فِي حُكْمِ الْكَفَاءَةِ

ترجمہ

جہاں تک عجمیوں کا تعلق ہے تو جس شخص کے دو باپ (یعنی باپ دادا) مسلمان ہوں یا اس سے زیادہ ہوں وہ اس کے ہم پلہ شمار ہوں گے یعنی اس شخص کے جس کے آباؤ اجداد اسلام میں رہے ہوں اور جو شخص بذات خود مسلمان ہوا' یا اس کا ایک باپ مسلمان ہوا (یعنی دادا مسلمان نہیں تھا) تو وہ شخص اس کا کفو نہیں ہوگا جس کے باپ' دادا مسلمان ہوں' کیونکہ نسب باپ' دادا کی وجہ سے مکمل ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف ایک کو دو کے ساتھ شامل کرتے ہیں جیسا کہ تعریف میں ان کا مذہب ہے۔ جو شخص بذات خود مسلمان ہوا ہو' وہ اس کا کفو نہیں ہو سکتا جس کا باپ مسلمان ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے: عجمیوں کے درمیان اسلام کی وجہ سے ایک دوسرے کے سامنے فخر کا پہلو پایا جاتا ہے۔ آزاد ہونے میں بھی کفو ہونا چاہئے اور اس کی دلیل وہ تمام صورتیں ہیں جو اسلام کے بارے میں ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے: غلام ہونا کفر کا اثر ہے اور اس میں کمتر ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے' تو اس بارے میں ہم پلہ ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔

شرح

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ مکہ میں ایک شخص نے ام قیس نامی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ ام قیس نے یہ شرط رکھی اگر تم مدینہ ہجرت کر کے چلو تو تم سے نکاح کر لوں گی۔ انہوں نے ہجرت کی اور ان دونوں کا نکاح ہو گیا۔ ان کو ہم لوگ مہاجرام قیس کہتے تھے۔ (طبرانی معجم کبیر)

اس پر علامہ ابن حجر نے اعتراض فرمایا کہ محض قیاس ہے۔ اس واقعہ کو سبب ارشاد ٹھہرانا درست نہیں اس لئے کہ روایتاً ثبوت ضروری ہے۔ اور روایت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

اسی طرح ابن بطال مشہور محدث نے بحوالہ ابن سراج یہ بتایا کہ اسلام سے پہلے عربی اپنی لڑکیوں کا نکاح عجمی نسل کے لوگوں

سے نہیں کرتے تھے۔اسلام میں ایسے نکاح ہونے لگے تو بہت سے عجمی النسل ہجرت کر کے مدینہ پہنچے کہ ہمارا نکاح عربی عورتوں سے ہوجائے۔اس پر یہ ارشاد فرمایا۔اسپر وہی ایراد ہے کہ اس کا کیا ثبوت کہ اسی وجہ سے یہ ارشاد فرما؟ یا یہ کہنا کہ ان لوگوں نے ایسی روایت پر اطلاع پائی جبھی تو اسے سبب ٹھہرایا۔یہ جواب پہلی وجہ میں بھی چل سکتا ہے کہ جن لوگوں نے مہاجر قیس کے واقعہ کو سبب ٹھہرایا انہیں بھی کوئی روایت معتمد ملی ہوگی۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جو خود مسلمان ہوا یعنی اس کے باپ، دادا مسلمان نہ تھے وہ اس کا کفو نہیں جس کا باپ مسلمان ہو اور جس کا صرف باپ مسلمان ہوا اس کا کفو نہیں جس کا دادا بھی مسلمان ہو اور باپ دادا دو پشت سے اسلام ہو تو اب دوسری طرف اگر چہ زیادہ پشتوں سے اسلام ہو کفو ہیں مگر باپ دادا کے اسلام کا اعتبار غیر عرب میں ہے، عربی کے لیے خود مسلمان ہوا یا باپ، دادا سے اسلام چلا آتا ہو سب برابر ہیں۔اور مرتد اگر اسلام لایا تو وہ اس مسلمان کا کفو ہے جو مرتد نہ ہوا تھا۔(درمختار، کتاب النکاح)

امام احمد رضا حنفی بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

البتہ غیر کفو کے معنی شرعا یہ ہیں کہ مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم ہو کہ اسکے ساتھ اس کا نکاح اسکے اولیاء کیلئے واقعی باعث ننگ وعار ہو نہ کہ بعض جاہلانہ خیالات پر، بعض عوام میں دستور ہے کہ خاص اپنے ہم قوم کو اپنا کفو سمجھتے ہیں، دوسری قوم والے کو اگر چہ ان سے کسی بات میں کم نہ ہو غیر کفو کہتے ہیں اس کا شرعا لحاظ نہیں جیسے شیخ صدیقی ہو شیخ فاروقی کو اپنا کفو نہ جانے یا سید ہو اور وہ شیخ صدیقی یا فاروقی یا قریشی کو اپنا کفو نہ سمجھے حالانکہ حدیث میں ہے۔قریش بعضهم اكفاء بعض، بعض قریش بعض کے لئے کفو ہیں۔(فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح)

دین داری میں کفو ہونا

قَالَ ﴿وَتُعْتَبَرُ اَيْضًا فِي الدِّيْنِ﴾ اَیْ الدِّيَانَةِ ، وَهٰذَا قَوْلُ اَبِي حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هُوَ الصَّحِيْحُ ؛ لِاَنَّهُ مِنْ اَعْلَى الْمَفَاخِرِ ، وَالْمَرْاَةُ تُعَيَّرُ بِفِسْقِ الزَّوْجِ فَوْقَ مَا تُعَيَّرُ بِضَعَةِ نَسَبِهِ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ :لَا تُعْتَبَرُ ؛ لِاَنَّهُ مِنْ اُمُوْرِ الْاٰخِرَةِ فَلَا تُبْتَنٰى عَلَيْهِ اَحْكَامُ الدُّنْيَا اِلَّا اِذَا كَانَ يُصْفَعُ وَيُسْخَرُ مِنْهُ اَوْ يَخْرُجُ اِلَى الْاَسْوَاقِ سَكْرَانَ وَيَلْعَبُ بِهِ الصِّبْيَانُ ؛ لِاَنَّهُ مُسْتَخَفٌّ بِهِ .

ترجمہ

مصنف فرماتے ہیں: اس بارے میں دین کا بھی اعتبار کیا جائے گا یعنی دیندار ہونے کا' یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے ہے اور یہی بات درست ہے' کیونکہ یہ سب سے بڑی قابل فخر چیز ہے اور کوئی بھی عورت کسی گنہگار شوہر کی وجہ سے عار محسوس

کرے گی اس سے زیادہ جتنی عار وہ کمتر نسب کی وجہ سے محسوس کرے گی۔ امام محمد فرماتے ہیں: یہ چیز معتبر نہیں ہوگی کیونکہ اس کا تعلق آخرت کے امور سے ہے تو دنیاوی احکام اس پر مبنی نہیں ہوں گے۔ تاہم اگر وہ کوئی ایسا شخص ہو جسے طمانچے مارے جاتے ہوں یا اس کا مذاق اڑایا جاتا ہو یا اسے بازار کی طرف نشے کی حالت میں لایا گیا ہو یا وہ بچوں کے ساتھ کھیلتا ہو (تو حکم مختلف ہوگا) کیونکہ یہ اس کے حقیر ہونے کی دلیل ہے۔

نکاح میں دینداری کا ترجیح دینے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت سے چار سبب سے نکاح کیا جاتا ہے، اس کے مال کے لئے، اس کے حسب ونسب، اس کے جمال وخوبصورتی کے لئے اور دین کے لئے۔ پس تو دیندار (سے نکاح کرکے) کامیابی حاصل کر، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ (صحیح مسلم، کتاب النکاح)

حضرت سہل بن سعد ساعدی نے بیان کیا کہ ایک صاحب (جو مالدار تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس موجود صحابہ سے پوچھا کہ یہ کیسا شخص ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجے تو اس سے نکاح کیا جائے، اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے، اگر کوئی بات کہے تو غور سے سنی جائے۔ سہل نے بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر چپ ہو رہے۔ پھر ایک دوسرے صاحب گزرے، جو مسلمانوں کے غریب اور محتاج لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ اس قابل ہے کہ اگر کسی کے یہاں نکاح کا پیغام بھیجے تو اس سے نکاح نہ کیا جائے اگر کسی کی سفارش کرے تو اسکی سفارش قبول نہ کی جائے، اگر کوئی بات کہے تو اسکی بات نہ سنی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا، یہ شخص اکیلا پہلے شخص کی طرح دنیا بھر سے بہتر ہے۔ (بخاری)

معلوم ہوا کہ کفو میں دراصل دینداری ہونا ضروری ہے، کوئی بے دین آدمی کتنا ہی بڑا مالدار ہو ایک دیندار عورت کا کفو نہیں ہوسکتا۔ یہی حکم مردوں کے لئے ہے۔ بہتر ہونے کا مطلب یہ کہ اس مالدار کی طرح اگر دنیا بھر کے لوگ فرض کئے جائیں تو ان سب سے یہ اکیلا غریب شخص درجہ میں بڑھ کر ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ غریب دیندار لوگ مالداروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

عجمی عالم، جاہل عربی کا کفو ہوگا کیونکہ علمی شرافت اقوی وارفع ہے، اور یوں ہی عالم فقیر ہو تو وہ جاہل غنی کا کفو ہوگا اور یوں ہی غیر قرشی عالم جاہل علوی اور جاہل قرشی کا کفو بنے گا۔

فتح القدیر اور نہر وغیرہما میں جامع الامام قاضی خان سے منقول ہے کہ عجمی عالم، جاہل عربی اور جاہل علوی کا کفو ہے کیونکہ علمی شرافت نسبی پر غالب ہے، اھ۔ نہر اور در میں ہے کہ بزازی نے اس پر جزم کیا ہے اور کمال وغیرہ نے اس کو پسند فرمایا ہے اور اس کی

وجہ ظاہر ہے۔

محیط میں ہے کہ عالم، علوی لڑکی کا کفو ہے کیونکہ عہدہ کی شرافت اقوی ہے الخ، اور فرمایا کہ رملی نے مزید ذکر کیا کہ محیط، بزازیہ، فیض، جامع الفتاوی اور درر نے اس پر جزم کیا ہے،

اور فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: علماء کو عام مومنین پر سات سو درجات برتری ہے اور ہر دو درجوں میں پانچ سو سال کا سفر ہے اور اس پر اجماع ہے اور تمام علمی کتب، قرشی پر عالم کے تقدم میں متفق ہیں، جبکہ اللہ تعالی نے اپنے ارشاد " کیا عالم اور جاہل برابر ہیں " میں قرشی اور غیر قرشی کی کوئی تفریق نہیں فرمائی۔

(ردمحتار، کتاب النکاح)

مال کے اعتبار سے کفو ہونے کا بیان

قَالَ ﴿وَ﴾ تُعْتَبَرُ ﴿فِي الْمَالِ وَهُوَ اَنْ يَكُوْنَ مَالِكًا لِلْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ﴾ وَهٰذَا هُوَ الْمُعْتَبَرُ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ ، حَتّٰى اِنَّ مَنْ لَّا يَمْلِكُهُمَا اَوْ لَا يَمْلِكُ اَحَدَهُمَا لَا يَكُوْنُ كُفْوًا ؛ لِاَنَّ الْمَهْرَ بَدَلُ الْبُضْعِ فَلَا بُدَّ مِنْ اِيْفَائِهٖ وَبِالنَّفَقَةِ قِوَامُ الْاِزْدِوَاجِ وَدَوَامُهٗ .وَالْمُرَادُ بِالْمَهْرِ قَدْرُ مَا تَعَارَفُوْا تَعْجِيْلَهٗ ؛ لِاَنَّ مَا وَرَاءَهٗ مُؤَجَّلٌ عُرْفًا .وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهُ اعْتَبَرَ الْقُدْرَةَ عَلَى النَّفَقَةِ دُوْنَ الْمَهْرِ ؛ لِاَنَّهٗ تَجْرِي الْمُسَاهَلَةُ فِي الْمَهْرِ وَيُعَدُّ الْمَرْءُ قَادِرًا عَلَيْهِ بِيَسَارِ اَبِيْهِ .

ترجمہ

مال میں بھی (کفو ہونے) کا اعتبار کیا جائے گا اور اس سے مراد یہ ہے: وہ شخص مہر اور خرچ کی ادائیگی کا مالک ہو۔ ظاہر روایت کے مطابق یہ بات معتبر ہے: یہاں تک کہ جو شخص ان دونوں کا مالک نہ ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک چیز کا مالک نہ ہو تو وہ کفو نہیں ہوگا' کیونکہ مہر بضع کا بدل ہے' تو اس کی ادائیگی ضروری ہے اور خرچ کے ذریعے کاروبار حیات چلتا ہے اور برقرار رہتا ہے۔ مہر سے مراد وہ مقدار ہے' جو عام رواج کے مطابق جلدی ادا کی جاسکتی ہے' کیونکہ اس سے زیادہ جو ہوگا وہ عام روایت کے حساب سے مؤجل ہوگا۔ امام ابویوسف سے یہ روایت منقول ہے: انہوں نے صرف خرچ کی ادائیگی پر قادر ہونے کا اعتبار کیا ہے مہر کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ مہر میں سہولت فراہم کرنے کا رواج جاری ہے' یا مرد کا باپ صاحب حیثیت ہو' تو مرد کو مہر کی ادائیگی پر قادر شمار کیا جاتا ہے۔

مال وپیشہ کے کفو ہونے میں فقہی جزئیات

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جن لوگوں کے پیشے ذلیل سمجھے جاتے ہوں وہ اچھے پیشہ والوں کے کفونہیں، مثلاً جوتا بنانے والے، چمڑا پکانے والے، سائیس، چرواہے یہ ان کے کفو نہیں جو کپڑا بیچتے، عطر فروشی کرتے، تجارت کرتے ہیں اور اگر خود جوتا نہ بناتا ہو بلکہ کارخانہ دار ہے کہ اس کے یہاں لوگ نوکر ہیں یہ کام کرتے ہیں یا دکاندار ہے کہ بنے ہوئے جوتے لیتا اور بیچتا ہے تو تاجر وغیرہ کا کفو ہے۔ یونہی اور کاموں میں۔ ناجائز محکموں کی نوکری کرنے والے یا وہ نوکریاں جن میں ظالموں کا اتباع کرنا ہوتا ہے، اگر چہ یہ سب پیشوں سے رذیل پیشہ ہے اور علمائے متقدمین نے اس بارہ میں یہی فتویٰ دیا تھا کہ اگر چہ یہ کتنے ہی مالدار ہوں، تاجر وغیرہ کے کفو نہیں مگر چونکہ کفاءت کا مدار عرف دنیوی پر ہے اور اس زمانہ میں تقویٰ و دیانت پر عزت کا مدار نہیں بلکہ اب تو دنیوی وجاہت دیکھی جاتی ہے اور یہ لوگ چونکہ عرف میں وجاہت والے کہے جاتے ہیں، لہٰذا علمائے متاخرین نے ان کے کفو ہونے کا فتویٰ دیا جب کہ ان کی نوکریاں عرف میں ذلیل نہ ہوں۔ اوقاف کی نوکری بھی منجملہ پیشہ کے ہے، اگر ذلیل کام پر نہ ہو تو تاجر وغیرہ کا کفو ہو سکتا ہے۔ یونہی علم دین پڑھانے والے تاجر وغیرہ کے کفو ہیں، بلکہ علمی فضیلت تو تمام فضیلتوں پر غالب ہے کہ تاجر وغیرہ عالم کے کفو نہیں۔ (ردمحتار، کتاب النکاح)

کفاءت کا مدار عرف دنیوی پر ہے، قاعدہ فقہیہ

کفاءت کا مدار عرف دنیوی پر ہے۔ اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کفو ہونے میں جتنے بھی اعتبار کیے جاتے ہیں جن کا تعلق دنیا سے ہے۔ جس طرح مال، پیشہ وتجارت کے دیگر ذرائع ہیں ان تمام دنیاوی شعبہ جات میں دنیاوی عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ کہ اہل دنیا کس شعبہ کو ترجیح دیتے ہیں اور کس شعبہ کو حقیر جانتے ہیں۔ لہذا نکاح کے احکام میں عرف دنیا کے اعتبار سے کفو کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی قاعدے کے مطابق دنیاوی شعبہ جات متعلق کی جزئیات کا انطباق کیا جائے گا۔

خوشحالی کے اعتبار سے کفو ہونے کا بیان

فَاَمَّا الْكَفَاءَةُ فِي الْغِنٰى فَمُعْتَبَرَةٌ فِي قَوْلِ اَبِي حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ حَتّٰى اِنَّ الْفَائِقَةَ فِي الْيَسَارِ لَا يُكَافِئُهَا الْقَادِرُ عَلَى الْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ ؛ لِاَنَّ النَّاسَ يَتَفَاخَرُوْنَ بِالْغِنٰى وَيَتَعَيَّرُوْنَ بِالْفَقْرِ .وَقَالَ اَبُو يُوْسُفَ :لَا يُعْتَبَرُ ؛ لِاَنَّهُ لَا ثَبَاتَ لَهُ اِذِ الْمَالُ غَادٍ وَرَائِحٌ

ترجمہ

بہر حال جہاں تک صاحب حیثیت ہونے کے حوالے سے کفو کا تعلق ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے قول کے مطابق اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک مالدار عورت کا کفو وہ شخص نہیں ہوگا جو صرف مہر اور نفقے کی ادائیگی پر قادر ہو اس کی وجہ یہ ہے۔ وہ صاحب حیثیت ہونے کو بھی کفو کی وجہ خیال کرتے ہیں اور افلاس اور تنگدستی کو شرمندگی سمجھتے ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔ اس

بارے میں صاحب حیثیت ہونے کا اعتبار نہیں ہوگا' کیونکہ اسے کوئی ثبات نہیں ہے' کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے۔

کفاءت مال وخوشحالی کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مال میں کفاءت کے یہ معنی ہیں کہ مرد کے پاس اتنا مال ہو کہ مہر معجل اور نفقہ دینے پر قادر ہو۔ اگر پیشہ نہ کرتا ہو تو ایک ماہ کا نفقہ دینے پر قادر ہو، ورنہ روز کی مزدوری اتنی ہو کہ عورت کے روز کے ضروری مصارف روز دے سکے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ مال میں یہ اس کے برابر ہو۔

مرد کے پاس مال ہے مگر جتنا مہر ہے اتنا ہی اس پر قرض بھی ہے اور مال اتنا ہے کہ قرض ادا کر دے یا دَینِ مہر تو کفو ہے۔ عورت محتاج ہے اور اس کے باپ، دادا بھی ایسے ہی ہیں تو اس کا کفو بھی بحیثیت مال وہی ہوگا کہ مہر معجل اور نفقہ دینے پر قادر ہو۔ مالدار شخص کا نابالغ لڑکا اگرچہ وہ خود مال کا مالک نہیں مگر مالدار قرار دیا جائے گا کہ چھوٹے بچے، باپ، دادا کے تمول سے غنی کہلاتے ہیں۔ محتاج نے نکاح کیا اور عورت نے مہر معاف کر دیا تو وہ کفو نہیں ہو جائے گا، کہ کفاءت کا اعتبار وقتِ عقد ہے اور عقد کے وقت وہ کفو نہ تھا۔ نفقہ پر قدرت کفو ہونے میں اس وقت ضروری ہے کہ عورت قابلِ جماع ہو، ورنہ جب تک اس قابل نہ ہو شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں، لہٰذا اس پر قدرت بھی ضروری نہیں، صرف مہر معجل پر قدرت کافی ہے۔ (درمختار کتاب النکاح)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

آپ نے معلوم کر لیا کہ سبب وہ اہل عرف کا حقیر جاننا ہے تو اسی بات پر مدار ہوگا اس لئے اگر کوئی امیر حاکم یا اس کا نائب اور مالدار اور سنجیدہ ہو اور لوگوں میں رعب والا ہو تو کوئی شک نہیں ایسے شخص سے عورت عار محسوس نہیں کرتی جیسا کہ وہ دباغ اور جولا ہے وغیرہ سے عار محسوس کرتی ہے اگرچہ حاکم اور اس کا نائب ظلم کے طور پر لوگوں کے مال کھاتے ہوں کیونکہ یہاں مدار دنیاوی حقارت و رفعت ہے۔ (ردمحتار باب الکفاءۃ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۳۲۲،۳۲)

پیشے کے اعتبار سے کفو ہونے کا بیان

﴿وَ﴾ تُعْتَبَرُ ﴿فِي الصَّنَائِعِ﴾ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ. وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْ ذٰلِكَ رِوَايَتَانِ. وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهُ لَا تُعْتَبَرُ اِلَّا اَنْ تَفْحُشَ كَالْحَجَّامِ وَالْحَائِكِ وَالدَّبَّاغِ. وَجْهُ الْاِعْتِبَارِ اَنَّ النَّاسَ يَتَفَاخَرُوْنَ بِشَرَفِ الْحِرَفِ وَيَتَعَيَّرُوْنَ بِدَنَاءَتِهَا. وَجْهُ الْقَوْلِ الْاٰخَرِ اَنَّ الْحِرْفَةَ لَيْسَتْ بِلَازِمَةٍ، وَيُمْكِنُ التَّحَوُّلُ عَنْ الْخَسِيْسَةِ اِلَى النَّفِيْسَةِ مِنْهَا

ترجمہ

اور کفو میں پیشے کا بھی اعتبار کیا جائے گا یہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ سے دو روایات منقول

ہیں۔امام ابو یوسف سے یہ روایت بھی منقول ہے: اس کا اعتبار صرف اسی صورت میں کیا جائے گا جب مرد ایسے پیشے سے تعلق رکھتا ہو جسے کمتر سمجھا جاتا ہو جیسے پچھنے لگانا' جولاہا' چمڑے کی دباغت کرنا وغیرہ۔اس کو معتبر سمجھنے کی وجہ یہ ہے: لوگ پیشے کے احترام کے حوالے سے بھی باہمی طور پر ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں اور پیشے کے کمتر ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے عار محسوس کرتے ہیں۔دوسرے قول کی وجہ یہ ہے: پیشہ مستقل ساتھ رہنے والی چیز نہیں' اسے تبدیل کر کے گھٹیا پیشے کے مقابلہ میں کوئی اچھا پیشہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جن لوگوں کے پیشے ذلیل سمجھے جاتے ہیں وہ اچھے پیشے والوں کے کفو نہیں ہو سکتے۔مثلا جوتا بنانے والے (موچی) چمڑا پکانے والے سائیس چرواہے، یہ بزاز عطر فروش وغیرہ تاجروں کے جن کا پیشہ دنیاوی اعتبار سے شریف پیشہ مانا جاتا ہے۔کفو نہیں ہو سکتے۔(ردمحتار، کتاب النکاح)

امام احمد رضا حنفی بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

چچا کے ہوتے ہوئے ماں اگر یتیمہ بالغہ کا نکاح یتیمہ سے اذن لے کر دے یا بعد نکاح وہ دختر اذن قولاً یا فعلاً دے دے تو نکاح صحیح ونافذ ولازم ہے، چچا تھا یا بھائی کسی کو گنجائش اعتراض نہیں جبکہ نکاح کفو میں سے کیا ہو یعنی وہ شخص مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہیں جس کے ساتھ اس دختر کا نکاح اس کے ولی کے لئے باعث ننگ وعار وبدنامی ہو، اگر ایسا ہے تو نکاح ہوگا ہی نہیں اور اگر یتیمہ نابالغہ ہیکہ حقیقۃً یتیمہ وہی ہوتی ہے تو اگر ماں نے غیر کفو بہ معنی مذکور سے نکاح کر دیا تو ہوا ہی نہیں اور کفو سے کیا تو چچا وغیرہ جو ولی اقرب ہو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا رد کر دے گا رد ہو جائے گا جائز کر دے گا جائز ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح)

جب بالغ خود نکاح کرنا چاہے تو کفو عورت سے کر سکتا ہے کہ عورت کی جانب سے اس صورت میں کفاءت معتبر نہیں۔چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر بانو سے جو پرویز بادشاہ ایران کی پوتی تھیں، شادی کی اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایمان لائیں اور نابالغ میں دونوں طرف سے کفو ہونے کا اعتبار ہے۔

جب عورت مہر مثل سے کم مہر کے عوض میں شادی کر لے

قَالَ ﴿وَإِذَا تَزَوَّجَتْ الْمَرْأَةُ وَنَقَصَتْ عَنْ مَهْرِ مِثْلِهَا فَلِلْأَوْلِيَاءِ الْاِعْتِرَاضُ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ حَتَّى يُتِمَّ لَهَا مَهْرَ مِثْلِهَا أَوْ يُفَارِقَهَا﴾ وَقَالَا: لَيْسَ لَهُمْ ذَلِكَ. وَهٰذَا الْوَضْعُ إِنَّمَا يَصِحُّ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ عَلَى اعْتِبَارِ قَوْلِهِ الْمَرْجُوعِ إِلَيْهِ فِي النِّكَاحِ بِغَيْرِ الْوَلِيِّ،

وَقَدْ صَحَّ ذٰلِكَ وَهٰذِهٖ شَهَادَةٌ صَادِقَةٌ عَلَيْهِ. لَهُمَا اَنَّ مَا زَادَ عَلَى الْعَشَرَةِ حَقُّهَا وَمَنْ اَسْقَطَ حَقَّهٗ لَا يُعْتَرَضُ عَلَيْهِ كَمَا بَعْدَ التَّسْمِيَةِ. وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْاَوْلِيَاءَ يَفْتَخِرُوْنَ بِغَلَاءِ الْمَهْرِ وَيَتَعَيَّرُوْنَ بِنُقْصَانِهٖ فَاَشْبَهَ الْكَفَاءَةَ، بِخِلَافِ الْاِبْرَاءِ بَعْدَ التَّسْمِيَةِ؛ لِاَنَّهٗ لَا يُتَعَيَّرُ بِهٖ.

ترجمہ

فرمایا: اور جب کوئی عورت خود شادی کرے اور اپنے مہر مثل سے کم مہر مقرر کرے' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے سرپرستوں کو اس پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوگا جب تک وہ مرد اس عورت کو مہر مثل ادا نہیں کر دیتا یا اس عورت سے علیحدگی اختیار نہیں کر لیتا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد یہ فرماتے ہیں: انہیں اس بات کا اختیار نہیں ہوگا۔ اور یہ کبھی امام محمد کے اس قول کے اعتبار سے صحیح ہوگی' جب ان کو اس قول پر اختیار کیا جائے' جس کی طرف انہوں نے رجوع کر لیا تھا کہ ولی کے بغیر نکاح ہو سکتا ہے اور یہ بات درست بھی ہے اور یہ اس بات پر صحیح گواہی ہے۔ ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے: دس درہم سے جتنا بھی زائد ہو' وہ اس عورت کا حق ہے اور جو شخص خود اپنے حق کو چھوڑ دے اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ مہر مقرر کرنے کے بعد (اسے معاف یا کم کیا جا سکتا) ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: عورت کے سرپرست مہر کے زیادہ ہونے کو قابل فخر سمجھتے ہیں اور اس کے کم ہونے میں عار محسوس کرتے ہیں' تو یہ بھی کفو کے مشابہہ ہو جائے گا جہاں تک مہر طے کرنے کے بعد معاف کر دینے کا تعلق ہے' تو اس بارے میں عار محسوس نہیں کی جاتی۔

شرح

امام احمد رضا حنفی بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

بالغہ پر ولایت جبریہ کسی کو نہیں، ولی نکاح ہر عصبہ ہے یعنی نزدیک یا دور کے دادا پرداد کے اولاد میں جو مرد عاقل بالغ ہو رشتے میں سگا ہو یا سوتیلا مثلاً عورت کے پردادا کے سوتیلے پردادا کی نسل میں پر پوتے کا پوتا، جب تک ان میں سے کوئی شخص عاقل بالغ موجود ہو ماں کو اصلا ولایت نہیں، اور بعد بلوغ تو ماں کو ولایت سے کوئی تعلق ہی نہیں خواہ عصبہ موجود ہو یا نہ ہو،

(فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اس کے بعد اولیاء کا حق اعتراض صرف اس صورت میں ہے جب لڑکی نے غیر کفو اور انتہائی کم مہر پر نکاح کیا ہو یا جب نکاح سے قبل ولی کو غیر کفو ہونے کا علم ہوا تو صراحتاً اس نے اپنی عدم رضا کا اظہار کر دیا ہو تو اس کا نکاح باطل کرنے کا حق ہے، اور حق اعتراض بھی صرف اولیاء عصبہ کو حاصل ہے کسی دوسرے کو نہیں، (ردمحتار، کتاب النکاح)

جب نابالغ لڑکی یا لڑکے کا باپ مہر میں کمی یا بیشی کردے

﴿وَاِذَا زَوَّجَ الْاَبُ بِنْتَهُ الصَّغِيرَةَ وَنَقَصَ مِنْ مَهْرِهَا اَوْ ابْنَهُ الصَّغِيرَ وَزَادَ فِي مَهْرِ امْرَاَتِهِ جَازَ ذٰلِكَ عَلَيْهِمَا ، وَلَا يَجُوزُ ذٰلِكَ لِغَيْرِ الْاَبِ وَالْجَدِّ ، وَهٰذَا عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا :لَا يَجُوزُ الْحَطُّ وَالزِّيَادَةُ اِلَّا بِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ﴾ وَمَعْنٰى هٰذَا الْكَلَامِ اَنَّهُ لَا يَجُوزُ الْعَقْدُ عِنْدَهُمَا ؛ لِاَنَّ الْوِلَايَةَ مُقَيَّدَةٌ بِشَرْطِ النَّظَرِ فَعِنْدَ فَوَاتِهِ يَبْطُلُ الْعَقْدُ ، وَهٰذَا لِاَنَّ الْحَطَّ عَنْ مَهْرِ الْمِثْلِ لَيْسَ مِنَ النَّظَرِ فِي شَيْءٍ كَمَا فِي الْبَيْعِ ، وَلِهٰذَا لَا يَمْلِكُ ذٰلِكَ غَيْرُهُمَا .وَلِاَبِي حَنِيفَةَ اَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلٰى دَلِيلِ النَّظَرِ وَهُوَ قُرْبُ الْقَرَابَةِ ، وَفِي النِّكَاحِ مَقَاصِدُ تَرْبُو عَلَى الْمَهْرِ .اَمَّا الْمَالِيَّةُ فَهِيَ الْمَقْصُودُ فِي التَّصَرُّفِ الْمَالِيِّ وَالدَّلِيلُ عَدِمْنَاهُ فِي حَقِّ غَيْرِهِمَا .

ترجمہ

جب باپ اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کردے اور اس کے مہر میں کمی کردے یا اپنے نابالغ بیٹے کا نکاح کروائے اور اس کی بیوی کے مہر میں اضافہ کردے تو ان دونوں کے حق میں یہ بات جائز ہے۔ باپ یا دادا کے علاوہ اور کسی کے حق میں یہ بات جائز نہیں ہے یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین: یہ فرماتے ہیں: یہ کمی اور زیادتی جائز ہی نہیں ہے ماسوائے اس صورت کے جتنی کمی وبیشی کا خسارہ لوگ برداشت کرلیتے ہیں۔ اس کلام کا مفہوم یہ ہے: صاحبین: کے نزدیک وہ عقد سرے سے ہی جائز نہیں ہوگا کیونکہ ولایت میں شفقت ضروری ہے اور شفقت کی عدم موجودگی کی وجہ سے عقد باطل ہوجائے گا اور یہ اسی لیے ہے کہ مہر مثل سے کمی کرنے کا شفقت سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ سودے میں ایسا ہوتا ہے یہی وجہ ہے: باپ اور دادا کے علاوہ اور کوئی اس باحق کا مالک نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: حکم کا مدار شفقت کی دلیل پر ہوگا اور وہ قریبی رشتے دار ہونا ہے اور نکاح میں کچھ مقاصد مہر سے بڑھ کر ہوتے ہیں جہاں تک مال سے متعلق مسئلے کا تعلق ہے تو وہ صرف مالی تصرف میں مقصود ہوتا ہے اور (شفقت کی) دلیل (یعنی قریبی رشتے داری) ہم نے باپ دادا کے علاوہ میں معدوم پائی (تو اس وجہ سے ان دونوں کے علاوہ یہ حق نہیں دیا)

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر لڑکی نے خود کسی شخص سے لاعلمی میں نکاح کرلیا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غلام ہے تو لڑکی کو خود اختیار نہ ہوگا بلکہ اس کے اولیاء کو حق فسخ ہوگا اور اگر اولیاء نے خود نکاح کیا لڑکی کی رضامندی سے اور اولیاء نے کفاءت شرط کرلی یا نکاح کے وقت زوج نے وقت

نکاح اولیاء کو کفو ہونے کی خبر دی اس شرط پر اولیاء نے نکاح کردیا، بعد میں لڑکے کا غیر کفو ہونا ظاہر ہوا تو اولیاء کو فسخ کا اختیار ہوگا، تو ظاہر ہے کہ یہ صحت نکاح اور ثبوت اعتراض پر مبنی ہے اور ظاہر کیسے نہ ہو جبکہ خانیہ میں یہ مسئلہ مبسوط سے منقول ہے لیکن جو چیز فتویٰ کے لئے مختار قرار دی گئی ہے، اس پر یہ نکاح کا قول صحیح نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ شامی

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

بچے نے جب خرید و فروخت یا نکاح کرلیا تو یہ امور ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے، اور اگر اس ولی نے بچے کے بلوغ سے قبل اجازت نہ دی ہو تو لڑکا اپنے بلوغ کے بعد ان امور کو نافذ کرسکتا ہے کیونکہ موقوف تھے اس لئے صرف لڑکے کے بلوغ سے نافذ نہ ہوں گے اھ مختصرا۔ اور تنویر الابصار میں ہے باکرہ بالغہ اگر اپنے نکاح کا علم ہوجانے پر خاموش رہے تو اسکا حق فسخ باطل ہوجاتا ہے اور جس مجلس میں علم ہوا اس مجلس کے اختتام تک باقی نہ رہے گا اگرچہ وہ اس مسئلہ میں جاہل ہو۔

(فتح القدیر، وکالت بہ نکاح)

مہر میں کمی یا زیادتی کرنے میں امام صاحب وصاحبین کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی باپ اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کرتا ہے اور اس کا مہر کم کرتا ہے یا اپنے بالغ بیٹے کا نکاح کرتے ہوئے اس کا مہر زیادہ کردیتا ہے تو یہ دونوں صورتیں جائز ہوں گی' لیکن باپ اور دادا کے علاوہ ایسا کرنا کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہوگا اور یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے صاحبین ; نے یہ بات بیان کی ہے: دونوں صورتوں میں مہر کی مقدار میں کمی یا اضافہ اس حد تک ہوسکتا ہے' جتنا نقصان لوگ عام طور پر برداشت کرلیتے ہیں۔ اس بات کا عمومی مفہوم یہ ہے: صاحبین ; کے نزدیک ایسا عقد جائز نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے: باپ اور دادا کو تصرف کا یہ حق اس لئے دیا گیا ہے تاکہ اس میں اپنی زیر سرپرستی' اپنے نابالغ بچوں کے لئے شفقت پائی جاتی ہو۔ اور یہاں ان دونوں صورتوں میں شفقت کا مفہوم نہیں پایا جارہا تو جب شفقت معدوم ہو جائے گی' تو اس کے نتیجے میں عقد باطل قرار دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ نے یہ دلیل دی ہے: حکم کا مدار' شفقت کی دلیل پر ہوگا اور یہ قریبی عزیز ہونا ہے' جبکہ نکاح میں کچھ مقاصد ہوتے ہیں جو مہر پر فوقیت رکھتے ہیں' جبکہ خرید و فروخت میں تصرف کی صورت اس سے مختلف ہوتی ہے۔

جب باپ نابالغ بیٹی یا بیٹے کی شادی غلام یا کنیز سے کردے

﴿وَمَنْ زَوَّجَ ابْنَتَهُ وَهِيَ صَغِيرَةٌ عَبْدًا أَوْ زَوَّجَ ابْنَهُ وَهُوَ صَغِيرٌ أَمَةً فَهُوَ جَائِزٌ﴾ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ﴿وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ أَيْضًا﴾ ; لِأَنَّ الْإِعْرَاضَ عَنْ الْكَفَاءَةِ لِمَصْلَحَةٍ تَفُوقُهَا وَعِنْدَهُمَا هُوَ ضَرَرٌ ظَاهِرٌ لِعَدَمِ الْكَفَاءَةِ فَلَا يَجُوزُ .

ترجمہ

جوشخص اپنی بیٹی' جو نابالغ ہو' کی شادی کسی غلام کے ساتھ کردے' یا اپنے بیٹے' جو نابالغ ہو' کی شادی کنیز کے ساتھ کردے' تو یہ بات جائز ہے۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔اس کی وجہ یہ ہے: کفو سے اعراض کرنا کسی ایسی مصلحت کی وجہ سے ہوگا' جو کفو پر فوقیت رکھتی ہے۔صاحبین کے نزدیک یہ "ضرر" ہے' جو بظاہر ہے' کیونکہ یہاں کفو نہیں پایا جاتا اس لیے یہ جائز نہیں ہوگا۔

کفو سے متعلق فقہی جزئیات کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔غلام، حرہ کا کفو نہیں، نہ وہ جو آزاد کیا گیا حرہ اصلیہ کا کفو ہے اور جس کا باپ آزاد کیا گیا، وہ اس کا کفو نہیں جس کا دادا آزاد کیا گیا اور جس کا دادا آزاد کیا گیا وہ اس کا کفو ہے جس کی آزادی کئی پشت سے ہے۔

جس لونڈی کے آزاد کرنے والے اشراف ہوں، اس کا کفو وہ نہیں جس کے آزاد کرنے والے غیر اشراف ہوں۔فاسق شخص متقی کی لڑکی کا کفو نہیں اگرچہ وہ لڑکی خود متقی نہ ہو۔اور ظاہر کہ فسقِ اعتقادی فسقِ عملی سے بدر جہابدتر، للہذا سُنی عورت کا کفو وہ بد مذہب نہیں ہوسکتا جس کی بد مذہبی حدِ کفر کو نہ پہنچی ہو اور جو بد مذہب ایسے ہیں کہ ان کی بد مذہبی کفر کو پہنچی ہو، ان سے تو نکاح ہی نہیں ہوسکتا کہ وہ مسلمان ہی نہیں، کفو ہونا تو بڑی بات ہے جیسے روافض ووہابیہ زمانہ کہ ان کے عقائد و اقوال کا بیان حصہ اوّل میں ہو چکا ہے۔(عالم گیری، بتصرف، کتاب النکاح)

ایک شخص نے اپنی بیٹی نابالغہ کا کسی لڑکے سے اس گمان پر کیا کہ لڑکا صالح ہے شرابی وغیرہ نہیں ہے تو بعد میں اسے شراب کا عادی پایا اور بیٹی بالغ ہو چکی ہو اور کہہ چکی ہو کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں ہوں۔اس صورت میں اگر باپ کا نکاح کے وقت شرابی ہونا معروف نہ ہو اور اس کا غالب خاندان صالحین لوگ ہوں تو نکاح باطل ہوگا، یعنی باطل ہوسکتا ہے اور یہ مسئلہ متفقہ ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے البتہ امام اور صاحبین کا اختلاف اس صورت میں ہے جب نکاح کے وقت باپ کو لڑکے کا غیر کفو ہونا معلوم ہو تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ باپ کامل شفیق ہے اور مکمل صاحب الرائے ہے لہذا اس نے انتہائی سوچ و بچار کیا ہوگا کہ یہ غیر کفو کفو والوں سے بہتر ہے، محیط میں ایسے ہی ہے۔

(فتاوی ہندیہ الباب الخامس فی الکفاءۃ نورانی کتب خانہ پشاور)

ظاہر ہے کہ فسق اعتقادی (بددینی و بدمذہبی) فسق عملی یعنی بدچلنی سے بدر جہا بدتر ہے للہذا سنی عورت کا کفو وہ بدمذہب نہیں ہوسکتا جس کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو اور جو بدمذہب ایسے ہیں کہ ان کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچی ہو ان سے تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ مسلمان ہی نہیں کفو ہونا تو بڑی بات ہے۔جیسے روافض، وہابیہ زمانہ کہ ان کے عقائد و اقوال نے انہیں اسلامی برادری میں رہنے کے قابل ہی نہ رکھا۔

قرآن کریم نے اس بات میں دوٹوک فیصلہ یہ دیا کہ: ولا تنکحوا المشرکت حتی یومن (البقرہ 221)

اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور بے شک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی ہے۔اگرچہ

وہ تمہیں بھاتی ہو اور اپنی عورتوں کو مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگر چہ وہ تمہیں بھاتا ہو۔ وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے، اپنے حکم سے اور اپنی آیتیں لوگوں کیلیے بیان کرتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں۔

مشرکین کے ساتھ شادی بیاہ کی ممانعت کی علت وحکمت یہ ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کو خواہ مرد ہوں یا عورت، ان اعمال اور ان عقائد کی طرف، اس طریق زندگی کی طرف بلاتے اور اس بود وباش کی طرف آمادہ کرتے ہیں جو جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔ اور یہ علت جس طرح غیر مسلموں، کافروں، مشرکوں، میں پائی جاتی ہیں اسی طرح ان مرتدین میں بھی درجہ اتم پائی جاتی ہے۔ جو کلمہ پڑھ کر، ضروریات دینیہ میں سے کسی ضرورت دینی کا انکار کرتے ہیں تو ان کے اعمال وعقائد بعینہ کافروں، مشرکوں کے اعمال وعقائد ہیں۔

کفو نکاح کے عرفی فوائد واسباب

نوع انسانی کی جتنی قومیں یا نسلیں دنیا میں پائی جاتی ہیں، وہ دراصل ایک ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں جو ایک ماں اور ایک باپ سے شروع ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود نوع انسانی کا قوموں، قبیلوں اور کنبوں میں تقسیم ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ ظاہر ہے کہ پورے روئے زمین پر سارے انسانوں کا ایک خاندان تو نہیں ہو سکتا تھا نسل بڑھنے کے ساتھ بے شمار خاندانوں اور پھر خاندانوں سے قبیلوں اور کنبوں کا وجود میں آنا لازمی امر تھا۔ اسی طرح زمین کے مختلف خطوں میں آباد ہونے کے بعد رنگ، خدوخال، زبان، اور طرز رہائش کے اعتبار سے لامحالہ انہیں ایک دوسرے سے مختلف ہونا ہی تھا اور ایک خطے کے رہنے والوں کو باہم قریب تر اور دور دراز کے خطوں کے رہنے والوں کو ان سے دور تر رہنا ہی تھا تاکہ جو ایک دوسرے کے قریب ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق کار اور معاون ومددگار ہوں اور ایک خاندان، ایک برداری، ایک قبیلے اور ایک قوم کے لوگ مل کر مشترک معاشرہ قائم رکھیں تاکہ ایک دوسرے کے ساتھی ایک دوسرے کے بہی خواہ اور ہمدرد بن کر رہیں۔ شادی بیاہ میں بھی اس حقیقت کو معتبر مانا گیا اور قبیلوں اور کنبوں میں باہمی رواداری کی بقا کی خاطر مرد وعورت میں نکاح کے وقت اس کا لحاظ رکھا گیا۔ شریعت کی زبان میں اسی کو کفو کہتے ہیں۔ نکاح کو ہر پہلو سے مکمل کرنے کیلیے شریعت نے کفو کا بھی لحاظ کیا ہے۔

کفاءت میں یہی روح کارفرما ہے کہ عائلی زندگی کی بنیاد ایسے امور پر رکھی جائے جس سے خاندان اور گھرانہ آباد اور شاد کام رہے۔ ان میل اور بے جوڑ شادیاں، عموماً تباہی وبربادی کا پیش خیمہ ثابت کرتی ہے۔ پھر ایسی شادیاں، عورتوں کے اصل زیور حیاد شرم سے انہیں ننگا بھی کر دیتی ہیں اور یہ عورت کی جیتے جی موت ہے۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ عورت مرد کے درمیان نکاح کا تعلق محض ایک شہوانی اور جنسی خواہشات کی تکمیل کا تعلق نہیں بلکہ وہ ایک گہرا تمدنی اخلاقی اور قلبی تعلق ہے انتہائی الفت ورفق کا تعلق ہے اور قرآن حکیم گواہ ہے کہ رشتہ شوئی وہ عظیم رشتہ ہے کہ جو باہمی خواہی باہم انس ومحبت اور الفت ورافت پیدا کرتا ہے اور حدیث شاہد ہے کہ عورت کے دل میں جو بات شوہر کی ہوتی ہے کسی کی نہیں ہوتی۔

(ابن ماجہ وحاکم) تو جہاں اس امر کا امکان ہے کہ کافروں، مرتدوں اور بددینوں سے شادی بیاہ کے مراسم ایک دوسرے کو طرز زندگی اور عقائد واعمال پر اثر ڈالیں گے، وہیں اس امر کا بھی امکان ہے کہ ان تعلقات سے ان کے خاندان اور نسل بھی متاثر ہو اور غالب امکان اس امر کا ہے کہ ایسے تعلقات زناشوئی سے، عقائد واعمال کی ایک ایسی معجون مرکب اس گھر اور اس خاندان میں پرورش پائے گی جسے غیر مسلم خواہ کتنا ہی پسند کریں مگر اسلام کسی طرح پسند کرنے کو تیار نہیں۔

جو شخص صحیح معنوں میں صاحب ایمان ہو، وہ محض اپنے جذبات کی تسکین کیلئے کبھی یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ اس کے گھر اور اس کے خاندان میں کفر وارتداد اور بے دینی وبدمذہبی پروان چڑھے اور اگر بالفرض ایک فرد مومن کسی بنیاد پر اس میں مبتلا ہو جائے تب بھی اس کے ایمان کا تقاضا یہی ہونا چاہیے کہ وہ اپنے خاندان اپنی نسل اور اپنے دین واخلاق، اور عقائد واعمال پر اپنے شخصی جذبات کو قربان کر دے۔ ایسے بے جوڑ، جوڑے عقائد واعمال اور دین واخلاق کی تباہی اور خاندان ونسل کی بربادی کا موجب بھی ہوتے ہیں اور وبال اخرت اور رسوائی وروسیاہی کا باعث بھی ہے۔

فَصْلٌ فِي الْوَكَالَةِ بِالنِّكَاحِ وَغَيْرِهَا

﴿یہ فصل نکاح میں وکالت وغیرہ کے بیان میں ہے﴾

وکالت بہ نکاح فصل کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نکاح میں وکالت یہ بھی ایک طرح ولایت کی قسم ہے۔ اسی سبب کے پیش نظر مصنف نے ولایت کے احکام کے وکالت کے بیان میں اس فصل کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ ولی کی طرح مؤکل کا تصرف بھی نافذ ہوتا ہے لہذا ایک اعتبار سے وکیل ولی ثانی ہو گیا ہے۔ لہذا اس کو ذکر بھی ثانوی حیثیت کے ساتھ ہے۔ کیونکہ ابواب تعلیم میں اس کا محل یہی بنتا ہے۔ اس کے بعد اس کے سوا یعنی فضولی سے متعلق احکام بیان کریں گے۔ (فتح القدیر، ج ۷، ص ۷۸، بیروت)

ایک ہی شخص کے مباشر اور وکیل ہونے کا حکم

﴿وَيَجُوزُ لِابْنِ الْعَمِّ أَنْ يُزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهِ مِنْ نَفْسِهِ﴾ وَقَالَ زُفَرُ: لَا يَجُوزُ ﴿وَإِنْ أَذِنَتْ الْمَرْأَةُ لِلرَّجُلِ أَنْ يُزَوِّجَهَا مِنْ نَفْسِهِ فَعَقَدَ بِحَضْرَةِ شَاهِدَيْنِ جَازَ﴾ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ. لَهُمَا أَنَّ الْوَاحِدَ لَا يُتَصَوَّرُ أَنْ يَكُونَ مُمَلِّكًا وَمُتَمَلِّكًا كَمَا فِي الْبَيْعِ، إلَّا أَنَّ الشَّافِعِيَّ يَقُولُ فِي الْوَلِيِّ ضَرُورَةٌ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَوَلَّاهُ سِوَاهُ، وَلَا ضَرُورَةَ فِي حَقِّ الْوَكِيلِ. وَلَنَا أَنَّ الْوَكِيلَ فِي النِّكَاحِ سَفِيرٌ وَمُعَبِّرٌ، وَالتَّمَانُعُ فِي الْحُقُوقِ دُونَ التَّعْبِيرِ وَلَا تَرْجِعُ الْحُقُوقُ إلَيْهِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ؛ لِأَنَّهُ مُبَاشِرٌ حَتَّى رَجَعَتْ الْحُقُوقُ إلَيْهِ، وَإِذَا تَوَلَّى طَرَفَيْهِ فَقَوْلُهُ زَوَّجْت يَتَضَمَّنُ الشَّطْرَيْنِ فَلَا يَحْتَاجُ إلَى الْقَبُولِ.

ترجمہ

اور (عورت کے) چچا کے بیٹے کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ اپنے چچا کی بیٹی کی شادی اپنے ساتھ کر لے۔ امام یوسف فرماتے ہیں: یہ بات جائز نہیں ہے۔ جب کوئی عورت کسی مرد کو یہ اجازت دے کہ وہ اس کی شادی اپنے ساتھ کر سکتا ہے اور پھر وہ مرد دو گواہوں کی موجودگی میں یہ عقد کر لے تو یہ بات جائز ہوگی۔ امام زفر اور امام شافعی فرماتے ہیں: یہ جائز نہیں ہوگی۔ ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے: ایک ہی شخص کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مملک (ملکیت میں دینے والا) اور متملک (یعنی ملکیت میں لینے والا) ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ خرید و فروخت میں بھی یہی حکم ہے۔

تاہم امام شافعی ولی کے بارے میں یہ فرماتے ہیں: اس کی موجودگی ضروری ہے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور نکاح نہیں کر سکتا

البتہ وکیل کے حق میں اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے: نکاح میں وکیل تعبیر کرنے والا ہوتا ہے اور سفیر ہوتا ہے اور منافات حقوق میں ہے نہ کہ تعبیر میں ہے' اور نہ ہی حقوق اس (وکیل) کی طرف لوٹتے ہیں' جبکہ سودے کا حکم اس کے برخلاف ہے' کیونکہ اس صورت میں وہ خود یہ کام کررہا ہوتا ہے' یہاں تک کہ حقوق اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ جب وہ دو طرف کا والی ہوگا' تو اس کا یہ قول زوجت (میں نے شادی کی) دونوں طرف کو متضمن ہوگا اور اس کے لیے قبول کی ضرورت نہیں ہوگی۔

وکالت نکاح کے جواز کا فقہی بیان

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ "عقد نکاح میں ایجاب وقبول کے لیے کسی دوسرے دو وکیل بنانا جائز ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ اور ابورافع کو اپنے نکاح میں قبول کا وکیل بنایا تھا۔ اور اس لیے بھی کہ اس کی ضرورت ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ کسی دور جگہ رہ کر شادی کرنا چاہتا ہو جہاں اس کا جانا ممکن نہیں تو وہ کسی کو وکیل بنا سکتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نکاح کیا تو ام حبیبہ حبشہ کی سرزمین پر تھیں۔ طلاق خلع اور رجوع اور غلام آزاد کرنے میں کسی دوسرے کو وکیل بنانا جائز ہے؛ کیونکہ اس ضرورت پڑ سکتی ہے جیسا کہ خرید وفروخت میں کسی دوسرے کو وکیل بنایا جاتا ہے اسی طرح ان امور میں بھی بنایا جاسکتا ہے۔ (المغنی (. (5/52)

نکاح کی وکالت میں گواہ شرط نہیں۔ بغیر گواہوں کے وکیل کیا اور اس نے نکاح پڑھا دیا ہوگیا۔ گواہ کی یوں ضرورت ہے کہ اگر انکار کردیا کہ میں نے تجھ کو وکیل نہیں بنایا تھا تو اب وکالت ثابت کرنے کے لیے گواہوں کی حاجت ہے۔ عورت نے کسی کو وکیل بنایا کہ تو جس سے چاہے میرا نکاح کردے تو وکیل خود اپنے نکاح میں اسے نہیں لاسکتا۔ یونہی مرد نے عورت کو وکیل بنایا تو وہ عورت اپنا نکاح اس سے نہیں کرسکتی۔

مؤکل ومؤکلہ کے نکاح وکالت کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔ کہ جب کسی مرد نے عورت کو وکیل کیا کہ تو اپنے ساتھ میرا نکاح کردے یا عورت نے مرد کو وکیل کیا کہ میرا نکاح اپنے ساتھ کرلے، اُس نے کہا میں نے فلاں مرد (مؤکل کا نام لے کر) یا فلانی عورت (مؤکلہ کا نام لے کر) سے اپنا نکاح کیا، ہوگیا قبول کی بھی حاجت نہیں۔ کسی کو وکیل کیا کہ فلانی عورت سے اتنے مہر پر میرا نکاح کردے۔ وکیل نے اس مہر پر اپنا نکاح اس عورت سے کرلیا تو اسی وکیل کا نکاح ہوا، پھر وکیل نے اسے مہینے بھر رکھ کر دخول کے بعد اُسے طلاق دے دی اور عدت گزرنے پر مؤکل سے نکاح کردیا تو مؤکل کا نکاح جائز ہوگیا۔

وکیل سے کہا کسی عورت سے میرا نکاح کردے، اس نے باندی سے کیا صحیح نہ ہوا۔ یونہی اپنی بالغہ یا نابالغہ لڑکی یا نابالغہ بہن یا بھتیجی سے کردیا، جس کا یہ ولی ہے تو نکاح صحیح نہ ہوا اور اگر بالغہ بہن یا بھتیجی سے کیا تو صحیح ہے۔ یونہی عورت کے وکیل نے اس کا نکاح اپنے باپ یا بیٹے سے کردیا تو صحیح نہ ہوا۔ عورت نے اپنے کاموں میں تصرفات کا کسی کو وکیل کیا۔ اس نے اس وکالت کی بنا پر اپنا

نکاح اس سے کرلیا، عورت کہتی ہے میں نے تو خرید وفروخت کے لیے وکیل بنایا تھا، نکاح کا وکیل نہیں کیا تھا تو یہ نکاح صحیح نہ ہوا کہ اگر نکاح کا وکیل ہوتا بھی تو اسے کب اختیار تھا کہ اپنے ساتھ نکاح کرلے۔

وکیل سے کہا فلاں عورت سے میرا نکاح کردے، اس نے دوسری سے کردیا یا حرہ سے کرنے کو کہا تھا باندی سے کیا، یا باندی سے کرنے کو کہا تھا آزاد عورت سے کیا، یا جتنا مہر بتا دیا تھا اس سے زیادہ باندھا، یا عورت نے نکاح کا وکیل کردیا تھا اس نے غیر کفو سے نکاح کردیا، ان سب صورتوں میں نکاح صحیح نہ ہوا۔ عورت کے وکیل نے اس کا نکاح کفو سے کیا، مگر وہ اندھا یا اپاہج یا بچہ یا معتوہ ہے تو ہوگیا۔ یونہی مرد کے وکیل نے اندھی یا لنجھی یا مجنونہ یا نابالغہ سے نکاح کردیا صحیح ہوگیا اور اگر خوبصورت عورت سے نکا کرنے کو کہا تھا، اس نے کالی حبشن سے کردیا یا اس کا عکس، تو نہ ہوا اور اندھی سے نکاح کرنے کے لیے کہا تھا، وکیل نے آنکھ والی کردیا تو صحیح ہے۔ (عالمگیری، کتاب النکاح)

قاعدہ وکالت ان چیزوں میں جائز ہے جہاں اصل موکل کے بغیر اس کام کا مقصد پورا ہوسکتا ہے

وکالت ان چیزوں میں جائز ہے جہاں اصل موکل کے بغیر اس کام کا مقصد پورا ہوسکتا ہے۔ (الفروق) اس کی وضاحت یہ ہے۔ کہ کئی عبادات یا معاملات میں ایسے بھی احکام ہیں جہاں اصل آدمی کے سوا اگر اس کا وکیل اختیار کو اصل آدمی کی طرف سے عطا کردہ طاقت کے مطابق استعمال کرے، تو شریعت کے مطابق اس کیلئے جائز ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔

ولا یضار کاتب ولا شہید (الخ)

کسی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ جس سے کتابت کرا رہے ہیں اس کو اپنی دستاویزات کا گواہ اور وکیل بنا رہے ہیں لہذا اُسے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

جس طرح کسی کو دولہا کی طرف سے وکیل بنایا جاتا ہے اور وہ دولہا کی جگہ پر اقرار نکاح کرتا ہے تاہم اس کا اختیار صرف اقرار تک ہوتا ہے نہ کہ پورے دولہا کے احکام اسے سپرد کئے جاتے ہیں۔

قاعدہ ہر وہ فعل جس کا مقصد اصل شخص یعنی موکل کے بغیر پورا نہ ہوسکے

ہر وہ فعل جس کا مقصد اصل شخص یعنی موکل کے بغیر پورا نہ ہوسکے، اس میں وکالت جائز نہیں۔ (الفروق) اس کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح نماز میں کسی شخص کو وکیل نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اس طرح تو اصل مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے کہ نماز کا مقصد بندگی اور کمال خشوع وخضوع کا اظہار کیا جائے، لیکن وکیل کے خشوع وخضوع سے موکل میں وہ کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح قسم کھانے کا معاملہ ہے کیونکہ قسم کھانے کا اصل منشاء ومقصد یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنے دعوے کی صداقت کا اظہار کرے لیکن دوسرے شخص کی قسم کھانے سے پہلے شخص کی صداقت کا ثبوت نہیں مل سکتا۔

اسی طرح اشد ضرورت کے بغیر شہادت کیلئے بھی کسی دوسرے شخص کو وکیل نہیں بنایا جاسکتا، البتہ بعض خاص حالات و

واقعات اور ضرورت کے موقع پر بعض علماء اس کیلئے بھی وکیل بنانے کے قائل ہیں اور اسکی وجہ بھی یہ ہے کہ گواہ کی صداقت کا اعتبار نہیں ہوسکتا، گناہ اور معصیت کی بھی وکالت نہیں ہوسکتی ہے، کیونکہ شریعت ہمیں گناہوں سے روکتی ہے۔ اور جبکہ ان میں وکیل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طور پر انہیں ثابت کیا جائے۔ جو اس کے بنیادی مقصد کے خلاف ہے۔ (الفروق)

انتباہ:

چوری، زنا اور کئی حدود وقصاص کے بہت زیادہ مسائل ہیں جہاں کسی کو وکیل نہیں بنایا جاسکتا۔ اور نہ ہی حدود کا نفاذ وکیل کی وجہ سے اصل پر جاری کیا جاسکتا ہے۔

آقا کی اجازت کے بغیر غلام یا کنیز کے شادی کرنے کا حکم

قَالَ (وَتَزْوِيجُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُمَا مَوْقُوفٌ فَإِنْ أَجَازَهُ الْمَوْلَى جَازَ ، وَإِنْ رَدَّهُ بَطَلَ ، وَكَذَلِكَ لَوْ زَوَّجَ رَجُلٌ امْرَأَةً بِغَيْرِ رِضَاهَا أَوْ رَجُلًا بِغَيْرِ رِضَاهُ) وَهَذَا عِنْدَنَا فَإِنَّ كُلَّ عَقْدٍ صَدَرَ مِنْ الْفُضُولِيِّ وَلَهُ مُجِيزٌ انْعَقَدَ مَوْقُوفًا عَلَى الْإِجَازَةِ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :تَصَرُّفَاتُ الْفُضُولِيِّ كُلُّهَا بَاطِلَةٌ لِأَنَّ الْعَقْدَ وُضِعَ لِحُكْمِهِ ، وَالْفُضُولِيُّ لَا يَقْدِرُ عَلَى إِثْبَاتِ الْحُكْمِ فَيَلْغُو .وَلَنَا أَنَّ رُكْنَ التَّصَرُّفِ صَدَرَ مِنْ أَهْلِهِ مُضَافًا إِلَى مَحَلِّهِ ، وَلَا ضَرَرَ فِي انْعِقَادِهِ فَيَنْعَقِدُ مَوْقُوفًا .حَتَّى إِذَا رَأَى الْمَصْلَحَةَ فِيهِ يُنَفِّذُهُ ، وَقَدْ يَتَرَاخَى حُكْمُ الْعَقْدِ عَنْ الْعَقْدِ

ترجمہ

فرمایا: غلام اور کنیز کی شادی ان دونوں کے آقا کی اجازت کے بغیر موقوف شمار ہوگی۔ اگر آقا اس کو جائز قرار دیتا ہے' تو یہ درست ہوگی اور اگر مسترد کردیتا ہے' تو باطل ہوجائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ اس کی رضامندی کے بغیر شادی کرلیتا ہے' یا کسی مرد کی شادی اس کی رضامندی کے بغیر کروادیتا ہے (تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا)۔ یہ ہمارے نزدیک ہے' اس کی وجہ یہ ہے' ہر وہ عقد جو کسی غیر متعلقہ شخص سے متعلق ہو' تو متعلقہ شخص کو اس بات کا اختیار ہوگا' وہ اسے جائز قرار دے' وہ عقد منعقد ہوجائے گا' لیکن اجازت پر موقوف ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: غیر متعلقہ شخص کے تمام تصرفات باطل ہوں گے اس لیے کہ عقد اپنی حکمت کی وجہ سے مقرر کیا گیا ہے اور غیر متعلقہ شخص اس حکمت کو ثابت نہیں کرسکتا لہٰذا اس کا عمل لغو جائے گا۔ ہم یہ کہتے ہیں تصرف کا رکن اس کے اہل شخص سے صادر ہوا ہے اور وہ اپنے محل کی طرف مضاف ہے اور اس کے انعقاد میں ضرر کوئی نہیں ہے اس لیے یہ منعقد ہوجائے گا' لیکن موقوف ہوگا یہاں تک کہ اگر متعلقہ شخص اس میں مصلحت دیکھے گا تو اسے نافذ کردے گا' اور بعض

اوقات عقد کا حکم عقد سے موخر ہوتا ہے۔

شرح

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث ۱۱۱۲)

غلام اور باندی کا نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، وہ جائز کرے تو جائز، رد کرے تو باطل۔ خواہ مدبر ہوں یا مکاتب یا ام ولد یا وہ غلام جس میں کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا اور باندی کو جو مہر ملے گا اُس کا مالک مولیٰ ہے مگر مکاتبہ اور جس باندی کا بعض آزاد ہوا ہے ان کو جو مہر ملے گا انھیں کا ہوگا۔ (فتاویٰ خانیہ، کتاب النکاح)

متصرف کے اقرار میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف

امام شافعی یہ فرماتے ہیں: غیر متعلقہ شخص کا ہر قسم کا تصرف باطل قرار دیا جائے گا۔ امام شافعی نے یہ دلیل پیش کی ہے: نکاح ایک عقد ہے اور عقد اس لیے منعقد کیا جاتا ہے تاکہ حکم کو ثابت کیا جاسکے جبکہ غیر متعلقہ شخص میں حکم کو ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کے کیے ہوئے عقد یا تصرف کو نافذ کرنے کا فائدہ کوئی نہیں ہوگا اور وہ باطل قرار دیا جائے گا۔

احناف نے اس کے جواب میں یہ بات بیان کی ہے: تصرف کا رکن اس شخص سے صادر ہوا ہے' جو تصرف کا اہل ہے' یعنی وہ عاقل ہے بالغ ہے مسلمان ہے اور اس کی نسبت اس کے محل کی طرف کی گئی ہے' یعنی وہ نکاح اس شخص کا کیا گیا ہے' جو نکاح کرنے کا اہل ہے اور صلاحیت رکھتا ہے' تو اس کے انعقاد کے اندر کوئی خلل نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے: ہم نے یہ حکم دیا ہے' یہ منعقد ہو جائے گا' لیکن موقوف طور پر منعقد ہوگا' یہاں تک کہ جب متعلقہ شخص اس میں مصلحت دیکھے گا تو اسے نافذ قرار دے گا ورنہ اسے مسترد کر دے گا۔ امام شافعی نے یہ دلیل پیش کی تھی: عقد کو مقرر اس لئے کیا گیا ہے تاکہ دوسرے پر حکم کو ثابت کیا جاسکے اور غیر متعلقہ شخص کیونکہ اس حکم کو ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ اس لئے اس کا کیا ہوا عقد باطل کر دیا جائے گا' تو اس کے جواب میں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: یہ بات درست ہے' عقد کو اس لئے لاگو کیا گیا ہے تاکہ اس کے حکم کو ثابت کیا جاسکے لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عقد پہلے ہو جاتا ہے اور اس کا حکم بعد میں لاگو ہوتا ہے۔ جیسا کہ خیار شرط کے اندر مشروط طور پر عقد منعقد ہو جاتا ہے' لیکن اس کا حکم اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک خیار باقی ہوتا ہے اور متعلقہ شخص کسی ایک صورت کو اختیار نہیں کر لیتا۔

ایجاب وقبول کی مجلس مختلف ہونے کا حکم

(وَمَنْ قَالَ اشْهَدُوا اَنِّی قَدْ تَزَوَّجْتُ فُلَانَةَ فَبَلَغَهَا فَاَجَازَتْ فَهُوَ بَاطِلٌ ، وَاِنْ قَالَ اٰخَرُ اشْهَدُوا اَنِّی قَدْ زَوَّجْتُهَا مِنْهُ فَبَلَغَهَا الْخَبَرُ فَاَجَازَتْ جَازَ ، وَكَذٰلِكَ اِنْ كَانَتِ الْمَرْاَةُ هِیَ الَّتِی قَالَتْ جَمِیعَ ذٰلِكَ) وَهٰذَا عِنْدَ اَبِی حَنِیفَةَ وَمُحَمَّدٍ ، وَقَالَ اَبُو یُوسُفَ : اِذَا

زَوَّجَتْ نَفْسَهَا غَائِبًا فَبَلَغَهُ فَاَجَازَهُ جَازَ . وَحَاصِلُ الْخِلَافِ اَنَّ الْوَاحِدَ لَا يَصْلُحُ فُضُوْلِيًّا مِنَ الْجَانِبَيْنِ اَوْ فُضُوْلِيًّا مِنْ جَانِبٍ وَاَصِيْلًا مِنْ جَانِبٍ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لَهُ .

ترجمہ

جو شخص یہ کہے: تم گواہ ہو جاؤ! میں نے فلاں عورت کے ساتھ شادی کر لی ہے اور پھر اس عورت کو اس کی اطلاع ملے اور وہ اسے جائز قرار دے تو یہ باطل شمار اگر کوئی شخص یہ کہے: تم لوگ گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس عورت کی شادی فلاں شخص کے ساتھ کر دی ہے اور پھر اس عورت کو اس کی اطلاع ملے اور وہ اسے جائز قرار دے تو یہ جائز ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت نے یہ باتیں کہی ہوں (تو بھی یہی حکم ہوگا)۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: جب کوئی عورت اپنی شادی کسی غیر موجود شخص کے ساتھ کرے اور اس مرد کو اس کی اطلاع ملے اور وہ اسے جائز قرار دے تو یہ جائز ہوگا۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے: ایک ہی شخص دو طرف سے فضولی نہیں بن سکتا یا ایک طرف سے فضولی اور دوسری طرف سے اصیل نہیں بن سکتا۔ یہ ان دونوں حضرات کے نزدیک ہے جبکہ امام ابو یوسف کی رائے ان سے مختلف ہے۔

شرح

فضولی نے نکاح کیا اور مر گیا، اس کے مرنے کے بعد جس کی اجازت پر موقوف تھا، اس نے اجازت دی صحیح ہو گیا اگرچہ دونوں طرف سے دو فضولیوں نے ایجاب و قبول کیا ہو اور فضولی نے بیع کی ہو تو اس کے مرنے کے بعد جائز نہیں کر سکتا۔ فضولی اپنے کیے ہوئے نکاح کو فسخ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، نہ قول سے فسخ کر سکتا ہے مثلاً کہے میں نے فسخ کر دیا، نہ فعل سے مثلاً اسی شخص کا نکاح اس عورت کی بہن سے کر دیا تو پہلا فسخ نہ ہوگا اور اگر فضولی نے مرد کی بغیر اجازت نکاح کر دیا، اس کے بعد اسی شخص نے اس فضولی کو وکیل کیا کہ میرا کسی عورت سے نکاح کر دے، اس نے اس پہلی عورت کی بہن سے نکاح کیا تو پہلا فسخ ہو گیا اور کہتا کہ میں نے فسخ کیا تو فسخ نہ ہوتا۔

فضولی نے چار عورتوں سے ایک عقد میں کسی کا نکاح کر دیا، اس نے ان میں سے ایک کو طلاق دیدی تو باقیوں کے نکاح کی اجازت ہو گئی اور پانچ عورتوں سے متفرق عقد کے ساتھ نکاح کیا تو شوہر کو اختیار ہے کہ ان میں سے چار کو اختیار کر لے اور ایک کو چھوڑ دے۔ (عالمگیری)

کورٹ میرج اور تحریر، انٹرنیٹ، ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعہ نکاح کے احکام عدالتی نکاح

عدالت کے ذریعہ نکاح کی مروجہ صورت یہ ہے کہ مرد و زن رجسٹرار کے پاس نکاح نامہ پر دستخط کر دیتے ہیں، قانوناً نکاح منعقد ہونے کے لیے زبانی ایجاب وقبول اور گواہان کی موجودگی ضروری خیال نہیں کی جاتی ہے۔

شرعاً اس طرح نکاح منعقد نہیں ہوتا، جب فریقین قوتِ گویائی رکھتے ہیں تو ضروری ہے کہ زبان کے ذریعہ ایجاب وقبول ہو

اور دو مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں بہ حیثیت گواہان موجود ہوں؛ اگر رجسٹرار کے پاس ان دونوں شرطوں کی تکمیل ہو جاتی ہے، تب تو نکاح صحیح ہوا اور ان دونوں کے ازدواجی تعلقات حلال ہوں گے؛ ورنہ تعلقات حرام ہوں گے اور نکاح فاسد؛ اگر خدانخواستہ کسی نے ایسے فاسد طریقہ پر نکاح کر لیا تو چاہئے کہ دوبارہ گواہان کی موجودگی میں ایجاب وقبول کر کے نکاح کو درست کر لیں، یوں بھی رجسٹرار کے ذریعہ نکاح کا یہ طریقہ اسلام کے تصورِ نکاح کی رُوح کے خلاف ہے، اسلام چاہتا ہے کہ نکاح اعلانیہ ہو، اس کی زیادہ سے زیادہ تشہیر ہو اور لوگ زوجین کے درمیان حلال وجائز طریقہ پر مبنی ازدواجی رشتہ سے آگاہ ہوں، ظاہر ہے کہ عدالتی نکاح کی مروجہ صورت میں اگر زبانی ایجاب وقبول ہو جائے اور گواہان بھی موجود ہوں، جب بھی اس مقصد کی کما حقہ تکمیل نہیں ہوتی، نکاح صحیح کی صورت میں نکاح کے تمام ہی احکام ثابت ہوں گے؛ لیکن اگر نکاح فاسد ہوا اور مرد نے اس عورت سے صحبت کر ہی لی تو عورت کا خاندانی مہر (مہر مثل) اسے ادا کرنا ہوگا؛ نیز اس سے بچہ پیدا ہو جائے تو اس بچہ کا نسب بھی اس مرد سے ثابت ہوگا اور وہ اس کے لیے محرم قرار پائے گا؛ البتہ لڑکے کو اس مرد سے میراث نہیں ملے گی۔ (جدید فقہی مسائل)

تحریری نکاح کا فقہی حکم

تحریر کے ذریعہ بھی نکاح ہو سکتا ہے مگر یہ ضروری ہے کہ طرفین میں سے ایک کی جانب سے نکاح کی قبولیت کا زبانی اظہار ہو اور صرف ایک ہی طرف سے تحریر ہو؛ نیز قبولیت کا اظہار دو گواہوں کے سامنے کیا جائے اور وہ تحریر بھی ان گواہوں کو سنا دی جائے، مثلاً زید، ہندہ کو لکھے کہ میں نے تم سے اتنے مہر پر نکاح کیا، ہندہ کے پاس جب یہ تحریر پہنچے تو اوّل وہ دو گواہوں کو طلب کر کے ان کو یہ تحریر سنا دے اور پھر کہے کہ میں اسے قبول کرتی ہوں، اب نکاح منعقد ہو جائے گا؛ اگر ہندہ وہ تحریر پڑھ کر گواہوں کو نہ سنائے بلکہ صرف اپنی قبولیت کا اظہار ان کے سامنے کرے یا زبانی اظہار کی بجائے صرف تحریر لکھ دے اور اسی پر گواہوں کے دستخط کرا لے یا گواہوں کے دستخط بھی نہ کرائے ان تمام صورتوں میں نکاح نہیں ہو سکے گا۔ (جدید فقہی مسائل)

ٹیلی فون کے ذریعہ نکاح کا فقہی مفہوم

صرف ٹیلی فون پر ایجاب وقبول کافی نہ ہوگا، اس لیے کہ ایک تو دونوں کی مجلس بالکل مختلف ہے، دوسرے گواہان، فریقین کی بات پوری طرح سن نہیں سکتے؛ البتہ یہ صورت ممکن ہے کہ فون کے ذریعہ کوئی ایک فریق کسی کو نکاح کے لیے وکیل بنا دے اور وہ وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں بہ حیثیت وکیل ایجاب وقبول کا فریضہ انجام دے، مثلاً ہندہ، زید کو ٹیلی فون کر دے کہ میں تم کو اس بات کا وکیل بناتی ہوں کہ تم اپنے آپ سے میرا نکاح کر دو، اب زید یہ کرے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں کہے کہ تم لوگ گواہ ہو کہ میں نے فلانہ بنت فلاں سے نکاح کر لیا، تو نکاح ہو جائے گا؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ گواہان اس عورت سے واقف اور متعارف ہوں، طرفین ایک دوسرے کو نکاح کا وکیل بنانے کے بجائے ایک فریق کسی کو نکاح کا وکیل بنا دے اور دوسرے فریق کے سامنے بہ حیثیت وکیل ایجاب کرے اور دوسرا فریق قبول کر لے تو بھی نکاح منعقد ہو جائے۔ (جدید فقہی مسائل، فتاویٰ عثمانی)

دو فضولیوں یا ایک فضولی اور ایک اصیل کے عقد کرانے کا بیان

وَلَوْ جَرَى الْعَقْدُ بَيْنَ الْفُضُولِيَّيْنِ أَوْ بَيْنَ الْفُضُولِيِّ وَالْأَصِيلِ جَازَ بِالْإِجْمَاعِ. هُوَ يَقُولُ لَوْ كَانَ مَأْمُورًا مِنَ الْجَانِبَيْنِ يَنْفُذُ، فَإِذَا كَانَ فُضُولِيًّا يَتَوَقَّفُ وَصَارَ كَالْخُلْعِ وَالطَّلَاقِ وَالْإِعْتَاقِ عَلَى مَالٍ. وَلَهُمَا أَنَّ الْمَوْجُودَ شَطْرُ الْعَقْدِ؛ لِأَنَّهُ شَطْرٌ حَالَةَ الْحَضْرَةِ فَكَذَا عِنْدَ الْغَيْبَةِ، وَشَطْرُ الْعَقْدِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى مَا وَرَاءَ الْمَجْلِسِ كَمَا فِي الْبَيْعِ، بِخِلَافِ الْمَأْمُورِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ؛ لِأَنَّهُ يَنْتَقِلُ كَلَامُهُ إِلَى الْعَاقِدَيْنِ، وَمَا جَرَى بَيْنَ الْفُضُولِيَّيْنِ عَقْدٌ تَامٌّ، وَكَذَا الْخُلْعُ وَأُخْتَاهُ؛ لِأَنَّهُ تَصَرُّفُ يَمِينٍ مِنْ جَانِبِهِ حَتَّى يَلْزَمَ فَيَتِمَّ بِهِ

ترجمہ

اور اگر عقد جاری ہو، دو فضولیوں کے درمیان یا پھر ایک فضولی اور ایک اصیل شخص کے درمیان تو اجماع کے مطابق یہ جائز ہوگا۔ امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں: اگر وہ شخص دونوں طرف سے مامور ہو تو یہ نافذ ہو جائے گا اور اگر فضولی ہو تو یہ موقوف ہوگا اور اس کی مثال خلع، طلاق اور مال کی ادائیگی کے ساتھ غلام آزاد کرنے کی طرح ہوگی۔ ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے: جو چیز موجود ہے وہ عقد کا ایک حصہ ہے لہٰذا حاضر ہونے کے اعتبار سے عقد کا ایک حصہ ہو جائے گا اور اسی طرح وہ شخص جو غیر موجود ہے وہ بھی عقد کا ایک حصہ ہے اور عقد کا یہ حصہ آخر مجلس تک موقوف نہیں رہ سکتا لہٰذا یہ باطل ہوگا۔

جیسا کہ مال کی فروخت میں ایسا ہی ہوتا ہے لیکن دونوں طرف سے مامور شخص کا حکم اس کے برخلاف ہوگا کیونکہ اس کا کلام عقد کرنے والے دونوں فریقوں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ جو چیز دو فضولیوں کے درمیان جاری ہو وہ مکمل عقد ہے۔ اسی طرح خلع کا حکم ہے یا اس جیسی دیگر صورتوں کا حکم ہے چونکہ اس صورت میں مرد اپنے حقوق میں تصرف کر رہا ہے یہاں تک کہ یہ لازم ہو جائے گا اور اس کے ذریعے مکمل بھی ہو جائے گا۔

وکالت نکاح میں شرائط جزدی کا فقہی بیان

جب یہ بات تو پہلے بتادی گئی ہے کہ نکاح کے وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دوسرے سے نکاح پڑھوا دے۔ ہاں اگر عورت نے وکیل سے کہہ دیا کہ تو جو کچھ کرے منظور ہے تو اب وکیل دوسرے کو وکیل کر سکتا ہے یعنی دوسرے سے پڑھوا سکتا ہے اور اگر دو شخصوں کو مرد یا عورت نے وکیل بنایا، ان میں ایک نے نکاح کر دیا جائز نہیں۔

عورت نے نکاح کا کسی کو وکیل بنایا پھر اُس نے بطورِ خود نکاح کر لیا تو وکیل کی وکالت جاتی رہی، وکیل کو اس کا علم ہوا یا نہ ہوا اور اگر اس نے وکالت سے معزول کیا تو جب تک وکیل کو اس کا علم نہ ہو معزول نہ ہوگا، یہاں تک کہ معزول کرنے کے بعد وکیل کو علم نہ ہوا تھا، اس نے نکاح کر دیا ہو گیا اور اگر مرد نے کسی خاص عورت سے نکاح کا وکیل کیا تھا پھر موکل نے اس عورت کی ماں یا بیٹی سے نکاح کر لیا تو وکالت ختم ہوگئی۔

جس کے نکاح میں چار عورتیں موجود ہیں اُس نے نکاح کا وکیل کیا تو یہ وکالت معطل رہے گی، جب ان میں سے کوئی بائن ہو جائے، اس وقت وکیل اپنی وکالت سے کام لے سکتا ہے۔ کسی کی زبان بند ہوگئی اس سے کسی نے پوچھا، تیری لڑکی کے نکاح کا وکیل ہو جاؤں، اس نے کہا ہاں ہاں، اس کے سوا کچھ نہ کہا اور وکیل نے نکاح کر دیا صحیح نہ ہوا۔ (عالمگیری)

علامہ محمد امین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر کوئی شخص دونوں جانب سے فضولی ہو یا ایک جانب سے فضولی اور دوسری جانب سے اصیل ہو یا وکیل یا ولی ہو تو ان چاروں صورتوں میں نکاح موقوف نہ ہوگا بلکہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک باطل ہوگا، امام یوسف اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک یہ موقوف ہوگا جس طرح ایک فضولی کی طرف سے ایجاب کو دوسرا فضولی قبول کر لے تو بالاتفاق موقوف ہوتا ہے، قولہ (اس کا قول) کہ اگرچہ دو کلاموں سے ایجاب وقبول کرے، یہ خلاف ہے اس کے جو ہدایہ کے بعض حواشی اور کافی کی شرح میں ہے کہ اگر دو کلاموں سے اس نے ادا کیا تو بالاتفاق نکاح موقوف ہوگا، اس کو فتح میں رد کر دیا گیا ہے کیونکہ حق اس کے خلاف ہے اور اس قید کا اصحاب مذہب میں کوئی وجود نہیں ہے۔

اگر لڑکی بالغہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اگر فضولی نے اس سے خود نکاح بغیر اجازت کر لیا اور لڑکی خاموش رہی یا نکاح کے بعد اس نے رضامندی ظاہر کی تو امام اعظم اور امام محمد کے قول پر نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ بالغہ کی موجودگی میں خود اس کی طرف سے فضولی ہے لہذا دونوں اماموں کے نزدیک یہ نکاح موقوف نہ ہوگا بلکہ باطل ہوگا اھ ش، اور امام ابو یوسف کے قول پر جائز ہے۔ اضافی عبارت حاشیہ شامی کی ہے۔ (ردمحتار، ج ۲، ص ۳۲۶، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر بالغہ نے کسی کو کہا کہ میرا نکاح کر دے اور کوئی تخصیص نہ کی اس صورت میں اگر اس شخص نے اس کا نکاح خود اپنے ساتھ کر لیا تو جائز نہ ہوگا۔ (فتح القدیر، ج ۳، ص ۱۲۷، نوریہ رضویہ سکھر)

وکیل کا ہدایت کے خلاف نکاح کروانے کا بیان

﴿وَمَنْ اَمَرَ رَجُلًا اَنْ يُزَوِّجَهُ امْرَاَةً فَزَوَّجَهُ اثْنَتَيْنِ فِيْ عُقْدَةٍ لَّمْ تَلْزَمْهُ وَاحِدَةٌ مِنْهُمَا﴾ ؛ لِاَنَّهُ لَا وَجْهَ اِلَى تَنْفِيذِهِمَا لِلْمُخَالَفَةِ وَلَا اِلَى التَّنْفِيذِ فِيْ اِحْدَاهُمَا غَيْرَ عَيْنٍ لِلْجَهَالَةِ وَلَا اِلَى التَّعْيِينِ لِعَدَمِ الْاَوْلَوِيَّةِ فَتَعَيَّنَ التَّفْرِيقُ .

ترجمہ

اور اگر کوئی شخص کسی وکیل سے یہ کہے: کسی عورت کے ساتھ میرا نکاح کروادو! اور وکیل ایک ہی عقد میں اس کی شادی دو عورتوں کے ساتھ کروادے تو کسی ایک سے بھی اس کا نکاح نہیں ہوگا۔ ان دونوں کے نافذ نہ ہونے کی وجہ یہی ہے: وہ تفویض کردہ اختیار کے خلاف ہے اور ان دونوں عورتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی اس لیے نہیں ہوگا' کیونکہ صحیح طور پر یہ بات متعین نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی پتہ چل سکتا ہے' ان میں سے پہلے کس کے ساتھ ہوا ہے' لہٰذا تفریق لازم ہوجائے گی۔

شرح

جب کسی شخص کو بھیجا کہ فلانی سے میری منگنی کرآ۔ وکیل نے جاکر اس سے نکاح کردیا ہوگیا اور اگر وکیل سے کہا فلاں کی لڑکی سے میری منگنی کردے، اس نے لڑکی کے باپ سے کہا اپنی لڑکی مجھے دے، اس نے کہا دی، اب وکیل کہتا ہے میں نے اس لفظ سے اپنے موکل کا نکاح مراد لیا تھا تو اگر وکیل کا لفظ منگنی کے طور پر تھا اور لڑکی کے باپ کا جواب بھی عقد کے طور پر نہ تھا تو نکاح نہ ہوا اور اگر جواب عقد کے طور پر تھا تو نکاح ہوگیا مگر وکیل سے ہوا موکل سے نہ ہوا اور اگر وکیل اور لڑکی کے باپ میں موکل سے نکاح کے متعلق بات چیت ہوچکنے کے بعد لڑکی کے باپ نے کہا میں نے اپنی لڑکی کا نکاح اتنے مہر پر کردیا، یہ نہ کہا کہ کس سے وکیل سے یا موکل سے، وکیل نے کہا میں نے قبول کی تو لڑکی کا نکاح اس وکیل سے ہوگیا۔ (عالمگیری)

وکیل کا کنیز کے ساتھ نکاح کرانے کا بیان

﴿وَمَنْ اَمَرَهُ اَمِيْرٌ بِاَنْ يُزَوِّجَهُ امْرَاَةً فَزَوَّجَهُ اَمَةً لِغَيْرِهٖ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ﴾ رُجُوْعًا اِلَى اِطْلَاقِ اللَّفْظِ وَعَدَمِ التُّهْمَةِ ﴿وَقَالَا: لَا يَجُوْزُ اِلَّا اَنْ يُزَوِّجَهُ كُفُوًا﴾ ؛ لِاَنَّ الْمُطْلَقَ يَتَصَرَّفُ اِلَى الْمُتَعَارَفِ وَهُوَ التَّزَوُّجُ بِالْاَكْفَاءِ. قُلْنَا الْعُرْفُ مُشْتَرَكٌ اَوْ هُوَ عُرْفٌ عَمَلِيٌّ فَلَا يَصْلُحُ مُقَيِّدًا. وَذُكِرَ فِي الْوَكَالَةِ اَنَّ اعْتِبَارَ الْكَفَاءَةِ فِيْ هٰذَا اسْتِحْسَانٌ عِنْدَهُمَا ؛ لِاَنَّ كُلَّ اَحَدٍ لَا يَعْجِزُ عَنِ التَّزَوُّجِ بِمُطْلَقِ الزَّوْجِ فَكَانَتِ الْاِسْتِعَانَةُ فِي التَّزَوُّجِ بِالْكُفْءِ ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ .

ترجمہ

اگر کوئی شخص کسی وکیل کو یہ اختیار دے کہ وہ کسی عورت کے ساتھ اس کی شادی کردے' اور وکیل اس کا نکاح کسی کنیز کے ساتھ کردے' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک لفظ ''امراۃ'' مطلق ہے اور کوئی تہمت بھی نہیں ہے۔ امام ابویوسف اور امام محمد فرماتے ہیں: یہ جائز نہیں ہوگا بلکہ یہ اس صورت میں جائز ہوگا' جب وہ اس کا نکاح کفو میں کرے۔ ہم یہ

کہتے ہیں: عام عرف میں تمام عورتیں مشترک ہیں یا پھر اس سے مراد عرف عملی ہو سکتا ہے' لیکن اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی عرف میں اس عورت کا آزاد ہونا لازم نہیں آتا۔ امام محمد نے کتاب "الاصل" میں "وکالت" کے باب میں یہ بات ذکر کی ہے: اس صورت میں کفو کا لحاظ کرنا استحسان کے پیش نظر ہے' جو ان دونوں حضرات کے نزدیک ہے' کیونکہ کوئی بھی شخص اس بات سے عاجز نہیں ہے کہ وہ مطلق شادی کر سکے' وکیل کا تعاون اس لیے حاصل کیا گیا ہے تاکہ نکاح کو کفو میں کیا جائے۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

عرف وعادت کی تعریف:

وہ عمل جو بار بار کرنے کی وجہ سے لوگوں میں پختہ ہو جائے اور وہ کام سلیم الفطرت یعنی اچھے لوگوں کے ہاں مقبول و پسندیدہ ہو (الاشباہ ص ۴۶)

عرف کی اقسام:

عرف کی تین اقسام ہیں۔ ۱۔عرف عام ۲۔عرف خاص ۳۔عرف شرعی

۱۔عرف عام کا فقہی مفہوم:

وہ الفاظ جن کے معانی عرف (عام معاشرے) میں متعارف ہوں اگرچہ ان الفاظ کے وہ لغوی معانی کے مطابق ہوں یا نہ ہوں ایسے الفاظ کے وہ معانی مراد ہوتے ہیں جو عام لوگوں میں پہچانے جاتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا کہ وہ سری نہیں کھائے گا تو عرف عام میں اس سری سے مراد بکری یا گائے کی سری ہوگی یا وہ سری جو اس معاشرے میں رائج ہو اور جسکی بازاروں میں خرید و فروخت کی جاتی ہے اگر اس نے کبوتر یا چڑیا کی سری کھالی تو اسکی قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ عام معاشرے میں کبوتر یا چڑیا کی سری کی خرید و فروخت یا اس کا کھانا بالکل رائج ہی نہیں۔ (اصول شاشی)

۲۔عرف خاص کا فقہی مفہوم:

وہ الفاظ جو کسی خاص شعبہ یا فن، طبقہ یا گروہ کی اصطلاح ہوں وہ الفاظ عرف خاص کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جیسے رفع، نصب اور جر" یہ علمائے نحات کی اصطلاح میں اعراب کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جبکہ ان کے لغوی معنی کو چھوڑ کر نحویوں کی خاص اصطلاح بن چکی ہے اور اس اصطلاح سے طلباء نحات فوراً استاذ کے کلام کا منشاء و مقصد سمجھ جاتے ہیں۔

۳۔عرف شرعی کا فقہی مفہوم:

وہ اصطلاحات جو شرعی احکام کے ساتھ خاص ہوں اس وجہ سے ان کے لغوی معانی کو ترک کر دیا گیا ہو اور انہیں شرعی اصطلاحات کے طور پر استعمال کیا جاتا ہو۔ اسکی مثال جیسے صلوٰۃ وصوم، زکوٰۃ وحج وغیرہ کے لغوی معانی کو چھوڑ کر ان کا استعمال شرعی اصطلاحات میں عبادات کے ساتھ خاص ہو چکا ہے اب جب بھی ان الفاظ کو بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ خاص عبادات ہی ہوتی ہیں نہ کہ ان کے لغوی معانی کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ (الاشباہ)

عرف عملی عرف مطلق کو مقید کرنے کا والا نہیں ہے

اگر کوئی حاکم کسی شخص کو یہ ہدایت کرے: تم کسی عورت کے ساتھ میری شادی کر دو! اور پھر وہ وکیل کسی دوسرے شخص کی کنیز کے ساتھ اس حاکم کی شادی کر دے' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسا کرنا درست ہوگا' کیونکہ لفظ عورت مطلق ہے۔ اسی طرح وکیل نے کیونکہ کسی دوسرے کی کنیز کے ساتھ حاکم کی شادی کی ہے' تو اس پر یہ تہمت عائد نہیں کی جاسکتی کہ اس نے اپنے کسی ذاتی فائدے کے لئے ایسا کیا ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: مطلق لفظ سے مراد وہ مفہوم ہوتا ہے' جو عرف کے مطابق ہو اور مذکورہ صورت میں عرف کے مطابق مفہوم یہ ہوگا' وہ وکیل اس حاکم کی شادی کسی ایسی خاتون کے ساتھ کرے جو اس حاکم کی کفو ہو اور وہ کفو کوئی آزاد عورت ہو سکتی ہے۔

امام ابوحنیفہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے: عرف کے اعتبار سے لفظ کا مفہوم ''مشترک'' ہے' یعنی عام رواج یہی ہے' لوگ آزاد عورت کے ساتھ بھی شادی کر لیتے ہیں اور کنیزوں کے ساتھ بھی شادی کر لیتے ہیں' تو مشترک صورت میں اگر کسی ایک پہلو کو اختیار کیا جائے تو یہ درست ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے: اس سے مراد عرف عملی ہو اور ایسا عرف مطلق کو مقید نہیں کر سکتا۔ یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: امام محمد نے کتاب ''المبسوط'' کے ''کتاب الوکالۃ'' میں یہ روایت ذکر کی ہے: صاحبین کے نزدیک یہ حکم ''استحسان'' کے پیش نظر ہے' کیونکہ شادی تو کوئی بھی کر سکتا ہے۔ شادی میں وکیل کی مدد حاصل کرنے کا مقصد صرف یہی ہے' وہ شادی کفو میں ہو۔

بَابُ الْمَهْرِ

﴿یہ باب مہر کے بیان میں ہے﴾

باب مہر کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔مصنف جب نکاح ارکان اور شرائط نکاح سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے مہر سے متعلق احکام شرعیہ کا شروع کیا ہے۔مہر کے وجوب کا حکم اسی طرح ہے۔جس طرح عقد کا وجوب ہوتا ہے لہذا یہ وجوب اور ادائیگی میں عقد کی مثل ہوگیا۔اور مہر اس مال کو کہتے ہیں کو ملک بضع کے بدلے میں دیا جاتا ہے اور اس کیلئے مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ان میں بعض درج ذیل ہیں۔

وَلَهُ أَسَامٍ :الْمَهْرُ ، وَالصَّدَاقُ ، وَالنِّحْلَةُ ، وَالْأَجْرُ ، وَالْفَرِيضَةُ ، وَالْعُقْرُ .

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۴۷۲، بیروت)

حق مہر کی تعریف کا بیان

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں۔اصطلاح فقہ میں مہر اس مال کو کہتے ہیں جو عقد نکاح کے بعد عورت سے نفع حاصل کرنے کے بدلے دیا جاتا ہے۔جبکہ بعض فقہاء نے کہا ہے مہر وہ ہے جو ملک بضع کے بدلے میں بیوی کو دیا جاتا ہے۔البتہ اس کے مال ہونے میں مختلف حیثیت ہے۔

فقہاء شوافع نے لکھا ہے کہ مہر وہ مال ہے جو نکاح سے یا مباشرت سے یا خاوند سے حقوق زوجیت سے جبری طور پر محروم کیے جانے یا خلع کے سبب جھوٹی (گواہی) سے واجب ہو جاتا ہے۔(مذاہب اربعہ، ج ۵، ص ۱۲۲، اوقاف پنجاب)

قرآن کے مطابق حکم مہر کا بیان

(۱) فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۔(النساء، ۲۴)

جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہو، ان کے مہر مقرر شدہ انہیں دو اور قرارداد کے بعد تمہارے آپس میں جو رضامندی ہو جائے، اس میں کچھ گناہ نہیں۔بیشک اللہ (عزوجل) علم و حکمت والا ہے۔

(۲) وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا ۔(النساء، ۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو پھر اگر وہ خوشی دل سے اس میں سے کچھ تمھیں دے دیں تو اسے کھاؤ رچتا پچتا۔

(۳)(لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَّمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۔(البقرہ،۲۳۶)

تم پر کچھ مطالبہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دو، جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا مہر نہ مقرر کیا ہو اور ان کو کچھ برتنے کو دو، مالدار پر اس کے لائق اور تنگ دست پر اس کے لائق حسب دستور برتنے کی چیز واجب ہے، بھلائی والوں پر۔

(۴)وَ إِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَّعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَ أَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۔(البقرہ،۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی اور ان کے لیے مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا مقرر کیا اس کا نصف واجب ہے مگر یہ کہ عورتیں معاف کر دیں یا وہ زیادہ دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔اور اے مردو! تمھارا زیادہ دینا پرہیزگاری سے زیادہ نزدیک ہے اور آپس میں احسان کرنا نہ بھولو، بے شک اللہ (عزوجل) تمھارے کام دیکھ رہا ہے۔

احادیث کے مطابق حکم مہر کا بیان

(۱) صحیح مسلم شریف میں ہے :ابوسلمہ کہتے ہیں، میں نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا، کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا؟ فرمایا : حضور(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا مہر ازواج مطہرات کے لیے ساڑھے بارہ اوقیہ تھا "یعنی پانسو۰۰ درم ہے۔(صحیح مسلم"، کتاب النکاح، باب الصداق)

(۲) ابوداود ونسائی ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، کہ نجاشی نے ان کا نکاح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیا اور چار ہزار مہر کے حضور(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی طرف سے خود ادا کیے اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ انھیں حضور(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خدمت میں بھیج دیا۔(سنن نسائی، رقم،۳۳۴۷)

(۳)ابوداود وترمذی ونسائی ودارمی راوی، کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور مہر کچھ نہیں بندھا اور دخول سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا۔ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : عورت کو مہر مثل ملے گا، نہ کم نہ زیادہ اور اس پر عدت ہے اور اُسے میراث ملے گی۔معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ بروع بنت واشق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم فرمایا تھا۔یہ سن کر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہوئے۔

(جامع ترمذی،۱۱۴۸)

(۴) حاکم وبیہقی عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا" : بہتر وہ مہر ہے جو آسان ہو۔ (مستدرک، رقم الحدیث، ۲۷۹۶)

مہر نہ دینے پر وعید کا بیان

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا" : جو شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ عورت کو مہر میں سے کچھ نہ دے گا، تو جس روز مرے گا زانی مرے گا اور جو کسی سے کوئی شے خرید ے اور یہ نیت ہو کہ قیمت میں سے اُسے کچھ نہ دے گا تو جس دن مرے گا، خائن مرے گا اور خائن نار میں ہے۔

(معجم کبیر، ج ۲، ص ۳۵، رقم الحدیث، ۷۳۰۲)

مہر کو ذکر کیے بغیر نکاح کے جواز کا بیان

﴿وَيَصِحُّ النِّكَاحُ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ فِيهِ مَهْرًا﴾ ؛ لِأَنَّ النِّكَاحَ عَقْدُ انْضِمَامٍ وَازْدِوَاجٍ لُغَةً فَيَتِمُّ بِالزَّوْجَيْنِ ، ثُمَّ الْمَهْرُ وَاجِبٌ شَرْعًا إبَانَةً لِشَرَفِ الْمَحَلِّ فَلَا يَحْتَاجُ إلَى ذِكْرِهِ لِصِحَّةِ النِّكَاحِ ، وَكَذَا إذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ أَنْ لَا مَهْرَ لَهَا لِمَا بَيَّنَّا ، وَفِيهِ خِلَافُ مَالِكٍ

ترجمہ

اور نکاح درست ہوتا ہے اگر چہ اس میں مہر طے نہ کیا گیا ہو اس کی وجہ یہ ہے: لغت کے اعتبار سے لفظ نکاح کا مطلب انضمام (ملنے) یا ازدواج (شادی ہونے) کے عقد کا نام ہے اور وہ زوجین (میاں بیوی) سے مکمل ہو جاتا ہے۔ پھر شریعت کے اعتبار سے مہر واجب ہے یہ اس محل کی عزت و احترام کو ظاہر کرنے کے لئے ہے اس لیے نکاح کے درست ہونے میں اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عورت کے ساتھ اس شرط پر شادی کرتا ہے کہ اس (عورت) کو مہر نہیں ملے گا (تو وہ نکاح درست ہوگا) اس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں اس میں حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔

مہر کی ادائیگی سے متعلق فقہی تصریحات کا بیان

حافظ عماد الدین لکھتے ہیں۔

جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ ان کے اس فائدہ کے مقابلہ میں مہر دے دیا کرو، جیسے اور آیت میں ہے و کیف تاخذونہ وقد افضی بعضکم الی بعض یعنی تم مہر کو عورتوں سے کیسے لو گے حالانکہ ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور فرمایا و اتوا النساء صدقاتھن نحلتہ عورتوں کے مہر بخوشی دے دیا کرو اور جگہ فرمایا و لا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتمو ھن شیأ الخ تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہو اس میں سے واپس لینا تم پر حرام ہے، اس آیت سے نکاح متعہ پر استدلال کیا ہے بیشک متعہ ابتداء اسلام میں مشروع تھا لیکن پھر منسوخ ہو گیا،

امام شافعی اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ دو مرتبہ متعہ مباح ہوا پھر منسوخ ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس سے بھی زیادہ بار مباح اور منسوخ ہوا،

اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح ہوا پھر منسوخ ہو گیا پھر مباح نہیں ہوا۔ حضرت ابن عباس اور چند دیگر صحابہ سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مروی ہے،

حضرت امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت ایسی ہی مروی ہے ابن عباس ابی بن کعب سعید بن جبیر اور سدی سے منہن کے بعد الی اجل مسمی کی قرأت مروی ہے، مجاہد فرماتے ہیں یہ آیت نکاح متعہ کی بابت نازل ہوئی ہے،

لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں اور اس کا بہترین فیصلہ بخاری و مسلم کی حضرت علی والی روایت کر دیتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے دن نکاح متعہ سے اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا، اس حدیث کے الفاظ کتب احکام میں مقرر ہیں، صحیح مسلم شریف میں حضرت سیرہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے غزوہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی رخصت دی تھی یاد رکھو بیشک اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو تو اسے چاہئے کہ اسے چھوڑ دے اور تم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہو اس میں سے ان سے کچھ نہ لو صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں یہ فرمایا تھا، یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے۔

پھر فرمایا کہ تقرر کے بعد بھی اگر تم بہ رضامندی کچھ طے کرلو تو کوئی حرج نہیں، اگلے جملے کو متعہ پر محمول کرنے والے تو اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے پھر مدت کو بڑھا لینے اور جو دیا ہو اس کے علاوہ اور کچھ دینے میں کوئی گناہ نہیں، سدی کہتے ہیں اگر چاہے تو پہلے کے مقرر مہر کے بعد جو دے چکا ہے وقت کے ختم ہونے سے پیشتر پھر کہدے کہ میں اتنی اتنی مدت کے لئے پھر متعہ کرتا ہوں پس اگر اس نے رحم کی پاکیزگی سے پہلے دن بڑھا لئے تو جب مدت پوری ہو جائے تو پھر اس کا کوئی دباؤ نہیں وہ عورت الگ ہو جائے گی اور حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کرلے گی ان دونوں میں میراث نہیں نہ یہ عورت اس مرد کی وارث نہ یہ مرد اس عورت کا، اور جن حضرات نے اس جملہ کو نکاح مسنون کے مہر کی کے مصداق کہا ہے ان کے نزدیک تو مطلب صاف ہے کہ اس مہر کی ادائیگی تاکیداً بیان ہو رہی ہے جیسے فرمایا مہر بہ آسانی اور بہ خوشی دے دیا کرو، اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنے پورے حق کو یا تھوڑے سے حق کو چھوڑ دے صاف کر دے اس سے دست بردار ہو جائے تو میاں بیوی میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں۔

حضرت حضرمی فرماتے ہیں کہ لوگ اقرار دیتے ہیں پھر ممکن ہے کہ تنگی ہو جائے تو اگر عورت اپنا حق چھوڑ دے تو جائز ہے، امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کر دے پھر اسے بسنے اور الگ ہونے کا پورا

پورا اختیار دے، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ علیم وحکیم ہے ان کا احکام میں جو حلت وحرمت کے متعلق ہیں جو حکمتیں ہیں اور جو مصلحتیں ہیں انہیں وہی بخوبی جانتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ۲۳۰)

بغیر طے کردہ حق مہر میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت علقمہ حضرت بن مسعود کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا کچھ مہر مقرر نہیں کیا اور پھر اس نے ابھی دخول نہیں کیا تھا یعنی نہ تو اپنی بیوی کے ساتھ جماع کیا تھا اور نہ خلوت صیحہ ہوئی تھی۔ کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابن مسعود نے ایک مہینہ تک اس مسئلہ پر غور وفکر کیا اور پھر اپنے اجتہاد کی بنیاد پر فرمایا کہ اس عورت کو وہ مہر ملے گا جو اس کے خاندان کی عورتوں کا ہے (یعنی اس شخص کی بیوہ کو مہر دیا جائیگا) نہ اس میں کوئی کمی ہوگی نہ زیادتی اور اس عورت پر شوہر کی وفات کی عدت بھی واجب ہوگی اور اس کو میراث بھی ملے گی۔ یہ سن کر حضرت معقل بن سنان اشجعی کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں یہی حکم دیا تھا جو اس وقت آپ نے بیان کیا ہے حضرت ابن مسعود یہ بات سنکر بہت خوش ہوئے۔

(ترمذی ابوداؤد ونسائی دارمی) مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 409)

حضرت ابن مسعود کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل ذہانت وذکاوت اور دینی فہم وفراست کی دولت بڑی فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھی کسی بھی الجھے ہوئے مسئلے کو اپنی بے پناہ قوت اجتہاد کے ذریعہ اس طرح حل فرما دیتے تھے کہ وہ قرآن وحدیث کے بالکل مطابق ہوتا انہوں نے اپنی قوت اجتہاد سے اس کا شرعی فیصلہ سنایا تو ایک صحابی حضرت معقل نے علی الاعلان یہ شہادت دی کہ حضرت ابن مسعود کا یہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے عین مطابق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی قسم کے ایک معاملہ میں ایسا ہی فیصلہ صادر فرمایا تھا چنانچہ حضرت ابن مسعود نے اپنی اس بات پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میری رہبری فرمائی اور میرا یہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہوا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرت علی اور صحابہ کی ایک جماعت کا یہ مسلک تھا کہ اس صورت میں عورت عدم دخول کی وجہ سے مہر کی حق دار نہیں ہوتی ہاں اس پر عدت واجب ہوتی ہے اور اسے شوہر کی میراث بھی ملتی ہے اس بارے میں حضرت امام شافعی کے دو قول ہیں ایک تو حضرت علی کے موافق ہے اور دوسرا قول حضرت ابن مسعود کے مطابق ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد کا مسلک وہی ہے جو حضرت ابن مسعود نے بیان کی ہے۔

مہر مثل کسے کہتے ہیں؟ مہر مثل عورت کے اس مہر کو کہتے ہیں جو اس کے باپ کے خاندان کی ان عورتوں کا ہو جو ان باتوں میں اس کے مثل ہوں عمر، جمال، زمانہ، عقل، دینداری، بکارت وثیوبت، علم وادب اور اخلاق وعادات۔

مہر کے عدم تذکیر کی صورت میں مثلی کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ مہر معلوم ہونے کے علاوہ جائز نہیں امام شافعی کا مسلک یہی ہے مہر معلوم ہونا شرط ہے :یعنی اس کا علم ہونا چاہیے کہ کتنا ہے " پھر کہتے ہیں :اور اسی طرح ہر اس کا جس کی مقدار مجہول ہو یا اس کا حصول مجہول ہو تو بغیر کسی اختلاف کے اس کا مہر ہونا صحیح نہیں۔(المغنی، ج۷،ص ۱۶۷، بیروت)

مہر کی کم از کم مقدار کا بیان

(وَاَقَلُّ الْمَهْرِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :مَا يَجُوزُ اَنْ يَكُوْنَ ثَمَنًا فِي الْبَيْعِ ,لِاَنَّهُ حَقُّهَا فَيَكُوْنُ التَّقْدِيرُ اِلَيْهَا وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (وَلَا مَهْرَ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ) وَلِاَنَّهُ حَقُّ الشَّرْعِ وُجُوبًا اِظْهَارًا لِشَرَفِ الْمَحَلِّ فَيَتَقَدَّرُ بِمَا لَهُ خَطَرٌ وَهُوَ الْعَشَرَةُ اسْتِدْلَالًا بِنِصَابِ السَّرِقَةِ .

ترجمہ

مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔امام شافعی فرماتے ہیں:ہر وہ چیز جو سودے میں قیمت بن سکتی ہے وہ عورت کا مہر بھی بن سکتی ہے' کیونکہ مہر عورت کا حق ہے'لہٰذا اس کا تعین بھی عورت کے سپرد ہوگا۔ ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:"دس درہم سے کم مہر نہیں ہوگا"۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے:یہ شریعت کا حق ہے'جو واجب کیا گیا ہے تا کہ اس محل کے عزت و احترام کو واضح کیا جا سکے۔لہٰذا اس کا اندازہ اس چیز کے مطابق ہوگا جو صاحب حیثیت ہو اور وہ کم از کم دس (درہم) ہے اور اس کا استدلال (یا قیاس) چوری کے نصاب پر کیا جائے گا۔

حق مہر کا فقہی مفہوم

مہر حقوق زوجیت حاصل ہونے کے اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو عورت کو اس کے شوہر کی طرف سے دیا جاتا ہے۔مہر کے نہ دینے کی نیت نہ ہونا نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط ہے یعنی اگر کوئی شخص نکاح کے وقت یہ نیت کر لے کہ مہر دیا ہی نہ جائے گا تو اس کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔نکاح کے وقت مہر کا ذکر کرنا نکاح صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں ہے اگر مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

مہر کی مقدار میں مذاہب اربعہ

عاصم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے ان کے والد کے حوالے سے سنا کہ قبیلہ بنو فزارہ کی ایک عورت نے دو جوتیاں مہر مقرر کر کے نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم جوتیوں کے بدے میں

اپنی جان ومال دینے پر راضی ہو، اس نے عرض کیا ہاں پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔اس باب میں حضرت عمر، ابو ہریرہ، سہل بن سعد، ابو سعید، انس، عائشہ، جابر اور ابو حدرد اسلمی سے بھی روایت ہے عامر بن ربیعہ کی حدیث حسن صحیح ہے مہر کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ مہر کی کوئی مقدار متعین نہیں لہذا زوجین جس پر متفق ہو جائیں وہی مہر ہے۔سفیان، ثوری، شافعی، احمد، اسحاق کا یہی قول ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ مہر چار دینار سے کم نہیں۔بعض (فقہاء احناف) اہل کوفہ فرماتے ہیں کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہوتا۔(جامع ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث ۱۱۱۳)

نہ تو شریعت نے مہر کے لئے کسی خاص مقدار کو متعین کر کے اسے واجب قرار دیا ہے اور نہ اس کی زیادہ سے زیادہ کوئی حد مقرر کی گئی ہے بلکہ اسے شوہر کی حیثیت واستطاعت پر موقوف رکھا ہے کہ جو شخص جس قدر مہر دینے کی استطاعت رکھتا ہو اسی قدر مقرر کرے البتہ مہر کی کم سے کم ایک حد ضرور مقرر کی گئی ہے تاکہ کوئی شخص اس سے کم مہر نہ باندھے۔

چنانچہ حنفیہ کے مسلک میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (۶۲ء 30 گرام چاندی) ہے اگر کسی شخص نے اتنا مہر باندھا جو دس درہم یعنی (۶۲ء۳۰ گرام چاندی) کی قیمت سے کم ہو تو مہر صحیح نہیں ہوگا۔

حضرت امام مالک کے نزدیک کم سے کم مہر کی آخری حد چوتھائی دینار ہے اور حضرت امام شافعی و حضرت امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ جو بھی چیز ثمن یعنی قیمت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو اس کا مہر باندھنا جائز ہے۔

ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کا مہر:

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ کے علاوہ تمام ازواج مطہرات اور حضرت فاطمہ کے علاوہ تمام صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم چاندی کی مقدار ۱۵۷۵ ماشہ یعنی ایک کلو ۵۳۰ گرام ہوتی ہے۔آجکل کے نرخ کے مطابق ایک کلو ۵۳۰ گرام چاندی کی قیمت تقریباً ۹۱۸ روپے ہوتی ہے۔ام المؤمنین ام حبیبہ کا مہر چار ہزار درہم یا چار سو دینار تھا، چار ہزار درہم بارے ہزار چھ سو ماشہ یعنی بارے کلو ۲۴۷ گرام چاندی کے بقدر ہوتے ہیں اور چاندی کے موجودہ نرخ کے مطابق اس کی قیمت سات ہزار تین سو اڑتالیس (۷۳۴۸) روپیہ ہوتی ہے۔

حضرت فاطمہ زہراء کا مہر چار سو مثقال نقرہ تھا، چار سو مثقال اٹھارہ سو ماشہ یعنی ایک کلو ۷۵۰ گرام چاندی کے بقدر ہوتے ہیں اور چاندی کے موجودہ نرخ کے مطابق اس کی قیمت ایک ہزار پچاس روپیہ ہوتی ہے۔

اس قدر چاندی کے ساتھ روپے کی یہ مطابقت آج کل کے دور میں درست نہیں ہے کیونکہ پاکستان میں روپے کی قیمت بہت زیادہ گر چکی ہے۔ہاں ہر زمانے میں چاندی کی قیمت معلوم کر کے روپے کی تعیین کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مہر کی مقدار میں ادلہ مذاہب اربعہ

حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ ایک دن ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ یا

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنے آپ کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ہبہ کر دیا یہ کہہ کر وہ عورت دیر تک کھڑی رہی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہی تھے کہ ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اس عورت کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں تو اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جسے تم اس عورت کو مہر میں دے سکو؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس تہبند کے علاوہ جسے میں باندھے ہوئے ہوں میرے پاس کوئی اور چیز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ کوئی چیز ڈھونڈ لاؤ اگرچہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔ جب صحابی نے بہت تلاش کیا اور انہیں کوئی چیز نہیں ملی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو۔

(بخاری ومسلم) مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 405)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کر دیتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہبہ کو قبول کر لیتے تھے تو وہ عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال ہو جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا کچھ مہر واجب نہیں ہوتا تھا۔ یہ اور کسی کے لئے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جائز تھا اور نہ اب جائز ہے بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا یعنی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے جائز تھا چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

اور اگر کوئی مؤمن عورت اپنے تئیں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہبہ کر دے یعنی مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ عورت حلال ہے لیکن اے محمد یہ اجازت صرف آپ ہی کو ہے سب مسلمانوں کو نہیں۔

اس بارے میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک بغیر مہر کے لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کا جواز صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا یہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے۔

جب کہ حنفی مسلک یہ ہے کہ لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کرنا تو سب کے لئے جائز ہے مگر اس صورت میں مہر کا واجب نہ ہونا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا لہذا اگر کوئی عورت اپنے آپ کو کسی شخص کے لئے ہبہ کرے اور وہ شخص اس ہبہ کو قبول کر لے تو اس ہبہ کے ذریعہ دونوں کے درمیان نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس شخص پر مہر مثل واجب ہوگا اگرچہ وہ عورت مہر کا کوئی ذکر نہ کرے یا مہر کی نفی ہی کیوں نہ کر دے لہذا حنفی مسلک کے مطابق مذکورہ بالا آیت کے الفاظ (خَالِصَةً لَّكَ 33۔ الاحزاب 50:) کے

معنی ہیں کہ اپنے آپ کو ہبہ کر دینے والی عورت کا مہر واجب ہوئے بغیر حلال ہونا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔
(ولو خاتما من حديد) (اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو) سے معلوم ہوا کہ از قسم مال کسی بھی چیز کا مہر باندھنا جائز ہے خواہ وہ چیز کتنی ہی کم تر کیوں نہ ہو بشرطیکہ مرد وعورت دونوں اس پر راضی ہوں۔

چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے اس بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک کا جو مسلک ہے وہ ابتدائے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے حنفیہ کی دلیل حضرت جابر کی یہ روایت ہے جس کو دار قطنی نے نقل کیا ہے کہ حدیث (لا تنكحوا النساء الا الا كفاء) الخ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کا نکاح ان کے کفو ہی سے کیا جائے گا اور عورتوں کا نکاح ان کے ولی کریں اور دس درہم سے کم مہر کا اعتبار نہیں ہے۔

نیز حنفی مسلک کی تائید دار قطنی اور بیہقی ہی میں منقول حضرت علی کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ دس دراہم سے کم کا مہر معتبر نہیں۔

حضرت سہیل کی اس روایت کو حنفیہ نے مہر معجل پر محمول کیا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے مقررہ مہر میں سے کچھ حصہ علی الفور یعنی جماع کرنے سے پہلے دے دیتے تھے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو بھی یہ حکم فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی بھی چیز خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہول جائے تو لے آؤ تاکہ نکاح کے بعد اس عورت کو مہر کے طور پر کچھ نہ کچھ دے سکو۔ اسی بناء پر بعض علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نکاح کے بعد اپنی بیوی سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک اس کے مہر میں سے کچھ نہ کچھ اسے دے دیا جائے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر حضرت زہری اور حضرت قتادہ کا یہی مسلک تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے نکاح کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت فاطمہ کے پاس اس وقت تک جانے سے ممانعت کر دی جب تک کہ وہ حضرت فاطمہ کو ان کے مہر میں سے کچھ نہ دے دیں حضرت علی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وقت تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم فاطمہ کو اپنی زرہ دے دو حضرت علی نے حضرت فاطمہ کو اپنی زرہ دے دی اور اس کے بعد ان کے پاس گئے اور یہ معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ کا مہر چار سو مثقال چاندی کا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اس مقررہ مہر سے ایک زرہ کی بقدر دینے کا حکم دیا تھا لہذا ان حضرات کے نزدیک مقررہ مہر میں سے علی الفور یعنی جماع سے قبل کچھ دے دینا واجب ہے جب کہ حنفیہ کے ہاں یہ مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا، چنانچہ بعض ائمہ نے اسے جائز رکھا ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یعنی تعلیم قرآن کو مہر قرار دے کے نکاح کر لینے کی صورت میں نکاح تو صحیح ہو جاتا ہے مگر خاوند پر مہر مثل واجب ہوتا ہے اور جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو ارشاد گرامی (بما معك) الخ میں حرف با بدل کے لئے نہیں ہے بلکہ سببیت کے اظہار کے لئے ہے یعنی اس جملہ کے

معنی یہ ہیں کہ قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا گویا تمہیں قرآن کا یاد ہونا اس عورت کے ساتھ ہوا تھا تو قبولیت اسلام ان کے نکاح کا سبب تھا اسے مہر قرار نہیں دیا گیا تھا۔

تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو یہ حکم بطور وجوب نہیں تھا بلکہ بطریق استحباب تھا لہذا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا تھا۔

حریت کے مہر ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر مقرر کیا۔ اس باب میں حضرت صفیہ سے بھی روایت ہے حضرت انس کی حدیث حسن صحیح ہے، بعض صحابہ کرام اور دوسرے حضرت کا اس پر عمل ہے امام شافعی، احمد، اور اسحاق، کا یہی قول ہے بعض علماء کے نزدیک آزادی کو مہر مقرر کرنا مکروہ ہے ان کے نزدیک آزادی کے علاوہ مہر مقرر کرنا چاہیے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث، ۱۱۱۶)

مہر کی مقدار میں فقہی مذاہب ثلاثہ واہل ظواہر کا موقف

کم از کم مہر کے متعلق صحیح مسلم میں ایک روایت ملتی ہے جو ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالی بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپنے آپ کو آپ کے لیے ھبہ کرتی ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور اپنی نظریں اوپر کرنے کے بعد نیچے کرلیں جب عورت نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو وہ بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام میں سے ایک صحابی کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کو اس عورت کی ضرورت نہیں تو میرے ساتھ اس کی شادی کر دیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے پاس کچھ ہے؟ اس صحابی نے جواب دیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ اللہ تعالی کی قسم میرے پاس کچھ نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اپنے گھر والوں کے پاس دیکھو ہو سکتا ہے کچھ مل جائے، وہ صحابی گیا اور واپس آ کہنے لگا اللہ کی قسم مجھے کچھ بھی نہیں ملا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو اگر لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے وہ گیا اور واپس آ کر کہنے لگا اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ملی، لیکن میرے پاس یہ چادر ہے اس میں سے نصف اسے دیتا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: اس کا تم کیا کرو گے اگر اسے تم باندھ لو تو اس پر کچھ بھی نہیں ہوگا، وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ بات سن کر بیٹھ گیا اور جب زیادہ دیر بیٹھا رہا تو اٹھ کر چل دیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تو اسے واپس بلانے کا حکم دیا جب وہ واپس آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: تجھے کتنا قرآن حفظ ہے؟ اس نے جواب دیا فلاں فلاں سورۃ حفظ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اسے زبانی پڑھ سکتے ہو؟ وہ کہنے لگا جی ہاں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: جاؤ میں نے جو تمہیں قرآن کریم حفظ ہے اس کے بدلہ میں اس کا مالک بنا دیا۔ صحیح مسلم حدیث نمبر (1425)

تو اس حدیث میں ہے کہ مہر کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی جس سے مال حاصل کیا جا سکتا ہو، لیکن اس میں خاوند اور بیوی کی رضا مندی ضروری ہے کہ وہ جتنے مہر پر راضی ہو جائیں، اس لیے کہ مہر میں کم از کم لوہے کی انگوٹھی ہے۔

امام شافعی اور سلف اور بعد میں آنے والے جمہور علماء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے، ربیعہ، ابو الزناد، ابن ابی ذئب، یحیی بن سعید، لیث بن سعد، اور امام ثوری، اوزاعی، مسلم بن خالد، ابن ابی لیلی، اور داود، اور اہل حدیث فقہاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ اجمعین اور امام مالک کے اصحاب میں ابن وھب کا بھی یہی مسلک ہے۔

حجازیوں، بصریوں، کوفیوں، اور شامیوں وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جس پر بھی خاوند اور بیوی راضی ہو جائیں چاہے وہ زیادہ وہ یا کم مہر مثلا جوتا، لوہے کی انگوٹھی اور چھڑی وغیرہ۔

دس دراہم سے کم مہر مقرر کرنے کا حکم

(وَلَوْ سَمَّى أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ فَلَهَا الْعَشَرَةُ) عِنْدَنَا .وَقَالَ زُفَرُ :لَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ ؛لِأَنَّ تَسْمِيَةَ مَا لَا يَصْلُحُ مَهْرًا كَانْعِدَامِهِ وَلَنَا أَنَّ فَسَادَ هَذِهِ التَّسْمِيَةِ لِحَقِّ الشَّرْعِ وَقَدْ صَارَ مُقْتَضِيًا بِالْعَشَرَةِ ، فَأَمَّا مَا يَرْجِعُ إِلَى حَقِّهَا فَقَدْ رَضِيَتْ بِالْعَشَرَةِ لِرِضَاهَا بِمَا دُونَهَا ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِعَدَمِ التَّسْمِيَةِ ؛لِأَنَّهَا قَدْ تَرْضَى بِالتَّمْلِيكِ مِنْ غَيْرِ عِوَضٍ تَكَرُّمًا ، وَلَا تَرْضَى فِيهِ بِالْعِوَضِ الْيَسِيرِ .

ترجمہ

اگر دس دراہم سے کم مہر مقرر کیا گیا ہو تو ہمارے نزدیک اس عورت کو دس دراہم ملیں گے۔ امام زفر فرماتے ہیں: اس عورت کو مہر مثل ملے گا اس کی وجہ یہ ہے: جو چیز مہر ہونے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو اگر اسے طے کر لیا جائے تو گویا وہ معدوم ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے: یہ طے شدہ مقدار شریعت کے حق کے اعتبار سے فاسد ہے' لہٰذا دس کے عدد کے ساتھ یہ درست ہو جائے گی۔ رہی وہ بات جو عورت کے حق کی طرف لوٹتی ہے' تو وہ عورت دس دراہم پر راضی ہو جائے گی' کیونکہ وہ اس سے کم پر بھی راضی ہو چکی تھی۔ اس بارے میں طے شدہ مقدار نہ ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا' کیونکہ بعض اوقات عورت عزت واحترام کے پیش نظر کسی عوض کے بغیر بھی ملکیت بننے (یعنی بیوی بننے) پر راضی ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس بارے میں تھوڑے عوض پر راضی نہیں ہو گی۔

عورت کا کم مہر پر راضی ہونے فقہی بیان

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں سے کچھ حصہ بطور مہر معجل دیدیا مثلا دونوں ہاتھ بھر کر ستو یا کھجوریں دیدیں تو اس نے اس عورت کو اپنے لئے حلال کر لیا ہے۔

(ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر ۴۰۸)

حضرت عامر بن ربیعہ کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی فزارہ کی ایک عورت نے ایک جوڑی جوتی پر ایک شخص سے نکاح کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا تم اپنی مالداری کے باوجود اپنے آپ کو ایک جوڑا جوتی کے بدلے حوالے کر دینے پر راضی ہو گئیں یعنی اس کے باوجود کہ تم خود مالدار اور باحیثیت خاتون ہو کیا صرف ایک جوڑا جوتی کے بدلے اپنے آپ کو حوالے کر دینے پر راضی ہو(اس عورت نے کہا کہ ہاں میں راضی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سن کر اس کو جائز رکھا (ترمذی)

رفع تعارض کے پیش نظر اس حدیث کو بھی مہر معجل پر محمول کیا جائے گا لیکن اس کی یہ توضیح زیادہ مناسب ہے کہ جب اس عورت نے ایک جوڑا جوتی کے عوض نکاح کیا تو اس کا نکاح صحیح ہو گیا اور اسے اپنے مہر مثل کے مطالبہ کا حق حاصل ہو گیا جب وہ ایک جوڑا جوتی پر راضی ہو گئی تو گویا وہ اپنے مہر مثل میں سے ایک جوڑا جوتی سے زیادہ کے حق کے دستبردار ہو گئی لہذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز رکھا اور چونکہ اس صورت میں اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے یہ حدیث حضرت امام شافعی وغیرہ کے مسلک کی دلیل نہیں ہو سکتی اور ویسے بھی یہ حدیث ضعیف ہے۔

دس درہم مہر ہو اور صحبت سے پہلے طلاق دے دی جائے؟

وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا تَجِبُ خَمْسَةٌ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ ، وَعِنْدَهُ تَجِبُ الْمُتْعَةُ كَمَا اِذَا لَمْ يُسَمِّ شَيْئًا .

ترجمہ

اگر مرد (ایسی) عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے اسے طلاق دیدے تو ہمارے علماء کے نزدیک پانچ درہم کی ادائیگی لازم ہوگی۔ امام زفر کے نزدیک اس میں ساز وسامان دینا واجب ہوگا جیسا کہ اس وقت ہوتا ہے جب اس (عورت) نے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو۔

صحبت سے قبل طلاق دینے کی صورت میں مہر کا بیان

حافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں۔ عقد نکاح کے بعد دخول سے بھی طلاق کا دینا مباح ہو رہا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں مراد "مس" سے نکاح ہے دخول سے پہلے طلاق دے دینا بلکہ مہر کا بھی ابھی تقرر نہیں ہوا اور طلاق دے دینا بھی جائز ہے، گو اس میں عورت کے بے حد دل شکنی ہے، اسی لئے حکم ہے کہ اپنے مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کمی چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے۔

حضرت شعبی فرماتے ہیں درمیانہ درجہ اس فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتہ دوپٹہ لحاف اور چادر دے دے۔ تشریح فرماتے ہیں پانچ سو درہم دے، ابن سیرین فرماتے ہیں غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے لتے دے،

حضرت حسن بن علی نے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلہ میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوادی جائے۔

حضرت امام شافعی کا فرمان ہے کہ کسی چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ کم سے کم جس چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جا سکتا ہے وہ کافی ہوگا۔ میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے، گو پہلا قول حضرت الامام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، اس بارے میں بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہئے یا صرف اسی صورت کو جس سے میل ملاپ نہ ہوا ہو۔

بعض تو سب کیلئے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ آیت (وللمطلقت متاع بالمعروف) پس اس آیت کے عموم سے سب کیلئے وہ ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کی دلیل یہ بھی ہے آیت (فتعالین امتعکن) یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری چاہت دنیا کی زندگی اور اسی کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں، پس یہ تمام ازواج مطہرات وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی آچکی تھیں۔ سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، حسن بصری کا قول یہی ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا نیا اور صحیح قول یہی ہے۔

بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اس طلاق والی کو ضروری ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے آیت (یا ایھا الذین امنو اذا انکحتم المومنات ثم طلقتمو ھن من قبل ان تمسو ھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا فمتعوھن و سرحوھن سراحا جمیلا) یعنی اے ایمان والو تم جب ایمان والی عورت سے نکاح کرلو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں جو عدت وہ گزاریں تم انہیں کچھ مال اسباب دے دو اور حسن کردار سے چھوڑ دو،

سعید بن مسیب کا قول ہے کہ سورۃ احزاب کی یہ آیت سورۃ بقرہ کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔ حضرت سہل بن سعد اور ابواسید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیہ بنت شرجیل سے نکاح کیا جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواسید سے فرمایا اسے دو رنگین کپڑے دے کر رخصت کرو۔

تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب ومتاع کا دینا ضروری ہے جبکہ عورت کی وداع نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا اگر مقرر نہ ہوا ہو اور اگر مقرر ہو چکا

ہواور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہوگا۔ ہاں اس مصیبت زدہ عورت کیلئے متعہ ہے جس سے نہ ملاپ ہوا نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی۔

حضرت ابن عمر اور مجاہد کا یہی قول ہے۔ گو بعض علماء اسی کو مستحب بتلاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہئے ان کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہوا ہو، یہی مطلب سورۃ احزاب کی اس آیت تخییر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لئے یہاں اس خاص صورت کیلئے فرمایا گیا ہے کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق دے۔

حضرت شعبی سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا؟ تو آپ فرماتے ہیں اپنی طاقت کے برابر دے دے، اللہ کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

(ابن کثیر، البقرہ، ۲۳۶)

دخول سے قبل طلاق کی صورت میں مہر کے بارے میں فقہی مذاہب

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو نکاح کرنے کے بعد مہر مقرر کرنے اور صحبت کرنے سے پہلے فوت ہو جائے ابن مسعود نے فرمایا ایسی عورت کا مہر اس کے خاندان کی عورتوں کے برابر ہوگا نہ کم ہوگا اور نہ زیادہ، وہ عورت عدت گزارے گی اور اسے خاوند کے مال سے وراثت بھی ملے گی، اس پر معقل بن سنان، کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ رسول اللہ نے بروع بنت واشق کے متعلق ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا جیسا کہ آپ نے فیصلہ کیا ہے اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود بن بہت خوش ہوئے اس باب میں حضرت جراح سے بھی روایت ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1150)

منصور سے اسی کی مثل نقل ہے حدیث ابن مسعود حسن صحیح ہے اور انہی سے کئی سندوں سے مروی ہے بعض صحابہ اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے سفیان ثوری، احمد، اور اسحاق، کا یہی قول ہے بعض بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے انہوں نے فرمایا جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور مہر مقرر نہ کیا جائے تو جماع سے پہلے فوت ہونے کی صورت میں اس عورت کا میراث میں تو حصہ ہے لیکن مہر مقرر نہ کیا جائے تو جماع سے پہلے فوت ہونے کی صورت میں میراث میں تو حصہ ہے لیں مہر نہیں البتہ عدت گزارے گی۔

امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر بروع بنت واشق، والی حدیث ثابت بھی ہو جائے تو بھی حجت وہی بات ہوگی، جو نبی کریم سے مروی ہے امام شافعی سے مروی ہے کہ وہ مصر میں گئے تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا اور بروع بنت واشق کی حدیث پر عمل کرنے لگے تھے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1151)

شوہر اگر فوت ہو جائے تو طے کردہ مہر کا حکم

(وَمَنْ سَمَّى مَهْرًا عَشَرَةً فَمَا زَادَ فَعَلَيْهِ الْمُسَمَّى إِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا) ؛ لِأَنَّهُ بِالدُّخُولِ يَتَحَقَّقُ تَسْلِيمُ الْمُبْدَلِ وَبِهِ يَتَأَكَّدُ الْبَدَلُ ، وَبِالْمَوْتِ يَنْتَهِي النِّكَاحُ نِهَايَتَهُ ، وَالشَّيْءُ بِانْتِهَائِهِ يَتَقَرَّرُ وَيَتَأَكَّدُ فَيَتَقَرَّرُ بِجَمِيعِ مَوَاجِبِهِ (وَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمَّى) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ) الْآيَةَ وَالْأَقْيِسَةُ مُتَعَارِضَةٌ ، فَفِيهِ تَفْوِيتُ الزَّوْجِ الْمِلْكَ عَلَى نَفْسِهِ بِاخْتِيَارِهِ وَفِيهِ عَوْدُ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ إِلَيْهِ سَالِمًا فَكَانَ الْمَرْجِعُ فِيهِ النَّصَّ ، وَشَرَطَ أَنْ يَكُونَ قَبْلَ الْخَلْوَةِ ؛ لِأَنَّهَا كَالدُّخُولِ عِنْدَنَا عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

ترجمہ

جو شخص دس درہم یا اس سے زیادہ مہر مقرر کرے تو شوہر پر طے شدہ مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔ اگر اس نے اس عورت کے ساتھ دخول کر لیا ہو یا اسے چھوڑ کر فوت ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے: دخول کی وجہ سے "مبدل" کو سپرد کرنا متحقق ہو جاتا ہے اور مبدل کی سپردگی سے بدل کی سپردگی میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے اور (شوہر کی) موت کی وجہ سے نکاح اپنی انتہاء تک پہنچ جاتا ہے۔ نیز کوئی بھی شے اپنی انتہاء تک پہنچ کر ثابت اور مؤکد ہو جاتی ہے اس لیے یہ نکاح اپنے تمام تر احکام سمیت ثابت ہوگا۔

اگر شوہر نے دخول اور خلوت سے پہلے عورت کو طلاق دے دی تو اس عورت کو طے شدہ مہر کا نصف حصہ ملے گا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور اگر تم ان کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے انہیں طلاق دے دیتے ہو"۔ اس بارے میں قیاس میں باہمی طور پر تعارض پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں ایک صورت یہ ہے: شوہر نے اپنی ذات کو حاصل ہونے والی ملکیت کو اپنے اختیار کے ساتھ فوت کر دیا ہے اور اس میں ایک پہلو یہ ہے: جس چیز کے بارے میں عقد کیا گیا تھا وہ اس کی طرف سالم لوٹ آئی ہے لہٰذا اس بارے میں نص کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور یہ بھی شرط بیان کی گئی ہے: یہ طلاق خلوت سے پہلے ہونی چاہیے چونکہ ہمارے نزدیک خلوت بھی دخول کی مانند ہے جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

شرح

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (البقرہ، ۲۳۷)

اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہوگا ہاں اگر عورتیں مہر بخش دیں یا مرد جن کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے (اپنا حق) چھوڑ دیں (اور پورا مہر دے دیں تو ان کو اختیار ہے) اور اگر تم مرد لوگ ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری کی بات ہے اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

اس آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کیلئے متعہ مقرر کیا گیا تھا وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں تھا کیونکہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جبکہ طلاق دے دی گئی ہو اور مہر مقرر ہو چکا ہو تو آدھا مہر دینا پڑے گا۔ اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں آیتوں کی دونوں صورتوں میں ایک کے بعد ایک بیان ہو رہی ہیں واللہ اعلم۔

دخول سے قبل طلاق کی صورت میں نصف مہر پر فقہاء کا اجماع

اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے، لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہو جاتا ہے جبکہ خلوت ہوگئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے، گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔

امام شافعی کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفائے راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے، لیکن امام شافعی کی روایت سے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقررہ ہی دینا پڑے گا، امام شافعی فرماتے ہیں میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباس کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے، پھر فرماتا ہے کہ اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے۔ بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے،

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے۔ یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دے دے لیکن یہ قول شاذ ہے کوئی اور اس قول کا قائل نہیں، پھر فرماتا ہے کہ وہ معاف کر دے۔ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس سے مراد خاوند ہے۔

حضرت علی سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں، فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے۔

امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے، اس لئے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے، اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں اسی طرح

اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں۔

دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔

ابن عباس، علقمہ، حسن، عطاء، طاؤس، زہری، ربیعہ، زید بن اسلم، ابراہیم نخعی، عکرمہ، محمد بن سیرین سے بھی یہی مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے۔

امام مالک کا اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے، گو اور مال میں ہیر پھیر کرنے کا اختیار نہ ہو، عکرمہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے۔ گو وہ عورت سمجھدار ہو،

حضرت شریح بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شعبی نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مباہلہ کو تیار رہتے تھے۔ پھر فرماتا ہے تمہارا خون معاف کرنا ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اس سے مراد عورتیں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے، یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی اپنے خاوند کو معاف کر دے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دے دے۔ آپس کی فضیلت یعنی احسان کو نہ بھولو، اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ۔

ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا، مومن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑ لے گا اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اپنے آپس کے فضل کو نہ بھولو، برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بیکسی اور تنگ دستی کے وقت اس سے سستے داموں اس کی چیز خریدتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرمادیا ہے۔ اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا اس کی ہلاکت میں حصہ نہ لے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اسے رنج و غم پہنچے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے، حضرت عون حدیثیں بیان کرتے جاتے ہیں روتے جاتے یہاں تک کہ داڑھی سے ٹپکتے رہتے اور فرماتے میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دل ملول رہتا ہے کیونکہ جدھر نظر اٹھتی ہر ایک کو اپنے سے اچھے کپڑوں میں اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا، ہاں مسکینوں کی محفل میں میں نے بڑی راحت پائی،

رب العالمین یہی فرماتا ہے ایک دوسرے کی فضیلت فراموش نہ کرو، کسی کے پاس جب بھی کوئی سائل آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اس کیلئے دعائے خیر ہی کر دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے، اس پر تمہارے کام اور تمہارا حال بالکل روشن ہے اور عنقریب وہ ہر ایک عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

جب مہر نہ دینے کی شرط لگائی تو مہر مثلی ہوگا

قَالَ ﴿وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا اَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى اَنْ لَّا مَهْرَ لَهَا فَلَهٗ مَهْرُ مِثْلِهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا يَجِبُ شَيْءٌ فِي الْمَوْتِ ، وَاَكْثَرُهُمْ عَلٰى اَنَّهٗ يَجِبُ فِي الدُّخُوْلِ .لَهٗ اَنَّ الْمَهْرَ خَالِصُ حَقِّهَا فَتَتَمَكَّنُ مِنْ نَفْيِهِ ابْتِدَاءً كَمَا تَتَمَكَّنُ مِنْ اِسْقَاطِهِ انْتِهَاءً وَلَنَا اَنَّ الْمَهْرَ وُجُوْبًا حَقُّ الشَّرْعِ عَلٰى مَا مَرَّ ، وَاِنَّمَا يَصِيْرُ حَقَّهَا فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ فَتَمْلِكُ الْاِبْرَاءَ دُوْنَ النَّفْيِ .

ترجمہ

فرمایا: اگر مرد نے عورت کے ساتھ شادی کی اور اس کا مہر مقرر نہیں کیا' یا اس کے ساتھ اس شرط پر شادی کی کہ عورت کو مہر نہیں ملے گا تو عورت کو مہر مثل ملے گا۔ اگر مرد اس کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے' یا پھر اسے چھوڑ کر فوت ہو جاتا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: موت کی صورت میں کوئی چیز واجب نہیں ہوگی' جبکہ ان میں سے (یعنی شوافع میں سے) اکثر کے نزدیک دخول کی صورت میں یہ (مہر مثل) واجب ہوتا ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے: مہر خالص طور پر عورت کا حق ہے' لہٰذا وہ اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے کہ آغاز میں ہی اس کی نفی کر دے اس طرح وہ اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ آخر میں اسے ساقط کروا دے۔ ہماری دلیل یہ ہے: شریعت کے حق کے اعتبار سے مہر واجب ہے اور اس کی بنیاد وہی ہے' جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں' جبکہ یہ بقاء کی حالت میں عورت کا حق بن جاتا ہے' لہٰذا وہ عورت معاف کرنے کی مالک ہوگی' لیکن اس کا انکار کرنے کی مالک نہیں ہوگی۔

مہر کے عدم ذکر کی صورت مثلی مہر کا فقہی بیان

حضرت عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بھی اسی طرح کا ایک معاملہ آیا لوگ مہینہ بھر تک اختلاف کرتے رہے (اور کسی فیصلہ پر نہیں پہنچے) یا یہ کہا کہ مہینہ بھر میں کئی مرتبہ اختلاف کیا (بہت غور و فکر کے بعد) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اس معاملہ میں میری یہ رائے ہے کہ اس عورت کا مہر ثابت ہے جیسا کہ اس کی قوم کی عورتوں کا ہوا کرتا ہے نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ نیز یہ عورت میراث کی بھی مستحق ہوگی اور عدت بھی گزارے گی اگر میری رائے درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر اس میں مجھ سے کوئی بھول چوک ہوگئی ہے تو وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خطاء سے بری ہیں پھر قبیلہ اشجع کے کئی لوگ کھڑے ہوئے جن میں جراح اور ابوسفیان بھی تھے یہ سب لوگ بولے اے ابن مسعود ہم گواہ ہیں کہ بروع بنت واشق کے معاملہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا تھا جیسا کہ تم نے فیصلہ کیا۔ بروع بنت واشق کے شوہر کا نام ہلال بن مرہ اشجعی تھا۔ عبداللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ سن کر بیحد خوش ہوئے کہ ان کا فیصلہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق ہوگیا۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 351)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا تو فلاں عورت سے نکاح کرنے پر راضی ہے؟ اس نے کہا ہاں میں راضی ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت سے پوچھا کہ کیا تو فلاں شخص سے نکاح کرنے پر راضی ہے؟ اس نے کہا ہاں میں راضی ہوں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کا نکاح کر دیا۔ پھر اس شخص نے اپنی بیوی سے صحبت کی لیکن اس کا مہر مقرر نہ کیا اور نہ اس کو کوئی چیز دی۔ وہ شخص جنگ حدیبیہ میں شریک تھا اور اس کا حصہ خیبر میں نکلتا تھا جب وہ شخص مرنے لگا تو اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نکاح فلاں عورت سے کیا تھا لیکن میں نے نہ اس کا مہر مقرر کیا اور نہ اس کو کوئی چیز دی اب میں تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس عورت کو اپنا وہ حصہ دیدیا ہے جو خیبر سے ملنے والا ہے چنانچہ اس عورت نے اس کا وہ حصہ لے کر ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ شیخ عمر بن الخطاب نے آغاز حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہترین نکاح وہ ہے جو آسان ہو نیز اس کی روایت میں کہ رجل کی بجائے للرجل ہے پھر حسب سابق روایت بیان کی ابوداؤد کہتے ہیں کہ غالبا یہ روایت ملحق ہوگئی کیونکہ اصل بات اس کے علاوہ ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر ۳۵۲)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور اگر اس نے نکاح میں مہر کا ذکر ہی نہ ہوا یا مہر کی نفی کر دی کہ بلا مہر نکاح کیا تو نکاح ہو جائے گا اور اگر خلوت صحیحہ ہوگئی یا دونوں سے کوئی مر گیا تو مہر مثل واجب ہے بشرطیکہ بعد عقد آپس میں کوئی مہر طے نہ پا گیا ہو اور اگر طے ہو چکا تو وہی طے شدہ ہے۔ یونہی اگر قاضی نے مقرر کر دیا تو جو مقرر کر دیا وہ ہے اور ان دونوں صورتوں میں مہر جس چیز سے مؤکد ہوتا ہے، مؤکد ہو جائے گا۔

اور مؤکد نہ ہوا بلکہ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہوگئی، تو ان دونوں صورتوں میں بھی ایک جوڑا کپڑا واجب ہے یعنی کرتہ، پاجامہ، دوپٹا جس کی قیمت نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو اور زیادہ ہو تو مہر مثل کا نصف دیا جائے اگر شوہر مالدار ہو اور ایسا جوڑا بھی نہ ہو جو پانچ درہم سے کم قیمت کا ہو اگر شوہر محتاج ہو اگر مرد و عورت دونوں مالدار ہوں تو جوڑا اعلیٰ درجہ کا ہو اور دونوں محتاج ہوں تو معمولی اور ایک مالدار ہو ایک محتاج تو درمیانی۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح، باب مہر، ج ۲، ص، ۱۷، رحمانیہ لاہور)

دخول سے پہلے طلاق دینے میں سامان دینے کا بیان

﴿وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا فَلَهَا الْمُتْعَةُ﴾ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ﴾(۱) الْآيَةَ ثُمَّ هَذِهِ الْمُتْعَةُ وَاجِبَةٌ رُجُوعًا إلَى الْأَمْرِ ، وَفِيهِ خِلَافُ مَالِكٍ .

ترجمہ

اگر مرد عورت کو دخول سے پہلے طلاق دے دیتا ہے تو ایسی صورت میں عورت کو مال ومتاع دے دیا جائے گا اس کی دلیل

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "تم انہیں کچھ سازوسامان دے دو صاحب حیثیت شخص پر اس کی حیثیت کے مطابق لازم ہوگا"۔ پھر اس سازوسامان کی ادائیگی واجب ہوگی تا کہ امر کے صیغے کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس میں امام مالک علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے

قبل از دخول طلاق کی صورت میں عورتوں پر احسان کا بیان

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ. (البقرہ، ۲۳۶)

تم پر کچھ مطالبہ نہیں۔ اگر تم عورتوں کو طلاق دو جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا کوئی مہر مقرر کر لیا ہو اور ان کو کچھ برتنے کو دو۔ مقدور والے پر اس کے لائق اور تنگدست پر اس کے لائق حسب دستور کچھ برتنے کی چیز یہ واجب ہے بھلائی والوں پر (کنزالایمان)

دخول سے قبل طلاق دینے پر مہر میں فقہی مذاہب

حافظ عمادالدین شافعی لکھتے ہیں۔ اے ایمان والو تم جب ایمان والی عورت سے نکاح کر لو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں جو عدت وہ گزاریں تم انہیں کچھ مال اسباب دے دو اور حسن کردار سے چھوڑ دو،

سعید بن مسیب کا قول ہے کہ سورۃ احزاب کی یہ آیت سورۃ بقرہ کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔ حضرت سہل بن سعد اور ابواسید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیہ بنت شرجیل سے نکاح کیا جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواسید سے فرمایا اسے دو رنگین کپڑے دے کر رخصت کرو،

تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب ومتاع کا دینا ضروری ہے جبکہ عورت کی وداع نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا اگر مقرر نہ ہوا ہو اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہوگا۔ ہاں اس مصیبت زدہ عورت کیلئے متعہ ہے جس سے نہ ملاپ ہوا نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی۔

حضرت ابن عمر اور مجاہد کا یہی قول ہے، گو بعض علماء اسی کو مستحب بتلاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہئے ان کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہوا ہو، یہی مطلب سورۃ احزاب کی اس آیت تخییر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لئے یہاں اس خاص صورت کیلئے فرمایا گیا ہے کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق۔

حضرت شعبی سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا؟ تو آپ فرماتے ہیں اپنی طاقت کے برابر دے دے، اللہ کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

امام احمد کا مسلک ہے کہ ہر قسم کی مطلقہ کے لئے یہ حق ہے اور یہ ہر ایک کے لئے واجب ہے۔یہی قول حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابوقلابہ زہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے، اُن کی دلیل یہ آیت ہے :

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ O القرآن، البقرہ، 241 : 2

اور طلاق یافتہ عورتوں کو بھی مناسب طریقے سے خرچہ دیا جائے یہ پرہیزگاروں پر واجب ہے O

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۔(الاحزاب، ۲۸)

اے غیب بتانے والے (نبی) اپنی بیبیوں سے فرما دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں۔

جس عورت کے ساتھ بعدِ نکاح دخول یا خلوتِ صحیحہ ہوئی اس کو طلاق دی جائے تو کچھ سامان دینا مستحب ہے اور وہ سامان تین کپڑوں کا جوڑا ہوتا ہے، یہاں مال سے وہی مراد ہے۔ جس عورت کا مَہر مقرر نہ کیا گیا ہو اس کو قبلِ دخول طلاق دی تو یہ جوڑا دینا واجب ہے۔(خزائن العرفان، احزاب، ۲۸)

اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ طلاق کے بعد وہ جب تک عدت میں ہے، اگر اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کے ترکہ سے میراث ملے گی، جس طرح غیر مطلقہ بیوی کو ملتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک اس نے شادی نہ کی ہو، عدت کے بعد بھی میراث میں حصہ ملے گا۔یہی قول کئی صحابہ سے بھی مروی ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ چاہے اس کا طلاق دیتے وقت شوہر بیمار ہو یا نہ ہو، وہ اس لئے کہ شوہر کو ابھی اسے روکنے کا اور رجوع کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے اور وہ بھی اس کی مرضی سے، ولی اور گواہوں کی موجودگی کے بغیر اور بلا کسی نئے مہر کے۔

دخول سے پہلے طلاق دینے میں عدم رجوع پر اہل علم کا اتفاق

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں :اہل علم اس پر متفق ہیں کہ جس عورت سے دخول نہ کیا گیا ہو اسے ایک طلاق دینے سے ہی طلاق بائن ہو جاتی ہے، اور طلاق دینے والے کو اس سے رجوع کا حق حاصل نہیں؛ اس لیے کہ رجوع تو عدت میں کیا جا سکتا ہے اور دخول سے قبل کوئی عدت نہیں ہے۔

اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے :اے ایمان والو جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں دخول سے قبل طلاق

دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے وہ عدت شمار کریں الاحزاب (المغنی (7 / . (397)

اس بنا پر اگر آپ کا سابقہ خاوند آپ سے رجوع کرنا چاہے تو اس کے سامنے صرف یہی ایک حل ہے کہ وہ آپ کے ساتھ نئے مہر کے ساتھ نیا نکاح کر لے۔

مطلق خلوت ہونے کے بعد مہر دینے میں مذاہب اربعہ

جمہور کے ہاں یہی ہے کہ کامل مہر واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ جس نے بھی اپنی بیوی سے صحیح خلوت کر لی، یعنی وہ بغیر کسی بڑے یا چھوٹے یا امتیاز کرنے والے بچے کے بغیر صرف دونوں ہی خلوت کر لیں اور پھر عورت کو طلاق ہو جائے تو اسے پورا مہر دینا ہوگا۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجمل یہ کہ جب مرد اپنی بیوی سے صحیح عقد نکاح کے بعد خلوت کرے تو اس کا مہر دینا ہوگا اور وہ عدت بھی پوری کریگی چاہے اس نے اس سے جماع نہ بھی کیا ہو، خلفاء راشدین سے یہی مروی ہے۔

.امام احمد اور اثرم نے زرارۃ بن اوفی سے روایت کیا ہے کہ : خلفاء راشدین نے یہ فیصلہ کیا : جس نے دروازہ بند کر لیا یا پردہ گرا کر اندر چلا گیا تو اس پر پورا مہر واجب ہوگا، اور عدت بھی واجب ہوگی۔

اور اثرم نے احنف سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ : عمر اور علی اور سعید بن مسیب اور زید بن ثابت سب کے ہاں اس پر عدت ہوگی اور اسے پورا مہر دیا جائیگا، اور یہ معاملہ جات مشہور ہیں اور اس میں ان کے دور میں کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تو اس طرح یہ اجماع ہوا۔ (المغنی (7 / . (191)

"امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت ذکر کی جاتی ہے جو ایک قاعدہ اور اصول ہونی چاہیے وہ کہتے ہیں: کیونکہ اس نے عورت سے وہ کچھ حلال کر لیا جو کسی اور کے لیے حلال نہ تھا، اس لیے ان کا کہنا ہے : اگر مرد نے اس کو شہوت کے ساتھ چھوا یا اس کا کوئی حصہ جو خاوند کے علاوہ کوئی اور نہیں دیکھتا مثلاً شرمگاہ تو وہ عورت پورے مہر کی مستحق ہوگی، کیونکہ اس نے وہ کچھ حلال کر لیا جو اس کے علاوہ کسی اور کے لیے حلال نہیں تھا۔

اس بنا پر اگر تو آپ نے بیوی سے وہ کچھ فائدہ حاصل کر لیا ہے تو اس کے لیے پورا مہر واجب ہوگا، اور اس کو عدت بھی پوری کرنا ہوگی۔

دوم: مطلقہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اگر بالغ اور عقلمند ہو تو اپنے مہر میں سے کچھ حصہ معاف کر دے؛ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے : مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ ?اور اسی طرح جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ بھی اسی طرح معاف کر سکتا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس سے مراد خاوند ہے یا کہ عورت کا ولی؟

ابو حنیفہ اور احمد اور شافعی کے نئے قول میں اس سے خاوند مراد ہے، چنانچہ اسے حق حاصل ہے کہ وہ نصف مہر معاف کر دے اور اسے مطلقہ عورت کے لیے چھوڑ دے۔

اور امام مالک اور امام شافعی قدیم قول میں اس سے ولی مراد لیتے ہیں، چنانچہ اسے حق حاصل ہے کہ اپنی ولایت میں عورت کا

نصف مہر چھوڑ سکتا ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ":اہل علم کا اختلاف ہے کہ نکاح کی گرہ کس کے ہاتھ میں ہے امام احمد کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس سے مراد خاوند ہے، اور امام مالک اور علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے .. کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ?اور یہ کہ تم معاف کردو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے. ?اور وہ معافی جو تقوی کے زیادہ قریب ہے وہ خاوند اپنا حق معاف کردے، رہا یہ کہ ولی عورت کا مال معاف کردے یہ تقوی کے زیادہ قریب نہیں، اور اس لیے بھی کہ مہر تو بیوی کا مال ہے، اس لیے ولی نہ تو اسے ہبہ کرنے اور نہ ہی معاف کرنے کا مالک ہے جس طرح عورت کا دوسرا مال اور اس کے حقوق معاف نہیں کرسکتا، اور اسی طرح سارے ولی بھی ۔(المغنی ابن قدامہ (1 ر.(195)

متاع عورت کا فقہی مفہوم

﴿وَالْمُتْعَةُ ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ مِنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا﴾ وَهِيَ دِرْعٌ وَخِمَارٌ وَمِلْحَفَةٌ .وَهَذَا التَّقْدِيرُ مَرْوِيٌّ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا .(١)وَقَوْلُهُ مِنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا إشَارَةٌ إلَى أَنَّهُ يُعْتَبَرُ حَالُهَا وَهُوَ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ فِي الْمُتْعَةِ الْوَاجِبَةِ لِقِيَامِهَا مَقَامَ مَهْرِ الْمِثْلِ .وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ حَالُهُ عَمَلًا بِالنَّصِّ وَهُوَ قَوْله تَعَالَى ﴿عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ﴾(٢) ثُمَّ هِيَ لَا تُزَادُ عَلَى نِصْفِ مَهْرِ مِثْلِهَا وَلَا تَنْقُصُ عَنْ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ ، وَيُعْرَفُ ذَلِكَ فِي الْأَصْلِ

ترجمہ

یہاں استعمال ہونیوالے لفظ" ساز و سامان" سے مراد لباس کے تین کپڑے ہیں' کرتا' اوڑھنی اور چادر (یعنی تہبند) یہ مقدر مفہوم' سیدہ عائشہ صدیقہ W اور حضرت ابن عباس W کے حوالے سے منقول ہے۔ مصنف (امام قدوری) نے بھی یہ کہا ہے: وہ اس کی مانند لباس ہو' اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' اس بارے میں عورت کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا' اور واجب ساز و سامان کے بارے میں امام کرخی کی بھی یہی رائے ہے' کیونکہ یہ مہر مثل کے قائم مقام ہے۔ صحیح بات یہ ہے: اس بارے میں مرد کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا' تاکہ نص کے حکم پر عمل ہو سکے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:" صاحب حیثیت شخص پر اس کی حیثیت کے مطابق اور غریب شخص پر اس کی حیثیت کے مطابق"۔ پھر یہ (یعنی ساز و سامان) اس عورت کے مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہیں ہوگا اور یہ پانچ درہم سے کم نہیں ہوگا اور یہ بات" الاصل" (یعنی" المبسوط") میں جانی جاسکتی ہے۔

شرح

( ) اخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" عن ابن عباس رضي الله عنهما' واما حديث عائشة لم يجده مخرجوا "الهداية" انظر

"الدرایة" ۲/۶۳(۲) الآیة رقم ۲۳۶ من سورة البقرة

حضرت حکیم بن معاویہ سے روایت ہے۔ کہ ایک آدمی نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا : عورت کا خاوند پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے، اس کے منہ پر نہ مارے، اُسے برا نہ کہے اور گھر کے علاوہ تنہا کہیں نہ چھوڑے۔ (ابن ماجہ، کتاب النکاح)

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور اگر نفقہ واجب نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ابوسفیان کی اجازت کے بغیر مال لینے کی اجازت نہ فرماتے۔ مسلم فقہاء نے عورت کے اس حق کو نہ صرف قرآن وسنت بلکہ اجماع وعقلی طور پر بھی ثابت قرار دیا۔ الکاسانی کے مطابق : جہاں تک اجماع سے وجوبِ نفقہ کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں پوری امت کا اجماع ہے کہ خاوند پر بیوی کا نفقہ واجب ہے۔ عقلی طور پر شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہونا اس طرح ہے کہ وہ خاوند کے حق کے طور پر اس کی قید نکاح میں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی قید نکاح کا نفع بھی خاوند ہی کو لوٹ رہا ہے لہٰذا اس کی کفالت بھی خاوند کے ذمہ ہی ہونی چاہئے۔ اگر اس کی کفالت کی ذمہ داری خاوند پر نہ ڈالی جائے اور نہ وہ خود خاوند کے حق کے باعث باہر نکل کر کما سکے تو اس طرح وہ ہلاک ہو جائے گی لہٰذا اس کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قاضی کا خرچہ مسلمانوں کے بیت المال سے مقرر کیا گیا ہے کیونکہ وہ انہی کے کام میں محبوس (روکا گیا) ہے اور کسی دوسرے ذریعے سے کمائی نہیں کر سکتا لہٰذا اس کے اخراجات ان کے مال یعنی بیت المال سے وضع کیے جائیں گے۔ اسی طرح یہاں (عورت کے نفقہ میں) ہے۔ (کاسانی، بدائع الصنائع، 46 : 4)

میاں بیوی کا مہر کی مخصوص مقدار پر راضی ہونے کا بیان

﴿وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا ثُمَّ تَرَاضَيَا عَلٰى تَسْمِيَةٍ فَهِيَ لَهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا ، وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَلَهَا الْمُتْعَةُ﴾ وَعَلٰى قَوْلِ اَبِيْ يُوْسُفَ الْاَوَّلِ نِصْفُ هٰذَا الْمَفْرُوْضِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ ؛ لِاَنَّهُ مَفْرُوْضٌ فَيَتَنَصَّفُ بِالنَّصِّ . وَلَنَا اَنَّ هٰذَا الْفَرْضَ تَعْيِيْنٌ لِلْوَاجِبِ بِالْعَقْدِ وَهُوَ مَهْرُ الْمِثْلِ وَذٰلِكَ لَا يَتَنَصَّفُ فَكَذَا مَا نَزَلَ مَنْزِلَتَهُ ، وَالْمُرَادُ بِمَا تَلَا الْفَرْضُ فِي الْعَقْدِ اِذْ هُوَ الْفَرْضُ الْمُتَعَارَفُ .

ترجمہ

اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ شادی کرے اور اس کے لئے مہر طے نہ کرے اور پھر دونوں باہمی طور پر کسی ایک مقدار پر راضی ہو جائیں تو وہ مقدار عورت کو ملے گی۔ اگر مرد نے اس کے ساتھ صحبت کر لی اور اسے چھوڑ کر فوت ہو گیا لیکن اگر مرد نے اس کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے اسے طلاق دے دی تو اس عورت کو ساز وسامان ملے گا۔

امام ابو یوسف کے قول کے مطابق اسے اس طے شدہ مقدار کا نصف ملے گا۔امام شافعی بھی اس بات کے قائل ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے: یہ مقدار طے شدہ ہے' تو نص کے فیصلے کے مطابق اس کا نصف ادا کیا جائے گا۔ہماری دلیل یہ ہے: یہ فرض (طے شدہ مقدار) اس واجب کو متعین کرنے کے لئے ہے' جو عقد کے نتیجے میں ہوتا ہے اور وہ مہر مثل ہے اور وہ نصف نہیں ہوگا' تو جو اس کے مرتبہ ومقام پر ہوگا (اس کا بھی یہی حکم ہوگا)۔انہوں نے جو آیت تلاوت کی تھی اس سے مراد یہ ہے: عقد میں جو چیز فرض ہوتی ہے' کیونکہ وہی فرض متعارف ہے۔

شرح

اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنے پورے حق کو یا تھوڑے سے حق کو چھوڑ دے صاف کر دے اس سے دست بردار ہو جائے تو میاں بیوی میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں، حضرت حضرمی فرماتے ہیں کہ لوگ اقرار دیتے ہیں پھر ممکن ہے کہ تنگی ہو جائے تو اگر عورت اپنا حق چھوڑ دے تو جائز ہے، امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کر دے پھر اسے بسنے اور الگ ہونے کا پورا پورا اختیار دے، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ علیم وحکیم ہے ان کا احکام میں جو حلت وحرمت کے متعلق ہیں جو رحمتیں ہیں اور جو مصلحتیں ہیں۔

آثار کے مطابق وفات خاوند سے سقوط مہر کا بیان

حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن عمر کی بیٹی جن کی ماں زید بن خطاب کی بیٹی تھیں عبد اللہ بن عمر کے بیٹے کے نکاح میں آئی وہ مر گئے مگر انہوں نے اس سے صحبت نہیں کی نہ ان کا مہر مقرر ہوا تھا تو ان کی ماں نے مہر مانگا عبد اللہ بن عمر نے کہا کہ مہر کا ان کو استحقاق نہیں اگر ہوتا تو ہم رکھ نہ لیتے نہ ظلم کرتے ان کی ماں نے نہ مانا زید بن ثابت کے کہنے پر رکھا زید نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کو مہر نہیں ملے گا البتہ ترکہ ملے گا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے عامل کو لکھا کہ نکاح کر دینے والا باپ ہو یا کوئی اور اگر خاوند سے کچھ تحفہ یا ہدیہ لینے کی شرط کرے تو وہ عورت کو ملے گا اگر طلب کرے۔

حضرت امام مالک نے کہا کہ جس عورت کا نکاح باپ کر دے اور اس کے مہر میں کچھ حبا کی شرط کرے اگر وہ شرط ایسی ہو جس کے عوض میں نکاح ہوا ہے تو وہ حبا اس کی بیٹی کو ملے گا اگر چاہے۔

حضرت امام مالک نے کہا کہ جو شخص اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کرے اور اس لڑکے کا کوئی ذاتی مال نہ ہو تو مہر اس کے باپ پر واجب ہوگا اور اگر اس لڑکے کا ذاتی مال ہو تو اس کے مال میں سے دلایا جائے گا مگر جس صورت میں باپ مہر کو اپنے ذمے کر لے اور یہ نکاح لڑکی پر لازم ہوگا جب وہ نابالغ ہو اور اپنے باپ کی ولایت میں ہو۔

حضرت امام مالک نے کہا کہ میرے نزدیک ربع دینار سے کم مہر نہیں ہو سکتا اور نہ ربع دینار کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 988)

مہر کے عدم ذکر کے باوجود انعقاد نکاح کا حکم

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں :۔اگر مہر کا نام نہ لیا جائے تو عام اہل علم کے ہاں عقد نکاح صحیح ہوگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دو۔(البقرہ، 236)

اور روایت کیا جاتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما سے ایک ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا جس نے ایک عورت سے شادی کی اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا اور نہ ہی اس عورت سے دخول کیا اور اسی حالت میں فوت گیا تو ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا :اس عورت کو اس کی عورتوں جتنا مہر دیا جائیگا، نہ تو اس سے کم اور نہ ہی زیادہ، اور اس عورت پر عدت ہوگی، اور اسے وراثت بھی ملے گی، تو معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ تعالی عنہ اٹھے اور کہنے لگے :رسول کریم صلی اللہ وسلم نے بردع بنت واشق جو ہماری عورتوں میں سے تھی کے متعلق بالکل وہی فیصلہ کیا جو آپ نے کیا ہے "اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔(المغنی ابن قدامہ، ج ۷، ص ۱۸۲، بیروت)

بغیر مہر کے نکاح کو نکاح تفویض کا نام دیا جاتا ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم : تفویض البضع : کوئی شخص اپنی بیٹی کا بغیر مہر نکاح کر دے، اور کہے کہ :میں نے تیرے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی، اور مخاطب کہے :میں نے قبول کر لی، اور اس میں مہر کا ذکر نہ کیا جائے جیسا کہ آپ کے ساتھ ہوا ہے۔

دوسری قسم : تفویض المہر :یہ کہ عقد نکاح میں مہر کا ذکر تو کیا گیا ہو لیکن اس کی تعیین اور تحدید نہ ہوئی ہو کہ کتنا دیا جائیگا مثلا دولہا ولی کو کہے کہ میں اتنا مہر ادا کرونگا جتنا تم چاہو گے، یا پھر ولی دولہا کو کہے جتنے آپ چاہتے ہیں مہر ادا کر دیں یا اس طرح کے اور الفاظ ان دونوں صورتوں میں مہر مثل دیا جائیگا۔اور مہر مثل کی تحدید قاضی کریگا تا کہ اختلاف اور نزاع ختم ہو، اور اگر وہ قاضی کے پاس جائے بغیر ہی کسی پر راضی ہو جائیں تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ حق ان دونوں کا ہے کسی اور کا نہیں۔

تفویض البضع صحیح ہے، اور تفویض المہر بھی صحیح ہے اس صورت میں عورت کو عقد نکاح میں مہر مثل ملے گا، اور اس کو حاکم اور قاضی متعین کر کے لاگو کریگا، اور اگر وہ اس سے پہلے ہی دونوں راضی ہو جائیں تو جائز ہے۔

عقد کے بعد مہر کے زیادہ کرنے کا بیان

قَالَ ﴿وَإِنْ زَادَ لَهَا فِي الْمَهْرِ بَعْدَ الْعَقْدِ لَزِمَتْهُ الزِّيَادَةُ﴾ خِلَافًا لِزُفَرَ ، وَسَنَذْكُرُهُ فِي زِيَادَةِ الثَّمَنِ وَالْمُثَمَّنِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿وَ﴾ إِذَا صَحَّتِ الزِّيَادَةُ ﴿تَسْقُطُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ﴾ وَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ أَوَّلًا تَتَنَصَّفُ مَعَ الْأَصْلِ لِأَنَّ التَّنْصِيفَ عِنْدَهُمَا يَخْتَصُّ بِالْمَفْرُوضِ فِي الْعَقْدِ ، وَعِنْدَهُ الْمَفْرُوضُ بَعْدَهُ كَالْمَفْرُوضِ فِيهِ عَلَى مَا مَرَّ .

ترجمہ

فرمایا: اور اگر عقد ہو جانے کے بعد مرد عورت کے مہر میں اضافہ کر دے تو یہ اضافی ادائیگی اس پر لازم ہوگی اس بارے میں امام زفر کی رائے مختلف ہے۔ ہم عنقریب اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ثمن اور مثمن (یعنی وہ چیز جو قیمت ہو اور وہ چیز جس کی قیمت دی گئی ہو) میں اضافے کی بحث میں اس مسئلے کا ذکر کریں گے اور جب یہ زیادتی درست ہوگی تو دخول سے پہلے دی گئی طلاق کی وجہ سے یہ ساقط ہو جائے گی۔ امام ابو یوسف کے پہلے قول کے مطابق یہ نصف ہوگی جیسا کہ اصل مہر میں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: ان دونوں حضرات (یعنی امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک) یہ نصف ادائیگی عقد میں طے شدہ مقدار کے ساتھ مختص ہے جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک عقد کے بعد طے شدہ ہونے والی مقدار ہی عقد میں طے شدہ مقدار کی مانند ہوگی جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

طے شدہ مہر پر اضافے کیلئے گواہی کی عدم ضرورت

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور اگر مہر مقرر ہو چکا تھا، اور بعد میں شوہر یا اس کے ولی نے کچھ مقدار بڑھا دی، تو یہ مقدار بھی شوہر پر واجب ہوگئی بشرطیکہ اسی مجلس میں عورت نے یا نابالغہ ہو۔ تو اس کے ولی نے قبول کرلی ہو اور زیادتی کی مقدار معلوم ہو اور اگر زیادتی کی مقدار معین نہ کی ہو تو کچھ نہیں، مثلاً کہا کہ میں نے تیرے مہر میں زیادتی کر دی ہے اور یہ نہ بتایا کہ کتنی ہے، اس کے صحیح ہونے کے لیے گواہوں کی بھی حاجت نہیں۔ ہاں اگر شوہر انکار کر دے تو ثبوت کے لیے گواہ درکار ہوں گے اگر عورت نے مہر معاف کر دیا یا ہبہ کر دیا ہے جب بھی زیادتی ہو سکتی ہے۔ (درمختار، کتاب النکاح، باب مہر، ج ۴، ص ۲۳۷، بیروت)

عورت کے مہر کے کچھ حصے کا معاف ہونا

(وَإِنْ حَطَّتْ عَنْهُ مِنْ مَهْرِهَا صَحَّ الْحَطُّ) ؛ لِأَنَّ الْمَهْرَ بَقَاءً حَقُّهَا وَالْحَطُّ يُلَاقِيهِ حَالَةَ الْبَقَاءِ .

ترجمہ

اگر عورت مرد کو اپنے مہر کا کچھ حصہ معاف کر دیتی ہے تو یہ کم کرنا درست ہوگا اس کی وجہ یہ ہے: مہر عورت کا حق ہے اور یہ کمی بقاء کی حالت میں مہر کو لاحق ہوئی ہے۔

شرح

اصل بات تو یہی ہے کہ مہر وہی چیز ادا کی جائے گی جو اس نے بیوی کو کہا تھا، لیکن اگر خاوند اور بیوی دونوں اس کے خلاف یا پھر اس میں کمی یا زیادتی پر متفق ہو جائیں تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کر لو اس میں تم پر کوئی

گناہ نہیں)النساء(24)

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی اس کی تفسیر میں کہتے ہیں۔ یعنی مہر کی کمی اور زیادتی میں رضامندی کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے جبکہ مہر مقرر ہو چکا ہو۔ (تفسیر القرطبی، ج ۵، ص ۲۳۵، بیروت)

تہمت زوجہ کی صورت میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اکمال مہر کا حکم

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ جب خاوند اپنی پاکباز بیوی پر تہمت لگائے تو خاوند پر حد واجب ہوگی اور اس کو فاسق کا حکم دیا جائیگا اور اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی، الا یہ کہ وہ اس تہمت کی کوئی دلیل پیش کرے یا پھر لعان کرے، اور اگر وہ چار گواہ پیش نہیں کرتا یا پھر لعان کرنے یعنی قسمیں اٹھانے سے بھی احتراز کرتا ہے تو اس پر یہ سب لازم اور لاگو ہوگا، امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ کا یہی قول ہے۔

اس کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالی کا یہ فرمان ہے :اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی ان کی گواہی بھی قبول نہ کرو، یہ فاسق لوگ ہیں (النور(.4)

اور یہ حکم خاوند یا دوسرے کے لیے عام ہے، خاوند کو اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ اس کا لعان کرنا یعنی قسمیں اٹھانا گواہی کے قائم مقام ہے کہ لعان کرنے سے اس پر حد جاری نہیں ہوگی اور وہ فاسق قرار نہیں دیا جائیگا اور اس کی گواہی رد نہیں ہوگی۔

اور اس پیے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ دلیل پیش کرو وگرنہ آپ کو حد لگے گی "اور جب انہوں نے لعان کیا تو آپ نے فرمایا :دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے آسان ہے "اور اس لیے بھی کہ اگر تہمت لگانے والا اپنے آپ کو جھٹلاتا ہے تو اس پر حد لازم آتی ہے، چنانچہ جب وہ مشروع دلیل پیش نہ کرے تو اجنبی کی طرح اس پر حد لازم ہوگی۔

(المغنی، ج ۹، ص ۳۰، بیروت)

خلوتِ صحیحہ کی صورت میں مہر کا بیان

(وَإِذَا خَلَا الرَّجُلُ بِامْرَأَتِهِ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَانِعٌ مِنْ الْوَطْءِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ)
وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ ؛لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ إنَّمَا يَصِيرُ مُسْتَوْفًى بِالْوَطْءِ فَلَا يَتَأَكَّدُ الْمَهْرُ دُونَهُ وَلَنَا أَنَّهَا سَلَّمَتْ الْمُبْدَلَ حَيْثُ رَفَعَتْ الْمَوَانِعَ وَذَلِكَ وُسْعُهَا فَيَتَأَكَّدُ حَقُّهَا فِي الْبَدَلِ اعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ

ترجمہ

اور جب شوہر بیوی کے ساتھ خلوت کرلے اس طرح کہ وہاں صحبت کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہ ہو پھر اس کے بعد وہ عورت کو طلاق دیدے تو اب اس عورت کو پورا مہر ملے گا۔ جبکہ حضرت امام شافعی لرحمہ نے فرمایا: اس عورت کو نصف مہر ملے گا۔ اس

کی وجہ یہ ہے: وطی کے ذریعے طے شدہ فائدہ حاصل نہیں کیا گیا اس لیے اس کے بغیر مہر مؤکد نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے. عورت نے بدل (یعنی بضع) مرد کے سپرد کیا تو کوئی رکاوٹ نہیں تھی اور اس عورت کے بس میں اتنا ہی تھا اس لیے اس بدل (یعنی بضع) کی وجہ سے اس عورت کا حق پختہ ہو جائے گا' اور اس مسئلے کو قیاس کیا جائے گا سودے پر۔

شرح

حضرت سعید بن میسب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حکم کیا کہ جب کوئی شخص کسی عو ت سے نکاح کرے اور خلوت صحیحہ ہو جائے تو مہر واجب ہو گیا۔ (موطا امام مالک، جلد اول: حدیث نمبر 989)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وطی یا خلوت صحیحہ یا دونوں میں سے کسی کی موت ہو ان سب سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے کہ جو مہر ہے اب اس میں کمی نہیں ہو سکتی۔ یونہی اگر عورت کو طلاق بائن دی تھی اور عدت کے اندر اس سے پھر نکاح کر لیا تو یہ مہر بغیر دخول وغیرہ کے مؤکد ہو جائیگا۔ ہاں اگر صاحب حق نے کل یا جز معاف کر دیا تو معاف ہو جائے گا اور اگر مہر مؤکد نہ ہوا تھا اور شوہر نے طلاق دے دی تو نصف واجب ہوگا اور اگر طلاق سے پہلے پورا مہر ادا کر چکا تھا تو نصف تو عورت کا ہوا ہی اور نصف شوہر کو واپس ملے گا مگر اس کی واپسی میں شرط یہ ہے کہ یا عورت اپنی خوشی سے پھیر دے یا قاضی نے واپسی کا حکم دے دیا ہو اور یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو شوہر کا کوئی تصرف اس میں نافذ نہ ہوگا، مثلاً اس کو بیچنا، ہبہ کرنا یا صدقہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ (در مختار، ج ۴، ص ۲۲۲، بیروت)

احناف کی دلیل یہ ہے: عورت نے مہر کا بدلہ (یعنی بضعہ) مکمل طور پر مرد کے سپرد کر دیا' اس طرح سے کہ درمیان میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی اور عورت کی گنجائش میں اتنا ہی تھا' اس لیے بدل میں اس عورت کا حق مؤکد ہو جائے گا' جس طرح خرید و فروخت میں ہوتا ہے' یعنی فروخت کرنے والا شخص فروخت شدہ چیز جب خریدار کے حوالے کر دے' اور قبضہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو' تو خریدار پر قیمت کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے' تو جس طرح فروخت شدہ چیز کا سپرد کرنا قیمت کی ادائیگی کو لازم کر دیتا ہے۔ اسی طرح نکاح میں بھی خلوت مہر کی ادائیگی کو لازم کر دے گی' اور اس خلوت کے بعد اگر شوہر طلاق دے دیتا ہے' تو اس کے ذمے پورے مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔

خلوتِ صحیحہ میں آنے والے عوارض کا بیان

(وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا مَرِيضًا أَوْ صَائِمًا فِي رَمَضَانَ أَوْ مُحْرِمًا بِحَجٍّ فَرْضٍ أَوْ نَفْلٍ أَوْ بِعُمْرَةٍ أَوْ كَانَتْ حَائِضًا فَلَيْسَتْ الْخَلْوَةُ صَحِيحَةً) حَتَّى لَوْ طَلَّقَهَا كَانَ لَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ ؛ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ مَوَانِعُ ، أَمَّا الْمَرَضُ فَالْمُرَادُ مِنْهُ مَا يَمْنَعُ الْجِمَاعَ أَوْ يَلْحَقُهُ بِهِ ضَرَرٌ ، وَقِيلَ مَرَضُهُ لَا يَعْرَى عَنْ تَكَسُّرٍ وَفُتُورٍ ، وَهَذَا التَّفْصِيلُ فِي مَرَضِهَا وَصَوْمُ

رَمَضَانَ لِمَا يَلْزَمُهُ مِنَ الْقَضَاءِ وَالْكَفَّارَةِ ، وَالْإِحْرَامِ لِمَا يَلْزَمُهُ مِنَ الدَّمِ وَفَسَادِ النُّسُكِ وَالْقَضَاءِ ، وَالْحَيْضُ مَانِعٌ طَبْعًا وَشَرْعًا (وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا صَائِمًا تَطَوُّعًا فَلَهَا الْمَهْرُ كُلُّهُ) ؛ لِأَنَّهُ يُبَاحُ لَهُ الْإِفْطَارُ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فِي رِوَايَةِ الْمُنْتَقَى ، وَهَذَا الْقَوْلُ فِي الْمَهْرِ هُوَ الصَّحِيحُ .

وَصَوْمُ الْقَضَاءِ وَالْمَنْذُورِ كَالتَّطَوُّعِ فِي رِوَايَةٍ ؛ لِأَنَّهُ لَا كَفَّارَةَ فِيهِ ، وَالصَّلَاةُ بِمَنْزِلَةِ الصَّوْمِ فَرْضُهَا كَفَرْضِهِ وَنَفْلُهَا كَنَفْلِهِ .

ترجمہ

اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک شخص بیمار ہو یا رمضان کے روزے ہوں' یا فرض یا نفل حج' یا عمرے کا احرام باندھا ہوا ہو یا بیوی حیض کی حالت میں ہو (تو ان تمام صورتوں میں) خلوت معتبر نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر شوہر اس عورت کو طلاق دے دیتا ہے' تو اس صورت میں اس عورت کو نصف مہر ملے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ تمام صورتیں صحبت کرنے میں رکاوٹ ہیں۔ جہاں تک بیماری کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ بیماری ہے' جو صحبت کرنے میں رکاوٹ ہو یا جس کی وجہ سے (میاں بیوی میں سے کسی ایک کو بھی) ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو۔ ایک قول کے مطابق مرد کے بیمار ہونے سے مراد یہ ہے: وہ صحبت نہ کر سکتا ہو' اور عورت کے بیمار ہونے کا تعلق بھی اسی چیز سے ہے۔ رمضان کے روزے کو اس لیے شامل کیا گیا ہے' کیونکہ وہ صحبت کرنے میں رکاوٹ ہوتا ہے' کیونکہ اس کے نتیجے میں شوہر پر قضا اور کفارہ لازم ہو جاتے ہیں۔ احرام کو اس لیے رکاوٹ قرار دیا گیا ہے' کیونکہ اس کے نتیجے میں دم (جانور کی قربانی) کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اس کے علاوہ حج کا فاسد ہونا اور قضاء کا لازم ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ جہاں تک حیض کا تعلق ہے' تو وہ طبیعت اور شریعت دونوں کے حوالے سے رکاوٹ ہے۔ لیکن اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک نے نفلی روزہ رکھا ہوا ہو (اور اس دوران خلوت کر لیں) تو عورت کو پورا مہر ملے گا اس کی وجہ یہ ہے: مرد کے لئے کسی عذر کے بغیر بھی روزے کو توڑ لینا جائز ہے' جیسا کہ "المنتقی" کی روایت میں یہ بات موجود ہے۔

مہر کے بارے میں یہی فتویٰ درست ہے۔ ایک روایت کے مطابق قضاء روزہ رکھنا اور نذر کا روزہ رکھنا' بھی نفلی روزے کی مانند ہیں' کیونکہ ان میں بھی کفارہ نہیں ہوتا۔ نماز' روزے کی مانند ہے۔ فرض نماز کا حکم فرض روزے کی طرح ہوگا نفل نماز کا حکم نفل روزے کی طرح ہوگا۔

خلوت صحیحہ کا فقہی مفہوم

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ خلوت صحیحہ یہ ہے کہ زن و شوہر تنہائی کے مکان میں جہاں کسی کے آنے جانے یا

نظر پڑنے سے اطمینان ہو، یوں متفق ہوں کہ اُن کے ساتھ کوئی تیسرا ایسا نہ ہو جو ان کے افعال کو سمجھ سکے، نہ اُن میں کسی کو مقاربت مانع شرعی یا حسّی ہو مثلاً مرد یا عورت کی ایسی کم سنی جس میں صلاحیت قربت وقابلیت صحبت نہ ہو یا شوہر کی ناسازی طبع یا عورت کا حیض یا نفاس یا ایسے مرض میں ہونا جس کے سبب وقت وقوع فعل قربت سے اسے مضرت پہنچے یا ان میں کسی کا نماز میں فرض یا ماہِ رمضان میں روزہ فرض سے مشغول ہونا ہے۔

اور خلوتِ صحیحہ وجوبِ مہر کی شرط نہیں، وجوبِ مہر تو عقدِ نکاح سے ہوتا ہے، ہاں خلوت سے مہر متاکد ہو جاتا ہے بایں معنی کہ اگر پیش از وطی وخلوتِ صحیحہ طلاق تو نصف مہر لازم آتا، اب کہ خلوت واقع ہوگئی کل لازم آئے گا۔

(فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، باب مہر)

خلوتِ صحیحہ یہ ہے کہ زوج زوجہ ایک مکان میں جمع ہوں اور کوئی چیز مانع جماع نہ ہو یہ خلوت جماع ہی کے حکم میں ہے اور موانع تین ہیں۔(۱) حسّی (۲) شرعی (۳) طبعی

خلوت صحیحہ کے موانع کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔(۱) مانع حسّی جیسے مرض کہ شوہر بیمار ہے تو مطلقاً خلوت صحیحہ نہ ہوگی اور زوجہ بیمار ہو تو اس حد کی بیمار ہو کہ وطی سے ضرر کا اندیشہ صحیح ہو اور ایسی بیماری نہ ہو تو خلوتِ صحیحہ ہو جائے گی۔

(۲) مانع طبعی جیسے وہاں کسی تیسرے کا ہونا، اگرچہ وہ سوتا ہو یا نابینا ہو، یا اس کی دوسری بی بی ہو یا دونوں میں کسی کی باندی ہو، ہاں اگر اتنا چھوٹا بچہ ہو کہ کسی کے سامنے بیان نہ کر سکے گا تو اس کا ہونا مانع نہیں یعنی خلوتِ صحیحہ ہو جائے گی۔ مجنون ومعتوہ بچہ کے حکم میں ہیں اگر عقل کچھ رکھتے ہیں تو خلوت نہ ہوگی ورنہ ہو جائے گی اور اگر وہ شخص بے ہوشی میں ہے تو خلوت ہو جائے گی۔ اگر وہاں عورت کا کتا ہے تو خلوتِ صحیحہ نہ ہوگی اور اگر مرد کا ہے اور اندیشہ ہے جب بھی نہ ہوگی ورنہ ہو جائے گی۔

(۳) مانع شرعی مثلاً عورت حیض یا نفاس میں ہے یا دونوں میں کوئی مُحرم ہو، احرام فرض کا ہو یا نفل کا، حج کا ہو یا عمرہ کا، یا ان میں کسی کا رمضان کا روزہ ادا ہو یا نماز فرض میں ہو، ان سب صورتوں میں خلوتِ صحیحہ نہ ہوگی اور اگر نفل یا نذر یا کفارہ یا قضا کا روزہ ہو یا نفلی نماز ہو تو یہ چیزیں خلوت صحیحہ سے مانع نہیں اور اگر دونوں ایک جگہ تنہائی میں جمع ہوئے مگر کوئی مانع شرعی یا طبعی یا حسّی پایا جاتا ہے تو خلوت فاسدہ ہے۔

اور وہ لڑکا جو اس قابل نہیں کہ صحبت کر سکے مگر اپنی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہا یا زوجہ اتنی چھوٹی لڑکی ہے کہ اس قابل نہیں اس کے ساتھ اس کا شوہر رہا تو دونوں صورتوں میں خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی۔

اور اگر عورت کے اندام نہانی میں کوئی ایسی چیز پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے وطی نہیں ہو سکتی، مثلاً وہاں گوشت آ گیا یا مقام جڑ گیا یا ہڈی پیدا ہوگئی یا غدود ہو گیا تو ان صورتوں میں خلوتِ صحیحہ نہیں ہو سکتی۔ (درمختار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۲۴۵، بیروت)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہا الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جب عورت مرد کے پاس تنہائی میں گئی مرد نے اسے نہ پہچانا تھوڑی دیر ٹھہر کر چلی آئی یا مرد عورت کے پاس گیا اور اسے نہیں پہچانا، چلا آیا تو خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی، لہٰذا اگر عورت خلوت صحیحہ کا دعویٰ کرے اور مرد یہ عذر پیش کرے تو مان لیا جائے گا اور اگر مرد نے پہچان لیا اور عورت نے نہ پہچانا تو خلوتِ صحیحہ ہوگئی۔

اور جس جگہ اجتماع ہوا وہ جگہ اس قابل نہیں کہ وہاں وطی کی جائے تو خلوتِ صحیحہ نہ ہوگی، مثلاً مسجد اگرچہ اندر سے بند ہو اور راستہ اور میدان اور حمام میں جب کہ اس میں کوئی ہو یا اس کا دروازہ کھلا ہو اور اگر بند ہو تو ہو جائے گی اور جس چھت پر پردہ کی دیوار نہ ہو یا ٹاٹ وغیرہ موٹی چیز کا پردہ نہ ہو یا ہے مگر اتنا نیچا ہے کہ اگر کوئی کھڑا ہو تو ان دونوں کو دیکھ لے تو اس پر بھی نہ ہوگی ورنہ ہو جائے گی اور اگر مکان ایسا ہے جس کا دروازہ کھلا ہوا ہے کہ اگر کوئی باہر کھڑا ہو تو ان دونوں کو دیکھ سکے یا یہ اندیشہ ہے کہ کوئی آجائے تو خلوتِ صحیحہ نہ ہوگی۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح، ج ۲، ص ۱۹، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اور اگر اس نے طلاق دی تو عورت پر عدت واجب، بلکہ عدت میں نان ونفقہ اور رہنے کو مکان دینا بھی واجب ہے۔ بلکہ نکاح صحیح میں عدت تو مطلقاً خلوت سے واجب ہوتی ہے صحیحہ ہو یا فاسدہ البتہ نکاح فاسد ہو تو بغیر وطی کے عدت واجب نہیں۔ خلوت کا یہ حکم بھی ہے کہ جب تک عدت میں ہے اس کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا۔

اور اس کے علاوہ چار عورتیں نکاح میں نہیں ہوسکتیں۔ اگر وہ آزاد ہے تو اس کی عدت میں باندی سے نکاح نہیں کرسکتا۔ اور اس عورت کو جس سے خلوت صحیحہ ہوئی اس زمانہ میں طلاق دے جو موطوءہ کے طلاق کا زمانہ ہے۔ اور عدت میں اسے طلاق بائن دے سکتا ہے مگر اس سے رجعت نہیں کرسکتا، نہ طلاق رجعی دینے کے بعد فقط خلوتِ صحیحہ سے رجعت ہوسکتی ہے۔ اور اس کی عدت کے زمانہ میں شوہر مر گیا تو وارث نہ ہوگی۔ خلوت سے جب مہر موکد ہو چکا تو اب ساقط نہ ہوگا اگرچہ جدائی عورت کی جانب سے ہو۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح، ج ۲، ص ۱۹، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

خلوت صحیحہ میں عورت کے قول کا اعتبار کیا جائے گا

اگر میاں بی بی میں تفریق ہوگئی، مرد کہتا ہے کہ خلوت صحیحہ نہ ہوئی، عورت کہتی ہے، ہوگئی تو عورت کا قول معتبر ہے۔

نکاح میں خیار عیب کے اعتبار میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف

علامہ حسن بن منصور قاضی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

رَتَق، خلوت کے لیے مانع ہے کیونکہ یہ جماع کے لیے مانع ہے، اور اصل (مبسوط) کی بحث طلاق کے بیان میں ہے کہ رتقا، عورت پر عدت واجب ہے اور اس کے لیے نصف مہر ہوگا اھ اور اصل کی بحث اختیارات نکاح میں ہے کہ خیار عیب جس کو عیب کی وجہ سے حق فسخ کہتے ہیں، ہمارے ہاں نکاح کے باب میں ثابت نہیں، لہٰذا کسی عیب کی وجہ سے عورت کو رد نہیں کیا جائے گا۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ قرن اور رتق والیعیب کی وجہ سے مرد کو فسخ کا اختیار ہے پس اگر قبل از خود دخول رد یا فسخ کردے تو تمام

مہر ساقط ہو جائے گا ورنہ پورا مہر مثل عورت کا حق ہے جیسا کہ فسخ کا حکم ہے۔ (فتاوی قاضی خاں فصل فی الخلوۃ)

مجبوب شخص کی خلوت کا بیان

﴿وَاِذَا خَلَا الْمَجْبُوْبُ بِامْرَاَتِهٖ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ، وَقَالَا عَلَيْهِ نِصْفُ الْمَهْرِ﴾ ؛ لِاَنَّهٗ اَعْجَزُ مِنَ الْمَرِيْضِ ، بِخِلَافِ الْعِنِّيْنِ ؛ لِاَنَّ الْحُكْمَ اُدِيْرَ عَلٰى سَلَامَةِ الْاٰلَةِ . وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْمُسْتَحَقَّ عَلَيْهَا التَّسْلِيْمُ فِيْ حَقِّ السَّحْقِ وَقَدْ اَتَتْ بِهٖ .

ترجمہ

جب کسی مجبوب (یعنی جس شخص کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو) نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کر لی اور پھر اسے طلاق دے دی تو عورت کو پورا مہر ملے گا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین؛ یہ فرماتے ہیں: اس مرد پر نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔ کیونکہ بیمار شخص کے مقابلے میں وہ زیادہ عاجز ہے عنین (جو شخص صحبت پر قادر نہ ہو) اس کا حکم اس کے برخلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: حکم کا مدار آلہ (تناسل کی ظاہری) کی سلامتی پر ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: عورت پر لازم یہ تھا وہ سحق (یعنی رگڑنے) کے لئے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے اور وہ اس عورت نے کر دیا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور اگر شوہر کا عضو تناسل کٹا ہوا ہے یا انثیین نکال لیے گئے ہیں یا عنین ہے یا خنثیٰ ہے اور اس کا مرد ہونا ظاہر ہو چکا تو ان سب میں خلوت صحیحہ ہو جائے گی۔

خلوت صحیحہ کے بعد عورت کو طلاق دی تو مہر پورا واجب ہوگا، جبکہ نکاح بھی صحیح ہو اور اگر نکاح فاسد ہے یعنی نکاح کی کوئی شرط مفقود ہے، مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح ہوا یا دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کیا یا عورت کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح کیا یا جو عورت کسی کی عدت میں ہے اس سے نکاح کیا یا چوتھی کی عدت میں پانچویں سے نکاح کیا یا حرہ نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کیا تو ان سب صورتوں میں فقط خلوت سے واجب نہیں بلکہ اگر وطی ہوئی تو مہر مثل واجب ہوگا اور مہر مقرر نہ تھا تو خلوت صحیحہ سے نکاح صحیح میں مہر مثل مؤکد ہو جائے گا۔ (درمختار، کتاب النکاح، باب مہر)

خصی ہونے کے عیب نکاح کا بیان

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں " :ابوحفص کا کہنا ہے : خصی ہونا ایسا عیب ہے جس سے رشتہ رد کیا جا سکتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہی ہے؛ کیونکہ اس میں نقص اور عار پائی جاتی ہے، اور یہ وطئی اور جماع میں مانع ہے، یا پھر اس میں کمزوری پیدا کرتا ہے . ابو عبید رحمہ اللہ سے سند اسلیمان بن یسار سے بیان کیا گیا ہے کہ ابن سندر نے ایک عورت سے شادی کی اور ابن سند خصی

تھا، تو عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ابن سندر کو فرمایا : کیا تم نے اپنی بیوی کو اس کے متعلق بتایا تھا؟ تو اس نے عرض کیا : نہیں . عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا : بیوی کو بتاؤ اور پھر اس کو اختیار دو۔ (المغنی (7 / . (143)

اہل تشیع کے نزدیک فسخ نکاح کے ذرائع واسباب

معروف شیعہ محمد حسن مطہری لکھتا ہے۔ مسئلہ۲ اگر مرد کو عقد کے بعد پتہ چلے کہ عورت میں مندرجہ ذیل عیبوں میں سے کوئی عیب موجود ہے تو وہ عقد کو فسخ کرسکتا ہے۔ ۱) پاگل پن ۲) کوڑھ پن (جذام (۳) برص (سفید داغ () اندھا پن) اپاہج ہونا یا مفلوج ہونا مگر یہ کہ اس کے کسی عضو کا مفلوج ہونا اس قسم کا ہو کہ اسے عرفاً عیب شمار نہ کیا جائے۔) افضاء یعنی اس کے پیشاب اور حیض کا مخرج یا حیض اور پاخانے کا مخرج ایک ہوگیا ہو۔ ۷) عورت کی شرمگاہ میں ایسا گوشت یا ہڈی ہو جو جماع سے مانع ہو۔

مسئلہ۲ اگر عورت کو عقد کے بعد پتہ چلے کہ اس کا شوہر عقد سے پہلے دیوانہ رہا ہے یا آلہ تناسل نہیں رکھتا ہے یا عقد کے بعد لیکن مجامعت سے پہلے آلہ تناسل کٹ جائے یا یہ جان لے کہ اسے کوئی ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے مجامعت پر قادر نہیں ہے گرچہ یہ مرض عقد کے بعد اور نزدیکی کرنے سے پہلے ہی لاحق ہوا ہو، ان تمام صورتوں میں عقد کو ختم کرسکتی ہے مگر اس صورت میں جب کہ شوہر اس سے تعلقات قائم نہیں کرسکتا ہے ضروری ہے کہ عورت حاکم شرع کی طرف رجوع کرے اور حاکم شوہر کو ایک سال کی مہلت دے گا پس اگر اس مدت میں شوہر اس عورت سے یا کسی اور عورت سے تعلقات قائم کرنے پر قدرت پیدا نہ کرے تو اس کے بعد عورت عقد فسخ کرسکتی ہے۔

اور اگر مرد عقد کے بعد پاگل ہو جائے، چاہے نزدیکی سے پہلے ہو یا بعد میں، احتیاط واجب کی بنا پر عورت طلاق کے بغیر علیحدگی اختیار نہیں کرسکتی ہے اور اگر مرد کا آلہ تناسل نزدیکی کرنے کے بعد کٹ جائے یا نزدیکی کے بعد کوئی ایسا مرض پیدا ہو جائے کہ اب نزدیکی نہ کرسکے تو ایسی صورت میں عورت عقد کو فسخ کرنے کا حق نہیں رکھتی ہے۔

مسئلہ۲ اگر عورت کو عقد کے بعد پتہ چلے کہ اس کے شوہر کے تخم نکال دیئے گئے ہیں تو اگر اس امر کو عورت پر مخفی رکھا گیا ہو اور اسے دھوکا دیا گیا ہو وہ عقد کو ختم کرسکتی ہے اور اگر اسے دھوکا نہ دیا گیا ہو اور وہ عقد کو ختم کرنا چاہے تو طلاق کے ذریعے احتیاط کو ترک نہ کیا جائے۔

مسئلہ۲۷ اگر عورت اس بنا پر عقد ختم کردے کہ مرد مجامعت پر قادر نہیں تو شوہر کے لئے آدھا مہر دینا ضروری ہے لیکن اگر ان کے علاوہ دوسرے مذکورہ نقائص میں سے کسی ایک کی بنا پر مرد یا عورت عقد ختم کریں تو اگر مرد نے عورت سے مجامعت نہ کی ہو تو کوئی چیز بھی اس پر واجب نہیں ہے اور اگر تعلقات قائم کرلئے ہوں تو ضروری ہے کہ پورا مہر دے۔ ہاں، اگر خود عورت نے مرد کو دھوکا دیا ہو تو اس صورت میں مرد پر کوئی چیز دینا واجب نہیں ہے۔ (احکام شیعہ، مسئلہ۲۷)

عورت پر عدت کی ادائیگی کے لازم ہونے کا بیان

قَالَ (وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ فِي جَمِيعِ هٰذِهِ الْمَسَائِلِ) احْتِيَاطًا اسْتِحْسَانًا لِتَوَهُّمِ الشُّغْلِ ، وَالْعِدَّةُ حَقُّ الشَّرْعِ وَالْوَلَدِ فَلَا يُصَدَّقُ فِي إبْطَالِ حَقِّ الْغَيْرِ ، بِخِلَافِ الْمَهْرِ ؛ لِأَنَّهُ مَالٌ لَا يُحْتَاطُ فِي إيجَابِهِ .وَذَكَرَ الْقُدُورِيُّ فِي شَرْحِهِ أَنَّ الْمَانِعَ إنْ كَانَ شَرْعِيًّا كَالصَّوْمِ وَالْحَيْضِ تَجِبُ الْعِدَّةُ لِثُبُوتِ التَّمَكُّنِ حَقِيقَةً ، وَإِنْ كَانَ حَقِيقِيًّا كَالْمَرَضِ وَالصِّغَرِ لَا تَجِبُ لِانْعِدَامِ التَّمَكُّنِ حَقِيقَةً .

ترجمہ

فرمایا: اور ان تمام صورتوں میں احتیاط کے پیش نظر عورت پر عدت کی ادائیگی لازم ہوگی اور استحسان کی وجہ سے بھی' تا کہ مشغولیت کا وہم (ختم ہو سکے)۔ عدت شریعت کا اور اولاد کا حق ہے' لہٰذا دوسرے شخص کے حق کو باطل قرار دینے میں' کسی کی تصدیق نہیں کی جائے گی' جبکہ مہر کا حکم اس کے برخلاف ہے' کیونکہ وہ مال ہے جس کو واجب قرار دینے میں زیادہ احتیاط کی ضرورت نہیں ہے۔امام قدوری نے اپنی شرح میں یہ بات بیان کی ہے: اگر رکاوٹ شرعی ہو' تو عدت واجب ہوگی' کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے قدرت ثابت ہوگئی ہے اور اگر رکاوٹ حقیقی ہو' جیسے بیمار ہونا یا کم سن ہونا' تو عدت واجب نہیں ہوگی' کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے قدرت ثابت نہیں ہو سکی۔

شرح

جس آزاد عورت کا خاوند مر گیا اور اس کی عدت چار مہینہ دس دن ہے خواہ اس عورت سے جماع کیا گیا ہو یا جماع نہ کیا گیا ہو خواہ وہ مسلمان عورت ہو یا مسلمان مرد کے نکاح میں یہودیہ اور نصرانیہ ہو خواہ وہ بالغہ ہو یا نابالغہ اور یا آئسہ ہو خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور خواہ اس کی مدت میں اس کو حیض آئے یا نہ آئے۔

نابالغہ کی عدت میں فقہی احکام

امام احمد رضا حنفی بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اگر زینب اور اس کے خاوند میں خلوت صحیحہ یا فاسدہ ہو چکی ہو تو اس کے بعد طلاق دی ہو اگر چہ زینب کی عمر سات یا آٹھ سال ہو تو عدت واجب ہے اور اس کی عدت گزرنے سے قبل اس کی بہن سے نکاح ناجائز ہے۔اور اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو پھر زینب پر کوئی عدت نہیں ہے اور اس کو طلاق دینے کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا تمہارے حق میں دخول سے قبل مطلقہ بیویوں پر عدت نہیں ہے جس کو تم شمار کرو۔

کتب مذکور میں نابالغہ کی عدت کو عام قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس سے قبل اور بعد دونوں جگہ عبارت دخول کی قید سے مقید ہے اگر چہ وہ دخول حکمی ہو جیسے خلوت خواہ فاسد ہی کیوں نہ ہو۔(فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

عدت کے وجوب کا سبب نکاح جو رخصتی یا اس کے قائم مقام موت یا خلوت سے پختہ ہوتا ہے اور وہ عدت آزاد حیض والی عورت کے لئے اس سے دخول حقیقی یا حکمی کے بعد ہو تو تین حیض ہے، اور جو عورت حیض والی نہ ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے، یہ تمام بیان مدخولہ عورتوں کیلئے ہے اگرچہ دخول حکمی ہو، جیسے خلوت اگرچہ فاسدہ ہو۔

اور ماتن کا قول "فی الکل "یعنی وطی شرط ہے تمام مذکورہ مسائل عدت میں خواہ حیض والی کی عدت ہو یا مہینوں والوں کی، جیسا کہ ماتن اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں اس قول کے ساتھ کہ "یہ سب کو شامل ہے "(یعنی عدت بالحیض وعدت بالاشہر دونوں کو شامل ہے)۔(ردمحتار، باب عدہ، ج ۲، ص ۶۰۲، بیروت)

مطلقہ عورت کو متاع کی ادائیگی مستحب ہے

قَالَ (وَتُسْتَحَبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ إِلَّا لِمُطَلَّقَةٍ وَاحِدَةٍ وَهِيَ الَّتِي طَلَّقَهَا الزَّوْجُ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَقَدْ سَمَّى لَهَا مَهْرًا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : تَجِبُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ إِلَّا لِهَذِهِ ؛ لِأَنَّهَا وَجَبَتْ صِلَةً مِنْ الزَّوْجِ ؛ لِأَنَّهُ أَوْحَشَهَا بِالْفِرَاقِ ، إِلَّا أَنَّ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ نِصْفَ الْمَهْرِ طَرِيقَةُ الْمُتْعَةِ ؛ لِأَنَّ الطَّلَاقَ فَسْخٌ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ وَالْمُتْعَةَ لَا تَتَكَرَّرُ (وَلَنَا أَنَّ الْمُتْعَةَ خَلَفٌ عَنْ مَهْرِ الْمِثْلِ فِي الْمُفَوَّضَةِ) ؛ لِأَنَّهُ سَقَطَ مَهْرُ الْمِثْلِ وَوَجَبَتْ الْمُتْعَةُ ، وَالْعَقْدُ يُوجِبُ الْعِوَضَ فَكَانَ خَلَفًا وَالْخَلَفُ لَا يُجَامِعُ الْأَصْلَ وَلَا شَيْئًا مِنْهُ فَلَا تَجِبُ مَعَ وُجُوبِ شَيْءٍ مِنْ الْمَهْرِ ، وَهُوَ غَيْرُ جَانٍ فِي الْإِيحَاشِ فَلَا تَلْحَقُهُ الْغَرَامَةُ بِهِ فَكَانَ مِنْ بَابِ الْفَضْلِ .

ترجمہ

فرمایا: اور ہر طلاق یافتہ عورت کو متاع دینا مستحب قرار دیا گیا ہے' سوائے ایک قسم کی طلاق یافتہ عورت کے' اور اس سے مراد وہ عورت ہے' جس کو اس کے شوہر نے' اس کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے دی ہو اور اس عورت کا مہر مقرر کیا ہو۔ امام شافعی فرماتے ہیں: اس عورت کے علاوہ ہر طرح کی طلاق یافتہ عورت کے لئے (متاع کی ادائیگی) واجب ہے' کیونکہ متاع شوہر کی طرف سے عطیے کے طور پر واجب ہوا ہے' کیونکہ شوہر نے علیحدہ کر کے بیوی کو وحشت کا شکار کر دیا ہے البتہ اس صورت میں متاع ہونے کے حوالے سے نصف مہر کی ادائیگی واجب ہو گی' کیونکہ ایسی حالت میں طلاق فسخ ہوتی ہے اور متاع میں تکرار نہیں ہوتی۔ ہماری دلیل یہ ہے: مفوضہ میں متاع' مہر مثل کا قائم مقام ہے' کیونکہ مہر مثل ساقط ہونے پر ہی متاع کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور عقد

معاوضے کی ادائیگی کو واجب کرتا ہے لہٰذا یہ قائم مقام ہوگا اور قائم مقام اصل کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا' اور نہ ہی اصل کے کسی جزء کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے لہٰذا یہ مہر کے کسی بھی حصے کے وجوب کے ساتھ واجب نہیں ہوگا اور شوہر وحشت میں مبتلا کر کے جرم کا مرتکب نہیں ہوتا' اس لیے اس پر جرمانے کی ادائیگی اس وجہ سے لازم نہیں ہوگی اور وہ (متاع) مہربانی کے طور پر ہوگا۔

عدت والی کے نان ونفقہ کے فقہی احکام

امام احمد رضا حنفی بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ تمام عدت تک نان نفقہ زید کے ذمہ ہے اور زید ہی کے مکان میں عدت پوری کرے جبکہ قبل از طلاق وہی مکان اس کے رہنے کا تھا اگرچہ علاج کیلئے چند ماہ پیشتر اپنے باپ کے یہاں چلی آئی تھی (جیسا کہ سائل نے خود اپنی زبان سے مجھے بیان کیا ہے۔ اور یہ طلاق کہ بطریق خلع واقع ہوئی تھی (جیسا کہ اس نے یہ بھی کہا۔ت) بائنہ تھی تو زید پر لازم ہے کہ عدت پوری ہونے تک اپنے ہی مکان میں اسے جگہ دے اور بوجہ زوال نکاح اس سے پردہ کرے، اور اگر زید ظلماً اپنے گھر میں نہ رہنے دے تو کوئی اور مکان بتائے جس میں وہ عدت پوری کرے اور اگر وہ مکان کرایہ کا ہو تو اختتام عدت تک کرایہ زید کے ذمہ ہے، اور جب زید اپنے مکان میں رہنے دے یا دوسرا مکان اس کے لئے بتائے تو ہندہ پر لازم ہے کہ فوراً اس مکان میں چلی جائے اور ختم عدت تک ہرگز اس سے باہر نہ آئے، خانیہ میں ہے کہ طلاق کی عدت والی نفقہ اور سکنٰی کی مستحق ہے خواہ طلاق رجعی یا بائنہ یا تین طلاقوں والی ہو۔ (فتاوی قاضی خاں، فتاوی رضویہ، کتاب النکاح)

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔

بعض سلف اور ان کے تابعین مثلاً حضرت امام احمد بن حنبل وغیرہ کا مذہب ہے کہ مبتوتہ یعنی وہ عورت جس کی طلاق کے بعد خاوند کو رجعت کا حق باقی نہ رہا ہو اس کے لئے عدت گذارنے کے زمانے تک مکان کا دینا خاوند کے ذمہ نہیں، اسی طرح جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اسے بھی رہائشی مکان عدت تک کے لئے دینا اس کے وارثوں پر نہیں ان کی اعتمادی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس فہریہ والی حدیث ہے کہ جب ان کے خاوند حضرت ابوعمر بن حفص نے ان کو تیسری آخری طلاق دی اور وہ اس وقت یہاں موجود نہ تھے بلکہ یمن میں تھے اور وہیں سے طلاق دی تھی تو ان کے وکیل نے ان کے پاس تھوڑے سے جو بھیج دیئے تھے کہ یہ تمہاری خوراک ہے یہ بہت ناراض ہوئیں اس نے کہا بگڑتی کیوں ہو؟ تمہارا نفقہ کھانا پینا ہمارے ذمہ نہیں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے تیرا نفقہ اس پر نہیں۔

مسلم میں ہے نہ تیرے رہنے سہنے کا گھر اور ان سے فرمایا کہ تم ام شریک کے گھر اپنی عدت گذارو، پھر فرمایا وہاں تو میرے اکثر صحابہ جایا آیا کرتے ہیں تم عبداللہ بن ام مکتوم کے ہاں اپنی عدت کا زمانہ گذارو وہ ایک نابینا آدمی ہیں تم وہاں آرام سے اپنے کپڑے بھی رکھ سکتی ہو،

مسند احمد میں ہے کہ ان کے خاوند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جہاد پر بھیجا تھا انہوں نے وہیں سے انہیں طلاق بھیج دی ان کے بھائی نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر سے چلی جاؤ انہوں نے کہا نہیں جب تک عدت ختم نہ ہو جائے میرا کھانا پینا اور رہنا سہنا

میرے خاوند کے ذمہ ہے اس نے انکار کیا آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ معاملہ پہنچا جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ آخری تیسری طلاق ہے تب آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا نان نفقہ گھر بار خاوند کے ذمہ اس صورت میں ہے کہ اسے حق رجعت حاصل ہو جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں تم یہاں سے چلی جاؤ اور فلاں عورت کے گھر اپنی عدت گذارو پھر فرمایا وہاں تو صحابہ کی آمدورفت ہے تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت کا زمانہ گذارو وہ نابینا ہیں تمہیں دیکھ نہیں سکتے۔

طبرانی میں ہے یہ حضرت فاطمہ بنت قیس ضحاک بن قیس قرشی کی بہن تھیں ان کے خاوند مخزومی قبیلہ کے تھے، طلاق کی خبر کے بعد ان کے نفقطہ طلب کرنے پر ان کے خاوند کے اولیاء نے کہا تھا نہ تو تمہارے میاں نے کچھ بھیجا ہے نہ ہمیں دینے کو کہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ جب عورت کو وہ طلاق مل جائے جس کے بعد وہ اپنے اگلے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے جب تک دوسرے سے نکاح اور پھر طلاق نہ ہو جائے تو اس صورت میں عدت کا نان نفقہ اور رہنے کا مکان اس کے خاوند کے ذمہ نہیں۔ (طلاق، ۱، ابن کثیر)

نکاح شغار کا فقہی بیان

﴿وَإِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ بِنْتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الْآخَرُ بِنْتَهُ أَوْ أُخْتَهُ لِيَكُونَ أَحَدُ الْعَقْدَيْنِ عِوَضًا عَنِ الْآخَرِ فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ، وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا﴾ (۱) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: بَطَلَ الْعَقْدَانِ، لِأَنَّهُ جَعَلَ نِصْفَ الْبُضْعِ صَدَاقًا وَالنِّصْفَ مَنْكُوحَةً، وَلَا اشْتِرَاكَ فِي هٰذَا الْبَابِ فَبَطَلَ الْإِيجَابُ. وَلَنَا أَنَّهُ سَمّٰى مَا لَا يَصْلُحُ صَدَاقًا فَيَصِحُّ الْعَقْدُ وَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ كَمَا إِذَا سَمَّى الْخَمْرَ وَالْخِنْزِيرَ وَلَا شِرْكَةَ بِدُونِ الْاِسْتِحْقَاقِ۔

ترجمہ

جب کوئی شخص اپنی بیٹی کی شادی اس شرط پر کرے کہ اس کا شوہر اپنی بیٹی یا بہن کی شادی اس شخص سے کر دے گا' اور دونوں عقد ایک دوسرے کا معاوضہ بن جائیں گے تو یہ دونوں عقد درست ہوں گے' اور دونوں عورتوں میں سے ہر ایک کو مہر مثل ملے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: یہ دونوں عقد باطل ہوں گے کیونکہ اس شخص نے ''بضع'' کے نصف حصے کو مہر بنا دیا ہے اور نصف حصے کو منکوحہ بنایا ہے اور اس بارے میں اشتراک نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ''ایجاب'' باطل ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے: اس نے اس چیز کو مہر مقرر کیا ہے' جو مہر ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی' تو عقد درست ہوگا اور مہر مثل کی ادائیگی واجب ہوگی جس طرح اگر وہ شخص شراب کو یا خنزیر کو (بطور مہر) مقرر کر دیتا (تو یہی حکم ہوتا) اور استحقاق کے بغیر شراکت ثابت نہیں ہوتی۔

شرح

(۱) اخرجہ ابو داؤد فی "سننہ" برقم (۲۱۱٤) والترمذی فی "جامعہ" برقم (۱۱٦۰) والنسائی فی "المجتبی" برقم (۳۱٤٥) وابن ماجہ فی "سننہ" برقم (۱۸۹۱) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ: "لھا مثل صداق نسائھا لا وکس ولا شطط وعلیھا العدۃ ولھا المیراث" فقام معقل بن سنان الاشجعی فقال: قضی رسول اللہ ﷺ فی بروع بنت واشق مثل ما قضیت ففرح بھا ابن مسعود وصححہ الحاکم فی "المستدرک" ۲/۱۸۰)

نکاح شغار کے مہر میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر تمام اہل علم کا عمل ہے کہ نکاح شغار جائز نہیں شغار اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کو بغیر مہر مقرر کیے کسی کے نکاح میں اس شرط پر دیدے کہ وہ بھی اپنی بہن یا بیٹی اس کے نکاح میں دے۔ اس میں مہر مقرر نہیں ہوتا بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر اس پر مہر بھی مقرر کر دیا جائے تب بھی یہ حلال نہیں اور یہ نکاح باطل ہو جائے گا۔ امام شافعی، احمد، اور اسحاق کا یہ قول ہے۔ عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے کہ ان کا نکاح برقرار رکھا جائے اور مہر مثل مقرر کر دیا جائے۔ اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث، ۱۱۲۶)

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع کیا ہے اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے آدمی سے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کر دے کہ اس دوسرے شخص کو اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کرنا ہوگا اور دونوں میں مہر کچھ نہ ہو (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں شغار جائز نہیں ہے۔

(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 362)

شغار دو آدمیوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی سے نکاح کرنے کی ایک خاص صورت کا نام ہے جیسے کہ زید بکر سے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح زید سے کر دے گا۔ اور ان دونوں کے نکاح میں مہر کچھ بھی متعین نہ ہو بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی کا تبادلہ ہی گویا مہر ہو اس طرح کا نکاح زمانہ جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے مگر اسلام نے اس سے منع کر دیا ہے۔

اس بارے میں فقہی اختلاف یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کے ہاں تو اس طرح کا نکاح سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتا جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح سے نکاح کرے تو وہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور مہر مثل دینا لازم ہوگا لیکن حکم یہ ہے کہ اس طرح کے نکاح سے اجتناب کرنا چاہیے۔

فقہ مالکی کے مطابق نکاح شغار کا حکم یہ ہے۔

اور جسے نکاح شغار یعنی وٹہ سٹہ کے نکاح کا نام دیا جاتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ " رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار یعنی وٹہ سٹہ کے نکاح سے منع فرمایا " صحیح بخاری حدیث نمبر (5112) صحیح مسلم حدیث نمبر (

(1415).

اور "المدونۃ "میں درج ہے " :یہ بتائیں کہ اگر کسی نے کہا :اپنی بیٹی کی میرے ساتھ ایک سو دینار میں شادی کر دو، اس شرط پر کہ میں اپنی بیٹی کی تیرے ساتھ سو دینار میں شادی کر دونگا؟

تو امام مالک رحمہ اللہ نے اس کو ناپسند اور مکروہ جانا، اور اسے نکاح شغار یعنی وٹہ سٹہ کا ایک طریقہ خیال کیا۔ اور اس کی دلیل ابو داود وغیرہ کی درج ذیل حدیث بھی ہے جو عبد الرحمن بن ھرمز سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ عباس بن عبد اللہ بن عباس سے عبد الرحمن بن حکم نے اپنی بیٹی کی شادی کی، اور انہوں نے عبد الرحمن بن حکم سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی، اور دونوں نے مہر بھی رکھا، تو معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مروان بن حکم کو خط لکھا جس میں انہوں نے ان دونوں کے درمیان علیحدگی اور جدائی کا حکم دیا، اور اپنے خط میں لکھا۔ یہ وہ شغار یعنی وٹہ سٹہ ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

(سنن ابوداود حدیث نمبر(2075 ،المدونۃ (2 / 98)

شوہر کی خدمت یا قرآن کی تعلیم کو مہر مقرر کرنے کا بیان

وَإِنْ تَـزَوَّجَ حُرٌّ امْرَأَةً عَلٰى خِدْمَتِهٖ لَهَا سَنَةً أَوْ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ صَحَّ النِّكَاحُ وَلَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ :لَهَا قِيمَةُ خِدْمَتِهٖ سَنَةً وَإِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ امْرَأَةً بِإِذْنِ مَوْلَاهُ عَلٰى خِدْمَتِهٖ لَهَا سَنَةً جَازَ وَلَهَا الْخِدْمَةُ ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَهَا تَعْلِيمُ الْقُرْآنِ وَالْخِدْمَةُ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ مَا يَصِحُّ أَخْذُ الْعِوَضِ عَنْهُ بِالشَّرْطِ يَصْلُحُ مَهْرًا عِنْدَهُ لِأَنَّ بِذٰلِكَ تَتَحَقَّقُ الْمُعَاوَضَةُ ، فَصَارَ كَمَا إِذَا تَزَوَّجَهَا عَلٰى خِدْمَةِ حُرٍّ آخَرَ أَوْ عَلٰى رَعْيِ الزَّوْجِ غَنَمَهَا .وَلَنَا أَنَّ الْمَشْرُوعَ إِنَّمَا هُوَ الِابْتِغَاءُ بِالْمَالِ وَالتَّعْلِيمُ لَيْسَ بِمَالٍ وَكَذٰلِكَ الْمَنَافِعُ عَلٰى أَصْلِنَا وَخِدْمَةُ الْعَبْدِ ابْتِغَاءٌ بِالْمَالِ لِتَضَمُّنِهٖ تَسْلِيمَ رَقَبَةِ الْعَبْدِ وَلَا كَذٰلِكَ الْحُرُّ وَلِأَنَّ خِدْمَةَ الزَّوْجِ لَا تُسْتَحَقُّ بِعَقْدِ النِّكَاحِ لِمَا فِيهِ مِنْ قَلْبِ الْمَوْضُوعِ بِخِلَافِ خِدْمَةِ حُرٍّ آخَرَ بِرِضَاهُ وَلَا مُنَاقَضَةَ فِيهِ وَبِخِلَافِ خِدْمَةِ الْعَبْدِ لِأَنَّهُ يَخْدُمُ الْمَوْلٰى مَعْنًى حَيْثُ يَخْدُمُهَا بِإِذْنِهٖ وَأَمْرِهٖ وَبِخِلَافِ رَعْيِ الْغَنَمِ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الْقِيَامِ بِأُمُورِ الزَّوْجِيَّةِ فَلَا مُنَاقَضَةَ عَلٰى أَنَّهُ مَمْنُوعٌ فِي رِوَايَةٍ ثُمَّ عَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ تَجِبُ قِيمَةُ الْخِدْمَةِ لِأَنَّ الْمُسَمّٰى مَالٌ إِلَّا أَنَّهُ عَجَزَ عَنِ التَّسْلِيمِ لِمَكَانِ الْمُنَاقَضَةِ فَصَارَ كَالتَّزَوُّجِ عَلٰى عَبْدِ الْغَيْرِ ، وَعَلٰى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ لِأَنَّ

اَلْخِدْمَةَ لَيْسَتْ بِمَالٍ إِذْ لَا تُسْتَحَقُّ فِيهِ بِحَالٍ وَهٰذَا لِأَنَّ تَقَوُّمَهُ بِالْعَقْدِ لِلضَّرُورَةِ فَإِذَا لَمْ يَجِبْ تَسْلِيمُهُ فِي هٰذَا الْعَقْدِ لَمْ يَظْهَرْ تَقَوُّمُهُ فَيَبْقَى الْحُكْمُ لِلْأَصْلِ وَهُوَ مَهْرُ الْمِثْلِ

ترجمہ

جب کوئی آزاد مرد کسی عورت کے ساتھ اس شرط پر شادی کرے وہ مرد ایک برس تک اس عورت کی خدمت کرتا رہے گا یا قرآن پاک کی تعلیم دینے کی شرط پر شادی کر لے تو عورت کو مہر مثل ملے گا۔ امام محمد فرماتے ہیں: اس عورت کو اس مرد کی خدمت کے معاوضے جتنا مہر ملے گا۔ اگر کوئی غلام کسی عورت کے ساتھ اس کے آقا کی اجازت کے تحت اس شرط پر شادی کرے کہ وہ ایک سال تک اس عورت کی خدمت کرتا رہے گا تو یہ درست ہوگا اور عورت کو یہ حق حاصل ہوگا' وہ مرد اس کی خدمت کرتا رہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں اس عورت کو قرآن پاک کی تعلیم دینے اور خدمت کروانے کا حق حاصل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے: شرط کے ذریعے' جس چیز کو بطور معاوضہ لینا درست ہو' امام شافعی کے نزدیک اس چیز کو مہر بنانا بھی درست ہوتا ہے کیونکہ اس طرح معاوضہ لینا متحقق ہو جاتا ہے اور یہ اس طرح ہو جائے گا: جب شوہر نے اس کی رضامندی کے ساتھ۔ کسی دوسرے شخص کے خدمت کرنے پر' اس عورت سے نکاح کر لیا ہو' یا اس عورت کی بکریاں چرانے کی شرط پر اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیا ہو۔ ہماری دلیل یہ ہے: شرعی طور پر حکم یہ ہے: مال کو حاصل کیا جائے اور تعلیم دینا' مال نہیں ہے' اسی طرح ہمارے اصول کے مطابق' دیگر طرح کا نفع حاصل کرنا بھی مال نہیں ہے۔ البتہ غلام کا خدمت کرنا مال کے حصول کے مترادف ہے' کیونکہ اس ضمن میں اس کا اپنی غلامی کو سپرد کرنے کا مفہوم پایا جا رہا ہے' لیکن آزاد شخص میں ایسی صورت حال نہیں ہوتی ہے نیز عقد نکاح کی وجہ سے آزاد شخص کی خدمت کا استحقاق جائز نہیں ہوگا' کیونکہ اس میں "قلب موضوع" پایا جاتا ہے'

جبکہ دوسرے آزاد شخص کا اپنی رضامندی کے ساتھ خدمت کرنے کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ یہاں مناقضہ نہیں پایا جا رہا۔ غلام کی خدمت کرنے کا حکم بھی اس کے برخلاف ہے' کیونکہ وہ معنوی طور پر اپنے آقا کی خدمت کر رہا ہے' کیونکہ وہ اس عورت کی خدمت اپنے آقا کی اجازت اور اس کے حکم کے تحت کر رہا ہے۔ اسی طرح بکریاں چرانے کا حکم بھی اس سے مختلف ہے' کیونکہ اس کا تعلق امور زوجیت کی ادائیگی کے ساتھ ہے' لہٰذا یہاں مناقضہ نہیں پایا جائے گا' تاہم ایک روایت کے مطابق یہ بھی ممنوع ہے۔ تو امام محمد کے قول کے مطابق خدمت کی قیمت (یعنی معاوضے) کی ادائیگی واجب ہوگی' کیونکہ جو چیز طے کی گئی ہے' وہ مال ہے' تاہم وہ شخص اس کی ادائیگی سے قاصر ہے' کیونکہ مناقضہ پایا جا رہا ہے' لہٰذا یہ اس شخص کی مانند ہوگا جو کسی دوسرے کے غلام کو (مہر مقرر کر دیتا ہے)

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول کے مطابق' مہر مثل کی ادائیگی واجب ہوگی' کیونکہ خدمت مال نہیں ہے' کیونکہ نکاح میں کسی بھی حالت میں اس کا استحقاق نہیں ہو سکتا' تو یہ خنزیر اور شراب کو مقرر کرنے کی مانند ہوگی۔ اور یہ حکم اس وجہ سے ہے: عقد کی وجہ

سے اس کا قیمت والا ہونا ضرورت کے پیش نظر ہے تو جب عقد میں اس کی ادائیگی واجب نہیں ہوگی تو اس کا قیمت والا ہونا بھی ظاہر نہیں ہوگا تو حکم اپنی اصل کے اعتبار سے باقی رہے گا اور وہ مہر مثل ہے۔

تعلیم قرآن کے مہر ہونے فقہی مذاہب اربعہ

حضرت سہل بن ساعدی سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا میں نے خود کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیا پھر کافی دیر کھڑی رہی تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں تو اس کا نکاح مجھ سے کر دیجیے آپ نے فرمایا تمہارے پاس مہر کے لیے کچھ ہے؟ اس نے عرض کیا میرے پاس صرف یہی تہبند ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تم اپنا تہبند اسے دو گے تو خود خالی بیٹھے رہو گے پس تم کوئی اور چیز تلاش کرو اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں آپ نے فرمایا کہ تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو راوی کہتے ہیں کہ اس نے تلاش کیا لیکن کچھ نہ پا کر وہ دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا تم نے قرآن میں سے کچھ حفظ کیا ہے اس نے عرض کیا جی ہاں فلاں، فلاں، سورتیں یاد ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے ان سورتوں کے عوض جو تجھے یاد ہیں اس کے ساتھ تیرا نکاح کر دیا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام شافعی کا اسی پر عمل ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کچھ نہ پایا اور قرآن پاک کی سورت پر ہی نکاح کر لیا جائز ہے عورت کو قرآن کی سورتیں سکھا دے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ نکاح جائز ہے اور مہر مثل واجب ہو جائیگا اہل کوفہ (فقہاء احناف میں بعض ہیں جبکہ اکثر کا موقف ہم سابقہ دلائل میں لکھ آئے ہیں)۔ احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث ۱۱۱۴)

حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک خاتون نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ان سے کون نکاح کرے گا ایک مرد نے عرض کیا، میں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اسے کچھ دو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو اس نے عرض کیا میرے پاس تو یہ بھی نہیں۔ فرمایا تمہارے پاس جو قرآن ہے اس کے عوض میں نے اس کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 46)

آزادی کو مہر قرار دینے میں فقہی تصریحات

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو پہلے آزاد کیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور ان کے نکاح میں حیس کا ولیمہ کیا (بخاری مسلم)

صالح بن صالح بیان کرتے ہیں میں شعبی کے پاس موجود تھا کہ ان کے پاس ایک خراسان سے تعلق رکھنے والا ایک شخص آیا اور بولا اے ابوعمرو ہمارے ہاں خراسان جو شخص اپنی کنیز کو آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کر لے اس کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ قربانی کے جانور پر سوار ہونے کے مترادف ہے شعبی نے جواب دیا مجھے حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے

حضرت ابوبردہ نے اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنایا ہے تین طرح کے لوگوں کو دوگنا اجر دیا جائے گا ایک وہ شخص جو اہل کتاب سے تعلق رکھتا ہو اور اپنے نبی پر ایمان لایا ہو پھر اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نصیب ہوا ہو اور وہ آپ پر ایمان لاکر آپ کی پیروی کرے۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ کا حق ادا کرے اور اپنے آقا کا حق ادا کرے اس کو دوگنا اجر ملے گا۔ اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی کنیز ہو وہ اسے اچھی خوراک فراہم کرے اور اس کی اچھی طرح سے تعلیم وتربیت کرے پھر اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کرلے تو اسے دوگنا اجر ملے گا۔ پھر شعبی نے اس شخص سے کہا کسی معاوضے کے بغیر تم یہ حدیث حاصل کرو پہلے اس سے کم درجے کی حدیث کے لیے مدینہ منورہ کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ ہشیم بیان کرتے ہیں بصرہ میں مجھے اس بات کا پتا چلا کہ تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یعنی صالح سے اس روایت کے بارے میں دریافت کیا۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 104)

حضرت صفیہ حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں جو خیبر میں آباد قبیلہ بنوقریظہ وبنونضیر کے سردار تھے جب خیبر کے یہودیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح عطا کی تو صفیہ بھی ہاتھ لگیں اور بطور لونڈی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں آئیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی کے خلعت سے نوازا اور پھر اپنی زوجیت میں لے کر انہیں دین ودنیا کی سب سے بڑی سعادت سے سرفراز کیا۔

اس مسئلہ میں اہل علم کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے اور اس کی آزادی ہی کو اس کا مہر قرار دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ صحابہ کی ایک جماعت اور بعض علماء اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر اس کے جواز کے قائل ہیں جب کہ صحابہ اور علماء کی ایک جماعت نے اسے جائز نہیں کہا ہے اور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے ان کی طرف سے اس حدیث کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت صفیہ کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا جانا ایک استثنائی صورت ہے جو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مختص ہے لہذا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا اور کسی کو جائز نہیں ہے۔

شارحین ہدایہ نے لکھا ہے اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کرے اور اس کی آزادی کو مہر قرار دے بایں طور کہ اس سے یہ کہے کہ میں نے تجھ کو اس شرط پر آزاد کیا کہ تو مجھ سے آزادی کے عوض نکاح کرلے اور پھر اس لونڈی نے اسے قبول کرلیا تو یہ آزاد کرنا صحیح ہو جائے گا یعنی وہ آزاد ہو جائے گی البتہ نکاح کے معاملے میں وہ خود مختار ہوگی یہاں تک کہ اگر اس نے اس شخص سے نکاح کرلیا تو اس کے لئے اس کا مہر مثل واجب ہوگا۔

آزادی کو مہر مقرر کرنے کی کراہت میں بعض فقہی مذاہب

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر مقرر کیا۔ اس باب میں حضرت صفیہ سے بھی روایت ہے حضرت انس کی حدیث حسن صحیح ہے، بعض صحابہ کرام اور دوسرے حضرات کا

اس پر عمل ہے۔

امام شافعی، احمد، اور اسحاق، کا یہی قول ہے بعض علماء کے نزدیک آزادی کو مہر مقرر کرنا مکروہ ہے ان کے نزدیک آزادی کے علاوہ مہر مقرر کرنا چاہیے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1116)

حضرت ابوہریرہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کو دوہرا ثواب دیا جائے گا، وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ اور اپنے مالک کا حق ادا کیا اسے دوگنا اجر ملے گا۔ ایسا شخص جس کی ملکیت میں خوبصورت لونڈی ہو وہ اس کی اچھی تربیت کرے پھر اسے آزاد کر کے محض اللہ کی خوشنودی کے لیے نکاح کرے تو اسے بھی دوگنا ثواب ملے گا اور تیسرا وہ شخص جو پہلی کتاب پر بھی ایمان لایا اور پھر دوسری کتاب نازل ہوئی تو اس پر بھی ایمان لایا اس کے لیے بھی دوگنا ثواب ہے۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1117)

قبولیت اسلام کو مہر قرار دینے میں فقہی مذاہب

حضرت انس کہتے ہیں کہ ابوطلحہ نے جب ام سلیم سے نکاح کیا تو قبولیت اسلام آپس میں مہر قرار پایا۔ ام سلیم نے ابوطلحہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور پھر جب ابوطلحہ نے ام سلیم کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو ام سلیم نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے نکاح کر لوں گی۔ اور تم سے مہر نہیں لوں گی) چنانچہ ابوطلحہ نے اسلام قبول کر لیا اور اسلام قبول کر لینا ہی آپس میں مہر قرار پایا(نسائی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 411)

حضرت ام سلیم ملحان کی بیٹی اور حضرت انس بن مالک کی ماں ہیں۔ پہلے ان کی شادی مالک بن نضر کے ساتھ ہوئی تھی جس سے حضرت انس پیدا ہوئے مالک کو قبولیت اسلام کی توفیق نہیں ہوئی اور وہ حالت شرک میں مارا گیا پھر ام سیلم نے اسلام قبول کر لیا اور ابوطلحہ نے جو اس وقت مشرک تھے ان کو اپنے نکاح کا پیغام دیا ام سلیم سے ان کا نکاح ہو گیا۔

لہذا حدیث کے الفاظ اور اسلام قبول کر لینا ہی مہر قرار پایا : کی وضاحت حنفیہ کے مسلک کے مطابق یہ ہے کہ ام سلیم کے ساتھ ابوطلحہ کا نکاح تو مہر کے ساتھ ہی ہوا لیکن ام سلیم نے اپنے وعدہ کے مطابق ابوطلحہ کے اسلام لانے کی وجہ سے اپنا مہر بخش دیا گویا ابوطلحہ کا اسلام قبول کرنا ان کے آپس کے نکاح کا سبب ہوا نہ یہ کہ قبولیت اسلام ان کا مہر تھا ہاں دوسرے ائمہ اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ کا اسلام قبول کرنا ہی ان کا مہر تھا۔

عورت کا مہر قبضے میں لے کر شوہر کو ہبہ کرنے کا بیان

(فَإِنْ تَزَوَّجَهَا عَلَى أَلْفٍ فَقَبَضَتْهَا وَوَهَبَتْهَا لَهُ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا رَجَعَ عَلَيْهَا بِخَمْسِمِائَةٍ) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إلَيْهِ بِالْهِبَةِ عَيْنُ مَا يَسْتَوْجِبُهُ ؛ لِأَنَّ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ لَا تَتَعَيَّنَانِ فِي الْعُقُودِ وَالْفُسُوخِ ، وَكَذَا إذَا كَانَ الْمَهْرُ مَكِيلًا أَوْ مَوْزُونًا أَوْ شَيْئًا آخَرَ فِي

الذِّمَّةِ لِعَدَمِ تَعَيُّنِهَا (فَإِنْ لَمْ تَقْبِضْ الْأَلْفَ حَتَّى وَهَبَتْهَا لَهُ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا لَمْ يَرْجِعْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ بِشَيْءٍ .وَفِي الْقِيَاسِ يَرْجِعُ عَلَيْهَا بِنِصْفِ الصَّدَاقِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ) ؛ لِأَنَّهُ سَلَّمَ الْمَهْرَ لَهُ بِالْإِبْرَاءِ فَلَا تَبْرَأُ عَمَّا يَسْتَحِقُّهُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ .وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ وَصَلَ إلَيْهِ عَيْنُ مَا يَسْتَحِقُّهُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ وَهُوَ بَرَاءَةُ ذِمَّتِهِ عَنْ نِصْفِ الْمَهْرِ ، وَلَا يُبَالِي بِاخْتِلَافِ السَّبَبِ عِنْدَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ

ترجمہ

اور اگر مرد عورت کے ساتھ ایک ہزار روپے کے عوض میں شادی کرے اور عورت اس رقم کو اپنے قبضے میں لے کر پھر اس رقم کو اس مرد کو ہبہ کردے' پھر وہ مرد اس عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے' اسے طلاق دیدے' تو شوہر اس عورت سے پانچ سو روپے واپس لے گا' کیونکہ ہبہ کے نتیجے میں مرد کو بعینہٖ ہی وہ چیز نہیں ملی جو اس کا حق تھی کیونکہ عقود اور فسوخ میں متعین کرنے سے درہم اور دینار دونوں متعین نہیں ہوتے' اسی طرح جب مہر' مالی جانے والی' یا وزن کی جانے والی' یا کوئی اور چیز ہو جو ذمہ میں ہو' تو بھی یہی حکم ہوگا' کیونکہ ان کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس عورت نے ان ایک ہزار روپوں پر قبضہ نہیں کیا اور انہیں اس مرد کو ہبہ کردیا پھر اب مرد نے اس عورت کو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے دی تو دونوں میں سے کوئی ایک' دوسرے سے کچھ بھی نہیں لے سکتا۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے: مرد اس عورت سے نصف مہر واپس لے جیسا کہ امام زفر اس بات کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے: عورت کے معاف کرنے کے نتیجے میں مرد کا مہر ادا ہو چکا ہے اور صحبت سے پہلے طلاق دینے کی صورت' میں نصف مہر جسے واپس لینے کا اسے حق حاصل ہے' وہ معاف تصور نہیں ہوگا۔ اس بارے میں استحسان یہ ہے: صحبت سے پہلے طلاق دینے کے نتیجے میں' شوہر کو جو حق حاصل ہوتا تھا وہ اسے مل چکا ہے اور وہ نصف مہر کی ادائیگی سے بری ہو چکا ہے' لہٰذا اس میں اس چیز کا لحاظ نہیں کیا جائے گا' شوہر کو اس کے مقصد یعنی نصف مہر کی ادائیگی سے بری ہونے کی سہولت' کسی دوسرے سبب کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔

ہبہ شدہ مہر کی عدم واپسی کے فقہی احکام

حضرت ابراہیم نخعی نے کہا کہ جائز ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ دونوں اپنا ہبہ واپس نہیں لے سکتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کے دن عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گزارنے کی اپنی دوسری بیویوں سے اجازت مانگی تھی (اور ازواج مطہرات نے اپنی اپنی باری ہبہ کردی تھی) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اپنا ہبہ واپس لینے والا شخص اس کتے کی طرح ہے جو اپنی ہی قے چاٹتا ہے۔

زہری نے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اپنا کچھ مہر یا سارا مہر مجھے ہبہ کردے (اور اس نے کردیا) اس کے تھوڑی ہی دیر بعد اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور بیوی نے (اپنے مہر کا ہبہ) واپس مانگا تو زہری نے کہا کہ اگر شوہر

نے محض دھوکہ کے لیے ایسا کیا تھا تو اسے مہر واپس کرنا ہوگا۔لیکن اگر بیوی نے اپنی خوشی سے مہر ہبہ کیا، اور شوہر نے بھی کسی قسم کا دھوکہ اس سلسلے میں اسے نہیں دیا، تو یہ صورت جائز ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اگر تمہاری بیویاں دل سے اور خوش ہو کر تمہیں اپنے مہر کا کچھ حصہ دے دیں (تو لے سکتے ہو)۔(بخاری، کتاب ہبہ)

یعنی اگر خاوند بیوی کو ہبہ کرے یا بیوی خاوند کو دونوں صورتوں میں ہبہ نافذ ہوگا اور رجوع جائز نہیں۔ ابراہیم نخعی اور عمر بن عبدالعزیز ان ہر دو کے اثر کو عبدالرزاق نے وصل کیا ہے۔ ترجمہ باب اس سے نکلتا ہے کہ دوسری ازواج مطہرات نے اپنی اپنی باری کا حق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا (النساء ۴)

اور عورتوں کے ان کے مہر خوشی سے دو پھر اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے کھاؤ رچتا پچتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی مستحق عورتیں ہیں نہ کہ ان کے اولیاء اگر اولیاء نے مہر وصول کر لیا ہو تو انہیں لازم ہے کہ وہ مہر اس کی مستحق عورت کو پہنچا دیں۔

عورتوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے شوہروں کو مہر کا کوئی جزو ہبہ کریں یا کل مہر مگر مہر بخشوانے کے لئے انہیں مجبور کرنا اُن کے ساتھ بد خلقی کرنا نہ چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "طِبْنَ لَكُمْ" فرمایا جس کے معنیٰ ہیں دل کی خوشی سے معاف کرنا ہے۔

اپنی بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کر دیا کرو جو بھی مقرر ہوئے ہوں اور جن کو تم نے منظور کیا ہو، ہاں اگر عورت خود اپنا سارا یا تھوڑا بہت مہر اپنی خوشی سے مرد کو معاف کر دے تو اسے اختیار ہے اور اس صورت میں بے شک مرد کو اس کا اپنے استعمال میں لانا حلال طیب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو جائز نہیں کہ بغیر مہر واجب کے نکاح کرے نہ یہ کہ جھوٹ موٹ مہر کا نام ہی نام ہو،

ابن ابی حاتم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مروی ہے کہ تم میں سے جب کوئی بیمار پڑے تو اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے اس کے مال کے تین درہم یا کم وبیش لے ان کا شہد خرید لے اور بارش کا آسمانی پانی اس میں ملا لے تو تین تین بھلائیاں مل جائیں گی آیت (هنيئا امريئا) تو مال عورت اور شفاء شہد اور مبارک بارش کا پانی۔

حضرت ابو صالح فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا مہر آپ لیتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور انہیں اس سے روک دیا گیا (ابن ابی حاتم اور ابن جریر)

اس حکم کو سن کر لوگوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ان کا مہر کیا ہونا چاہیے؟ آپ نے فرمایا جس چیز پر بھی ان کے ولی رضامند ہو جائیں (ابن ابی حاتم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں تین مرتبہ فرمایا کہ بیوہ عورتوں کا نکاح کر دیا کرو، ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی صورت میں ان کا مہر کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا جس پر ان

کے گھر والے راضی ہو جائیں۔

اہل تشیع کے نزدیک مہر ہبہ کرنے کا بیان

خداوند متعال کا، عورتوں کو اپنا سارا مہر شوہروں کو نہ بخشنے کی ہدایت کرنا۔

فان طبن لکم عن ش منه نفساً فکلوه، من "تبعیضیه سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہر کا کچھ حصہ بخشنے کی بات کرنا اور اسکی تصریح کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورتوں کو اپنا سارا مہر ہبہ نہیں کرنا چاہیے۔شوہر، عورت کے راضی ہونے کی صورت میں اسکے مال سے استفادہ کرنے کا مجاز ہے۔

فان طبن لکم عن ش منه امام صادق یاامام کاظم نے مذکورہ آیت کے بارے میں پوچھے گئے سؤال کے جواب میں فرمایا: یعنی بذلك اموالهن التی فی ایدیهن مما ملکن ان سے مرادوہ اموال ہیں جن کی وہ مالک ہیں۔(کافی ج 5 ص 130 ح 3، نورالثقلین ج 1 ص 446 ح 67.) مجمع البیان ج 3 ص 17 تفسیر برھان ج 1 ص 345 ح 20.)

اہل تشیع نے مذکورہ آیت میں "من" کو تبعیضیہ کہہ کر استدلال کیا ہے۔حالانکہ انہیں نہ جانے نحو کا یہ اصول معلوم نہیں ہے کہ من تبعیضیہ جمع پر داخل ہوتا ہے وہ واحد پر قانون کے مطابق داخل نہیں ہوتا۔البتہ شاذ بھی کسی قرینے سے خالی نہیں ہوتا۔

مہر وصول کرنے بعد اتنی مقدار ہبہ کرنے کا بیان

(وَلَوْ قَبَضَتْ خَمْسَمِائَةٍ ثُمَّ وَهَبَتْ الْأَلْفَ كُلَّهَا الْمَقْبُوضَ وَغَيْرَهُ أَوْ وَهَبَتْ الْبَاقِيَ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا لَمْ يَرْجِعْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ بِشَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَا :رَجَعَ عَلَيْهَا بِنِصْفِ مَا قَبَضَتْ) اعْتِبَارًا لِلْبَعْضِ بِالْكُلِّ ، وَلِأَنَّ هِبَةَ الْبَعْضِ حَطٌّ فَيَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ .وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ مَقْصُودَ الزَّوْجِ قَدْ حَصَلَ وَهُوَ سَلَامَةُ نِصْفِ الصَّدَاقِ بِلَا عِوَضٍ فَلَا يَسْتَوْجِبُ الرُّجُوعَ عِنْدَ الطَّلَاقِ .وَالْحَطُّ لَا يَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ فِي النِّكَاحِ ، أَلَا تَرَى أَنَّ الزِّيَادَةَ فِيهِ لَا تَلْتَحِقُ حَتَّى لَا تَتَنَصَّفُ ،

ترجمہ

اور اگر عورت پانچ سو روپے وصول کر لیتی ہے اور پھر شوہر کو (اپنی طرف سے پانچ سو ملا کر) ایک ہزار روپے ہبہ کر دیتی ہے اور شوہر عورت کو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے دیتا ہے' تو میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کو ادائیگی نہیں کرے گا' یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے۔صاحبین نے یہ بات بیان کی ہے: عورت نے مرد سے جو رقم وصول کی تھی اس کا نصف وصول کرنے کا حق مرد کو ہوگا۔انہوں نے "بعض" کو "کل" پر قیاس کیا ہے۔ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے: بعض مہر کو ہبہ کرنا' گویا اس میں کمی کرنے کے

مترادف ہے۔لہٰذا یہ کی بھی اصل سے وابستہ قرار دی جائے گی۔امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: شوہر کو اپنا مقصود حاصل ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے: کسی بھی معاوضے کے بغیر اس کا نصف مہر محفوظ اور سلامت ہے لہٰذا طلاق کی صورت میں اسے کچھ بھی وصول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ جہاں تک صاحبین کی اس رائے کا تعلق ہے: کمی کو اصل ہی سے وابستہ شمار کیا جائے گا تو یہ نکاح کے بارے میں درست نہیں ہے کیا آپ نے غور نہیں کیا؟ اگر شوہر اس میں کچھ اضافہ کردے تو اسے "اصل" کے ساتھ شمار نہیں کیا جائے گا اور (طلاق ہو جانے کی صورت میں) اس اضافے کو نصف نہیں کیا جاتا۔

ہبہ شدہ مہر کے رجوع میں فقہی مذاہب کا بیان

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے اسی حدیث سے دلیل لی ہے اور ہبہ میں رجوع ناجائز رکھا ہے۔صرف باپ کو اس ہبہ میں رجوع جائز رکھا ہے جو وہ اپنی اولاد کو کرے۔بدلیل دوسری حدیث کے جو اوپر گزر چکی اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اگر اجنبی شخص کو کچھ ہبہ کرے تو اس میں رجوع جائز رکھا ہے جب تک وہ شے موہوب اپنے حال پر باقی ہو اور اس کا عوض نہ ملا ہو۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

پہلے خفیہ نکاح ہوا اور ایک ہزار کا مہر باندھا پھر اعلانیہ ایک ہزار پر نکاح ہوا تو دو ہزار واجب ہو گئے اور اگر محض احتیاطاً تجدید نکاح کی تو دوبارہ نکاح کا مہر واجب نہ ہوا اور اگر مہر ادا کر چکا تھا پھر عورت نے ہبہ کر دیا پھر اس کے بعد شوہر نے اقرار کیا کہ اس کا مجھ پر اتنا ہے تو یہ مقدار لازم ہوگی، خواہ یہ اقرار بقصدِ زیادتی ہو یا نہیں۔

مہر مقرر شدہ پر شوہر نے اضافہ کیا مگر خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دی، تو اصل مہر کا نصف عورت پائے گی اس اضافہ کا بھی نصف لینا چاہے تو نہیں ملے گا۔عورت کل مہر یا جز معاف کرے تو معاف ہو جائے گا بشرطیکہ شوہر نے انکار نہ کر دیا ہو۔اور اگر وہ عورت نابالغہ ہے اور اس کا باپ معاف کرنا چاہتا ہے تو نہیں کر سکتا اور بالغہ ہے تو اس کی اجازت پر معافی موقوف ہے۔

(ردمختار، کتاب النکاح)

عورت کا ہبہ سے باقی ماندہ مہر قبضہ میں لینے کا بیان

وَلَوْ كَانَتْ وَهَبَتْ اَقَلَّ مِنَ النِّصْفِ وَقَبَضَتْ الْبَاقِيَ ، فَعِنْدَهُ يَرْجِعُ عَلَيْهَا اِلَى تَمَامِ النِّصْفِ .وَعِنْدَهُمَا بِنِصْفِ الْمَقْبُوْضِ ۔

ترجمہ

اور اگر عورت نصف سے کم مہر کو ہبہ کر کے بقیہ مہر کو اپنے قبضے میں لے تو امام صاحب کے نزدیک شوہر مہر کی نصف مقدار اس سے واپس لے گا اور صاحبین کے نزدیک جو رقم عورت نے قبضے میں لی ہے اس کا نصف واپس لے گا۔

جبر کی صورت میں ہبہ کے باطل ہونے کا بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی مریضہ کو اپنے والدین کے ہاں جانے سے روکا اور کہا تو مجھے مہر ہبہ کرے تو جانے دوں گا تو بیوی نے مہر ہبہ کر دیا تو یہ ہبہ باطل ہے کیونکہ یہ مجبور کی طرح ہے اور اس سے ایک در پیش مسئلہ کا جواب معلوم ہو گیا کہ بیٹی کا نکاح کر دیا جب بیٹی رخصتی کے لئے تیار ہوئی تو باپ نے روک لیا اور کہا تو یہ گواہی بنا دے کہ میں نے والدہ سے اپنی والدہ کی وراثت کا حصہ وصول کر لیا ہے۔ بیٹی نے مجبوراً اپنے اقرار پر گواہ بنا دیئے تو بیٹی کا یہ اقرار صحیح نہ ہوگا کیونکہ وہ مجبور کی طرح تھی، اور مفتی روم ابو سعود نے یہی فتویٰ دیا مصنف نے شرح منظومہ تحفۃ الاقران میں اس کو ذکر کیا ہے۔

(در مختار، کتاب الاکراہ)

یہاں مصنف نے سابقہ مسئلے کی ایک اور ذیلی صورت کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے: عورت طے شدہ مہر کے نصف سے کم حصے کو ہبہ کر دیتی ہے اور بقیہ رقم اپنے قبضے میں لے لیتی ہے جیسے طے شدہ مہر کی رقم ایک ہزار تھی اور عورت نے اس میں سے دو سو درہم ہبہ کر دیئے اور 800 درہم اپنے قبضے میں لے لیے اور پھر شوہر صحبت کرنے سے پہلے عورت کو طلاق دے دیتا ہے' تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک شوہر عورت سے مزید اتنی رقم لے گا جس کے ذریعے طے شدہ رقم کا نصف مکمل ہو جائے جبکہ صاحبین کے نزدیک حکم یہ ہے: عورت نے اپنے قبضے میں جو رقم لی تھی اس کا نصف شوہر اس سے واپس لے گا۔ اس اختلاف کی وجہ وہی ہے' جو سابقہ مسئلے میں بیان کی گئی ہے' یہ کمی اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوگی یا نہیں ہوگی؟ صاحبین کے نزدیک لاحق ہوگی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک لاحق نہیں ہوگی۔

مہر سامان ہبہ کرنے کا بیان

﴿وَلَوْ كَانَ تَزَوَّجَهَا عَلٰى عَرَضٍ فَقَبَضَتْهُ اَوْ لَمْ تَقْبِضْ فَوَهَبَتْ لَهُ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا لَمْ يَرْجِعْ عَلَيْهَا بِشَيْءٍ﴾ وَفِى الْقِيَاسِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ يَرْجِعُ عَلَيْهَا بِنِصْفِ قِيْمَتِهٖ ؛ لِاَنَّ الْوَاجِبَ فِيْهِ رَدُّ نِصْفِ عَيْنِ الْمَهْرِ عَلٰى مَا مَرَّ تَقْرِيْرُهُ .وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّ حَقَّهُ عِنْدَ الطَّلَاقِ سَلَامَةُ نِصْفِ الْمَقْبُوْضِ مِنْ جِهَتِهَا وَقَدْ وَصَلَ اِلَيْهِ وَلِهٰذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا دَفْعُ شَيْءٍ اٰخَرَ مَكَانَهُ ، بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَ الْمَهْرُ دَيْنًا ، وَبِخِلَافِ مَا اِذَا بَاعَتْ مِنْ زَوْجِهَا ؛ لِاَنَّهُ وَصَلَ اِلَيْهِ بِبَدَلٍ .

ترجمہ

اور اگر مرد نے کسی سامان کے عوض میں عورت سے نکاح کیا اور اس عورت نے اس سامان کو اپنے قبضے میں لے لیا یا قبضے میں

نہیں لیا اور پھر وہ سامان شوہر کو ہبہ کر دیا اور اس کے بعد شوہر نے دخول سے پہلے اس عورت کو طلاق دے دی تو اب وہ شوہر اس سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا۔ جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے: شوہر بیوی سے نصف سامان کی قیمت وصول کرے جیسا کہ امام زفر بھی اسی بات کے قائل ہیں' کیونکہ اس صورت میں مہر کے نصف کا واپس کرنا واجب ہے' جیسا کہ اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے: طلاق دیئے کی صورت میں شوہر کو حق صرف اس بات کا ہے کہ عورت کو جو مال دیا گیا ہے' اس کا نصف عورت کی طرف سے صحیح اور سالم اسے مل جائے اور وہ اسے مل چکا ہے۔ یہی وجہ ہے: عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا' وہ اس سامان کی بجائے کوئی اور چیز اسے واپس کرے۔ اس صورت کے برخلاف جب مہر میں درہم دینار یا ماپی جانے والی یا وزن کی جانے والی کوئی چیز دی گئی ہو یا عورت نے وہ سامان شوہر کو فروخت کر دیا ہو تو کیونکہ شوہر کو یہ سامان ادا شدہ رقم کے بدلے میں ملا ہے۔

بیوی کے ذاتی تصرف میں فقہی مذاہب اربعہ

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ عاقل بالغ اور آزاد اور تصرفات کر سکتا ہو کو اپنی زندگی میں اپنے ذاتی مال میں تصرف کرنے کا حق ہے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ چاہے خرید وفروخت کرے یا کرایہ وغیرہ پر دے یا پھر ھبہ اور وقف کرے اور اسی طرح باقی تصرفات بھی اس کے لیے جائز ہیں، اور اہل علم کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور اہل علم کے مابین اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ خاوند کو اپنی بیوی کے ذاتی مال میں کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں جبکہ اس کا تصرف کسی عوض میں ہو یعنی خرید وفروخت، اور کرایہ وغیرہ۔

اور جب وہ عورت عقل مند اور تصرف کرنے میں بھی جائز ہو اور پھر وہ عادتا دھوکہ باز بھی نہ ہو اس کے لیے تصرف جائز ہے۔

(مراتب الاجماع لابن حزم (162) ، الاجماع فی الفقہ الاسلامی تالیف ابو جیب (2 / 566)

علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا عورت اپنا سارا مال یا اس میں کچھ حصہ اپنے خاوند کی اجازت کی بغیر ہبہ کر سکتی ہے، ذیل میں ہم مختلف مذاہب بیان کرتے ہیں۔

پہلا قول : مالکیہ اور حنابلہ کی ایک روایت ہے کہ : ثلث سے زیادہ مال کے ہبہ میں خاوند کو روکنے کا حق ہے، اس سے کم میں خاوند کو روکنے کا حق نہیں۔ دیکھیں شرح الخرشی (7 / 103) المغنی لابن قدامہ (4 / 513) نیل الاوطار (6 / 22)

۔ ان کے دلائل میں قیاس اور منقول دونوں ہی شامل ہیں :

منقول میں سے دلائل : کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کی بیوی خیرۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا زیور لے کر آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا :

عورت کو اپنے مال میں سے خاوند کی اجازت کے بغیر کچھ بھی جائز نہیں، تو کیا تو نے کعب (رضی اللہ تعالی عنہ) سے اجازت لی ہے، اس نے کہا جی ہاں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک کے پاس ایک شخص کو بھیجا کہ ان سے پوچھے کہ کیا تو نے خیرہ کو اپنا زیور صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے، تو انہوں نے جواب میں کہا جی ہاں میں نے اجازت دی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس سے قبول کرلیا۔ سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2380) اس حدیث کی سند میں عبداللہ ابن یحیی اور اس کا والد دونوں راوی مجہول ہیں۔

- 2 عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں فرمایا: (کسی بھی عورت کا خاوند کی اجازت کے بغیر عطیہ دینا جائز نہیں) (سنن ابوداود کتاب البیوع باب نمبر (84) ، سنن نسائی الزکاۃ باب (58) مسند احمد (2 / 179) سنن ابن ماجۃ (2 / 798)

اور ایک روایت میں ہے کہ : (جب خاوند بیوی کی عصمت کا مالک بن جائے تو اس کے لیے اپنے مال میں کچھ بھی جائز نہیں) ترمذی کے علاوہ باقی پانچ نے اسے روایت کیا ہے۔

یہ اور اس سے قبل والی حدیث اس کی دلیل ہے کہ بیوی کے لیے جائز نہیں کہ وہ خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں تصرف کر سکے، اور اس میں یہ ظاہر ہے کہ عورت کیلئے اپنے مال میں تصرف کرنے کے لیے خاوند کی اجازت شرط ہے، اس قول کے قائلین نے ثلث سے زیادہ کی شرط دوسری نصوص کی وجہ سے لگائی ہے، جن میں یہ ہے کہ مالک کے لیے صرف ثلث اور اس سے کم میں وصیت کرنے کا حق حاصل ہے اس سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا لیکن اگر ورثاء اجازت دیں تو پھر کر سکتا ہے۔

جیسا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کے قصہ میں میں جو کہ مشہور ہے اس میں ہے کہ جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے سارے مال کے صدقہ کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے اجازت نہ دی اور جب دو ثلث کا پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی نہیں ہی کہا اور جب انہوں نے ثلث کے بارہ میں پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثلث ٹھیک ہے اور پھر ثلث بہت ہے۔ صحیح بخاری و مسلم۔

اور قیاس میں ان کی دلیل یہ ہے کہ : خاوند کا حق اس کے مال سے بھی متعلق ہے جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے : (عورت سے اس کے مال اور اس کی خوبصورتی و جمال اور اس کے دین کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے) اسے ساتوں نے روایت کیا ہے۔

اور عادت ہے کہ بیوی کے مال کی وجہ سے خاوند اس کا مہر بھی زیادہ کرتا ہے اور اس میں دلچسپی لیتا اور اس سے نفع حاصل کرتا ہے، اور جب اسے تنگی پیش آ جائے تو وہ اسے مہلت دے دیتا ہے، تو اس طرح یہ مریض کیمال سے وارثوں کے حقوق کی جگہ ہوا۔ (المغنی لابن قدامہ (4 / 514)

دوسرا قول : خاوند کو مطلق طور پر بیوی کو تصرف سے روکنے کا حق حاصل ہے۔ چاہے وہ کم ہو یا زیادہ لیکن صرف خراب اور ضائع ہونے والی اشیاء میں یہ حق نہیں۔ یہ قول لیث بن سعد کا قول ہے۔ (نیل الاوطار (6 / 22)

تیسرا قول : عورت کو اپنے مال میں خاوند کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا حق نہیں : یہ طاووس رحمہ اللہ تعالی کا قول ہے۔ دیکھیں فتح الباری (5 / 218) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی فتح الباری میں کہتے ہیں

طاووس رحمہ اللہ تعالی نے عمرو بن شعیب والی مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے : عورت کیلیے اپنے مال خاوند کی اجازت کے بغیر عطیہ جائز نہیں ۔ ابوداود اور نسائی رحمہ اللہ تعالی نے روایت کی ہے، ابن بطال رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں : باب کی احادیث صحیح ہیں۔

چوتھا قول : عورت اپنے مال میں مطلقا تصرف کا حق حاصل ہے چاہے وہ عوض کے ساتھ یا بغیر عوض کے، چاہے وہ سارے مال میں یہ کچھ میں ۔ یہ قول جمہور علماء کرام کا ہے، جن میں شافعیہ، احناف، حنابلہ کا ایک مذھب، اور ابن منذر شامل ہیں ۔

(المغنی لابن قدامہ (4 / 513) الانصاف (5 / 342) اور شرح معانی الآ ثار (4 / 354) فتح الباری (5 / 318) ، نیل اولاطار (6 / 22)

کتاب وسنت اور نظر کے اعتبار سے سب سے زیادہ عادل اور صحیح قول یہی ہے ۔ کتاب اللہ سے دلائل : اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے :(اور عورتوں کو ان کے مہر پورے کے پورے ادا کرو، اگر تو وہ تمہیں اپنی مرضی اور خوشی سے کچھ معاف کردیں تو اسے بڑی خوش سے کھاؤ) ۔ تو اللہ تعالی نے اس آیت میں خاوند کے لیے بیوی کے مال سے جس پر وہ راضی ہو مباح قرار دیا ہے ۔
اور ایک دوسرے مقام پر کچھ اس طرح فرمایا :(اور اگر تم انہیں چھونے سے قبل ہی طلاق دے دو اور ان کا مہر مقرر کر چکے ہو تو جو تم نے مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف ادا کرو لیکن اگر وہ معاف کردیں)

تو اللہ تعالی نے خاوند کے طلاق دینے کے بعد عورت کو اپنا مال معاف کرنے کی اجازت دی ہے اور اس میں کسی کو بھی دخل نہیں کہ اس سے اجازت طلب کی جائے جو کہ عورت کے اپنے مال میں تصرف کرنے کی دلیل ہے، اور اس پر بھی دلیل ہے کہ اپنے مال میں اسی طرح ہے جس طرح کہ مرد اپنے مال میں تصرف رکھتا ہے۔(شرح معانی الآ ثار (4 / 352)

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے کچھ اس طرح فرمایا ہے :(اور یتیموں کو ان کے بالغ ہونے تک سدھارتے اور آزماتے رہو پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو) النساء (6)

اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اگر یتیم بچی ہوشیار اور بالغ ہوجائے تو اس کے لیے اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے ۔ اور اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیعید کے خطبہ میں وعظ ونصیحت کرنے کے بعد عورتوں نے اپنے زیورات صدقہ کردیے، تو یہ سب کچھ اس پر دلالت کرتا ہے کہ عورت کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے اور کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

نیل الاوطار میں ہے کہ : جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ : جب عورت بے وقوف نہ ہو تو اس کے لیے مطلقا اپنے مال میں خاوند کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز ہے، اور اگر وہ بے وقوف ہو تو پھر جائز نہیں ۔ فتح الباری میں کہا ہے کہ جمہور علماء کرام کی اس پر کتاب وسنت میں سے بہت سے دلائل ہیں ۔ ۔ جمہور علماء کرام نے اس حدیث : عورت کے لیے اپنے مال میں خاوند کی عصمت میں رہتے ہوئے ہبہ جائز نہیں ۔ سنن ابوداود حدیث نمبر (3079) صحیح الجامع حدیث نمبر (7265) اور بعض روایات کا بیان ہو چکا

اس حدیث سے استدلال کا رد کرتے ہوئے جمہور علماء کرام کہتے ہیں: یہ ادب اور حسن معاشرت اور خاوند کے بیوی پر حق اور مقام مرتبہ اور اس کی قوت رائے اور عقل پر محمول ہے کہ خاوندان اشیاء میں پختہ ہوتا ہے۔

امام سندھی نے نسائی کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہا ہے کہ: یہ حدیث اکثر علماء کرام کے نزدیک حسن معاشرت اور خاوند کو راضی وخوش کرنے کے معنی پر ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالی سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ثابت ہی نہیں تو ہم کس طرح ایسا کہیں اور قرآن مجید اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے، قرآن مجید کے بعد سنت اور پھر آثار اور اس کے بعد معقول کا درجہ ہے۔

میمونہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بغیر ہی غلام آزاد کر دیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم ہونے پر انہیں کوئی عیب نہیں لگایا، تو یہ اس کے علاوہ دوسری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ حدیث اگر ثابت ہو تو پھر ادب واحسان اور اختیار پر محمول ہوگی۔

تو اس طرح مسلمان عورت کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے خاوند سے اجازت طلب کرے اور اجازت لینا اس پر واجب تو نہیں بہتر ہے، اسے اس کا اجر بھی ملے گا۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا عورتوں میں سے کونسی عورت بہتر ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورت اچھی اور بہتر ہے جب اس کی طرف خاوند دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے، اور جب اسے کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے، اور وہ اپنے مال اور نفس میں خاوند کی مخالفت نہ کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔
(سنن نسائی حدیث نمبر (3179) صحیح الجامع حدیث نمبر (3292)

اگر مہر کوئی جانور یا سامان ہو جس کی ادائیگی ذمے میں ہو؟

وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى حَيَوَانٍ اَوْ عُرُوضٍ فِي الذِّمَّةِ فَكَذٰلِكَ الْجَوَابُ ؛ لِاَنَّ الْمَقْبُوضَ مُتَعَيَّنٌ فِي الرَّدِّ وَهٰذَا ؛ لِاَنَّ الْجَهَالَةَ تَحَمَّلَتْ فِي النِّكَاحِ فَاِذَا عَيَّنَ فِيهِ يَصِيرُ كَاَنَّ التَّسْمِيَةَ وَقَعَتْ عَلَيْهِ .

ترجمہ

اگر مرد نے عورت کے ساتھ کسی جانور یا ذمے میں ثابت شدہ سامان کے عوض میں نکاح کیا ہو تو بھی یہی جواب ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے: جو چیز قبضے میں لی گئی ہے وہ واپس کرنے کے حوالے سے متعین ہے۔ اس کی یہ وجہ بھی ہے: نکاح کے بارے میں کسی چیز کا مجہول ہونا برداشت کر لیا جاتا ہے تو جب وہ متعین ہوگئی تو گویا اس طرح ہو جائے گی جیسے طے کرنے کی صورت اس پر واقع ہوگئی ہے۔

جب ہبہ کردہ مہر کے: فریقین میں سے کوئی فوت ہو جائے

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ وطی یا خلوت صحیحہ یادونوں میں سے کسی کی موت ان سب سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے کہ جو مہر ہے اب اس میں کمی نہیں ہو سکتی۔ یونہی اگر عورت کو طلاق بائن دی تھی اور عدت کے اندر سے پھر نکاح کر لیا تو یہ مہر بغیر دخول وغیرہ کے مؤکد ہو جائیگا۔ ہاں اگر صاحب حق نے کل یا جز معاف کر دیا تو معاف ہو جائے گا اور اگر مہر ادا ہوا تھا اور شوہر نے طلاق دے دی تو نصف واجب ہوگا اور اگر طلاق سے پہلے پورا مہر ادا کر چکا تھا تو نصف تو عورت کا ہوا ہی اور نصف شوہر کو واپس ملے گا مگر اس کی واپسی میں شرط یہ ہے کہ یا عورت اپنی خوشی سے پھیر دے یا قاضی نے واپسی کا حکم دے دیا ہو اور یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو شوہر کا کوئی تصرف اس میں نافذ نہ ہوگا، مثلاً اس کو بیچنا، ہبہ کرنا، تصدق کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔

اور اگر وہ مہر غلام ہے تو شوہر اس کو آزاد نہیں کر سکتا اور قاضی کے حکم سے پیشتر عورت اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتی ہے مگر بعد حکم قاضی اس کی آدھی قیمت دینی ہوگی اور اگر مہر میں زیادتی ہو، مثلاً گائے، بھینس وغیرہ کوئی جانور مہر میں تھا، اس کے بچہ ہوا یا درخت تھا، اس میں پھل آئے یا کپڑا تھا، رنگا گیا یا مکان تھا، اس میں کچھ نئی تعمیر ہوئی یا غلام تھا، اس نے کچھ کمایا تو اگر زوجہ کے قبضہ سے پیشتر اس مہر میں زیادتی متولد ہے، اس کے نصف کی عورت مالک ہے اور نصف کا شوہر ورنہ کل زیادتی کی بھی عورت ہی مالک ہے۔ (ردمحتار، کتاب النکاح)

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر شوہر مہر کے طور پر کسی جانور یا ذمے میں ثابت شدہ سامان کے عوض میں' عورت کے ساتھ شادی کر لیتا ہے اور پھر صحبت کرنے سے پہلے اسے طلاق دے دیتا ہے یا اسے چھوڑ کر مر جاتا ہے' جبکہ عورت اس مہر کو شوہر کو ہبہ کر چکی ہو' تو عورت نے وہ ہبہ' قبضے میں لینے سے پہلے کیا ہو یا بعد میں کیا ہو' شوہر عورت سے کچھ وصول نہیں کر سکتا۔

اس کی صورت یہ ہوگی: شوہر پر اوسط درجے کے جانور یا سامان کی ادائیگی لازم ہوئی تھی تو جب عورت نے وہ چیز اسے ہبہ کر دی تو شوہر کو اپنی دی ہوئی چیز واپس مل گئی' خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو' جبکہ عورت کو اس لیے کچھ نہیں ملے گا' کیونکہ وہ ہبہ کر چکی ہے' تو اسے رجوع کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بھی بیان کیا ہے: نکاح میں ایسی چیز کا مجہول ہونا یعنی غیر متعین ہونا برداشت کیا جا سکتا ہے۔ جب مرد متعین کر دے' تو گویا تسمیہ اس پر واقع ہوگا' اس کا مطلب یہ ہے: جب مرد نے کوئی سامان یا جانور عورت کو ہبہ کر دیا تو وہ متعین ہو جائے گا' اور یہی سمجھا جائے گا' مہر کے طور پر یہی جانور یا سامان طے ہوا تھا۔

اور اصول یہ ہے: ایسی صورت میں وہی چیز لوٹانا ضروری ہوگا جو عورت نے قبضے میں لی تھی تو جب عورت نے وہ چیز مرد کو واپس کر دی تو اب کسی اضافی ادائیگی کی ذمہ داری نہیں رہے گی۔

اگر مہر کی رقم کو کسی اور چیز کے ساتھ مشروط کیا جائے

﴿وَاِذَا تَزَوَّجَهَا عَلٰى اَلْفٍ عَلٰى اَنْ لَّا يُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلْدَةِ اَوْ عَلٰى اَنْ لَّا يَتَزَوَّجَ عَلَيْهَا اُخْرٰى ، فَاِنْ وَفٰى بِالشَّرْطِ فَلَهَا الْمُسَمّٰى﴾ ؛ لِاَنَّهُ صَلُحَ مَهْرًا وَّقَدْ تَمَّ رِضَاهَا بِهٖ ﴿وَاِنْ تَزَوَّجَ عَلَيْهَا اُخْرٰى اَوْ اَخْرَجَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا﴾ ؛ لِاَنَّهُ سَمّٰى مَا لَهَا فِيْهِ نَفْعٌ ، فَعِنْدَ فَوَاتِهٖ يَنْعَدِمُ رِضَاهَا بِالْاَلْفِ فَيُكْمِلُ مَهْرَ مِثْلِهَا كَمَا فِيْ تَسْمِيَةِ الْكَرَامَةِ وَالْهَدِيَّةِ مَعَ الْاَلْفِ

ترجمہ

اگر مرد نے عورت کے ساتھ اس شرط پر شادی کی کہ وہ ایک ہزار مہر ادا کرے گا' اور اسے اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا' یا اس شرط پر شادی کی کہ اس کے بعد دوسری عورت کے ساتھ شادی نہیں کرے گا تو اگر وہ اس شرط کو پورا کرتا ہے' تو عورت کو طے شدہ مہر پورا ملے گا۔ کیونکہ وہ طے شدہ رقم مہر ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس بات کے ساتھ عورت کی رضامندی کے ہمراہ یہ چیز مکمل ہو جائے گی۔ اگر مرد اس کے بعد کسی اور عورت کے ساتھ شادی کر لیتا ہے یا اسے (اس شہر سے) باہر لے جاتا ہے' تو اس عورت کو مہر مثل ملے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے: مرد نے وہ چیز (شرط کے طور پر) مقرر کی ہے جس میں عورت کا فائدہ ہے' تو اس فائدے کے فوت ہونے کی صورت میں ایک ہزار کی رقم کے بارے میں عورت کی رضامندی کالعدم تصور ہوگی' تو اسے مہر مثل کی صورت میں پورا کیا جائے گا' جیسا کہ ایک ہزار کے ہمراہ کرامت یا تحفے کو مقرر کر دیا جائے۔

نکاح کو کسی شرط سے مشروط کرنے میں مذاہب اربعہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت کی جسمانی کمزوری اور انفعالی کیفیت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس کے ساتھ زیادتی بھی کی جاتی ہے، مثلاً ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح کر لیا جاتا ہے۔ لیکن شریعت میں عدل کے جو احکام دیے گئے ہیں، ان کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔

اشتراط فی النکاح سے مراد یہ ہے کہ ایسی شرطیں جن کا شریعت نے نکاح میں حکم بھی نہیں دیا ہے اور وہ شریعت کے احکام سے متصادم بھی نہیں ہیں؛ لیکن وہ کسی فریق کے مفاد میں ہوں تو ایسی شرطیں معتبر ہوں گی یا نہیں؟ جیسے عورت شرط لگائے کہ شوہر اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا اس کو میکے میں رکھے گا یا اس کو اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ ... ایک گروہ کے نزدیک ایسی شرطیں معتبر نہیں ہیں۔ صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ متبوعین میں امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کا نقطہ نظر یہی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، بدایۃ المجتہد، شرح مہذب)

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ایسی شرطیں معتبر ہیں اور شوہر پر ان کا پورا کرنا واجب ہے، صحابہ میں حضرت عمرؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ مصنف عبد الرزاق، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ شرح السنہ، بعد کے اہل علم میں مشہور قاضی، قاضی شریحؒ مصنف عبدالرزاق اور ائمہ متبوعین میں امام احمد ابن حنبل المغنی اور محدثین میں امام بخاریؒ صحیح بخاری، باب الشروط النکاح اور امام ابوداودؒ، ابوداود، باب فی الرجل یشترط لہادارا کا بھی یہی نقطہ نظر ہے، ان حضرات کی دلیل قرآن مجید کی آیت : یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۔(المائدہ)

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد :احق ما او فیتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (بخاری)

اس لیے علماء وارباب افتاء نے اس دوسرے نقطہ نظر کو موجودہ حالات کے پس منظر میں قبول کیا ہے۔ نکاح کے وقت اگر ایسی باتوں کی شرط لگائی جائے کہ شریعت نے نہ ان کو لازم قرار دیا ہے اور نہ ان سے منع کیا ہے تو ایسی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے۔ اسی سے قریب تر دوسرا مسئلہ نکاح میں مشروط مہر مقرر کرنے کا ہے۔ مثلاً مہر یوں طے پائے کہ اگر مرد نے اس منکوحہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا تو مہر بیس ہزار درہم ہوگا اور اگر دوسرا نکاح نہیں کیا تو دس ہزار درہم ہوگا۔

تو مالکیہ اور شوافع کے نزدیک ایسی شرطوں کا اعتبار نہیں ؛ بلکہ ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ دونوں شرطیں معتبر ہوں گی،

یہی نقطہ نظر حنفیہ میں صاحبین کا بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مہر کی جو مقدار پہلے ذکر کی گئی، وہ معتبر ہوگی اور جو بعد میں ذکر کی گئی، اس کا اعتبار نہیں۔

اس مسئلے میں صاحبین کی رائے کو قبول کرنا بہتر ہوگا، اس سے عورتوں کے حقوق کے تحفظ اور طلاق کے واقعات کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔ جیسے یوں مہر مقرر ہو کہ اگر مرد نے اس عورت کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا یا اسے طلاق نہیں دی تو مہر دو ہزار ڈالر ہوگا اور اگر اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کر لیا یا کبھی اس بیوی کو طلاق دے تو مہر دس ہزار ڈالر ہوگا۔ ایسی صورت میں شرط پوری نہ کرنے پر مرد کو مہر کی جو کثیر مقدار ادا کرنی پڑے گی، اس کا خوف کسی مناسب ضرورت کے بغیر دوسرے نکاح سے یا بلا سبب طلاق دینے سے اس کو باز رکھنے میں موثر ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ کے قول کے دائرے میں رہتے ہوئے بھی اس مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ امام صاحب کے یہاں اگر دو الگ شرطوں کے ساتھ مہر کی دو مقدار متعین کی جائے تو پہلی شرط اور اس سے مربوط مہر معتبر ہوتا ہے اور اگر وہ شرط پائی جائے تو دوسری شرط معتبر نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی بجائے مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا مثلاً یوں کہا جائے کہ اگر ہندہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا گیا تو مہر ایک لاکھ روپے ہوگا اور نکاح نہیں کیا گیا تو مہر پچیس ہزار روپے ہوگا تو اس صورت میں اگر ہندہ کی موجودگی میں مرد نے دوسری شادی کی تو ہندہ کو ایک لاکھ روپے ادا کرنے پڑیں گے اور اگر اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا تو مہر مثل واجب ہوگا، اس طرح یہ مقصد کہ بیوی کو ناگوار صورت حال پیش آنے پر زیادہ مہر مل جائے، حاصل ہو جائے گا۔

اگر شرط کے اختلاف کے ہمراہ مہر کی رقم مختلف ہو

﴿وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى اَلْفٍ اِنْ اَقَامَ بِهَا وَعَلٰى اَلْفَيْنِ اِنْ اَخْرَجَهَا ، فَاِنْ اَقَامَ بِهَا فَلَهَا الْاَلْفُ ، وَاِنْ اَخْرَجَهَا فَلَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ لَا يُزَادُ عَلَى الْاَلْفَيْنِ وَلَا يُنْقَصُ عَنِ الْاَلْفِ ، وَهٰذَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ ، وَقَالَا :الشَّرْطَانِ جَمِيْعًا جَائِزَانِ﴾ حَتّٰى كَانَ لَهَا الْاَلْفُ اِنْ اَقَامَ بِهَا وَالْاَلْفَانِ اِنْ اَخْرَجَهَا .وَقَالَ زُفَرُ :الشَّرْطَانِ جَمِيْعًا فَاسِدَانِ ، وَيَكُوْنُ لَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا لَا يُنْقَصُ مِنْ اَلْفٍ وَلَا يُزَادُ عَلٰى اَلْفَيْنِ وَاَصْلُ الْمَسْاَلَةِ فِى الْاِجَارَاتِ فِىْ قَوْلِهٖ :اِنْ خِطْتَهُ الْيَوْمَ فَلَكَ دِرْهَمٌ ، وَاِنْ خِطْتَهُ غَدًا فَلَكَ نِصْفُ دِرْهَمٍ ، وَسَنُبَيِّنُهَا فِيْهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

ترجمہ

اگر مرد عورت کے ساتھ اس شرط پر شادی کرے کہ اگر وہ اسے اس شہر میں مقیم رکھے گا تو ایک ہزار دے گا' اور اگر باہر لے جائے گا' تو دو ہزار دے گا' تو اگر مرد نے اسے اس شہر میں مقیم رکھا تو عورت کو ایک ہزار ملیں گے' اور اگر وہ اس شہر سے باہر لے گیا تو عورت کو مہر مثل ملے گا جو دو ہزار سے زائد نہیں ہوگا اور ایک ہزار سے کم نہیں ہوگا' یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:: دونوں شرطیں جائز ہیں یہاں تک کہ اگر وہ شخص بیوی کو اس شہر میں مقیم رکھتا ہے' تو عورت کو ایک ہزار ملیں گے' اور اگر باہر لے جاتا ہے' تو عورت کو دو ہزار ملیں گے۔امام زفر یہ فرماتے ہیں: دونوں شرطیں فاسد ہیں اور عورت کو مہر مثل ملے گا جو ایک ہزار سے کم نہیں ہوگا اور دو ہزار سے زائد نہیں ہوگا۔مسئلے کی اصل ''اجارہ'' کے احکام کے بارے میں ہے' جو ان الفاظ کے تحت ہے۔''اگر تم نے اسے آج سی کر دے دیا تو ایک درہم ملے گا اگر کل سی کر دیا تو نصف درہم ملے گا''۔اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا' تو ہم اس کی وضاحت عنقریب کریں گے۔

نکاح میں اخراج بلد کی شرط میں مذاہب اربعہ

اسی طرح عبدالحمید بن جعفر حدیث نقل کرتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم صحابہ کا اسی پر عمل ہے جن میں عمر بن خطاب بھی شامل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ اسے اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو اسے اس شرط کو پورا کرنا چاہیے، بعض علماء، شافعی، احمد، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔حضرت علی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی شرط ہر شرط پر مقدم ہے گویا کہ ان کے نزدیک شوہر کا اپنی بیوی کو اس شرط کے باوجود شہر سے دوسرے شہر لے جانا صحیح ہے بعض اہل علم کا بھی قول ہے سفیان ثوری اور بعض اہل کوفہ کا بھی یہ قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1131)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ بیوی کے شہر میں رہنے پر ایک ہزار اور وہاں سے لے جانے پر دو ہزار مہر پر نکاح کیا، تو اگر مرد عورت کے شہر میں رہے تو ایک ہزار بیوی کو دے گا کیونکہ وہ اس پر راضی ہوئی تھی، اگر وہاں سے باہر لے جائے تو پھر مہر مثل ہوگا جو دو ہزار سے زائد نہ ہو اور ایک ہزار سے کم نہ ہو کیونکہ اس پر دونوں کی رضامندی تھی، یہ صورت اس کے خلاف ہے، جب یہ، کہہ کر نکاح کیا ہو کہ اگر بدشکل ہو تو ایک ہزار اور خوبصورت ہو تو دو ہزار مہر ہے تو یہ دونوں شرطیں صحیح ہیں کیونکہ اس میں جہالت کے مواقع بہت کم ہیں۔۔ (درمختار، باب مہر، کتاب النکاح)

خاوند نے بیوی کو کوئی چیز ارسال کی اور دیتے وقت مہر کے علاوہ کسی وجہ کو ذکر نہ کیا ہو مثلاً شمع اور مہندی۔ پھر بعد میں کہا کہ یہ مہر ہے تو خاوند کی بات قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ ہدیہ ہو چکی جواب مہر نہیں بن سکتا، پھر بیوی کہے یہ ہدیہ ہے اور خاوند مہر کہے تو خاوند کی بات قسم کے ساتھ تسلیم کر لی جائے گی ان چیزوں میں جو کھانے کے واسطے مہیا نہیں کیں اور اگر دونوں نے گواہ پیش کئے تو عورت کے گواہ مقدم ہونگے اور عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا ان چیزوں میں جو کھانے کے واسطے مہیا کیں کیونکہ زوج کا ظاہر حال جھٹلاتا ہے، اسی لئے فقیہ نے فرمایا کہ مختار یہ ہے کہ خاوند کی بات کی تصدیق اس صورت میں کی جائے گی جب وہ چیز نفقہ واجبہ میں سے نہ ہو، مثلاً موزہ یا باریک کپڑا اور جو چیز زوج پر واجب ہو اس میں زوج کی تصدیق نہ کی جائے، جیسے دوپٹہ اور قمیص۔

(درمختار باب المہر ، کتاب النکاح)

اگر مہر میں غیر متعین غلام کو مقرر کیا جائے

وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ اَوْ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ فَإِذَا اَحَدُهُمَا اَوْكَسُ وَالْاٰخَرُ اَرْفَعُ ؛ فَإِنْ كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا اَقَلَّ مِنْ اَوْكَسِهِمَا فَلَهَا الْاَوْكَسُ ، وَإِنْ كَانَ اَكْثَرَ مِنْ اَرْفَعِهِمَا فَلَهَا الْاَرْفَعُ ، وَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا ، وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ، وَقَالَا : لَهَا الْاَوْكَسُ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهِ ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَلَهَا نِصْفُ الْاَوْكَسِ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهِ بِالْإِجْمَاعِ﴾ لَهُمَا اَنَّ الْمَصِيْرَ اِلٰى مَهْرِ الْمِثْلِ لِتَعَذُّرِ اِيْجَابِ الْمُسَمّٰى ، وَقَدْ اَمْكَنَ اِيْجَابُ الْاَوْكَسِ اِذِ الْاَقَلُّ مُتَيَقَّنٌ فَصَارَ كَالْخُلْعِ وَالْإِعْتَاقِ عَلٰى مَالٍ .وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْمُوْجَبَ الْاَصْلِيَّ مَهْرُ الْمِثْلِ اِذْ هُوَ الْاَعْدَلُ ، وَالْعُدُوْلُ عَنْهُ عِنْدَ صِحَّةِ التَّسْمِيَةِ وَقَدْ فَسَدَتْ لِمَكَانِ الْجَهَالَةِ بِخِلَافِ الْخُلْعِ وَالْإِعْتَاقِ عَلٰى مَالٍ ؛ لِاَنَّهُ لَا مُوْجَبَ لَهُ فِي الْبَدَلِ ، اِلَّا اَنَّ مَهْرَ الْمِثْلِ اِذَا كَانَ اَكْثَرَ مِنَ الْاَرْفَعِ فَالْمَرْاَةُ رَضِيَتْ بِالْحَطِّ ، وَإِنْ كَانَ اَنْقَصَ مِنَ الْاَوْكَسِ فَالزَّوْجُ رَضِيَ بِالزِّيَادَةِ ، وَالْوَاجِبُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ فِيْ مِثْلِهِ

الْمُتْعَةُ وَنِصْفُ الْاَوْكَسِ يَزِيدُ عَلَيْهَا فِي الْعَادَةِ فَوَجَبَ لِاعْتِرَافِهِ بِالزِّيَادَةِ .

ترجمہ

اور اگر مرد نے عورت کے ساتھ اس (اشارے کے ذریعے مخصوص) غلام یا اس (اشارے کے ذریعے مخصوص) غلام کے عوض میں شادی کی اور ان دونوں میں سے ایک کم حیثیت کا مالک ہو اور دوسرا عمدہ حیثیت کا مالک ہو' تو اگر اس عورت کا مہر مثل کم حیثیت کے مالک غلام سے کم تر ہو' تو عورت کو کم حیثیت کا مالک غلام ملے گا' اور اگر اس کا مہر مثل ان دونوں غلاموں میں سے برتر حیثیت کے مالک غلام کی قیمت سے زیادہ ہو' تو عورت کو بہترین غلام ملے گا' اور اگر ان دونوں کے درمیان ہو' تو اس عورت کو مہر مثل ملے گا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین، یہ فرماتے ہیں: ہر صورت میں اس کو کمتر حیثیت کا غلام ملے گا۔ اگر مرد دخول سے پہلے اس عورت کو طلاق دے دیتا ہے' تو اس عورت کو ہر صورت میں کمتر حیثیت کے مالک غلام کی نصف قیمت ملے گی۔ اس بات پر اتفاق ہے۔ صاحبین، کی دلیل یہ ہے: مہر مثل کی طرف جانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کیونکہ طے شدہ چیز کو واجب کرنا ناممکن ہے اور کمتر حیثیت کے مالک غلام کو واجب کرنا ممکن ہے' کیونکہ کمتر رقم یقینی ہے' تو اس کی مثال مال کے عوض میں آزاد کرنے یا خلع حاصل کرنے کی مانند ہوگی۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: اصل کے اعتبار سے واجب کرنے والی چیز مہر مثل ہے' کیونکہ وہ ہی عدل کے تقاضوں کے مطابق ہے اور جب طے شدہ چیز درست ہو' تو اس سے عدول کیا جاتا ہے' اور وہ مجہول ہونے کی وجہ سے فاسد ہوگئی ہے' جبکہ خلع اور آزاد کرنے کا حکم اس کے برخلاف ہے' کیونکہ اس کے لئے بدل میں کوئی موجب نہیں ہے۔ تاہم جب عورت کا مہر مثل بلند تر حیثیت کے مالک غلام سے زائد ہو' تو وہ خود اس میں کمی کرنے پر راضی ہے اور اگر وہ کمتر حیثیت کے غلام کی قیمت سے کم ہو' تو شوہر زیادہ ادائیگی پر راضی ہے۔ دخول سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں ایسی صورت میں متاع کی ادائیگی واجب ہوتی ہے' لیکن عام رواج کے اعتبار سے کمتر حیثیت مالک کے غلام کی نصف قیمت' متاع سے بڑھ جاتی ہے اس لیے شوہر کے زیادہ ادائیگی کا اعتراف کرنے کی وجہ سے' کمتر حیثیت کے مالک غلام کی نصف قیمت کو واجب قرار دیا گیا ہے۔

غیر معین اشارہ کی صورت میں مہر مثل کا بیان

جب کسی شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں نے نکاح کیا بعوض اس غلام کے، حالانکہ وہ آزاد تھا یا مٹکے کی طرف اشارہ کر کے کہا بعوض اس سرکہ کے اور وہ شراب ہے تو مہر مثل واجب ہے۔ یونہی اگر کپڑے یا جانور یا مکان کے عوض کہا اور جنس نہیں بیان کی یعنی یہ نہیں کہا کہ فلاں قسم کا کپڑا یا فلاں جانور تو مہر مثل واجب ہے۔ (درمختار)

نکاح میں مہر کا ذکر ہی نہ ہوا یا مہر کی نفی کر دی کہ بلا مہر نکاح کیا تو نکاح ہو جائے گا اور اگر خلوت صحیحہ ہوگئی یا دونوں سے کوئی مر گیا تو مہر مثل واجب ہے بشرطیکہ بعد عقد آپس میں کوئی مہر طے نہ پا گیا ہو اور اگر طے ہو چکا تو وہی طے شدہ ہے۔ یونہی اگر قاضی

نے مقرر کر دیا تو جو مقرر کر دیا وہ ہے اور ان دونوں صورتوں میں مہر جس چیز سے مؤکد ہوتا ہے، مؤکد ہو جائے گا اور مؤکد نہ ہوا بلکہ خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق ہوگئی ،تو ان دونوں صورتوں میں بھی ایک جوڑا کپڑا واجب ہے یعنی کرتہ، پاجامہ، دوپٹا جس کی قیمت نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو اور زیادہ ہو تو مہر مثل کا نصف دیا جائے اگر شوہر مالدار ہو اور ایسا جوڑا بھی نہ ہو جو پانچ درہم سے کم قیمت کا ہو اگر شوہر محتاج ہو اگر مرد و عورت دونوں مالدار ہوں تو جوڑا اعلیٰ درجہ کا ہو اور دونوں محتاج ہوں تو معمولی اور ایک مالدار ہو ایک محتاج تو درمیانی ۔(جوہرہ نیرہ، درمختار، عالمگیری)

اگر شوہر غلام ہے اور ایک مدت معینہ تک عورت کی خدمت کرنا مہر ٹھہرا اور مالک نے اس کی اجازت بھی دے دی ہو تو صحیح ہے ورنہ عقد صحیح نہیں ۔آزاد شخص عورت کے ہوئی یا ولی کی خدمت کریگا یا شوہر کا غلام یا اس کی باندی عورت کی خدمت کرے گی تو یہ مہر صحیح ہے۔ (درمختار، کتاب النکاح)

اگر مہر میں کسی دوسرے آزاد شخص کا خدمت کرنا ٹھہرا تو اگر اُس کی اجازت سے ایسا ہوا، نہ اس نے جائز رکھا تو اس خدمت کی قیمت مہر ہے اور اگر اُس کے حکم سے ہوا اور خدمت وہ ہے جس میں عورت کے پاس رہنا سہنا ہوتا ہے تو واجب ہے کہ خدمت نہ لے بلکہ اس کی قیمت لے اور اگر وہ خدمت ایسی نہیں تو خدمت لے سکتی ہے اور اگر خدمت کی نوعیت معین نہیں تو اگر اس قسم کی لے گی تو وہ حکم ہے اور اس قسم کی تو یہ۔(فتح القدیر، کتاب النکاح)

اگر غیر موصوف جانور کو مہر مقرر کیا جائے

(وَإِذَا تَزَوَّجَهَا عَلَى حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوفٍ صَحَّتْ التَّسْمِيَةُ وَلَهَا الْوَسَطُ مِنْهُ ، وَالزَّوْجُ مُخَيَّرٌ إنْ شَاءَ أَعْطَاهَا ذَلِكَ وَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهَا قِيمَتَهُ) قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ :مَعْنَى هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ أَنْ يُسَمِّيَ جِنْسَ الْحَيَوَانِ دُونَ الْوَصْفِ ، بِأَنْ يَتَزَوَّجَهَا عَلَى فَرَسٍ أَوْ حِمَارٍ .أَمَّا إذَا لَمْ يُسَمِّ الْجِنْسَ بِأَنْ يَتَزَوَّجَهَا عَلَى دَابَّةٍ لَا تَجُوزُ التَّسْمِيَةُ وَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْوَجْهَيْنِ جَمِيعًا ؛ لِأَنَّ عِنْدَهُ مَا لَا يَصْلُحُ ثَمَنًا فِي الْبَيْعِ لَا يَصْلُحُ مُسَمًّى فِي النِّكَاحِ إذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُعَاوَضَةٌ .

وَلَنَا أَنَّهُ مُعَاوَضَةُ مَالٍ بِغَيْرِ مَالٍ فَجَعَلْنَاهُ الْتِزَامَ الْمَالِ ابْتِدَاءً حَتَّى لَا يَفْسُدَ بِأَصْلِ الْجَهَالَةِ كَالدِّيَةِ وَالْأَقَارِيرِ ، وَشَرَطْنَا أَنْ يَكُونَ الْمُسَمَّى مَالًا وَسَطُهُ مَعْلُومٌ رِعَايَةً لِلْجَانِبَيْنِ ، وَذَلِكَ عِنْدَ إعْلَامِ الْجِنْسِ ؛ لِأَنَّهُ يَشْتَمِلُ عَلَى الْجَيِّدِ وَالرَّدِيءِ وَالْوَسَطُ ذُو حَظٍّ مِنْهُمَا ، بِخِلَافِ جَهَالَةِ الْجِنْسِ ؛ لِأَنَّهُ لَا وَسَطَ لَهُ لِاخْتِلَافِ مَعَانِي الْأَجْنَاسِ ،

وَبِخِلَافِ الْبَيْعِ ؛ لِأَنَّ مَبْنَاهُ عَلَى الْمُضَايَقَةِ وَالْمُمَاكَسَةِ ، أَمَّا النِّكَاحُ فَمَبْنَاهُ عَلَى الْمُسَامَحَةِ ، وَإِنَّمَا يَتَخَيَّرُ ؛ لِأَنَّ الْوَسَطَ لَا يُعْرَفُ إِلَّا بِالْقِيمَةِ فَصَارَتْ أَصْلًا فِي حَقِّ الْإِيفَاءِ ، وَالْعَبْدُ أَصْلٌ تَسْمِيَةً فَيَتَخَيَّرُ بَيْنَهُمَا .

ترجمہ

اگر مرد عورت کے ساتھ کسی ایسے جانور کے عوض میں شادی کرلے جس کی صفت بیان نہ کی گئی ہو تو یہ مقرر کرنا درست ہوگا اور عورت کو درمیانے درجے کا جانور مل جائے گا' اور شوہر کو اس بات کا اختیار ہوگا۔ اگر وہ چاہے تو اسے وہ جانور ادا کردے' اور اگر چاہے تو اس کی جگہ اس کی قیمت ادا کردے۔ مصنف فرماتے ہیں: اس مسئلے کا مفہوم یہ ہے: وہ جانور کی جنس بیان کردے البتہ وصف بیان نہ کرے' یعنی یہ بتادے کہ وہ گھوڑے یا گدھے کے عوض میں اس کے ساتھ شادی کررہا ہے۔ اگر وہ جنس متعین نہیں کرتا' یعنی کسی جانور کے عوض میں اس کے ساتھ شادی کرلیتا ہے' تو یہ مقرر کرنا درست نہیں ہوگا اور مہر مثل کی ادائیگی واجب ہوگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں مہر مثل کی ادائیگی واجب ہوگی' کیونکہ امام شافعی کے نزدیک جو چیز سودے میں قیمت نہیں بن سکتی' وہ نکاح میں مہر بھی نہیں بن سکتی' کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک چیز معاوضہ ہوتی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے: نکاح میں مال کے عوض میں جو چیز ہے وہ مال نہیں ہوتی اس لیے ابتداء میں ہم نے مال کی ادائیگی کو لازم قرار دیا ہے تاکہ اپنی اصل کے اعتبار سے مجہول ہونے کی وجہ سے وہ فاسد نہ ہو' جیسے دیت یا اپنے ذمے لازم کی جانے والی کسی ادائیگی میں ایسا ہوتا ہے اور فریقین کی رعایت کرتے ہوئے ہم نے یہ شرط بھی عائد کردی ہے: طے شدہ چیز ایسا مال ہونی چاہیے جس کے درمیانے درجے کے بارے میں پتہ چل سکے' اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس کی جنس معلوم ہو' کیونکہ جنس کے اندر عمدہ' کمتر اور درمیانے درجے کی چیزیں ہوتی ہیں اور درمیانے درجے کی چیز عمدہ اور گھٹیا دونوں میں سے حصہ لے لیتی ہے۔

اس کے برخلاف اگر جنس کے بارے میں علم نہ ہو' تو کیونکہ جنس کا اطلاق مختلف چیزوں پر ہوتا ہے اس لیے اس کا درمیانہ درجہ کوئی نہیں ہوگا۔ یہاں سودے کا حکم مختلف ہے' کیونکہ سودے کا دارومدار تنگی اور ٹال مٹول پر ہوتا ہے' جبکہ نکاح کا دارومدار چشم پوشی پر ہوتا ہے' اور شوہر کو اس وجہ سے اختیار دیا جائے گا' وہ درمیانے درجے کی چیز کی قیمت ادا کردے کیونکہ ادائیگی کے حوالے سے اصل چیز قیمت ہوتی ہے اور مقرر کرنے کے حوالے سے غلام ایک طے شدہ چیز ہے اس لیے شوہر کو دونوں میں سے کسی ایک چیز کا اختیار ہوگا۔

غیر مال چیز کے مہر نہ ہونے کا فقہی بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف کے قول جنس سے مراد اسم جنس ہے۔ اور اسم جنس سے وہ چیز مراد ہے جس کو کسی کے ساتھ معلق کیا جائے۔ لہذا یہاں جنس سے مراد وہ جانور ہوگا جو معروف ہو۔ اور اسی طرح احناف کی دوسری دلیل یہ

ہے کہ اگر معاوضہ بامال ہو تب بھی جائز نہ ہوگا (لہذا نکاح معاملات میں اگرچہ اعتبار کیا جاتا ہے لیکن یہ عام معاملات سے اہم ہے)۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج۵، ص۱۶۰، بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ہمارے علاقے میں جتنی چیزیں ان میں بیوی کی بات معتبر ہوگی اور یہ مذکور ہیں مثلاً گندم، اخروٹ، آٹا، شکر اور زندہ بکری وغیرہ (یہ چیزیں جلد بدلتی رہتی نہ وہ ہے خراب ہو) کیونکہ ان تمام چیزوں کو ہمارے عرف میں ہدیۃً دیا جاتا ہے لہذا ظاہر بیوی کا ساتھ دے گا خاوند کا نہیں اور خاوند کا قول معتبر نہ ہوگا لونڈی، کپڑا وغیرہ میں ہے۔ اس کی تائید بحر میں اور اس کی تقیید نہر سے ذکر کی۔ (درمختار، کتاب النکاح)

معاوضہ بننے والی چیز کے مہر ہونے میں شوافع واحناف کا اختلاف

امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: دونوں صورتوں میں مہر مثل کی ادائیگی لازم ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: امام شافعی کے نزدیک اصول یہ ہے: جو چیز خرید وفروخت میں معاوضہ بن سکتی ہے وہی چیز نکاح میں مہر بن سکتی ہے اور جب کوئی شخص ایسی صورت میں جانور کا نام لے اور اس کی صفت بیان نہ کرے تو یہ چیز سودے کے اندر معاوضہ نہیں بن سکتی اس لیے یہ نکاح میں بھی مہر نہیں بن سکے گی۔

احناف کی دلیل کا حاصل یہ ہے: اپنے آغاز کے اعتبار سے نکاح کا مطلب یہ ہے' مرد اپنے ذمے مال کی ادائیگی لازم کر رہا ہے اور اس کا جائزہ لیا جائے تو اصل مجہول ہونا یعنی جب جنس بھی پتہ نہ ہو تو اس صورت میں بھی اسے درست ہونا چاہیے' کیونکہ مرد کی مرضی ہے وہ اپنے اوپر جو بھی چیز لازم کر رہا ہے جسے پسند کرے اسے ادا کردے' جیسے دیت یا اقرار وغیرہ کی صورت میں یہی حکم ہوتا ہے۔

لیکن اگر نکاح کے انجام کی طرف دیکھا جائے' تو اس صورت میں یہ معاوضہ ہوتا ہے' اس صورت میں اس کا تھوڑا سا مجہول ہونا بھی یعنی جب اس کی صفت بھی پتہ نہ ہو' تو اسے بھی ناجائز قرار دینا چاہیے' جیسا کہ خرید وفروخت میں یہی حکم ہے' تو جب آپ نے نکاح کی دونوں حیثیتوں کا خیال رکھا تو آپ نے درمیانی راہ کو استعمال کرتے ہوئے یہ حکم دیا: اگر جنس کا ذکر نہ ہو' تو یہ جائز نہیں ہوگا اور اگر صفت کا ذکر نہ ہو' تو یہ جائز قرار دیا جائے گا' اس کی وجہ یہی ہے: جب آپ جنس کا بیان کردیں گے تو اس کے نتیجے میں یہ متعین کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ ہر جنس مختلف اقسام پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک قسم اعلیٰ ہوتی ہے' ایک کمتر ہوتی ہے اور ایک درمیانے درجے کی ہوتی ہے' لیکن کیونکہ مختلف اجناس کی قیمتوں کے درمیان بہت زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے اس لیے اگر آپ نے جنس کا ذکر ہی نہیں کیا تو اس بارے میں کوئی چیز متعین کرنا مشکل ہو جائے گا لہٰذا ایسی صورت میں ہم مہر مثل کی ادائیگی کو لازم قرار دیں گے۔

امام شافعی نے نکاح کو خرید وفروخت پر قیاس کیا تھا۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: خرید وفروخت کا حکم اس سے مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ خرید وفروخت کا عقد بہت مختصر ہوتا ہے اور اس میں جلد بازی کی صورت حال پیدا ہوتی ہے اس کے برخلاف

نکاح میں نرمی ہوتی ہے اور دائمی اور دیرپا تعلق کو برقرار رکھنا ہوتا ہے اس لیے یہاں معمولی طور پر مجہول ہونا برداشت کیا جا سکتا ہے۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے جب آپ کے نزدیک یہ طے شدہ مقدار متعین ہے اور صفت کی وجہ سے مجہول ہونے کے نتیجے میں اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو پھر آپ نے شوہر کو اس بات کا اختیار کیوں دیا ہے وہ قیمت میں یا درمیانے درجے کے جانور میں سے کوئی بھی ایک چیز ادا کر سکتا ہے؟

مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: ہم نے درمیانے درجے کے جانور کی ادائیگی لازم قرار دی ہے اور کسی بھی جانور کے درمیانے درجے کے ہونے کا پتہ اس کی قیمت کے حوالے سے ہی چل سکتا ہے۔ اس لیے ہم نے یہ حکم دیا ہے: اگر شوہر چاہے تو اصل چیز یعنی درمیانے درجے کے جانور کو ادا کر دے اور اگر چاہے تو اس کے بدلے اس کے معاوضے یعنی اس کی قیمت ادا کر دے۔

اگر غیر موصوف کپڑے کو مہر مقرر کیا جائے

﴿وَاِنْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى ثَوْبٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ فَلَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ وَمَعْنَاهُ :ذَكَرَ الثَّوْبَ وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهِ﴾ وَوَجْهُهُ اَنَّ هٰذِهِ جَهَالَةُ الْجِنْسِ اِذِ الثِّيَابُ اَجْنَاسٌ ، وَلَوْ سَمّٰى جِنْسًا بِاَنْ قَالَ هَرَوِيٌّ يَصِحُّ التَّسْمِيَةُ وَيُخَيَّرُ الزَّوْجُ لِمَا بَيَّنَّا ، وَكَذَا اِذَا بَالَغَ فِيْ وَصْفِ الثَّوْبِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ ؛لِاَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ ذَوَاتِ الْاَمْثَالِ ، وَكَذَا اِذَا سَمّٰى مَكِيْلًا اَوْ مَوْزُوْنًا وَسَمّٰى جِنْسَهُ دُوْنَ صِفَتِهٖ ، وَاِنْ سَمّٰى جِنْسَهُ وَصِفَتَهُ لَا يُخَيَّرُ ؛لِاَنَّ الْمَوْصُوْفَ مِنْهُمَا يَثْبُتُ فِي الذِّمَّةِ ثُبُوْتًا صَحِيْحًا .

ترجمہ

اگر مرد عورت کے ساتھ کسی ایسے کپڑے کے عوض میں شادی کر لے جس کی صفت بیان نہ کی گئی ہو تو عورت کو مہر مثل ملے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے مرد نے صرف کپڑے کا ذکر کیا اس پر مزید کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے، یہ چیز جنس کے مجہول ہونے کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ کپڑے کی کئی اجناس ہوتی ہیں۔ اگر وہ جنس کو بھی متعین کر دے یعنی یہ کہہ دے: ہرات والا کپڑا ہوگا تو یہ مقرر کرنا درست ہوگا اور شوہر کو یہ اختیار دیا جائے گا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح اگر اس نے کپڑے کی صفت بیان کرنے میں مبالغہ کر دیا تو بھی یہی حکم ہوگا جیسا کہ ظاہر روایت میں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کپڑا ''ذوات امثال'' میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اس نے ماپی جانے والی کوئی چیز یا وزن کی جانے والی کوئی چیز مقرر کی اور اس کی جنس کو متعین کر دیا لیکن صفت بیان نہیں کی (تو یہی حکم ہوگا) اگر اس نے جنس بیان کی اور صفت بھی بیان کر دی تو اسے اختیار نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان میں سے جس کا بھی وصف بیان کیا گیا وہ ذمہ میں کامل طور پر ثابت ہوگا۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف کا یہ مسئلہ بیان کرنا ''اگر مرد عورت کے ساتھ کسی ایسے کپڑے کے عوض میں شادی کرلے جس کی صفت بیان نہ کی گئی'' ظاہر الروایت سے احتراز ہے کیونکہ اس میں حضرت امام اعظم اور امام زفر علیہما الرحمہ سے روایت ہے کہ شوہر جبری طور پر بیوی سے کہا گا کہ وہ درمیانہ کپڑے پر اکتفاء کرے۔ کیونکہ عام طور پر ذکر کرنے یا غیر متعین کرنے کی صورت میں یہی معتبر ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵،ص ۱۹۰، بیروت)

اگر کوئی مسلمان شراب یا خنزیر کو مہر مقرر کرلے

﴿وَإِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ عَلَى خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ وَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا﴾ ؛ لِأَنَّ شَرْطَ قَبُولِ الْخَمْرِ شَرْطٌ فَاسِدٌ فَيَصِحُّ النِّكَاحُ وَيَلْغُو الشَّرْطُ ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ ؛ لِأَنَّهُ يَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ لٰكِنْ لَمْ تَصِحَّ التَّسْمِيَةُ لِمَا أَنَّ الْمُسَمّٰى لَيْسَ بِمَالٍ فِيْ حَقِّ الْمُسْلِمِ فَوَجَبَ مَهْرُ الْمِثْلِ .

ترجمہ

اور اگر کوئی مسلمان شراب یا خنزیر کے عوض میں شادی کرلیتا ہے تو نکاح جائز ہوگا اور اس عورت کو مہر مثل ملے گا' کیونکہ شراب قبول کرنے کی شرط ایک فاسد شرط ہے' تو نکاح درست ہوگا اور شرط لغو مقرار دی جائے گی جبکہ خرید وفروخت کا حکم اس کے برخلاف ہے' کیونکہ وہ فاسد شرائط کے نتیجے میں باطل ہوجاتی ہے۔ لیکن (مہر میں) یہ مقرر کرنا درست نہیں ہوگا' کیونکہ جو چیز مقرر کی گئی ہے مسلمان کے حق میں وہ چیز مال شمار نہیں ہوتی اس لیے مہر مثل کی ادائیگی واجب ہوگی۔

غیر مال متقوم کے عدم مہر ہونے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یتیم کی شراب رکھی ہوئی تھی (یعنی ہمارے گھر میں ایک یتیم رہا کرتا تھا جو ہماری پرورش میں تھا اس کی ملکیت میں جہاں اور بہت سا مال واسباب تھا وہیں شراب بھی تھی کیونکہ اس زمانہ میں شراب مباح تھی) چنانچہ سورت مائدہ کی وہ آیت (اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ) 5۔ المائدہ 90 :) نازل ہوئی (جس میں شراب کی حرمت کا بیان ہے جو باب حد الخمر کے ابتداء میں نقل کی جاچکی ہے) تو میں نے اس یتیم کی شراب کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم کا مال ہے (اور چونکہ یتیم کا مال ضائع نہیں کرنا چاہئے اس لئے اب کیا حکم ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کو پھینک دو۔" (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 794)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کے ذریعہ واضح فرمایا کہ شراب متقوم مال نہیں ہے نہ صرف یہ کہ اس سے کوئی نفع حاصل کرنا کسی بھی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے بلکہ ہمیں اس کی اہانت کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا اس صورت میں اس شراب کو پھینک

دیناہی ضروری ہے۔

حضرت انس حضرت ابوطلحہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں (یعنی ابوطلحہ نے) عرض کیا کہ "یا نبی اللہ ﷺ میں نے ان یتیموں کے لئے شراب خریدی تھی جو میری پرورش میں ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شراب کو پھینک دواور اس کے برتن کو توڑ ڈالو۔ "ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔ "

حضرت ابوطلحہ نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے اپنے زیر پرورش یتیموں کے لئے جو شراب خریدی تھی اس کے بارے میں پوچھا کہ اب شراب حرام ہوگئی ہے میں اس شراب کا کیا کروں؟ آیا اس کو پھینک دوں یا رہنے دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ اس کو بہا ڈالو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے برتن کو توڑ ڈالنے کا حکم اس لئے دیا کہ شراب کی نجاست اس میں سرایت کرگئی تھی اور اس کا پاک کرنا اب ممکن نہیں رہا تھا۔ یا یہ کہ آپ نے شراب کی ممانعت میں شدت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ جس برتن میں وہ شراب رکھی ہے اس کو بھی توڑ ڈالو۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شراب کا سرکہ بنالینے سے جو منع فرمایا اس کا تعلق بھی یا تو زجر و تنبیہ سے ہے یا یہ ممانعت "نہی تنزیہی "کے طور پر ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جو چیز مال متقوم نہیں وہ مہر نہیں ہوسکتی اور مہر مثل واجب ہوگا، مثلاً مہر یہ ٹھہرا کہ آزاد شوہر عورت کی سال بھر تک خدمت کریگا یا یہ کہ اسے قرآن مجید یا علم دین پڑھادے گا یا حج وعمرہ کرادے گا یا مسلمان مرد کا نکاح مسلمان عورت سے ہوااور مہر میں خون یا شراب یا خنزیر کا ذکر آیا یا یہ کہ شوہراپنی پہلی بی بی کو طلاق دے دے تو ان سب صورتوں میں مہرِ مثل واجب ہوگا۔ (درمختار، کتاب النکاح)

مہر کو بدل کردینے کا بیان

اصل بات تو یہی ہے کہ مہر وہی چیز ادا کی جائے گی جو اس نے بیوی کو کہا تھا، لیکن اگر خاوند اور بیوی دونوں اس کے خلاف یا پھر اس میں کمی یا زیادتی پر متفق ہوجائیں تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے :(اور مہر مقرر ہوجانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کرلو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں)النساء (24)

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی اس کی تفسیر میں کہتے ہیں :یعنی مہر کی کمی اور زیادتی میں رضامندی کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے جبکہ مہر مقرر ہوچکا ہو۔ (تفسیر القرطبی (5 / 235)

شراب یا خنزیر کے مہر نہ ہونے کی دلیل کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے :اگر کوئی شخص نکاح کرتے ہوئے مہر میں شراب یا خنزیر کو مہر مقرر کردے تو نکاح درست شمار ہوگا اور یہ شرط لغو قرار دی جائے گی اور اس کی جگہ عورت کو مہر مثل ملے گا اس کی وجہ یہ ہے :خنزیر یا شراب کسی مسلمان کے

حق میں مال نہیں ہو سکتے ہیں اس لیے انہیں مہر کے طور پر شرط قرار دینا ٹھیک نہیں ہوگا۔اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے اگر کسی سودے میں شراب یا خنزیر کو معاوضہ قرار دے دیا جائے تو آپ یہ کہتے ہیں: وہ سودا ہی کالعدم قرار دیا جاتا ہے جبکہ نکاح کو آپ ٹھیک قرار دے رہے ہیں؟ تو اس کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے: خرید و فروخت میں اصول یہ ہے: فاسد شرائط کے نتیجے میں وہ سودا بھی فاسد ہو جاتا ہے جبکہ نکاح میں اصول یہ ہے: فاسد شرط کے نتیجے میں شرط کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے اور نکاح درست ہو جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے: خرید و فروخت میں وقت تنگ ہوتا ہے جبکہ نکاح کا تعلق دائمی اور پائیدار تعلق سے ہوتا ہے اس لیے دونوں کا حکم مختلف ہوگا۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مسلم وحربی کے مابین شراب و مردار کی بیع عمومی قواعد کی رو سے درست نہیں ، تاہم علامہ ابن ہمام نے طرفین کے حوا ۔ ... مردار کی بیع کے سلسلہ میں جواز کا رحجان ظاہر فرمایا ہے، جبکہ امام ابو یوسف کے پاس یہ درست نہیں ہے، بہر طور اس سے اجتناب ہی احوط واسلم ہے جیسا کہ فتح القدیر، کتاب البیوع، باب الربا، ج 7، ص 37، میں مذکور ہے: وكذا إذا باع منهم ميتة او خنزيرا او قامرهم واخذ المال يحل ، كل ذلك عند ابى حنيفة و محمد خلافا لابى يوسف .

<u>مہر میں کسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کا حکم</u>

(فَاِنْ تَزَوَّجَ امْرَاَةً عَلٰى هٰذَا الدَّنِّ مِنَ الْخَلِّ فَاِذَا هُوَ خَمْرٌ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ .وَقَالَا :لَهَا مِثْلُ وَزْنِهٖ خَلًّا ، وَاِنْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ فَاِذَا هُوَ حُرٌّ يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ .وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ :تَجِبُ الْقِيمَةُ) لِاَبِي يُوْسُفَ اَنَّهٗ اَطْمَعَهَا مَالًا وَعَجَزَ عَنْ تَسْلِيمِهٖ فَتَجِبُ قِيمَتُهٗ اَوْ مِثْلُهٗ اِنْ كَانَ مِنْ ذَوَاتِ الْاَمْثَالِ كَمَا اِذَا هَلَكَ الْعَبْدُ الْمُسَمَّى قَبْلَ التَّسْلِيمِ .وَاَبُوْ حَنِيْفَةَ يَقُوْلُ :اجْتَمَعَتْ الْاِشَارَةُ وَالتَّسْمِيَةُ فَتُعْتَبَرُ الْاِشَارَةُ لِكَوْنِهَا اَبْلَغَ فِي الْمَقْصُوْدِ وَهُوَ التَّعْرِيفُ فَكَاَنَّهٗ تَزَوَّجَ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ حُرٍّ .وَمُحَمَّدٌ يَقُوْلُ :الْاَصْلُ اَنَّ الْمُسَمَّى اِذَا كَانَ مِنْ جِنْسِ الْمُشَارِ اِلَيْهِ يَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ بِالْمُشَارِ اِلَيْهِ ؛ لِاَنَّ الْمُسَمَّى مَوْجُوْدٌ فِي الْمُشَارِ اِلَيْهِ ذَاتًا ، وَالْوَصْفُ يَتْبَعُهٗ وَاِنْ كَانَ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهٖ يَتَعَلَّقُ بِالْمُسَمَّى ؛ لِاَنَّ الْمُسَمَّى مِثْلٌ لِلْمُشَارِ اِلَيْهِ وَلَيْسَ بِتَابِعٍ لَهٗ ، وَالتَّسْمِيَةُ اَبْلَغُ فِي التَّعْرِيفِ مِنْ حَيْثُ اِنَّهَا تُعَرِّفُ الْمَاهِيَّةَ ، وَالْاِشَارَةُ تُعَرِّفُ الذَّاتَ . اَلَا تَرَى اَنَّ مَنْ اشْتَرَى فَصًّا عَلٰى اَنَّهٗ يَاقُوْتٌ فَاِذَا هُوَ زُجَاجٌ لَا يَنْعَقِدُ الْعَقْدُ

لِاخْتِلَافِ الْجِنْسِ ، وَلَوِ اشْتَرَى عَلٰى اَنَّهٗ يَاقُوْتٌ اَحْمَرُ فَاِذَا هُوَ اَخْضَرُ يَنْعَقِدُ الْعَقْدُ لِاتِّحَادِ الْجِنْسِ . وَفِي مَسْاَلَتِنَا الْعَبْدُ مَعَ الْحُرِّ جِنْسٌ وَاحِدٌ لِقِلَّةِ التَّفَاوُتِ فِي الْمَنَافِعِ ، وَالْخَمْرُ مَعَ الْخَلِّ جِنْسَانِ لِفُحْشِ التَّفَاوُتِ فِي الْمَقَاصِدِ .

ترجمہ

اور اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ سرکہ کے ایک مخصوص مٹکے کے عوض میں نکاح کرے اور پھر وہ شراب کا نکلے تو امام صاحب کے نزدیک عورت کو مہر مثل ملے گا' اور صاحبین کے نزدیک اس مٹکے کے ہم وزن سرکہ ملے گا۔ اگر کسی شخص نے کسی عورت کے ساتھ کسی غلام کے عوض میں شادی کی اور پھر وہ غلام آزاد نکل آیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک مہر مثل کی ادائیگی لازم ہوگی جبکہ امام ابویوسف یہ فرماتے ہیں: اس کی قیمت کی ادائیگی واجب ہوگی۔ امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے: مرد نے عورت کو مال کا نام دیا تھا لیکن وہ اس کی ادائیگی کرنے کے قابل نہیں رہا اس لیے قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی۔ لیکن اگر طے شدہ چیز ذوات الامثال میں سے ہو تو اس کے مثل کی ادائیگی واجب ہوتی ہے' جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے (بیوی کے) حوالے کرنے سے پہلے متعین غلام ہلاک ہو جائے۔

امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: یہاں اشارہ کرنا اور مقرر کرنا دونوں صورتیں جمع ہیں اس لیے مقصود یعنی شناخت کرنے کے معاملے میں زیادہ بلیغ ہونے کے حوالے سے اشارے کا اعتبار ہوگا' تو گویا شوہر نے شراب یا آزاد شخص کے عوض میں نکاح کر لیا (تو مہر مثل کی ادائیگی لازم ہوگی)۔

امام محمد یہ فرماتے ہیں: اصول یہ ہے: جس چیز کو مقرر کیا گیا ہے' اگر تو وہ اس چیز کی جنس سے ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا' تو معاہدے کا تعلق اس چیز کے ساتھ ہوگا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' کیونکہ ذات کے اعتبار سے اصل طے شدہ چیز وہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وصف ذات کے تابع ہوتا ہے اس لیے اگر طے شدہ چیز اس چیز کی جنس کے خلاف ہو جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' تو عقد کا تعلق اس چیز سے ہوگا جسے طے کیا گیا ہے' کیونکہ طے شدہ چیز اس چیز کی مثل ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' نہ کہ اس کا تابع ہے' اور مقرر کرنا تعریف میں زیادہ بلیغ ہوتا ہے' کیونکہ وہ ماہیت کو بیان کر دیتا ہے' جبکہ اشارے کا تعلق ذات کے تعارف سے ہوتا ہے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا؟ جس شخص نے اس شرط پر کوئی نگینہ خریدا کہ وہ یاقوت ہے لیکن پھر وہ شیشہ نکل آیا تو جنس کے اختلاف کی وجہ سے وہ عقد منعقد نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس نے اس شرط پر اسے خریدا کہ وہ سرخ یاقوت ہے لیکن وہ سبز یاقوت نکلا تو جنس کے اتحاد کی وجہ سے عقد منعقد ہو جائے گا۔ اور ہمارے مسئلے میں منافع میں تفاوت کے کم ہونے کی وجہ سے آزاد اور غلام ایک ہی جنس شمار ہوں گے اور مقاصد میں تفاوت کی کثرت کی وجہ سے شراب اور سرکہ دو الگ الگ جنس ہیں۔

اشارہ اور نام دونوں ہوں تو کس کا اعتبار ہے

امام ابوالحسن فرغانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ۔ جب کسی نے مبیع کی طرف اشارہ کیا اور نام بھی لے دیا مگر جس کی طرف شارہ ہے اُس کا وہ نام نہیں مثلاً کہا کہ اس گائے کو اتنے میں بیچا اور وہ گائے نہیں بلکہ بیل ہے یا اس لونڈی کو بیچا اور وہ لونڈی نہیں غلام ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جو نام ذکر کیا ہے اور جس کی طرف اشارہ ہے دونوں کی ایک جنس ہے تو بیع صحیح ہے کہ عقد کا تعلق اُس کے ساتھ ہے جس کی طرف اشارہ ہے اور وہ موجود ہے مگر جو چیز سمجھ کر مشتری لینا چاہتا ہے چونکہ وہ نہیں ہے لہٰذا اُس کو اختیار ہے کہ لے یا نہ لے اور جنس مختلف ہو تو بیع باطل ہے کہ عقد کا تعلق اس صورت میں اُس کے ساتھ ہے جس کا نام لیا گیا اور وہ موجود نہیں لہٰذا عقد باطل ۔ انسان میں مرد و عورت دو جنس مختلف ہیں لہٰذا لونڈی کہہ کر بیع کی اور نکلا غلام یا بالعکس) یہ بیع باطل ہے اور جانوروں میں نر و مادہ ایک جنس ہے گائے کہہ کر بیع کی اور نکلا بیل یا بالعکس تو بیع صحیح ہے اور مشتری کو خیار حاصل ہے ۔

(ہدایہ آخیرین، کتاب البیوع)

یہاں سے مصنف ایک ذیلی مسئلہ بیان کر رہے ہیں اور وہ یہ ہے: اگر کوئی شخص کسی چیز کا نام لے اور ساتھ میں اس کی طرف اشارہ بھی کر دے تو حکم کیا ہوگا؟

اس کی صورت انہوں نے یہ بیان کی ہے: کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ شادی کرتے ہوئے اشارہ کر کے یہ کہتا ہے کہ سرکہ کے اس مٹکے کے عوض میں' میں تمہارے ساتھ شادی کر رہا ہوں' پھر اس مٹکے میں سے شراب نکل آتی ہے' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک حکم یہ ہے: عورت کو مہر مثل ملے گا' جبکہ صاحبین رحمہما اللہ یہ کہتے ہیں: اس کے ہم وزن سرکہ عورت کو دیا جائے گا ۔ اس کے ساتھ مصنف نے دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا ہے: کوئی شخص کسی غلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہے: میں اس غلام کے عوض میں تمہارے ساتھ شادی کر رہا ہوں اور بعد میں وہ غلام آزاد شخص نکل آئے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت کو مہر مثل ملے گا ۔ امام محمد کے نزدیک بھی یہی حکم ہے' جبکہ امام ابویوسف کے نزدیک حکم یہ ہے: غلام کی قیمت کی ادائیگی مرد پر لازم ہوگی ۔ امام ابویوسف نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل دی ہے: مرد نے عورت کو مال کا لالچ دیا تھا اور مال کو سپرد کرنے سے عاجز ہو گیا' تو اس کی قیمت یا اس کے ہم مثل قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی اگر وہ ذوات الامثال میں سے ہے ۔

امام ابویوسف نے اس صورت حال کو اس مسئلے پر قیاس کیا ہے: جب کسی مرد نے کسی عورت کے ساتھ غلام کے عوض میں نکاح کیا اور پھر وہ غلام عورت کے سپرد کرنے سے پہلے ہلاک ہو گیا' تو اس صورت میں اس غلام کی قیمت کی ادائیگی لازم ہوتی ہے ۔

امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: جب اشارہ کرنا اور نام لینا ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تو یہاں اشارے کا اعتبار کیا جائے گا' کیونکہ وہ مقصود تک پہنچنے میں زیادہ بلیغ ہوتا ہے ۔ اس لیے یہ اسی طرح ہوگا: جیسے اس شخص نے شراب کو مہر مقرر کر کے شادی

کرلی یا کسی آزاد شخص کو مہر مقرر کر کے شادی کر لی تو عورت کو مہر مثل ہی ملے گا۔

امام محمد یہ فرماتے ہیں: اصول یہ ہے: اگر طے شدہ چیز اس چیز کی جنس سے ہو جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' تو عقد کا تعلق اس چیز کے ساتھ ہوگا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: طے شدہ چیز اس میں ذاتی طور پر پائی جارہی ہے' جس کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے' جبکہ صفت اس کے تابع کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اگر وہ چیز اس کی جنس کے خلاف ہو تو عقد کا تعلق اس چیز سے ہوگا جسے طے کیا گیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے: جس چیز کو طے کیا گیا ہے' وہ اس کی مانند ہے' جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' لیکن وہ اس کے تابع نہیں ہے' تو تعریف میں تسمیہ زیادہ بلیغ ہوتا ہے' کیونکہ وہ ماہیت کی پہچان کرا دیتا ہے جبکہ اشارہ صرف ایک متعین شخصیت کی پہچان کراتا ہے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا اگر کوئی شخص کوئی نگینہ خریدے اس شرط پر کہ وہ یاقوت ہوگا' پھر وہ شیشہ نکل آئے تو عقد منعقد ہی نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہی ہے: یہاں جنس کا اختلاف پایا جا رہا ہے۔ لیکن اگر وہ اس شرط پر کوئی نگینہ خریدے کہ وہ سرخ یاقوت ہوگا اور پھر وہ سبز یاقوت نکل آئے تو عقد منعقد ہو جائے گا' کیونکہ دونوں کی جنس ایک ہے' یعنی دونوں یاقوت ہیں۔

یہاں امام محمد کے مؤقف پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: ایک طرف آپ ہم وزن سرکہ کی ادائیگی لازم کرتے ہیں' جبکہ دوسری طرف آپ آزاد شخص کی قیمت کی بجائے مہر مثل لازم کر دیتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے: غلام شخص آزاد شخص کی مانند ہے' کیونکہ دونوں کی جنس ایک ہے اور نفع میں ان دونوں کے درمیان بہت کم تفاوت پایا جاتا ہے' لیکن شراب اور سرکہ دو الگ جنس ہیں اور ان کے منافع کے درمیان بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔

جب مشار الیہ میں مہر بننے کی صلاحیت معدوم ہو

﴿فَإِنْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى هٰذَيْنِ الْعَبْدَيْنِ فَإِذَا اَحَدُهُمَا حُرٌّ فَلَيْسَ لَهَا اِلَّا الْبَاقِي اِذَا سَاوَى عَشَرَةَ دَرَاهِمَ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ﴾ لِاَنَّهُ مُسَمًّى، وَوُجُوبُ الْمُسَمّٰى وَاِنْ قَلَّ يَمْنَعُ وُجُوبَ مَهْرِ الْمِثْلِ ﴿وَقَالَ اَبُو يُوسُفَ: لَهَا الْعَبْدُ وَقِيمَةُ الْحُرِّ عَبْدًا﴾ لِاَنَّهُ اَطْمَعَهَا سَلَامَةَ الْعَبْدَيْنِ وَعَجَزَ عَنْ تَسْلِيمِ اَحَدِهِمَا فَتَجِبُ قِيمَتُهُ ﴿وَقَالَ مُحَمَّدٌ﴾ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِي حَنِيفَةَ ﴿لَهَا الْعَبْدُ الْبَاقِي وَتَمَامُ مَهْرِ مِثْلِهَا اِنْ كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا اَكْثَرَ مِنْ قِيمَةِ الْعَبْدِ﴾: لِاَنَّهُمَا لَوْ كَانَا حُرَّيْنِ يَجِبُ تَمَامُ مَهْرِ الْمِثْلِ عِنْدَهُ فَاِذَا كَانَ اَحَدُهُمَا عَبْدًا يَجِبُ الْعَبْدُ وَتَمَامُ مَهْرِ الْمِثْلِ .

ترجمہ

پس اگر مرد نے عورت کے ساتھ دو متعین غلاموں کے عوض میں شادی کی اور ان دونوں میں سے ایک شخص آزاد ہو تو عورت کو صرف باقی رہ جانے والا غلام ملے گا' جبکہ اس کی قیمت دس درہم کے مساوی ہو۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے' کیونکہ یہی چیز طے کی گئی ہے اور طے شدہ چیز کی ادائیگی واجب ہے' اگر وہ کم بھی ہو تو وہ مہر مثل کے وجوب کو روک دے گا۔

امام ابویوسف یہ فرماتے ہیں: اس عورت کو غلام ملے گا' اور آزاد شخص کی وہ قیمت ملے گی' اگر وہ غلام ہوتا (تو جو قیمت ہوتی)۔ اس کی وجہ یہ ہے: عورت کو دونوں غلاموں کے سلامت ہونے کا لالچ دے کر بعد میں ان میں سے ایک کی ادائیگی سے شوہر عاجز ہو گیا اس لیے اس کی قیمت کی ادائیگی واجب ہوگی۔ امام محمد فرماتے ہیں: اس کے پورے مہر مثل تک بقیہ غلام اسے ملے گا اگر اس کا مہر مثل غلام کی قیمت سے زائد ہو' کیونکہ اگر وہ دونوں آزاد ہوتے تو بھی ان کے نزدیک پورے مہر مثل کی ادائیگی واجب ہوتی' لہٰذا ان میں سے جب ایک غلام ہے تو وہ غلام مہر مثل مکمل ہونے تک واجب ہوگا۔

متعین غلاموں کے مہر ہونے میں فقہاء احناف کا اختلاف

اگر کوئی شخص دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے یہ کہے: میں ان کے مہر ہونے کے عوض میں اس عورت کے ساتھ شادی کر رہا ہوں اور بعد میں پتہ چلے کہ ان میں سے ایک شخص تو آزاد ہے' جو مہر بننے کے قابل ہی نہیں ہے' تو پھر عورت کے مہر کی صورت کیا ہوگی؟ اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اس بات کے قائل ہیں کہ ان دو میں سے جو شخص غلام ہے' اس کی قیمت دس درہم ہے' تو مہر کے طور پر عورت کو وہی غلام مل جائے گا' اس کے علاوہ اسے مزید کچھ نہیں دیا جائے گا۔

امام صاحب نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل نقل کی ہے: شوہر نے نام بھی لے دیا ہے اور اشارہ بھی کر دیا ہے' تو امام ابوحنیفہ کے اصول کے مطابق ایسی صورت میں اشارے کا اعتبار ہوتا ہے اب جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا ان میں سے ایک شخص چونکہ آزاد ہے اس لیے اس کی طرف اشارہ شمار ہی نہیں ہوگا لہٰذا وہ خود بخود عقد سے خارج ہو جائے گا' اور ''مشار الیہ'' صرف غلام رہ جائے گا اب اگر اس کی قیمت مہر کی کم از کم مقدار کے برابر ہو' تو عورت کو وہی مل جائے گا' کیونکہ اب وہ ''مشار الیہ'' ہونے کے ساتھ ''مسمیٰ'' بھی ہے اور جب مسمیٰ کی ادائیگی لازم کر دی جائے تو اس صورت میں مہر مثل کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: مہر مثل اپنی حقیقت کے اعتبار سے ''مسمیٰ'' کا بدل ہوتا ہے اور اصول یہ ہے: بدل اور مبدل ایک ساتھ اکٹھے نہیں ہو سکتے لہٰذا اگر اس غلام کی قیمت کم از کم دس درہم ہو' جو مہر کی کم از کم مقدار ہے' تو اسی کی ادائیگی لازم ہوگی۔

امام ابویوسف نے اس بارے میں یہ مؤقف پیش کیا ہے: ایسی صورت میں وہ غلام تو عورت کو مہر کے طور پر مل جائے گا' لیکن اس کے ساتھ اس بات کا اندازہ لگایا جائے گا وہ آزاد شخص اگر غلام ہوتا' تو اس کی کیا قیمت ہوتی اور اس تخمینے کے مطابق اس کی قیمت

بھی عورت کو ادا کی جائے گی اس کی وجہ یہ ہے: مرد ان دونوں افراد کے غلام ہونے کا لالچ دے کر عورت کو نکاح پر آمادہ کیا تھا اب وہ ان دو میں سے ایک کو حوالے کرنے سے عاجز ہو گیا ہے اس لیے اسے اس غلام کی قیمت بھی دینی پڑے گی۔ اس مسئلے میں امام محمد کا مؤقف یہ ہے: عورت کے مہر مثل کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر باقی رہ جانے والے شخص یعنی غلام کی قیمت مہر مثل کے برابر ہو تو صرف اسی کی ادائیگی لازم ہو گی، لیکن اگر اس کی قیمت عورت کے مہر مثل سے کم ہو تو اس غلام کے ہمراہ عورت کو اتنی رقم ادا کی جائے گی جو مہر مثل کے برابر ہو سکے۔ امام محمد نے یہ دلیل پیش کی ہے: اگر بالفرض وہ دونوں افراد آزاد ہوتے تو عورت کو مہر مثل ملنا تھا اس لیے جب ان میں سے ایک فرد آزاد نکلا ہے تو اس صورت میں بھی ہم مہر مثل کو اصل قرار دیں گے۔

اگر نکاحِ فاسد میں قاضی علیحدگی کروادے

(وَاِذَا فَرَّقَ الْقَاضِي بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَا مَهْرَ لَهَا) ؛ لِاَنَّ الْمَهْرَ فِيهِ لَا يَجِبُ بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ لِفَسَادِهِ ، وَاِنَّمَا يَجِبُ بِاسْتِيفَاءِ مَنَافِعِ الْبُضْعِ (وَكَذَا بَعْدَ الْخَلْوَةِ) ؛ لِاَنَّ الْخَلْوَةَ فِيهِ لَا يَثْبُتُ بِهَا التَّمَكُّنُ فَلَا تُقَامُ مَقَامَ الْوَطْئِ (فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا لَا يُزَادُ عَلَى الْمُسَمَّى) عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِالْبَيْعِ الْفَاسِدِ .وَلَنَا اَنَّ الْمُسْتَوْفَى لَيْسَ بِمَالٍ وَاِنَّمَا يَتَقَوَّمُ بِالتَّسْمِيَةِ فَاِذَا زَادَتْ عَلَى مَهْرِ الْمِثْلِ لَمْ تَجِبْ الزِّيَادَةُ لِعَدَمِ صِحَّةِ التَّسْمِيَةِ ، وَاِنْ نَقَصَتْ لَمْ تَجِبْ الزِّيَادَةُ عَلَى الْمُسَمَّى لِانْعِدَامِ التَّسْمِيَةِ ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ ؛ لِاَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ فِي نَفْسِهِ فَيَتَقَدَّرُ بَدَلُهُ بِقِيمَتِهِ

ترجمہ

اور اگر کسی فاسد نکاح میں قاضی میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کروادے اور یہ دخول سے پہلے ہو تو عورت کو مہر نہیں ملے گا' کیونکہ اس صورت میں محض عقد کی وجہ سے مہر واجب نہیں ہوگا' کیونکہ وہ عقد فاسد ہے۔ مہر اس لیے واجب ہوتا ہے کہ بضع کے نفع کو حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح خلوت کے بعد بھی یہ واجب نہیں ہوگا' کیونکہ ایسی خلوت میں مرد کا عورت پر قابض ہونا درست تصور نہیں ہوگا' کیونکہ مباشرت حرام ہے' لہٰذا ایسی خلوت' مباشرت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی' البتہ اگر مرد مباشرت کا ارتکاب کر لیتا ہے تو عورت کو مہر مثل ملے گا' لیکن اس کے لئے یہ بات شرط ہے کہ وہ مہر مثل طے شدہ مہر سے زائد نہ ہو۔ امام زفر کی رائے اس بارے میں مختلف ہے وہ اس کو "بیع فاسد" پر قیاس کرتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے: نکاح کی صورت میں مباشرت مال کے مرتبے میں نہیں ہوتی' بلکہ اس کی قیمت مقرر شدہ مہر سے متعین ہوتی ہے' لیکن جب طے شدہ مہر مثل سے زائد ہو تو زیادہ ادائیگی واجب نہیں ہوگی' کیونکہ مذکورہ صورت میں طے کرنا ہی درست نہیں ہے اور اگر طے شدہ مہر مہر مثل سے کم ہو تو زیادہ ادائیگی بھی واجب نہیں ہوگی' کیونکہ عورت اسی مقرر شدہ مقدار پر راضی تھی۔ البتہ سودا کرنے کا حکم مختلف ہوتا ہے' کیونکہ وہ فی نفسہ مال متقوم ہے اور وہ باں ...

تجارت کی قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

نکاح فاسد کو بیوع فاسدہ پر قیاس کرنے کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔نکاح فاسد اسی طرح ہے جس طرح کسی نے گواہوں کے بغیر نکاح کیا ہو، یا کسی نے ایک بہن کی عدت میں دوسری سے نکاح کیا یا کسی نے چوتھی کی عدت میں پانچویں سے نکاح کیا تو تمام صورتوں میں کلام واضح ہے۔یعنی قاضی فریقین میں تفریق کرائے گا۔اور احناف نے اس مسئلہ کو فاسد بیوع پر بھی قیاس کیا ہے لہذا جو احکام فاسد بیوع کے ہیں وہی احکام یہاں مراد ہوں گے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۲۷، بیروت)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

نکاح فاسد میں وقت تفریق یا متارکہ سے عورت پر وطی سے طلاق والی عدت ہوگی محض خلوت سے یہ عدت واجب نہ ہوگی اور نہ ہی خاوند کی موت سے موت کی عدت ہوگی، عورت کو متارکہ کا علم نہ بھی ہو تب بھی خاوند کے متارکہ سے عدت لازم ہوگی۔

(درمختار، باب فی المہر)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

فقہاء نے متارکہ کو خاوند کے ساتھ مختص کیا جیسا کہ امام زیلعی نے کیا ہے کیونکہ ظاہر کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ متارکہ کا حق عورت کو نہیں ہے حالانکہ اس نکاح کا فسخ مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی میں بالاتفاق جائز ہے اور متارکہ اور فسخ میں فرق بعید ہے، بحر میں یوں ہی ہے جبکہ نہر میں فرق بتایا گیا کہ متارکہ طلاق کی طرح ہے اس لیے طلاق کی طرح خاوند ہی متارکہ کرسکتا ہے، اور فسخ نکاح کو کالعدم قرار دینے کا نام ہے اس لیے یہ خاوند سے مختص نہ ہوگا۔اگرچہ متارکہ کا معنی پایا جاتا ہے، اس کو خیر الدین رملی نے رد کردیا اور کہا کہ فاسد نکاح میں طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی تو وہاں متارکہ، طلاق کے معنی میں کیسے کہا جاسکتا ہے، لہذا حق یہی ہے کہ متارکہ اور فسخ میں کوئی فرق نہیں، اس لیے مقدسی نے نظم الکنز کی شرح میں اس پر جزم کا اظہار کیا ہے، اور یہ تمام بحث بحر پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔(ردمحتار، باب فی المہر)

تفریق زوجین کا فقہی مفہوم

تفریق کے معنی جدا کرنے کے ہیں، عام طور پر یہ کتب فقہ میں تفریق زوجین کے درمیان جدائی کو کہتے ہیں۔بنیادی طور پر تفریق کی دو قسمیں ہیں۔(۱) مؤبد، (۲) موقت۔

تفریق مؤبد سے مراد وہ جدائی ہے، جس میں ایک دفعہ زوجین میں جدائی پیدا ہونے کے بعد پھر کبھی اور کسی طور پر ان دونوں کے درمیان نیا ازدواجی رشتہ قائم نہ کیا جاسکے۔تفریق مؤبد کی تین صورتیں ہیں:(۱) حرمت رضاعت، (۲) حرمت نسب، (۳) حرمت مصاہرت۔

(۱) حرمت رضاعت کی بنیاد پر تفریق: مثلاً بیوی ابھی دو سال کی نہیں تھی، شوہر کی دوسری بیوی یا بہن وغیرہ نے دودھ پلا دیا اور شوہر اور اس کی شیر خوار بیوی کے درمیان ایسا رضائی رشتہ پیدا ہو گیا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے محرم ہو گئے۔

(۲) دوسری صورت حرمت نسب ہے، یعنی زوجین کے درمیان ایسا نسبی یا خاندانی رشتہ موجود تھا، جس سے دونوں ایک دوسرے کے لیے محرم قرار پاتے تھے، اتفاق سے اس وقت رشتہ کا اظہار نہ ہوسکا، بعد میں اس کا انکشاف ہوا تو پھر دونوں ایک دوسرے کے لیے محرم ہو جائیں گے۔

(۳) تیسری صورت حرمت مصاہرت کی ہے، حرمت مصاہرت سے مراد سسرالی رشتہ سے پیدا ہونے والی حرمت ہے، اور زنا، بلکہ دواعی زنا کے ذریعہ بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، چنانچہ اگر شوہر نے بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کر لی تو شوہر اور بیوی کے درمیان ہمیشہ کے لیے حرمت کی دیوار کھڑی ہو جائے گی۔

اس کے علاوہ تفریق کی جتنی صورتیں ہیں وہ سب موقت ہیں، جس میں ایک مخصوص عرصہ تک کسی خاص وجہ سے دونوں کے درمیان تفریق کر دی جاتی ہے، پھر جب وہ خاص سبب ختم ہو جائے یا جاتا رہے، تو مرد از سر نو اسی عورت کو اپنے نکاح میں لاسکتا ہے

زوجین میں تفریق کے فقہی اسباب

اس اعتبار سے بھی تفریق کی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ تفریق جو کہ طلاق کے حکم میں ہو، دوسرے وہ جس تفریق کو طلاق کے حکم میں مانا نہیں گیا ہے! بلکہ وہ نکاح سابق کے کالعدم ہو جانے کے حکم میں ہے، پہلی صورت تفریق بذریعہ طلاق ہے اور دوسری صورت تفریق بذریعہ فسخ کہلاتی ہے۔ تفریق کی جو صورتیں طلاق کے حکم میں ہیں، وہ یہ ہیں۔

(۱) شوہر کے کفو نہ ہونے کی بناء پر تفریق۔ (۲) مہر کم مقرر ہونے کی وجہ سے تفریق۔ (۳) نامرد ہونے کی وجہ سے تفریق۔ (۴) شوہر کے مجبوب، یعنی عضو تناسل کٹے ہوئے ہونے کی بنا پر تفریق۔ (۵) خیار بلوغ کے استعمال کے ذریعہ تفریق۔ (۶) کافر زوجین میں سے ایک کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں تفریق، بہ شرطیکہ بیوی یہودی اور عیسائی نہ ہو۔ (۷) زوجین میں سے کسی ایک کے مرتد ہونے کی وجہ سے تفریق۔ (۸) لعان کی بنا پر تفریق۔ (۹) شوہر کے مفقود الخبر ہونے کی وجہ سے تفریق۔ (۱۰) شوہر کے زوجہ کا نفقہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے تفریق۔ (۱۱) شوہر کے نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے تفریق۔ (۱۲) شوہر کے ظلم اور بیوی کو زدوکوب کرنے کی وجہ سے تفریق۔ (۱۳) شوہر کے حق زوجیت ادا نہ کرنے کی وجہ سے تفریق۔ (۱۴) شوہر کے جنون، برص، جذام یا کسی اور مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تفریق۔ (۱۵) زن و شو کے درمیان شدید اختلاف و شقاق کی بنا پر تفریق۔

نوٹ: تفریق بنیادی طور پر قاضی کے فیصلہ سے ہوتی ہے، لیکن جن صورتوں میں قاضی کا فیصلہ ضروری نہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) مصاہرت کی وجہ سے زوجین میں حرمت کا پیدا ہو جانا۔ (۲) مصاہرت کی وجہ سے زوجین میں حرمت کا پیدا ہو جانا۔ (۳) زوجین کے درمیان حرمت رضاعت پیدا ہو جائے۔ (۴) نکاح کے کسی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے نکاح فاسد

ہو۔(۵) دارالحرب میں زوجین میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لیں۔(۶) زوجین میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے۔

(۷) ایلاء کرنے کے بعد چار ماہ گذر گئے اور بیوی سے جماع پر قادر ہونے کے باوجود فئی (رجوع) نہ کرے، اس کے علاوہ خیار عتق یعنی زوجین میں سے ایک کا غلامی سے آزاد ہو جانا یا ان میں سے ایک دوسرے کا مالک بن جانا اور اختلاف دار بھی اسی قسم میں داخل ہے، البتہ ان صورتوں میں بھی اگر کبھی نزاع پیدا ہو جائے مثلاً عورت حرمت مصاہرت پیدا ہو جانے کا دعویٰ کرتی ہو اور مرد اس سے انکار کرتا ہو، یا نکاح فاسد ہو، لیکن مرد و زن از خود ایک دوسرے سے علاحدہ ہونے کو تیار نہ ہوں، ایسی تمام صورتوں میں پھر یہ مسئلہ دائرہ قضاء میں آ جاتا ہے اور قاضی کا فیصلہ ضروری ہو جاتا ہے۔

نکاح فاسد کی خلوت صحیحہ سے مہر کے عدم وجوب کا بیان

یہاں ایک سوال یہ کیا جا سکتا ہے: نکاح صحیح میں خلوت صحیحہ کی وجہ سے بھی مہر کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے' تو نکاح فاسد میں اس کا کیا حکم ہوگا؟ مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: نکاح فاسد میں خلوت صحیحہ کی وجہ سے مہر واجب نہیں ہوگا' کیونکہ نکاح اپنی اصل کے اعتبار سے فاسد ہے اس لیے یہاں ہم خلوت کو وطی کا قائم مقام قرار نہیں دے سکتے۔ خلوت کو مہر لازم کرنے کی وجہ اس وقت قرار دیا جا سکتا ہے جب اسے وطی کا قائم مقام قرار دیا جائے اس لیے فاسد نکاح میں خلوت کی وجہ سے مہر واجب نہیں ہوگا۔

لیکن اگر فاسد نکاح میں شوہر عورت کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے' تو عورت کو مہر مثل ملے گا' لیکن اس کے لئے یہ بات شرط ہے وہ طے شدہ مہر سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس بارے میں امام زفر کی رائے اختلافی ہے وہ یہ فرماتے ہیں: نکاح فاسد' بیع فاسد کی طرح ہے اس لیے طے شدہ مقدار کم ہو یا زیادہ ہو' اس کا اس چیز سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لہٰذا مہر مثل طے شدہ مقدار سے کم ہو یا زیادہ ہو' اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

احناف اس کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں: فاسد نکاح میں نفع کا حصول صحبت کے نتیجے میں ہوتا ہے اور اسی کی وجہ سے مہر مثل واجب ہوتا ہے اور اصول یہ ہے: جس چیز کو عورت کی طرف سے ادا کیا گیا ہے' یعنی بضع وہ بذات خود کوئی ایسا مال نہیں ہے جس کی کوئی قیمت ہو' وہ بضع قیمتی اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ اس کے عوض میں مہر کو متعین کیا گیا ہے' لیکن کیونکہ اس مقام پر نکاح فاسد ہوا ہے اس لیے بضع کی قیمت مہر مثل کے اعتبار سے ہوگی اور کیونکہ تسمیہ بھی درست نہیں ہے اس لیے وہ مہر مثل طے شدہ مقدار سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر طے شدہ مقدار' مہر مثل سے کم ہو' تو مہر مثل پورا کرنے کے لئے عورت کو مزید کوئی ادائیگی نہیں دی جائے گی' کیونکہ طے شدہ مقدار سے زیادہ تسمیہ معدوم ہے اس لیے جب تسمیہ کی موجودگی کی صورت میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا تو اس کی عدم موجودگی کی صورت میں بدرجہ اولیٰ اضافہ نہیں ہونا چاہئے اس لیے ایسی صورت میں عورت کو مہر مثل ہی ملے گا۔

امام زفر نے اس صورت حال کو بیع پر قیاس کیا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے مصنف یہ بات بیان کرتے ہیں: بیع فاسد میں جو چیز معاوضہ بنتی ہے' وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قیمت والا مال ہوتی ہے اس لیے اس کے بدلے کے طور پر مبدل کے بدل یعنی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اب خواہ قیمت کم ہو یا زیادہ ہو اسے ادا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن نکاح فاسد میں بضع بذات خود ایسا مال نہیں ہے جس

کی کوئی قیمت ہو اس لیے اس کے بدل کا اندازہ مہر مثل کے اعتبار سے ہوگا لہٰذا یہاں پر ہم نکاح کو بیع پر قیاس نہیں کر سکتے۔

عورت پر عدت کی ادائیگی لازم ہونے کا بیان

(وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ) اِلْحَاقًا لِلشُّبْهَةِ بِالْحَقِيقَةِ فِي مَوْضِعِ الِاحْتِيَاطِ وَتَحَرُّزًا عَنْ اشْتِبَاهِ النَّسَبِ .وَيُعْتَبَرُ ابْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِ التَّفْرِيقِ لَا مِنْ آخِرِ الْوَطَآتِ ، هُوَ الصَّحِيحُ ؛ لِأَنَّهَا تَجِبُ بِاعْتِبَارِ شُبْهَةِ النِّكَاحِ وَرَفْعُهَا بِالتَّفْرِيقِ (وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا) ؛ لِأَنَّ النَّسَبَ يُحْتَاطُ فِي إثْبَاتِهِ إحْيَاءً لِلْوَلَدِ فَيَتَرَتَّبُ عَلَى الثَّابِتِ مِنْ وَجْهٍ .وَتُعْتَبَرُ مُدَّةُ النَّسَبِ مِنْ وَقْتِ الدُّخُولِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى ؛ لِأَنَّ النِّكَاحَ الْفَاسِدَ لَيْسَ بِدَاعٍ إلَيْهِ ، وَالْإِقَامَةُ بِاعْتِبَارِهِ .

ترجمہ

اور فاسد نکاح میں قاضی کے علیحدگی کروا دینے کے بعد عورت پر عدت کی ادائیگی واجب ہوگی یہاں پر شبہ کو حقیقت تسلیم کیا جائے گا تاکہ احتیاط ملحوظ خاطر رہے۔ نیز نسب میں کسی قسم کے اشتباہ کا امکان بھی باقی نہ رہے۔ اس عدت کا آغاز تفریق کے وقت سے کیا جائے گا' اس بارے میں آخری مباشرت کے وقت کا خیال نہیں رکھا جائے گا' اور یہی حکم درست ہے' کیونکہ جب عدت کا وجوب نکاح کے شبہ کی وجہ سے ہوا ہے' تو اس کا آغاز بھی نکاح زائل ہونے سے ہوگا۔ اگر (نکاح فاسد میں) عورت کے ہاں بچہ ہو جاتا ہے' تو اس بچے کا نسب اس مرد سے ثابت ہوگا' کیونکہ بچے کی بقاء اسی نسب کے ثبوت میں مضمر ہے' لہٰذا وہ نسب' ایک حوالے سے اس نکاح پر مرتب ہو جائے گا۔ امام محمد کے نزدیک دخول کے وقت سے نسب کی مدت کا اعتبار کیا جائے گا' اور اسی پر فتوی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: کیونکہ فاسد نکاح کی وجہ سے مباشرت کی طرف میلان نہیں ہوتا لہٰذا نکاح کو مباشرت کا قائم مقام قرار نہیں دیا جا سکتا جبکہ اقامت میں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

شرح

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نکاح فاسد کی صورت میں قاضی تفریق کرائے تب بھی عدت ہوگی۔ کیونکہ عدت کا ہونا حق شرعی اور حق ولد ہے۔ لہٰذا ان حقوق کو معاف کرانا زوجین کا حق نہیں ہے۔ اور اس میں تداخل جاری ہوگی یعنی فریقین کے معاف کرانے کے باوجود جاری رہے گا۔ اور حق شرع اس لئے ہوا کہ دونوں اس کو ساقط کرنے کے مجاز نہیں ہے اور حق ولد کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ غیر کی کھیتی کو سیراب نہ کرے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۴، ص ۴۹۲، بیروت)

عدت کے معنی :

لغت میں عدت کے معنی ہیں شمار کرنا اور اصطلاح شریعت میں عدت اسے کہتے ہیں کہ جب کسی عورت کا اس کا خاوند طلاق دیدے یا خلع وایلاء وغیرہ کے ذریعہ نکاح یا نکاح جیسی چیز مثلاً نکاح فاسد ٹوٹ جائے بشرطیکہ اس نکاح میں جماع یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو یا شوہر مرجائے تو وہ مقررہ مدت کہ جس کی تفصیل آگے آئے گی) گھر میں رکی رہے جب تک وہ مدت ختم نہ ہو جائے تب تک نہ کہیں جائے اور نہ کسی دوسرے مرد سے ملاقات کرے جب مدت پوری ہو جائے تو جہاں چاہے جائے اور جس طرح چاہے نکاح کرے۔

عدت کی مدت :

جس آزاد عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی ہو یا نکاح فسخ ہو گیا ہو اور اس کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہے یعنی وہ تین حیض آنے تک شوہر ہی کے گھر میں جہاں طلاق ملی ہو بیٹھی رہے اس گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی سے نکاح کرے اسی طرح جس عورت کے ساتھ شبہ میں جماع ہو گیا ہو اس کی عدت کی مدت بھی تین حیض ہے یعنی کسی مرد نے کسی غیر عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر دھوکہ سے صحبت کر لی تو اس عورت کو بھی تین حیض آنے تک عدت میں بیٹھنا ہو گا جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک وہ اپنے شوہر کو جماع نہ کرنے دے جس عورت کے ساتھ بے قاعدہ یعنی فاسد نکاح ختم ہوا ہو جیسے موقت نکاح اور پھر تفریق کرادی گئی یا تفریق کرانے سے پہلے ہی خاوند مر گیا ہو تو اس عدت کی مدت بھی تین حیض ہے۔ ام ولد جب کہ آزاد کر دی جائے یا اس کا مولی مرجائے تو اس کی عدت بھی تین حیض ہیں۔

اگر کسی عورت کو کم سن ہونے کیوجہ سے یا بانجھ ہونے کی وجہ سے اور یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینہ ہے۔

نکاح فاسد کی صحبت سے حمل ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر نکاح فاسد میں کی جانے والی صحبت کے نتیجے میں عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو اس عورت کے بچے کا نسب اسی شخص سے ثابت ہو گا' کیونکہ نکاح اگرچہ فاسد ہے' لیکن کیونکہ اس میں ایجاب وقبول پایا جا رہا ہے اور اس میں صحیح نکاح کے ساتھ مشابہت کا پہلو بھی ہے' لہٰذا اسی مشابہت کی بنیاد پر نسب کا حکم جاری کیا جائے گا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: امام محمد کے نزدیک نسب کی مدت میں صحبت کے وقت کا اعتبار کیا جائے گا' اور اسی بات پر فتویٰ ہے۔

مہر مثلی کی وضاحت میں فقہی بیان

قَالَ ﴿وَمَهْرُ مِثْلِهَا يُعْتَبَرُ بِاَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا وَبَنَاتِ اَعْمَامِهَا﴾ لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ :

لَهَا مَهْرُ مِثْلِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ فِيهِ وَلَا شَطَطَ "وَهُنَّ اَقَارِبُ الْاَبِ ، وَلِاَنَّ الْاِنْسَانَ مِنْ جِنْسِ قَوْمِ اَبِيهِ ، وَقِيمَةُ الشَّيْءِ اِنَّمَا تُعْرَفُ بِالنَّظَرِ فِي قِيمَةِ جِنْسِهِ

ترجمہ

امام قدوری فرماتے ہیں: اس عورت کے مہر مثل میں اس کی بہنوں اُس کی پھوپھیوں اُس کی چچازاد بہنوں پر قیاس کیا جائے گا۔اس کی دلیل حضرت ابن مسعود کا یہ فرمان ہے: ''اس عورت کو اس (کے خاندان) کی خواتین کی مانند مہر ملے گا جس میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور کوئی اضافہ نہیں ہوگا'' اس سے مراد باپ کی قوم خواتین ہیں' کیونکہ انسان اپنے باپ کی قوم سے تعلق رکھتا ہے اور کسی بھی چیز کی قیمت کا جائزہ اس کی ہم جنس اشیاء کی قیمت سے لیا جاسکتا ہے۔

جن عورتوں کا مہر، مہر مثلی بنتا ہے

علامہ امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔عورت کے خاندان کی اس جیسی عورت کا جو مہر ہو، وہ اس کے لیے مہر مثل ہے، مثلاً اس کی بہن، پھوپی، چچا کی بیٹی وغیرہا کا مہر۔اس کی ماں کا مہر اس کے لیے مہر مثل نہیں جبکہ وہ دوسرے گھرانے کی ہو اور اگر اس کی ماں اسی خاندان کی ہو، مثلاً اس کے باپ کی چچازاد بہن ہے تو اس کا مہر اس کے لیے مہر مثل ہے اور وہ عورت جس کا مہر اس کے لیے مہر مثل ہے وہ کن امور میں اس جیسی ہو ان کی تفصیل یہ ہے۔

عمر، جمال، مال میں مشابہ ہو، دونوں ایک شہر میں ہوں، ایک زمانہ ہو، عقل وتمیز ودیانت وپارسائی وعلم وادب میں یکساں ہوں، دونوں کواری ہوں یا دونوں ثیب، اولاد ہونے نہ ہونے میں ایک سی ہوں کہ ان چیزوں کے اختلاف سے مہر میں اختلاف ہوتا ہے۔شوہر کا حال بھی ملحوظ ہوتا ہے، مثلاً جوان اور بوڑھے کے مہر میں اختلاف ہوتا ہے۔عقد کے وقت ان امور میں یکساں ہونے کا اعتبار ہے، بعد میں کسی بات کی کمی بیشی ہوئی تو اس کا اعتبار نہیں، مثلاً ایک کا جب نکاح ہوا تھا۔اس وقت جس حیثیت کی تھی، دوسری بھی اپنے نکاح کے وقت اسی حیثیت کی ہے مگر پہلی میں بعد کو کمی ہوگئی اور دوسری میں زیادتی یا برعکس ہوا تو اس کا اعتبار نہیں۔ (درمختار)

اگر اس خاندان میں کوئی ایسی عورت نہ ہو، جس کا مہر اس کے لیے مہر مثل ہو سکے تو کوئی دوسرا خاندان جو اس کے خاندان کے مثل ہے اس میں کوئی عورت اس جیسی ہو، اُس کا مہر اس کے لیے مہر مثل ہوگا۔(بہار شریعت، کتاب النکاح)

مہر مثل میں ماں اور خالہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا

﴿وَلَا يُعْتَبَرُ بِاُمِّهَا وَخَالَتِهَا اِذَا لَمْ تَكُوْنَا مِنْ قَبِيلَتِهَا﴾ لِمَا بَيَّنَّا ، فَاِنْ كَانَتِ الْاُمُّ مِنْ قَوْمِ اَبِيهَا بِاَنْ كَانَتْ بِنْتَ عَمِّهِ فَحِينَئِذٍ يُعْتَبَرُ بِمَهْرِهَا لِمَا اَنَّهَا مِنْ قَوْمِ اَبِيهَا

ترجمہ

اور مہر مثلی میں اس عورت کی ماں یا خالہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا' جب ان دونوں کا تعلق اس عورت کے قبیلے سے نہ ہو' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن اگر اس کی ماں کا تعلق اس کے باپ کی قوم سے ہو' یعنی وہ ماں اس کے باپ کی چچازاد ہو' تو اس صورت میں اس ماں کے مہر کا اعتبار کیا جائے گا' اس کی وجہ یہ ہے: وہ اس عورت کے باپ کی قوم سے تعلق رکھتی ہے۔

شرح

مصنف نے یہاں یہ اصول بھی بیان کیا ہے: مہر مثل میں عورت کی ماں یا اس کی خالہ کے مہر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا' لیکن یہ اس وقت ہے: جب ان دونوں خواتین کا تعلق عورت کے قبیلے سے نہ ہو' اگر عورت کی ماں اس کے باپ کے قبیلے سے تعلق رکھتی ہے' یعنی عورت کے باپ کی چچازاد ہے' تو اس صورت میں اس کی ماں کے مہر کا اعتبار کیا جا سکتا ہے' کیونکہ وہ بھی عورت کے باپ کی قوم سے تعلق رکھتی ہے۔

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔

اگر اس خاندان میں کوئی ایسی عورت نہ ہو، جس کا مہر اس کے لیے مہرِ مثل ہو سکے تو کوئی دوسرا خاندان جو اس کے خاندان کے مثل ہے اس میں کوئی عورت اس جیسی ہو، اُس کا مہر اس کے لیے مہرِ مثل ہوگا۔

مہرِ مثل کے ثبوت کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہانِ عادل چاہیے، جو بلفظ شہادت بیان کریں اور گواہ نہ ہوں تو زوج کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے۔) (عالمگیری، کتاب النکاح)

مہرِ مثل میں کن باتوں کا خیال رکھا جائے گا

﴿وَيُعْتَبَرُ فِي مَهْرِ الْمِثْلِ اَنْ تَتَسَاوَى الْمَرْاَتَانِ فِي السِّنِّ وَالْجَمَالِ وَالْمَالِ وَالْعَقْلِ وَالدِّيْنِ وَالْبَلَدِ وَالْعَصْرِ﴾ ؛ لِاَنَّ مَهْرَ الْمِثْلِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ هٰذِهِ الْاَوْصَافِ ، وَكَذَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الدَّارِ وَالْعَصْرِ قَالُوا : وَيُعْتَبَرُ التَّسَاوِي اَيْضًا فِي الْبَكَارَةِ ؛ لِاَنَّهُ يَخْتَلِفُ بِالْبَكَارَةِ وَالثُّيُوْبَةِ

ترجمہ

اور مہر مثل میں اس بات کا خیال رکھا جائے گا: دونوں عورتیں عمر' خوبصورتی' مال' عقل' دین' شہر اور زمانے کے اعتبار سے ہم پلہ ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے: مہر مثل ان اوصاف میں اختلاف کی وجہ سے مختلف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ملک اور زمانے کے اختلاف کی وجہ سے بھی یہ مختلف ہو جاتا ہے۔ فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے: اس بارے میں کنواری ہونے کے حوالے سے برابر ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے گا' کیونکہ مہر مثل کنواری یا ثیبہ ہونے کی وجہ سے بھی مختلف ہو جاتا ہے۔

شرح

مہر مثل کے بارے میں مصنف نے دوسرا اصول یہ بیان کیا ہے: عمر خوبصورتی' مال و دولت' عقل' دین' شہر اور زمانے کے اعتبار سے دونوں خواتین ایک جیسی حیثیت کی مالک ہونی چاہئیں یعنی وہ عورت جس کے مہر مثل کا اندازہ لگایا جا رہا ہے اور وہ عورت جس کے مہر کے ساتھ مہر مثل کا اندازہ لگایا جا رہا ہے۔ مصنف نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے: ان صفات کے اختلاف کے نتیجے میں مہر مثل میں بھی فرق آ جاتا ہے اسی طرح علاقے اور زمانے کا اختلاف بھی اس بات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بعض فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے: اس بارے میں لڑکی کے کنوارے یا ثیبہ ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے گا' کیونکہ بکارت اور ثیوبت کی وجہ سے بھی مہر مثل میں فرق آ جاتا ہے۔

جب کسی کے مہر کا ضامن ولی بن جائے

﴿وَاِذَا ضَمِنَ الْوَلِیُّ الْمَهْرَ صَحَّ ضَمَانُهُ﴾ ؛لِاَنَّهُ مِنْ اَهْلِ الْاِلْتِزَامِ وَقَدْ اَضَافَهُ اِلٰی مَا يَقْبَلُهُ فَيَصِحُّ ﴿ثُمَّ الْمَرْاَةُ بِالْخِيَارِ فِیْ مُطَالَبَتِهَا زَوْجَهَا اَوْ وَلِيَّهَا﴾ اِعْتِبَارًا بِسَائِرِ الْكَفَالَاتِ ، وَيَرْجِعُ الْوَلِیُّ اِذَا اَدّٰی عَلَی الزَّوْجِ اِنْ كَانَ بِاَمْرِهِ كَمَا هُوَ الرَّسْمُ فِی الْكَفَالَةِ ، وَكَذٰلِكَ يَصِحُّ هٰذَا الضَّمَانُ وَاِنْ كَانَتِ الْمُزَوَّجَةُ صَغِيْرَةً ، بِخِلَافِ مَا اِذَا بَاعَ الْاَبُ مَالَ الصَّغِيْرَةِ وَضَمِنَ الثَّمَنَ ؛ لِاَنَّ الْوَلِیَّ سَفِيْرٌ وَمُعَبِّرٌ فِی النِّكَاحِ ، وَفِی الْبَيْعِ عَاقِدٌ وَمُبَاشِرٌ حَتّٰی تَرْجِعَ الْعُهْدَةُ عَلَيْهِ وَالْحُقُوْقُ اِلَيْهِ ، وَيَصِحُّ اِبْرَاؤُهُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ ، وَيَمْلِكُ قَبْضَهُ بَعْدَ بُلُوْغِهِ ، فَلَوْ صَحَّ الضَّمَانُ يَصِيْرُ ضَامِنًا لِنَفْسِهِ وَوِلَايَةُ قَبْضِ الْمَهْرِ لِلْاَبِ بِحُكْمِ الْاُبُوَّةِ لَا بِاعْتِبَارِ اَنَّهُ عَاقِدٌ اَلَاتَرٰی اَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْقَبْضَ بَعْدَ بُلُوْغِهَا فَلَا يَصِيْرُ ضَامِنًا لِنَفْسِهِ .

ترجمہ

اور جب ولی مہر کا ضامن بن جائے تو اس کی ضمانت درست ہوگی' کیونکہ وہ اپنے اوپر کوئی چیز لازم کرنے کا اہل ہے اور اس نے اس چیز کی نسبت ایسی چیز کی طرف کی ہے' جو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے' تو ایسا کرنا درست ہوگا۔ پھر عورت کو یہ اختیار ہے وہ اس کا مطالبہ اپنے شوہر سے کرے یا اپنے ولی سے کرے۔ دیگر تمام کفالات پر قیاس کرتے ہوئے (یہی حکم ہے)۔ ولی (شوہر سے وہ) رقم واپس لے سکتا ہے جب اس نے شوہر کی طرف سے ادائیگی کی ہو اگر یہ شوہر کی ہدایت کے تحت ہو' جیسا کہ کفالت میں رسم ہے۔ اسی طرح یہ ضمان درست شمار ہوگا جب بیوی نابالغ ہو۔ اس کے برخلاف جب باپ نابالغ بچے کا مال بیچ دے' تو وہ قیمت

کا ضامن ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے: ولی نکاح میں سفیر اور ترجمان ہوتا ہے' جبکہ خرید وفروخت میں عاقد اور مباشر (یعنی براہ راست خرید وفروخت کرنے والا) ہوتا ہے یہاں ذمہ داری اسی کی طرف لوٹتی ہے اور حقوق اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک (خرید وفروخت میں) ولی کا (خریدار یا فروخت کنندہ کو) بری کرنا درست ہوگا اور وہ ولی ہی اس کی قیمت پر قبضہ کرے گا' اس (بچے کے) بالغ ہو جانے کے بعد' تو اگر ضمان کو درست تسلیم کرلیا جائے تو وہ اپنی ذات کے لئے ضامن ہوگا۔ جبکہ مہر پر قبضے کا تصور باپ کے لئے' اس لڑکی کے باپ ہونے کے اعتبار سے ہوتا ہے' اس حوالے سے نہیں ہوتا کہ وہ عقد کرنے والا ہے۔ کیا تم نے اس بات کا جائزہ نہیں لیا؟ وہ نابالغ بچی کے بالغ ہونے کے بعد اس مہر کو اپنے قبضے میں نہیں لے سکتا لہٰذا وہ اپنی ذات کے لئے ضامن نہیں ہوگا۔

ضمانت کے بعد مکفول عنہ سے عدم واپسی کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اجنبی شخص نے کہہ دیا کہ تم فلاں کی ضمانت کرلو اس نے کرلی اور دین ادا کر دیا مکفول عنہ سے واپس نہیں لے سکتا۔ مکفول عنہ کے کہنے سے کفالت کی ہے اس میں بھی واپس لینے کے لیے یہ شرط ہے کہ مکفول عنہ نے یہ کہہ دیا ہو کہ میری طرف سے کفالت کرلو یا میری طرف سے ادا کر دو یا یہ کہ جو کچھ تم دو گے وہ مجھ پر ہے یا میرے ذمہ ہے اور اگر فقط اتنا ہی کہا ہے کہ ہزار روپے کی مثلاً تم ضمانت یا کفالت کرلو تو واپس نہیں لے سکتا مگر جبکہ کفیل خلیط ہو تو اس صورت میں بھی واپس لے سکتا ہے۔ خلیط سے مراد اس مقام پر وہ شخص ہے جو اس کے عیال میں ہے مثلاً باپ یا بیٹا بیٹی یا اجیر یا شریک بشرکت عنان یا وہ شخص جس سے اس کا لین دین ہو اُس کے یہاں مال رکھتا ہو۔ (فتح القدیر، کتاب الکفالہ، ج ۶، ص ۳۰۴، بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

بعض صورتوں میں مکفول عنہ کے بغیر کہے کفالت کرنے سے بھی اگر ادا کیا ہے تو وصول کرسکتا ہے مثلاً باپ نے نابالغ لڑکے کا نکاح کیا اور مہر کا ضامن ہو گیا اُس کے مرنے کے بعد عورت یا اس کے ولی نے والد زوج کے ترکہ میں سے مہر وصول کرلیا تو دیگر ورثہ اپنا حصہ پورا پورا لیں گے اور لڑکے کے حصہ میں سے بقدر مہر کے کم کر دیا جائے گا کہ باپ چونکہ ولی تھا اُس کا ضامن ہونا گویا لڑکے کے کہنے سے تھا اور اگر باپ مرا نہیں زندہ ہے اُس نے خود مہر ادا کیا اور لوگوں کو گواہ کرلیا ہے کہ لڑکے سے وصول کرلوں گا تو وصول کرسکتا ہے ورنہ نہیں دوسری صورت یہ ہے کہ کفیل نے کفالت سے انکار کر دیا مدعی نے گواہوں سے ثابت کر دیا کہ اس نے مکفول عنہ کے حکم سے کفالت کی تھی اس نے دین ادا کیا مکفول عنہ سے واپس لے سکتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس نے کفالت کی اور مکفول لہ نے ابھی قبول نہیں کی تھی کہ مکفول عنہ نے اجازت دیدی یہ کفالت بھی اُس کے کہنے سے قرار پائے گی۔

(ردمحتار، کتاب الکفالہ)

کفالت کا فقہی مفہوم

اصطلاح میں اسے کفالہ کہتے ہیں یعنی کسی کی طرف سے ادائیگی کا کفیل ہو جانا اور کفالہ کا اصول یہ ہے: جس شخص نے وصولی کرنی ہو وہ اس شخص سے بھی تقاضا کر سکتا ہے جس سے اس نے اصل رقم لینی تھی اور اس شخص سے بھی تقاضا کر سکتا ہے' جو دوسرے کی طرف سے کفیل بنا ہے اس لیے مذکورہ بالا صورت میں عورت کو اس بات کا اختیار ہوگا' وہ مہر کے مطالبے میں' اندر چاہے تو شوہر سے اس کا مطالبہ کرے اور چاہے تو اپنے ولی سے اس کا مطالبہ کرے جو اس کی ادائیگی کا کفیل بنا ہے۔ اسی طرح اگر لڑکی کے ولی نے شوہر کے کہنے پر اس کی طرف سے ادائیگی کر دی تو بعد میں وہ ولی اس رقم کی وصولی اس شوہر سے کرے گا' جیسا کہ کفالت کا رواج ہے۔

نکاح میں وکالت کی مختلف جہات کا بیان

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے: خرید و فروخت کرنے والا وکیل سودے میں قیمت پر قبضہ کرنے کا مالک ہوتا ہے اور اس کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ قیمت کی ادائیگی کا ضامن بنے تو نکاح میں جب باپ مہر پر قبضہ کرنے کا مالک ہو سکتا ہے' تو اس کے لئے بھی مہر کی ادائیگی کا ضامن بننا درست نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ بھی اپنی ذات کا ضامن بننے کے مترادف ہوگا۔ مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: نکاح میں باپ کے وکیل ہونے کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ حیثیت ہوتی ہے کہ وہ عقد کر رہا ہوتا ہے اور دوسری یہ حیثیت ہوتی ہے کہ وہ لڑکی کا باپ ہے۔ ہم لڑکی کے باپ کو مہر قبضے میں لینے کا اختیار اس اعتبار سے دیتے ہیں کہ وہ لڑکی کا باپ ہے۔ اس حیثیت سے نہیں دیتے کہ وہ عقد کرنے والا ایک فرد ہے اور جب باپ کی حیثیت سے ہم اسے اس بات کا اختیار دیں گے تو یہ اس کا دوسرے کے لئے ضمان دینا ہوگا' اپنی ذات کے لئے نہیں ہوگا اور دوسرے کے لئے ضمان درست ہے۔

مہر قبضے میں لینے کے لئے باپ کی حیثیت پیش نظر ہوتی ہے' اس کی دلیل یہ ہے: اگر وہ نابالغ لڑکی بالغ ہو جائے تو اب باپ اس مہر کو اپنے قبضے میں نہیں لے سکتا' اگر اس کی حیثیت عاقد کی ہوتی تو خرید و فروخت کی طرح یہاں بھی یہی صورت ہوتی کہ لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد بھی اسی باپ کا قبضہ برقرار رہتا' جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قبضے میں لینے کی اجازت باپ ہونے کے حوالے سے ہے' عاقد ہونے کے حوالے سے نہیں ہے۔

عورت مہر وصول ہونے سے پہلے خود کو سپرد کرنے سے روک سکتی ہے

قَالَ (وَلِلْمَرْاَةِ اَنْ تَمْنَعَ نَفْسَهَا حَتّٰى تَاْخُذَ الْمَهْرَ وَتَمْنَعَهُ اَنْ يُخْرِجَهَا) اَیْ يُسَافِرَ بِهَا لِيَتَعَيَّنَ حَقُّهَا فِی الْبَدَلِ كَمَا تَعَيَّنَ حَقُّ الزَّوْجِ فِی الْمُبْدَلِ فَصَارَ كَالْبَيْعِ ، وَلَيْسَ لِلزَّوْجِ اَنْ يَمْنَعَهَا مِنَ السَّفَرِ وَالْخُرُوجِ مِنْ مَنْزِلِهٖ وَزِيَارَةِ اَهْلِهَا حَتّٰى يُوَفِّيَهَا الْمَهْرَ كُلَّهٗ :اَیِ الْمُعَجَّلَ مِنْهُ لِاَنَّ حَقَّ الْحَبْسِ لِاسْتِيفَاءِ الْمُسْتَحَقِّ ، وَلَيْسَ لَهٗ حَقُّ الِاسْتِيفَاءِ قَبْلَ الْاِيفَاءِ ، وَلَوْ كَانَ الْمَهْرُ كُلُّهٗ مُؤَجَّلًا لَيْسَ لَهَا اَنْ تَمْنَعَ نَفْسَهَا لِاِسْقَاطِهَا حَقَّهَا بِالتَّاْجِيلِ كَمَا

فِي الْبَيْعِ .فِيهِ خِلَافُ أَبِي يُوسُفَ ، وَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا :لَيْسَ لَهَا أَنْ تَمْنَعَ نَفْسَهَا .وَالْخِلَافُ فِيمَا إِذَا كَانَ الدُّخُولُ بِرِضَاهَا حَتَّى لَوْ كَانَتْ مُكْرَهَةً أَوْ كَانَتْ صَبِيَّةً أَوْ مَجْنُونَةً لَا يَسْقُطُ حَقُّهَا فِي الْحَبْسِ بِالِاتِّفَاقِ ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْخَلْوَةُ بِهَا بِرِضَاهَا .وَيَبْتَنِي عَلَى هَذَا اسْتِحْقَاقُ النَّفَقَةِ .لَهُمَا أَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ كُلَّهُ قَدْ صَارَ مُسَلَّمًا إِلَيْهِ بِالْوَطْأَةِ الْوَاحِدَةِ وَبِالْخَلْوَةِ ، وَلِهَذَا يَتَأَكَّدُ بِهَا جَمِيعُ الْمَهْرِ فَلَمْ يَبْقَ لَهَا حَقُّ الْحَبْسِ ، كَالْبَائِعِ إِذَا سَلَّمَ الْمَبِيعَ .وَلَهُ أَنَّهَا مَنَعَتْ مِنْهُ مَا قَابَلَ الْبَدَلَ ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَطْأَةٍ تَصَرُّفٌ فِي الْبُضْعِ الْمُحْتَرَمِ فَلَا يُخْلَى عَنْ الْعِوَضِ إِبَانَةً لِخَطَرِهِ ، وَالتَّأْكِيدُ بِالْوَاحِدَةِ لِجَهَالَةِ مَا وَرَاءَهَا فَلَا يَصْلُحُ مُزَاحِمًا لِلْمَعْلُومِ .ثُمَّ إِذَا وُجِدَ آخَرُ وَصَارَ مَعْلُومًا تَحَقَّقَتْ الْمُزَاحَمَةُ وَصَارَ الْمَهْرُ مُقَابَلًا بِالْكُلِّ كَالْعَبْدِ إِذَا جَنَى جِنَايَةً يَدْفَعُ كُلَّهُ بِهَا ، ثُمَّ إِذَا جَنَى جِنَايَةً أُخْرَى وَأُخْرَى يَدْفَعُ بِجَمِيعِهَا ، وَإِذَا أَوْفَاهَا مَهْرَهَا نَقَلَهَا إِلَى حَيْثُ شَاءَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ)(ا) ، وَقِيلَ لَا يُخْرِجُهَا إِلَى بَلَدٍ غَيْرِ بَلَدِهَا ؛ لِأَنَّ الْغَرِيبَ يُؤْذَى وَفِي قُرَى الْمِصْرِ الْقَرِيبَةِ لَا تَتَحَقَّقُ الْغُرْبَةُ .

(ا) الآية رقم ٦ من سورة الطلاق

ترجمہ

(امام قدوری فرماتے ہیں:) اس عورت کو یہ حق حاصل ہے وہ اپنے آپ کو (شوہر کے سپرد کرنے سے) اس وقت تک روکے رکھے جب تک وہ مہر وصول نہیں کر لیتی اور وہ شوہر کو اس بات سے بھی روک دے کہ وہ اسے (اس کے شہر سے) باہر لے جائے یعنی اسے ساتھ لے کر سفر کرے اس کی وجہ یہ ہے: بدل میں حق متعین ہو جائے جس طرح مبدل (یعنی عورت کی بضع میں) شوہر کا حق متعین ہو گیا ہے اور یہ سودے کی طرح ہو جائے۔ شوہر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے سفر سے روکے یا اپنے گھر سے نکلنے سے روکے یا اس کے گھر والوں سے ملنے جلنے سے روکے جب تک وہ اس کا پورا مہر ادا نہیں کر دیتا' وہ مہر جو معجل ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے: گھر میں روکے رکھنے کا حق' مستحق کو وصول کرنے کی خاطر ہے اور مہر کی ادائیگی سے پہلے وہ اس وصولی کا حق نہیں رکھے گا۔ اگر مہر مؤجل ہو تو عورت کو یہ حق نہیں ہوگا' وہ اپنی ذات سے روکے' کیونکہ اس نے اپنے حق کو مہلت دے کر خود ساقط کر دیا ہے' جیسا کہ سودے میں ہوتا ہے۔ اس بارے میں امام ابو یوسف کی رائے مختلف ہے۔ اگر مرد اس عورت کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے' تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہی جواب ہوگا۔

صاحبین: یہ کہتے ہیں: عورت کو یہ حق نہیں ہوگا' وہ ذات سے (شوہر کو) روکے۔ اختلاف اس صورت میں ہے: جب وہ صحبت عورت کی رضامندی کے ساتھ ہوئی ہو' لیکن اگر اس کے ساتھ زبردستی کی گئی ہو' تو وہ بالغ بچی ہو یا پاگل ہو' تو حبس (گھر میں روکے رکھنے) کے بارے بالاتفاق عورت کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ اسی استحقاق کی بنیاد پر عورت کی رضامندی کے ساتھ خلوت کے بارے میں اختلاف ہے۔ خرچ کے استحقاق کی بنیاد بھی اسی اختلاف کے پیش نظر ہوگی۔

صاحبین: یہ کہتے ہیں: جس چیز کے بارے میں عقد کیا گیا تھا' وہ ساری کی ساری ایک وطی یا خلوت کے ذریعے سپرد کر دی گئی ہے اسی لیے ان دونوں کے نتیجے میں پورا مہر مؤکد ہو جاتا ہے' لہٰذا عورت کے لئے جس کا حق باقی نہیں رہے گا' جیسا کہ فروخت کرنے والا شخص اگر فروخت شدہ سامان کو (خریدار کے) سپرد کر دے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: عورت نے شوہر سے اس چیز کو روکا ہے' جو بدل کے مقابلے میں ہے' کیونکہ ہر ایک وطی' قابل احترام عضو میں تصرف کرنا ہے' لہٰذا اسے عوض سے خارج نہیں کیا جا سکتا تاکہ اس کی عظمت کا اظہار کیا جا سکے۔ ایک وطی کے ذریعے مہر کا مؤکد ہو جانا اس کے علاوہ مجہول ہونے کی وجہ سے ہے' اس لئے یہ معلوم شدہ چیز کے مدمقابل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا' تو پھر جب دوسری مرتبہ وطی پائی گئی' تو اب یہ معلوم ہو گیا' تو اس صورت میں مزاحمت مستحق ہو جائے گی' اور یہ مہر ان سب کے مدمقابل آ جائے گا۔ جیسا کہ اگر کوئی غلام کسی جنایت کا ارتکاب کرتا ہے' تو اس کے بدلے میں اس پورے کے پورے غلام کو دے دیا جائے گا' لیکن اگر وہ دوسری مرتبہ بھی جنایت کرتا ہے تیسری مرتبہ بھی جنایت کا ارتکاب کرتا ہے' تو ان سب کے مقابلے میں اسے ایک مرتبہ سپرد کیا جائے گا۔ جب مرد' عورت کا پورا مہر ادا کر دیتا ہے' تو وہ اسے جہاں چاہے منتقل کر سکتا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "ان کو وہیں رہائش دو جہاں تم رہتے ہو"۔ ایک قول کے مطابق مرد اس عورت کو اس کے شہر سے نکال کر دوسرے شہر میں نہیں لے جا سکتا کیونکہ اجنبیت کی صورت میں عورت کو اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے' تاہم شہر کے قریبی آبادیوں میں یہ اجنبیت متحقق نہیں ہوتی۔

شرح

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ابن منذر رحمہ اللہ نے اجماع نقل کیا ہے کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ خاوند کو دخول سے روک دے حتی کہ وہ اسے اس کا مہر ادا کرے۔ (المغنی، ج ۹، ص ۶۰، بیروت)

اور علامہ علاؤ الدین الکاسانی نے ذکر کیا ہے۔ "عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنا آپ خاوند کے سپرد اس وقت تک نہ کرے جب تک وہ اس کے لیے رہائش کا انتظام نہیں کرتا۔ (بدائع الصنائع، ج ۴، ص ۱۹، بیروت)

اس مسئلہ میں شرعی حکم یہی ہے۔ ہمیں جو خدشہ ہے کہ یہ خاوند آپ کے لیے رہائش کا انتظام کرنے اور ایک مستقل خاندان بنانے کی کوشش میں غیر سنجیدہ ہے، اور وہ صرف آپ سے تعلقات قائم کر کے استمتاع کرنے پر ہی اکتفا کرنا چاہتا ہے، ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ آپ اس کی بات مان کر اسے اس کا موقع نہ دیں اور اپنا آپ اس کے سپرد مت کریں جب تک وہ آپ کو

رہائش بنا کر نہیں دیتا اس طرح اس کو اہتمام اور دخول جلد کرنے اور آپ کی حفاظت کرنے پر ابھارا جا سکتا ہے، کیونکہ اس کی منت سماجت اور آپ کی کمزوری کے باعث جماع ودخول ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے حمل ہو جائے اور پھر اس کے نتیجہ میں بہت برے اثرات مرتب ہونگے یعنی اگر طلاق ہو جائے یا پھر غیر اعلانیہ طور پر دخول ہو جسے رخصتی کہا جاتا ہے۔

اگر میاں بیوی کے درمیان مہر کے بارے میں اختلاف ہو جائے

قَالَ (وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَاَةً ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الْمَهْرِ) فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمَرْاَةِ اِلٰى مَهْرِ مِثْلِهَا ، وَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ فِيمَا زَادَ عَلٰى مَهْرِ الْمِثْلِ ، وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ فِي نِصْفِ الْمَهْرِ ، وَهٰذَا عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ ، وَقَالَ اَبُو يُوسُفَ :الْقَوْلُ قَوْلُهُ قَبْلَ الطَّلَاقِ وَبَعْدَهُ اِلَّا اَنْ يَاْتِيَ بِشَيْءٍ قَلِيلٍ ، وَمَعْنَاهُ مَا لَا يُتَعَارَفُ مَهْرًا لَهَا هُوَ الصَّحِيحُ ‏ ,لِاَبِي يُوسُفَ اَنَّ الْمَرْاَةَ تَدَّعِي الزِّيَادَةَ وَالزَّوْجُ يُنْكِرُ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ مَعَ يَمِينِهِ اِلَّا اَنْ يَاْتِيَ بِشَيْءٍ يُكَذِّبُهُ الظَّاهِرُ فِيهِ ، وَهٰذَا ؛ لِاَنَّ تَقَوُّمَ مَنَافِعِ الْبُضْعِ ضَرُورِيٌّ ، فَمَتٰى اَمْكَنَ اِيجَابُ شَيْءٍ مِنْ الْمُسَمّٰى لَا يُصَارُ اِلَيْهِ .وَلَهُمَا اَنَّ الْقَوْلَ فِي الدَّعَاوٰى قَوْلُ مَنْ يَشْهَدُ لَهُ الظَّاهِرُ ، وَالظَّاهِرُ شَاهِدٌ لِمَنْ يَشْهَدُ لَهُ مَهْرُ الْمِثْلِ ؛ لِاَنَّهُ هُوَ الْمُوجِبُ الْاَصْلِيُّ فِي بَابِ النِّكَاحِ ، وَصَارَ كَالصَّبَّاغِ مَعَ رَبِّ الثَّوْبِ اِذَا اخْتَلَفَا فِي مِقْدَارِ الْاَجْرِ يُحَكَّمُ فِيهِ الْقِيمَةُ الصَّبْغُ .ثُمَّ ذَكَرَ هَاهُنَا اَنَّ بَعْدَ الطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ الْقَوْلَ قَوْلُهُ فِي نِصْفِ الْمَهْرِ ، وَهٰذَا رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَالْاَصْلِ ، وَذَكَرَ فِي الْجَامِعِ الْكَبِيرِ اَنَّهُ يُحَكَّمُ مُتْعَةُ مِثْلِهَا وَهُوَ قِيَاسُ قَوْلِهِمَا ؛ لِاَنَّ الْمُتْعَةَ مُوجَبَةٌ بَعْدَ الطَّلَاقِ كَمَهْرِ الْمِثْلِ قَبْلَهُ فَتُحَكَّمُ كَهُوَ .وَوَجْهُ التَّوْفِيقِ اَنَّهُ وَضَعَ الْمَسْاَلَةَ فِي الْاَصْلِ فِي الْاَلْفِ وَالْاَلْفَيْنِ ، وَالْمُتْعَةُ لَا تَبْلُغُ هٰذَا الْمَبْلَغَ فِي الْعَادَةِ فَلَا يُفِيدُ تَحْكِيمُهَا ، وَوَضَعُهَا فِي الْجَامِعِ الْكَبِيرِ فِي الْعَشَرَةِ وَالْمِائَةِ وَمُتْعَةُ مِثْلِهَا عِشْرُونَ فَيُفِيدُ تَحْكِيمَهَا ، وَالْمَذْكُورُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ سَاكِتٌ عَنْ ذِكْرِ الْمِقْدَارِ فَيُحْمَلُ عَلٰى مَا هُوَ الْمَذْكُورُ فِي الْاَصْلِ .وَشَرْحُ قَوْلِهِمَا فِيمَا اِذَا اخْتَلَفَا فِي حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ اَنَّ الزَّوْجَ اِذَا ادَّعَى الْاَلْفَ وَالْمَرْاَةَ الْاَلْفَيْنِ ، فَاِنْ كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا اَلْفًا اَوْ اَقَلَّ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ ، وَاِنْ كَانَ اَلْفَيْنِ اَوْ

اَکْثَرَ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا ، وَاَيُّهُمَا اَقَامَ الْبَيِّنَةَ فِي الْوَجْهَيْنِ تُقْبَلُ. وَاِنْ اَقَامَا الْبَيِّنَةَ فِي الْوَجْهِ الْاَوَّلِ تُقْبَلُ بَيِّنَتُهَا ؛ لِاَنَّهَا تُثْبِتُ الزِّيَادَةَ. وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي بَيِّنَتُهُ ؛ لِاَنَّهَا تُثْبِتُ الْحَطَّ ، وَاِنْ كَانَ مَهْرُ مِثْلِهَا اَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ تَحَالَفَا ، وَاِذَا حَلَفَا يَجِبُ اَلْفٌ وَخَمْسُمِائَةٍ. هٰذَا تَخْرِيجُ الرَّازِيِّ(۱). وَقَالَ الْكَرْخِيُّ : يَتَحَالَفَانِ فِي الْفُصُولِ الثَّلَاثَةِ ثُمَّ يُحَكَّمُ مَهْرُ الْمِثْلِ بَعْدَ ذٰلِكَ ،

ترجمہ

اور جو شخص کسی عورت کے ساتھ شادی کرے اور پھر ان دونوں کے درمیان مہر کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو مہر مثل سے جو رقم زائد ہو' اس بارے میں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ اگر مرد عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے' اسے طلاق دے دیتا ہے' تو نصف مہر کے بارے میں مرد کا قول معتبر ہوگا' یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ امام ابویوسف یہ فرماتے ہیں: طلاق سے پہلے یا طلاق کے بعد اس بارے میں مرد کا قول معتبر ہوگا۔ البتہ اگر وہ بہت تھوڑی سی مقدار کا دعویٰ کرے (تو معتبر نہیں ہوگا) اس سے مراد یہ ہے: اتنی مقدار ہو' جو عرف میں عورت کا مہر نہ ہوتی ہو' اور یہی رائے صحیح ہے۔ امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے: عورت نے اضافے کا دعویٰ کیا ہے اور شوہر نے اس کا انکار کیا ہے' تو انکار کرنے والے شخص کا قول معتبر ہوتا ہے' جبکہ وہ ساتھ قسم بھی اٹھائے' البتہ اگر وہ ایسی چیز کا دعویٰ کرے جس کی ظاہر نفی کر رہا ہو (تو حکم مختلف ہوتا ہے)۔ اس کی وجہ یہ ہے: بضع کے منافع کو قیمتی قرار دینا ضروری ہے' تو جب طے شدہ چیز میں سے کسی بھی چیز کو واجب کرنا ممکن ہو' تو مہر مثل کی ضرورت نہیں رہے گی۔ طرفین کی دلیل یہ ہے: دعویٰ جات میں اس شخص کا قول معتبر ہوتا ہے' جس کے حق میں ظاہر گواہی دے رہا ہو اور ظاہر اس شخص کے حق میں گواہی دے رہا ہے' جس کے حق میں مہر مثل گواہی دے رہا ہے' کیونکہ نکاح کے باب میں اصل کے اعتبار سے یہی واجب ہے۔ اس کی مثال رنگ ریز اور کپڑے کے مالک کی طرح ہو جائے گی' جب اجرت کی مقدار کے بارے میں ان دونوں میں اختلاف ہو' تو اس میں رنگ کی قیمت کو حکم بنایا جائے گا۔ پھر اس کے بعد انہوں نے یہاں متن میں یہ بات ذکر کی ہے: دخول سے پہلے طلاق کی صورت میں نصف مہر کے بارے میں مرد کی بات کو تسلیم کیا جائے گا' یہ روایت ''الجامع الصغیر'' اور کتاب ''الاصل'' (یعنی المبسوط) میں مذکور ہے۔ امام محمد نے ''الجامع الکبیر'' میں یہ بات نقل کی ہے: دخول سے پہلے طلاق کی صورت میں عورت کے لیے متاع مثل کا حکم دیا جائے گا۔ طرفین کا یہ قول قیاس پر مبنی معلوم ہوتا ہے' کیونکہ دخول سے پہلے طلاق کے بعد متعہ واجب ہوتا ہے' جس طرح طلاق سے پہلے مہر مثل واجب ہوتا ہے' تو اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو اس کا ہے۔ توفیق کی صورت یہ ہے: انہوں نے ''کتاب الاصل'' (یعنی المبسوط) میں مسئلے کی بنیاد ایک ہزار اور دو ہزار پر رکھی ہے اور عام عرف کے اعتبار سے متاع اس حد تک نہیں پہنچتا' تو اسے حکم قرار دینا فائدہ مند نہیں ہوگا' جبکہ ''الجامع الکبیر'' میں انہوں نے اس مسئلے کی بنیاد دس اور ''ایک سو'' پر رکھی ہے' تو اگر عورت کا متاع مثل بیس ہو' تو اس

صورت میں اسے حکم قرار دینا درست ہوگا۔"الجامع الصغیر" میں جو منقول ہے اس میں مقدار کا تذکرہ نہیں ہے' لہٰذا اس کو بھی اسی صورت پر محمول کیا جائے گا جس کا ذکر "کتاب الاصل" میں ہوا ہے۔ان دونوں کے قول کی شرح اس صورت میں ہوگی' جب نکاح کے قیام کے وقت میاں بیوی کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو جائے کہ شوہر ایک ہزار کا دعویدار ہو اور عورت دو ہزار کی دعویدار ہو' تو اگر مہر مثل ایک ہزار ہو یا اس سے کم ہو' تو اس بارے میں مرد کا قول معتبر ہوگا اور اگر دو ہزار ہو یا اس سے زیادہ ہو' تو اس بارے میں عورت کا قول معتبر ہوگا اور ان دونوں میں سے جو بھی ان دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں بھی ثبوت پیش کر دے گا اسے قبول کر لیا جائے گا۔

اگر فریقین میں سے ہر ایک اپنے دعوے کا ثبوت پہلی صورت کے بارے میں پیش کرے' تو عورت کے گواہوں کی گواہی مانی جائے گی' کیونکہ یہ اضافے کو ثابت کر رہی ہے اور اگر دوسری صورت کے بارے میں ثبوت پیش کرے' تو اس بارے میں مرد کے گواہوں کی گواہی معتبر ہوگی' کیونکہ اس کے ذریعے مہر میں کمی ثابت ہو رہی ہے۔لیکن اگر مہر مثل ڈیڑھ ہزار ہو' تو دونوں سے قسم لی جائے گی جب وہ دونوں قسم اٹھا لیں گے تو ڈیڑھ ہزار کی ادائیگی لازم ہوگی یہ تخریج امام رازی کی ہے۔امام کرخی یہ فرماتے ہیں: تینوں صورتوں میں قسم لی جائے گی' اور قسم کے بعد مہر مثل کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

(۱) الرازی: هو احمد بن علی الرازی' ابو بکر الجصاص: فاضل من اهل الری ولد سنة ۳۰۵ھ سكن بغداد و توفی بها سنة ۳۷۰ھ انظر "الجواهر المضية" ۸٤/۱۔

فریقین کے درمیان اختلاف مہر میں جزئیات کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر میاں بیوی کے درمیان مہر کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم کیا ہوگا۔یہ اختلاف یہ بھی ہو سکتا ہے: شوہر اس بات کا دعویدار ہو کہ مہر طے کیے بغیر نکاح ہوا تھا جبکہ بیوی کا یہ کہنا ہو کہ مہر متعین کیا گیا تھا یا مہر کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہو جائے' شوہر اس بات کا قائل ہو' ایک سو درہم کے عوض میں نکاح ہوا تھا اور بیوی کا یہ دعویٰ ہو' دو سو درہم کے عوض میں نکاح ہوا تھا' تو مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: ایسی صورت میں مہر مثل کی مقدار میں عورت کا قول معتبر ہوگا اور مہر مثل سے زائد مقدار کے بارے میں مرد کا قول معتبر ہوگا' لیکن یہ اس وقت ہے جب مرد عورت کے ساتھ صحبت کر چکا ہو۔لیکن اگر مرد صحبت کرنے سے پہلے عورت کو طلاق دے دیتا ہے' تو نصف مہر کے بارے میں مرد کا قول معتبر ہوگا یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔

امام ابویوسف نے یہ بات بیان کی ہے: میاں بیوی کے درمیان اختلاف طلاق سے پہلے ہو یا طلاق ہو جانے کے بعد ہو دونوں صورتوں میں مرد کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔مرد کا قول صرف ایک صورت میں مسترد کیا جا سکتا ہے جب وہ مہر کی اتنی تھوڑی مقدار کا دعویدار ہو جو عام طور پر اس جیسی عورت کا مہر نہ بن سکتی ہو۔امام ابویوسف نے اپنے مؤقف کی تائید میں دلیل یہ پیش کی ہے: جب میاں بیوی کے درمیان مہر کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہو جائے اور شوہر کم مقدار بیان کر رہا

ہو جبکہ عورت زیادہ مقدار بیان کر رہی ہو تو اس کی صورت یہ ہوگی: گویا عورت اضافے کی دعویدار ہے اور شوہر اس اضافے کا انکار کر رہا ہے اور اصول یہ ہے: انکار کرنے والے شخص کے قول کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اس سے قسم لے لی جاتی ہے۔

اس پر یہ اشکال پیش کیا جاسکتا ہے: آپ نے خود یہ بات بیان کی ہے: اگر مرد تھوڑی مقدار بیان کرتا ہے تو اس بارے میں عورت کا قول درست ہوگا' تو انہوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے: اگر مرد تھوڑی مقدار بیان کرتا ہے' جس مقدار کے مطابق عام رواج میں اس عورت کا نکاح نہ ہو سکتا ہو تو اس صورت میں ظاہر مرد کے قول کی تکذیب کر دے گا۔ دوسری اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے' بضع کے نفع کا قیمتی ہونا بھی ضروری ہے' تو اسے اتنی معمولی مقدار کا عوض قرار نہیں دیا جاسکتا جو عام رواج کے خلاف ہو۔ یہاں امام ابو یوسف کے موقف پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: اگر بضع کے منافع کا قیمتی ہونا اتنا ہی ضروری ہے' تو آپ مہر مثل کی ادائیگی لازم کیوں قرار نہیں دیتے؟ انہوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے: جب تک طے شدہ چیز کو لازم قرار دینا ممکن ہوگا۔ مہر مثل کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا' کیونکہ اصل کے اعتبار سے وہی مہر لازم ہوتا ہے جسے طے کیا گیا ہو مہر مثل کی حیثیت تابع کی ہوتی ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک کیونکہ مہر مثل اصل کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے جب مہر کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہوگا' تو اس صورت میں فیصلہ مہر مثل کے مطابق کیا جائے گا' یعنی میاں بیوی میں سے جس کا دعویٰ مہر مثل کے قریب ہوگا اس کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا' کیونکہ مہر مثل کے قریب ہونے کے بارے میں اس کے دعوے کی شہادت ظاہری صورت حال دے رہی ہوگی۔ یہاں امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے اس مسئلے کو کپڑے پر رنگ کروانے کے مسئلے پر قیاس کیا ہے' یعنی ایک شخص کسی دوسرے شخص کو جو رنگ ریز ہے کوئی کپڑا رنگنے کے لئے دیتا ہے اور پھر کپڑے کے مالک اور رنگ ریز کے درمیان معاوضے کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہو جاتا ہے' تو اس صورت میں رنگ کی قیمت کے حساب سے فیصلہ دیا جاتا ہے' یعنی رنگے ہوئے کپڑے اور رنگے بغیر کپڑے کی قیمت میں جو فرق ہوگا اسی مقدار کے تناسب سے اجرت کا تعین کیا جائے گا خواہ وہ کپڑے کے مالک کے حق میں ہو یا رنگ ریز کے حق میں ہو۔

یہاں مصنف نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے: امام محمد کے حوالے سے اس بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں' کیونکہ کتاب ''مبسوط'' اور ''الجامع الصغیر'' میں یہ بات بیان کی گئی ہے' اگر مرد صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے دیتا ہے' تو نصف مہر کے بارے میں شوہر کا قول معتبر شمار ہوگا اور اس صورت میں متاع نہیں دیا جائے گا' جبکہ ''الجامع الکبیر'' میں یہ بات مذکور ہے' اس صورت میں متاع دیا جائے گا' اور اسی کا اعتبار بھی کیا جائے گا' اس بارے میں شوہر کا قول معتبر نہیں ہوگا۔

''جامع کبیر'' کی روایت طرفین کے قول کے مطابق ہے' کیونکہ ایسی صورت حال میں طلاق سے پہلے جیسے مہر مثل کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اسی طرح طلاق کے بعد متاع کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے' تو مہر مثل کی مانند متاع کے بارے میں حکم دیا جائے گا۔ یہاں سے مصنف نے ان دونوں اقوال کے درمیان مطابقت بیان کی ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی: کتاب ''المبسوط'' میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے' وہ اس صورت کے بارے میں ہے' جب مہر کی مقدار ایک ہزار یا دو ہزار درہم ہونے کے بارے میں اختلاف

ہو تو کیونکہ متاع کی قیمت اتنی زیادہ نہیں ہوتی ہے اس لئے متاع کو مقرر کرنا یہاں فائدہ نہیں دے گا' جبکہ ''الجامع الکبیر'' میں جس مسئلے کا ذکر کیا گیا ہے یہ اس صورت میں ہے جب ایک ... درہم وغیرہ کے بارے میں اختلاف ہو اور عورت کو ملنے والا متاع بیس درہم کا ہو اس صورت میں اسے حکم قرار دیا جا... ہے۔

کیونکہ ''الجامع الصغیر'' میں مہر کی مقدار کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اس لیے اس مسئلے کو بھی اسی صورت حال پر محمول کیا جائے گا۔ یہاں سے مصنف امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے موقف کی وضاحت کر رہے ہیں' ان حضرات کا موقف یہ ہے: اگر میاں بیوی کے درمیان یہ اختلاف طلاق سے پہلے ہو جاتا ہے اور ابھی نکاح برقرار ہے اور اختلاف کی صورت میں شوہر ایک ہزار درہم مہر ہونے کا دعویدار ہے' جبکہ بیوی دو ہزار درہم مہر ہونے کی دعویدار ہے' تو اس صورت میں مہر مثل کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر مہر مثل کی مقدار ایک ہزار درہم' اس سے کم ہو' تو اس بارے میں ظاہر شوہر کے دعوے کی تائید کر رہا ہے۔ اس لئے شوہر کا قول معتبر قرار دیا جائے گا' لیکن اگر مہر مثل ... ہزار درہم یا اس سے زائد ہو' تو یہ بات عورت کے دعوے کی تائید کر رہی ہے اس لیے عورت کا قول معتبر ہوگا۔ یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے: بالفرض میاں بیوی میں سے کوئی ایک اگر اپنے موقف کی تائید میں ثبوت پیش کر دیتا ہے یا دونوں ہی اپنے موقف کی تائید میں گواہ پیش کر دیتے ہیں' تو پھر مسئلے کا حکم کیا ہوگا؟ مصنف فرماتے ہیں: اگر میاں بیوی میں سے ہر ایک اپنے دعوے کی دلیل پیش کر دیتا ہے' تو اس صورت میں شوہر کے پیش کردہ ثبوت کو قبول کیا جائے گا خواہ ظاہر اس کے قول کی تائید کر رہا ہو یا تائید نہ کر رہا ہو۔

اگر دونوں میاں بیوی نے پہلی صورت کے بارے میں ثبوت پیش کیے' یعنی جب ظاہری صورت حال شوہر کے حق میں تھی تو اس صورت میں عورت کے پیش کردہ ثبوت کو قبول کیا جائے گا' لیکن اگر دوسری صورت ہو یعنی جب ظاہری صورت حال بیوی کے قول کی تائید کر رہی ہو' تو اس بارے میں شوہر کا پیش کردہ ثبوت قبول کیا جائے گا' اس کی وجہ یہ ہے: ثبوت اس چیز کو ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے' جو ظاہری طور پر ثابت نہ ہو رہی ہو۔ یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے: بالفرض اگر دونوں ثبوت پیش کر دیتے ہیں' لیکن ظاہری صورت حال دونوں میں سے کسی ایک کے حق میں بھی نہیں جا رہی جیسے مرد ایک ہزار درہم مہر ہونے کا دعویدار ہے اور عورت دو ہزار درہم مہر ہونے کی دعویدار ہے اور مہر مثل پندرہ سو درہم بنتا ہے' تو اس صورت میں کیا کریں گے؟ مصنف فرماتے ہیں: ایسی صورت حال میں دونوں سے قسم لی جائے گی' کیونکہ اس صورت میں میاں بیوی دونوں ایک اعتبار سے دعویدار ہوں گے' اور ایک اعتبار سے مدعیٰ علیہ ہوں گے کیونکہ عورت مہر کی مقدار میں اضافے کی دعویدار ہوگی اور کمی کی منکر ہوگی' جبکہ شوہر کمی کا مدعی ہوگا اور اضافے کا منکر ہوگا اس لیے دونوں سے قسم لی جائے گی' جو قسم اٹھانے سے انکار کر دے گا' اس کے مقابل فریق کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ البتہ اگر دونوں قسم اٹھا لیتے ہیں' تو اس صورت میں مہر مثل یعنی پندرہ سو درہم کی ادائیگی لازم ہو جائے گی جن میں سے ایک ہزار بطور طے شدہ مہر ہوں گے کیونکہ ایک ہزار درہم ہونے کے بارے میں شوہر اور بیوی دونوں کی رائے متفق ہے' جبکہ 500 درہم مہر مثل کے طور پر ہوں گے۔

یہ جزئیات امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہیں۔ جبکہ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں۔ تینوں صورتوں میں میاں بیوی سے حلف لیا جائے گا' اور اس کے بعد مہر مثل کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

اگر اختلاف طے شدہ مقدار کے بارے میں ہو جائے

وَلَوْ كَانَ الِاخْتِلَافُ فِي أَصْلِ الْمُسَمَّى يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ بِالْإِجْمَاعِ ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْأَصْلُ عِنْدَهُمَا ، وَعِنْدَهُ تَعَذَّرَ الْقَضَاءُ بِالْمُسَمَّى فَيُصَارُ إلَيْهِ ، وَلَوْ كَانَ الِاخْتِلَافُ بَعْدَ مَوْتِ أَحَدِهِمَا فَالْجَوَابُ فِيهِ كَالْجَوَابِ فِي حَيَاتِهِمَا ؛ لِأَنَّ اعْتِبَارَ مَهْرِ الْمِثْلِ لَا يَسْقُطُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا ،

ترجمہ

اور جب اختلاف اصل طے شدہ مہر کے بارے میں ہو' تو پھر اس کے ساتھ مہر مثل واجب ہو گا' کیونکہ طرفین کے نزدیک وہ مہر مثل ہی اصل ہوتا ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک کیونکہ طے شدہ مہر کے بارے میں فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے مہر مثل کے حوالے سے فیصلہ کیا جائے گا۔

اگر یہ اختلاف فریقین میں سے کسی ایک کے انتقال کے بعد ہو' تو اس صورت میں بھی وہی جواب ہو گا جو دونوں کی زندگی میں جواب ہوتا' کیونکہ مہر مثل کا اعتبار کرنا فریقین میں سے کسی ایک کی موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

تعیین مہر کا دعویٰ کرنے کیلئے شہادت کا حکم

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ نفس مہر میں اختلاف ہوا' ایک کہتا ہے مہر بندھا تھا' دوسرا کہتا ہے نکاح کے وقت مہر کا ذکر ہی نہ آیا تو جو کہتا ہے بندھا تھا' گواہ پیش کرے' نہ پیش کر سکے تو انکار کرنے والے کو حلف دیا جائے اگر حلف اٹھانے سے انکار کرے تو مدعی کا دعویٰ ثابت اور حلف اٹھالے تو مہر مثل واجب ہو گا یعنی جبکہ نکاح باقی ہو یا خلوت کے بعد طلاق ہوئی ہو اور اگر خلوت سے پہلے طلاق ہوئی تو کپڑے کا جوڑا واجب ہو گا۔ اس کا حکم پیشتر بیان ہو چکا۔

دوسری صورت یہ کہ مقدار میں اختلاف ہو تو اگر مہر مثل اتنا ہے جتنا عورت بتاتی ہے یا زائد تو عورت کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے اور اگر مہر مثل شوہر کے کہنے کے مطابق ہے یا کم تو قسم کے ساتھ شوہر کی بات مانی جائے اور اگر کسی نے گواہ پیش کیے تو اس کا قول مانا جائے' مہر مثل کچھ بھی ہو تو اگر دونوں نے پیش کیے تو جس کا قول مہر مثل کے خلاف ہے' اس کے گواہ مقبول ہیں اور اگر مہر مثل دونوں دعووں کے درمیان ہے' مثلاً زوج کا دعویٰ ایک ہزار کا ہے اور عورت کا دو ہزار کا اور مہر مثل ڈیڑھ ہزار ہے تو دونوں کو قسم دیں گے جو قسم کھا جائے' اس کا قول معتبر ہے یا جو گواہ پیش کرے' اس کا قول مانا جائے اور اگر دونوں قسم کھا جائیں یا دونوں گواہ پیش کریں تو مہر مثل پر فیصلہ ہو گا۔

یہ تفصیل اس وقت ہے کہ نکاح باقی ہو دخول ہوا ہو یا نہیں یا دونوں میں ایک مر چکا ہو۔ یونہی اس صورت میں کہ دخول کے بعد طلاق دے دی ہو اور اگر قبل دخول طلاق دی ہو تو متعہ مثل (یعنی جوڑا) جس کے قول کے موافق ہو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے اور اگر متعہ مثل دونوں کے درمیان ہو تو دونوں پر حلف رکھیں جو حلف اٹھالے اس کی بات معتبر ہے اور دونوں اٹھالیں تو متعہ مثل دیں گے اور اگر کوئی گواہ پیش کرے تو اس کا قول معتبر ہے اور دونوں نے پیش کیے تو جس کا قول متعہ مثل کے خلاف ہے وہ معتبر ہے اور اگر دونوں کا انتقال ہو چکا اور دونوں کے ورثہ میں اختلاف ہو تو مقدار میں زوج کے ورثہ کا قول مانا جائے اور نفس مہر میں اختلاف ہوا کہ مقرر ہوا تھا یا نہیں تو مہر مثل پر فیصلہ کریں گے۔ (درمختار، کتاب النکاح، باب مہر)

اگر اختلاف میاں بیوی دونوں کے انتقال کے بعد ہو جائے

وَلَوْ كَانَ الِاخْتِلَافُ بَعْدَ مَوْتِهِمَا فِي الْمِقْدَارِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ وَرَثَةِ الزَّوْجِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ، وَلَا يُسْتَثْنَى الْقَلِيْلُ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْجَوَابُ فِيْهِ كَالْجَوَابِ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ، وَاِنْ كَانَ فِي اَصْلِ الْمُسَمَّى فَعِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ الْقَوْلُ قَوْلُ مَنْ اَنْكَرَهُ، فَالْحَاصِلُ اَنَّهُ لَا حُكْمَ لِمَهْرِ الْمِثْلِ عِنْدَهُ بَعْدَ مَوْتِهِمَا عَلٰى مَا نُبَيِّنُهُ مِنْ بَعْدُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

ترجمہ

اور جب مقدار میں اختلاف ان دونوں کی موت کے بعد ہوتا ہے تو اس بارے میں شوہر کے ورثاء کا قول معتبر ہوگا یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور انہوں نے اس بارے میں تھوڑی (مقدار) کا استثنیٰ نہیں کیا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک مرد کے ورثاء کا قول معتبر ہوگا' لیکن اگر وہ تھوڑی سی مقدار کا دعویٰ کرتے ہیں (تو معتبر نہیں ہوگا)۔ امام محمد کے نزدیک اس بارے میں وہی جواب ہوگا جو زندگی کی حالت میں جواب ہوتا اگر یہ اختلاف اصل طے شدہ مہر کے بارے میں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس شخص کا قول معتبر ہوگا جس نے اس کا انکار کیا ہو۔ حاصل کلام یہ ہے: امام ابوحنیفہ کے نزدیک مہر مثل حکم نہیں ہوگا' جیسا کہ اس کے بعد ہم عنقریب اس بات کو بیان کریں گے' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

زوجین کی وفات کے بعد مہر کی مقدار میں اختلاف پر حلف کا اعتبار

جب عورت مرگئی، شوہر نے گائے، بکری وغیرہ کوئی جانور بھیجا کہ ذبح کر کے تیجہ میں کھلایا جائے اور اس کی قیمت نہیں بتائی تھی تو نہیں لے سکتا اور قیمت بتادی تھی تو لے سکتا ہے اور اگر اختلاف ہو وہ کہتا ہے کہ بتادی تھی اور لڑکی والا کہتا ہے کہ نہیں بتائی تھی تو اگر لڑکی والا قسم کھالے تو اس کی بات مان لی جائے گی۔ کوئی عورت عدت میں تھی اسے خرچ دیتا رہا، اس امید پر کہ بعد عدت اس سے نکاح کریگا اگر نکاح ہو گیا تو جو کچھ خرچ کیا ہے، واپس نہیں لے سکتا اور عورت نے نکاح سے انکار کر دیا تو جو اسے بطور تملیک دیا ہے، واپس لے سکتا ہے اور جو بطور اباحت دیا ہے، مثلاً اس کے یہاں کھانا کھاتی رہی تو یہ واپس نہیں لے سکتا۔ (تنویر)

لڑکی کو جو کچھ جہیز میں دیا ہے، وہ واپس نہیں لے سکتا اور ورثہ کو بھی اختیار نہیں جبکہ مرض الموت میں نہ دیا ہو۔ یونہی جو کچھ سامان نابالغہ لڑکی کے لیے خریدا اگرچہ ابھی نہ دیا ہو یا مرض الموت میں دیا، اس کی مالک بھی تنہا لڑکی ہے۔

لڑکی والوں نے نکاح یا رخصت کے وقت شوہر سے کچھ لیا ہو یعنی بغیر لیے نکاح یا رخصت سے انکار کرتے ہوں اور شوہر نے دے کر نکاح یا رخصت کرائی تو شوہر اس چیز کو واپس لے سکتا ہے اور وہ نہ رہی تو اس کی قیمت لے سکتا ہے کہ یہ رشوت ہے۔ رخصت کے وقت جو کپڑے بھیجے اگر بطور تملیک ہیں، جیسے ہندوستان میں عموماً رواج ہے کہ ڈال بری میں جوڑے بھیجے جاتے ہیں اور عرف یہی ہے کہ لڑکی کو مالک کر دیتے ہیں تو انھیں واپس نہیں لے سکتا اور تملیک نہ ہو تو لے سکتا ہے۔

لڑکی کو جہیز دیا پھر یہ کہتا ہے کہ میں نے بطور عاریت دیا ہے اور لڑکی یا اُس کے مرنے کے بعد شوہر کہتا ہے کہ بطور تملیک دیا ہے تو اگر وہ چیز ایسی ہے کہ عموماً لوگ اسے جہیز میں دیا کرتے ہیں تو لڑکی یا اس کے شوہر کا قول مانا جائے اور اگر عموماً یہ بات نہ ہو بلکہ عاریت و تملیک دونوں طرح دی جاتی ہو تو اس کے باپ یا ورثہ کا قول معتبر ہے۔ (درمختار، کتاب النکاح)

مہر میں بیوی کے ورثاء کے قول کا اعتبار

اگر میاں بیوی دونوں کے انتقال کے بعد مہر کی مقدار کے بارے میں دونوں کے ورثاء کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں شوہر کے ورثاء کا قول معتبر ہوگا اور اس صورت حال میں تھوڑی مقدار کا استثنٰی نہیں کیا جائے گا' یعنی اگر شوہر کے ورثاء بہت تھوڑی مقدار کے دعویدار ہوں تو بھی اس مسئلے کا استثنٰی نہیں ہوگا۔

امام محمد کے نزدیک یہاں بھی وہی جواب دیا جائے گا جو ان کی زندگی میں دیا جاتا تھا۔ ایک ذیلی صورت یہ ہے: اگر میاں بیوی کے ورثاء کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف ہو جاتا ہے کہ مہر طے بھی کیا گیا تھا یا نہیں کیا گیا تھا؟ تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت حال میں اس کا قول معتبر ہوگا جو انکار کر رہا ہو' یعنی اگر شوہر کے ورثاء یہ کہیں: مہر طے نہیں کیا گیا تھا' تو ان کا قول معتبر ہوگا اور اگر بیوی کے ورثاء یہ کہیں: مہر کا تعین نہیں کیا گیا تھا' تو ان کا قول معتبر ہوگا حاصل کلام یہ ہے: امام ابوحنیفہ کے نزدیک میاں بیوی دونوں کے انتقال کر جانے کے بعد مہر مثل کو حکم (ثالث) نہیں بنایا جا سکتا اس کی وضاحت ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

میاں بیوی کے انتقال کے بعد عورت کے ورثاء مہر وصول کریں گے

قَالَ ﴿وَاِذَا مَاتَ الزَّوْجَانِ وَقَدْ سَمّٰى لَهَا مَهْرًا فَلِوَرَثَتِهَا اَنْ يَّاْخُذُوْا ذٰلِكَ مِنْ مِيْرَاثِ الزَّوْجِ، وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ سَمّٰى لَهٗ مَهْرًا فَلَا شَيْءَ لِوَرَثَتِهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ. وَقَالَا: لِوَرَثَتِهَا الْمَهْرُ فِي الْوَجْهَيْنِ﴾ مَعْنَاهُ الْمُسَمّٰى فِي الْوَجْهِ الْاَوَّلِ وَمَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْوَجْهِ الثَّانِيْ، اَمَّا الْاَوَّلُ؛ فَلِاَنَّ الْمُسَمّٰى دَيْنٌ فِيْ ذِمَّتِهٖ وَقَدْ تَاَكَّدَ

بِالْمَوْتِ فَيَقْضِي مِنْ تَرِكَتِهِ ، اِلَّا اِذَا عُلِمَ اَنَّهَا مَاتَتْ اَوَّلًا فَيَسْقُطُ نَصِيبُهُ مِنْ ذٰلِكَ

.وَاَمَّا الثَّانِيْ فَوَجْهُ قَوْلِهِمَا اَنَّ مَهْرَ الْمِثْلِ صَارَ دَيْنًا فِيْ ذِمَّتِهِ كَالْمُسَمّٰى فَلَا يَسْقُطُ

بِالْمَوْتِ كَمَا اِذَا مَاتَ اَحَدُهُمَا .وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ مَوْتَهُمَا يَدُلُّ عَلٰى انْقِرَاضِ

اَقْرَانِهِمَا فَبِمَهْرِ مَنْ يُقَدِّرُ الْقَاضِيْ مَهْرَ الْمِثْلِ

ترجمہ

جب میاں بیوی فوت ہو جاتے ہیں اور شوہر عورت کا مہر مقرر کر چکا تھا' تو عورت کے ورثاء کو یہ حق حاصل ہے کہ شوہر کی وراثت میں سے اسے وصول کرلیں اور اگر اس نے عورت کا مہر مقرر نہیں کیا تھا' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے ورثاء کو کچھ نہیں ملے گا۔ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ یہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں عورت کے ورثاء کو مہر ملے گا۔ اس سے مراد یہ ہے: پہلی صورت میں طے شدہ ملے گا' اور دوسری صورت میں مہر مثل ملے گا۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے' تو اس کی وجہ یہ ہے: طے شدہ مقدار مرد کے ذمے قرض ہے اور موت کی وجہ سے وہ مزید پختہ ہو جائے گا' لہٰذا اس کے ترکے میں سے اسے ادا کیا جائے گا' البتہ اگر یہ پتہ چل جائے کہ عورت کا انتقال پہلے ہو گیا تھا' تو اس مہر میں سے اس مرد کا (وراثت میں حصہ) ساقط ہو جائے گا۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے' تو صاحبین کے قول کی وجہ یہی ہے' مہر مثل بھی مرد کے ذمے قرض ہے جیسے طے شدہ مہر قرض ہوتا ہے اس لیے وہ موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا جیسا کہ اگر ان دونوں میں سے ایک فوت ہو جاتا (تو بھی یہی حکم تھا)۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: ان دونوں کا مرجانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان دونوں کا تعلق ختم ہو گیا ہے' تو قاضی کس کے مہر کے ساتھ مہر مثل کا فیصلہ کرے گا۔

شرح

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مہر معجل اور مہر مؤجل دونوں جائز ہیں، یعنی فوری طور پر ادا کرنا اور بعد میں ادا کرنا دونوں طرح ہی جائز ہے، یا پھر کچھ معجل ہو اور کچھ مؤجل تو بھی جائز ہے۔ اور اگر مہر کو کسی مقرر کردہ وقت تک مؤجل کیا جائے تو یہ اس مقرر کردہ وقت پر ادا کیا جائیگا۔

اور اگر مہر مؤجل ہو اور اس کا وقت ذکر نہ کیا گیا ہو تو اس کے بارہ میں قاضی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مہر صحیح ہے، اور اس کی جگہ تفریق ہے؛ امام احمد کہتے ہیں: جب کسی شخص نے مہر معجل اور مؤجل دونوں پر شادی کی تو اس مہر کا وقت موت یا علیحدگی کی صورت میں ہوگا۔ (مغنی ابن قدامہ (10 / . (115)

دوم: اگر خاوند اور بیوی میں سے کوئی ایک رخصتی اور دخول سے قبل فوت ہو جائے تو عورت پورے مہر کی مستحق ٹھہرے گی۔ اس

کے متعلق المغنی المحتاج میں صحابہ کرام کا اجماع ذکر ہوا ہے۔(المغنی المحتاج(4 / .(374 اور الانصاف میں ہے کہ " بغیر کسی اختلاف کے۔(الانصاف(21 / .(227)

سوم :اگر خاوند فوت ہو جائے اور بیوی نے مہر نہ لیا ہو تو یہ مہر خاوند کے ذمہ قرض شمار ہوگا، اس کا ترکہ ورثاء میں تقسیم ہونے سے قبل بیوی اپنا مہر لے گی .

شوہر کے ترکہ سے مہر وصول کرنے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر ایک شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے اور نکاح کے وقت مہر کا تعین کر دیتا ہے' لیکن اپنی زندگی میں اسے ادا نہیں کر پاتا اور پھر میاں بیوی دونوں کا انتقال ہو جاتا ہے' تو اس بارے میں احناف کے نزدیک یہ مسئلہ متفقہ ہے' عورت کے ورثاء شوہر کے ترکے میں سے اس مہر کو وصول کرنے کے حقدار ہوں گے۔ اسی مسئلے کی دوسری صورت یہ ہے: شوہر نے مہر متعین نہیں کیا تھا اور بعد میں مہر کے طور پر اسے کوئی ادائیگی بھی نہیں کی اور پھر میاں بیوی دونوں کا انتقال ہو گیا' تو اس صورت میں بھی امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک عورت کے ورثاء شوہر کے ترکے میں سے عورت کا مہر مثل وصول کریں گے لیکن، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں عورت کے ورثاء مہر کے نام پر کچھ بھی وصول نہیں کر سکتے۔ صاحبین ; کی دلیل یہ ہے: طے شدہ مہر شوہر کے ذمے قرض کے طور پر ہوتا ہے' کیونکہ اس نے اپنی زندگی میں بیوی کو صحبت کرنے سے پہلے طلاق بھی نہیں دی کہ اس میں کوئی کمی آ جاتی تو شوہر کے انتقال کے نتیجے میں یہ مکمل طور پر مؤکد ہو گیا اور جس طرح دیگر قرض اس کے ترکے میں سے ادا کیے جاتے ہیں اس طرح اس مہر کو بھی ادا کیا جائے گا۔

لیکن اگر یہ پتہ چل جائے کہ بیوی کا انتقال شوہر سے پہلے ہوا تھا' تو اس صورت حال میں شوہر کے طے شدہ حصے کے مطابق اس مہر کی ادائیگی ساقط ہو جائے گی۔ لیکن اگر مہر متعین نہیں کیا گیا تھا' تو اس صورت میں عورت کے ورثاء کو مہر مثل وصول کرنے کا اختیار ہوگا' کیونکہ جس طرح طے شدہ مہر شوہر کے ذمے قرض ہوتا ہے اس طرح مہر مثل بھی اس کے ذمے قرض ہوتا ہے' جو میاں بیوی میں سے کسی ایک کے مرنے کے نتیجے میں باطل نہیں ہوتا' تو پھر دونوں کے مرنے کے نتیجے میں کیسے باطل ہو سکتا ہے۔ اگر میاں بیوی نے نکاح کے وقت مہر کا تعین نہیں کیا تھا اور پھر دونوں کا انتقال ہو گیا' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں مہر مثل کی ادائیگی بھی لازم نہیں ہوگی وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں: میاں بیوی دونوں کا زمانہ چونکہ گزر چکا ہے اس لیے مہر مثل کا اندازہ لگانا قاضی کے لئے دشوار ہوگا لہٰذا عورت کے ورثاء کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

اگر کسی چیز کے مہر یا تحفہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہو جائے

﴿وَمَنْ بَعَثَ اِلَى امْرَاَتِهٖ شَيْئًا فَقَالَتْ هُوَ هَدِيَّةٌ وَّقَالَ الزَّوْجُ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ﴾ لِاَنَّهٗ هُوَ الْمُمَلِّكُ فَكَانَ اَعْرَفَ بِجِهَةِ التَّمْلِيْكِ ، كَيْفَ وَاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّهٗ

یَسْعٰی فِیْ اِسْقَاطِ الْوَاجِبِ .

ترجمہ

جو شخص اپنی بیوی کی طرف کوئی چیز بھیجے اور عورت کہے: وہ ہدیہ تھا' اور مرد یہ کہے: وہ مہر تھا' تو اس بارے میں مرد کا قول معتبر ہوگا' کیونکہ ملکیت میں دینے والی شخصیت مرد کی ہے' اس لئے وہ زیادہ جانتا ہے کہ وہ کس حوالے سے مالک بنا رہا ہے' پھر یہ بات بھی قابل غور ہے: بظاہر یہی ہونا چاہئے کہ وہ اپنے ذمے ادائیگی کو ادا کرنے کی کوشش کرے۔

ہدیہ کو مہر اعتبار کرنے کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ شوہر نے کوئی چیز عورت کے یہاں بھیجی اگر یہ کہہ دیا کہ ہدیہ ہے تو اب نہیں کہہ سکتا کہ وہ مہر میں تھی اور اگر کچھ نہ کہا تھا اور اب کہتا ہے کہ مہر میں بھیجی اور عورت کہتی ہے کہ ہدیہ ہے اور وہ چیز کھانے کی قسم سے ہے، مثلاً روٹی، گوشت، حلوا، مٹھائی وغیرہ تو عورت سے قسم لے کر اس کا قول مانا جائے اور اگر کھانے کی قسم سے نہیں یعنی باقی رہنے والی چیز ہو، مثلاً کپڑے، بکری، گھی، شہد وغیرہا تو شوہر کو حلف دیا جائے، قسم کھالے تو اس کی بات مانیں اور عورت کو اختیار ہوگا کہ اگر وہ چیز از قسم مہر نہیں اور باقی ہے تو واپس دے اور اپنا مہر وصول کرے۔ (درمختار، کتاب النکاح)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔

شوہر نے عورت کے یہاں کوئی چیز بھیجی اور عورت کے باپ نے شوہر کے یہاں کچھ بھیجا، شوہر کہتا ہے وہ چیز میں نے مہر میں بھیجی تھی تو قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیا جائے گا اور عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ شے واپس کرے یا مہر میں محسوب) کرے اور عورت کے باپ نے جو بھیجا تھا، اگر وہ شے ہلاک ہوگئی تو کچھ واپس نہیں لے سکتا اور موجود ہے تو واپس لے سکتا ہے۔ جس لڑکی سے منگنی ہوئی اس کے پاس لڑکے کے یہاں سے شکر اور میوے وغیرہ آئے، پھر کسی وجہ سے نکاح نہ ہوا تو اگر وہ چیزیں تقسیم ہوگئیں اور بھیجنے والے نے تقسیم کی اجازت بھی دے دی تھی تو واپس نہیں لے سکتا، ورنہ واپس لے سکتا ہے۔

اور تقسیم کی اجازت صراحۃً ہو یا عرفاً، مثلاً ہندوستان میں اس موقع پر ایسی چیزیں اسی لیے بھیجتے ہیں کہ لڑکی والا اپنے کنبہ اور رشتہ داروں میں بانٹے گا یہ چیزیں اس لیے نہیں ہوتیں کہ رکھ لے گا یا خود کھا جائے گا۔ اور اگر شوہر نے عورت کے یہاں عیدی بھیجی، پھر یہ کہتا ہے کہ وہ روپے مہر میں بھیجے تھے، اس کا قول نہیں مانا جائے گا۔ (فتاویٰ عالم گیری، کتاب النکاح)

اناج کے بارے میں مہر یا تحفہ ہونے کا اختلاف

قَالَ ﴿اِلَّا فِی الطَّعَامِ الَّذِیْ یُؤْکَلُ فَاِنَّ الْقَوْلَ قَوْلُهَا﴾ وَالْمُرَادُ مِنْهُ مَا یَکُوْنُ مُهَیَّاً لِلْاَکْلِ ؛ لِاَنَّـهُ یَتَعَارَفُ هَدِیَّةً ، فَاَمَّا فِی الْحِنْطَةِ وَالشَّعِیْرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُـهُ لِمَا بَیَّنَّا ، وَقِیْلَ مَا یَجِبُ عَلَیْهِ مِنَ الْخِمَارِ وَالدِّرْعِ وَغَیْرِهِمَا لَیْسَ لَـهُ اَنْ یَحْتَسِبَهُ مِنَ الْمَهْرِ ؛ لِاَنَّ الظَّاهِرَ یُکَذِّبُهُ

، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ .

ترجمہ

فرمایا: البتہ اناج کا حکم مختلف ہے یعنی وہ اناج جسے کھایا جاتا ہے' اس بارے میں عورت کا قول معتبر ہوگا اس سے مراد وہ چیز ہے' جو کھانے کے لئے تیار ہو' کیونکہ اس طرح کی چیزیں عام طور پر تحفے کے طور پر بھیجی جاتی ہیں۔ جہاں تک گندم اور جو کا تعلق ہے اس بارے میں مرد کا قول معتبر ہوگا' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ایک قول کے مطابق جن اشیاء کی ادائیگی مرد کے ذمے لازم ہوتی ہے جیسے دوپٹہ' قمیض اور دوسرے کپڑے' انہیں مہر شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ظاہر اس کی تکذیب کر رہا ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

شرح

یہاں مصنف نے ایک استثنائی صورت حال کا ذکر کیا ہے' مرد نے جو چیز دی تھی اگر تو وہ کوئی کھانے پینے کی چیز تھی تو اس بارے میں عورت کا قول معتبر ہوگا اس کی وجہ یہ ہے: کھانے پینے کی چیز عام طور پر مہر میں ادا نہیں کی جاتی ہے اور تحفے کے طور پر ہی دی جاتی ہے' لیکن اگر وہ کوئی ایسی چیز تھی' جو اناج کے طور پر فروخت کی جا سکتی ہے جیسے گندم یا جو تو اس بارے میں مرد کا قول معتبر ہوگا۔ اسی مسئلے کی ذیلی شق کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے: عام طور پر جن چیزوں کی ادائیگی شوہر کے ذمے تحفے کے طور پر لازم ہوتی ہے جیسے چادر' قمیض' لباس وغیرہ ان کی ادائیگی کو مہر شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہاں ظاہری صورت حال شوہر کے موقف کی تکذیب کرے گی' باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مہر میں ولی کو بھی دینے کا فقہی حکم

علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ اور جب شادی اس شرط پر ہو کہ ایک ہزار لڑکی کو اور ایک ہزار اس کے والدہ کو دے گا، یہ جائز ہے، اگر اس نے دخول سے قبل ہی طلاق دے دی۔۔

مجمل طور پر اس معاملہ میں عورت کے والد کے لیے جائز ہے کہ وہ بیٹی کے مہر میں سے اپنے لیے بھی کچھ مخصوص کرنے کی شرط رکھے۔

اسحاق رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی کہنا ہے۔ اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی بیٹی کی شادی کی تو اپنے لیے دس ہزار کی شرط رکھی تھی، اور ان دس ہزار کو مساکین اور حج میں تقسیم کر دیا اور پھر خاوند کو کہنے لگے اپنی بیوی کو تیار کرو۔ علی بن حسین رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایسی روایت ملتی ہے۔

اور عطاء، طاؤس، عکرمہ، عمر بن عبدالعزیز، ثوری، ابوعبید رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ مکمل مہر عورت کا ہی ہوگا، اس لیے مہر تو صرف عورت کے لیے ہی واجب ہے کیونکہ یہ اس کے اپنے آپ کو سپرد کرنے کے بدلہ میں ہے۔

لیکن ہماری دلیل شعیب علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالی کا فرمان ہے :(میں تیریساتھ ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح اس شرط پر کرنا چاہتا ہوں کہ میری آٹھ برس تک خدمت کرو) ،تو انہوں نے مہر ملازمت مقرر کی کہ بکریاں چرائی ہیں اور یہ شرط اپنے لیے لگائی۔ اور پھر والد کے لیے جائز ہے کہ وہ اولاد کا مال لے لے،اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :(تو اور تیرا مال تیرے والد کا ہے)۔

اور ایک حدیث میں یہ فرمایا :(بلاشبہ تمہاری اولاد تمہاری سب سے بہتر کمائی ہے لھذا تم ان کے مال سے کھاؤ) ابوداود، سنن ترمذی، امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

تو اس طرح اگر والد مہر میں سے کچھ خود لینے کی شرط لگاتا ہے تو وہ بیٹی کے مال سے لینا ہوگا جو کہ اس کے لیے جائز ہے، کیونکہ والد جو چاہے لے اور جو چاہے نہ لے، جب والد بغیر کسی شرط کے مالک بن سکتا ہے تو اسی طرح شرط سے بھی لے سکتا ہے۔اس میں شرط یہ ہے کہ والد اپنی بیٹی کا مال ضائع کرنے اور چھیننے والا نہ ہو اگر ایسا کرنے والا ہو تو پھر شرط صحیح نہیں ہوگی ،اور مکمل مہر بیٹی کو ملے گا

اور ایک جگہ پر کہتے ہیں۔ اگر والد کے علاوہ اولیاء میں سے کوئی اور شرط لگائے مثلا دادا، نانا، بھائی، چچا تو پھر شرط باطل ہوگی، امام احمد نے یہی کہا ہے اور مکمل مہر بیٹی کو ہی ملے گا۔(المغنی لابن قدامہ المقدسی (جلد نمبر 7 مسئلہ نمبر 5580)

فصل

﴿یہ فصل کفار کے نکاح کے بیان میں ہے﴾

نکاح کفار والی فصل کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف نے اس سے پہلے احکام نکاح سے مسلمانوں سے متعلق ہیں ان کو بیان کیا ہے کیونکہ احکام شرع کے اصول وہی یعنی مسلمانوں سے متعلق ہیں۔ اور اصول شرعیہ ہمیشہ فروع شرعیہ سے مقدم ہیں لہذا اسی تقدم کے پیش نظر مصنف نے اہل اسلام کے نکاحوں سے متعلق احکام ذکر کیے ہیں۔ اور اس کے بعد نکاح کے احکام جو کفار سے متعلق ہیں ان کو بیان کریں گے۔ نکاح چونکہ معاملہ ہے اور معاملات میں کفار تابع ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۵۰، بیروت)

غیر مسلموں کے نکاح کا حکم

امام علی بن حسام متقی ہندی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت زہری نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے زمانہ میں کچھ عورتیں اسلام لائیں اور ان کے شوہر کافر تھے پھر جب شوہر بھی مسلمان ہو گئے، تو اسی پہلے نکاح کے ساتھ یہ عورتیں ان کو واپس کی گئیں۔ یعنی جدید نکاح نہ کیا گیا۔ (کنز عمال، رقم الحدیث، ۴۵۸۴۲)

عیسائی شخص کا مردار کو مہر مقرر کرنا

(وَاِذَا تَزَوَّجَ النَّصْرَانِيُّ نَصْرَانِيَّةً عَلٰى مَيْتَةٍ اَوْ عَلٰى غَيْرِ مَهْرٍ وَذٰلِكَ فِي دِينِهِمْ جَائِزٌ فَدَخَلَ بِهَا اَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا فَلَيْسَ لَهَا مَهْرٌ ، وَكَذٰلِكَ الْحَرْبِيَّانِ فِي دَارِ الْحَرْبِ) وَهٰذَا عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ قَوْلُهُمَا فِي الْحَرْبِيَّيْنِ .

ترجمہ

جب کوئی عیسائی مرد کسی عیسائی عورت کے ساتھ کسی مردار کے (مہر ہونے) کی شرط پر یا مہر کے بغیر شادی کر لے اور ایسا کرنا ان کے دین میں جائز ہو اور پھر وہ اس کے ساتھ صحبت کر لے یا صحبت کرنے سے پہلے اس کو طلاق دیدے یا اسے چھوڑ کر مر جائے تو عورت کو کوئی مہر نہیں ملے گا۔ دار حرب میں حربی میاں بیوی کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور حربیوں کے بارے میں صاحبین: کی بھی یہی رائے ہے۔

کفار کے باہمی نکاحوں کا بیان

جس قسم کا نکاح مسلمانوں میں جائز ہے اگر اُس طرح کافر نکاح کریں تو ان کا نکاح بھی صحیح ہے مگر بعض اس قسم کے نکاح ہیں

جو مسلمان کے لیے ناجائز اور کافر کرلے تو ہو جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ نکاح کی کوئی شرط مفقود ہو، مثلاً بغیر گواہ نکاح ہوا یا عورت کافر کی عدت میں تھی، اس سے نکاح کیا مگر شرط یہ ہے کہ کفار ایسے نکاح کے جائز ہونے کے معتقد ہوں۔ پھر ایسے نکاح کے بعد اگر دونوں مسلمان ہو گئے تو اسی نکاح سابق پر باقی رکھے جائیں۔ جدید نکاح کی حاجت نہیں۔ یونہی اگر قاضی کے پاس مقدمہ دائر کیا تو قاضی تفریق نہ کریگا۔ (درمختار، کتاب النکاح)

کافر نے محارم سے نکاح کیا، اگر ایسا نکاح ان لوگوں میں جائز ہو تو نکاح کے لوازم نفقہ وغیرہ ثابت ہو جائیں گے مگر ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا اور اگر دونوں اسلام لائے یا ایک تو تفریق کر دی جائے گی۔ یونہی اگر قاضی یا کسی مسلمان کے پاس دونوں نے اس کا مقدمہ پیش کیا تو تفریق کردے گا اور ایک نے کیا تو نہیں۔ دو بہنوں کے ساتھ ایک عقد میں نکاح کیا، پھر ایک کو جدا کر دیا پھر مسلمان ہوا تو جو باقی ہے اس کا نکاح صحیح ہے، اسی نکاح پر برقرار رکھے جائیں اور جدا نہ کیا ہو تو دونوں باطل اور اگر دو عقد کے ساتھ نکاح ہوا تو پہلی کا صحیح ہے، دوسری کا باطل۔ (عالمگیری، کتاب النکاح)

دارالاسلام نہ ہونے والی جگہ دارالحرب کے حکم میں ہوگی

جگہ ایسی ہو کہ نہ دارالاسلام ہو، نہ دارالحرب وہ دارالحرب کے حکم میں ہے۔ اور اگر وہ جگہ دارالاسلام ہو مگر کافر کا تسلط ہو جیسے آج کل ہندوستان تو اس معاملہ میں یہ بھی دارالحرب کے حکم میں ہے، یعنی تین حیض یا تین مہینے گزرنے پر نکاح سے باہر ہوگی۔

ایک دارالاسلام میں آ کر رہنے لگا، دوسرا دارالحرب میں رہا جب بھی عورت نکاح سے باہر ہو جائے گی، مثلاً مسلمان ہو کر یا ذمی بن کر دارالاسلام میں آیا یا یہاں آ کر مسلمان یا ذمی ہوا یا قید کر کے دارالحرب سے دارالاسلام میں لایا گیا تو نکاح سے باہر ہوگی اور اگر دونوں ایک ساتھ قید کر کے لائے گئے یا دونوں ایک ساتھ مسلمان یا ذمی بن کر وہاں سے آئے یا یہاں آ کر مسلمان ہوئے یا ذمہ قبول کیا تو نکاح سے باہر نہ ہوئی یا حربی امن لے کر دارالاسلام میں آیا یا مسلمان یا ذمی دارالحرب کو امان لے کر گیا تو عورت نکاح سے باہر نہ ہوگی۔ (درمختار، کتاب النکاح)

ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے نکاح کے فقہی احکام

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَ اٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَ لْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔(ممتحنہ، ۱۰)

اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں کفرستان سے اپنے گھر چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کرلو اللہ ان کے

ایمان کا حال بہتر جانتا ہے پھر اگر وہ تمہیں ایمان والیاں معلوم ہوں تو انہیں کافروں کو واپس نہ دو نہ یہ انہیں حلال نہ وہ انہیں حلال اور ان کے کافر شوہروں کو دے دو جو ان کا خرچ ہوا اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان سے نکاح کرلو۔ جب ان کے مہر انہیں دو۔ اور کافرنیوں کے نکاح پر جمے نہ رہو۔ اور مانگ لو جو تمہارا خرچ ہوا۔ اور کافر مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا حکم ہے وہ تم میں فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جو مہر انہوں نے ان عورتوں کو دیئے تھے وہ انہیں واپس کردو یہ حکم اہلِ ذمہ کیلئے ہے جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن حربی عورتوں کے مہر واپس کرنا نہ واجب، نہ سنت وَاِنْ کَانَ الْاَمْرُ بِاِیْتَآءِ مَآ اَنْفَقُوْا لِلْوُجُوْبِ فَهُمْ مَنْسُوْخ وَاِنْ کَانَ لِنُدْبِ کَمَا هُوَ قَوْلُ الشَّافِعِی فَلَا۔

اور یہ مہر دینا اس صورت میں ہے جب کہ عورت کا کافر شوہر اس کو طلب کرے اور اگر نہ طلب کرے تو اس کو کچھ نہ دیا جائے گا ۔اسی طرح اگر کافر نے اس مہاجرہ کو مہر نہیں دیا تھا تو بھی وہ کچھ نہ پائے گا۔

مہاجرہ عورتوں سے، اگرچہ دارالحرب میں ان کے شوہر ہوں کیونکہ اسلام لانے سے وہ ان شوہروں پر حرام ہو گئیں۔ اور ان کی زوجیت میں نہ رہیں۔

وَاحْتَجَّ بِهٖ اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَلٰی اَنْ لَّاعِدَّةَ عَلَی الْمُهَاجِرَةِ فَیَجُوْزُلَهَا التَّزَوُّجُ مِنْ غَیْرِ عِدَّةٍ خِلَافًا لَّهُمَا ۔

مہر دینے سے مراد اس کو اپنے ذمہ لازم کرلینا ہے اگرچہ بالفعل نہ دیا جائے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ ان عورتوں سے نکاح کرنے پر نیا مہر واجب ہوگا ان کے شوہروں کو جو ادا کردیا گیا وہ اس میں مجرا محسوب نہ ہوگا۔ یعنی جو عورتیں دارالحرب میں رہ گئیں یا مرتدہ ہو کر دارالحرب میں چلی گئیں ان سے زوجیت کا علاقہ نہ رکھو چنانچہ یہ آیت نازل ہونے کے بعد اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کافرہ عورتوں کو طلاق دے دی جو مکہ مکرمہ میں تھیں۔

اگر مسلمان کی عورت (معاذ اللہ) مرتد ہو جائے تو اس کے قیدِ نکاح سے باہر نہ ہوگی ۔ عَلَیْهِ الْفَتْوٰی زَجْرًا وَّتَیْسُرًا

یعنی ان عورتوں کو تم نے جو مہر دیئے تھے وہ ان کافروں سے وصول کرلو جنہوں نے ان سے نکاح کیا۔ اپنی عورتوں پر جو ہجرت کرکے دارالاسلام میں چلی آئیں ان کے مسلمان شوہروں سے جنہوں نے ان سے نکاح کیا۔ (خزائن العرفان)

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابومیط رضی اللہ تعالٰی عنہا مسلمان ہو کر ہجرت کرکے مدینہ چلی آئیں، ان کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید ان کے واپس لینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا سنا پس یہ آیت امتحان نازل ہوئی اور مومنہ عورتوں کو واپس لوٹانے سے ممانعت کردی گئی، حضرت ابن عباس سے سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے؟

فرمایا اس طرح کہ اللہ کی قسم کھا کر سچ سچ کہے کہ وہ اپنے خاوند کی ناچاقی کی وجہ سے نہیں چلی آئی صرف آب وہوا اور زمین کی تبدیلی کرنے کے لئے بطور سیر وسیاحت نہیں آئی کسی دنیا طلبی کے لئے نہیں آئی بلکہ صرف اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اسلام کی خاطر ترک وطن کیا ہے اور کوئی غرض نہیں، قسم دے کر ان سوالات کا کرنا اور خوب آزما لینا یہ کام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھا اور روایت میں ہے کہ امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معبود برحق اور لاشریک ہونے کی گواہی دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول ہونے کی شہادت دیں، اگر آزمائش میں کسی غرض دنیوی کا پتہ چل جاتا تو انہیں واپس لوٹا دینے کا حکم تھا۔ مثلاً یہ معلوم ہو جائے کہ میاں بیوی کی ان بن کی وجہ سے یا کسی اور شخص کی محبت میں چلی آئی ہے وغیرہ،

اس آیت کے اس جملہ سے کہ اگر تمہیں معلم ہو جائے کہ یہ باایمان عورت ہے تو پھر اسے کافروں کی طرف مت لوٹاؤ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان پر بھی یقینی طور پر مطلع ہو جانا ممکن امر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں کافروں پر اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں، اس آیت نے اس رشتہ کو حرام کر دیا ورنہ اس سے پہلے مومنہ عورتوں کا نکاح کافر مردوں سے جائز تھا، جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابو العاص بن ربیع سے ہوا تھا حالانکہ یہ اس وقت کافر تھے اور بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمہ تھیں،

بدر کی لڑائی میں یہ بھی کافروں کے ساتھ تھے اور جو کافر زندہ پکڑے گئے تھے ان میں یہ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے حضرت زینب نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار ان کے فدیئے میں بھیجا تھا کہ یہ آزاد ہو کر آئیں جسے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی رقت طاری ہوئی اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر میری بیٹی کے قیدی کو چھوڑ دینا تم پسند کرتے ہو تو اسے رہا کر دو مسلمانوں نے بہ خوشی بغیر فدیہ کے انہیں چھوڑ دینا منظور کیا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور فرما دیا کہ آپ کی صاحبزادی کو آپ کے پاس مدینہ میں بھیج دیں انہوں نے اسے منظور کر لیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھیج بھی دیا، یہ واقعہ سنہ 2 ہجری کا ہے، حضرت زینب نے مدینہ میں ہی اقامت فرمائی اور یونہی بیٹھی رہیں یہاں تک کہ سنہ 8 ہجری میں ان کے خاوند حضرت ابو العاص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے تو حضور نے پھر اسی اگلے نکاح بغیر نئے مہر کے اپنی صاحبزادی کو ان کے پاس رخصت کر دیا اور روایت میں ہے کہ دو سال کے بعد حضرت ابو العاص مسلمان ہو گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پہلے نکاح پر حضرت زینب کو لوٹا دیا تھا یہی صحیح ہے اس لئے کہ مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں پر حرام ہونے کے دو سال بعد یہ مسلمان ہو گئے تھے،

قبول اسلام کے بعد نئے نکاح ومہر کا بیان

ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے اسلام کے بعد نئے سرے سے نکاح ہوا اور نیا مہر بندھا، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یزید نے فرمایا ہے پہلی روایت کے راوی حضرت ابن عباس ہیں اور وہ روایت از روئے اسناد کے بہت اعلیٰ اور دوسری

روایت کے راوی حضرت عمرو بن شعیب ہیں اور عمل اسی پر ہے،

لیکن یہ یاد رہے کہ عمرو بن شعیب والی روایت کے ایک راوی حجاج بن ارطاۃ کو حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ضعیف بتاتے ہیں، حضرت ابن عباس والی حدیث کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ یہ شخصی واقعہ ہے ممکن ہے ان کی عدت ختم ہی نہ ہوئی ہو، اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں جب عورت نے عدت کے دن پورے کر لئے اور اب تک اس کا کافر خاوند مسلمان نہیں ہوا تو وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے، ہاں بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ عدت پوری کر لینے کے بعد عورت کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے اس نکاح کو باقی رکھے گا رچاہے فسخ کر کے دوسرا نکاح کر لے اور اسی پر ابن عباس والی روایت کو محمول کرتے ہیں۔

پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے کافر خاوندوں کو ان کے خرچ اخراجات جو ہوئے ہیں وہ ادا کر دو جیسے کہ مہر۔ پھر فرمان ہے کہ اب انہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی حرج نہیں، عدت کا گذر جانا ولی کا مقرر کرنا وغیرہ جو امور نکاح میں ضروری ہیں ان شرائط کو پورا کر کے ان مہاجرہ عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم پر بھی اے مسلمانوان عورتوں کا اپنے نکاح میں باقی رکھنا حرام ہے جو کافرہ ہیں، اسی طرح کافر عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے اس کے حکم نازل ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو کافر بیویوں کو فوراً طلاق دے دی جن میں سے ایک نے تو معاویہ بن سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں سے صلح کی اور ابھی تو آپ حدیبیہ کے نیچے کے حصے میں ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جو عورت مہاجرہ آئے اس کا باایمان ہونا اور خلوص نیت سے ہجرت کرنا بھی معلوم ہو جائے تو اس کے کافر خاوندوں کو ان کے دیئے ہوئے مہر واپس کر دو اسی طرح کافروں کو بھی یہ حکم سنا دیا گیا، اس حکم کی وجہ وہ عہد نامہ تھا جو ابھی مرتب ہوا تھا۔

حضرت الفاروق نے اپنی جن دو کافرہ بیویوں کو طلاق دی ان میں سے پہلی کا نام قریبہ تھا یہ ابوامیہ بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن حرول خزاعی کی لڑکی تھی حضرت عبید اللہ کی والدہ یہی تھی، اس سے ابو جہم بن حذیفہ بن غانم خزاعی نے نکاح کر لیا یہ بھی مشرک تھا، اسی طرح اس حکم کے ماتحت حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اپنی کافرہ بیوی اروی بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کو طلاق دے دی اس سے خالد بن سعید بن عاص نے نکاح کر لیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تمہاری بیویوں پر جو تم نے خرچ کیا ہے اسے کافروں سے لے لو جبکہ وہ ان میں چلی جائیں اور کافروں کی عورتیں جو مسلمان ہو کر تم میں آ جائیں انہیں تم ان کا کیا ہوا خرچ دے دو۔ صلح کے بارے میں اور عورتوں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ بیان ہو چکا جو اس نے اپنی مخلوق میں کر دیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام تر مصلحتوں سے باخبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے کہ علی الاطلاق حکیم وہی ہے۔

اس کے بعد کی آیت وان فاتکم الخ کا مطلب حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن کفار سے تمہارا عہد و پیمان صلح وصفائی نہیں، اگر کوئی عورت کسی مسلمان کے گھر سے جا کر ان میں جا ملے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے خاوند کا کیا ہوا خرچ نہیں دیں گے تو اس کے بدلے تمہیں بھی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر تم میں چلی آئے تو تم بھی ا۔

کے خاوند کو کچھ نہ دو جب تک وہ نہ دیں۔

حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے تو اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئیں ان کے لئے ہوئے مہر ان کے خاوندوں کو واپس کئے لیکن مشرکوں نے اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت اتری اور مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر تم میں سے کوئی عورت ان کے ہاں چلی گئی ہے اور انہوں نے تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہیں کی تو جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آ جائے تو تم اپنا دہ خرچ نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا یہ مطلب مروی ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو مسلمان عورت کافروں میں جا ملے اور کافر اس کے خاوند کو اس کا کیا ہوا خرچ ادا نہ کریں تو مال غنیمت میں سے آپ اس مسلمان کو بقدر اس کے خرچ کے دے دیں، پس فعاقبتم کے معنی یہ ہوئے کہ پھر تمہیں قریش یا کسی اور جماعت کفار سے مال غنیمت ہاتھ لگے تو ان مردوں کو جن کی عورتیں کافروں میں چلی گئی ہیں ان کا کیا ہوا خرچ ادا کر دو، یعنی مہر مثل، ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت اگر نا ممکن ہو تو وہ سہی ورنہ مال غنیمت میں سے اسے اس کا حق دے دیا جائے دونوں باتوں میں اختیار ہے اور حکم میں وسعت ہے حضرت امام ابن جریر اس تطبیق کو پسند فرماتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، ممتحنہ، ۱۰)

ذمیہ عورت کے مہر مثلی کا بیان

وَأَمَّا فِي الذِّمِّيَّةِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا إِنْ مَاتَ عَنْهَا أَوْ دَخَلَ بِهَا وَالْمُتْعَةُ إِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا .وَقَالَ زُفَرُ :لَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْحَرْبِيَّتَيْنِ أَيْضًا .لَهُ أَنَّ الشَّرْعَ مَا شَرَعَ ابْتِغَاءَ النِّكَاحِ إِلَّا بِالْمَالِ ، وَهَذَا الشَّرْعُ وَقَعَ عَامًّا فَيَثْبُتُ الْحُكْمُ عَلَى الْعُمُومِ .وَلَهُمَا أَنَّ أَهْلَ الْحَرْبِ غَيْرُ مُلْتَزِمِينَ أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ ، وَوِلَايَةُ الْإِلْزَامِ مُنْقَطِعَةٌ لِتَبَايُنِ الدَّارِ ، بِخِلَافِ أَهْلِ الذِّمَّةِ لِأَنَّهُمْ الْتَزَمُوا أَحْكَامَنَا فِيمَا يَرْجِعُ إِلَى الْمُعَامَلَاتِ كَالرِّبَا وَالزِّنَا، وَوِلَايَةُ الْإِلْزَامِ مُتَحَقِّقَةٌ لِاتِّحَادِ الدَّارِ .وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ أَهْلَ الذِّمَّةِ لَا يَلْتَزِمُونَ أَحْكَامَنَا فِي الدِّيَانَاتِ وَفِيمَا يَعْتَقِدُونَ خِلَافَهُ فِي الْمُعَامَلَاتِ ، وَوِلَايَةُ الْإِلْزَامِ بِالسَّيْفِ وَبِالْمُحَاجَّةِ وَكُلُّ ذَلِكَ مُنْقَطِعٌ عَنْهُمْ بِاعْتِبَارِ عَقْدِ الذِّمَّةِ ، فَإِنَّا أُمِرْنَا بِأَنْ نَتْرُكَهُمْ وَمَا يَدِينُونَ فَصَارُوا كَأَهْلِ الْحَرْبِ ، بِخِلَافِ الزِّنَا لِأَنَّهُ حَرَامٌ فِي الْأَدْيَانِ كُلِّهَا ، وَالرِّبَا مُسْتَثْنًى عَنْ عُقُودِهِمْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَلَا مَنْ أَرْبَى فَلَيْسَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ عَهْدٌ)(۱) وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ أَوْ عَلَى غَيْرِ مَهْرٍ يَحْتَمِلُ نَفْيَ الْمَهْرِ وَيَحْتَمِلُ السُّكُوتَ .وَقَدْ

قِيلَ :فِي الْمَيْتَةِ وَالسُّكُوتِ رِوَايَتَانِ ، وَالْاَصَحُّ اَنَّ الْكُلَّ عَلَى الْخِلَافِ .

ترجمہ

جہاں تک ذمی عورت کا تعلق ہے تو اس عورت کو مہر مثل ملے گا اگر اس کا شوہر فوت ہو جاتا ہے یا اس کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے اور اسے متاع ملے گا اگر وہ اس عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے اسے طلاق دے دیتا ہے۔ امام زفر فرماتے ہیں: اگر میاں بیوی حربی ہوں تو عورت کو مہر مثل ملے گا۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے: شریعت میں صرف مال کے عوض میں نکاح کو شروع قرار دیا ہے اور یہ شرعی حکم عام ہے لہٰذا یہ حکم اپنے عموم کے اعتبار سے ثابت ہوگا۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے: اہل حرب اسلامی احکام کے پابند نہیں ہیں اور انہیں زبردستی اس کا پابند بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مملکت کے اختلاف کی وجہ سے یہ صورت حال ممکن نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اہل ذمہ کا حکم مختلف ہے کیونکہ وہ ہمارے احکام کے پابند ہیں ان چیزوں میں جن کا تعلق معاملات کے ساتھ ہے جیسے سود اور زناء وغیرہ اور کسی کو پابند کرنے کی صورت اسی وقت سامنے آ سکتی ہے جب ملک ایک ہو۔ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: دینی معاملات میں اہل ذمہ ہمارے احکام کو اختیار کرنے کے پابند نہیں ہیں اسی طرح جن معاملات کے بارے میں ان کا اعتقاد مختلف ہے اس میں بھی وہ ہمارے پابند نہیں ہیں اور کسی بھی شخص کو پابند یا تلوار کے ذریعے کیا جا سکتا ہے یا حجت کے ذریعے کیا جا سکتا ہے اور ان دونوں میں سے کوئی چیز ان کے ساتھ واسطہ نہیں رکھتی کیونکہ ان کے ساتھ ذمہ کا معاہدہ ہے کیونکہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم انہیں ان کے دین پر چھوڑ دیں تو وہ اہل حرب کی طرح ہو گئے۔

البتہ زناء کا حکم مختلف ہے کیونکہ وہ تمام ادیان میں حرام ہے اور سود کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص سود کا لین دین کرے ہمارے اور اس کے درمیان کوئی عہد نہیں ہے''۔ مصنف کا کتاب میں یہ کہنا: یا وہ مہر کے بغیر نکاح کرلے یہ مہر کی نفی کا احتمال رکھتا ہے اور ثبوت کا بھی احتمال رکھتا ہے: ایک قول کے مطابق مردار اور سکوت کے بارے میں دو روایات ہیں اور زیادہ صحیح رائے یہ ہے: ان دونوں کا حکم مختلف ہے۔

شرح

(١) لم يجده مخرجه "نصب الراية" بهذا اللفظ، وانما روى ابن ابي شيبة في "مصنفه" عن الشعبي مرسلا قال: كتب رسول الله [illegible] الى اهل نجران وهم نصارى "ان من بايع منكم بالربا فلا ذمة له" واخرج ابو عبيد في "الاموال" ص ٤٨٨ [illegible] نحوه مطولا، كذا في "نصب الراية" ٣/٢٠٣ و"الدراية" [illegible]

اہل ہجرت میں زوجین کے نکاح کا حکم

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور مومنین کا مشرکین سے معاملہ دو طرح کا تھا۔ بعض مشرکین "اہل حرب" تھے۔ وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ دوسری قسم کے مشرکین "اہل عہد" تھے۔ نہ تو وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور نہ ہی مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ اگر اہل حرب کی کوئی خاتون (مسلمان

ہوکر) ہجرت کرتیں تو انہیں حیض آنے اور پھر پاک ہونے تک نکاح کا پیغام نہ بھیجا جاتا تھا۔ جب وہ پاک ہو جاتیں تو ان کے لئے نکاح کرنا جائز ہو جاتا تھا۔ اگر نکاح کرنے سے پہلے ان کا خاوند بھی (مسلمان ہوکر) ہجرت کر کے آ پہنچتا تو ان کا رشتہ برقرار رکھا جاتا۔ (بخاری، رقم الحدیث، ۵۲۸۶)

اگر اہل حرب کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں آزاد قرار دے دیا جاتا اور ان کا درجہ مہاجرین کے برابر ہوتا۔ اور اگر اہل عہد کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں واپس لوٹایا نہ جاتا لیکن ان کی قیمت ان کے مالکان کو بھیج دی جاتی۔

مذہب ثابت نہ ہونے کی صورت میں تفریق کا حکم

ایک مسلمان نے کسی عیسائی لڑکی سے نکاح کیا جس کے ماں باپ بھی عیسائی ہیں اور پھر وہ اس حال میں بڑی ہوئی کہ وہ کسی مذہب اور دین کو نہیں جانتی یعنی نہ تو وہ دین کو دل سے پہنچانتی ہے اور نہ اس کو زبان سے بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق ہو جائے گی۔ اسی طرح کسی مسلم بچی سے نکاح کیا، اور پھر جب وہ حالت عقل میں بالغ ہوئی تو نہ وہ اسلام کو دل سے جانتی پہنچانتی ہے اور اس کو زبان سے بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی بھی نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس کے شوہر کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔

اگر کسی عورت سے پوچھا گیا کہ "توحید کیا ہے" اس نے جواب میں کہا "میں نہیں جانتی" تو اس جواب سے اس امر کی مراد اگر یہ ہو کہ مجھے وہ توحید (یعنی کلمہ توحید) یاد نہیں ہے جو بچے مکتب میں پڑھا کرتے ہیں، تو اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں۔ لیکن اگر وہ اس جواب سے یہ مراد رکھتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں پہنچانتی تو اس صورت میں وہ مومنہ نہیں رہے گی، اور اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔

اہل ذمہ سے متعلق احکام شرعیہ

ذمیوں کے بارے میں یہ اصول ہے: ایسی صورت حال میں ذمی عورت کو مہر مثل ملے گا۔ اگر اس کا شوہر انتقال کر جاتا ہے یا اس کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے' لیکن اگر صحبت کرنے سے پہلے اسے طلاق دے دیتا ہے' تو اس صورت میں وہ ذمی عورت کو متاع ملے گا۔

امام زفر کا مؤقف یہ ہے: اگر میاں بیوی دونوں حربی ہوں تو اس صورت میں بیوی کو مہر مثل ملے گا۔ امام زفر نے یہ دلیل پیش کی ہے: شریعت نے نکاح کو مال کے عوض میں مشروع کیا ہے' کیونکہ شریعت ہر ایک کے لئے عام ہے' لہٰذا یہ احکام بھی سب کے لئے عام ہوں گے۔ صاحبین یہ دلیل پیش کرتے ہیں: اہل حرب اسلامی احکام کو اختیار کرنے کے پابند نہیں ہیں اور کیونکہ ان کا ملک مختلف ہے اس لیے ان پر ان احکام کو لازم بھی نہیں کیا جا سکتا اس کے برخلاف ایک ذمی پر ان احکام کو بعض دنیوی معاملات میں

لازم کیا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: معاملات کے بارے میں جو احکام ہیں اہل ذمہ اس کے پابند ہوں گے جیسے وہ سود کا لین دین نہیں کر سکتے۔ زنا نہیں کر سکتے اور چونکہ وہ اسلامی سلطنت کی حدود میں رہ رہے ہیں اس لیے ان پر یہ احکام نافذ کرنے کی بھی سہولت حاصل ہے' لہٰذا اہل حرب اور اہل ذمہ کے درمیان یہاں پر فرق پایا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: دینی معاملات میں اہل ذمہ ہمارے احکام کے پابند نہیں ہیں اور معاملات کے بارے میں جن مسائل میں ان کا مذہب اور عقیدہ ہمارے احکام سے مختلف ہے۔ اس میں بھی وہ اس کے پابند نہیں ہیں اور کسی چیز کو لازم کرنے کا تصرف یا تلوار کے ذریعے ہوتا ہے یا بحث و مباحثے کے ذریعے ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے: جب ہم نے انہیں پناہ دے دی تو اب ہم تلوار کے ذریعے کوئی چیز ان پر لازم نہیں کر سکتے اور ہم ان سے حجت بازی بھی نہیں کر سکتے اس لیے اہل حرب کی طرح ان پر بھی کوئی چیز لازم قرار نہیں دی جاسکتی' لہٰذا اہل ذمہ کا بھی وہی حکم ہوگا جو اہل حرب کا حکم ہوگا اور جس طرح حربی عورت کو مہر مثل نہیں ملتا اسی طرح ذمی عورت کو بھی نہیں ملے گا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: اگر کوئی ذمی مرد یا ذمی عورت زنا کا ارتکاب کر لیتے ہیں تو اس کے نتیجے میں آپ اسے بھی سزا دے دیتے ہیں' تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں: ہم ان پر اپنے احکام لاگو نہیں کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے: زنا کا حکم مختلف ہے' کیونکہ یہ تمام ادیان میں حرام ہے۔ یہی وجہ ہے: اہل ذمہ زنا کا ارتکاب اس لیے نہیں کرتے کیونکہ ان کے مذہب میں یہ حرام ہے وہ اس سے اس لیے نہیں بچتے کہ اسلام کے حکم کے وہ لوگ پابند ہیں۔

اہل ذمہ کے ساتھ سودی کاروبار کی ممانعت کا بیان

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: آپ اہل ذمہ کو سود کا لین دین کرنے سے بھی منع کرتے ہیں' تو مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: سود کا حکم انہیں دی ہوئی پناہ کے ضمن میں نہیں آتا ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے۔ "جو شخص سود کا لین دین کرے گا ہمارے اور اس کے درمیان کوئی عہد (ذمہ) نہیں ہے"۔ یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: "الجامع الصغیر" کے الفاظ میں دو احتمالات پائے جاتے ہیں۔ ایک احتمال یہ ہے: یہاں مہر کی مکمل طور پر نفی کی گئی ہے اور دوسرا احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے' میاں بیوی نے مہر کو ذکر نہ کیا ہو۔ جبکہ ظاہر الروایت میں یہ بات صراحت کے ساتھ منقول ہے: اگر مہر کی نفی کر دی گئی ہو' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ذمی عورت کو مہر مثل ملے گا' لیکن اگر میاں بیوی نے ثبوت اختیار کیا مہر کا تذکرہ نہیں کیا تو اس صورت میں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ دوسرا قول یہ منقول ہے: اگر انہوں نے مہر کے طور پر مردار کو مقرر کیا یا مہر کا ذکر نہیں کیا اور خاموش رہے تو ان دونوں کے بارے میں امام صاحب سے دو طرح کی روایات منقول ہیں۔ ایک روایت کے مطابق مہر مثل ملے گا' اور دوسری روایت کے مطابق عورت کو کچھ بھی نہیں ملے گا' تاہم زیادہ مستند یہی ہے' ان تمام صورتوں کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ذمی کا شراب یا خنزیر کے عوض شادی کرنے کے بعد اسلام قبول کرنا

(فَإِنْ تَزَوَّجَ الذِّمِّيُّ ذِمِّيَّةً عَلَى خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ ثُمَّ أَسْلَمَا أَوْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا فَلَهَا الْخَمْرُ وَالْخِنْزِيرُ) وَمَعْنَاهُ إذَا كَانَا بِأَعْيَانِهِمَا وَالْإِسْلَامُ قَبْلَ الْقَبْضِ ، وَإِنْ كَانَا بِغَيْرِ أَعْيَانِهِمَا فَلَهَا فِي الْخَمْرِ الْقِيمَةُ وَفِي الْخِنْزِيرِ مَهْرُ الْمِثْلِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَهَا مَهْرُ الْمِثْلِ فِي الْوَجْهَيْنِ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ : لَهَا الْقِيمَةُ فِي الْوَجْهَيْنِ .وَجْهُ قَوْلِهِمَا أَنَّ الْقَبْضَ مُؤَكِّدٌ لِلْمِلْكِ فِي الْمَقْبُوضِ لَهُ فَيَكُونُ لَهُ شَبَهٌ بِالْعَقْدِ فَيَمْتَنِعُ بِسَبَبِ الْإِسْلَامِ كَالْعَقْدِ وَصَارَ كَمَا إذَا كَانَا بِغَيْرِ أَعْيَانِهِمَا .وَإِذَا الْتَحَقَتْ حَالَةُ الْقَبْضِ بِحَالَةِ الْعَقْدِ ، فَأَبُو يُوسُفَ يَقُولُ : لَوْ كَانَا مُسْلِمَيْنِ وَقْتَ الْعَقْدِ يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ فَكَذَا هَاهُنَا ، وَمُحَمَّدٌ يَقُولُ صَحَّتْ التَّسْمِيَةُ لِكَوْنِ الْمُسَمَّى مَالًا عِنْدَهُمْ ، إلَّا أَنَّهُ امْتَنَعَ التَّسْلِيمُ لِلْإِسْلَامِ فَتَجِبُ الْقِيمَةُ ، كَمَا إذَا هَلَكَ الْعَبْدُ الْمُسَمَّى قَبْلَ الْقَبْضِ .وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْمِلْكَ فِي الصَّدَاقِ الْمُعَيَّنِ يَتِمُّ بِنَفْسِ الْعَقْدِ وَلِهَذَا تَمْلِكُ التَّصَرُّفَ فِيهِ ، وَبِالْقَبْضِ يَنْتَقِلُ مِنْ ضَمَانِ الزَّوْجِ إلَى ضَمَانِهَا وَذَلِكَ لَا يَمْتَنِعُ بِالْإِسْلَامِ كَاسْتِرْدَادِ الْخَمْرِ الْمَغْصُوبَةِ ، وَفِي غَيْرِ الْمُعَيَّنِ الْقَبْضُ يُوجِبُ مِلْكَ الْعَيْنِ فَيَمْتَنِعُ بِالْإِسْلَامِ ، بِخِلَافِ الْمُشْتَرِي لِأَنَّ مِلْكَ التَّصَرُّفِ فِيهِ إنَّمَا يُسْتَفَادُ بِالْقَبْضِ ، وَإِذَا تَعَذَّرَ الْقَبْضُ فِي غَيْرِ الْمُعَيَّنِ لَا تَجِبُ الْقِيمَةُ فِي الْخِنْزِيرِ لِأَنَّهُ مِنْ ذَوَاتِ الْقِيَمِ فَيَكُونُ أَخْذُ قِيمَتِهِ كَأَخْذِ عَيْنِهِ ، وَلَا كَذَلِكَ الْخَمْرُ لِأَنَّهُ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ جَاءَ بِالْقِيمَةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ تُجْبَرُ عَلَى الْقَبُولِ فِي الْخِنْزِيرِ دُونَ الْخَمْرِ ، وَلَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا ، فَمَنْ أَوْجَبَ مَهْرَ الْمِثْلِ أَوْجَبَ الْمُتْعَةَ ، وَمَنْ أَوْجَبَ الْقِيمَةَ أَوْجَبَ نِصْفَهَا ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ

اگر کوئی ذمی مرد کسی ذمی عورت کے ساتھ شراب یا سور کے عوض میں شادی کرلے اور پھر وہ دونوں اسلام قبول کرلیں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرلے تو عورت کو شراب اور سور ملے گا۔ اس سے مراد یہ ہے: وہ دونوں متعین ہوں اور عورت

کے ان کو قبضے میں لینے سے پہلے اسلام قبول کر لیا جائے لیکن اگر وہ دونوں متعین نہ ہوں تو شراب کی صورت میں عورت کو اس کی قیمت ملے گی' اور خنزیر کی صورت میں' عورت کو مہر مثل ملے گا' یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں عورت کو مہر مثل ملے گا۔امام محمد یہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں عورت کو قیمت ملے گی۔صاحبین کی دلیل یہ ہے: کسی چیز پر قبضہ اس کی ملکیت کو ثابت کر دیتا ہے' لہٰذا قبضہ عقد کے مشابہہ ہوتا ہے البتہ اس صورت میں کیونکہ قبضے میں لینا اسلام کے حکم کی وجہ سے منع ہے' جیسا کہ آغاز ہی میں ان کے عوض میں عقد منع ہوتا ہے' تو گویا یہ دونوں معین ہی نہیں تھے' جب یہ ثابت ہو گیا کہ قبضے کی حالت عقد کی حالت کی مانند ہوتی ہے۔تو امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں: عقد کے وقت اگر وہ دونوں مسلمان ہوتے اور انہوں نے شراب یا خنزیر کو مہر مقرر کیا ہوتا' تو دونوں صورتوں میں مہر مثل ہی لازم آنا تھا لہٰذا اس صورت میں بھی مہر مثل ہی لازم ہوگا۔امام محمد یہ فرماتے ہیں: جس وقت انہوں نے ایسا کیا تھا اگر اس وقت شراب اور خنزیر کو عوض مقرر کرنا ٹھیک تھا' تو کیونکہ یہ اشیاء ان کے نزدیک مال کی حیثیت رکھتی ہیں' لیکن اب اسلام لانے کی وجہ سے اسے دوسرے فریق کے حوالے کرنا ممنوع ہے' لہٰذا اس کی قیمت کی ادائیگی واجب ہوگی' جیسا کہ اگر کوئی شخص کے کسی متعین غلام کو سپرد کرنے سے پہلے وہ غلام مر جائے تو اس غلام کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: جب مہر متعین ہو' تو ملکیت عقد کی وجہ سے ہی پوری ہو جاتی ہے۔یہی وجہ ہے: اس بنیاد پر عورت کو مہر میں تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے اور ایسا کرنا قبضے سے پہلے ہوتا ہے' فرق صرف اتنا ہوتا ہے: مرد کی ذمہ داری سے منتقل ہو کر' مہر عورت کی ذمہ داری میں آ جاتا ہے' اور کسی چیز کے ذمہ کا منتقل ہونا اسلام میں منع نہیں ہے جیسے غصب کی ہوئی شراب کو واپس لینا۔البتہ اگر چیز غیر متعین ہو' تو محض عقد کی وجہ سے ملکیت مکمل نہیں ہوتی' بلکہ وہ قبضے کے بعد مکمل ہوتی ہے' لیکن اب قبضے میں لینے سے اسلام کا حکم رکاوٹ ہے۔جبکہ خریدار کا حکم اس سے مختلف ہوتا ہے' کیونکہ اسے تصرف کا حق قبضے میں لینے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔تو جب غیر متعین چیز میں قبضہ ممکن ہی نہیں ہے' تو خنزیر کی قیمت ادا کرنا واجب نہ ہوگی' کیونکہ خنزیر کی قیمت تو ہوتی ہے' تو اس کی قیمت لینے کا مطلب یہ ہوگا' آپ خنزیر ہی کو لے رہے ہیں' لیکن شراب کی صورت میں یہ صورت حال سامنے نہیں آتی کیونکہ اس کا تعلق ذوات الامثال سے ہے۔کیا آپ نے غور نہیں کیا: اگر اسلام لانے سے پہلے شوہر اس کی قیمت ادا کرتا ہے' تو ایسی صورت حال میں عورت کو خنزیر کے مسئلے میں قیمت قبول کرنے پر مجبور کیا جائے البتہ شراب کے مسئلے میں اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔اگر شوہر' عورت کے ساتھ دخول کرنے سے پہلے اسے طلاق دے دیتا ہے' تو جن حضرات نے مہر مثل کو واجب قرار دیا ہے ان کے نزدیک متاع کی ادائیگی واجب ہوگی اور جن حضرات نے اس کی قیمت کی ادائیگی کو واجب قرار دیا ہے ان کے نزدیک اس کی نصف قیمت کی ادائیگی واجب ہوگی' باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اہل ذمہ کے عقد نکاح سے متعلق فقہی احکام و دلائل

یہاں مصنف نے کفار کے نکاح کے بارے میں اگلا مسئلہ یہ بیان کیا ہے: اگر کوئی ذمی شخص شراب یا خنزیر کو مہر مقرر کر کے

شادی کر لیتا ہے اور پھر مہر کی ادائیگی سے پہلے وہ دونوں مسلمان ہو جاتے ہیں یا دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جاتا ہے اور جو چیز مہر کے طور پر طے کی گئی تھی' وہ متعین تھی یعنی شراب تھی یا خنزیر تھا' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں عورت کو طے شدہ مہر ملے گا خواہ وہ شراب ہو یا خنزیر ہو' لیکن اگر وہ طے شدہ چیز غیر متعین تھی تو اس صورت میں اگر وہ طے شدہ مہر شراب تھی تو عورت کو اس کی قیمت ملے گی' اور اگر خنزیر تھا' تو عورت کو مہر مثل ملے گا۔

امام ابویوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں عورت کو مہر مثل ملے گا۔ امام محمد کے نزدیک دونوں صورتوں میں عورت کو طے شدہ چیز کی قیمت ملے گی' خواہ اسے متعین کیا گیا ہو یا متعین نہ کیا گیا ہو۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے' امام ابویوسف اور امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے: جس چیز کو قبضے میں لیا گیا ہو اسے قبضے میں لینے کی وجہ سے اس کی ملکیت مؤکد ہو جاتی ہے' یعنی وہ طے شدہ مہر اگر عورت کے قبضے میں لینے کے بعد ہلاک ہوتا ہے' تو یہ بیوی کے مال کا نقصان ہوگا جو اس بات کی دلیل ہے' قبضے میں لینے کے نتیجے میں ملکیت مستحکم ہو جاتی ہے اور قبضے میں لینے کا یہ نتیجہ' کیونکہ عقد کی وجہ سے آیا ہے' اس لیے قبضہ عقد کے مشابہہ ہو جائے گا' تو اسلام قبول کرنے کے بعد جس طرح آغاز ممنوع ہے' یعنی شراب یا خنزیر کو دوسرے کی ملکیت میں دینا اس طرح اس کی بقاء بھی ممنوع ہونی چاہیے' یعنی اس شراب یا خنزیر کو قبضے میں لینا' کیونکہ مسلمان کے لئے شراب یا خنزیر کسی دوسرے کی ملکیت میں دینا یا انہیں اپنی ملکیت میں لینا' دونوں ممنوع ہیں۔

تو جب آپ نے قبضے میں لینے کی حالت کو عقد کی حالت کے ساتھ شامل کر دیا یعنی عقد کی حالت وہ تھی جب وہ دونوں غیر مسلم تھے اور قبضے کی حالت وہ ہے' جب دونوں یا ان میں سے کوئی ایک اسلام لا چکا ہے' تو امام ابویوسف یہ کہتے ہیں: جس طرح اگر عقد کے وقت وہ دونوں مسلمان ہوتے تو مہر مثل کی ادائیگی لازم ہوتی' اسی طرح قبضے کے وقت اگر وہ دونوں مسلمان ہوتے ہیں' تو یہاں بھی مہر مثل کی ادائیگی لازم ہوگی۔

امام محمد یہ فرماتے ہیں: شراب یا خنزیر کو مہر مقرر کرنا عقد کے وقت درست تھا کیونکہ اس وقت وہ غیر مسلم تھے اور یہ طے شدہ چیز ان کے نزدیک مال کی حیثیت رکھتی تھی لیکن جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو اس طے شدہ چیز کو دوسرے فریق کے حوالے کرنا ممکن نہیں رہا' کیونکہ اسلام نے اس سے منع کیا ہے' اس لئے اب قیمت کی ادائیگی واجب ہوگی' یہ بالکل اسی طرح ہو جائے گا: جیسے شوہر نے کسی غلام کے عوض میں عورت کے ساتھ نکاح کیا اور پھر اس غلام کو عورت کے قبضے میں دینے سے پہلے وہ غلام ہلاک ہو جائے تو اس غلام کی قیمت ادا کرنا شوہر کے ذمے لازم ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے: جب مہر متعین ہو تو محض عقد کے ذریعے ہی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے عورت اس چیز میں تصرف کر سکتی ہے۔ قبضے کے نتیجے میں فرق یہ ہوتا ہے' اگر وہ چیز ضائع ہوئی ہو تو اس کا ضمان مرد کی بجائے عورت کے ذمے ہو جاتا ہے اور یہ بات اسلام قبول کرنے کی وجہ سے رکاوٹ نہیں بنتی اس لیے اگر عقد کے وقت وہ دونوں ذمی تھے تو محض عقد ہو جانے کے نتیجے میں اس شراب یا خنزیر کے بارے میں عورت کی ملکیت ثابت ہو جائے گی' اور مسلمان ہونا شراب کو دوسرے کی ملکیت میں

دینے کے لئے تو رکاوٹ بن سکتا ہے لیکن اپنی ملکیت کے منتقل ہونے کے بارے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

اس کی مثال انہوں نے یہ پیش کی ہے: ایک شخص ذمی تھا اس کی شراب کسی نے غصب کر لی پھر وہ ذمی مسلمان ہو جاتا ہے تو جو شراب غصب کی گئی تھی اسے واپس لینے کا حق اسے حاصل ہوگا' کیونکہ یہاں ملکیت میں تجدید نہیں پائی جارہی بلکہ ضمان کا انتقال ہے اور ملکیت کو واپس لینا ہے اور اسلام اس کے لئے رکاوٹ نہیں ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: اگر مہر متعین نہیں تھا' تو اس بارے میں آپ کی رائے مختلف کیوں ہے؟ وہ فرماتے ہیں: غیر متعین مہر کا حکم اس لیے مختلف ہے' کیونکہ غیر متعین مہر میں نفس عقد کے نتیجے میں عورت کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے اس کے لئے عورت کا اس چیز کو قبضے میں لینا ضروری ہوگا۔ قبضے میں لینے کے بعد ملکیت ثابت ہوگی اور چونکہ اسلام لانے کے بعد' اسے قبضے میں لینا اس عورت کے لئے ممنوع ہو گیا ہے' کیونکہ اسلام شراب یا خنزیر کو دوسرے کے قبضے میں دینے یا اپنے قبضے میں لینے کے لئے رکاوٹ ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: اگر کوئی شخص ذمی ہونے کی حالت میں شراب یا خنزیر کو خرید لیتا ہے اور پھر اسلام لے آتا ہے' تو آپ اس کے بارے میں مختلف رائے دیتے ہیں' تو اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے: خرید و فروخت میں تصرف کی ملکیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب آدمی خریدی ہوئی چیز کو قبضے میں لے لیتا ہے' تو کیونکہ قبضے میں اس شخص نے اس چیز کو اس وقت لیا ہے جب وہ مسلمان ہو چکا تھا اور اسلام اس چیز کے قبضے میں لینے کے سلسلے میں رکاوٹ ہے اس لیے اس شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا' اسے اپنے قبضے میں لے۔

تو جب یہ بات طے ہوگئی: اگر مہر متعین ہو' تو نفس عقد کے نتیجے میں عورت کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے' تو اب مسئلے کی صورت یہ ہوگی' عورت کا مہر خنزیر تھا' تو شوہر پر مہر مثل کی ادائیگی واجب ہوگی۔ خنزیر کی قیمت ادا کرنا واجب نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے: خنزیر ان چیزوں میں سے ہے جن کی قیمت ہوتی ہے' تو اس کی قیمت لینا بالکل اسی طرح ہوگا' جیسے آپ نے خنزیر ہی کو لے لیا ہے اور کسی مسلمان کے لئے کیونکہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے' تو خنزیر کی طرح اس کی قیمت لینا بھی جائز نہ ہوگا۔ لیکن اگر عورت کا مہر شراب تھا' تو اس صورت میں اسے شراب کی قیمت دی جائے گی اس کی وجہ یہ ہے: شراب ذوات الامثال میں سے ہے اس لیے اس کی قیمت لینا بعینہ شراب لینے کی مانند نہیں ہوگا۔

مصنف نے اس کی دلیل یہ نقل کی ہے: کیا آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا؟ اگر عورت کا مہر خنزیر مقرر ہو اور اسلام قبول کرنے سے پہلے شوہر خنزیر کی بجائے اس کی قیمت دینا چاہتا ہو' تو عورت کو اس قیمت کے لینے پر مجبور کر دیا جائے گا' کیونکہ اپنی اصل کے اعتبار سے خنزیر ان چیزوں میں سے ہے جن کی قیمت ہوتی ہے اور عورت کو وہ قیمت مل رہی ہے' لیکن اگر عورت کا مہر شراب تھی اور اسلام قبول کرنے سے پہلے شوہر شراب کی بجائے اس کی قیمت دینا چاہے تو عورت کو وہ قیمت لینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شراب ذوات الامثال میں سے ہے۔ اگر اس صورت حال میں شوہر صحبت کرنے سے پہلے عورت کو طلاق دے دیتا ہے' تو امام ابو یوسف کے نزدیک عورت کو متاع ملے گا' کیونکہ انہوں نے مہر مثل کی ادائیگی کو لازم قرار دیا تھا اور امام محمد نے چونکہ قیمت کی ادائیگی کو لازم قرار دیا تھا اس لیے ان کے نزدیک قیمت کا نصف حصہ عورت کو ملے گا۔

بَابُ نِكَاحِ الرَّقِيْقِ

﴿یہ باب غلاموں کے نکاح کے بیان میں ہے﴾

باب نکاح رقیق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ رقیق کا معنی ہے "عبد" "عبید" مصنف جب مسلمانوں سے متعلق احکام نکاح سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے غلاموں سے متعلق احکام نکاح کو شروع کیا ہے۔ کیونکہ غلبہ اہل اسلام کو حاصل ہے اور آزادی کو حاصل ہے۔ لہذا تغلیب کے معاشرت کے پیش نظر احکام نکاح میں تقدم وتاخر کیا ہے۔ اور غلاموں کے نکاح سے متعلق احکام کے بعد اہل شرک کے نکاحوں سے متعلق احکام ذکر کیے ہیں کیونکہ ان کا مقام غلاموں سے بھی کم تر ہے۔

اس سے پہلے نصرانیوں کے احکام نکاح ذکر کرنے میں مقدم اس لئے کیے ہیں کہ وہ مہر کے اعتبار سے مسلمانوں کے تابع ہیں لہذا اس اتباع مہر کے پیش نظر ان کے احکام کو تقدیم حاصل ہوگی۔ (فتح القدیر، ج ۷، ص ۲۶۲، بیروت)

آقا کی اجازت کے بغیر غلام یا کنیز کا نکاح درست نہیں

﴿لَا يَجُوْزُ نِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ اِلَّا بِاِذْنِ مَوْلَاهُمَا﴾ وَقَالَ مَالِكٌ: يَجُوْزُ لِلْعَبْدِ لِاَنَّهُ يَمْلِكُ الطَّلَاقَ فَيَمْلِكُ النِّكَاحَ. وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ﴿اَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهُ فَهُوَ عَاهِرٌ﴾ وَلِاَنَّ فِيْ تَنْفِيْذِ نِكَاحِهِمَا تَعْيِيْبَهُمَا اِذِ النِّكَاحُ عَيْبٌ فِيْهِمَا فَلَا يَمْلِكَانِهِ بِدُوْنِ اِذْنِ مَوْلَاهُمَا.

ترجمہ

غلام یا کنیز کا نکاح ان کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں: غلام کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ جب وہ طلاق دینے کا حق رکھتا ہے تو نکاح کرنے کا بھی حق رکھے گا۔ ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرلے وہ زانی ہوگا"۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: ان دونوں (یعنی غلام اور کنیز) کے نکاح کو نافذ قرار دینا ان دونوں کے حق میں عیب ہے کیونکہ نکاح ان دونوں میں عیب شمار ہوتا ہے لہذا وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اس کے مالک نہیں ہوسکتے۔

نکاح کے اختیار میں غلام سے متعلق فقہی احکام

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو وہ زانی ہے۔

اس باب میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے حدیث جابر حسن ہے بعض راوی یہ حدیث عبداللہ بن محمد بن عقیل سے اور وہ ابن عمر سے مرفوعا نقل کرتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں صحیح یہی ہے کہ عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں صحابہ کرام اور تابعین کا اسی پر عمل ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح جائز نہیں۔ امام احمد، اسحاق، اور دوسرے حضرات کا بھی یہی قول ہے۔ جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1111

مطلب یہ ہے کہ مملوک کا نکاح مالک کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا لہٰذا اگر کوئی مملوک اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا اور اس نکاح کے بعد منکوحہ سے مجامعت کرے گا تو یہ فعل حرام ہوگا اور وہ زنا کار کہلائے گا چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے کہ غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوتا اور نکاح کے بعد اگر آقا اجازت دے دے تب بھی وہ عقد صحیح نہیں ہوتا جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ آقا کی اجازت کے بغیر نکاح تو ہو جاتا ہے مگر اس کا نافذ ہونا یعنی صحیح ہونا آقا کی اجازت پر موقوف رہتا ہے کہ جب آقا اجازت دے دے گا تو صحیح ہو جائے گا جیسا کہ فضولی کے نکاح کا حکم ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

لونڈی غلام نے اگر خود نکاح کر لیا یا ان کا نکاح کسی اور نے کر دیا تو یہ نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہے جائز کر دے گا نافذ ہو جائے گا، رد کر دے گا باطل ہو جائے گا، پھر اگر وطی بھی ہو چکی اور مولیٰ نے رد کر دیا تو جب تک آزاد نہ ہو لونڈی اپنا مہر طلب نہیں کر سکتی، نہ غلام سے مطالبہ ہو سکتا ہے اور اگر وطی نہ ہوئی جب تو مہر واجب ہی نہ ہوا۔

یہاں مولیٰ سے مراد وہ ہے جسے اس کے نکاح کی ولایت حاصل ہو، مثلاً مالک نابالغ ہو تو اس کا باپ یا دادا یا قاضی یا وصی اور لونڈی، غلام سے مراد عام ہیں، مدبر، مکاتب، ماذون، ام ولد یا وہ جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا سب کو شامل ہے۔

(درمختار، کتاب النکاح)

غلام کے حق نکاح وطلاق میں فقہ مالکی کا مؤقف

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے، "جس نے اپنے غلام کو شادی کرنے کی اجازت دے دی، تو اب طلاق کا معاملہ غلام کے ہاتھ ہی میں ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو طلاق کے معاملے میں کوئی اختیار نہیں۔

(موطاء مالک، کتاب الطلاق، حدیث (1676)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا، "یا رسول اللہ ﷺ میرے آقا نے میری شادی اپنی ایک لونڈی سے کر دی تھی اور اب ہمیں علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا، "اے لوگو! یہ کیا ہو گیا ہے کہ تم میں سے ایک شخص نے اپنے غلام کی شادی اپنی ایک لونڈی سے کر دی ہے اور اب وہ چاہتا ہے کہ ان میں علیحدگی کروا دے۔ طلاق تو اسی کا حق ہے جو شوہر ہے۔"

(ابن ماجہ، کتاب الطلاق، حدیث 2081)

نکاح وطلاق کے باہمی عدم قیاس کا بیان

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: آقا کی اجازت کے بغیر غلام اور کنیز کا نکاح جائز نہیں ہوتا یعنی اسے نافذ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس بارے میں امام مالک کی رائے مختلف ہے' کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں' غلام کا نکاح نافذ ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے: غلام خود طلاق دینے کا مالک ہوتا ہے' تو لازمی طور پر اسے نکاح کا بھی مالک ہونا چاہئے۔ مصنف نے اس کے جواب میں اپنے مؤقف کی تائید میں سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے۔ "جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لے وہ زانی شمار ہوگا"۔ یہ نقلی دلیل نقل کرنے کے بعد مصنف نے اس بات کی عقلی دلیل یہ بیان کی ہے: اگر ان دونوں کے نکاح کو نافذ قرار دیا جائے تو یہ بات ان دونوں' یعنی غلام اور کنیز کے حق میں عیب شمار ہوگی' کیونکہ عام طور پر لوگ غلام یا کنیز خریدتے وقت ایسا غلام یا کنیز خریدنا پسند کرتے ہیں جو غیر شادی شدہ ہو۔ امام مالک نے نکاح کے حق کو طلاق دینے کے حق پر قیاس کیا تھا' تو اسکا جواب یہ دیا گیا ہے: طلاق غلام یا کنیز کے حق میں عیب کو زائل کرنے کا نام ہے اور نکاح ان کے حق میں عیب کو ثابت کرنے کا نام ہے اس لیے ان دونوں کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 538

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کے بارے میں فرمایا کہ اس کی روٹی کپڑا اس کے آقا کے ذمہ ہے اور یہ کہ اس سے صرف اتنا کام لیا جائے جو اس کی طاقت وہمت کے مطابق ہو۔

اس حدیث میں غلام کے بارے میں دو ہدایتیں ہیں ایک تو یہ کہ غلام کا نفقہ چونکہ اس کے مالک پر واجب ہے اس لئے مالک کو چاہئے کہ وہ اپنے غلام کو اس کی حاجت کے بقدر اور اپنے شہر کے عام دستور کے مطابق اس کو روٹی کپڑا دے یعنی اس کے شہر میں عام طور پر غلام کو جس مقدار میں اور جس معیار کا روٹی اور کپڑا دیا جاتا ہے اسی کے مطابق وہ بھی دے، دوسری ہدایت یہ ہے کہ اپنے غلام کو کوئی ایسا کام کرنے کا حکم نہ دیا جائے جس پر وہ مداومت نہ کر سکتا ہو اور جو اس کی ہمت وطاقت سے باہر ہو یا جس کی وجہ سے اس کے جسم میں کوئی ظاہری نقصان پہنچ سکتا ہو۔

گویا اس ہدایت کے ذریعہ یہ احساس دلایا گیا ہے کہ انسان اپنے غلام کے بارے میں یہ حقیقت ذہن میں رکھے کہ جس طرح مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کی طاقت وہمت سے زیادہ کی عمل وفعل کا بار نہیں ڈالا ہے اور ان کو انہی احکام کا پابند کیا ہے جو ان کے قوائے فکر وعمل کے مطابق ہیں اسی طرح بندوں کو بھی جو مالک مجازی ہیں' یہی چاہئے کہ وہ اپنے مملوک یعنی غلام پر کہ جو انہی کی طرح انسان ہیں' ان کی طاقت وہمت سے باہر کسی کام کا بار نہ ڈالیں۔

حضرت ابن عباس سے یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ غلام کے تئیں مالک کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں (۱) جب غلام نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو جلد [illegible] کا حکم نہ دے (۲) جب وہ کھانا کھا رہا ہو تو اس کو اپنے کسی کام کے لئے نہ اٹھائے (۳) اس کو اتنا کھانا دے جس سے اس کا پیٹ اچھی طرح بھر جائے۔

مکاتب غلام کے نکاح کا بھی یہی حکم ہے

﴿وَكَذَا الْمُكَاتَبُ﴾ لِاَنَّ الْكِتَابَةَ اَوْجَبَتْ فَكَّ الْحَجْرِ فِيْ حَقِّ الْكَسْبِ فَبَقِيَ فِيْ حَقِّ النِّكَاحِ عَلَى حُكْمِ الرِّقِّ . وَلِهٰذَا لَا يَمْلِكُ الْمُكَاتَبُ تَزْوِيْجَ عَبْدِهٖ وَيَمْلِكُ تَزْوِيْجَ اَمَتِهٖ لِاَنَّهُ مِنْ بَابِ الْاِكْتِسَابِ ، وَكَذَا الْمُكَاتَبَةُ لَا تَمْلِكُ تَزْوِيْجَ نَفْسِهَا بِدُوْنِ اِذْنِ الْمَوْلٰى وَتَمْلِكُ تَزْوِيْجَ اَمَتِهَا لِمَا بَيَّنَّا ﴿وَ﴾ كَذَا ﴿الْمُدَبَّرُ وَاُمُّ الْوَلَدِ﴾ لِاَنَّ الْمِلْكَ فِيْهِمَا قَائِمٌ .

ترجمہ

اور اسی طرح مکاتب غلام کا بھی حکم ہے' کیونکہ کتابت کا معاہدہ کرنے سے صرف اسے کمانے کی آزادی حاصل ہوئی ہے البتہ نکاح کے بارے میں اس پر غلامی کی حیثیت برقرار رہے گی۔ یہی وجہ ہے: مکاتب کو اپنے غلام کا نکاح کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا' کیونکہ اس نکاح کا مکاتب کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا' البتہ وہ اپنی کنیز کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کر سکتا ہے' کیونکہ اس کے ذریعے وہ کچھ کما سکتا ہے۔ اسی طرح مکاتب کنیز کا حکم ہے: وہ اپنی شادی کرنے کا حق نہیں رکھتی یعنی یہ کہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کسی کے ساتھ کرلے' البتہ وہ اپنی کنیز کی شادی کسی اور کے ساتھ کر سکتی ہے' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مدبر غلام اور ''ام ولد'' کنیز کا بھی یہی حکم ہے' کیونکہ ان دونوں میں ملکیت کی حیثیت قائم ہوتی ہے۔

مکاتب کے اذن سے باندی کے نکاح کرنے کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مکاتب اپنی لونڈی کا نکاح اپنے اذن سے کر سکتا ہے اور اپنا یا اپنے غلام کا نہیں کر سکتا اور ماذون غلام، لونڈی کا بھی نہیں کر سکتا۔ مولی کی اجازت سے غلام نے نکاح کیا تو مہر ونفقہ خود غلام پر واجب ہے، مولی پر نہیں اور مر گیا تو مہر ونفقہ دونوں ساقط اور غلام خالص مہر ونفقہ کے سبب بیچ ڈالا جائے گا اور مدبر مکاتب نہ بیچے جائیں بلکہ انھیں حکم دیا جائے کہ کما کر ادا کرتے رہیں۔ ہاں مکاتب اگر بدل کتابت سے عاجز ہو تو اب مکاتب نہ رہے گا اور مہر ونفقہ میں بیچا جائے گا اور غلام کی بیع اُس کا مولی کرے، اگر وہ انکار کرے تو اس کے سامنے قاضی بیع کر دے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن داموں کو فروخت ہو رہا ہے، مولی اپنے پاس سے اتنے دام دیدے اور فروخت نہ ہونے دے۔ (ردمحتار، کتاب النکاح)

مکاتبت کے احکام نکاح و بیع میں اختلاف

اور وہ یہ ہے: مکاتب غلام کا بھی یہی حکم ہوگا۔ مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کا آقا اس کے ساتھ یہ معاہدہ کرے کہ وہ ایک مخصوص رقم آقا کو ادا کرے گا' اور اس کے نتیجے میں آقا اسے آزاد کر دے گا۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: مکاتب غلام سے آقا

کی خدمت کی پابندی اس لئے ہٹائی گئی ہے تاکہ وہ آزادی سے کما کر اپنا معاوضہ ادا کر سکے لیکن نکاح کے حق میں اس کے غلام ہونے کا حکم باقی رہے گا' اور اگر وہ آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لیتا ہے' تو اس کا نکاح نافذ تصور نہیں ہوگا۔ اپنے اس مؤقف کی تائید میں مصنف نے یہ دلیل پیش کی ہے: مکاتب غلام مزدوری کر سکتا ہے' کاروبار کر سکتا ہے' خرید وفروخت کر سکتا ہے' لیکن اگر وہ اپنی کمائی سے آگے کوئی غلام خرید لے تو وہ غلام کی شادی نہیں کر سکتا کیونکہ اس صورت میں اس کا غلام اپنے اور اپنی بیوی کے خرچ پورے کرنے کے لئے اس کا محتاج ہوگا اور یہ مکاتب جب اپنی بیوی کا خرچ برداشت نہیں کر سکتا تو غلام کی بیوی کا خرچ کیسے برداشت کر سکے گا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: آپ کے نزدیک مکاتب غلام اپنی کنیز کی شادی کر سکتا ہے یہ اجازت آپ نے کیوں دی ہے؟ مصنف نے اس کا جواب یوں دیا ہے: اس صورت میں آمدن کا حصول ممکن ہوتا ہے' یعنی مہر اور خرچ کے طور پر کنیز کو جو کچھ ادائیگی کی جائے گی وہ مکاتب اسے وصول کر سکتا ہے اور اس ادائیگی کو حاصل کر کے اپنے ذمے کتابت کی رقم ادا کر سکتا ہے۔ اس کی ایک ذیلی شق یہ ہے: مکاتب کنیز خود اپنی شادی نہیں کر سکتی یعنی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتی جبکہ اپنی کنیز کی شادی کرنے کی وہ مالک ہوتی ہے' اس کی وجہ وہی ہے' جو ہم نے مکاتب غلام کے بارے میں بیان کی ہے۔

یہاں مصنف نے اسی مسئلے کی ایک اور شق یہ بیان کی ہے: مدبر غلام اور ام ولد کنیز کا بھی یہی حکم ہے' اس کی وجہ یہ ہے: ان کے آقا کی ملکیت ان دونوں میں قائم ہوتی ہے۔

غلام آقا کی اجازت سے شادی کرے تو مہر کیسے ادا کیا جائے گا؟

﴿وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِاِذْنِ مَوْلَاهُ فَالْمَهْرُ دَيْنٌ فِيْ رَقَبَتِهٖ يُبَاعُ فِيْهِ﴾ لِاَنَّ هٰذَا دَيْنٌ وَّجَبَ فِيْ رَقَبَةِ الْعَبْدِ لِوُجُوْدِ سَبَبِهٖ مِنْ اَهْلِهٖ وَقَدْ ظَهَرَ فِيْ حَقِّ الْمَوْلٰى لِصُدُوْرِ الْاِذْنِ مِنْ جِهَتِهٖ فَيَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهٖ دَفْعًا لِلْمَضَرَّةِ عَنْ اَصْحَابِ الدُّيُوْنِ كَمَا فِيْ دَيْنِ التِّجَارَةِ .

ترجمہ

اور جب کوئی غلام اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے' تو اس کے ذمے مہر قرض کی طرح ہوگا جس کے عوض میں غلام کو فروخت کیا جا سکتا ہے' کیونکہ یہ ایسا قرض ہے جس کی ادائیگی کا ذمہ غلام کے ذمے ہے' کیونکہ قرض کا سبب یعنی نکاح ایک عاقل اور بالغ شخص کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا ہے اور اسی سبب کا ظہور آقا کے حق میں بھی ہو گیا ہے' کیونکہ اس نے یہ نکاح کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس لیے اس قرض کی ادائیگی غلام کے سر ہوگی تاکہ قرض خواہوں کو کسی قسم کے نقصان کا سامنا کرنا نہ پڑے' جیسا کہ تجارت کے قرض میں ہوتا ہے۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی آقا اپنے کسی غلام کو نکاح کی اجازت دیدے اور وہ غلام اپنا نکاح کرلے تو اب اس غلام کے ذمے مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اس کی وجہ یہ ہے: اس مہر کی ادائیگی ایک قرض کے طور پر غلام کے ذمے لازم ہے کیونکہ اس مہر کا سبب یعنی نکاح موجود ہے اور وہ نکاح اس کے اہل شخص سے صادر ہوا ہے یعنی وہ غلام عاقل اور بالغ ہے اب کیونکہ آقا نے اسے اس نکاح کی اجازت دی تھی اس لیے ایک اعتبار سے یہ ادائیگی آقا کے ذمے بھی لازم ہو سکتی ہے اس لیے جس کا حق ہے یعنی وہ عورت جس کا مہر دینا ہے اس سے نقصان کو ختم کرنے کے لئے اس غلام کو فروخت کردیا جائے گا (اگر آقا اس کے مہر کی رقم خود ادا نہیں کرتا)۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے تجارت میں کسی ادائیگی کی ضرورت کے پیش نظر غلام کو فروخت کردیا جاتا ہے۔

مدبر اور مکاتب غلام خود محنت کر کے مہر ادا کریں گے

(وَالْمُدَبَّرُ وَالْمُكَاتَبُ يَسْعَيَانِ فِي الْمَهْرِ وَلَا يُبَاعَانِ فِيهِ) لِأَنَّهُمَا لَا يَحْتَمِلَانِ النَّقْلَ مِنْ مِلْكٍ إِلَى مِلْكٍ مَعَ بَقَاءِ الْكِتَابَةِ وَالتَّدْبِيرِ فَيُؤَدَّى مِنْ كَسْبِهِمَا لَا مِنْ نَفْسِهِمَا .

ترجمہ

اور مدبر اور مکاتب غلام اپنے مہر کی ادائیگی کے لئے خود کوشش کریں گے۔ مہر کی ادائیگی کے لئے انہیں فروخت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کتابت اور تدبیر کا معاہدہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک شخص کی ملکیت سے دوسرے شخص کی ملکیت میں منتقل نہیں ہو سکتے لہٰذا ان کا مہر ان کی اپنی کمائی میں سے ادا کیا جائے گا۔ ان کی ذات میں سے ادا نہیں کیا جائے گا۔

مدبر غلام کو فروخت کرنے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر کیا اور اس کے پاس اس غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟ چنانچہ ایک شخص نعیم ابن نحام نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ (بخاری ومسلم)

مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ چنانچہ نعیم ابن عبداللہ عدوی نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ انہوں نے آٹھ سو درہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ درہم اس شخص کو دے دیئے (جس کا وہ غلام تھا) اور فرمایا کہ تم اس رقم کو سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو اور اس کے ذریعہ ثواب حاصل کرو اور اس کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اس کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو، اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی بچ جائے تو رشتہ داروں پر خرچ کرو اور اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی کچھ بچ جائے تو اس کو اس طرح اور اس طرح خرچ کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس طرح سے مراد یہ ہے کہ اس کو اپنے آگے، اپنے دائیں اور اپنے بائیں خرچ کرو (یعنی تمہارے لئے آگے اور دائیں بائیں جو سائل جمع ہوں ان کو اللہ واسطے دے دو)۔

مدبر غلام کی ملکیت میں فقہی تصریحات

مدبر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے غلام سے یہ کہہ دے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو، چنانچہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق ایسے غلام کو بیچنا حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمد کے نزدیک جائز ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ مدبر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو مدبر مطلق اور دوسرا مدبر مقید۔ مدبر مطلق تو وہ غلام ہے جس کا مالک اسے یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ اور مدبر مقید وہ غلام ہے جس سے اس کا مالک یوں کہے کہ اگر میں اس بیماری میں مرجاؤں تو تم آزاد ہو۔ مدبر مطلق کا حکم تو یہ ہے کہ ایسے غلام کو آزادی کے علاوہ کسی اور صورت میں اپنی ملکیت سے نکالنا مالک کے لئے جائز نہیں ہے یعنی وہ مالک اس غلام کو آزاد تو کرسکتا ہے لیکن نہ تو اس کو فروخت کرسکتا ہے اور نہ ہبہ کرسکتا ہے، ہاں اس سے خدمت لینا جائز ہے، اسی طرح اگر لونڈی ہو تو اس سے جماع کرنا بھی جائز ہے اور اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرنا بھی جائز ہے ایسا غلام اپنے مالک کے مرنے کے بعد اس کے تہائی مال میں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر تہائی مال میں سے پورا آزاد نہ ہو سکا ہو تو پھر تہائی مال کے بقدر (جزوی طور پر ہی آزاد ہوگا) مدبر مطلق کے برخلاف مدبر مقید کو بیچنا جائز ہے اور اگر وہ شرط پوری ہو جائے یعنی مالک اس مرض میں مرجائے تو پھر جس طرح مدبر مطلق اپنے مالک کے مرجانے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے اسی طرح مدبر مقید بھی آزاد ہو جائے گا ۔لہٰذا امام ابوحنیفہ اس حدیث کے مفہوم میں تاویل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مدبر کو فروخت فرمایا وہ مدبر مقید ہوگا۔

مکاتب غلام اور مدبر غلام میں کیونکہ غلامی کا پہلو موجود ہوتا ہے اس لیے آقا کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اب سوال یہ ہے: اگر کوئی مدبر یا مکاتب غلام اپنے آقا کی اجازت کے تحت شادی کرلیتا ہے اور اس کے ذمے مہر کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے' تو کیا اسے بھی فروخت کیا جائے گا۔ اگر آپ اسے بھی فروخت کردیتے ہیں' تو کتابت اور تدبیر کے معاہدے کا کوئی بھی فائدہ باقی نہیں رہے گا' ویسے بھی اس معاہدے کی موجودگی میں اس ملکیت کو منتقل کرنا ایک مشکل امر ہوگا۔ مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: مدبر اور مکاتب غلام کو اس بات پر مجبور کیا جائے گا' وہ محنت مزدوری کر کے مہر کی اس رقم کو ادا کریں۔ اس حوالے سے ان دونوں کو فروخت نہیں کیا جائے گا' کیونکہ جب تک کتابت اور تدبیر کا معاہدہ باقی ہے اس وقت تک انہیں ایک ملکیت سے دوسری ملکیت میں منتقل نہیں کیا جاسکتا لہٰذا یہ ان دونوں کی ذات (اسے فروخت کر کے) میں سے ادا نہیں کیا جائے گا بلکہ ان دونوں کی کمائی میں سے ادا کیا جائے گا۔

آقا کے کون سے الفاظ اجازت شمار ہوں گے؟

﴿وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهُ فَقَالَ الْمَوْلٰى طَلِّقْهَا اَوْ فَارِقْهَا فَلَيْسَ هٰذَا بِاِجَازَةٍ﴾ لِاَنَّهُ يَحْتَمِلُ الرَّدَّ لِاَنَّ رَدَّ هٰذَا الْعَقْدِ وَمُتَارَكَتَهُ يُسَمّٰى طَلَاقًا وَّمُفَارَقَةً

وَّهُوَ اَلْيَقُ بِحَالِ الْعَبْدِ الْمُتَمَرِّدِ اَوْ هُوَ اَدْنٰى فَكَانَ الْحَمْلُ عَلَيْهِ اَوْلٰى .

ترجمہ

اور جب کوئی غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرلے اور آقا یہ کہے: تم اس عورت کو طلاق دے دو یا اس سے علیحدہ ہو جاؤ! تو یہ چیز اجازت تصور نہیں ہوگی' کیونکہ اس میں اس نکاح کو مسترد کرنے کا احتمال پایا جاتا ہے' کیونکہ اس معاہدے کو مسترد کرنا اور ترک کرنا ہی طلاق اور علیحدگی مراد لیا جاسکتا ہے اور یہ مفہوم سرکش غلام کی حالت کے زیادہ لائق بھی ہوگا۔ نیز یہ کم تر مفہوم ہے تو الفاظ کو اس مفہوم پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

غلام کے نکاح کا آقا کی اجازت پر موقوف ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیتا ہے اور آقا اس سے یہ کہتا ہے: تم اس عورت کو طلاق دے دو' یا اس سے علیحدگی اختیار کرلو' تو یہ بات آقا کی طرف سے اجازت شمار نہیں ہوگی۔ مسئلے کی صورت یہ ہے: غلام کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے' اب کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح آقا کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر آقا اس کی اجازت دیدے گا' تو نکاح درست شمار ہوگا اور اگر اجازت نہیں دے گا' تو نکاح درست شمار نہیں ہوگا۔ اب ایک ایسی صورت حال سامنے آتی ہے کہ جب آقا کو اس بات کا پتہ چلتا ہے' تو وہ غلام سے یہ کہتا ہے کہ تم اس عورت کو طلاق دے دو' یا اس سے علیحدگی اختیار کرلو۔ اب طلاق اس کو دی جاسکتی ہے' جس کے ساتھ نکاح ہو چکا ہو' تو آقا کے ان الفاظ کے ذریعے اشارے کے طور پر یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ آقا نے اس غلام کے کیے ہوئے نکاح کو برقرار رکھا ہے اور اسے برقرار سمجھنے کے بعد اب غلام کو طلاق دینے کے لئے کہہ رہا ہے۔ مصنف یہ فرماتے ہیں: ان الفاظ میں اجازت دینے اور مسترد کرنے دونوں باتوں کا احتمال پایا جاتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے: اس عقد کو مسترد کرنے اور ترک کرنے کو بھی طلاق اور فرقت کا نام دیا جاسکتا ہے اور کسی سرکش غلام کی حالت کے یہی مفہوم زیادہ لائق ہوگا یا پھر یہ ہے: یہ کم تر حیثیت کا مفہوم ہے اس لیے الفاظ کو اس مفہوم پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

جب آقا کا حکم طلاق شرط رجوع کے ساتھ ہو

﴿وَاِنْ قَالَ : طَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً تَمْلِكُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ اِجَازَةٌ﴾ لِاَنَّ الطَّلَاقَ الرَّجْعِيَّ لَا يَكُوْنُ اِلَّا فِيْ نِكَاحٍ صَحِيْحٍ فَتَتَعَيَّنُ الْاِجَازَةُ .

ترجمہ

اور جب آقا نے کہا: تم اسے ایک طلاق دے دو اور تم رجوع کرنے کے مالک ہو گے' تو یہ چیز اجازت شمار ہوگی' کیونکہ رجعی

طلاق اسی وقت ممکن ہے جب کہ نکاح صحیح ہو لہٰذا اس کے ذریعے اجازت ملنا متعین ہو گیا۔

شرح

لیکن اگر آقا نے یہ کہا: تم اسے ایک طلاق دو جس میں تم رجوع کرنے کے مالک رہو تو یہ چیز آقا کی طرف سے اجازت شمار کی جائے گی اس کی وجہ یہ ہے: رجعی طلاق صرف اسی نکاح میں دی جاسکتی ہے جو صحیح ہو لہٰذا اس صورت حال میں آقا کی طرف سے اجازت متعین ہو جائے گی۔

آقا کے اجازت دینے کے بعد نکاحِ فاسد کرنے کا حکم

﴿وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِهِ تَزَوَّجْ هٰذِهِ الْاَمَةَ فَتَزَوَّجَهَا نِكَاحًا فَاسِدًا وَّدَخَلَ بِهَا فَاِنَّهُ يُبَاعُ فِي الْمَهْرِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ، وَقَالَا يُؤْخَذُ مِنْهُ اِذَا عَتَقَ﴾ وَاَصْلُهُ اَنَّ الْاِذْنَ بِالنِّكَاحِ يَنْتَظِمُ الْفَاسِدَ وَالْجَائِزَ عِنْدَهُ، فَيَكُوْنُ هٰذَا الْمَهْرُ ظَاهِرًا فِىْ حَقِّ الْمَوْلٰى وَعِنْدَهُمَا يَنْصَرِفُ اِلَى الْجَائِزِ لَا غَيْرُ فَلَا يَكُوْنُ ظَاهِرًا فِىْ حَقِّ الْمَوْلٰى فَيُؤَاخَذُ بِهِ بَعْدَ الْعَتَاقِ، لَهُمَا اَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنَ النِّكَاحِ فِي الْمُسْتَقْبَلِ الْاِعْفَافُ وَالتَّحْصِيْنُ وَذٰلِكَ بِالْجَائِزِ، وَلِهٰذَا لَوْ حَلَفَ لَا يَتَزَوَّجُ يَنْصَرِفُ اِلَى الْجَائِزِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِاَنَّ بَعْضَ الْمَقَاصِدِ حَاصِلٌ وَّهُوَ مِلْكُ التَّصَرُّفَاتِ. وَلَهُ اَنَّ اللَّفْظَ مُطْلَقٌ فَيَجْرِىْ عَلٰى اِطْلَاقِهِ كَمَا فِى الْبَيْعِ. وَبَعْضُ الْمَقَاصِدِ فِى النِّكَاحِ الْفَاسِدِ حَاصِلٌ كَالنَّسَبِ، وَوُجُوْبِ الْمَهْرِ وَالْعِدَّةِ عَلٰى اعْتِبَارِ وُجُوْدِ الْوَطْيِ، وَمَسْاَلَةُ الْيَمِيْنِ مَمْنُوْعَةٌ عَلٰى هٰذِهِ الطَّرِيْقَةِ.

ترجمہ

اور اگر آقا نے غلام سے یہ کہا: تم کنیز کے ساتھ نکاح کر لو اور پھر اس غلام نے اس کنیز کے ساتھ نکاح فاسد کر کے اس کے ساتھ مباشرت بھی کر لی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس غلام کو مہر میں فروخت کر دیا جائے گا۔ صاحبین؛ یہ کہتے ہیں: جب غلام آزاد ہو جائے گا اس وقت اس سے مہر وصول کیا جائے گا۔ اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے: امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح کی اجازت دینے میں جائز نکاح اور فاسد نکاح دونوں شامل ہوں گے لہٰذا یہ مہر آقا کے حق میں ظاہر ہوگا۔ صاحبین؛ کے نزدیک آقا کی اجازت صرف صحیح نکاح کے بارے میں ہوتی ہے۔ اس میں فاسد نکاح داخل نہیں ہو سکتا لہٰذا فاسد نکاح کے نتیجے میں لازم آنے والے مہر کی ادائیگی آقا کے ذمے نہیں ہوتی اس لیے جب وہ غلام آزاد ہو جائے گا تو اس کے بعد اس سے مہر کا مطالبہ کیا جائے گا۔ صاحبین؛ کی دلیل یہ ہے: نکاح کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے انسان پاکدامنی کے ساتھ زندگی بسر کرے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کر سکے اور یہ مقصد

صرف صحیح نکاح کے نتیجے میں حاصل ہوسکتا ہے۔

لہٰذا اس اصول کے پیش نظر کوئی شخص یہ قسم اٹھالے کہ وہ نکاح نہیں کرے گا تو وہ اسی وقت حانث شمار ہوگا جب وہ صحیح نکاح کرے ورنہ حانث شمار نہیں ہوگا۔ البتہ خرید وفروخت کا حکم مختلف ہے' کیونکہ خرید وفروخت میں بعض مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں جیسے تصرف کرنے کی قدرت ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: آقا نے مطلق طور پر نکاح کا لفظ استعمال کیا ہے' لہٰذا مطلق اپنے اطلاق پر برقرار رہے گا' جیسا کہ خرید وفروخت میں ہوتا ہے۔ جہاں تک صاحبین ؛ کے اس قول کا تعلق ہے: خرید وفروخت میں بعض فوائد حاصل ہو جاتے ہیں' تو نکاح فاسد کے ذریعے بھی بعض مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں' جیسے مباشرت کے نتیجے میں نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ مہر اور عدت وغیرہ لازم ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک اس اصول کا تعلق ہے (کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے) تو قسم کے مسئلے میں ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔

نکاح کے اختیار میں مولی کی نیت کا اعتبار

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب غلام نے مولی سے نکاح کی اجازت لی اور نکاح فاسد کیا تو اجازت ختم ہوگئی یعنی پھر نکاح صحیح کرنا چاہے تو دوبارہ اجازت لینی ہوگی اور نکاح فاسد میں وطی کرلی ہے تو مہر غلام پر واجب یعنی غلام مہر میں بیچا جاسکتا ہے اور اگر اجازت دینے میں مولی نے نکاحِ صحیح کی نیت کی تھی تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اور نکاحِ فاسد کی اجازت دی تو یہی نکاحِ صحیح کی بھی اجازت ہے بخلاف وکیل کہ اس نے اگر پہلی صورت میں نکاح فاسد کردیا، تو ابھی وکالت ختم نہ ہوئی دوبارہ صحیح نکاح کرسکتا ہے اور اگر اسے نکاحِ فاسد کا وکیل بنایا ہے تو نکاحِ صحیح کا وکیل نہیں۔ غلام کو نکاح کی اجازت دی تھی، اس نے ایک عقد میں دو عورتوں سے نکاح کیا تو کسی کا نہ ہوا۔ ہاں اگر اجازت ایسے لفظوں سے دی جن سے عموم سمجھا جاتا ہے تو ہو جائے گا۔ کسی نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے مکاتب سے کردیا پھر مرگیا تو نکاح فاسد نہ ہوگا۔ ہاں اگر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز آیا تو اب فاسد ہو جائے گا کہ لڑکی اسکی مالکہ ہوگئی۔ (درمختار، کتاب النکاح)

مہر کی ادائیگی کیلئے غلام فروخت کرنے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب کوئی آقا اپنے غلام سے یہ کہے: تم اس کنیز کے ساتھ شادی کرلو اور وہ غلام اس کنیز کے ساتھ فاسد نکاح کرلے اور اس عورت کے ساتھ صحبت بھی کرلے تو پھر اس کا حکم کیا ہوگا؟ کیونکہ صحبت کرنے کے نتیجے میں مہر کی ادائیگی' تو لازم ہو چکی ہے' جبکہ آقا نے جس چیز کی اجازت دی تھی غلام نے اس پر صحیح طور پر عمل نہیں کیا کیونکہ آقا نے نکاح صحیح کی اجازت دی تھی اور غلام نے نکاح فاسد کرلیا ہے'

تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک حکم یہ ہے: ایسی صورت حال میں مہر کی ادائیگی کے لئے اس غلام کو فروخت کردیا جائے گا' جبکہ صاحبین ؛ یہ فرماتے ہیں: ایسی صورت میں مہر کی ادائیگی کو روک دیا جائے گا اور جب وہ غلام آزاد ہوگا اس وقت مہر ادا کیا جائے

گ۔ یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اس اختلاف کی بنیاد یہ اصول ہے: نکاح کی اجازت دینے میں نکاح فاسد اور نکاح صحیح دونوں شامل ہوتے ہیں۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے' اس لیے کیونکہ آقا نے مذکورہ مسئلے میں غلام کو اجازت دے دی تھی تو اس اجازت میں نکاح صحیح اور نکاح فاسد دونوں شامل ہوں گے لہٰذا نکاح فاسد کے بعد کی جانے والی صحبت کے نتیجے میں لازم ہونے والے مہر کی ادائیگی آقا کے ذمے ہوگی' کیونکہ اسی نے نکاح کی اجازت دی تھی' جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ اجازت صرف جائز یعنی صحیح نکاح کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اس کے علاوہ اور کسی کے ساتھ نہیں ہوتی اس لیے اس نکاح فاسد کے بعد کی جانے والی صحبت کے نتیجے میں لازم ہونے والے مہر کی ادائیگی آقا کے ذمے لازم نہیں ہوگی اور اسے غلام کے آزاد ہو جانے کے بعد غلام ہی سے وصول کیا جائے گا۔

یہاں صاحبین نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: نکاح کا مقصد یہ ہوتا ہے' انسان پاکدامنی اختیار کرے اور یہ پاکدامنی صرف صحیح نکاح کے نتیجے میں حاصل ہو سکتی ہے' یہی وجہ ہے: اگر کوئی شخص یہ قسم اٹھائے' وہ شادی نہیں کرے گا' تو اس قسم میں صرف نکاح صحیح شامل ہوگا اگر وہ نکاح صحیح کرتا ہے تو اسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اگر نکاح فاسد کرتا ہے' تو وہ حانث شمار نہیں ہوگا اور اسے قسم کا کفارہ نہیں دینا پڑے گا۔

یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے' اگر کوئی آقا اپنے غلام کو خرید و فروخت کرنے کے لئے کہتا ہے اور وہ غلام بیع فاسد کر لیتا ہے' تو اگرچہ بیع درست نہیں ہوگی' لیکن آقا کی اجازت بیع صحیح اور بیع فاسد دونوں کو شامل ہوگی تو مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: بیع کا حکم نکاح سے مختلف ہے' کیونکہ بیع فاسد کے نتیجے میں بھی بعض مقاصد اور منافع حاصل ہو جاتے ہیں' یعنی آدمی تصرفات کا مالک بن جاتا ہے۔

امام صاحب کا یہ مؤقف تھا کہ اگر آقا نے نکاح کی اجازت دے دی ہے تو یہ نکاح صحیح اور نکاح فاسد دونوں کو شامل ہوگی اپنے اس مؤقف کی تائید میں انہوں نے یہ دلیل پیش کی ہے: نکاح کی اجازت دینے کا لفظ مطلق ہے لہٰذا یہ اپنی اطلاق پر جاری رہے گا' جیسا کہ خرید و فروخت میں یہ اطلاق پر جاری رہتا ہے اور آپ نے بیع فاسد کے بارے میں یہ دلیل دی تھی کہ بعض مقاصد بیع فاسد کے ذریعے حاصل ہو جاتے ہیں' تو نکاح فاسد کے ذریعے بھی بعض مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں جیسے نسب ثابت ہو جاتا ہے' مہر کی ادائیگی لازم ہوتی ہے' عدت گزارنا لازم ہوتا ہے' کیونکہ نکاح فاسد کے بعد وطی پائی جا رہی ہے۔ یہاں امام ابوحنیفہ پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے' اگر آپ کی بیان کی ہوئی بات ٹھیک ہے' تو پھر جس شخص نے یہ قسم اٹھائی تھی' وہ کبھی شادی نہیں کرے گا' اس کی قسم میں نکاح فاسد بھی شامل ہونا چاہئے۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: قسم اٹھانے کے مسئلے میں یہ چیز ممنوع ہوگی' یعنی مطلق لفظ اپنے اطلاق پر جاری نہیں ہوگا' کیونکہ قسم کا تعلق عرف سے ہوتا ہے اور عرف میں یہ بات صرف نکاح صحیح کے ساتھ شامل ہوتی ہے۔

ماذون غلام کے نکاح کا حکم

﴿وَمَنْ زَوَّجَ عَبْدًا مَاذُونًا لَهُ مَدْيُونًا امْرَاَةً جَازَ، وَالْمَرْاَةُ اُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ فِيْ مَهْرِهَا﴾

وَمَعْنَاهُ إِذَا كَانَ النِّكَاحُ بِمَهْرِ الْمِثْلِ وَوَجْهُهُ أَنَّ سَبَبَ وِلَايَةِ الْمَوْلَى مِلْكُهُ الرَّقَبَةَ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ ، وَالنِّكَاحُ لَا يُلَاقِي حَقَّ الْغُرَمَاءِ بِالْإِبْطَالِ مَقْصُودًا ، إِلَّا أَنَّهُ إِذَا صَحَّ النِّكَاحُ وَجَبَ الدَّيْنُ بِسَبَبٍ لَا مَرَدَّ لَهُ فَشَابَهَ دَيْنَ الْإِسْتِهْلَاكِ وَصَارَ كَالْمَرِيضِ الْمَدْيُونِ إِذَا تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَبِمَهْرِ مِثْلِهَا أُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ .

ترجمہ

اگر کسی شخص نے کسی ایسے غلام کے ساتھ عورت کا نکاح کر دیا جسے تجارت کرنے کی اجازت حاصل تھی لیکن وہ مقروض تھا' تو یہ نکاح درست شمار ہوگا اور عورت اپنے مہر کے حصول کے لئے دیگر قرض خواہوں کے ساتھ برابر کی شریک شمار ہوگی۔ اس کا مفہوم یہ ہے۔ برابری کا حق اسے اس وقت حاصل ہوگا' جب وہ نکاح مہر مثل کے عوض میں ہوا ہو۔ برابر کا حق حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے: مالک کا غلام کی گردن کا مالک ہونا ہی اس کی ولایت کا سبب ہے۔ جیسا کہ عنقریب ہم وضاحت کر دیں گے' اور نکاح کا ملنا دیگر قرض خواہوں کے حق کے ساتھ اس طرح نہیں ہوا کہ ان کے حقوق ضائع کرنے کا قصد ہو۔

جب نکاح صحیح ہوا تو قرض ایسے سبب کی وجہ سے لازم ہوا ہے جس سے مفر نہیں ہے اور یہ اس قرض کی مانند ہوگا جو کسی چیز کو ہلاک کرنے کے نتیجے میں لازم ہوتا ہے۔ تو اس غلام کی حالت' اس مریض کی طرح ہوگی جس کے ذمے قرض ہو اور پھر وہ کسی عورت کے ساتھ شادی کر لے' تو یہ عورت اپنے مہر مثل کی مقدار تک کے مہر میں' دیگر قرض خواہوں کے ہمراہ برابر کی شریک شمار ہوگی۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔

ماذون یا مدبر یا مکاتب نے اپنی زوجہ کو خریدا تو نکاح فاسد نہ ہوا۔ یونہی اگر کسی نے اپنی زوجہ کو خریدا اور بیع میں اختیار رکھا کہ اگر چاہے گا تو واپس کر دے گا تو نکاح فاسد نہ ہوگا۔ یونہی جس غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا ہے وہ اگر اپنی منکوحہ کو خرید ے تو نکاح فاسد نہ ہوا۔ مکاتب یا ماذون کی کنیز سے مولیٰ نکاح نہیں کر سکتا۔ (عالمگیری)

ماذون غلام کے مہر قرض ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: ایک شخص اپنے غلام کو اذن یعنی اجازت دیتا ہے کہ وہ خرید و فروخت کر سکتا ہے' پھر اس غلام کے ذمے قرض کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے' تو وہ آقا اپنے اس غلام کی شادی اگر کسی خاتون کے ساتھ کر دیتا ہے' تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔ اس پر یہ سوال کیا جائے گا: اس خاتون کا مہر کیسے ادا کیا جائے گا؟ تو مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے' دیگر قرض خواہوں کی طرح وہ خاتون بھی قرض کے طور پر اپنا مہر وصول کرنے کی حقدار ہوگی۔

مصنف نے اس کے بارے میں یہ بات بیان کی ہے: جب آقا اپنی غلام کا مالک ہے' تو وہ اس کی بہتری کے لئے کچھ بھی کر

سکتا ہے تو اس لیے اس کا یہ نکاح کی اجازت دینا درست ہوگا اور آقا نے غلام کو نکاح کی اجازت اس لیے نہیں دی ہے تا کہ دیگر قرض خواہوں کے حق کو نقصان پہنچا سکے اس کی وجہ یہ ہے: قرض خواہوں کے حق کا تعلق مال سے ہے' جبکہ آقا کے اس عمل کا تعلق مال اور آدمیت سے ہے اور آقا کے حق میں ولایت کا سبب بھی موجود ہے اور نکاح کے بارے میں اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے' تو اس نکاح کے جائز ہونے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوگا' تو جب یہ نکاح جائز ہوگا' تو اس کا اثر یعنی مہر کی ادائیگی بھی لازم ہونی چاہیے تو جس طرح دیگر قرض خواہ اپنی وصولی کے منتظر ہیں اسی طرح وہ عورت بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائے گی۔

مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: جب نکاح درست ہوگا' تو یہ قرض یعنی مہر کی ادائیگی ایک ایسے سبب کی وجہ سے لازم ہوگی جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہ اس ادائیگی کے مشابہ ہو جائے گا جو کسی چیز کو ہلاک کرنے کے نتیجے میں لازم ہوتی ہے' یعنی وہ غلام اگر کسی شخص کی کوئی چیز ضائع کر دیتا تو اس کی ادائیگی بھی اس غلام کے ذمے لازم ہوتی۔ مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: ایسا غلام اس بیمار شخص کی مانند ہوگا جس کے ذمے قرض کی ادائیگی لازم ہو اب اگر وہ کسی عورت کے ساتھ شادی کر لیتا ہے' تو اس عورت کو مہر مثل کی مقدار تک' دیگر قرض خواہوں کے ساتھ شامل ہو کر اپنی رقم وصول کرنے کا حق ہوگا۔

کنیز کی شادی کرنے کے بعد اسے الگ گھر میں بسانا لازم نہیں

﴿وَمَنْ زَوَّجَ اَمَتَهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُبَوِّئَهَا بَيْتَ الزَّوْجِ لٰكِنَّهَا تَخْدُمُ الْمَوْلٰى ، وَيُقَالُ لِلزَّوْجِ مَتٰى ظَفِرْتَ بِهَا وَطِئْتَهَا﴾ لِاَنَّ حَقَّ الْمَوْلٰى فِى الْاِسْتِخْدَامِ بَاقٍ وَّالتَّبْوِئَةُ اِبْطَالٌ لَّهُ ﴿فَاِنْ بَوَّاَهَا مَعَهُ بَيْتًا فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى وَاِلَّا فَلَا﴾ لِاَنَّ النَّفَقَةَ تُقَابِلُ الْاِحْتِبَاسَ ، وَلَوْ بَوَّاَهَا بَيْتًا ثُمَّ بَدَا لَهُ اَنْ يَّسْتَخْدِمَهَا لَهُ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْحَقَّ بَاقٍ لِبَقَاءِ الْمِلْكِ فَلَا يَسْقُطُ بِالتَّبْوِئَةِ كَمَا لَا يَسْقُطُ بِالنِّكَاحِ .

ترجمہ

جو شخص اپنی کنیز کا نکاح کسی کے ساتھ کر دے' تو اس پر لازم نہیں ہے کہ وہ اس کنیز کو شوہر کے گھر میں بسائے بلکہ وہ کنیز اپنے مالک کی خدمت کرتی رہے گی' اور شوہر سے یہ کہا جائے گا: جب تمہیں موقع ملے تم اس کے ساتھ مباشرت کر سکتے ہو' کیونکہ مالک کی خدمت کا حق باقی رہے گا' لیکن اگر اس کنیز شوہر کے گھر بسا دیا جائے تو خدمت کا یہ حق باطل ہو جائے گا۔ اگر آقا نے اپنی رضامندی کے ساتھ اپنی کنیز کو شوہر کے ساتھ ایک مکان میں بسا دیا تو اس کے خرچ اور رہائش کی ذمہ داری شوہر کے ذمے ہوگی' ورنہ شوہر کے ذمے نہیں ہوگی' کیونکہ خرچ اس چیز کے مقابلے میں ہوتا ہے کہ شوہر اسے گھر میں پابند رکھ سکے۔

اگر مالک اپنی کنیز کو شوہر کے ساتھ کسی مکان میں بسا دیتا ہے پھر وہ یہ مناسب سمجھتا ہے کہ وہ اس مالک کی بھی خدمت کرتی رہے' تو اسے یہ حق حاصل ہوگا (کہ وہ کنیز کو واپس بلوا لے) اس کی وجہ یہ ہے: ملکیت باقی ہونے کے نتیجے میں خدمت کا حق بھی باقی

ہے لہٰذا یہ گھر میں بسانے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا' جیسے نکاح کر دینے سے ساقط نہیں ہوتا۔

باندی اور غلام کے نفقہ کے احکام و مسائل

آقا پر اپنے غلام اور باندی کے اخراجات کی کفالت ضروری ہے خواہ ان میں ملکیت پوری ہو جیسے خالص غلام یا ادھوری ہو جیسے مدبرہ اور ام ولد اور خواہ کمسن ہوں یا بڑی عمر والے اور خواہ اپاہج و معذور ہوں۔ یا بالکل تندرست و توانا ہوں۔

اگر کوئی شخص اپنے غلاموں کی کفالت سے انکار کرے تو وہ غلام اس بات کے مختار ہوں گے کہ محنت و مزدوری کریں اور جو کچھ کمائیں اس سے اپنے اخراجات پورے کریں اور اگر ان کے لئے کوئی مزدوری کا کام نہ ہو اور وہ کما کر اپنے اخراجات پورے نہ کر سکتے ہوں تو پھر قاضی و حاکم کی طرف سے آقا کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ان غلاموں کو فروخت کر دے۔

اگر کسی شخص نے کوئی جانور خریدا تو اس پر جانور کے چارہ پانی کا انتظام کرنا واجب ہے لیکن اگر ان کو چارہ پانی دینے سے انکار کر دیا تو اس کو قانونی طور پر اس جانور کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ لیکن دیانۃً اور اخلاقی طور پر اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس جانور کو فروخت کر دے یا اسکے چارہ پانی کا انتظام کرے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی کنیز کی شادی کسی کے ساتھ کر دیتا ہے' تو اس آقا پر یہ بات لازم نہیں ہوگی' وہ اس کنیز کو اس کے شوہر کے گھر میں رہنے دے' بلکہ وہ کنیز بدستور اپنے آقا کی خدمت کرتی رہے گی' اور شوہر کے لئے یہ حکم ہوگا' اسے جب موقع ملے وہ اس کنیز کے ساتھ صحبت کر لے۔

آقا پر یہ لازم نہیں ہے' وہ کنیز کو شوہر کے گھر میں رہنے دے اس کی وجہ مصنف نے یہ بیان کی ہے: کنیز سے خدمت لینے کا آقا کا حق ابھی قائم ہے' لیکن اگر اس کنیز کو شوہر کے گھر میں بسا دیا جائے تو اس کے نتیجے میں آقا کا یہ حق متاثر ہوگا اس لیے آقا کو ایسی کسی چیز کا پابند نہیں کیا جاسکتا جو اس کے حق میں نقصان دہ ہو۔ یہاں مصنف نے ایک ذیلی شق یہ بیان کی ہے: بالفرض اگر آقا کنیز کو یہ اجازت دے دیتا ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں جا کے رہے اور آقا خود اپنی خدمت کنیز سے ساقط کر دیتا ہے' تو اس صورت میں کنیز کے خرچ اور رہائش کی ذمہ داری شوہر کے ذمے ہوگی اس کی وجہ یہ ہے: خرچ اس چیز کے مقابلے میں ہوتا ہے کہ شوہر کو اس عورت کو گھر میں روکے رکھنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اسی مسئلے کی ایک ذیلی شق یہ ہے: بالفرض آقا نے کنیز کو شوہر کے گھر میں رہنے کی اجازت دے دی اور پھر آقا کو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ وہ کنیز اس کی خدمت کرے' تو اب آقا اس کنیز کو شوہر کے گھر سے واپس بلا سکتا ہے' اس کی وجہ یہی ہے: ملکیت باقی ہونے کی وجہ سے آقا کا خدمت لینے کا حق ابھی تک باقی ہے' لہٰذا وہ کنیز کو اس کے شوہر کے گھر میں بسانے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا بالکل اسی طرح جیسے نکاح کی وجہ سے آقا کا یہ حق ساقط نہیں ہوا تھا۔

کیا شادی میں غلام اور کنیز کی رضامندی شرط ہے؟

قَالَ ﴿ذَكَرَ تَزْوِيجَ الْمَوْلٰى عَبْدَهُ وَاَمَتَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ رِضَاهُمَا﴾ وَهٰذَا يَرْجِعُ اِلٰى مَذْهَبِنَا

اَنَّ لِلْمَوْلٰی اِجْبَارَهُمَا عَلَی النِّكَاحِ. وَعِنْدَ الشَّافِعِیِّ لَا اِجْبَارَ فِی الْعَبْدِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِیْ حَنِيْفَةَ لِاَنَّ النِّكَاحَ مِنْ خَصَائِصِ الْاٰدَمِيَّةِ وَالْعَبْدُ دَاخِلٌ تَحْتَ مِلْكِ الْمَوْلٰی مِنْ حَيْثُ اِنَّهُ مَالٌ فَلَا يَمْلِكُ اِنْكَاحَهُ، بِخِلَافِ الْاَمَةِ لِاَنَّهُ مَالِكٌ مَنَافِعَ بُضْعِهَا فَيَمْلِكُ تَمْلِيْكَهَا. وَلَنَا لِاَنَّ الْاِنْكَاحَ اِصْلَاحُ مِلْكِهِ لِاَنَّ فِيْهِ تَحْصِيْنَهُ عَنِ الزِّنَا الَّذِیْ هُوَ سَبَبُ الْهَلَاكِ اَوِ النُّقْصَانِ فَيَمْلِكُهُ اعْتِبَارًا بِالْاَمَةِ، بِخِلَافِ الْمُكَاتَبِ وَالْمُكَاتَبَةِ لِاَنَّهُمَا الْتَحَقَا بِالْاَحْرَارِ تَصَرُّفًا فَيُشْتَرَطُ رِضَاهُمَا.

ترجمہ

اور امام محمد نے یہ بات بیان کی ہے: انہوں نے آقا کے اپنے غلام اور کنیز کی شادی کرنے کا ذکر کیا ہے لیکن ان دونوں کی رضامندی کا ذکر نہیں کیا اور یہ بات ہمارے اس موقف کی طرف رجوع کرے گی' آقا کو یہ حق حاصل ہے وہ ان دونوں کا زبردستی نکاح کر دے۔ امام شافعی یہ فرماتے ہیں: غلام کو شادی کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا اور ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے: نکاح آدمی کی خصوصیت ہے اور غلام اپنے آقا کی ملکیت کے تحت اس حیثیت سے داخل ہے کہ وہ ایک مال ہے' لہٰذا آقا اس کا نکاح نہیں کروا سکتا' جبکہ کنیز کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ جب وہ اس کے بضع سے نفع حاصل کرنے کا مالک ہے' تو اس نفع کو کسی دوسرے کی ملکیت میں دینے کا بھی مالک ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے: نکاح کروانا اصل میں اپنے زیر ملکیت کی اصلاح کرنا ہے' کیونکہ اس کے نتیجے میں وہ زنا سے محفوظ ہو جائے گا' جو ہلاکت اور نقصان کا سبب ہوتا ہے' تو کنیز پر قیاس کرتے ہوئے وہ غلام کی شادی کروانے کا بھی مالک ہوگا۔ جبکہ مکاتب غلام اور مکاتب کنیز کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ وہ دونوں تصرف کی وجہ سے آزاد لوگوں کے ساتھ مل جاتے ہیں لہٰذا ان دونوں کی رضامندی شرط ہوگی۔

مولیٰ کی نکاح میں جبری ولایت کا فقہی بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔ کہ مولیٰ کو اپنے غلام اور لونڈی پر جبری ولایت ہے یعنی جس سے چاہے نکاح کر دے، ان کو منع کا کوئی حق نہیں مگر مکاتب ومکاتبہ کا نکاح بغیر اجازت نہیں کر سکتا اگرچہ نابالغ ہوں کر دے گا تو ان کی اجازت پر موقوف رہے گا اور اگر نابالغ مکاتب ومکاتبہ نے بدل کتابت ادا کر دیا اور آزاد ہو گئے تو اب مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہے جبکہ اور کوئی عصبہ نہ ہو کہ یہ بوجہ نابالغی اجازت کے اہل نہیں اور اگر بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوئے تو مکاتب غلام کا نکاح اجازت مولیٰ پر موقوف ہے اور مکاتبہ کا باطل۔ (عالمگیری، کتاب النکاح)

غلام کے جبری نکاح میں فقہ شافعی و حنفی کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: امام محمد نے "الجامع الصغیر" میں یہ بات تو بیان کر دی ہے' آقا اپنے غلام یا کنیز کا نکاح کر دے' لیکن اس نے اس بات کا ذکر نہیں کیا' یہ ان کی رضامندی سے ہوگا یا آقا زبردستی بھی ان کی شادی کر سکتا ہے۔ امام محمد کا اس بحث کو ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے' ان کے نزدیک آقا غلام اور کنیز کو شادی کرنے پر مجبور کر سکتا ہے خواہ وہ غلام یا کنیز بالغ ہوں یا نابالغ ہوں۔

امام شافعی اس بات کے قائل ہیں: آقا غلام کو نکاح کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا اور امام ابوحنیفہ سے بھی اسی طرح کی روایت منقول ہے۔ امام شافعی نے یہ دلیل پیش کی ہے: نکاح انسانیت کی خصوصیت ہے (اور انسان ہونے میں غلام اور آزاد شخص دونوں برابر ہوتے ہیں) اس کے علاوہ غلام' آقا کی ملکیت میں مال کے طور پر داخل ہوتا ہے اس لیے آقا اس بات کا مالک نہیں ہوگا' وہ زبردستی اس کا نکاح بھی کروا دے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے' یہ انسانیت تو کنیز میں بھی پائی جاتی ہے پھر آپ اس کے بارے میں یہ کیوں نہیں کہتے کہ آقا اس کا بھی زبردستی نکاح نہیں کر سکتا اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ کنیز کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ وہاں آقا مال کے طور پر اس کا مالک ہونے کے ساتھ اس کے بضع کے منافع کا بھی مالک ہوتا ہے' یعنی اگر وہ آقا چاہے تو اس کے ساتھ صحبت بھی کر سکتا ہے' لہٰذا کنیز میں یہ حیثیت مختلف ہوگی' تو جب آقا خود اس کی بضع میں تصرف کر سکتا ہے' تو وہ کسی دوسرے کو بھی اس کے منافع کا مالک بنا سکتا ہے۔

احناف یہ دلیل دیتے ہیں: زبردستی کا یہ نکاح اپنی ملکیت کی بہتری کے لئے ہے' کیونکہ اس صورت میں یہ شادی اس غلام کو زنا سے بچا دے گی جو اس کے لئے ہلاکت اور نقصان کا سبب ہو سکتا ہے' لہٰذا کنیز پر قیاس کرتے ہوئے آقا' غلام کی زبردستی شادی کرنے کا بھی مالک ہوگا۔ اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے' اگر آپ غلام اور کنیز دونوں میں آقا کو مالک قرار دے رہے ہیں' وہ اپنی ملکیت کی اصلاح کے لئے زبردستی ان کی شادی کر سکتا ہے' تو پھر آپ مکاتب غلام یا مکاتب کنیز کے بارے میں بھی آقا کو یہ اجازت دیں کہ وہ زبردستی ان دونوں کی شادی کر سکتا ہو'

تو مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: مکاتب غلام اور مکاتب کنیز کا حکم اس سے مختلف ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے: تصرف کے اعتبار سے یہ دونوں آزاد اشخاص کے ساتھ مل جاتے ہیں' کیونکہ یہ آزاد اشخاص کی طرح لین دین اور کاروبار کر سکتے ہیں اس لیے اگر آقا ان کی شادی کرتا ہے' تو ان دونوں کی رضامندی کو شرط قرار دیا جائے گا' جیسا کہ آزاد شخص کے بارے میں عمومی حکم ہے۔

اگر کوئی آقا کنیز کی شادی کرنے کے بعد اسے قتل کر دے؟

قَالَ ﴿وَمَنْ زَوَّجَ اَمَتَهُ ثُمَّ قَتَلَهَا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا زَوْجُهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا عِنْدَ اَبِي

حَنِيْفَةَ، وَقَالَا : عَلَيْهِ الْمَهْرُ لِمَوْلَاهَا﴾ اِعْتِبَارًا بِمَوْتِهَا حَتْفَ اَنْفِهَا، وَهٰذَا لِاَنَّ الْمَقْتُوْلَ مَيِّتٌ بِاَجَلِهٖ فَصَارَ كَمَا اِذَا قَتَلَهَا اَجْنَبِيٌّ : وَلَهٗ اَنَّهٗ مَنَعَ الْمُبْدَلَ قَبْلَ التَّسْلِيْمِ فَيُجَازٰى بِمَنْعِ الْبَدَلِ كَمَا اِذَا ارْتَدَّتِ الْحُرَّةُ، وَالْقَتْلُ فِيْ اَحْكَامِ الدُّنْيَا جُعِلَ اِتْلَافًا حَتّٰى وَجَبَ الْقِصَاصُ وَالدِّيَةُ فَكَذَا فِيْ حَقِّ الْمَهْرِ . ﴿وَاِنْ قَتَلَتْ حُرَّةٌ نَفْسَهَا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا زَوْجُهَا فَلَهَا الْمَهْرُ﴾ خِلَافًا لِزُفَرَ، هُوَ يَعْتَبِرُهٗ بِالرِّدَّةِ وَبِقَتْلِ الْمَوْلٰى اَمَتَهٗ وَالْجَامِعُ مَا بَيَّنَّاهُ . وَلَنَا اَنَّ جِنَايَةَ الْمَرْءِ عَلٰى نَفْسِهٖ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ فِيْ حَقِّ اَحْكَامِ الدُّنْيَا فَشَابَهَ مَوْتَهَا حَتْفَ اَنْفِهَا، بِخِلَافِ قَتْلِ الْمَوْلٰى اَمَتَهٗ لِاَنَّهٗ مُعْتَبَرٌ فِيْ حَقِّ اَحْكَامِ الدُّنْيَا حَتّٰى تَجِبَ الْكَفَّارَةُ عَلَيْهِ .

ترجمہ

اور جو شخص اپنی کنیز کی شادی کرنے کے بعد پھر اسے قتل کر دے اس سے پہلے کہ اس کے شوہر نے اس کے ساتھ صحبت کی ہوئی ہو تو اس عورت کو مہر نہیں ملے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ جبکہ صاحبین : یہ فرماتے ہیں: مرد کے ذمے مہر کی ادائیگی لازم ہوگی جو وہ اس عورت کے آقا کو ادا کرے گا۔ انہوں نے اس چیز کو عورت کی موت پر قیاس کیا ہے جو قدرتی طور پر ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے: مقتول اپنی موت کی وجہ سے مرحوم ہوتا ہے تو یہ اسی طرح ہوگا جیسے کوئی اجنبی شخص اس عورت کو قتل کر دے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: آقا نے (مہر کے معاوضے یعنی) بضع کو سپرد کرنے سے پہلے روک دیا اس لیے اسے اس بضع کا بدل یعنی مہر بھی نہیں ملنا چاہیے جیسا کہ آزاد عورت اگر مرتد ہو جائے (تو اسے مہر نہیں ملتا)۔

دنیاوی احکام کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو قتل کی حیثیت کسی چیز کو ضائع کرنے کی مانند ہے یہی وجہ ہے: قتل کے نتیجے میں قصاص یا دیت کی ادائیگی واجب ہوتی ہے اسی طرح قتل کرنا مہر کے حق میں بھی موثر ثابت ہوگا۔ اگر آزاد عورت مرد کے اس کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے ہی خودکشی کر لیتی ہے تو اس عورت کو مہر ملے گا۔ اس بارے میں امام زفر کی رائے مختلف ہے۔ وہ اس چیز کو "عورت کے مرتد ہونے" اور "آقا کے اپنی کنیز کو قتل کرنے" پر قیاس کرتے ہیں اور (اصول) وہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے: آدمی کا خودکشی کر لینا دنیاوی احکام میں معتبر نہیں ہوتا تو اس کا خودکشی کرنا قدرتی موت کے مترادف ہوگا البتہ آقا کا اپنی کنیز کو قتل کرنا اس سے مختلف ہے کیونکہ دنیاوی احکام میں یہ چیز قابل اعتبار شمار ہوتی ہے یہاں تک کہ آقا پر کفارے کی ادائیگی لازم ہوگی۔

شرح

کنیز کا نکاح کر دیا اور وطی سے پہلے مولی نے اس کو مار ڈالا، اگرچہ خطاء قتل واقع ہوا تو مہر ساقط ہو گیا جبکہ وہ مولی عاقل بالغ ہو اور اگر لونڈی نے خودکشی کی یا مرتدہ ہوگئی یا اس نے اپنے شوہر کے بیٹے کا بہ شہوت بوسہ لیا یا شوہر کی وطی کے بعد مولیٰ نے قتل کیا تو ان صورتوں میں مہر ساقط نہیں۔ (درمختار)

گستاخ ام ولد کے خون کا بیکار ہونا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ایک اندھے کی ام ولد (وہ باندی جس نے مالک کا بچہ جنا ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہا کرتی تھی اور آپ کی برائی میں (نعوذ باللہ) مشغول رہتی تھی۔ وہ اندھا اسے اس سے منع کرتا تھا تو وہ باز نہ آتی تھی اور وہ اسے ڈانٹتا تھا لیکن وہ اس کی ڈانٹ نہیں سنتی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک رات جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں پڑی تھی اور آپ کو برا بھلا کہہ رہی تھی تو اس کے اندھے مالک نے خنجر لیا اور اس کے پیٹ پر رکھ دیا اور اس پر تکیہ لگا لیا۔ اور اسے قتل کر دیا۔ اس عورت کی ٹانگوں کے درمیان بچہ پڑا ہوا تھا تو وہاں پر خون سے لتھڑ گیا صبح کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ میں اس شخص کو جس نے اپنے اوپر میرا حق رکھتے ہوئے یہ فعل کیا ہے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ وہ کھڑا ہو جائے تو وہ اندھا کھڑا ہو گیا اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا لرزتا کانپتا ہوا آیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا، اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس عورت کا ساتھی ہوں وہ آپ کو برا بھلا کہتی تھی اور آپ کی برائی میں پڑی رہا کرتی تھی میں اسے منع بھی کرتا تھا تو وہ باز نہ آتی تھی اور اسے ڈانٹا ڈپٹا تو اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس سے میرے دو موتیوں جیسے بیٹے ہیں اور وہ میری بڑی اچھی ساتھی تھی گذشتہ رات وہ آپ کو برا بھلا کہنے لگی اور آپ کے بارے میں ایسی ویسی بات کہنے لگی تو میں نے خنجر لے کر اس کے پیٹ پر رکھا اور اس پر تکیہ لگا دیا۔ (زور لگایا) یہاں تک کہ میں نے اسے قتل کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار گواہ رہو اس کا خون ھدر بیکار لغو ہے (ضائع) ہے۔ (سیف بتار)

مقتولہ باندی کا مہر آقا کو نہ ملنے کا بیان

جو شخص اپنی کنیز کی شادی کرے اور پھر اس کنیز کے شوہر کے اس کنیز کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے وہ آقا اس کنیز کو قتل کر دے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس عورت کو (یعنی اس عورت کے آقا کو اس عورت کا) مہر نہیں ملے گا جبکہ صاحبین؛ یہ کہتے ہیں: اس صورت میں اس عورت کا مہر اس کے آقا کو ملے گا۔ صاحبین؛ نے یہ دلیل پیش کی ہے: بالفرض اگر وہ عورت قدرتی طور پر فوت ہو جاتی تو اس طبعی موت کے نتیجے میں بھی اس کے شوہر کے ذمے مہر کی ادائیگی لازم ہوتی تھی جو اس کنیز کے آقا کو ملتی تھی تو موت کے بارے میں حکم یہی ہے: عورت کا مہر اس کے آقا کو ملے گا اس کی وجہ یہ ہے: مرنے والا تو اپنی آئی ہوئی سے مرتا ہے تو اس کی مثال

اسی طرح ہوگی جیسے کسی اجنبی شخص نے اس کنیز کو قتل کیا ہو۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: یہاں آقا نے مبدل کو شوہر کے سپرد کرنے سے پہلے اسے روک لیا ہے' لہٰذا اس مبدل کا بدل (یعنی اس کنیز کی بضع) یعنی مہر کی ادائیگی کو بھی روک دیا جائے گا۔ امام صاحب نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ مسئلہ پیش کیا ہے: جب کوئی آزاد عورت مرتد ہو جائے اور اسے مہر نہ ملا ہو' تو اب اسے مہر ادا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس نے مبدل کو روک لیا ہے اس کے جواب میں بدل کو بھی روک دیا جائے گا۔ یہاں مبدل سے مراد بضع کے منافع ہیں اور بدل سے مراد مہر ہے۔

صاحبین نے یہ دلیل پیش کی تھی: جس طرح کوئی اجنبی شخص اس عورت کو قتل کر دیتا ہے یا جس طرح وہ عورت طبعی موت مر جاتی ہے یہاں بھی یہی مراد لیا جائے گا' تو اس کا جواب یہ ہے: اگرچہ مرنے والا شخص اپنی لکھی ہوئی موت کے تحت مرتا ہے' لیکن جس فعل کے نتیجے میں اسے مارا گیا ہے' یعنی قتل اس پر بعض دنیاوی احکامات لاگو ہوتے ہیں' یعنی یہ چیز نقصان شمار کی جائے گی' اور اگر قاتل نے جان بوجھ کر اسے قتل کیا ہے' تو اس سے قصاص لیا جائے گا' یا اگر غلطی سے قتل کیا ہے' تو دیت کی ادائیگی لازم کی جائے گی' تو جس طرح قصاص وغیرہ کے بارے میں قتل ایک اتلاف کی حیثیت رکھتا ہے' اسی طرح مہر کے حوالے سے بھی یہ اتلاف شمار ہوگا اور مہر کے اندر اتلاف یہی ہوگا' اس کے قاتل یعنی کنیز کے آقا کو مہر کے طور پر کچھ بھی نہ ملے اور نکاح کے نتیجے میں جو کچھ ثابت ہوا تھا اور جس چیز کی ادائیگی لازم ہوئی تھی' اسے ساقط قرار دے دیا جائے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی آزاد عورت خودکشی کر لیتی ہے اس سے پہلے کہ مرد نے اس کے ساتھ صحبت کی ہو' تو اس صورت میں عورت کو مہر ملے گا' جبکہ امام زفر کی رائے اس بارے میں مختلف ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں: جس طرح عورت کے مرتد ہونے پر اسے مہر نہیں ملتا' اسی طرح اس کے خودکشی کرنے پر بھی اسے مہر نہیں ملے گا' یا جس طرح آقا اپنی کنیز کو قتل کر دیتا ہے' تو اس آقا کو کنیز کا مہر نہیں ملتا اسی طرح یہاں بھی عورت کو مہر نہیں ملے گا۔

احناف کی دلیل یہ ہے: دنیاوی احکام میں آدمی اپنی ذات کے ساتھ جو زیادتی کرتا ہے۔ اس کا اعتبار نہیں ہوتا لہٰذا خودکشی کرنے والی عورت کی موت اس کی طبعی موت کی مانند قرار دی جائے گی' جبکہ آپ نے جو یہ کہا کہ جس طرح آقا اپنی کنیز کو قتل کر دیتا ہے' تو اس بارے میں بھی یہی حکم ہے' اس کی وجہ مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: آقا کا یہ عمل دنیاوی احکام میں معتبر ہوتا ہے' یہاں تک کہ اس پر کفارے کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے' لیکن خودکشی کرنے والے شخص پر ایسا کوئی دنیاوی حکم لازم نہیں ہوتا۔

کنیز کے ساتھ عزل کی اجازت کس سے لی جائے گی؟

قَالَ ﴿وَإِذَا تَزَوَّجَ اَمَةً فَالْإِذْنُ فِي الْعَزْلِ إِلَى الْمَوْلٰى﴾ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ. وَعَنْ اَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ اَنَّ الْإِذْنَ فِي الْعَزْلِ إِلَيْهَا لِاَنَّ الْوَطْءَ حَقُّهَا حَتّٰى تَثْبُتَ لَهَا وِلَايَةُ الْمُطَالَبَةِ، وَفِي الْعَزْلِ تَنْقِيصُ حَقِّهَا فَيُشْتَرَطُ رِضَاهَا كَمَا فِي الْحُرَّةِ، بِخِلَافِ الْاَمَةِ

الْمَمْلُوكَةِ لِأَنَّهُ لَا مُطَالَبَةَ لَهَا فَلَا يُعْتَبَرُ رِضَاهَا. وَجْهُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَنَّ الْعَزْلَ يُخِلُّ بِمَقْصُودِ الْوَلَدِ وَهُوَ حَقُّ الْمَوْلَى فَيُعْتَبَرُ رِضَاهُ وَبِهٰذَا فَارَقَتِ الْحُرَّةَ.

ترجمہ

اور جب کوئی شخص کسی کنیز کے ساتھ شادی کرے تو "عزل" کی اجازت آقا سے لی جائے گی یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ امام ابویوسف اور امام محمد اس بات کے قائل ہیں: عزل کی اجازت کنیز سے لی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے: صحبت کرنا عورت کا حق ہے۔ یہی وجہ ہے: اسے اس کے مطالبہ حق بھی حاصل ہے جبکہ عزل کی صورت میں اس کے حق میں کمی ہو رہی ہے اس لیے عورت کی رضامندی شرط ہوگی۔ جیسا کہ آزاد عورت میں ایسا ہوتا ہے جبکہ جو کنیز آدمی کی اپنی ملکیت میں ہو اس کا حکم مختلف ہوتا ہے کیونکہ اسے صحبت کرنے کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوتا اس لیے اس کی رضامندی بھی معتبر نہیں ہوتی۔

ظاہر روایت کے قول کی وجہ یہ ہے: عزل کرنا بچے کی پیدائش میں رکاوٹ بنتا ہے اور یہ آقا کا حق ہے لہٰذا آقا کی رضامندی کا اعتبار کیا جائے گا اور اس حوالے سے منکوحہ کنیز اور منکوحہ آزاد عورت کے درمیان فرق واضح ہو جائے گا۔

عزل کی اجازت کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص کی کنیز ہے وہ اس کے ساتھ صحبت کرتا ہے اور اسے یہ پسند نہیں کہ وہ حاملہ ہو جائے وہ اس کے ساتھ عزل کرتا ہے اسی طرح ایک شخص کی بیوی ہے جو بچے کو دودھ پلاتی ہے وہ اسکے ساتھ صحبت کرتا ہے اور یہ بات اسے پسند نہیں کہ وہ حاملہ ہو جائے کیا وہ اس کے ساتھ عزل کر سکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم ایسا نہ بھی کرو تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ تو طے شدہ ہے۔ ابن عون بیان کرتے ہیں میں نے اس بات کا ذکر حضرت حسن بصری سے کیا تو وہ بولے اللہ کی قسم یہ زجر (ناپسندیدگی ظاہر کر کے روکنے) کی مانند ہے۔

(سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 85)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کیا تم لوگ ایسا ہی کرتے ہو اگر تم یہ بھی نہ کرو تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جس جان کی پیدائش کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے وہ پیدا ہو کر ہی رہے گی۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 84)

حضرت عمر بن الخطاب فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل سے منع فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 85)

باندی کے عزل کی اجازت میں فقہاء احناف کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص کسی کنیز کے ساتھ شادی کر لیتا ہے اور اس کے ساتھ عزل کرنا چاہتا ہے تو

عزل کی اجازت کس سے لی جائے گی۔

امام ابوحنیفہ اس بات کے قائل ہیں: عزل کی اجازت کنیز کے آقا سے لی جائے گی جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد اس بات کے قائل ہیں کہ یہ اجازت اس کنیز سے لی جائے گی۔ ان حضرات نے یہ دلیل پیش کی ہے: صحبت کرنا اس کنیز کا حق ہے یہی وجہ ہے: صحبت کرنے کا مطالبہ بھی وہی کنیز کر سکتی ہے۔ اس کا آقا نہیں کر سکتا' جبکہ عزل کرنے کے نتیجے میں اس کے حق میں کمی آ رہی ہے' اس لیے اسی کنیز کی رضامندی کو شرط قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ آزاد عورت میں بھی یہی حکم ہے عورت کی اجازت سے ہی اس کے ساتھ عزل کیا جا سکتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے' کوئی شخص اگر اپنی مملوکہ کنیز کے ساتھ عزل کرنا چاہے تو وہ اس بات کا پابند نہیں ہوتا کہ وہ اپنی کنیز سے اس کی اجازت لے تو مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: مملوکہ کنیز کا حکم اس سے مختلف ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے: مملوکہ کنیز کو صحبت کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا' اس لیے عزل میں اس کی رضامندی کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یہاں مصنف نے یہ بات بھی بیان کی ہے: ظاہر الروایت کی دلیل یہ ہے: عزل بنیادی طور پر مقصود یعنی اولاد کے حصول میں خلل پیدا کرتا ہے اور یہ اولاد کنیز کے آقا کا حق ہے' اس لیے آقا کی رضامندی کا اعتبار کیا جائے گا۔ صاحبین نے اپنے مؤقف کی تائید میں کنیز کو آزاد عورت پر قیاس کیا تھا' تو اس مذکورہ بالا اصول کے پیش نظر کنیز اور آزاد عورت کا حکم ایک دوسرے سے مختلف ہو جائے گا' کیونکہ وہاں اولاد کا حصول آزاد عورت کا حق تھا جبکہ یہاں اولاد کا حصول کنیز کے آقا کا حق ہے اس لیے وہاں آزاد عورت کی رضامندی کو شرط قرار دیا گیا اور یہاں کنیز کے آقا کی رضامندی کو شرط قرار دیا گیا۔

آزادی سے ملنے والے اختیار میں نکاح کا حکم

﴿وَإِنْ تَزَوَّجَتْ اَمَةٌ بِإِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ أُعْتِقَتْ فَلَهَا الْخِيَارُ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْدًا﴾ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِبَرِيْرَةَ حِيْنَ عَتَقَتْ ﴿مَلَكْتِ بُضْعَكِ فَاخْتَارِيْ﴾ (۱) فَالتَّعْلِيلُ بِمِلْكِ الْبُضْعِ صَدَرَ مُطْلَقًا فَيَنْتَظِمُ الْفَصْلَيْنِ، وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِيْمَا إِذَا كَانَ زَوْجُهَا حُرًّا وَهُوَ مَحْجُوْجٌ بِهِ، وَلِأَنَّهُ يَزْدَادُ الْمِلْكُ عَلَيْهَا عِنْدَ الْعِتْقِ فَيَمْلِكُ الزَّوْجُ بَعْدَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ فَتَمْلِكُ رَفْعَ اَصْلِ الْعَقْدِ دَفْعًا لِلزِّيَادَةِ

ترجمہ

اگر کوئی کنیز اپنے آقا کی اجازت کے تحت شادی کر لیتی ہے اور پھر وہ آزاد ہو جاتی ہے' تو اسے (اپنے شوہر سے) علیحدگی کا (اختیار ہوگا) خواہ وہ شوہر آزاد شخص ہو یا غلام ہو۔ اس کی دلیل حضرت بریرہؓ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے جب وہ آزاد ہو گئی تھیں' "تم اپنی ذات کی مالک ہو تم جو چاہو اختیار کر سکتی ہو"۔ یہاں پر اپنی ذات کا مالک ہونے کو علت قرار دیا گیا ہے اور یہ

بات مطلق ہے اس لیے اس میں دونوں صورتیں شامل ہوں گی (یعنی شوہر آزاد ہو یا غلام ہو) امام شافعی اس بارے میں ہم سے مختلف رائے رکھتے ہیں اس صورت حال کے بارے میں جب اس کا شوہر آزاد ہو جبکہ مذکورہ بالا حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: آزاد ہونے کی صورت میں کنیز پر شوہر کی ملکیت کا حق بڑھ جاتا ہے چنانچہ عورت کے آزاد ہونے کے بعد وہ تین طلاقوں کا مالک ہو جاتا ہے اس لیے اس اضافے کو پرے کرنے کے لئے عورت بھی اصل عقد کو ختم کرنے کی مالک ہونی چاہئے۔

(۱) اخرجه الدارقطني في "سننه" ۳/ ۲۹۰ عن عائشة وابن سعد في "طبقاته" ۱۸۹/۴ عن الشعبي مرسلا وهو في "الصحيحين" من حديث عائشة: "ان بريدة عتقت فخيرها النبي ﷺ من زوجها" انظر "نصب الراية" ۲۰۴/۳_۲۰۵ و "والدراية" ۶۴/۲

باندی کے آزاد ہونے پر فسخ نکاح میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت عروہ ام المومنین حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یعنی (حضرت عائشہ) سے بریرہ کے بارے میں فرمایا کہ اسے خرید لو اور پھر اس کو آزاد کر دو اور بریرہ کا خاوند چونکہ غلام تھا اس لئے آنحضرت نے اسے اختیار دے دیا تھا اور بریرہ نے اس اختیار کے مطابق اپنے آپ کو اپنے خاوند سے علیحدہ کر لیا تھا۔ اور اگر اس کا خاوند آزاد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے یہ اختیار نہ دیتے (بخاری ومسلم)

یہ بطور لونڈی ایک یہودی کی ملکیت میں تھیں پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا چنانچہ بریرہ کی خریداری کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ پہلے اسے اس کے مالکوں سے خرید لو اور پھر اس کو آزاد کر دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت عائشہ نے اسے خریدا اور پھر آزاد کر دیا، بریرہ کا خاوند چونکہ غلام تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ آزاد ہونے کے بعد اگر چاہو تو تم اپنے خاوند کے نکاح میں حسب سابق رہو اور اگر اس کے نکاح میں رہنا نہ چاہو تو اس سے علیحدہ ہو جاؤ، اس اختیار کے پیش نظر بریرہ نے علیحدگی کو اختیار کیا اور اپنے خاوند سے قطع تعلق کر لیا۔ حدیث کا آخری جملہ (ولو كان حرا) الخ اور اگر اس کا خاوند آزاد ہوتا الخ بظاہر حضرت عروۃ کا اپنا قول معلوم ہوتا ہے۔

اور ائمہ ثلثہ یعنی حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے کہ لونڈی کو آزاد ہونے کے بعد اپنے نکاح کو باقی یا فسخ کرنے کا اختیار اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ اس کا خاوند غلام ہوتا کہ وہ آزاد ہو جانے کے بعد ایک غلام کے نکاح میں رہنے کو عار محسوس نہ کرے، اگر اس کا خاوند غلام نہ ہو تو پھر اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اسے بہر صورت یہ اختیار حاصل ہوتا ہے، خواہ اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو۔ دونوں طرف کے علماء کی دلیلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ آزاد ہوں تو تمام علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس صورت میں بیوی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا اسی طرح اگر شوہر آزاد ہو جائے تو اسے اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار

حاصل نہیں ہوتا۔خواہ اس کی بیوی آزاد ہو یا لونڈی ہو۔

حضرت عائشہ نے فرمایا کہ بریرہ کا شوہر آزاد تھا اور آپ نے بریرہ کو اختیار دیا حدیث عائشہ حسن صحیح ہے۔ ہشام بن عروہ بھی اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر غلام تھا عکرمہ ابن عباس کے حوالے سے کہتے ہیں کہ انہوں نے بریرہ کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھا اور اسے مغیث کہتے تھے۔ابن عمر سے بھی اسی طرح منقول ہے بعض اہل علم کے نزدیک اسی حدیث پر عمل ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اگر باندی کو آزاد کیا جائے اور وہ کسی آزاد شخص کے نکاح میں ہو تو اسے اختیار نہیں لیکن اگر غلام کے نکاح میں ہو تو اسے اختیار ہے۔

امام شافعی، احمد، اسحاق، کا بھی یہی قول ہے کئی راوی اعمش سے وہ ابراہیم سے وہ اسود سے اور وہ حضرت عائشہ سے بھی نقل کرتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر آزاد تھا اور آپ نے اسے اختیار دیا تھا ابوعوانہ یہ حدیث اعمش سے وہ ابراہیم سے وہ اسود سے اور وہ حضرت عائشہ سے بریرہ کا قصہ نقل کرتے ہیں اسود کہتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر آزاد تھا بعض علماء تابعین اور ان کے بعد کے علماء کا اسی پر عمل ہے۔سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1162)

مکاتب کنیز کا حکم

﴿وَكَذٰلِكَ الْمُكَاتَبَةُ﴾ يَعْنِي إِذَا تَزَوَّجَتْ بِإِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ عَتَقَتْ ، وَقَالَ زُفَرُ :لَا خِيَارَ لَهَا لِأَنَّ الْعَقْدَ نَفَذَ عَلَيْهَا بِرِضَاهَا وَكَانَ الْمَهْرُ لَهَا فَلَا مَعْنَى لِإِثْبَاتِ الْخِيَارِ ، بِخِلَافِ الْأَمَةِ لِأَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ رِضَاهَا .وَلَنَا أَنَّ الْعِلَّةَ ازْدِيَادُ الْمِلْكِ وَقَدْ وَجَدْنَاهَا فِي الْمُكَاتَبَةِ لِأَنَّ عِدَّتَهَا قُرْءَانِ وَطَلَاقَهَا ثِنْتَانِ .

ترجمہ

اور مکاتب کنیز کا بھی یہی حکم ہے: جب اس نے اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ نکاح کر لیا پھر وہ آزاد ہوگئی (تو یہی حکم ہوگا)۔امام زفر فرماتے ہیں: مکاتب کنیز کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا' کیونکہ اس کی رضامندی کے ذریعے اس کا عقد منعقد ہوا تھا اور مہر بھی اسے ہی ملا تھا لہٰذا اس اختیار کو ثابت کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی' جبکہ عام کنیز کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ اس کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ہماری دلیل یہ ہے: اصل علت ملکیت کی نسبت کے اعتبار سے ہے اور مکاتب کنیز میں ہمیں یہ ملکیت نظر آرہی ہے' کیونکہ مکاتب کنیز کی عدت بھی دو حیض ہوتی ہے اور اسے بھی دو طلاقیں ہی دی جاتی ہیں۔

مکاتب کے بدل کتابت کے فقہی احکام

(۱) حضرت عمرو بن شعیب، اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مکاتب اس وقت تک غلام ہی ہے جب تک کہ اس کے بدل کتابت میں سے ایک درہم بھی باقی ہے۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 535)

(۲) حضرت عمرو بن شعیب، اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی غلام جس نے عہد کتابت کیا سو اوقیہ چاندی پر اس نے اسے ادا کر دیا سوائے دس اوقیہ چاندی کے تو وہ غلام ہی ہے، اور جس غلام نے عہد کتابت سو دینار پر اور پھر سوائے دس دینار کے سب ادا کر دیئے تب بھی غلام ہی ہے۔

(ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 536)

(۳) نبہان، سلمہ جو ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکاتب تھے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا کوئی مکاتب ہو ان مکاتبؒ کے پاس بدل کتابت کا مقررہ مال موجود ہو تو اسے چاہیے کہ اس مکاتب سے پردہ کرے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 537)

(۴) حمید بن قیس کی سے روایت ہے کہ ایک مکاتب ابن متوکل کا مکہ میں مرگیا اور کچھ بدل کتابت اس پر باقی رہ گیا تھا اور لوگوں کا قرض بھی تھا اور ایک بیٹی چھوڑ گیا تو مکہ کے عامل کو اس باب میں حکم کرنا دشوار ہوا تو اس نے عبدالملک بن مروان کو لکھا عبدالملک نے اس کے جواب میں لکھا کہ پہلے لوگوں کا قرض ادا کر پھر جس قدر بدل کتابت باقی رہ گیا ہے اس کو ادا کر بعد اس کے جو کچھ بچے وہ اس کی بیٹی اور مولی کو تقسیم کر دے۔

(۵) حضرت امام مالک نے ہمارے نزدیک یہ حکم ہے اگر غلام اپنے مولی کو کہے مجھ کو مکاتب کر دے تو مولی پر ضروری نہیں خواہ مخواہ مکاتب کرے اور میں نے کسی عالم سے نہیں سنا کہ مولی پر جبر ہوگا اپنے غلام کے مکاتب کرنے پر اور جب وہ شخص اس نے اللہ جل جلالہ کے اس قول کو بیان کرتا کہ مکاتب کرو اپنے غلاموں کو اگر اس میں بہتری جانو تو وہ یہ آیتیں پڑھتے جب تم احرام کھول ڈالو شکار کرو جب نماز ہو جائے تو پھیل جاؤ زمین میں اور اللہ کا فضل ڈھونڈو۔ حضرت امام مالک بلکہ یہ امر اذن کے واسطے ہے نہ کہ وجوب کے واسطے۔

(۶) حضرت امام مالک نے میں نے بعض اہل علم سے سنا اس آیت کی تفسیر میں (دو تم اپنے مکاتبوں کو اس مالک سے جو دیا تم کو اللہ تعالیٰ نے) کہتے تھے مراد اس آیت سے یہ ہے کہ آدمی اپنے غلام کو مکاتب کرے پھر اس کے بدل کتابت میں سے کچھ معاف کر دے۔

(۷) حضرت امام مالک نے کہا میں نے یہ اچھا سنا اور اسی پر لوگوں کو عمل کرتے ہوئے پایا۔ حضرت امام مالک نے کہا جب غلام مکاتب ہو جائے اس کا مال اسی کو ملے گا۔ مگر اولاد اس کے عقد کتابت میں داخل نہ ہوگی البتہ جب شرط لگائے تو اولاد بھی داخل ہوگی۔

(۸) حضرت امام مالک نے کہا جس شخص نے اپنے غلام کو مکاتب کیا اور اس غلام کی ایک لونڈی تھی جو حاملہ تھی اس سے مگر حمل کا حال نہ غلام کو معلوم تھا نہ مولی کو تو وہ بچہ جب پیدا ہوگا مکاتب کو نہ ملے گا بلکہ مولی کو ملے گا البتہ لونڈی مکاتب ہی کی رہے گی کیونکہ

وہ اس کا مال ہے۔

(۹) حضرت امام مالک نے کہا اگر ایک عورت اپنا مکاتب چھوڑ کر مرگئی اور اس کے دو وارث ہیں ایک خاوند اور ایک لڑکا اس عورت کا پھر مکاتب مرگیا قبل ادا کرنے بدل کتابت کے تو خاوند اور لڑکا موافق کتاب اللہ کے اس کی میراث کو تقسیم کرلیں گے۔ (ایک ربع خاوند کا ہوگا اور باقی بیٹے کا) اور جو بعد ادا کرنے بدل کتابت کے مرا تو میراث اس کی سب بیٹے کو ملے گی خاوند کو کچھ نہ ملے گا۔

(۱۰) حضرت امام مالک نے کہا اگر مکاتب اپنے غلام کو مکاتب کرے تو دیکھیں گے اگر اس نے رعایت کے طور پر بدل کتابت کم ٹھہرایا ہے تو یہ کتابت جائز نہ ہوگی اور جو بدل کتابت اپنا فائدہ دیکھ کر ٹھہرایا ہے تو جائز ہوگی۔

(۱۱) حضرت امام مالک نے کہا جو شخص اپنی مکاتبہ لونڈی سے صحبت کرے اور وہ حاملہ ہوجائے تو اس لونڈی کو اختیار ہے چاہے وہ ام ولد بن کر رہے چاہے اپنی کتابت قائم رکھے اگر حاملہ نہ ہو تو وہ مکاتب رہے گی۔

(۱۲) حضرت امام مالک نے کہا ہمارے نزدیک یہ حکم اتفاقی ہے کہ جو غلام دو آدمیوں میں مشترک ہو اس کو کوئی مکاتب نہیں کرسکتا اگرچہ دوسرا شریک اجازت بھی دے بلکہ دونوں شریک مل کر مکاتب کرسکتے ہیں کیونکہ اگر ایک شریک کا اپنے حصہ کو مکاتب کردے گا اور مکاتب بدل کتابت ادا کردے گا تو اس قدر حصہ آزاد ہونا پڑے گا اب اس شریک پر جس نے کچھ حصہ آزاد کیا لازم نہیں کہ دوسرے شریک کو ضمانت دے کر اس کی آزادی پوری کرے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا ہے دوسرے شریک کے حصہ کی قیمت ادا کرنے کا وہ عتاق میں ہے نہ کی کتابت میں۔

(۱۳) حضرت امام مالک نے کہا اگر اس شریک کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہو وہ اپنے حصہ کو مکاتب کرکے کل یا بعض بدل کتابت وصول کرے تو جس قدر وصول کیا ہو اس کو وہ اور اس کا شریک اپنے حصوں کو موافق بانٹ لیں کتابت باطل ہوجائے گی اور وہ مکاتب بدستور غلام رہے گا۔ کہا مالک نے جو مکاتب دو آدمیوں میں مشترک ہو پھر ایک آدمی ان میں سے اس کو مہلت دے اور دوسرا نہ دے اور جس شخص نے مہلت نہ دی وہ اپنا کچھ حق وصول کرلے بعد اس کے مکاتب مرجائے اور اس قدر مال نہ چھوڑے کہ اس کے بدل کتابت کو کافی ہو تو جس قدر مال چھوڑ گیا ہے تو پہلے دونوں شریک اپنے اپنے بقایا وصول کرکے جو کچھ بچے گا برابر بانٹ لیں گے۔ اگر مکاتب عاجز ہوگا اور جس شخص نے مہلت نہ دی اس نے دوسرے شریک کی نسبت کچھ زیادہ وصول کرلیا ہے تو غلام دونوں میں آدھا آدھا مشترک رہے گا۔

اور جس نے زیادہ لیا ہے وہ اپنے شریک کو کچھ نہ پھیرے گا کیونکہ اس نے اپنے شریک کی اجازت سے لیا ہے۔ اگر ایک نے اپنا حصہ معاف کردیا تھا اور دوسرے نے کچھ وصول کیا پھر غلام عاجز ہوگیا تو وہ غلام دونوں میں مشترک رہے گا اور جس نے کچھ وصول کرلیا ہے وہ دوسرے شریک کو کچھ نہ دے گا کیونکہ اس نے اپنا حق وصول کیا اس کی مثال یہ ہے کہ دو آدمیوں کا قرض ایک ہی دستاویز کی ذمہ داری سے ایک آدمی پر ہو۔ پھر ایک شخص اس کو مہلت دے اور دوسرا حرص کرکے کچھ وصول کرلے بعد اس کے قرض

دار مفلس ہو جائے پھر جس شخص نے وصول کر لیا ہے وہ دوسرے شریک کو اس میں سے کچھ نہ دے گا۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1171)

باندی کا اختیار علت اضافہ ملکیت مالک ہے

اگر کوئی کنیز مکاتب ہو یعنی اس نے اپنے آقا کے ساتھ کتابت کا معاہدہ کیا ہو اور وہ اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ شادی کر لے اور پھر اسے آزاد کر دیا جائے تو احناف کے نزدیک حکم یہی ہے: اسے بھی اس بات کا اختیار ہوگا' اگر وہ چاہے تو اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لے خواہ اس کا شوہر آزاد شخص ہو یا کسی کا غلام ہو۔

اس بارے میں امام زفر کی رائے مختلف ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں: مکاتب کنیز کو ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے: اس کا عقد نکاح اس کی رضامندی سے ہوا تھا اور اس کا مہر بھی اسی کو ملا تھا۔ اس کے آقا کو نہیں ملا تھا۔ اس لیے یہاں علیحدگی کا اختیار ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے'

جبکہ عام کنیز کو یہ اختیار اس لیے دیا گیا ہے' کیونکہ نکاح کے وقت اس کی رضامندی کا اعتبار نہیں کیا جاتا' بلکہ آقا اگر چاہے تو اس کی رضامندی کے بغیر بھی کسی کے ساتھ اس کی شادی کر سکتا ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے: کنیز کو دیئے جانے والے اس اختیار کی بنیادی علت یہ ہے: شوہر کی ملکیت میں اضافہ ہو گیا ہے اور یہ بات مکاتب کنیز میں بھی پائی جا رہی ہے' اس کی یہی وجہ ہے: مکاتب کنیز کی عدت بھی دو حیض ہوتی ہے اور اس کے شوہر کو بھی دو طلاقیں دینے کا حق ہوتا ہے' لیکن جب وہ آزاد ہو جائے گی' تو اس کی عدت تین حیض ہو جائے گی' اور شوہر کا اختیار تین طلاقوں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ لہٰذا عام کنیز کی طرح مکاتب کنیز کو بھی یہ حق حاصل ہوگا' اگر وہ چاہے تو اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لے۔

اگر کنیز آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لے اور پھر آزاد ہو جائے؟

﴿وَإِنْ تَزَوَّجَتْ أَمَةٌ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ أُعْتِقَتْ صَحَّ النِّكَاحُ﴾ لِأَنَّهَا مِنْ أَهْلِ الْعِبَارَةِ وَامْتِنَاعُ النُّفُوذِ لِحَقِّ الْمَوْلٰى وَقَدْ زَالَ ﴿وَلَا خِيَارَ لَهَا﴾ لِأَنَّ النُّفُوذَ بَعْدَ الْعِتْقِ فَلَا تَتَحَقَّقُ زِيَادَةُ الْمِلْكِ، كَمَا إِذَا زَوَّجَتْ نَفْسَهَا بَعْدَ الْعِتْقِ

ترجمہ

اور اگر کسی کنیز نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لی اور پھر وہ آزاد کر دی گئی تو اس کا نکاح درست ہوگا' کیونکہ وہ نکاح میں ایجاب کو قبول کر سکتی ہے' لیکن اس نکاح کے نافذ ہونے کی ممانعت' آقا کی حق کی وجہ سے تھی اور وہ اب زائل ہو گیا ہے' تو اس

کنیز کو اختیار نہیں ہوگا' کیونکہ یہ نکاح اس کے آزاد ہونے کے بعد نافذ ہوا ہے' لہٰذا ملکیت میں اضافہ متحقق نہیں ہوا' جس طرح وہ آزاد ہونے کے بعد اپنی شادی کرتی (اسی طرح یہ حکم بھی ہوگا)۔

اذن کے بغیر نکاح کرنے والی باندی کے معدوم اختیار میں مذاہب اربعہ

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ بریرہ اس حال میں آزاد ہوئی تھی کہ وہ مغیث کے نکاح میں تھی چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کردینے کا اختیار دے دیا لیکن یہ بھی فرمادیا کہ اگر تیرا شوہر تجھ سے جماع کرے گا تو تجھے یہ اختیار حاصل رہے گا کیونکہ اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ تو اس کی زوجیت پر راضی ہے (ابوداؤد)

ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی لونڈی نے اپنے مالک کی رضامندی سے اپنا نکاح کیا یا اس کے مالک نے اس کا نکاح اس کی رضامندی سے یا اس کی رضامندی کے بغیر کردیا اور پھر وہ لونڈی آزاد ہوگئی تو اس کو اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کردینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ اس کا خاوند ہو یا غلام ہو اور اگر لونڈی اپنے مالک کی رضامندی واجازت کے بغیر اپنا نکاح خود کرے اور پھر اس کا مالک اس کو آزاد کردے تو آزاد ہوتے ہی اس کا نکاح منعقد یعنی صحیح ہو جاتا ہے لیکن اسے مذکورہ اختیار حاصل نہیں رہتا۔ ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر لونڈی کسی آزاد کے نکاح میں ہو تو آزاد ہونے کے بعد اس لونڈی کو اپنے نکاح کے باقی یا فسخ کردینے کا اختیار نہیں ہوتا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ بریرہ کے خاوند کے بارے میں متعارض روایتیں منقول ہیں۔ بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت بریرہ کو اس حال میں اختیار دیا تاکہ اس کا شوہر غلام تھا لیکن بخاری ومسلم ہی میں یہ بھی منقول ہے کہ جب بریرہ کو آزاد کیا گیا تو اس کا شوہر ایک آزاد مرد تھا۔

اسی طرح کی روایت سنن اربعہ یعنی ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے نیز ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ لہٰذا ائمہ ثلاثہ نے تو پہلی روایت کو ترجیح دی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ نے دوسری روایت کو راجح قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری نے ابن ہمام کے اس قول کو مرقاۃ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، یہاں طوالت کے خوف سے اس کا خلاصہ نقل کردیا گیا ہے۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ، کتاب النکاح)

کنیز کے طے شدہ مہر اور اس کے مہر مثل میں فرق کا حکم

﴿فَإِنْ كَانَتْ تَزَوَّجَتْ بِغَيْرِ إِذْنِهِ عَلَى أَلْفٍ وَمَهْرُ مِثْلِهَا مِائَةٌ فَدَخَلَ بِهَا زَوْجُهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا فَالْمَهْرُ لِلْمَوْلَى﴾ لِأَنَّهُ اسْتَوْفَى مَنَافِعَ مَمْلُوكَةً لِلْمَوْلَى ﴿وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى أَعْتَقَهَا فَالْمَهْرُ لَهَا﴾ لِأَنَّهُ اسْتَوْفَى مَنَافِعَ مَمْلُوكَةً لَهَا. وَالْمُرَادُ بِالْمَهْرِ الْأَلْفُ الْمُسَمَّى لِأَنَّ نَفَاذَ الْعَقْدِ بِالْعِتْقِ اسْتَنَدَ إِلَى وَقْتِ وُجُودِ الْعَقْدِ فَصَحَّتِ التَّسْمِيَةُ

وَوَجَبَ الْمُسَمّٰی ، وَلِهٰذَا لَمْ يَجِبْ مَهْرٌ اٰخَرُ بِالْوَطْيِ فِيْ نِكَاحٍ مَوْقُوْفٍ لِاَنَّ الْعَقْدَ قَدْ اتَّحَدَ بِاسْتِنَادِ النَّفَاذِ فَلَا يُوْجِبُ اِلَّا مَهْرًا وَّاحِدًا .

ترجمہ

اور اگر کوئی کنیز اپنے آقا کی اجازت کے بغیر ایک ہزار درہم کے عوض میں شادی کر لے اور اس کا مہر مثل ایک سو درہم ہو پھر اس کا شوہر اس کے ساتھ صحبت کر لے اور پھر اس کا آقا اسے آزاد کر دے' تو یہ مہر اس کے آقا کو ملے گا' کیونکہ اس کے شوہر نے نفع اس حیثیت سے حاصل کیا ہے' جو آقا کی ملکیت ہے۔ لیکن اگر شوہر نے اس کے ساتھ صحبت نہیں کی یہاں تک کہ آقا نے اس کنیز کو آزاد کر دیا تو مہر اس کنیز کو ملے گا' کیونکہ اس صورت میں شوہر نے اس چیز سے نفع حاصل کیا ہے' جو عورت کی ملکیت ہے۔ مہر سے مراد وہ ایک ہزار درہم جو طے کئے گئے تھے اس کی وجہ یہ ہے: آزاد ہونے کے ساتھ عقد کا نفاذ اس وقت کی طرف منسوب ہوگا جب عقد کا وجوب ہوا تھا' للہذا یہ مقرر کرنا درست ہوگا اور طے شدہ رقم کی ادائیگی واجب ہوگی' یہی وجہ ہے: موقوف نکاح میں دوسری مرتبہ وطی کرنے کے ساتھ از سر نو مہر واجب نہیں ہوتا' کیونکہ نفاذ کی نسبت سے عقد ایک ہی ہوتا ہے اس لیے ایک ہی مہر کی ادائیگی واجب ہوگی۔

مہر باندی کے ملکیت آقا ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی کنیز اپنے آقا کی اجازت کے بغیر ایک ہزار درہم مہر کے عوض میں شادی کر لیتی ہے' جبکہ اس کنیز کا مہر مثل ایک سو درہم ہو' پھر اس کا شوہر اس کے ساتھ صحبت بھی کر لیتا ہے' یعنی اس کے شوہر پر مہر کی ادائیگی لازم بھی ہو جاتی ہے اور پھر اس کنیز کا آقا اسے آزاد کر دیتا ہے' تو اس صورت میں مہر کی وہ رقم اس آقا کو ملے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے: شوہر اس ادائیگی کا پابند اس وجہ سے ہوا ہے' اس نے آقا کی ملکیت کے نفع کو مکمل طور پر حاصل کر لیا ہے۔ لیکن اگر شوہر نے اس کے ساتھ صحبت نہیں کی تھی' یہاں تک کہ آقا نے اسے آزاد کر دیا تو اب اس صورت میں مہر کی رقم کنیز کو ملے گی اس کی وجہ یہ ہے: اب شوہر نے جس نفع کو حاصل کیا ہے' وہ اس عورت کی ملکیت ہے۔

یہاں اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے' اگر آقا کے آزاد کرنے سے پہلے شوہر نے کنیز کے ساتھ صحبت کر لی ہو' تو اس صورت میں آقا کو صرف مہر مثل ملنا چاہئے کیونکہ وہ جس چیز کا مالک ہے' اس کا معاوضہ تو صرف مہر مثل ہے اور وہ ایک سو درہم ہے بقیہ رقم کنیز کو ادا کی جانی چاہئے تو مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے۔ یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: آزاد ہونے کے نتیجے میں جس عقد کو نافذ قرار دیا جا رہا ہے' اس کی نسبت اس وقت کی طرف ہوگی جس میں وہ عقد موجود ہوا تھا اس لیے اس وقت جو رقم طے کی گئی تھی اسے طے کرنا درست ہوگا اور اس طے شدہ رقم کی ادائیگی لازم ہوئی۔

اپنے اس مؤقف کی تائید میں مصنف نے یہ دلیل پیش کی ہے: اگر نکاح موقوف ہوتا یعنی آقا کی اجازت پر موقوف ہوتا' تو اس

نکاح میں کی جانے والی صحبت کے بارے میں دوسرا مہر لازم نہیں ہوتا تھا بلکہ اس اجازت کا تعلق پہلے عقد کے ساتھ ہوتا تھا کیونکہ نفاذ کی نسبت کے اعتبار سے عقد متحد ہو جائے گا' اس لیے صرف ایک مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور یہ وہی مہر ہے' جو عقد کے وقت طے کیا گیا تھا۔

اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کی کنیز کے ساتھ صحبت کر لے؟

﴿وَمَنْ وَطِئَ اَمَةَ ابْنِهِ فَوَلَدَتْ مِنْهُ فَهِيَ اُمُّ وَلَدٍ لَّهُ وَعَلَيْهِ قِيمَتُهَا وَلَامَهْرَ عَلَيْهِ﴾ وَمَعْنَى الْمَسْاَلَةِ اَنْ يَدَّعِيَهُ الْاَبُ. وَوَجْهُهُ اَنَّ لَهُ وِلَايَةَ تَمَلُّكِ مَالِ ابْنِهِ لِلْحَاجَةِ اِلَى الْبَقَاءِ فَلَهُ تَمَلُّكُ جَارِيَتِهِ لِلْحَاجَةِ اِلَى صِيَانَةِ الْمَاءِ، غَيْرَ اَنَّ الْحَاجَةَ اِلَى اِبْقَاءِ نَسْلِهِ دُوْنَهَا اِلَى اِبْقَاءِ نَفْسِهِ، فَلِهٰذَا يَتَمَلَّكُ الْجَارِيَةَ بِالْقِيمَةِ وَالطَّعَامَ بِغَيْرِ قِيمَةٍ، ثُمَّ هٰذَا الْمِلْكُ يَثْبُتُ قُبَيْلَ الْاِسْتِيلَاءِ شَرْطًا لَهُ اِذِ الْمُصَحِّحُ حَقِيقَةُ الْمِلْكِ اَوْ حَقُّهُ، وَكُلُّ ذٰلِكَ غَيْرُ ثَابِتٍ لِلْاَبِ فِيهَا حَتّٰى يَجُوزَ لَهُ التَّزَوُّجُ بِهَا فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيمِهِ فَتَبَيَّنَ اَنَّ الْوَطْءَ يُلَاقِي مِلْكَهُ فَلَا يَلْزَمُهُ الْعُقْرُ. وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: يَجِبُ الْمَهْرُ لِاَنَّهُمَا يُثْبِتَانِ الْمِلْكَ حُكْمًا لِلْاِسْتِيلَادِ كَمَا فِي الْجَارِيَةِ الْمُشْتَرَكَةِ وَحُكْمُ الشَّيْءِ يَعْقُبُهُ وَالْمَسْاَلَةُ مَعْرُوْفَةٌ.

ترجمہ

اور جو شخص اپنے بیٹے کی کنیز کے ساتھ صحبت کرلے اور پھر وہ کنیز اس شخص کے بچے کو جنم دے' تو یہ کنیز اس شخص کی ام ولد ہوگی اور اس شخص پر یہ لازم ہوگا' وہ اس کنیز کی قیمت ادا کرے البتہ اس شخص پر مہر کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی۔ مسئلے کا مفہوم یہ ہے: باپ اس ہونے والے بچے کا دعویدار ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے: بقائے نفس (یعنی اپنی زندگی کی بقاء) کی حاجت کے پیش نظر باپ کو اپنے بیٹے کے مال کا مالک بن جانے کی ولایت حاصل ہے' جبکہ اپنے نطفے کی حفاظت کے پیش نظر باپ کو بیٹے کی کنیز کا مالک ہو جانے کی ولایت بھی حاصل ہوگی' لیکن کیونکہ نسل کی بقاء کی ضرورت' ذات کی بقاء کی ضرورت' سے کم مرتبے میں ہے۔ اس لیے باپ' کنیز کا قیمت کے اعتبار سے مالک ہوگا' جبکہ دیگر اناج وغیرہ کھانے میں قیمت کی ادائیگی کے بغیر یہ مالک ہو جائے گا پھر یہ ملکیت' استیلاد سے پہلے ثابت ہوگی اور یہ استیلاد کے لئے شرط ہوگی' کیونکہ صحیح قرار دینے والی چیز حقیقت ملک ہے یا پھر اس کا حق ہے اور ان میں سے ہر ایک چیز باپ کے حق میں یہاں ثابت نہیں ہو رہی۔ یہاں تک کہ اس باپ کے لئے یہ جائز ہے. وہ اس کنیز کے ساتھ شادی کرلے' اس لیے یہ زیادہ ضروری ہوگا' یہ ملکیت' استیلاد سے پہلے ہو' جس سے یہ بات واضح ہوگئی' وہ وطی اس شخص کی ملکیت میں ہوئی ہے' اسی لیے اس پر مہر کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی۔ امام زفر اور امام شافعی فرماتے ہیں: مہر کی ادائیگی لازم ہوگی'

کیونکہ دونوں حضرات ملکیت' استیلاد کے لئے حکم کے طور پر ثابت کرتے ہیں' جیسا کہ مستر د کنیز میں ایسا ہوتا ہے اور کسی چیز کا حکم اس کے بعد ہوتا ہے اور یہ مسئلہ معروف ہے۔

مہر مثلی میں عقر کے اعتبار کا فقہی بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ بیٹے کی کنیز سے نکاح کیا اور اس سے اولاد ہوئی تو یہ اولاد اپنے بھائی کی طرف سے آزاد ہے مگر وہ کنیز ام ولد نہ ہوئی۔ یونہی اگر باپ کی کنیز سے نکاح کیا تو اولاد باپ کی طرف سے آزاد ہوگی اور کنیز ام ولد نہیں۔

بیٹے کی باندی سے وطی کی اور اولاد نہ ہوئی تو عقر واجب ہے اور وطی حرام ہے اور عقر یہ ہے کہ صرف باعتبار جمال جو اس کی مثل کا مہر ہونا چاہیے، وہ دینا ہوگا اور اولاد ہوئی اور باپ نے اس کا دعویٰ بھی کیا اور وہ باپ حُر، مسلم، عاقل ہو تو نسب ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ وقتِ وطی سے وقتِ دعویٰ تک لڑکا اس کنیز کا مالک رہے اور کنیز باپ کی ام ولد ہو جائے گی اور اولاد آزاد اور باپ کنیز کی قیمت لڑکے کو دے، عقر اور اولاد کی قیمت نہیں اور اگر اس درمیان میں لڑکے نے اس کنیز کو اپنے بھائی کے ہاتھ بیچ ڈالا، جب بھی نسب ثابت ہوگا اور یہی احکام ہوں گے۔ لڑکے نے اپنی ام ولد کی اولاد کی نفی کر دی یعنی یہ کہ یہ میری نہیں اور باپ نے دعویٰ کیا کہ یہ میری اولاد ہے یا لڑکے کی مدبرہ یا مکاتبہ کی اولاد کا باپ نے دعویٰ کیا تو ان سب صورتوں میں محض باپ کے دعویٰ کرنے سے نسب ثابت نہ ہوگا جب تک لڑکا باپ کی تصدیق نہ کرے۔ (ردمحتار، کتاب النکاح)

نکاح کے بعد کنیز کو خریدنے کا فقہی بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے' اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کی کنیز کے ساتھ صحبت کرلے اور وہ کنیز اس شخص کے بچے کو جنم دے تو وہ کنیز اس شخص کی ام ولد بن جائے گی' اور اس شخص پر یہ لازم ہوگا' وہ اس کنیز کی قیمت اپنے بیٹے کو ادا کرے تاہم اس صورت میں باپ پر صرف کنیز کی قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی اس کنیز کا مہر لازم نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے یہ بات بیان کی ہے اس مسئلے کا مفہوم یہ ہے: جب باپ اس بات کا دعویٰ کرے کہ اس کنیز کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ میری اولاد ہے تو یہ حکم ہوگا۔ مصنف نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے: باپ اپنی بقاء کی خاطر بیٹے کے مال میں' اس کی اجازت کے بغیر تصرف کر سکتا ہے' تو باپ کو یہ حق بھی ہوگا' وہ اپنے نطفے کو محفوظ کرنے کے لئے' اپنے بیٹے کے مال' یعنی اس کنیز کو حاصل کرلے اس کی وجہ یہ ہے: اپنی جان کی حفاظت کی طرح اپنے نطفے کی حفاظت بھی لازم ہے۔

' یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے' باپ اپنی جان کی حفاظت کے لئے اپنے بیٹے کے مال میں جو تصرف کرتا ہے اس باپ کو اس کا کوئی تاوان نہیں دینا پڑتا۔ اگر نطفے کی حفاظت جان کی حفاظت کی طرح ہے' تو پھر آپ باپ کو اس بات کا پابند کیوں کر رہے ہیں کہ وہ اس کنیز کی قیمت بیٹے کو ادا کرے؟

مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: نسل باقی رکھنے کی ضرورت جان باقی رکھنے سے کمتر مرتبے کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے: وہ باپ اس کنیز کا مالک قیمت کے ساتھ ہوگا اور (بیٹے کے مال میں سے) کھانے کا مالک قیمت کے بغیر ہوگا' یعنی اگر وہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے بیٹے کے مال سے اناج حاصل کر کے کھالیتا ہے' تو وہ اس کی قیمت ادا کرنے کا پابند نہیں ہوگا اس کے برخلاف وہ کنیز کی قیمت ادا کرے گا' کیونکہ یہاں سوال اس کی نسل کی بقاء کا ہے۔ یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: کوئی شخص کنیز کے ساتھ اسی وقت صحبت کر سکتا ہے جب وہ اس کی منکوحہ ہو یا اس کی ملکیت میں ہو' جبکہ یہاں وہ کنیز باپ کی ملکیت نہیں ہے یہی وجہ ہے' باپ اس کنیز کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے' جبکہ اپنی مملوکہ کنیز کے ساتھ نکاح درست نہیں ہوتا۔ مصنف نے اس کا یہ جواب دیا ہے: باپ اس کنیز کی قیمت ادا کرنے کے بعد اس کا مالک ہو جائے گا' اور یہ ملکیت اس کنیز کو ام ولد بنانے سے پہلے شمار ہوگی' جیسا کہ یہ ملکیت پہلے ہونا استیلاد کے لئے شرط ہے۔

امام زفر اور امام شافعی اس صورت میں مہر کی ادائیگی لازم کرتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہے: یہ دونوں حضرات استیلاد کے لئے حکمی طور پر ملکیت کو ثابت کر دیتے ہیں۔ یہ حضرات اس کی مثال یہ دیتے ہیں: اگر کوئی کنیز دو آدمیوں کی مشترکہ ملکیت ہو اور ان میں سے کوئی ایک حصے دار اس کے ساتھ صحبت کر لے تو اس پر نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔ ان حضرات نے یہ دلیل پیش کی ہے: کسی چیز کا حکم اس کے بعد ہوتا ہے۔

اگر بیٹا اپنی کنیز کی شادی اپنے باپ کے ساتھ کر دے؟

قَالَ ﴿وَلَوْ كَانَ الْإِبْنُ زَوَّجَهَا إِيَّاهُ فَوَلَدَتْ مِنْهُ لَمْ تَصِرْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَلَا قِيمَةَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ وَوَلَدُهَا حُرٌّ﴾ لِأَنَّهُ صَحَّ التَّزَوُّجُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ لِخُلُوِّهَا عَنْ مِلْكِ الْأَبِ، أَلَا تَرَى أَنَّ الْإِبْنَ مَلَكَهَا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَمِنَ الْمُحَالِ أَنْ يَمْلِكَهَا الْأَبُ مِنْ وَجْهٍ، وَكَذَا يَمْلِكُ مِنَ التَّصَرُّفَاتِ مَا لَا يَبْقَى مَعَهُ مِلْكُ الْأَبِ لَوْ كَانَ، فَدَلَّ ذٰلِكَ عَلَى انْتِفَاءِ مِلْكِهِ إِلَّا أَنَّهُ يَسْقُطُ الْحَدُّ لِلشُّبْهَةِ، فَإِذَا جَازَ النِّكَاحُ صَارَ مَاؤُهُ مَصُونًا بِهِ فَلَمْ يَثْبُتْ مِلْكُ الْيَمِينِ فَلَا تَصِيرُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ، وَلَا قِيمَةَ عَلَيْهِ فِيهَا وَلَا فِي وَلَدِهَا لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُمَا، وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ لِالْتِزَامِهِ بِالنِّكَاحِ وَوَلَدُهَا حُرٌّ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ أَخُوهُ فَيَعْتِقُ عَلَيْهِ بِالْقَرَابَةِ.

ترجمہ

اور جب بیٹا اپنی کنیز کی شادی اپنے باپ کے ساتھ کر دے' اور کنیز بچے کو جنم دے' تو وہ کنیز باپ کی ام ولد نہیں ہوگی' اور نہ ہی باپ پر کنیز کی قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی البتہ باپ پر اس کے مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور اس کنیز کا بچہ آزاد شمار ہوگا' کیونکہ ہمارے نزدیک یہ نکاح درست ہے۔ جبکہ امام شافعی کی رائے اس سے مختلف ہے' کیونکہ وہ کنیز باپ کی ملکیت نہیں ہے۔ کیا آپ نے غور

نہیں کیا بیٹا اس کنیز کا ہر اعتبار سے مالک ہے تو یہ بات ناممکن ہوگی کہ باپ کسی ایک اعتبار سے اس کا مالک ہو اسی طرح بیٹا اپنے تصرفات کا مالک ہے جن کی موجودگی میں باپ کی ملکیت باقی نہیں رہ سکتی اگر اس کی کوئی صورت ہوتی بھی تو یہاں بات کی دلیل ہے کہ باپ کی ملکیت مکمل طور پر ختم ہو گئی ہے۔ البتہ شبہ کی بنیاد پر باپ سے حد کو ساقط کر دیا گیا ہے۔ جب نکاح درست ہوگا تو اس نکاح کی وجہ سے باپ کا نطفہ محفوظ ہو جائے گا اس لیے نہ تو ملک یمین ثابت ہوگی اور نہ ہی اس کے نتیجے میں وہ کنیز باپ کی ام ولد بنے گی اور نہ ہی اس کنیز یا ایک بچے کی قیمت کی ادائیگی باپ کے ذمے لازم ہوگی کیونکہ باپ تو اس کا مالک ہی نہیں ہے البتہ باپ کے ذمے مہر کی ادائیگی لازم ہوگی کیونکہ اس نے نکاح کر کے اسے خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور اس کنیز کا بچہ آزاد شمار ہوگا کیونکہ اب اس کا بھائی اس کا مالک بن گیا ہے لہٰذا وہ بچہ اس رشتے داری کی وجہ سے آزاد ہو جائے گا۔

کنیز منکوحہ اب ہوئی تو لزوم مہر میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کوئی آدمی اپنی کنیز کی شادی اپنے باپ کے ساتھ کر دیتا ہے اور وہ کنیز اس شخص کے بچے کو جنم دیتی ہے تو وہ کنیز اس (باپ) کی ام ولد نہیں بنے گی اور اس باپ پر کنیز کی قیمت ادا کرنا لازم نہیں ہوگا بلکہ اس پر کنیز کا مہر ادا کرنا لازم ہوگا اور اس کنیز کا بچہ آزاد شمار ہوگا۔ امام شافعی کی رائے اس بارے میں مختلف ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے: وہ کنیز باپ کی ملکیت نہیں ہے لہٰذا باپ کا اس کے ساتھ شادی کرنا درست ہوگا۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا؟ بیٹا ہر اعتبار سے اس کنیز کا مالک ہے تو یہ بات محال ہوگی باپ کسی ایک حوالے سے اس کا مالک بن جائے۔ اسی طرح بیٹا اس کنیز میں مختلف نوعیت کے تصرف کر سکتا ہے جیسے اسے فروخت کر سکتا ہے ہبہ کر سکتا ہے وغیرہ۔ یہ سب اس بات کی دلیل ہیں: باپ کی اس کنیز پر کوئی ملکیت نہیں ہوتی۔

اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے اگر باپ کی اس کنیز پر کوئی ملکیت نہیں ہوتی تو اگر باپ اس بیٹے کی کنیز کے ساتھ صحبت کر لے تو باپ پر زنا کی حد جاری ہونی چاہیے اور وہ آپ کے نزدیک بھی جاری نہیں ہوگی۔ مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: یہاں شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ حدود کے بارے میں اصول یہ ہے: وہ شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور یہاں شبہ یہ ہے: نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ "تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہے"۔ تو یہاں کیونکہ ملکیت کا شبہ پایا جا رہا ہے اس لیے حد ساقط ہو جائے گی۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے جب یہ نکاح درست ہوگا تو اس نکاح کے ذریعے باپ کا نطفہ محفوظ ہو جائے گا اور اس نکاح کی وجہ سے باپ کے لئے ملک یمین ثابت نہیں ہوگی تو جب ملک یمین ثابت نہیں ہوگی تو وہ کنیز باپ کی ام ولد بھی نہیں بنے گی اور اسی وجہ سے باپ پر اس کنیز یا اس کے بچے کی قیمت کی ادائیگی بھی لازم نہیں ہوگی کیونکہ وہ ان دونوں کا مالک ہی نہیں بنا ہے کیونکہ نکاح اس پر لازم ہوا ہے اس لیے اس پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔

اس کنیز کے پیٹ سے پیدا ہونے والا اس شخص کا بچہ آزاد شمار ہوگا اس کی وجہ یہ ہے: وہ بچہ اس کنیز کے مالک کا سوتیلا بھائی ہوگا اور فرمان نبوی یہ ہے: "جب کوئی شخص اپنے محرم عزیز کا مالک بن جائے تو وہ (عزیز) اس کی طرف سے خود بخود آزاد ہو جاتا ہے"۔

اگر کوئی آزاد عورت اپنے شوہر کی مالک بن جائے جو کوئی دوسرے کا غلام تھا؟

قَالَ ﴿وَاِذَا كَانَتِ الْحُرَّةُ تَحْتَ عَبْدٍ فَقَالَتْ لِمَوْلَاهُ اَعْتِقْهُ عَنِّي بِاَلْفٍ فَفَعَلَ فَسَدَ النِّكَاحُ﴾ وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا يَفْسُدُ، وَاَصْلُهُ اَنْ يَقَعَ الْعِتْقُ عَنِ الْاٰمِرِ عِنْدَنَا حَتّٰى يَكُوْنَ الْوَلَاءُ لَهُ، وَلَوْ نَوٰى بِهِ الْكَفَّارَةَ يَخْرُجُ عَنْ عُهْدَتِهَا، وَعِنْدَهُ يَقَعُ عَنِ الْمَامُوْرِ لِاَنَّهُ طَلَبَ اَنْ يُعْتِقَ الْمَامُوْرُ عَبْدَهُ عَنْهُ، وَهٰذَا مُحَالٌ لِاَنَّهُ لَا عِتْقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ اٰدَمَ فَلَمْ يَصِحَّ الطَّلَبُ فَيَقَعُ الْعِتْقُ عَنِ الْمَامُوْرِ.

وَلَنَا اَنَّهُ اَمْكَنَ تَصْحِيْحُهُ بِتَقْدِيْمِ الْمِلْكِ بِطَرِيْقِ الْاِقْتِضَاءِ اِذِ الْمِلْكُ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْعِتْقِ عَنْهُ فَيَصِيْرُ قَوْلُهُ اَعْتِقْ طَلَبَ التَّمْلِيْكِ مِنْهُ بِالْاَلْفِ ثُمَّ اَمْرَهُ بِاِعْتَاقِ عَبْدِ الْاٰمِرِ عَنْهُ، وَقَوْلُهُ اَعْتَقْتُ تَمْلِيْكٌ مِنْهُ ثُمَّ الْاِعْتَاقُ عَنْهُ، وَاِذَا ثَبَتَ الْمِلْكُ لِلْاٰمِرِ فَسَدَ النِّكَاحُ لِلتَّنَافِيْ بَيْنَ الْمِلْكَيْنِ.

ترجمہ

جب کوئی آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں ہو اور وہ غلام کے آقا سے یہ کہے: ایک ہزار کے عوض میں میرے شوہر کو میری طرف سے آزاد کر دو! اور اس غلام کا آقا ایسا کر دے تو نکاح فاسد ہو جائے گا۔ امام زفر فرماتے ہیں: یہ فاسد نہیں ہو گا۔ اس کی بنیاد یہ ہے: ہمارے نزدیک یہ آزادی حکم دینے والے کی طرف سے واقع ہو گی' یہاں تک کہ ولاء کا حق بھی اس حکم دینے والے (یعنی اس غلام کی بیوی) کو حاصل ہو گا' اگر وہ حکم دینے والا کفارے کی نیت کر لے تو وہ اپنے ذمے لازم چیز (یعنی کفارے) سے بری ہو جائے گا۔ جبکہ امام زفر کے نزدیک یہ آزادی اس شخص کی طرف سے واقع ہوئی ہے' جسے حکم دیا گیا تھا اس کی وجہ یہ ہے: حکم دینے والے نے تو صرف یہ مطالبہ کیا تھا' جس شخص کو حکم دیا گیا ہے' وہ اپنے غلام کو حکم دینے والے کی طرف سے آزاد کر دے' اور یہ بات ناممکن ہے' کیونکہ آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو' اسے آزاد نہیں کر سکتا' لہٰذا اس کا یہ مطالبہ ہی درست نہیں ہو گا' اس لیے یہ آزادی اس شخص کی طرف سے ہو گی جسے حکم دیا گیا تھا۔

ہماری دلیل یہ ہے: اقتضاء کے طور پر ملکیت کو مقدم قرار دینے سے اس چیز کو درست قرار دینا ممکن ہو جاتا ہے' کیونکہ ملکیت آزاد کرنے کے درست ہونے کے لئے شرط ہے' لہٰذا اس کا یہ کہنا: "تم آزاد کر دو" اس سے مراد ایک ہزار کے عوض میں دوسرے فریق سے ملکیت کا مطالبہ کرنا ہو گا۔ پھر پہلا فریق دوسرے فریق کو ہدایت کرے گا' وہ حکم دینے والے کے غلام کو حکم دینے والے کی طرف سے آزاد کر دے۔ اور دوسرے فریق کا یہ کہنا: میں نے آزاد کر دیا ہے' اس کے اپنی طرف سے دوسرے کی ملکیت میں دینا ہو گا

پھر دوسرے کی طرف اسے آزاد شمار کرنا ہوگا' تو جب حکم دینے والے کی ملکیت ثابت ہوگئی تو نکاح فاسد ہو جائے گا' کیونکہ دو طرح کی ملکیت کے درمیان منافات ہوتی ہے۔

غلام، اپنی مالکہ کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے

حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لائے اس وقت حضرت فاطمہ کی خدمت میں وہ غلام بھی موجود تھا جو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا تھا اور حضرت فاطمہ کے جسم پر ایک ایسا چھوٹا کپڑا تھا کہ جب وہ اس سے اپنے سر کو چھپاتیں تو پاؤں کھل جاتے اور جب اس سے اپنے پاؤں کو چھپاتیں تو ان کا سر کھلا رہ جاتا تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو اس پریشانی میں دیکھا کہ وہ شرم وحیاء کی وجہ سے اپنے پورے جسم کو چھپانے کی غیر معمولی کوشش میں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں تو فرمایا کہ فاطمہ اتنا کیوں پریشان ہوتی ہو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ جس سے تم اتنا شرما رہی ہو وہ کوئی غیر نہیں ہے بلکہ تمہارا باپ ہے یا تمہارا غلام۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے حضرت امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت [illegible] م ہے یعنی پردہ وغیرہ کے بارے میں جو محرم کا حکم ہے وہی اس کے غلام کا ہے جب کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک غلام [illegible] حق میں اجنبی مرد کی طرح ہوتا ہے لہذا غلام کے لئے اپنی مالکہ کے جسم کے صرف انہی حصوں کی طرف نظر اٹھانا جائز ہے جن حصوں کی طرف ایک اجنبی مرد نظر اٹھا سکتا ہے یعنی چہرہ اور ہاتھ پاؤں۔ حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں حضرت امام شافعی کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ حضرت امام شافعی جو بات کہتے ہیں وہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ غلام جو حضرت فاطمہ کے پاس تھا اس وقت نابالغ ہو۔

حکم کنیز کی آزادی سے نکاح شوہر کے فساد میں امام زفر کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی آزاد خاتون کا شوہر غلام ہو اور وہ عورت اپنے شوہر کے آقا سے یہ کہے: تم ایک ہزار درہم کے عوض میں میرے شوہر کو میری طرف سے آزاد کر دو اور آقا ایسا کر دے' تو نکاح فاسد ہو جائے گا۔

امام زفر کی رائے مختلف ہے: وہ فرماتے ہیں: نکاح فاسد نہیں ہوگا۔ اختلاف کی بنیاد یہ ہے: ہمارے نزدیک یہ آزادی حکم کرنے والے یعنی اس عورت کی طرف سے ہوگی۔ یہی وجہ ہے: اس غلام کی ولاء کا حق بھی اس عورت کو حاصل ہوگا اور اگر اس آزاد کرنے والے نے اس کے ذریعے اپنا کوئی کفارہ ادا کرنا ہو تو وہ اس طرح ادا ہو جائے گا۔

امام زفر یہ فرماتے ہیں: وہ غلام "مامور" یعنی اس کا وہ آقا جسے اس کی بیوی نے ہدایت کی' اس آقا کی طرف سے آزاد ہوگا۔

امام زفر یہ فرماتے ہیں: آمر کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ مامور اپنے غلام کو آمر کی طرف سے آزاد کر دے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: یہ بات محال ہے' کیونکہ آمر نے جب یہ ہدایت کی تو اس وقت مذکورہ غلام اس کی ملکیت نہیں تھا اور

کوئی شخص کسی دوسرے کے غلام کو آزاد نہیں کر سکتا لہٰذا یہ مطالبہ ہی درست نہیں ہوگا تو لامحالہ طور پر یہی تسلیم کرنا پڑے گا' وہ غلام مامور کی طرف سے آزاد ہوا ہے۔

احناف اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں اس مسئلے میں آمر یعنی اس غلام کی بیوی عاقل اور بالغ ہے اور یہاں یہ بات ممکن ہے' یہاں اقتضاء کے طور پر ملکیت کو مقدم قرار دے کر آمر کے قول کو درست قرار دیا جائے یعنی اس کا یہ کہنا: تم اسے آزاد کردو' کا مطلب یہ ہوگا: تم اپنے غلام کو ایک ہزار کے عوض میں مجھے فروخت کر کے اسے میری طرف سے آزاد کردو' اس تاویل کی وجہ یہ ہے: آمر کی طرف سے دی جانیوالی آزادی کے لئے یہ بات شرط ہے' آمر اس غلام کا مالک ہو۔ تو جب ملکیت آمر یعنی اس غلام کی بیوی کے لئے ثابت ہوگئی' تو نکاح فاسد ہو جائے گا' کیونکہ یہاں دو طرح کی ملکیت ایک ساتھ آرہی ہے' جو ایک دوسرے کے منافی ہیں ان میں سے ایک ملکیت نکاح ہے اور دوسری ملک یمین ہے۔

اگر عورت اپنے شوہر کے آقا کو اُسے آزاد کرنے کے لیے کہے؟

﴿وَلَوْ قَالَتْ اَعْتِقْهُ عَنِّىْ وَلَمْ تُسَمِّ مَالًا لَمْ يَفْسُدِ النِّكَاحُ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ﴾ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ: هٰذَا وَالْاَوَّلُ سَوَاءٌ لِاَنَّهٗ يُقَدِّمُ التَّمْلِيْكَ بِغَيْرِ عِوَضٍ تَصْحِيْحًا لِتَصَرُّفِهٖ، وَيَسْقُطُ اعْتِبَارُ الْقَبْضِ كَمَا اِذَا كَانَ عَلَيْهِ كَفَّارَةُ ظِهَارٍ فَاَمَرَ غَيْرَهٗ اَنْ يُطْعِمَ عَنْهُ. وَلَهُمَا اَنَّ الْهِبَةَ مِنْ شَرْطِهَا الْقَبْضُ بِالنَّصِّ فَلَا يُمْكِنُ اِسْقَاطُهٗ وَلَا اِثْبَاتُهٗ اقْتِضَاءً لِاَنَّهٗ فِعْلٌ حِسِّيٌّ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِاَنَّهٗ تَصَرُّفٌ شَرْعِيٌّ. وَفِىْ تِلْكَ الْمَسْاَلَةِ الْفَقِيْرُ يَنُوْبُ عَنِ الْاٰمِرِ فِى الْقَبْضِ، اَمَّا الْعَبْدُ فَلَا يَقَعُ فِىْ يَدِهٖ شَىْءٌ لِيَنُوْبَ عَنْهُ

ترجمہ

اور اگر اس آزاد عورت نے یہ کہا ہو: تم اپنے غلام کو میری طرف سے آزاد کردو' اور اس نے کچھ مال کا ذکر نہ کیا ہو' تو یہ نکاح فاسد نہیں ہوگا اور ولاء کا حق آزاد کرنے والے شخص کو ملے گا' یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں: یہ صورت اور پہلی صورت دونوں کا حکم ایک جیسا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: امام ابو یوسف اس صورت میں حکم دینے والے کے تصرف کو درست کرنے کے لئے اسے ہبہ کے اعتبار سے تملیک کو مقدم قرار دیتے ہیں اور قبضے کے معتبر ہونے کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس صورت میں ہوگا: جب حکم دینے والے کے ذمے' ظہار کا کفارہ لازم ہو اور وہ کسی دوسرے شخص کو اپنی طرف سے کھانا کھلانے کا حکم دیدے۔ طرفین دلیل یہ دیتے ہیں: نص کی رو سے ہبہ کے لئے قبضے میں لینا شرط ہے' لہٰذا نہ تو اسے ساقط کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اقتضاء کے اعتبار سے اسے ثابت مانا جا سکتا ہے' کیونکہ قبضہ ایک ایسا فعل ہے جسے محسوس کیا جا سکتا ہے' جبکہ خرید و فروخت میں حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ خرید و فروخت میں شرعی اعتبار سے تصرف پایا جاتا

ہے۔ جہاں تک کفارے کے مسئلے میں قبضے کا تعلق ہے تو اس صورت میں فقیر حکم دینے والے کے قائم مقام ہو جاتا ہے لیکن جہاں تک غلام کا تعلق ہے تو اس کے قبضے میں تو کوئی بھی چیز نہیں ہوتی کہ وہ حکم دینے والے کی طرف سے نائب بن سکے۔

مملوک خاوند و بیوی کو آزاد کرنا ہو تو پہلے خاوند کو آزاد کیا جائے

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے دو مملوکوں کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا جو آپس میں خاوند بیوی تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے انہیں عورت سے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا (تا کہ عورت کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار باقی نہ رہے) (ابوداؤد، نسائی)

اگر حضرت عائشہ پہلے عورت کو آزاد کرتیں تو وہ آزاد ہونے کے بعد ایک غلام کے نکاح میں رہتی اس صورت میں اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا کہ اگر وہ چاہتی تو اپنا نکاح باقی رکھتی اور اگر اسے شوہر کے ساتھ رہنا گوارہ نہ ہوتا تو نکاح فسخ کر دیتی (جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے اور جس کی تفصیل ابھی پیچھے گزری ہے) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا تا کہ یہ اختیار نہ رہے اور مرد کی دل شکنی نہ ہو۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ مرد عورت کی بہ نسبت زیادہ کامل اور افضل ہوتا ہے لہذا اس کو مقدم رکھنا چاہئے، یا پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ مرد تو لونڈی بیوی کو گوارا کر لیتا ہے لیکن عورت اگر کسی غلام کے نکاح میں ہوتی ہے تو پھر اکثر اس سے بیزار رہتی ہے اور ہمہ وقت ذہنی اذیت و کوفت میں مبتلا رہتی ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا تا کہ اس کی بیوی اپنے شوہر کی طرف سے کسی بیزاری میں مبتلا نہ ہو۔

ہبہ کو واپس لینے کے اعتبار کے سقوط کا بیان

یہاں مصنف نے سابقہ مسئلے کی ایک ذیلی شق بیان کی ہے۔ مصنف فرماتے ہیں: اگر اس غلام کی بیوی جو آزاد عورت ہے اس نے اس غلام کے آقا سے یہ کہا ہو تم اسے میری طرف سے آزاد کر دو اور اس عورت نے مال کا تذکرہ نہ کیا ہو تو اس صورت میں نکاح فاسد نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ غلام آقا کی طرف سے آزاد شمار ہوگا اور اس کی ولاء کا حق بھی اس کے آقا کو ملے گا' یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں: سابقہ اور اس صورت کا حکم ایک ہی ہے' وہ یہ فرماتے ہیں: آمر کے تصرف کے لئے' کسی عوض کے بغیر یعنی ہبہ کے طور پر' پہلے آمر کی ملکیت ثابت ہوگی اور پھر وہ غلام آمر کی طرف سے ہبہ شمار ہوگا' تاہم امام ابو یوسف یہاں ہبہ کو قبضے میں لینے کا اعتبار ساقط کر دیتے ہیں۔

امام ابو یوسف اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص کے ذمے ظہار کا کفارہ لازم ہو اور وہ کسی دوسرے شخص کو یہ ہدایت کرے کہ وہ دوسرا شخص اس کی طرف سے کھانا کھلا دے' تو یہاں پہلے شخص کے لئے یہ بات

شرط نہیں ہوگی کہ وہ اس کھانے کو پہلے اپنے قبضے میں لے اسی طرح ہمارے اس مسئلے میں عورت کے لئے غلام کو قبضے میں لینا شرط نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد یہ دلیل دیتے ہیں: نص سے یہ بات ثابت ہے' ہبہ کے لئے قبضہ شرط ہے۔ اس لیے اسے ساقط الاعتبار قرار دینا درست نہیں ہوگا یا اسے اقتضاء کے طور پر ثابت قرار دینا بھی درست نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ ایک حسی فعل ہے' جبکہ خرید وفروخت کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ وہ ایک شرعی تصرف ہے۔

امام ابویوسف نے اس ہبہ میں قبضے کے شرط نہ ہونے کو کفارہ ظہار میں دوسرے کی طرف سے کھانا کھلانے پر قیاس کیا تھا۔ مصنف فرماتے ہیں: اس مسئلے میں کفارہ وصول کرنے والا فقیر' آمر کی طرف سے نائب بن کر اسے وصول کرتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: آپ متنازعہ مسئلے میں غلام کو بھی آمر کا نائب سمجھ لیں۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں' کیونکہ غلام کے ہاتھ میں کوئی چیز واقع نہیں ہوتی (یعنی وہ کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا ہے) اس لیے وہ آقا کی طرف سے نائب بھی نہیں بن سکتا۔

باب نکاح اہل الشرک

﴿یہ باب مشرکین کے نکاح کے بیان میں ہے﴾

اہل شرک کے نکاح کی فقہی کی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب مصنف مسلمانوں کے نکاح سے متعلق احکام سے فارغ ہوئے ہیں۔ کیونکہ مسلمان مرتبے میں آزادلوگوں کی طرح ہیں۔ لہذاان کے مقام ومرتبے کے اعتبار سے احکام نکاح پہلے بیان کردیئے ہیں۔ اب اس کے بعد مصنف کفار ومشرکین سے متعلق احکام نکاح علی الاطلاق شروع کریں خواہ وہ کفار کتابی ہوں یا غیر کتابی ہوں۔

یہاں اہل شرک سے مراد میں من جملہ تمام کفار اور بعض فقہی تصریحات کے مطابق اہل کتاب بھی شامل ہیں۔ جس طرح محرمات کے باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

اہل شرک میں اہل کتاب کا اطلاق اس طرح کیا گیا ہے کہ اہل کتاب میں سے جولوگ حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے۔ (فتح القدیر، ج ۷، ص ۳۲۲، بیروت)

اسلام اور رواداری

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کا یمن تبلیغ کیلئے انتخاب کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کام کو دشوار سمجھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کردے۔ اس کے بعد ان کے سر پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے حسن تدبیر اور حسن سلوک سے وہاں کا رنگ کچھ ایسا بدل دیا کہ ہمدان کا پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔

(خلفائے راشدین)

خارجی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف برابر سازش کرتے رہے وہ مجوسیوں مرتدوں نومسلموں اور ذمیوں کو بغاوت پر آمادہ کرتے رہتے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان بغاوتوں کو بڑے صبر وتحمل سے فرو کیا اور جب وہ زیر ہوگئے تو ان سے لطف وترحم کا برتاؤ کیا ایرانی باغی ان کے فیاضانہ سلوک سے یہ کہہ اٹھے تھے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے طریق جہانبانی نے تو نوشیروانی طرز حکومت کی یاد بھلادی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ذمیوں کے ساتھ ہمیشہ شفقت ومحبت کا برتاؤ رکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے جتنے معاہدے کیے تھے ان کو برقرار رکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجاز کے عیسائیوں کو نجران یمن سے جلاوطن کر کے نجران عراق میں آباد کرادیا تھا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف گھوڑے اور اسلحہ جمع کرنا شروع کردیئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہ واپس آنا چاہتے تھے اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کیلئے درخواست کی تو انہوں نے منظور

کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے بہت موزوں ہوتے تھے پھر بھی ان کیلئے یہ تحریر لکھ دی کہ تم لوگ میرے پاس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر لیکر آئے ہو جس میں تمہارے لیے تمہاری جان تمہارے مال کے سلسلے میں شرط لکھی ہے تمہارے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ میں نے پورا کر دیا۔ لہٰذا اب جو مسلمان ان کے یہاں جائے اسے ان وعدوں کو پورا کرنا چاہیے جو ان کے ساتھ کیے گئے ہیں نہ انکو دبایا جائے نہ ان کیساتھ ظلم کیا جائے نہ انکے حقوق میں سے کسی قسم کی کمی کی جائے۔

کافر شخص کا گواہوں کے بغیر یا عدت کے دوران نکاح کرنا

وَاِذَا تَزَوَّجَ الْكَافِرُ بِلَا شُهُوْدٍ (ا) اَوْ فِي عِدَّةِ كَافِرٍ وَذٰلِكَ فِي دِيْنِهِمْ جَائِزٌ ثُمَّ اَسْلَمَا اُقِرَّا عَلَيْهِ) وَهٰذَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَ زُفَرُ :النِّكَاحُ فَاسِدٌ فِي الْوَجْهَيْنِ اِلَّا اَنَّهُ لَا يُتَعَرَّضُ لَهُمْ قَبْلَ الْاِسْلَامِ وَالْمُرَافَعَةِ اِلَى الْحُكَّامِ .

وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ فِي الْوَجْهِ الْاَوَّلِ كَمَا قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ ، وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي كَمَا قَالَ زُفَرُ .لَهُ اَنَّ الْخِطَابَاتِ عَامَّةٌ مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ فَتَلْزَمُهُمْ ، وَاِنَّمَا لَا يُتَعَرَّضُ لَهُمْ لِذِمَّتِهِمْ اِعْرَاضًا لَا تَقْرِيْرًا ، فَاِذَا تَرَافَعُوْا اَوْ اَسْلَمُوْا وَالْحُرْمَةُ قَائِمَةٌ وَجَبَ التَّفْرِيْقُ .وَلَهُمَا اَنَّ حُرْمَةَ نِكَاحِ الْمُعْتَدَّةِ مُجْمَعٌ عَلَيْهَا فَكَانُوْا مُلْتَزِمِيْنَ لَهَا ، وَحُرْمَةُ النِّكَاحِ بِغَيْرِ شُهُوْدٍ مُخْتَلَفٌ فِيْهَا وَلَمْ يَلْتَزِمُوْا اَحْكَامَنَا بِجَمِيْعِ الْاِخْتِلَافَاتِ .وَلِاَبِي حَنِيْفَةَ اَنَّ الْحُرْمَةَ لَا يُمْكِنُ اِثْبَاتُهَا حَقًّا لِلشَّرْعِ ؛ لِاَنَّهُمْ لَا يُخَاطَبُوْنَ بِحُقُوْقِهِ، وَلَا وَجْهَ اِلَى اِيْجَابِ الْعِدَّةِ حَقًّا لِلزَّوْجِ ؛ لِاَنَّهُ لَا يَعْتَقِدُهُ ، بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَتْ تَحْتَ مُسْلِمٍ ؛ لِاَنَّهُ يَعْتَقِدُهُ ، وَاِذَا صَحَّ النِّكَاحُ فَحَالَةُ الْمُرَافَعَةِ وَالْاِسْلَامِ حَالَةُ الْبَقَاءِ وَالشَّهَادَةِ لَيْسَتْ شَرْطًا فِيْهَا وَكَذَا الْعِدَّةُ لَا تُنَافِيْهَا كَالْمَنْكُوْحَةِ اِذَا وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ

ترجمہ

جب کوئی کافر شخص گواہوں کے بغیر یا کسی دوسرے کافر کی عدت کے دوران شادی کرلے اور ایسا کرنا ان کے دین میں جائز ہو اور پھر وہ دونوں (میاں بیوی) اسلام قبول کرلیں تو انہیں اس نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔

یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ امام زفر یہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں نکاح فاسد ہوگا' تاہم ان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس بارے میں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا' اور ان کا معاملہ حکام تک نہیں لے جایا جائے گا۔

امام ابویوسف اور امام محمد پہلی صورت کے بارے میں وہی رائے دیتے ہیں جو امام ابوحنیفہ کی ہے جبکہ دوسری صورت کے بارے میں ان دونوں حضرات کی رائے وہی ہے جو امام زفر کی ہے۔

امام زفر کی دلیل یہ ہے: (شرعی احکام کے) خطابات عام ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ ان (کفار) پر بھی لازم ہوں گے تاہم ان کے ذمی ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ تعرض نہیں کیا جائے گا' اور یہ عمل اعراض کے طور پر ہوگا اثبات کے طور پر نہیں ہوگا۔ جب یہ لوگ اپنا معاملہ حکام کے پاس لے جائیں یا مسلمان ہو جائیں تو حرمت قائم ہوگی' اور علیحدگی لازم ہوگی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے: عدت بسر کرنے والی عورت کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا سب کے نزدیک متفقہ ہے' لہٰذا وہ لوگ بھی اس بات کے پابند ہوں گے لیکن گواہوں کے بغیر نکاح کے حرام ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے' اور وہ لوگ تمام اختلافی امور میں ہمارے احکام کے پابند نہیں ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: شریعت کے حق کے طور پر حرمت کا اثبات ممکن نہیں ہے' کیونکہ کفار شریعت کے حقوق کے مخاطب نہیں ہیں' جبکہ شوہر کے حق کے طور پر عدت کو لازم قرار دینے کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ وہ اس کا اعتقاد نہیں رکھتا' جبکہ وہ صورت اس سے مختلف ہوگی جس میں وہ کافر عورت کسی مسلمان کے نکاح میں ہوتی کیونکہ مسلمان اس (عدت کے وجوب) کا اعتقاد رکھتا ہے۔ جب نکاح درست ہوگا' تو حکام کے پاس مقدمہ لے جانے یا اسلام قبول کرنے (دونوں صورتوں میں) بقاء کی حالت ہوگی اور اس میں گواہی شرط نہیں ہے' اسی طرح عدت اس کے منافی نہیں ہے' جیسا کہ وہ منکوحہ عورت جس کے ساتھ شبہ کی وجہ سے صحبت کر لی گئی ہو۔

شرح

(۱) فیہ احادیث لم یذکرھا فمنھا: حدیث ابن عمر فی قصۃ الیھودیین اللذین زنیا متفق علیہ وسیاتی فی الحدود و منھا حدیث ابن عباس: رد رسول اللہ ﷺ زینب علی ابی العاص بن الربیع بالنکاح الاول اخرجہ ابو داؤد فی "سننہ" برقم (۲۲۴۰) والترمذی فی "جامعہ" برقم (۱۱۵۸) والحاکم فی "المستدرک" ۲/۲۰۰ وصححہ واقرہ الذھبی انظر "نصب الرایۃ" ۳/۲۰۹ و "الدرایۃ" ۲/۶۵

فقہ حنفی کے مطابق مذہبی رواداری کا بیان

مذہبی آزادی اور غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور مذہبی و انسانی حقوق کا لحاظ جس درجہ فقہ حنفی میں رکھا گیا ہے وہ غالباً اس کا امتیاز ہے، غیر مسلموں کو اپنے اعتقادات کے بارے میں اور ان اعتقادات پر مبنی معاملات کے بارے میں احناف کے یہاں خاص فراخدلی اور وسیع النظر فی پائی جاتی ہے، قاضی ابوزید دبوسی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس ذوق و مزاج پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے: "اَلْاَصْلُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ اَنَّ مَایَعْتَقِدُہٗ اَھْلُ الذِّمَّۃِ وَیَدِیْنُوْنَہٗ یَتْرُکُوْنَ عَلَیْہِ"۔ (تاسیس النظر)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ اہل ذمہ جو عقیدہ رکھتے ہوں اور جس دین پر چلتے ہوں ان کو اس پر چھوڑ دیا جائے۔

چنانچہ جن غیر مسلموں کے یہاں محرم رشتہ داروں سے نکاح جائز ہو، امام صاحب کے نزدیک ان کے لیے اپنے ایسے رشتہ داروں سے نکاح کرنے پر روک نہیں لگائی جائے گی (شامی، باب نکاح الکافر)

اسی طرح غیر مسلم زوجین میں سے ایک فریق مسلمان قاضی کی طرف رجوع ہو اور شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کا طالب ہو تو قاضی اس معاملہ میں دخل نہیں دے گا، جب تک کہ دونوں فریق اس کے خواہش مند نہ ہوں (شامی، باب نکاح الکافر)

اسی طرح غور کریں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جس طرح مسلم ملک کا غیر مسلم شہری کسی مسلمان کو قتل کرنے کے جرم میں قصاصاً قتل کیا جائے گا اسی طرح مسلمان سے بھی غیر مسلم شہری کے قتل پر قصاص لیا جائیگا (الأم، باب دیۃ اھل الذمۃ)

یہی حال دیت اور خون بہا کا بھی ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے انسانی خون میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا ہے، مسلمانوں اور غیر مسلموں کی دیت کی مقدار برابر رکھی ہے؛ جب کہ عام فقہاء کی رائے اس سے مختلف ہے، یہ چند مثالیں ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سی ایسی جزئیات موجود ہیں جن سے فقہ حنفی کے اس مزاج کی نشاندہی ہوتی ہے۔

نکاح کافر کی عدم شہادت کی صورت میں فقہی احکام

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص جو کافر ہو وہ گواہوں کے بغیر یا کسی دوسرے کافر کی عدت کے دوران شادی کر لیتا ہے' تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اسلام میں تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے' اور نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا' تو مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: اگر ایسا کرنا ان کے دین میں جائز ہو' اور پھر بعد میں وہ دونوں مسلمان ہو جائیں تو ان دونوں کا نکاح برقرار رہے گا' اور یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔

امام زفر یہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں یہ نکاح فاسد شمار ہوگا۔ امام زفر پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: اگر آپ نکاح کو فاسد قرار دے رہے ہیں' تو پھر ان کا معاملہ عدالت میں پیش ہونا چاہئے عدالت کو اسے سزا دینی چاہئے تو امام زفر اس کا جواب یہ دیتے ہیں' کیونکہ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا' اور نہ ہی ان کا معاملہ حکام کے پاس لے جایا جائے گا' اس کی وجہ یہ ہے: ایسا کرنا ان کے دین میں جائز تھا' اسلام اس حوالے سے انہیں یہ چھوٹ دیتا ہے کہ وہ اپنے دین کے مطابق اپنے معاملات سرانجام دے سکتے ہیں۔

امام ابویوسف اور امام محمد پہلی صورت کے بارے میں' یعنی جب کسی کافر شخص نے کسی کافر عورت کے ساتھ گواہوں کے بغیر شادی کی ہو' اس صورت میں وہی حکم بیان کرتے ہیں' جو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے' یعنی یہ نکاح اس وقت درست ہوگا جب وہ بعد میں مسلمان ہو جاتے ہیں' جبکہ دوسری صورت کے بارے میں' یعنی جب کسی کافر شخص نے کسی دوسرے کافر کی عدت کے دوران کسی عورت کے ساتھ شادی کی ہو' اس بارے میں ان کی رائے امام زفر کی رائے کے مطابق ہے' یعنی ایسی صورت میں نکاح فاسد شمار ہوگا۔

امام زفر کی دلیل یہ ہے: شرعی خطابات اور احکامات عام ہوتے ہیں' لہٰذا وہ کافر لوگ بھی اس بات کے پابند ہوں گے لیکن ان کے ذمے کی وجہ سے یعنی ان کے ذمی ہونے کی وجہ سے' ان سے پہلے تعرض نہیں کیا جائے گا' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے ٹھیک قرار دیا جا رہا ہے' لیکن جب وہ اپنا معاملہ مسلمان عدالت میں لے جاتے ہیں' اسلام قبول کر لیتے ہیں' تو شرعی حکم ہونے کی وجہ سے حرمت ثابت ہو جائے گی' اور ان دونوں کے درمیان علیحدگی ہو جائے گی۔

امام ابویوسف اور امام محمد نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: کسی عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اور اس بات پر تمام مذاہب میں اتفاق پایا جاتا ہے' لہٰذا وہ کفار بھی اس کے پابند ہوں گے جبکہ گواہوں کے بغیر نکاح کرنے کی حرمت کے بارے میں مختلف مذاہب کے نظریات میں اختلاف ہے' اس لیے وہ اس بارے میں ہمارے احکام کے پابند نہیں ہوں گے' جیسا کہ دیگر اختلافی احکام کا تعلق ہے' ان میں وہ ہمارے احکام کے پابند نہیں ہیں۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: شریعت کے حق کے پیش نظر حرمت کا اثبات یہاں ممکن نہیں ہے' کیونکہ وہ لوگ شریعت کے حق کا مخاطب نہیں ہیں' یعنی شرعی احکام کو بجالانے کے پابند نہیں ہیں' جبکہ دوسری طرف شوہر کے حق کے طور پر عدت لازم کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے' کیونکہ وہ لوگ اس بات کا اعتقاد ہی نہیں رکھتے ہیں۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: آپ نے ایک بات یہ کہی ہے: وہ لوگ شرعی احکام کے مخاطب نہیں ہیں اور دوسری طرف آپ نے یہ کہا ہے: وہ عدت کا اعتقاد بھی نہیں رکھتے ہیں' تو پھر ہونا تو یہ چاہئے' اگر کوئی کافر عورت کسی مسلمان کی بیوی ہو' تو اس پر بھی عدت گزارنا لازم نہ ہو جبکہ آپ اسے عدت کا پابند کر دیتے ہیں' تو اس کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے: مسلمان عدت کا اعتقاد رکھتا ہے اس لیے اس کی بیوی اس عدت کو گزارنے کی پابند ہوگی۔

امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں: جب زمانہ کفر میں ان کا نکاح درست ہو گیا' تو اب اگر ان کا معاملہ عدالت میں پیش کیا جاتا ہے یا وہ لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں' تو اب۔ نکاح کی بقاء کا سوال ہوگا: وہ باقی رہے گا؟ اور بقاء کے حوالے سے گواہوں کی موجودگی شرط نہیں ہے' اسی طرح عدت' نکاح ابقاء کے منافی نہیں ہے۔

اس کی مثال کے طور پر مصنف نے یہ بات بیان کی ہے جیسے کسی منکوحہ کے ساتھ شبہ کے طور پر کوئی شخص صحبت کر لے تو اس صورت میں اس عورت کا پہلا نکاح برقرار رہے گا' اور صحبت کرنے کی وجہ سے اس پر عدت کی ادائیگی بھی لازم ہو جائے گی۔

اہل کتاب عورتوں سے نکاح میں اجماع کا بیان

امام ابن جریر نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر کے حلال ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ یہ صرف سیاسی مصلحت کی بناء پر تھا تا کہ مسلمان عورتوں سے بے رغبتی نہ کریں یا اور کوئی حکمت عملی اس فرمان میں تھی چنانچہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حذیفہ کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ کیا آپ اسے

حرام کہتے ہیں، خلیفۃ المسلمین نے جواب دیا کہ حرام تو نہیں کہتا مگر مجھے خوف ہے کہیں تم مومن عورتوں سے نکاح نہ کرو؟ اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہے،

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان مرد نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن نصرانی مرد کا نکاح مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا اس روایت کی سند پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے، ابن جریر میں تو ایک مرفوع حدیث بھی باسناد مروی ہے کہ ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مرد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے لیکن اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے مگر امت کا اجماع اسی پر ہے،

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت فاروق نے اہل کتاب کے نکاح کو ناپسند کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمادی، امام بخاری حضرت عمر کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ میں کسی شرک کو اس شرک سے بڑھ کر نہیں پاتا کہ وہ عورت کہتی ہے کہ عیسیٰ اس کے اللہ ہیں حضرت امام احمد سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں مراد اس سے عرب کی وہ مشرکہ عورتیں ہیں جو بت پرست تھیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایمان والی لونڈی شرک کرنے والی آزاد عورت سے اچھی ہے یہ فرمان عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوتا ہے، ان کی ایک سیاہ رنگ لونڈی تھی ایک مرتبہ غصہ میں آکر اسے تھپڑ مار دیا تھا پھر گھبرائے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا آپ نے پوچھا اس کا کیا خیال کہا حضور! وہ روزے رکھتی ہے نماز پڑھتی ہے اچھی طرح وضو کرتی ہے اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابو عبداللہ پھر تو وہ ایماندار ہے کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قسم اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اسے آزاد کر دوں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے نکاح بھی کر لوں گا چنانچہ یہی کیا جس پر بعض مسلمانوں نے انہیں طعنہ دیا، وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں میں ان کا نکاح کرا دیں اور انہیں اپنی لڑکیاں بھی دیں تاکہ شرافت نسب قائم رہے اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مشرک آزاد عورتوں سے تو مسلمان لونڈی ہزار ہا درجہ بہتر ہے اور اسی طرح مشرک آزاد مرد سے مسلم غلام بھی بڑھ چڑھ کر ہے،

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے محض حسن پر فریفتہ ہو کر ان سے نکاح نہ کر لیا کرو، ممکن ہے ان کا حسن انہیں مغرور کر دے عورتوں کے مال کے پیچھے ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے مال انہیں سرکش کر دے نکاح کرو تو دینداری دیکھا کرو بدصورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر دیندار ہو تو بہت افضل ہے، لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے،

بخاری مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے ایک تو مال دوسرے حسب نسب تیسرے جمال وخوبصورتی چوتھے دین، تم دینداری ٹٹولو، مسلم شریف میں ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے، متاع دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے

نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو جیسے اور جگہ ہے۔ آیت (لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن) نہ کافر عورتیں مسلمان مردوں کے لئے حلال نہ مسلمان مرد کافر عورتوں کے لئے حلال۔ پھر فرمان ہے کہ مومن مرد کو چاہے حبشی غلام ہو پھر بھی رئیس اور سردار آزاد کافر سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کا میل جول ان کی صحبت، محبت دنیا حفاظ دنیا اور دنیا طلبی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینی سکھاتی ہیں جس کا انجام جہنم ہے اور اللہ تعالٰی کے فرمان کی پابندی اس کے حکموں کی تعمیل جنت کی رہبری کرتی ہے گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالٰی نے لوگوں کے وعظ ونصیحت اور پند وعبرت کے لئے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرمادیں۔

مجوسی شخص کا اپنی ماں یا بیٹی کے ساتھ شادی کرنے کے بعد اسلام قبول کرنا

﴿ فَإِذَا تَزَوَّجَ الْمَجُوْسِيُّ أُمَّهُ أَوِ ابْنَتَهُ ثُمَّ أَسْلَمَا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا ﴾ لِأَنَّ نِكَاحَ الْمَحَارِمِ لَهُ حُكْمُ الْبُطْلَانِ فِيمَا بَيْنَهُمْ عِنْدَهُمَا كَمَا ذَكَرْنَا فِي الْعِدَّةِ وَوَجَبَ التَّعَرُّضُ بِالْإِسْلَامِ فَيُفَرَّقُ .

وَعِنْدَهُ لَهُ حُكْمُ الصِّحَّةِ فِي الصَّحِيحِ إِلَّا أَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ تُنَافِي بَقَاءَ النِّكَاحِ فَيُفَرَّقُ، بِخِلَافِ الْعِدَّةِ ؛ لِأَنَّهَا لَا تُنَافِيهِ ، ثُمَّ بِإِسْلَامِ أَحَدِهِمَا يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا وَبِمُرَافَعَةِ أَحَدِهِمَا لَا يُفَرَّقُ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا ، وَالْفَرْقُ أَنَّ اسْتِحْقَاقَ أَحَدِهِمَا لَا يَبْطُلُ بِمُرَافَعَةِ صَاحِبِهِ إِذْ لَا يَتَغَيَّرُ بِهِ اعْتِقَادُهُ ، أَمَّا اعْتِقَادُ الْمُصِرِّ لَا يُعَارِضُ إِسْلَامَ الْمُسْلِمِ ؛ لِأَنَّ الْإِسْلَامَ يَعْلُو وَلَا يُعْلَى(۱) ، وَلَوْ تَرَافَعَا يُفَرَّقُ بِالْإِجْمَاعِ ؛ لِأَنَّ مُرَافَعَتَهُمَا كَتَحْكِيمِهِمَا .

ترجمہ

اور جب کوئی مجوسی اپنی ماں یا بیٹی کے ساتھ شادی کرلے اور پھر وہ دونوں اسلام قبول کرلیں تو ان دونوں کے درمیان علیحدگی کروادی جائے گی' کیونکہ صاحبین؛ کے نزدیک آدمی کے اپنی محرم عورت کے ساتھ شادی کرنے کا حکم ان (مجوسیوں) کے درمیان بھی بطلان ہی کا ہے۔ جیسا کہ عدت بسر کرنے والی عورت کے مسئلے میں ہم ذکر کرچکے ہیں' ان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان سے تعرض کرنا واجب ہوگا اور تفریق کروادی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک (صحیح روایت کے مطابق) ان کا یہ نکاح درست ہوگا' لیکن محرم ہونا کیونکہ نکاح کی بقاء کے منافی ہے اس لیے علیحدگی کروادی جائے گی' جبکہ عدت کا حکم مختلف ہے' کیونکہ وہ (عدت) اس (نکاح کی بقاء) کے منافی نہیں ہے پھر ان دونوں میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان کے درمیان علیحدگی کروادی جائے گی' لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک کے عدالت کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک علیحدگی نہیں کروائی جائے گی' جبکہ صاحبین؛ کی رائے مختلف ہے۔ فرق کی وجہ یہ ہے: میاں بیوی میں سے ایک کا استحقاق دوسرے کی

مقدمے بازی کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا' کیونکہ اس مقدمے کی وجہ سے دوسرے کے اعتقاد میں کوئی تبدیلی نہیں آئی البتہ کفر پر اصرار کرنے والے شخص کا اعتقاد مسلمان کے اسلام کے مدمقابل نہیں آسکتا' کیونکہ اسلام ہمیشہ غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ اس بات پر اتفاق ہے: اگر وہ دونوں مقدمہ کردیں تو علیحدگی کروادی جائے گی' کیونکہ ان دونوں کا مقدمہ کرنا' ان دونوں کا (مسلمان کو) ثالث قرار دینے کے مترادف ہے۔

(۱) هو حديث مرفوع اخرجه الطبراني في "الاوسط" والبيهقي في "دلائل النبوة" ۱/۱۳٤ و "الطحاوي" في "شرح معاني الآثار" ۲/۱۹۰ عن عمر رضي الله عنه والطحاوي عن ابن عباس رضي الله عنهما وله طرق اخرى ذكرها في "نصب الراية" ۳/۲۰۹ و "الدراية" ۲/٦٦

عدت میں قبول اسلام پر خاوند کے حقدار نکاح ہونے میں مذاہب اربعہ

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی اس کی تفسیر میں کہتے ہیں: قولہ تعالی (اور نکاح میں نہ دو) یعنی مسلمان عورت کا مشرک کے ساتھ نکاح نہ کرو، اور امت کا بھی اس پر اجماع ہے کہ مشرک شخص کبھی بھی مومن عورت کا خاوند نہیں بن سکتا اس لیے کہ اس میں اسلام پر عیب اور نقص ہے۔ تفسیر القرطبی (3 / 72)۔

اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے (یہ عورتیں ان کے لیے اور نہ ہی وہ مرد ان عورتوں کے لیے حلال ہیں) الممتحنۃ (10)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی بیان کرتے ہیں: مشرکہ یا عیسائی عورت جب مسلمان ہو اور وہ ذمی یا حربی کافر کی بیوی ہونے کے متعلق بیان کا باب ہے۔ عبدالوارث خالد سے اور وہ عکرمۃ سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: اگر عیسائی عورت اپنے خاوند کیا سلام قبول کرنے سے کچھ دیر قبل اسلام قبول کرلے تو وہ اس پر حرام ہوگئی۔

اور امام مجاہد رحمہ اللہ تعالی کا کہنا ہے کہ: اگر خاوند بیوی کی عدت کے اندر اندر مسلمان ہوجائے تو وہ اس سے شادی کرسکتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (نہ وہ (مسلمان عورتیں) ان (کافروں) کے لیے حلال ہیں اور نہ ہی وہ کافر مرد ان عورتوں کے لیے حلال ہیں)

اور حسن بھی رحمہ اللہ تعالی عنہ کا کہنا ہے: حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالی کا کہنا ہے کہ: مجوسی میاں بیوی دونوں مسلمان ہوجائیں تو وہ اپنے نکاح پر ہی رہیں گے اور اگر ان میں سے ایک بھی پہلے مسلمان ہو اور دوسرا انکار کردے تو ان کی آپس میں جداء ہوگی اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ (صحیح بخاری، فتح الباری (9 / 421)

- 2 ذیل میں چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں - 1: دور جاہلیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینب رضی اللہ تعالی عنہا کی شادی ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ ہوء تو جب زینب رضی اللہ تعالی عنہا نے اسلام قبول کیا تو نکاح فسخ ہونے کی بنا پر اپنے والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئیں اور جب ابوالعاص رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ تعالی عنہا کو ابوعاص رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف واپس کردیا۔ سنن ترمذی حدیث نمبر (1143) سنن ابوداود

حدیث نمبر(2240) سنن ابن ماجۃ حدیث نمبر(2009) ۔امام احمد رحمہ اللہ تعالی نے مسند احمد(1879) اسے صحیح قرار دیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں کوئی حرج نہیں۔

اس میں صحیح مسئلہ یہی ہے کہ ایسی صورت میں خاوند کو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ۔اور اگر وہ اس کے نکاح میں ہی ہو تو پھر خاوند اس کا زیادہ حق دار ہے لیکن اگر عدت گزر جائے تو بیوی آزاد ہے کہ وہ خاوند کے مسلمان ہونے کے بعد اس کے پاس جائے یا کسی اور سے نکاح کر لے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کا بیان ہے :اہل علم کے ہاں اس حدیث پر عمل یہ ہے کہ جب بیوی خاوند کے قبل اسلام قبول کر لے اور خاوند بعد میں اس کی عدت کے اندر اندر مسلمان ہو جائے تو اس کا خاوند زیادہ حق دار ہے۔

امام مالک بن انس ،امام اوزاعی ،امام شافعی ،امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ تعالی کا قول بھی یہی ہے ۔(سنن ترمذی حدیث نمبر(1142)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں :اگر کافرہ عورت مسلمان ہو جائے اور اس کی عدت کے اندر اندر خاوند مسلمان نہ ہو تو علماء اس پر متفق ہیں کہ اس کے خاوند کا اپنی بیوی پر کوئی حق نہیں ۔(التمھید(12 / 23)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالی کا کہنا ہے :لیکن جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس حالت میں نکاح موقوف ہوگا ،اگر تو عدت ختم ہونے سے قبل خاوند بھی مسلمان ہو جائے تو وہ اس کی بیوی ہے لیکن اگر عورت کی عدت ختم ہو جائے (اور خاوند مسلمان نہ ہو) تو بیوی کو حق حاصل ہے کہ وہ جس سے چاہے نکاح کر لے ،اور اگر چاہے تو وہ اس کے اسلام قبول کرنے کا انتظار کرے اور قبول اسلام کے بعد اس سے تجدید نکاح کے بغیر اس کی بیوی ہوگی ۔(زادالمعاد(5 / 138 - 137)

- 2اور طلحہ بن عبیداللہ کی بیوی اروی بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب اسلام قبول کرنے کی وجہ سے خاوند سے علحیدہ ہوگئی ،پھر انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ سے شادی کر لی اور وہ بھی کافر سے مسلمان ہو چکے تھے اور اپنی کافرہ بیوی کو چھوڑ اتھا ،تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی خالد رضی اللہ تعالی عنہ سے کر دی۔

(تفسیر قرطبی(18 / 65 66)

- 3انس رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ام سلیم رضی اللہ تعالی عنہا سے شادی کی تو ان کا مہر ہی اسلام تھا۔

ام سلیم رضی اللہ تعالی عنہا ابوطلحہ رضی اللہ تعالی عنہ سے قبل مسلمان ہوئی تھی تو ابوطلحہ رضی اللہ تعالی عنہ نے انہیں شادی کا پیغام بھیجا توام سلیم رضی اللہ تعالی عنہا کہنے لگیں۔

اگر اسلام قبول کر لو تو میں تیرے ساتھ نکاح کر لیتی ہوں لھذا ابوطلحہ رضی اللہ تعالی عنہ بھی مسلمان ہو گئے تو ان کے درمیان یہی مہر تھا۔(سنن نسائی حدیث نمبر(3340)

- 4اور اسی طرح ولید بن مغیرہ کی بیٹی اور جو کہ صفوان بن امیہ کی بیوی تھی خاوند سے پہلے مسلمان ہوگئی اور صفوان بن امیہ بعد میں مسلمان ہوئے توان کی بیوی واپس آ گئی۔(موطاامام مالک حدیث نمبر (1132)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں :اس حدیث کا مجھے تو علم نہیں کہ کسی صحیح طریق سے یہ متصل ہواور یہ حدیث اہل سیرت کے ہاں معروف ومشہور ہے،اور ابن شہاب اہل سیرت کے امام اور عالم ہیں اور اسی طرح امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ بھی۔ان شاء اللہ اس حدیث کی شہرت سند سے زیادہ قوی ہے۔(التمھید (12 / 19)

- 5اور ام حکیم بنت حارث بن حشام جو عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی تھی مسلمان ہوگئے توان کا نکاح فسخ ہوگیا، پھر عدت کے اندر ہی عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی مسلمان ہوگئے تو وہ اپنے خاوند کے پاس آ گئیں۔(مصنف ابن ابی شیبہ (4 / 107)

قبول اسلام کے بعد محرمات ابدیہ نکاح میں ہوں تفریق کرائے جائے گی

کفار کے نکاح کے احکام بیان کرتے ہوئے یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے:اگر کوئی مجوسی شخص اپنی ماں یا بیٹی کے ساتھ شادی کر لیتا ہے اور وہ دونوں اسلام قبول کر لیتے ہیں' تو ان دونوں کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی تاہم اس کا سبب فقہاء نے مختلف بیان کیا ہے۔صاحبین ﷫ کی دلیل یہ ہے: جس طرح کسی دوسرے شخص کی عدت گزارنے والی عورت' کے ساتھ شادی کرنے کی حرمت پر تمام مذاہب میں اتفاق پایا جاتا ہے اسی طرح محرم عورت کے ساتھ شادی کرنے کی حرمت میں بھی تمام مذاہب میں اتفاق پایا جاتا ہے اس لیے اسلام قبول کرنے کے بعد جس طرح کسی دوسرے شخص کی عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ شادی کرنے کو باطل قرار دیا جائے گا' اس طرح کسی محرم کے ساتھ کیے ہوئے نکاح کو بھی کالعدم قرار دے دیا جائے گا' اور میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے:اس شخص کا اپنے مذہب کے اعتقاد کے مطابق یہ نکاح بالکل درست تھا لیکن محرم ہونا کیونکہ نکاح کی بقاء کے منافی ہے اس لیے اگر وہ اسلام قبول کر لیتا ہے' تو میاں بیوی کے درمیان فرق کر دیا جائے گا' جبکہ عدت کا حکم اس سے مختلف ہے۔اس کی وجہ یہ ہے:عدت نکاح کی بقاء کے منافی نہیں ہوتی جیسا کہ اس سے پہلے ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے:ایسی صورت میں میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو بھی ان دونوں کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی' اور اگر وہ اپنا معاملہ اسلامی عدالت میں لے آتے ہیں تو اس بارے میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس بنیاد پر ان کے درمیان علیحدگی نہیں کی جاسکتی' جبکہ صاحبین ﷫ کی رائے اس بارے میں مختلف ہے۔وہ یہ فرماتے ہیں:اس صورت میں بھی ان کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی۔

اختلاف کا فرق اس اعتبار سے ہے:ان دونوں میں سے کسی ایک کا استحقاق کسی دوسرے کے متقدمہ کرنے کی وجہ سے

باطل ہوگا یا نہیں ہوگا؟ کیونکہ بہرحال اس کے اعتقاد میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے اگر ایسی صورت میں میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا ہو تو آپ علیحدگی کے بارے میں فتویٰ دے دیتے ہیں اور مسلمان کی بات مان لیتے ہیں اور اس کے مقابل فریق کے حق کو باطل قرار دے دیتے ہیں' تو مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: کفر پر مصر رہنے والے شخص کا اعتقاد مسلمان کے اسلام کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسلام ہمیشہ سربلند ہوتا ہے اس سے سربلند کوئی نہیں ہوتا۔ یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر وہ دونوں میاں بیوی اپنا مقدمہ عدالت میں پیش کر دیتے ہیں' تو تمام فقہاء کے درمیان اتفاق ہے: اس بنیاد پر ان کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی' کیونکہ ان دونوں کا مقدمہ پیش کرنا اسی طرح ہے جیسے ان دونوں نے مسلمانوں کو ثالث تسلیم کرلیا ہے۔

مرتد شخص کسی کے ساتھ شادی نہیں کرسکتا

﴿وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَةً وَّلَا كَافِرَةً وَّلَا مُرْتَدَّةً﴾ ؛لِأَنَّهُ مُسْتَحِقٌّ لِّلْقَتْلِ ، وَالْإِمْهَالُ ضَرُورَةَ التَّأَمُّلِ ، وَالنِّكَاحُ يَشْغَلُهُ عَنْهُ فَلَا يُشْرَعُ فِي حَقِّهِ ﴿وَكَذَا الْمُرْتَدَّةُ لَا يَتَزَوَّجُهَا مُسْلِمٌ وَّلَا كَافِرٌ﴾ ؛لِأَنَّهَا مَحْبُوسَةٌ لِّلتَّأَمُّلِ وَخِدْمَةُ الزَّوْجِ تَشْغَلُهَا عَنْهُ ، وَلِأَنَّهُ لَا يَنْتَظِمُ بَيْنَهُمَا الْمَصَالِحُ ، وَالنِّكَاحُ مَا شُرِعَ لِعَيْنِهِ بَلْ لِمَصَالِحِهِ

ترجمہ

اور یہ بات جائز نہیں ہے کہ کوئی مرتد شخص کسی مسلمان یا کافر یا مرتد عورت کے ساتھ شادی کرے کیونکہ وہ مرتد شخص قتل کا مستحق ہے اور اسے مہلت' غور وفکر کے ضرورت کے پیش نظر دی گئی اور نکاح اسے اس غور وفکر سے غافل کر دے گا اس لیے اس کے حق میں نکاح مشروع نہیں ہے۔ اسی طرح مرتد عورت کے ساتھ' نہ تو کوئی مسلمان شادی کر سکتا ہے' اور نہ ہی کافر' کیونکہ اسے غور وفکر کے لئے قید کیا گیا ہے اور شوہر کی خدمت اسے اس عمل سے غافل کر دے گی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: ان میاں بیوی کے درمیان نکاح کے مصالح قائم نہیں رہ سکیں گے' اور نکاح اپنی ذات کی وجہ سے مشروع نہیں کیا گیا بلکہ اپنے مصالح کی وجہ سے مشروع کیا گیا ہے۔

مرتد سے نکاح کرنے کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

قادیانی زندیق اور مرتد ہیں، اور مرتدہ کا نکاح نہ کسی مسلمان سے ہوسکتا ہے، نہ کسی کافر سے اور نہ کسی مرتد سے۔ ہدایہ میں ہے

اعلم أن تصرفات المرتد على أقسام نفاذ بالاتفاق كالاستيلاء والطلاق وباطل بالاتفاق كالنكاح والذبيحة لأنه يعتمد الملة ولا ملة له .(هدايه)

جاننا چاہئے کہ مرتد کے تصرفات کی چند قسمیں ہیں، ایک قسم بالاتفاق نافذ ہے، جیسے: استیلاء اور طلاق۔ دُوسری قسم بالاتفاق باطل ہے، جیسے: نکاح اور ذبیحہ، کیونکہ یہ موقوف ہے ملت پر اور مرتد کی کوئی ملت نہیں۔

درمختار میں ہے۔

ولا يصلح (أن ينكح مرتد أو مرتدة أحدا) من الناس مطلقًا وفي الشامية (قوله مطلقًا) أي مسلمًا أو كافرًا أو مرتدًا . (فتاویٰ شامی ، کتاب النکاح)

اور مرتد یا مرتدہ کا نکاح کسی انسان سے مطلقاً صحیح نہیں، یعنی نہ مسلمان سے، نہ کافر سے اور نہ مرتد سے۔

فتاویٰ عالمگیری میں مرتد کے نکاح کو باطل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔

فلا يجوز له أن يتزوج امرأة مسلمة ولا مرتدة ولا ذمية ولا حرة ولا مملوكة . (فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح)

پس مرتد کو اجازت نہیں کہ وہ نکاح کرے کسی مسلمان عورت سے، نہ کسی مرتدہ سے، نہ ذمی عورت سے، نہ آزاد سے اور نہ باندی سے۔

فقہِ شافعی کی مستند کتاب شرح مہذب میں ہے۔

لا يصح نكاح المرتد والمرتدة لأن القصد بالنكاح الاستمتاع ولما كان دمهما مهدرًا ووجب قتلهما فلا يتحقق الاستمتاع ولأن الرحمة تقتضي ابطال النكاح قبل الدخول فلا ينعقد النكاح معهما .(شرح مهذب ، كتاب النكاح)

اور مرتد اور مرتدہ کا نکاح صحیح نہیں، کیونکہ نکاح سے مقصود نکاح کے فوائد کا حصول ہے۔ چونکہ ان کا خون مباح ہے اور ان کا قتل واجب ہے، اس لئے میاں بیوی کا استمتاع تحقق نہیں ہوسکتا، اور اس لئے بھی کہ تقاضائے رحمت یہ ہے کہ اس نکاح کو رخصتی سے پہلے ہی باطل قرار دیا جائے، اس بنا پر نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

فقہِ حنبلی کے مشہور کتاب المغنی مع الشرح الکبیر میں ہے۔

والمرتدة يحرم نكاحها على أي دين كانت لأنه لم يثبت لها حكم أهل الدين الذي انتقلت اليه في اقرارها عليه ففي حلها أولى .(المغني مع الشرح الكبير ، كتاب النكاح)

اور مرتد عورت سے نکاح حرام ہے خواہ اس نے کوئی سا دین اختیار کیا ہو، کیونکہ جس دین کی طرف وہ منتقل ہوئی ہے اس کے لئے اس دین کے لوگوں کا حکم ثابت نہیں ہوا جس کی وجہ سے وہ اس دین پر برقرار رکھی جائے، تو اس سے نکاح کے حلال ہونے کا حکم

بدرجہ اولیٰ ثابت نہیں ہوگا۔ ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ قادیانی مرتد کا نکاح صحیح نہیں، بلکہ باطل محض ہے۔

اسی طرح فقہاء مالکیہ کے نزدیک مرتد سے نکاح باطل ہے۔ اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: مرتد سے نکاح نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے نکاح میں اپنی لڑکی دی جائے گی، اور نہ ہی انہیں سلام کیا جائے۔ (المدونۃ (1 / 84)

اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی اس جیسا ہی قول ہے۔ آئمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ مرد وعورت کے مابین نکاح میں دینی کفو معتبر مسئلہ ہے، تو اس لیے فاسق مرد اور دین دار اور مستقیم مسلمان عورت کے مناسب اور کفو نہیں۔

بدعقیدہ لوگوں سے نکاح کی ممانعت کا بیان

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی وغیرہ ان کے کفر میں کوئی شک وشبہ نہیں نہ شک کی مجال بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے کفر میں بھی شبہ نہیں۔

(حسام الحرمین ص 131، فتاوی افریقہ 109)

دیوبندیوں کے بارے میں مسلمانوں سے آخری اپیل جو انہیں کافر نہ کہے جو ان کا پاس لحاظ رکھے جو ان کے استادی یا رشتے یا دوستی کا خیال رکھے وہ بھی انہیں میں سے ہے انہیں کی طرح کافر ہے قیامت میں ان کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جائے گا۔ مرتدوں میں سب سے بدتر مرتد منافق ہے۔ یہی ہے وہ کہ اس کی صحبت ہزار کافر کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ مسلمان بن کر کفر سکھاتا ہے خصوصا وہابیہ، دیوبندیاں کہ اپنے آپ کو خاص اہل سنت وجماعت کہتے حنفی بنتے، چشتی نقشبندی بنتے، نماز روزہ ہمارا سا کرتے، ہماری کتابیں پڑھتے پڑھاتے اور اللہ ورسول کو گالیاں دیتے ہیں۔ یہ سب سے بدتر زہر قاتل ہیں ہوشیار خبردار مسلمانو! اپنا دین وایمان بچاتے ہوئے۔ فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا۔

اللہ تعالیٰ کا امت مسلمہ پر احسان ہے کہ جس نے امام اہل سنت امام احمد رضا جیسی مقدس ہستی کو بھیج کر مسلمانوں کو گمراہ فرقوں کے شر وخباثتوں سے محفوظ کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ گمراہ فرقوں کی فرقہ پرستی وفرقہ واریت اور شیطانی شر کی نجاست بدعقیدگی سے محفوظ فرمائے۔

اولاد دین میں کس کے تابع ہوگی؟

﴿فَإِنْ كَانَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مُسْلِمًا فَالْوَلَدُ عَلَى دِينِهِ، وَكَذَلِكَ إنْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا وَلَهُ وَلَدٌ صَغِيرٌ صَارَ وَلَدُهُ مُسْلِمًا بِإِسْلَامِهِ﴾ لِأَنَّ فِي جَعْلِهِ تَبَعًا لَهُ نَظَرًا لَهُ ﴿وَلَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا كِتَابِيًّا وَالْآخَرُ مَجُوسِيًّا فَالْوَلَدُ كِتَابِيٌّ﴾ لِأَنَّ فِيهِ نَوْعَ نَظَرٍ لَهُ إذْ

الْمَجُوْسِيَّةُ شَرٌّ ، وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِيْهِ لِلتَّعَارُضِ وَنَحْنُ بَيَّنَّا التَّرْجِيحَ .

ترجمہ

پس اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو اولاد اس کے دین پر شمار ہوگی۔ اسی طرح اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے اور اس کی کمسن اولاد ہو تو وہ بچہ (ماں یا باپ کے) اسلام قبول کرنے کی وجہ سے مسلمان شمار ہوگا' کیونکہ اس بچے کو اس (مسلمان ماں یا باپ) کا تابع قرار دینے میں اس کے حق میں شفقت ہے۔ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک اہل کتاب ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو بچہ اہل کتاب شمار ہوگا' کیونکہ اس میں بھی بچے کے لئے شفقت کا مفہوم پایا جاتا ہے' کیونکہ مجوسی ہونا اس (کتابی ہونے) سے زیادہ برا ہے۔ اس بارے میں تعارض کی وجہ سے امام شافعی کی رائے ہم سے مختلف ہے' جبکہ ہم نے اس مسئلے میں ترجیح کو ثابت کیا ہے۔

خیر کی تابعیت کا بیان

اگر کسی شخص کے والدین میں سے ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو اس شخص کا نکاح اور ذبیحہ حلال ہے اور وہ شخص کتابی ہوگا حالانکہ قاعدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ مجوسی جو جانب حرمت ہے اس کا اعتبار کیا۔ لیکن علمائے احناف فرماتے ہیں کہ یہاں اس شخص کو کتابی کے تابع کیا جائے گا کیونکہ مجوسی کتابی سے زیادہ شر (برا) ہے لہذا بیٹا کتابی کے تابع ہوگا کیونکہ اگر اس کے بچپن پر حکم لگایا جائے تو ''کل مولود علی فطرۃ'' کے مطابق بھی اسے خیر کے تابع کرنا چاہیے۔ (قواعد فقہیہ، ص ۱۰۱، شبیر برادرز لاہور)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور اگر مسلمان کا کسی لڑکی سے نکاح ہوا اور اس لڑکی کے والدین مسلمان تھے، پھر مرتد ہو گئے تو وہ لڑکی نکاح سے باہر نہ ہوئی اور اگر لڑکی کے والدین مرتد ہو کر لڑکی کو لے کر دارالحرب کو چلے گئے تو اب باہر ہوگئی اور اگر اس کے والدین میں سے کوئی حالت اسلام میں مر چکا ہے یا مرتد ہونے کی حالت میں مرا پھر دوسرا مرتد ہو کر لڑکی کو دارالحرب میں لے گیا تو باہر نہ ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ والدین کے مرتد ہونے سے چھوٹے بچے مرتد نہ ہوں گے، جب تک دونوں مرتد ہو کر اسے دارالحرب کو نہ لے جائیں۔ نیز یہ کہ ایک مر گیا تو دوسرے کے تابع نہ ہوں گے اگرچہ یہ مرتد ہو کر دارالحرب کو لے جائے اور تابع ہونے میں یہ شرط ہے کہ خود وہ بچہ اس قابل نہ ہو کہ اسلام و کفر میں تمیز کر سکے اور سمجھ دار ہے تو اسلام و کفر میں کسی کا تابع نہیں۔

اور مجنون بھی بچہ ہی کے حکم میں ہے کہ وہ تابع قرار دیا جائے گا، جبکہ جنون اصلی ہو اور بلوغ سے پہلے یا بعد بلوغ مسلمان تھا پھر مجنون ہو گیا تو کسی کا تابع نہیں، بلکہ یہ مسلمان ہے۔ بوہرے کا بھی یہی حکم ہے، کہ اصلی ہے تو تابع اور عارضی ہے تو نہیں۔ (عالمگیری، کتاب النکاح)

اگر عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر غیر مسلم ہو؟

(وَاِذَا اَسْلَمَتْ الْمَرْاَةُ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ عُرِضَ عَلَيْهِ الْاِسْلَامُ فَاِنْ اَسْلَمَ فَهِيَ امْرَاَتُه ، وَاِنْ اَبٰى فَرَّقَ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا ، وَكَانَ ذٰلِكَ طَلَاقًا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ ، وَاِنْ اَسْلَمَ الزَّوْجُ وَتَحْتَهُ مَجُوْسِيَّةٌ عَرَضَ عَلَيْهَا الْاِسْلَامَ ، فَاِنْ اَسْلَمَتْ فَهِيَ امْرَاَتُه ، وَاِنْ اَبَتْ فَرَّقَ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكُنِ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا) وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ : لَا تَكُوْنُ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا فِي الْوَجْهَيْنِ ، اَمَّا الْعَرْضُ فَمَذْهَبُنَا ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يُعْرَضُ الْاِسْلَامُ ؛ لِاَنَّ فِيْهِ تَعَرُّضًا لَهُمْ وَقَدْ ضَمِنَّا بِعَقْدِ الذِّمَّةِ اَنْ لَا نَتَعَرَّضَ لَهُمْ ، اِلَّا اَنَّ مِلْكَ النِّكَاحِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ غَيْرُ مُتَاَكِّدٍ فَيَنْقَطِعُ بِنَفْسِ الْاِسْلَامِ ، وَبَعْدَهُ مُتَاَكِّدٌ فَيَتَاَجَّلُ اِلَى انْقِضَاءِ ثَلَاثِ حِيَضٍ كَمَا فِي الطَّلَاقِ . وَلَنَا اَنَّ الْمَقَاصِدَ قَدْ فَاتَتْ فَلَا بُدَّ مِنْ سَبَبٍ تَبْتَنِي عَلَيْهِ الْفُرْقَةُ ، وَالْاِسْلَامُ طَاعَةٌ لَا يَصْلُحُ سَبَبًا فَيُعْرَضُ الْاِسْلَامُ لِتَحْصُلَ الْمَقَاصِدُ بِالْاِسْلَامِ اَوْ تَثْبُتَ الْفُرْقَةُ بِالْاِبَاءِ . وَجْهُ قَوْلِ اَبِي يُوْسُفَ اَنَّ الْفُرْقَةَ بِسَبَبٍ يَشْتَرِكُ فِيْهِ الزَّوْجَانِ فَلَا يَكُوْنُ طَلَاقًا كَالْفُرْقَةِ بِسَبَبِ الْمِلْكِ . وَلَهُمَا اَنَّ بِالْاِبَاءِ امْتَنَعَ الزَّوْجُ عَنِ الْاِمْسَاكِ بِالْمَعْرُوْفِ مَعَ قُدْرَتِهِ عَلَيْهِ بِالْاِسْلَامِ فَيَنُوْبُ الْقَاضِي مَنَابَهُ فِي التَّسْرِيْحِ كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ ، اَمَّا الْمَرْاَةُ فَلَيْسَتْ بِاَهْلٍ لِلطَّلَاقِ فَلَا يَنُوْبُ الْقَاضِي مَنَابَهَا عِنْدَ اِبَائِهَا (ثُمَّ اِذَا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا بِاِبَائِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ اِنْ كَانَ دَخَلَ بِهَا) لِتَاَكُّدِهِ بِالدُّخُوْلِ (وَاِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا) ؛ لِاَنَّ الْفُرْقَةَ مِنْ قِبَلِهَا وَالْمَهْرُ لَمْ يَتَاَكَّدْ فَاَشْبَهَ الرِّدَّةَ وَالْمُطَاوَعَةَ .

ترجمہ

اور جب عورت اسلام قبول کرلے اور اس کا شوہر کافر ہو تو قاضی مرد کے سامنے اسلام پیش کرے گا۔ اگر وہ اسے قبول کر لیتا ہے تو وہ عورت اس کی بیوی رہے گی لیکن اگر وہ انکار کر دے تو قاضی ان دونوں کے درمیان علیحدگی کروا دے گا۔ یہ چیز امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک طلاق شمار ہوگی۔ اگر مرد اسلام قبول کرلے اور اس کی بیوی مجوسی ہو تو اس عورت کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کر لیتی ہے تو وہ اس شخص کی بیوی رہے گی اور اگر انکار کر دیتی ہے تو قاضی ان دونوں کے درمیان

علیحدگی کروادے گا' تاہم یہ علیحدگی طلاق شمار نہیں ہوگی۔امام ابو یوسف فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں علیحدگی طلاق شمار نہیں ہوگی۔اسلام پیش کرنا ہمارے (احناف کے) نزدیک ہے۔امام شافعی یہ فرماتے ہیں: اسلام پیش نہیں کیا جائے گا' کیونکہ یہ ان سے تعرض کے مترادف ہوگا اور ہم نے ذمہ کے معاہدے کے تحت یہ ضمانت دی ہے کہ ہم ان سے تعرض نہیں کریں گے البتہ صحبت کرنے سے پہلے نکاح کی ملکیت میں تاکید نہیں ہوتی اس لیے محض اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں نکاح ختم ہو جائے گا' لیکن کیونکہ صحبت کرنے کے نتیجے میں ملکیت مؤکد ہو جاتی ہے اس لیے تین حیض کی مدت گزرنے تک علیحدگی کو مؤخر کیا جائے گا' جیسا کہ طلاق میں ہوتا ہے۔ہماری دلیل یہ ہے: (نکاح کے) مقاصد فوت ہو چکے ہیں اس لیے کسی سبب کی ضرورت ہے جس کی بنیاد پر علیحدگی کی جائے' اسلام فرمانبرداری کا نام ہے جو اس کے لیے سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا' اس لیے اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا تا کہ اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں مقاصد حاصل کیے جا سکیں' یا انکار کے نتیجے میں علیحدگی ثابت ہو سکے۔امام ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے: یہ علیحدگی ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہوئی جس میں میاں بیوی مشترک ہیں لہٰذا مالک بن جانے کی وجہ سے جو علیحدگی ہوتی ہے' اس کی طرح یہ طلاق شمار نہیں ہوگا۔طرفین کی دلیل یہ ہے: شوہر نے اسلام قبول کرنے سے انکار کرنے کے نتیجے میں' مناسب طریقے سے عورت کو روکنے سے رک گیا ہے' جبکہ وہ اس بات کی قدرت رکھتا تھا کہ اسلام قبول کر کے ایسا کر لیتا' تو احسان کے ہمراہ اسے آزاد کرنے میں قاضی اس کا قائم مقام ہو جائے گا' جیسا کہ شوہر کے مجبوب یا عنین ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔جہاں تک عورت کا تعلق ہے' کیونکہ وہ طلاق کی اہل نہیں ہے اس لیے اس کے انکار کی صورت میں قاضی اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔پھر اگر ان دونوں کے درمیان قاضی عورت کے انکار کی وجہ سے علیحدگی کرواتا ہے تو عورت کو مہر ملے گا اگر شوہر نے اس کے ساتھ صحبت کی ہوئی ہو' کیونکہ صحبت کے نتیجے میں مہر مؤکد ہو جاتا ہے اور اگر مرد نے اس کے ساتھ صحبت نہیں کی تو اس عورت کو مہر نہیں ملے گا' کیونکہ یہ علیحدگی عورت کی وجہ سے ہوئی ہے اور مہر مؤکد نہیں ہوا' لہٰذا یہ مرتد ہونے اور (شوہر کے بیٹے کو) اپنے ساتھ صحبت کا موقع دینے کے مترادف ہوگا۔

غیر مسلم شوہر کے اسلام قبول نہ کرنے پر تفریق کا حکم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی عورت مسلمان ہوئی اور شوہر پر اسلام پیش کیا گیا، اس نے اسلام لانے سے انکار یا سکوت کیا تو تفریق کی جائے گی اور یہ تفریق طلاق قرار دی جائے، یعنی اگر بعد میں مسلمان ہوا اور اسی عورت سے نکاح کیا تو اب دو ہی طلاق کا مالک رہے گا، کہ منجملہ تین طلاقوں کے ایک پہلے ہو چکی ہے اور یہ طلاق بائن ہے اگر چہ دخول ہو چکا ہو یعنی اگر مسلمان ہو کر رجعت کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، بلکہ جدید نکاح کرنا ہوگا اور دخول ہو چکا ہو تو عورت پر عدت واجب ہے اور مدت کا نفقہ شوہر سے لے گی اور پورا مہر شوہر سے لے سکتی ہے اور قبل دخول ہو تو نصف مہر واجب ہوا اور عدت نہیں اور اگر شوہر مسلمان ہوا اور عورت نے انکار کیا تو تفریق فسخ نکاح ہے، کہ عورت کی جانب سے طلاق نہیں ہو سکتی ہے پھر اگر وطی ہو چکی ہے تو پورا مہر لے سکتی ہے ورنہ کچھ نہیں۔(درمختار، کتاب النکاح)

اہل شرک سے نکاح کی حرمت کا بیان

مسلمان عورت کا کسی بھی کافر شخص سے شادی کرنا شرعی طور پر باطل اور حرام ہے اوران کے آپس میں تعلقات بھی زنا شمار ہوں گے، ان پر اللہ تعالی کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے علیحدگی واجب ہے۔

فرمان باری تعالی ہے: (اور مشرک مردوں کے نکاح میں اپنی عورتیں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہیں لاتے، ایمان والا غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے گو مشرک تمہیں اچھا ہی کیوں نہ لگے، یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالی اپنے حکم سے جنت اور اپنی بخشش کی طرف بلاتا ہے) (البقرۃ(221)

اور اللہ تعالی نے کافروں کے لیے مسلمان عورت کے حلال نہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: (نہ تو وہ (مسلمان عورتیں) ان کافر مردوں کے لیے اور نہ ہی وہ (کافر مرد) ان (مسلمان عورتوں) کے لیے حلال نہیں) الممتحنۃ (10)

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی اپنی کتاب الجامع لاحکام القرآن میں کہتے ہیں: امت کا اس پر اجماع ہے کہ مشرک مرد مسلمان عورت سے شادی نہیں کرسکتا کیونکہ اس میں اسلام کی پستی توہین پائی جاتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن (3 / 72)

اور جب شخص اسلام قبول کرلے جیسا کہ سوال میں بھی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ دوبارہ نکاح کرے کیونکہ اس کا پہلا نکاح تو باطل تھا اور وہ شریعت میں کوئی معتبر نہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل کتاب کی کافرہ عورت مسلمان مرد کیلیے کیوں حلال ہے اور مسلمان عورت اہل کتاب کافر کے لیے حلال کیوں نہیں کی گئی؟

اس کا جواب دو لحاظ سے ہے: اول: اسلام بلندی اختیار کرنے والا دین ہے اور اس پر کوئی اور غالب نہیں آسکتا، اور شادی میں مرد کو عورت پر فوقیت اور سربراہی حاصل ہے کیونکہ مرد میں رجولیت پائی جاتی ہے، اور پھر یہ ہوسکتا ہے کہ مرد اپنی بیوی پر اثر انداز ہو جس کی بنا پر عورت اپنے دین پر عمل نہ کرسکے اور اس کے واجبات کی ادائیگی نہ کرپائے، اور اس کی وجہ سے وہ مکمل طور پر ہی دین کو چھوڑ دے، اور اسی طرح اولاد بھی دین میں اپنے والد کے تابع ہوگی۔

دوسرا جواب: اسلام ایک شامل اور کامل دین ہے لیکن اس کے علاوہ باقی ادیان ناقص ہیں، اور اس پر ہی اجتماعیت کی بنیاد ہے جو خاندان کی طبیعت اور حسن معاشرت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ جب مسلمان شخص کسی کتابی لڑکی سے شادی کرے گا تو مسلمان اس لڑکی کی کتاب اور رسول پر ایمان رکھتا ہے، تو اس طرح وہ اس کے دین پر مجمل ایمان رکھنے کی بنا پر اس کے دین اور مبادیات کا احترام کرے گا جو کہ آپس میں تفاہم اور سمجھنے سمجھانے کا ذریعہ ہے، اور اسی بنا پر وہ عورت اپنی کتاب کی بنا پر اسلام قبول کرلے گی۔

لیکن اگر اہل کتاب کے کسی کافر نے جب مسلمان عورت سے شادی کی جو کہ عورت کے دین پر ایمان ہی نہیں رکھتا، تو اس لیے مسلمان عورت اس سے اپنے دین اور مبادیات کا احترام نہیں پائے گی، تو اس طرح ان کی آپس میں نہیں بن پائے گی اور وہ تفاہم

اختیار نہیں کر سکیں گے کیونکہ وہ تو اس کے دین پر مکمل ایمان ہی نہیں رکھتا۔ تو اس طرح اس شادی کی مکمل طور پر کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی جس کی بنا پر اسے ابتداء میں ہی منع کر دیا گیا ہے۔

تفریق قاضی کے طلاق ہونے میں فقہاء احناف کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر میاں بیوی مسلمان نہ ہوں اور ان میں سے بیوی اسلام قبول کر لے اور اس کا شوہر کافر ہی رہے تو شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کر لیتا ہے' تو عورت اس کی بیوی شمار ہوگی' لیکن اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے' تو قاضی ان دونوں میاں بیوی کے درمیان فرق کر دے گا۔

قاضی کی کی ہوئی تفریق کا حکم کیا ہوگا؟ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہ چیز طلاق شمار ہوگی۔ اگر شوہر مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی کوئی مجوسی عورت ہو' تو اس عورت کے سامنے بھی اسلام قبول کیا جائے گا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیتی ہے' تو وہ اسی شوہر کی بیوی شمار ہوگی' لیکن اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے' تو قاضی ان کے درمیان بھی تفریق کر دے گا' لیکن قاضی کی' کی ہوئی یہ تفریق طلاق شمار نہیں ہوگی۔

امام ابو یوسف اس بات کے قائل ہیں: ان دونوں صورتوں میں یہ علیحدگی طلاق شمار نہیں ہوگی۔ جہاں تک اسلام پیش کرنے کا تعلق ہے' تو یہ احناف کا مذہب ہے۔ امام شافعی یہ فرماتے ہیں: اسلام کو پیش نہیں کیا جائے گا' کیونکہ اس صورت میں ان کے بنیادی حقوق متاثر ہوں گے' یعنی آپ اس کے ساتھ تعرض کریں گے' اور اس حوالے سے ان کے ساتھ تعرض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہم نے ذمہ کے معاہدے کے پیش نظر اس بات کی ضمانت دی ہے کہ ہم ان کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیں گے' اور ان سے اس حوالے سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: مرد کے بیوی کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے نکاح کی ملکیت مؤکد نہیں ہوتی اس لیے فریقین میں سے ایک کے اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں یہ منقطع ہو جائے گی' لیکن اگر صحبت کی جا چکی ہو' تو اس کے نتیجے میں یہ مؤکد ہو جاتی ہے اس لیے یہاں تین حیض گزرنے تک عورت عدت بسر کرے گی' جیسا کہ طلاق کے اندر ایسا ہوتا ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے: مقاصد فوت ہو چکے ہیں اس لیے کسی ایسے سبب کا ہونا ضروری ہے جس کی بنیاد پر علیحدگی کی جا سکے اسلام چونکہ فرمانبرداری کا نام ہے یہ اس کے لئے سبب نہیں بن سکتا اس لیے اسلام پیش کیا جائے گا تاکہ اس کے اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں' وہ مقاصد حاصل ہو سکیں اور شوہر کے انکار کرنے کے نتیجے میں علیحدگی کو ثابت کیا جا سکے۔

امام ابو یوسف نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: یہ علیحدگی ایک ایسے سبب کی وجہ سے ہے جس میں میاں بیوی دونوں مشترک تھے لہٰذا یہ طلاق شمار نہیں ہو سکتی۔ یہ بالکل اسی طرح ہے' جیسے ملکیت کی وجہ سے علیحدگی ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل دی ہے: اسلام قبول کرنے سے انکار کرنے کے نتیجے میں شوہر نے امساک بالمعروف سے انکار کر دیا ہے حالانکہ وہ اسلام قبول کرنے کے ساتھ اس پر قدرت رکھتا تھا' تو اس صورت میں اس کو عورت کو احسان سے آزاد کرنے میں قاضی اس کا نائب بن جائے گا' جیسا کہ اگر مرد نامرد ہو تو قاضی اس کا نائب بن جاتا ہے۔ جہاں تک عورت کا تعلق ہے' تو وہ چونکہ طلاق دینے کی اہل ہی نہیں ہے اس لیے عورت کے انکار کی صورت میں قاضی اس کا نائب نہیں بن سکتا۔ پھر جب قاضی عورت کے انکار کرنے کی وجہ سے ان کے درمیان علیحدگی کر دیتا ہے' تو اس عورت کو اس کا مہر ملے گا۔ اگر شوہر اس کے ساتھ صحبت کر چکا ہو اس کی وجہ یہ ہے: صحبت کے نتیجے میں مہر مؤکد ہو جاتا ہے' لیکن اگر شوہر نے اس کے ساتھ صحبت نہ کی ہو' تو عورت کو کوئی مہر نہیں ملے گا' کیونکہ یہاں علیحدگی عورت کی جہت سے ہے اور مہر کیونکہ مؤکد نہیں ہوا اس لیے یہ مرتد ہونے اور متابعت کے مشابہ ہو جائے گا۔ متابعت کا مطلب یہ ہے: جب عورت شوہر کے بیٹے کو اپنے ساتھ صحبت کرنے کا موقع دے' اور اس کے نتیجے میں وہ شوہر کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے۔

جب کوئی عورت دارالحرب میں مسلمان ہو جائے؟

﴿وَإِذَا أَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ أَوْ أَسْلَمَ الْحَرْبِيُّ وَتَحْتَهُ مَجُوْسِيَّةٌ لَمْ تَقَعِ الْفُرْقَةُ عَلَيْهَا حَتّٰى تَحِيْضَ ثَلَاثَ حِيَضٍ ثُمَّ تَبِيْنَ مِنْ زَوْجِهَا﴾ وَهٰذَا لِأَنَّ الْإِسْلَامَ لَيْسَ سَبَبًا لِّلْفُرْقَةِ ، وَالْعَرْضُ عَلَى الْإِسْلَامِ مُتَعَذِّرٌ لِقُصُوْرِ الْوِلَايَةِ ، وَلَا بُدَّ مِنَ الْفُرْقَةِ دَفْعًا لِّلْفَسَادِ فَأَقَمْنَا شَرْطَهَا وَهُوَ مُضِيُّ الْحِيَضِ مَقَامَ السَّبَبِ كَمَا فِيْ حَفْرِ الْبِئْرِ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْمَدْخُوْلِ بِهَا وَغَيْرِ الْمَدْخُوْلِ بِهَا ، وَالشَّافِعِيُّ يُفَصِّلُ كَمَا مَرَّ لَهُ فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ وَإِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ وَالْمَرْأَةُ حَرْبِيَّةٌ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَإِنْ كَانَتْ هِيَ الْمُسْلِمَةُ فَكَذٰلِكَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ خِلَافًا لَهُمَا ، وَسَيَأْتِيْكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

ترجمہ

اور جب کوئی عورت دارالحرب میں اسلام قبول کرنے اور اس کا شوہر کافر ہو' یا کوئی حربی شخص اسلام قبول کر لے اور اس کی بیوی مجوسی ہو تو جب تک عورت کو تین حیض نہیں آ جاتے اس وقت تک علیحدگی واقع نہیں ہوگی پھر اس کے بعد وہ اپنے شوہر سے الگ ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے: اسلام ان کے درمیان علیحدگی کا سبب نہیں ہے اور (غیر مسلم فریق کے سامنے) اسلام پیش کرنا ممکن ہے کیونکہ وہاں (اسلامی ریاست کا) تصرف نہیں ہے اور علیحدگی بھی ضروری ہے تاکہ فساد کو ختم کیا جا سکے تو ہم نے اس علیحدگی کی

شرط یعنی حیض آ جانے کو سبب کے قائم مقام قرار دے دیا' جیسا کہ کنواں کھودنے کے مسئلے میں ہوتا ہے اور اس بارے میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا۔ امام شافعی ان دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں' جیسا کہ اس سے پہلے ان کے حوالے سے' دارالاسلام والی صورت میں یہ بات گزر چکی ہے۔ جب علیحدگی واقع ہو جائے اور عورت حربی ہو' تو اس پر کوئی عدت لازم نہیں ہوگی' لیکن اگر عورت مسلمان ہو' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہی حکم ہے' جبکہ صاحبین کی رائے اس سے مختلف ہے' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا' تو عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔

عورت کے مذہب بدلنے میں عدم تفریق کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب شوہر مسلمان ہوگیا اور عورت مجوسیہ تھی اور یہودیہ یا نصرانیہ ہوگئی تو تفریق نہیں۔ یونہی اگر یہودیہ تھی اب نصرانیہ ہوگئی یا بالعکس تو بدستور زوجہ ہے۔ یونہی اگر مسلمان کی عورت نصرانیہ تھی، یہودیہ ہوگئی یا یہودیہ تھی، نصرانیہ ہوگئی تو بدستور اس کی عورت ہے۔ یونہی اگر نصرانی کی عورت مجوسیہ ہوگئی تو وہ اس کی عورت ہے۔

(ردمحتار کتاب النکاح)

یہ تمام صورتیں اس وقت ہیں کہ دارالاسلام میں اسلام قبول کیا ہو اور اگر دارالحرب میں مسلمان ہوا تو عورت تین حیض گزرنے پر نکاح سے خارج ہوگئی اور حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے گزرنے پر۔ کم عمر ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو یا بڑھیا ہوگئی کہ حیض بند ہوگیا اور حاملہ ہو تو وضع حمل سے نکاح جاتا رہا اور یہ تین حیض یا تین مہینے عدت کے نہیں۔

جو جگہ ایسی ہو کہ نہ دارالاسلام ہو، نہ دارالحرب وہ دارالحرب کے حکم میں ہے۔ اور اگر وہ جگہ دارالاسلام ہو مگر کافر کا تسلط ہو جیسے آج کل ہندوستان تو اس معاملہ میں یہ بھی دارالحرب کے حکم میں ہے، یعنی تین حیض یا تین مہینے گزرنے پر نکاح سے باہر ہوگی۔

ایک دارالاسلام میں آ کر رہنے لگا، دوسرا دارالحرب میں رہا جب بھی عورت نکاح سے باہر ہو جائے گی، مثلاً مسلمان ہو کر یا ذمی بن کر دارالاسلام میں آیا یا یہاں آ کر مسلمان یا ذمی ہوا یا قید کر کے دارالحرب سے دارالاسلام میں لایا گیا تو نکاح سے باہر ہوگئی اور اگر دونوں ایک ساتھ قید کر کے لائے گئے یا دونوں ایک ساتھ مسلمان یا ذمی بن کر وہاں سے آئے یا یہاں آ کر مسلمان ہوئے یا ذمہ قبول کیا تو نکاح سے باہر نہ ہوئی یا حربی امن لے کر دارالاسلام میں آیا یا مسلمان یا ذمی دارالحرب کو امان لے کر گیا تو عورت نکاح سے باہر نہ ہوگی۔ (درمختار، کتاب النکاح)

عورت کے عدم قبول اسلام پر تفریق میں فقہ شافعی و حنفی کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب کوئی عورت دارالحرب میں اسلام قبول کرے اور اس کا شوہر کافر ہو یا کوئی حربی شخص اسلام قبول کرے اور اس کی بیوی مجوسی ہو' تو علیحدگی اس وقت تک واقع نہیں ہوگی جب تک اس عورت کو تین مرتبہ حیض نہ آ جائے جب تین مرتبہ حیض آ جائے گا' تو وہ شوہر سے الگ ہو جائے گی یہاں اس کی وجہ یہ ہے: اسلام یہاں علیحدگی

کا سبب نہیں ہے اور اسلام کو دوسرے فریق کے سامنے پیش کرنا بھی عملاً ممکن نہیں ہے' کیونکہ کفر کی سلطنت میں اسلامی حکومت کا عمل دخل نہیں ہے' تو فساد دور کرنے کے لئے علیحدگی کرنا ضروری ہوگا اس لیے ہم نے اس کی شرط مقرر کی اور وہ حیض کا گزرنا ہے' جو سبب کے قائم مقام ہے' جیسی کنواں کھودنے کا مسئلہ ہے' یعنی اگر کسی شخص نے کسی راستے کے کنارے کنواں کھودا ہوا اور کوئی آدمی اس میں گر کر مر جائے یا اسے چوٹ آ جائے' تو اس گرنے یا مرنے کو چلنے والے شخص کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا بلکہ اس معاملے میں سبب کی شرط یعنی سبب کا جو سبب ہے' اور وہ کنواں کھودنے کا عمل ہے' اسے اس کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

یہاں عورت کے مدخول ہونے یا نہ ہونے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا۔ امام شافعی نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے: یعنی اگر عورت مدخول بہا ہے' تو اس کے حق میں یہ شرط لازم ہوگی اور اگر مدخول بہا نہیں ہے' تو فوراً علیحدگی واقع ہو جائے گی' اور اسے تین حیض گزارنا ضروری نہیں ہوں گے۔

جب فرقت واقع ہو جائے اور عورت حربی ہو' تو اس پر عدت گزارنا لازم نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب علیحدگی واقع ہو جائے اور عورت مسلمان ہو اور اس کا شوہر غیر مسلم ہو' تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہی حکم ہے' جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کی رائے اس سے مختلف ہے' اس کا بیان آگے چل کے آئے گا۔

اگر کتابی عورت کا شوہر مسلمان ہو جائے؟

﴿وَاِذَا اَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ فَهُمَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا﴾ لِاَنَّهُ يَصِحُّ النِّكَاحُ بَيْنَهُمَا ابْتِدَاءً فَلَاَنْ يَّبْقٰى اَوْلٰى .

ترجمہ

اور جب کسی کتابیہ عورت کا شوہر مسلمان ہو جائے تو ان دونوں میاں بیوی کا نکاح برقرار رہے گا' چونکہ ان دونوں کا نکاح آغاز کے اعتبار سے درست ہوتا ہے تو پھر بقا کے اعتبار سے بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی کتابیہ سے مسلمان نے نکاح کیا تھا اور طلاق دے دی، ہنوز مدت ختم نہ ہوئی تھی کہ اس سے کسی کافر نے نکاح کیا تو تفریق کر دی جائے۔ زوج و زوجہ دونوں کافر غیر کتابی تھے، ان میں سے ایک مسلمان ہوا تو قاضی دوسرے پر اسلام پیش کرے اگر مسلمان ہو گیا فبہا اور انکار یا سکوت کیا تو تفریق کر دے، سکوت کی صورت میں احتیاط یہ ہے کہ تین بار پیش کرے۔ یونہی اگر کتابی کی عورت مسلمان ہوگئی تو مرد پر اسلام پیش کیا جائے، اسلام قبول نہ کیا تو تفریق کر دی جائے اور اگر دونوں کتابی ہیں اور مرد مسلمان ہوا تو عورت بدستور اس کی زوجہ ہے۔ (درمختار، کتاب النکاح)

تبدیلی کا سبب کیا ہوگا؟ دار کا فرق یا قید ہونا

قَالَ: وَاِذَا خَرَجَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ اِلَيْنَا مِنْ دَارِ الْحَرْبِ مُسْلِمًا وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَقَعُ. وَلَوْ سُبِيَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا، وَاِنْ سُبِيَا مَعًا لَمْ تَقَعْ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: وَقَعَتْ، فَالْحَاصِلُ اَنَّ السَّبَبَ هُوَ التَّبَايُنُ دُوْنَ السَّبْيِ عِنْدَنَا وَهُوَ يَقُوْلُ بِعَكْسِهِ لَهُ اَنَّ لِلتَّبَايُنِ اَثَرَهُ فِي انْقِطَاعِ الْوِلَايَةِ، وَذٰلِكَ لَا يُؤَثِّرُ فِي الْفُرْقَةِ كَالْحَرْبِيِّ الْمُسْتَاْمَنِ وَالْمُسْلِمِ الْمُسْتَاْمَنِ، اما السبى فَيَقْتَضِي الصَّفَاءَ لِلسَّابِي وَلَا يَتَحَقَّقُ اِلَّا بِانْقِطَاعِ النِّكَاحِ، وَلِهٰذَا يَسْقُطُ الدَّيْنُ عَنْ ذِمَّةِ الْمَسْبِيِّ. وَلَنَا اَنَّ مَعَ التَّبَايُنِ حَقِيْقَةً وَحُكْمًا لَا تَنْتَظِمُ الْمَصَالِحُ فَشَابَهَ الْمَحْرَمِيَّةَ وَالسَّبْيُ يُوْجِبُ مِلْكَ الرَّقَبَةِ وَهُوَ لَا يُنَافِي النِّكَاحَ ابْتِدَاءً فَكَذٰلِكَ بَقَاءً وَصَارَ كَالشِّرَاءِ ثُمَّ هُوَ يَقْتَضِي الصَّفَاءَ فِي مَحَلِّ عَمَلِهِ وَهُوَ المالُ لَا فِي مَحَلِّ النِّكَاحِ. وَفِي الْمُسْتَاْمَنِ لَمْ تَتَبَايَنِ الدَّارُ حُكْمًا لِقَصْدِهِ الرُّجُوْعَ.

ترجمہ

اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر دارالحرب سے آ جائے تو میاں بیوی کے درمیان علیحدگی واقع ہو جائے گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں: یہ واقع نہیں ہوگی۔ اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک کو قید کر لیا جائے تو طلاق کے بغیر ان دونوں کے درمیان علیحدگی واقع ہو جائے گی اور اگر ان دونوں کو ایک ساتھ قید کیا جائے تو علیحدگی واقع نہیں ہوگی۔

امام شافعی فرماتے ہیں: واقع ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے: ہمارے نزدیک علیحدگی کا بنیادی سبب ملک کا اختلاف ہے گرفتار ہونا نہیں ہے جبکہ امام شافعی کی رائے اس کے برخلاف ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے: ولایت منقطع ہونے میں ملک کا اختلاف اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن یہ چیز علیحدگی میں اثر انداز نہیں ہوتی جیسے امن حاصل کرنے والے حربی یا امان حاصل کرنے والے مسلمان اس کا حکم ہے۔ جہاں تک قیدی کا تعلق ہے تو وہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے وہ قیدی صرف گرفتار کرنے والے کے لئے مخصوص ہو اور یہ بات اسی وقت متحقق ہو سکتی ہے جب نکاح منقطع ہو جائے۔ یہی وجہ ہے: گرفتار شدہ شخص کے ذمے سے قرض ساقط ہو جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے: (ملکوں) کے اختلاف کی وجہ سے حقیقت کے اعتبار سے بھی اور حکم کے اعتبار سے بھی (نکاح کے) مصالح برقرار نہیں رہ سکتے اسی لیے یہ (ملکوں کا اختلاف) محرم ہونے کے مشابہہ ہو جائے گا اور گرفتار ہونے کے نتیجے میں صرف رقبہ ثابت ہوتی ہے: ملکیت رقبہ آغاز کے اعتبار سے بھی نکاح کے منافی نہیں ہے تو بقاء کے اعتبار سے بھی وہ نکاح کے منافی نہیں ہوگی' بذاتیہ

خریدنے کی طرح ہوجائے گا۔ پھر وہ (یعنی گرفتار ہونا) اپنے عمل کے محل میں صفائی (یعنی مخصوص ہونے) کا تقاضا کرتا ہے اور وہ چیز مال ہے' یہ نکاح کے محل کا تقاضا نہیں کرتا۔ جہاں تک امان حاصل کرنے والے شخص کا تعلق ہے' تو حکم کے اعتبار سے وہاں ملک میں اختلاف نہیں ہے' کیونکہ اس کا مقصد واپس جانا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب زن وشوہر میں سے کوئی معاذ اللہ مرتد ہوگیا تو نکاح فوراً ٹوٹ گیا اور یہ فسخ ہے طلاق نہیں، عورت موطوءہ ہے تو مہر بہر حال پورا لے سکتی ہے اور غیر موطوءہ ہے تو اگر عورت مرتد ہوئی کچھ نہ پائے گی اور شوہر مرتد ہوا تو نصف مہر لے سکتی ہے اور عورت مرتدہ ہوئی اور زمانہ عدت میں مرگئی اور شوہر مسلمان ہے تو ترکہ پائے گا۔ عورت مرتدہ ہوگئی تو اسلام لانے پر مجبور کی جائے یعنی اسے قید میں رکھیں، یہاں تک کہ مرجائے یا اسلام لائے اور جدید نکاح ہو تو مہر بہت تھوڑا رکھا جائے۔ (درمختار، کتاب النکاح)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔

دونوں ایک ساتھ مرتد ہوگئے پھر مسلمان ہوئے تو پہلا نکاح باقی رہا اور اگر دونوں میں ایک پہلے مسلمان ہوا پھر دوسرا تو نکاح جاتا رہا اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کون مرتد ہوا تو دونوں کا مرتد ہونا ایک ساتھ قرار دیا جائے۔ عورت نے زبان سے کلمہ کفر جاری کیا تاکہ شوہر سے پیچھا چھوٹے یا اس لیے کہ دوسرا نکاح ہوگا تو اس کا مہر بھی وصول کرے گی تو ہر قاضی کو اختیار ہے کہ کم سے کم مہر پر اسی شوہر کے ساتھ نکاح کردے، عورت راضی ہو یا ناراض اور عورت کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ دوسرے سے نکاح کرلے۔ مسلمان کے نکاح میں کتابیہ عورت تھی اور مرتد ہوگیا، یہ عورت بھی اس کے نکاح سے باہر ہوگئی۔ (عالمگیری، کتاب النکاح)

کافر میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرلے تو ان دونوں کا نکاح باقی رہتا ہے یا نہیں؟

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک عورت نے اسلام قبول کیا اور پھر اس نے ایک شخص سے نکاح کرلیا اس کے بعد اس کا پہلا شوہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسلام قبول کرچکا ہوں اور میری اس بیوی کو میرے اسلام قبول کرلینے کا علم تھا (لیکن اس کے باوجود اس نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو دوسرے خاوند سے علیحدہ کرکے پہلے خاوند کے حوالے کردیا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس پہلے خاوند نے یہ کہا کہ وہ عورت یعنی میری بیوی جس نے اب دوسرے شخص سے نکاح کرلیا ہے میرے ساتھ ہی مسلمان ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اس عورت کو اسی پہلے شوہر کے حوالہ کردیا (ابوداؤد)

اور شرح السنۃ میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت نے ان جیسی بہت سی عورتوں کو ان کے پہلے نکاح کے مطابق ان کے شوہروں کے حوالہ کردیا تھا، جن کے شوہر دین اور ملک کے فرق کے بعد ان کے ساتھ اسلام کی صف میں شامل ہوگئے تھے (یعنی غیر مسلم میاں بیوی میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کرلینے کی وجہ سے اور ایک کے دارالاسلام میں اور دوسرے کے دارالحرب میں

رہنے کی وجہ سے گویا دونوں کے درمیان مذہبی اور ملکی بعد واختلاف واقع ہو جاتا تھا مگر جب وہ دوسرا بھی اسلام قبول کر لیتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سابقہ نکاح کو باقی رکھتے ہوئے بیوی کو شوہر کے حوالہ کر دیتے تھے۔

گویا قبولیت اسلام کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی) چنانچہ ان عورتوں میں ایک عورت ولید بن مغیرہ کی بیٹی بھی تھی جو صفوان بن امیہ کی بیوی تھی یہ عورت اپنے شوہر سے پہلے فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئی اور اس کے شوہر نے اسلام سے گریز کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شوہر صفوان بن امیہ کے پاس اس کے چچا کے بیٹے وہب بن عمیر کو اپنی مبارک چادر دے کر بھیجا اور اس کو امان عطا کیا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہب کو بطور علامت اپنی چادر دے کر بھیجا کہ وہ صفوان کو یہ چادر دکھا کر مطلع کریں کہ قتل وتشدد سے تمہیں امان دی گئی ہے تم بلاخوف آ سکتے ہو) پھر جب صفوان آ گئے تو ان کی سیر کے لئے چار مہینے مقرر کئے گئے (یعنی انہیں اجازت دی گئی کہ وہ پورے امن وامان کے ساتھ چار مہینے تک مسلمانوں کے درمیان گھومیں پھریں تاکہ وہ مسلمانوں کی عادات واطوار کا اچھی طرح مشاہدہ کرلیں چنانچہ وہ چند دنوں تک مسلمانوں کے درمیان گھومتے پھرتے رہے) یہاں تک کہ صفوان بھی اپنی بیوی کے مسلمان ہونے کے دو مہینے بعد) مسلمان ہو گئے۔ اور ولید کی بیٹی جو ان کے نکاح میں تھی ان کی بیوی برقرار رہی۔

اسی طرح ان عورتوں میں ایک عورت ام حکیم تھیں جو حارث بن ہشام کی بیٹی اور ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کی بیوی تھیں انہوں نے بھی فتح مکہ کے دن مکہ میں اسلام قبول کیا اور انکے خاوند عکرمہ نے اسلام سے گریز کیا اور یمن چلے گئے چنانچہ کچھ دنوں کے بعد ام حکیم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنے خاوند کو راہ راست پر لانے کے لئے) یمن پہنچیں اور انہوں نے اپنے خاوند عکرمہ کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی تا آنکہ وہ مسلمان ہو گئے اور ان دونوں کا نکاح باقی رہا۔ اس روایت کو امام مالک نے ابن شہاب سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

زوجین میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے پر تفریق میں فقہی مذاہب

اگر غیر مسلم میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا مسلمان نہ ہو تو ان دونوں کا نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ اس بارے میں مختلف مذاہب ہیں کہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اگر وہ دوسرا کہ جس نے پہلے کے ساتھ اسلام قبول نہیں کیا تھا خواہ وہ بیوی ہو یا خاوند ہو) عدت کے ایام گزرنے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کا نکاح باقی رہے گا خواہ ان دونوں کا سابقہ مذہب یکساں رہا ہو مثلاً دونوں عیسائی یا یہودی اور یا بت پرست رہے ہوں خواہ دونوں کا سابقہ مذہب یکساں نہ رہا ہو مثلاً ایک کا مذہب بت پرستی رہا ہو اور دوسرا عیسائی یا یہودی رہا ہو اسی طرح خواہ وہ دونوں ہی دارالاسلام میں رہنے والے ہوں یا دارالحرب میں اور خواہ ان میں ایک تو دارالاسلام میں رہتا ہو اور دوسرا دارالحرب میں۔

اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ان دونوں کے درمیان تفریق ان تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ ہی سے ہو سکتی ہے اول یہ کہ عدت کے دن پورے ہو جائیں دوم یہ کہ ان دونوں میں سے جس نے اسلام قبول کرلیا ہے وہ اسلام

قبول نہ کرنے والے کو اسلام کی دعوت دے اور وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے۔ سوم یہ کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دار الاسلام سے منتقل ہو کر دار الحرب چلا جائے یا دار الحرب چھوڑ کر دار الاسلام آ جائے۔ نیز امام اعظم کے نزدیک ان دونوں میں سے کسی ایک کا اسلام قبول کرنا خواہ مجامعت سے پہلے واقع ہوا ہو یا بعد میں دونوں صورتوں کا یکساں حکم ہے۔

جب عورت ہجرت کر کے اسلامی سلطنت میں آ جائے؟

﴿وَإِذَا خَرَجَتُ الْمَرْأَةُ إِلَيْنَا مُهَاجِرَةً جَازَ لَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ وَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا﴾ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ . وَقَالَا : عَلَيْهَا الْعِدَّةُ ؛ لِأَنَّ الْفُرْقَةَ وَقَعَتْ بَعْدَ الدُّخُولِ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ فَيَلْزَمُهَا حُكْمُ الْإِسْلَامِ . وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهَا أَثَرُ النِّكَاحِ الْمُتَقَدِّمِ وَجَبَتْ إِظْهَارًا لِخَطَرِهِ ، وَلَا خَطَرَ لِمِلْكِ الْحَرْبِيِّ ، وَلِهَذَا لَا تَجِبُ عَلَى الْمَسْبِيَّةِ وَإِنْ كَانَتْ حَامِلًا لَمْ تَتَزَوَّجْ حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا﴾ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَصِحُّ النِّكَاحُ وَلَا يَقْرَبُهَا زَوْجُهَا حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا كَمَا فِي الْحُبْلَى مِنَ الزِّنَا . وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ ثَابِتُ النَّسَبِ فَإِذَا ظَهَرَ الْفِرَاشُ فِي حَقِّ النَّسَبِ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْمَنْعِ مِنَ النِّكَاحِ احْتِيَاطًا .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کوئی عورت ہجرت کر کے ہماری طرف (یعنی اسلامی ریاست میں) آ جائے تو اس کے لئے یہ بات جائز ہے' وہ شادی کر لے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر کوئی عدت لازم نہیں ہوگی۔ صاحبین؛ یہ فرماتے ہیں: اس پر عدت لازم ہوگی' کیونکہ اس کے دار الاسلام میں داخل ہونے کے بعد علیحدگی واقع ہوئی ہے' لہٰذا اس پر اسلام کا حکم لاگو ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: عدت' سابقہ نکاح کا اثر ہوتی ہے' جسے اس کے احترام کے لیے لازم کیا گیا ہے' جبکہ حربی شخص کی ملکیت قابل احترام نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے: جو عورت قید ہو کر آتی ہے اس پر عدت لازم نہیں ہوتی البتہ اگر مذکورہ بالا عورت' حمل کی حالت میں ہو' تو بچے کی پیدائش سے پہلے وہ نکاح نہیں کر سکتی۔ امام ابوحنیفہ سے یہ روایت بھی منقول ہے: اس کا نکاح کرنا درست ہوگا' البتہ اس کا شوہر اس کے ساتھ صحبت نہیں کر سکے گا جب تک وہ بچے کو جنم نہیں دیتی' جس طرح زناء کے نتیجے میں حاملہ ہونے والی عورت کا حکم ہے۔ پہلی صورت کی وجہ یہ ہے. حمل دوسرے شخص سے ثابت النسب ہے' لہٰذا جب نسب کے حق میں فراش ظاہر ہوگا' تو احتیاط کے پیش نظر' نکاح کے روکنے کے حق میں بھی یہ ظاہر ہو جائے گا۔

شرح

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ لکھتے ہیں۔

اگر کوئی عورت دار الاسلام آ جائے تو اس پر عدت لازم نہیں خواہ دار الحرب میں مسلمان ہوئی یا نہ ہوئی، یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ

تعالٰی عنہ کا قول ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس پر عدت لازم ہے اور جنگ میں گرفتار شدہ لونڈی پر عدت لازم نہیں ہے۔ یہ سب کا اتفاق ہے، اس پر صرف استبراء لازم ہے، اگر کوئی حاملہ عورت دار الحرب سے دار الاسلام آئی تو وہ بچہ کی پیدائش سے قبل نکاح نہیں کر سکتی، امام صاحب نے ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ وہ نکاح کر سکتی ہے لیکن بچے کی پرورش سے قبل اس سے جماع جائز نہیں ہے جس طرح زنا سے حاملہ سے نکاح جائز مگر بچے کی پیدائش سے قبل اس سے جماع جائز نہیں ہے۔ اگر خاوند بیوی سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو دونوں کی فرقت ہو گی لیکن طلاق نہ ہو گی، یہ قول امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالٰی علیہ کا ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اگر صرف خاوند مرتد ہو جائے تو فرقت ہو جائے گی طلاق نہ ہو گی، تو خاوند کے مرتد ہونے کے بعد اگر اس نے بیوی سے جماع کیا تو مکمل مہر لازم ہو گا، اور مرتد ہونے کے بعد جماع نہ کیا تو مہر اور نفقہ لازم نہ ہو گا، بشرطیکہ عورت خود اس کے گھر سے علیحدہ ہو چکی ہو اور اگر اس کے گھر میں ہو تو نفقہ مرد پر لازم ہو گا۔

دار الاسلام میں ہجرت والی کی عدت فقہاء احناف کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جو عورت دار الحرب کو چھوڑ کر مستقل طور پر دار الاسلام میں آ جاتی ہے' تو اس کے لئے یہ بات جائز ہے' وہ یہاں کسی کے ساتھ شادی کرے اور اس پر عدت گزارنا لازم نہیں ہو گا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے۔

جبکہ صاحبین رحمہما اللہ اس بات کے قائل ہیں: اس عورت پر عدت گزارنا لازم ہو گا۔ صاحبین رحمہما اللہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل بیان کی ہے: عورت کی اپنے سابقہ میاں کے ساتھ علیحدگی واقع ہوئی ہے جب وہ دار الاسلام میں داخل ہو گئی ہے' تو اس لئے وہ دار الاسلام کی حدود میں داخل ہونے کی وجہ سے اسلامی حکم کی پابند ہو گی اور اسلام کا حکم یہ ہے: اس علیحدگی کے بعد اسے عدت گزارنی پڑے گی۔

امام ابو حنیفہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ بات نقل کی ہے: عدت گزشتہ نکاح کا بقیہ حصہ یعنی اثر ہوتی ہے' جو سابقہ نکاح کی اہمیت کو ثابت کرنے کے لئے لازم کی جاتی ہے' جبکہ مذکورہ بالا مسئلے میں ہجرت کر کے آنے والی اس عورت کے حربی شوہر کے نکاح کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس لئے عدت کے مؤثر ہونے کا سبب موجود نہیں ہو گا اور اس کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہم اس عورت کو عدت گزارنے کا پابند نہیں کریں گے' اور اس کے دوسرے نکاح میں بنیادی رکاوٹ عدت ہوتی ہے' تو عدت یہاں لازم نہیں ہے' تو ایسی عورت کے لئے دوسری شادی کرنا بھی جائز ہو گا۔

امام ابو حنیفہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ بات نقل کی ہے: اس بات کی دلیل یہ ہے: جب کسی عورت کو قید کر کے دار الحرب سے لایا جائے تو اس پر عدت گزارنا واجب نہیں ہو گا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: دار الحرب سے آنے والی عورت اگر حاملہ ہو' تو جب تک وہ بچے کو جنم نہیں دیتی

اس وقت تک اس کے لئے دوسری شادی کرنا جائز نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ نقل کی گئی ہے: اس کا نکاح کرنا درست ہوگا۔ البتہ اس کا شوہر اس کے ساتھ صحبت نہیں کر سکے گا جب تک وہ بچے کو جنم نہیں دیتی۔

اس روایت کی دلیل یہ ہے: اگر کوئی عورت زنا کے نتیجے میں حاملہ ہو جائے تو اس کے ساتھ شادی کرنا تو درست ہوتا ہے لیکن اس کا شوہر اس وقت تک اس کے ساتھ صحبت نہیں کر سکتا جب تک وہ بچے کو جنم نہیں دیتی تو یہاں اس قیدی حاملہ عورت کا حکم بھی زنا کے نتیجے میں حاملہ ہونے والی عورت کی مانند ہو جائے گا۔

جہاں تک اس مؤقف کا تعلق ہے ایسی عورت کے ساتھ شادی ہی نہیں ہو سکتی اس کی دلیل یہ ہے: اس عورت کا حمل ثابت نسب ہے تو جب نسب کے حق میں فراش ظاہر ہو گیا تو احتیاط کے پیش نظر دوسرے نکاح کے بارے میں حرمت کا حکم جاری کر دیا جائے گا۔

اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے؟

قَالَ ﴿وَإِذَا ارْتَدَّ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ عَنِ الْإِسْلَامِ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بِغَيْرِ طَلَاقٍ﴾ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ: اِنْ كَانَتِ الرِّدَّةُ مِنَ الزَّوْجِ فَهِيَ فُرْقَةٌ بِطَلَاقٍ ، هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِالْإِبَاءِ وَالْجَامِعُ مَا بَيَّنَّاهُ ، وَاَبُوْ يُوْسُفَ مَرَّ عَلٰى مَا اَصَّلْنَا لَهُ فِي الْإِبَاءِ ، وَاَبُوْ حَنِيْفَةَ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا .وَوَجْهُ الْفَرْقِ اَنَّ الرِّدَّةَ مُنَافِيَةٌ لِلنِّكَاحِ لِكَوْنِهَا مُنَافِيَةً لِلْعِصْمَةِ وَالطَّلَاقُ رَافِعٌ فَتَعَذَّرَ اَنْ تُجْعَلَ طَلَاقًا ، بِخِلَافِ الْإِبَاءِ ؛ لِاَنَّهُ يَفُوْتُ الْإِمْسَاكُ بِالْمَعْرُوْفِ فَيَجِبُ التَّسْرِيْحُ بِالْإِحْسَانِ عَلٰى مَا مَرَّ ، وَلِهٰذَا تَتَوَقَّفُ الْفُرْقَةُ بِالْإِبَاءِ عَلَى الْقَضَاءِ وَلَا تَتَوَقَّفُ بِالرِّدَّةِ ﴿ثُمَّ اِنْ كَانَ الزَّوْجُ هُوَ الْمُرْتَدُّ فَلَهَا كُلُّ الْمَهْرِ اِنْ دَخَلَ بِهَا وَنِصْفُ الْمَهْرِ اِنْ لَّمْ يَدْخُلْ بِهَا ، وَاِنْ كَانَتْ هِيَ الْمُرْتَدَّةُ فَلَهَا كُلُّ الْمَهْرِ اِنْ دَخَلَ بِهَا ، وَاِنْ لَّمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا وَلَا نَفَقَةَ﴾ ؛ لِاَنَّ الْفُرْقَةَ مِنْ قِبَلِهَا .

ترجمہ

جب میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے تو طلاق کے بغیر ان کے درمیان علیحدگی واقع ہو جائے گی۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں: اگر مرتد شوہر ہوا ہے تو یہ طلاق کے ہمراہ علیحدگی ہوگی وہ اس بارے میں انکار کرنے کا اعتبار کرتے ہیں اصول وہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

امام ابو یوسف اسی بات کے قائل ہیں جو انکار کرنے کے حوالے سے ہم ان کے حوالے سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔امام ابو حنیفہ نے ان دونوں صورتوں کے درمیان فرق کیا ہے اور ان کے نزدیک فرق کی وجہ یہ ہے: عصمت کے منافی ہونے کے اعتبار سے مرتد ہونا نکاح کے بھی منافی ہے' جبکہ طلاق' نکاح کو ختم کر دیتی ہے اس لیے مرتد ہونے کو طلاق قرار دینا دشوار ہوگا۔جبکہ اسلام قبول کرنے سے انکار کرنے کا حکم اس کے برخلاف ہے' کیونکہ اس صورت میں وہ معروف طریقے سے روکنے کو فوت کر دیتا ہے' لہٰذا تسریح باحسان ضروری ہوگی' جیسا کہ پہلے تفصیل بیان کی جا چکی ہے' اس لیے انکار کرنے کے نتیجے میں ہونیوالی علیحدگی قاضی کے حکم پر موقوف ہوگی' لیکن مرتد ہونے کے نتیجے میں ہونے والی علیحدگی کے لئے قاضی کا فیصلہ ضروری نہیں ہے۔اگر مرتد ہونے والا فریق شوہر ہو' تو اگر اس نے دخول کیا ہو' تو عورت تو پورا مہر ملے گا' اور اگر دخول نہ کیا ہو' تو عورت کو نصف مہر ملے گا' اور اگر عورت مرتد ہوئی ہو' تو اسے پورا مہر ملے گا اگر شوہر نے اس کے ساتھ دخول کیا ہوا تھا لیکن اگر اس نے دخول نہیں کیا تھا' تو عورت کو نہ تو مہر ملے گا' اور نہ ہی کوئی خرچ ملے گا' کیونکہ علیحدگی اس عورت کی طرف سے واقع ہوئی ہے۔

مرتد کا فقہی مفہوم

"مرتد "اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے یعنی ایمان واسلام کے نورانی دائرہ سے نکل کر کفر و شرک کے ظلمت کدوں میں چلا جائے۔

خاوند یا بیوی کے ارتداد میں تفریق پر فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب خاوند یا بیوی میں سے کوئی ایک بھی رخصتی سے قبل مرتد ہو جائے تو عام اہل علم کے قول کے مطابق نکاح فسخ ہو جائیگا۔ لیکن داود ظاہری نے سے بیان کیا گیا ہے کہ ارتداد سے نکاح فسخ نہیں ہوگا، کیونکہ اصل میں نکاح باقی ہے۔

لیکن ہماری دلیل اللہ سبحانہ وتعالی کا یہ فرمان ہے: (اور تم کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضہ میں مت رکھو) ۔اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے: (تو تم انہیں کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں، اور نہ ہی وہ کافران عورتوں کے لیے حلال ہیں)

اور اس لیے بھی کہ دین کا مختلف ہونا صحیح ہونے میں مانع ہے، اس لیے فسخ نکاح واجب ہوا، بالکل اسی طرح اگر کسی کافر شخص کی بیوی مسلمان ہو جائے تو وہ اس کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔(المغنی (7 / 133).

اور اگر رخصتی اور دخول کے بعد مرتد ہو تو کیا فوری طور پر علیحدگی ہوگی یا کہ عدت کے بعد ہوگی؟ اس میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے، شافعی حضرات کا مسلک اور حنابلہ کے ہاں صحیح اور ان شاء اللہ راجح بھی یہی ہے کہ اگر وہ عدت ختم ہونے سے قبل اسلام میں واپس آ جائے تو وہ اسی نکاح پر باقی ہے، اور اگر اسلام میں واپس آنے سے قبل عدت ختم ہو جائے تو علیحدگی ہو جائیگی۔

اور احناف اور مالکیہ کا مسلک ہے کہ مرتد ہونے کی صورت میں فوری طور پر علیحدگی واقع ہو جائیگی، چاہے دخول اور رخصتی کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔(المغنی (7 / 133) الانصاف (8 / 216) کشاف القناع (15 / 121) تحفة المحتاج (7 / 328) الفتاوی الهندية (1 / 339) حاشية الدسوقی (2 / .(270)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ مرتد بیوی سے مباشرت کرنا جائز نہیں، بلکہ وہ اسے چھوڑ دے اور اسے توبہ کرنے اور اسلام کی طرف واپس آنے کی دعوت دے، اگر تو وہ عدت ختم ہونے سے قبل توبہ کر کے اسلام قبول کر لے تو وہ اس کی بیوی ہے، لیکن اگر عدت ختم ہو جائے اور وہ اسلام میں واپس نہ آئے تو نکاح فسخ ہو جائیگا۔ اور اگر وہ مرتد ہونے کے باوجود اپنی بیوی سے مباشرت کرتا ہے تو وہ زنا کرے گا۔

دوم: اگر خاوند مرتد بیوی سے علیحدہ ہونے سے انکار کر دے تو وہ مرتد بیوی کو اپنے پاس رکھنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا کیونکہ مرتد عورت کے بارے میں شرعی حکم ہے کہ اگر شرعی قضاء اور شرعی عدالت ہو تو اس کی سزا قتل ہے اور یہ سزا شرعی عدالت ہی دیگی۔ اس طرح مرتد بیوی کو دیکھنے اور اسے چھونے اور ہر قسم کے استمتاع کرنے پر وہ گنہگار ہے اور اگر اس سے جماع کرے تو وہ زانی ہوگا۔

اگر میاں بیوی ایک ساتھ مرتد ہونے کے بعد ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں؟

قَالَ ﴿وَإِذَا ارْتَدَّا مَعًا ثُمَّ أَسْلَمَا مَعًا فَهُمَا عَلَى نِكَاحِهِمَا﴾ اسْتِحْسَانًا .وَقَالَ زُفَرُ: يَبْطُلُ ؛لِأَنَّ رِدَّةَ أَحَدِهِمَا مُنَافِيَةٌ ، وَفِي رِدَّتِهِمَا رِدَّةُ أَحَدِهِمَا .وَلَنَا مَا رُوِيَ أَنَّ بَنِي حَنِيفَةَ ارْتَدُّوا ثُمَّ أَسْلَمُوا ، وَلَمْ يَأْمُرْهُمْ الصَّحَابَةُ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ بِتَجْدِيدِ الْأَنْكِحَةِ (١)، وَالِارْتِدَادُ مِنْهُمْ وَاقِعٌ مَعًا لِجَهَالَةِ التَّارِيخِ.وَلَوْ أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا بَعْدَ الِارْتِدَادِ مَعًا فَسَدَ النِّكَاحُ بَيْنَهُمَا لِإِصْرَارِ الْآخَرِ عَلَى الرِّدَّةِ ؛ لِأَنَّهُ مُنَافٍ كَابْتِدَائِهَا .

(١) قال الحافظ ابن حجر: هو ماخوذ بالاستقراء' كما في "الدراية" ٢/٦٦

ترجمہ

اور جب میاں بیوی ایک ساتھ مرتد ہو جائیں اور پھر دونوں ایک ساتھ اسلام قبول کر لیں تو استحسان پیش نظر وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے۔ امام زفر فرماتے ہیں: ان کا نکاح باطل ہو جائے گا' کیونکہ ان میں سے ایک کا مرتد ہونا نکاح کے منافی ہے' تو ان دونوں کے مرتد ہونے کی صورت میں بھی' بہر حال دونوں میں سے ہر ایک کا مرتد ہونا پایا جاتا ہے۔ ہماری دلیل وہ ہے جو روایت منقول ہے: بنو حنیفہ (قبیلے کے لوگ) مرتد ہو گئے تھے پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا تھا' اور مرتد ہونا ان سب کی طرف سے ایک ساتھ واقع ہوا تھا' کیونکہ معین تاریخ مجہول تھی۔ اگر میاں بیوی میں

سے کوئی ایک مرتد ہونے کے بعد اسلام قبول کرلے تو ان دونوں کے درمیان نکاح فاسد ہوجائے گا' کیونکہ دوسرا مرتد ہونے پر مصر ہے۔اس کی وجہ یہ ہے: اصرار بھی مرتد ہونے کے آغاز کی طرح (نکاح کا) منافی ہے۔

شرح

دونوں ایک ساتھ مرتد ہوگئے پھر مسلمان ہوئے تو پہلا نکاح باقی رہا اور اگر دونوں میں ایک پہلے مسلمان ہوا پھر دوسرا تو نکاح جاتا رہا اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کون مرتد ہوا تو دونوں کا مرتد ہونا ایک ساتھ قرار دیا جائے۔(عالمگیری، کتاب النکاح)

مرتد کے تصرف کے موقوف ہونے کا فقہی بیان

مرتد کا تصرف وہ ہے جو بالاتفاق باطل ہوتا ہے یعنی شریعت کی نظر میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جیسے نکاح کرنا کہ وہ مطلقاً جائز نہیں مفاوضت کرے تو اس کا حکم موقوف (معلق) رہتا ہے کہ اگر وہ مرتد مسلمان ہوگیا تو وہ شرکت مفاوضت بھی نافذ ہوجائے گی اور اگر وہ ارتداد کی حالت میں مرگیا یا اس کو قتل کردیا گیا یا وہ دارالحرب چلا گیا اور قاضی و حاکم نے اس کے دارالحرب چلے جانا کا حکم نافذ کردیا تو اس صورت میں وہ شرکت مفاوضت شروع سے شرکت عنان میں تبدیل ہوجائے گی، یہ صاحبین کا مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک شرکت مفاوضت سرے سے باطل ہی نہیں ہوتی۔

چوتھا تصرف وہ ہے جس کے موقوف رہنے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں جیسے خرید وفروخت کے معاملات اجارہ کرنا، غلام کو آزاد کرنا، مدبر کرنا یا مکاتب کرنا، وصیت کرنا اور قبض دیون وغیرہ، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ ان سب معاملات میں مرتد کے تصرفات موقوف رہتے ہیں اگر وہ اسلام قبول کرے تو نافذ ہوجاتے ہیں، اور اگر مرجائے، یا قتل کردیا جائے یا قاضی و حاکم اس کے دارالحرب چلے جانے کا حکم نافذ کردے تو یہ سارے تصرفات باطل ہوجاتے ہیں۔

ارتداد کے دوران مکاتب کے سارے تصرفات نافذ ہوتے ہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے مرتد غلام یا باندی کو فروخت کرے تو اس کی بیع جائز ہوتی ہے۔

ارتداد سے نکاح زوجین کے ابطال میں فقہاء احناف کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر میاں بیوی ایک ساتھ مرتد ہوجائیں اور پھر دونوں ایک ساتھ اسلام بھی قبول کرلیں تو استحسان کے پیش نظر دونوں کے سابقہ نکاح کو برقرار رکھا جائے گا' اور نئے سرے سے نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی۔

امام زفر کی رائے اس بارے میں مختلف ہے۔وہ فرماتے ہیں: سابقہ نکاح باطل قرار دیا جائے گا' اور نئے سرے سے نکاح کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔

امام زفر نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: ان دونوں میں سے ایک کا مرتد ہونا اگر نکاح کے منافی ہے'

تو دونوں کا مرتد ہونا بھی ایک کے مرتد ہونے کی مانند ہوگا۔

احناف کے مؤقف کی دلیل یہ ہے: بنوحنیفہ کے قبیلے کے لوگ ایک ساتھ مرتد ہو گئے تھے اور پھر جب انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ از سر نو نکاح کریں لہٰذا ایسی صورت میں از سر نو نکاح کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

اس بات پہ اعتراض کیا جاسکتا ہے یہ عملاً ممکن نہیں ہے کہ بنوحنیفہ کے قبیلے کے تمام لوگ ایک ساتھ مرتد ہوئے ہوں بلکہ یقیناً ان میں سے کوئی پہلے مرتد ہوا ہوگا' کوئی بعد میں مرتد ہوا ہوگا؟ تو مصنف نے اس بات کا جواب یہ دیا ہے: سب کا مرتد ہونا ایک ساتھ مانا جائے گا' چونکہ تاریخی طور پر یہ ناممکن ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ ان میں سے پہلے کون مرتد ہوا تھا اور کون بعد میں ہوا تھا۔ یہاں مصنف نے ایک ذیلی شق بیان کی ہے: اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ مرتد ہوتے ہیں اور پھر بعد میں ان دونوں میں سے کوئی ایک پہلے اسلام قبول کر لیتا ہے تو دوسرے کے کفر پر اصرار کی وجہ سے ان کے درمیان نکاح فاسد ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے: مرتد ہونا نکاح کے بقاء کی منافی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح یہ نکاح کے آغاز کے منافی ہے۔ یعنی کوئی مسلمان کسی مرتد کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا ہے اسی طرح کسی مسلمان کا کسی مرتد کے ساتھ نکاح برقرار نہیں رہے گا۔

جبری شادی سے متعلق فقہی احکام

شریعت نے نکاح کو عاقدین کے اختیار سے متعلق رکھا ہے۔ مرد و عورت کی رضامندی سے ہی نکاح منعقد ہوتا ہے لیکن رضا اور عدم رضا قلب کا فعل ہے، جس سے آگاہ ہونا دوسروں کے لیے ممکن نہیں۔ اسی لیے زبان سے اظہار رضامندی کو نکاح کے منعقد ہونے کے لیے کافی سمجھا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی مرد یا عورت سے جبراً رضامندی کا اظہار کرالیا جائے تو کیا نکاح منعقد ہو جائے گا؟۔ اس سلسلے میں حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اکراہ کے ساتھ اگر قبولیت کے الفاظ کہلا دیے جائیں تب بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور اس سلسلے میں لڑکا اور لڑکی دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ یہ نقطہ نظر حنفیہ کے علاوہ بعض دوسرے فقہاء کا بھی ہے پھر جن فقہاء کے نزدیک ولی کو باکرہ لڑکی پر ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے، ان کے یہاں تو ویسے بھی لڑکی کی رضامندی کے بغیر ولی کا کیا ہوا نکاح اس کے اوپر لازم ہو جاتا ہے۔

اور فیصلہ کیا کہ اگرچہ اس طرح کا نکاح فقہی اعتبار سے منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اولیا، کا ایسے عمل کا ارتکاب کرنا قطعاً جائز نہیں۔ اگر اس طرح نکاح کر دیا گیا اور لڑکی اس پر راضی نہ ہو تو وہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے اور قاضی شریعت اس کا نکاح فسخ کر دے گا۔ اس کی دلیل حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کا وہ مشہور واقعہ ہے، جس کے مطابق صرف بیوی کی ناپسندیدگی کی وجہ سے آپ نے حضرت ثابت کو طلاق دینے کا حکم فرمایا تھا۔

بَابُ الْقَسْمِ

﴿یہ باب ازواج کے درمیان باری تقسیم کرنے کے بیان میں ہے﴾

ازواج کے درمیان قسمت کے باب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب کسی شخص کے ہاں دو آزاد عورتیں ہوں جس طرح تعدد ازواج میں شرعی احکام بیان کر دیئے گئے ہیں یعنی مرد چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور بیک وقت اس عقد میں چار عورتیں رکھنا جائز ہے۔ تو ضروری ہوا کہ ان کے درمیان عدل پیدا کرنے کیلئے اور انہیں انصاف فراہم کرنے کیلئے احکام شرعی کو بیان کیا جائے۔ لہذا مصنف علیہ الرحمہ نے ایک الگ باب میں تعدد ازواج والے شخص کیلئے شرعی احکام کو بیان کیا ہے۔ اور باب کا عنوان "باب القسم"، قسم، فا کے فتح کے ساتھ ہے اور یہ مصدر ہے اور اس کا معنی تقسیم کرنا ہے۔ جس طرح مال کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مال تقسیم کر دیا ہے اور ہدایہ کے بعض نسخوں میں" و منہ باب القسم" بھی آیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۱۲۱، بیروت)

کثیر ازواج کے درمیان باری تقسیم کرنے میں فقہی تصریحات

اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ شب باشی کے لئے نوبت باری مقرر کرنا واجب ہے یعنی ان بیویوں کے پاس باری باری سے جانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں چند باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

1- جب باری مقرر ہو جائے تو ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کے ہاں شب باشی جائز نہیں ہے مثلاً جس رات میں پہلی بیوی کے ہاں جانا ہو اس رات میں دوسری بیوی کے ہاں نہ جائے۔

2- ایک رات میں بیک وقت دو بیویوں کے ساتھ شب باشی جائز نہیں ہے اگر وہ دونوں بیویاں اس کی اجازت دے دیں اور وہ خود بھی اس کے لئے تیار ہوں تو جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں ایک سے زائد بیویوں سے جماع کیا ہے تو یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کے باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا یا یہ کہ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بیویوں کی اجازت حاصل تھی اس کے علاوہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ باری مقرر کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہیں تھا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنے کرم اور اپنی عنایت سے اپنی ہر زوجہ مطہرہ کے ہاں رہنے کی باری مقرر کر دی تھی۔

3- سفر کی حالت میں بیویوں کو باری کا حق حاصل نہیں ہوتا اور نہ کسی بیوی کی باری کا لحاظ رکھنا ضروری ہے بلکہ اس کا انحصار خاوند کی مرضی پر ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ سفر میں لے جائے اگرچہ بہتر اولی یہی ہے کہ خاوند اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لے اور جس کا نام قرعہ میں نکلے اس کو سفر میں ساتھ رکھے۔

4- مقیم کے حق میں اصلی باری کا تعلق رات سے ہے دن رات کا تابع ہے ہاں جو شخص رات میں اپنے کام کاج میں مشغول رہتا ہو مثلاً چوکیداری وغیرہ کرتا ہو اور اس کی وجہ سے وہ رات اپنے گھر میں بسر نہ کر سکتا ہو تو اس کے حق میں اصل باری کا تعلق دن سے ہوگا۔

درمختار میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر ان بیویوں کے پاس رات میں رہنے اور ان کے کھلانے پلانے میں برابری کرنا واجب ہے ان کے ساتھ جماع کرنے یا جماع نہ کرنے اور پیار و محبت میں برابری کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

کسی عورت کا جماع سے متعلق اس کے شوہر پر حق ہوتا ہے اور وہ ایک بار جماع کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے جماع کرنے کے بارے میں شوہر خود مختار ہے کہ جب چاہے کرے لیکن کبھی کبھی جماع کر لینا اس پر دیانۃً واجب ہے اور مدت ایلاء کے بقدر یعنی چار چار مہینہ تک جماع نہ کرنا خاوند کے لئے مناسب نہیں ہے ہاں اگر بیوی کی مرضی سے اتنے دنوں جماع نہ کرے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہر بیوی کے ہاں ایک ایک رات اور ایک ایک دن رہنا چاہئے لیکن برابری کرنا رات ہی میں ضروری ہے چنانچہ اگر کوئی شخص ایک بیوی کے ہاں مغرب کے فوراً بعد چلا گیا اور دوسری بیوی کے ہاں عشاء کے بعد گیا تو اس کا یہ فعل برابری کے منافی ہوگا اور اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس نے باری کے حکم کو ترک کیا کسی بیوی سے اس کی باری کے علاوہ یعنی کسی دوسری بیوی کی باری میں) جماع نہ کرے اسی طرح کسی بیوی کے پاس اس کی باری کے علاوہ کسی رات میں نہ جائے ہاں اگر وہ بیوی بیمار ہو تو اس کی عیادت کے لئے جا سکتا ہے بلکہ اگر اس کا مرض شدید ہو تو اس کی باری کے علاوہ بھی اس کے پاس اس وقت تک رہنا جائز جب تک کہ وہ شفایاب نہ ہو یا اس کا انتقال ہو جائے لیکن یہ اس صورت میں جائز ہے جب کہ اس کے پاس کوئی اور تیمارداری اور غم خواری کے لئے نہ ہو اور اگر خاوند اپنے گھر میں بیماری کی حالت میں ہو تو وہ اپنی ہر بیوی کو اس کی باری میں بلاتا رہے۔

بیویوں کے درمیان تقسیم میں انصاف

وَإِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ امْرَأَتَانِ حُرَّتَانِ فَعَلَيْهِ أَنْ يَعْدِلَ بَيْنَهُمَا فِي الْقَسْمِ بِكْرَيْنِ كَانَتَا أَوْ ثَيِّبَيْنِ أَوْ إِحْدَاهُمَا بِكْرًا وَّالْأُخْرَى ثَيِّبًا﴾ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "﴿مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ وَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا فِي الْقَسْمِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ﴾" (۱) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا "﴿أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَعْدِلُ فِي الْقَسْمِ بَيْنَ نِسَائِهِ .﴾ وَكَانَ يَقُولُ :﴿اللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تُؤَاخِذْنِي فِيمَا لَا أَمْلِكُ﴾ (۲) يَعْنِي زِيَادَةَ الْمَحَبَّةِ " وَلَا فَصْلَ فِيمَا رَوَيْنَا .

ترجمہ

جب کسی شخص کی دو آزاد بیویاں ہوں تو تقسیم کے اعتبار سے ان میں برابری کرنا اس شخص پر لازم ہے خواہ وہ دونوں باکرہ ہوں یا دونوں ثیبہ ہوں یا ان دونوں میں سے ایک باکرہ ہو اور دوسری ثیبہ ہو اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے "جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ تقسیم میں ان میں سے کسی ایک کی طرف داری کرے تو جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہو گا"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے درمیان تقسیم کے معاملے میں انصاف سے کام لیتے تھے اور آپ یہ دعا کرتے تھے: "اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے اس کے بارے میں میں مالک ہوں تو اس چیز کے بارے میں مجھ سے مواخذہ نہ کرنا جس کا میں مالک نہیں ہوں"۔ (صاحب ہدایہ فرماتے ہیں) یعنی کسی ایک کے ساتھ زیادہ محبت ہو ہم نے جو روایت بیان کی ہے اس میں کوئی فصل نہیں ہے۔

تخریج احادیث الهدایه من هذا المتن۔(۱) اخرجه احمد فی "المسند" ۲/۳٤۷ والدارمی فی "سننه" ۲/۱٤۳ و ابو داؤد فی "سننه" برقم (۲۱۳۳) والترمذی فی "جامعه" برقم (۱۱٤۱) والنسائی فی "المجتبی من السنن" ۷/٦۳ وابن ماجه فی "سننه" برقم (۱۹٦۹) وصححه ابن حبان برقم (۱۳۰۷) کما فی "الموارد" عن ابی هریرة رضی الله عنه۔

(۲) هذا الحدیث مروی من وجهین۔ الاول: من روایة ابی قلابة مرسلا۔ اخرجه الترمذی فی "جامعه" برقم (۱۱٤۰) وقال وهذا۔ ای الارسال۔ اصح من حدیث بن سلمة من طریق عائشة مرفوعا۔ قال الحافظ ابن حجر فی "التلخیص" ۲/۱۳۹ برقم (۱٤٦٦) مانصه: (واعله النسائی، والترمذی، والدارقطنی بالارسال، وقال ابو زرعة: لا اعلم احدا تابع حماد بن سلمة علی وصله" والثانی: عن عائشة رضی الله عنها موصولا: اخرجه احمد فی "المسند" ٦/۱٤٤ والدارمی فی "سننه" ۲/۱٤٤۔ وابو داؤد فی "سننه" برقم (۲۱۳٤) والترمذی برقم (۱۱٤۰) والنسائی فی "المجتبی" ۷/٦۳۔٦٤ وابن ماجه فی "سننه" برقم (۱۹۷۱) وابن حبان برقم (۱۳۰۵) کما فی "الموارد" برقم (۱۳۰۵) والحاکم فی "المستدرک" ۲/۱۸۷ وقال صحیح علی شرط مسلم ووافقه الذهبی۔

ازواج کے درمیان تقرر باری میں فقہ حنفی کے مطابق عدل کا بیان

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے درمیان باری مقرر فرماتے اور عدل سے کام لیتے (یعنی ان کے پاس رات رہنے کے سلسلہ میں برابری کا خیال رکھتے) اور پھر اس احتیاط وعدل کے باوجود یہ دعا مانگا کرتے کہ اے اللہ جس چیز کا میں مالک ہوں اس میں باری مقرر کر دی ہے لہذا جس کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ہوں اس پر مجھے ملامت نہ کیجئے! (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 436)

دعا کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی باری مقرر کرنے اور ان کے نان نفقہ کا میں مالک ہوں لہذا ان چیزوں میں عدل و برابری کرنا میری ذمہ داری ہے جسے میں پورا کرتا ہوں اور کسی بھی بیوی کے ساتھ ناانصافی یا اس کی حق تلفی نہیں کرتا ہاں پیار و محبت کا معاملہ دل سے متعلق ہے جس پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں اس میں برابری نہیں کر سکتا اس لئے اگر مجھے کسی بیوی

سے زیادہ محبت اور کسی سے کم محبت ہو تو چونکہ میرے قصد وارادہ کو دخل نہیں ہوگا لہٰذا اس پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کیجئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ ان بیویوں کے پاس جائے ان کے ہاں شب گزارے اور ان کے نان ونفقہ میں پورا پورا عدل کرے اور ان چیزوں میں ان کے درمیان اس طرح برابری کرے کہ کسی بھی بیوی کو فرق وامتیاز کی شکایت نہ ہو ہاں پیار ومحبت مباشرت وجماع اور جنسی لطف حاصل کرنے کے بارے میں عدل، برابری لازم نہیں ہوگی کیونکہ یہ چیزیں دل وطبیعت سے متعلق ہیں جس پر کسی انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔

ازواج کے حقوق میں عدل وانصاف کا بیان

(وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔(النساء ، ۱۲۹)

تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کو برابر رکھو، اگرچہ حرص کرو تو یہ تو نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ اور دوسری کو لٹکتی چھوڑ دو اور اگر نیکی اور پرہیزگاری کرو تو بے شک اللہ (عزوجل) بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گو تم چاہو کہ اپنی کئی ایک بیویوں کے درمیان ہر طرح بالکل پورا عدل وانصاف اور برابری کرو تو بھی تم کر نہیں سکتے۔ اس لئے کہ گو ایک ایک رات کی باری باندھ لو لیکن محبت چاہت شہوت جماع وغیرہ میں برابری کیسے کر سکتے ہو؟

ابن ملکیہ فرماتے ہیں یہ بات حضرت عائشہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بہت چاہتے تھے، اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے درمیان صحیح طور پر مساوات رکھتے تھے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے الٰہی یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی اب جو چیز میرے قبضہ سے باہر ہے یعنی دلی تعلق اس میں تو مجھے ملامت نہ کرنا (ابوداؤد) اس کی اسناد صحیح ہے۔

لیکن امام ترمذی فرماتے ہیں دوسری سند سے یہ مرسلاً مروی ہے اور وہ زیادہ صحیح ہے۔ پھر فرمایا بالکل ہی ایک جانب جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو لٹکا دو وہ نہ بے خاوند کی رہے نہ خاوند والی وہ تمہاری زوجیت میں ہو اور تم اس سے بیرخی برتو نہ تو اسے طلاق ہی دو کہ اپنا دوسرا نکاح کر لے نہ اس کے وہ حقوق ادا کرو جو ہر بیوی کے لئے اس کے میاں پر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ہی ایک کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہوگا (احمد وغیرہ)

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث مرفوع طریق سے سوائے ہمام کی حدیث کے پہچانی نہیں جاتی۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو اور جہاں تک تمہارے اختیار میں ہو عورتوں کے درمیان عدل وانصاف اور مساوات برتو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو، اس کے باوجود اگر تم کسی وقت کسی ایک کی طرف کچھ مائل ہو گئے ہو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ پھر تیسری

حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت بھی نباہ کی نہ ہو اور دونوں الگ ہو جائیں تو اللہ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا، اسے اس سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دے دے گا۔ اللہ کا فضل بہت وسیع ہے وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے تمام افعال ساری تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے سراسر بھرپور ہے۔

مقررہ باری میں دوسری بیوی کے پاس جانے کی اباحت کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں " :بیوی کی باری کے وقت میں اس کی سوکن کے پاس جانے کا مسئلہ :اگر تو رات کے وقت ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں لیکن ضرورت کی حالت میں جائز ہوگا مثلا بیوی موت وحیات کی کشمکش میں ہو اور خاوند اس کے پاس جانا چاہتا ہو، یا پھر بیوی نے اس کی وصیت کی ہو، یا اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اگر وہ ایسا کرے اور وہاں دیر دیر ٹھہرے بغیر واپس آ جائے تو قضا نہیں، لیکن اگر وہ وہیں رہے حتی کہ وہ تندرست ہو جائے تو دوسری بیوی کی باری میں اتنی دیر ہی رات کو اس بیوی کے پاس رہے گا۔

اور اگر وہ بغیر کسی ضرورت کے جاتا ہے تو گنہگار ہوگا اور قضا میں حکم یہ ہے جیسا کہ اگر ضرورت کی بنا پر جاتا ہے تو تھوڑے سے وقت کی قضا کا کوئی فائدہ نہیں ۔ لیکن اگر کسی دوسری بیوی کی باری میں دن کے وقت اور بیوی کے پاس جائے تو ضرورت کی بنا پر جائز ہے، مثلا اخراجات دینے یا بیمار پرسی کرنے یا کسی کام کے متعلق دریافت کرنے، یا پھر زیادہ دیر ہو گئی ہو تو ملنے جا سکتا ہے۔

اس کی دلیل عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی یہ حدیث ہے وہ بیان کرتی ہیں " :رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری باری کے علاوہ دن میرے پاس آیا کرتے تھے اور جماع کے علاوہ سب کچھ حاصل کرتے اور جب وہ باری کے علاوہ دوسری باری کے پاس جائے تو اس سے جماع مت کرے، اور نہ ہی اس کے پاس زیادہ دیر رہے کیونکہ اس سے رہنا حاصل ہوتا ہے اور وہ اس کی مستحق نہیں کیونکہ باری کسی اور کی ہے، اور اگر وہ زیادہ دیر رہے تو قضا کریگا۔ (المغنی، ج ۷، ص ۲۳۴، بیروت)

نئی اور پرانی بیوی کے حقوق یکساں ہوں گے

وَالْقَدِيمَةُ وَالْجَدِيدَةُ سَوَاءٌ لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا ، وَلِأَنَّ الْقَسْمَ مِنْ حُقُوقِ النِّكَاحِ وَلَاتَفَاوُتَ بَيْنَهُنَّ فِي ذَلِكَ ، وَالِاخْتِيَارُ فِي مِقْدَارِ الدَّوْرِ إِلَى الزَّوْجِ ؛ لِأَنَّ الْمُسْتَحَقَّ هُوَ التَّسْوِيَةُ دُونَ طَرِيقِهِ وَالتَّسْوِيَةُ الْمُسْتَحَقَّةُ فِي الْبَيْتُوتَةِ فِي الْمُجَامَعَةِ لِأَنَّهَا تَبْتَنِي عَلَى النَّشَاطِ.

ترجمہ

اس بارے میں پرانی اور نئی بیویوں کی حیثیت برابر ہوگی' کیونکہ ہم نے جو روایت نقل کی ہے وہ مطلق ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: تقسیم نکاح کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے اور اس بارے میں بیویوں کے درمیان کوئی تفاوت نہیں ہے۔ بیوی کے پاس

آنے جانے کی مقدار کتنی ہوگی اس کا اختیار شوہر کو ہے' کیونکہ اصل لازم چیز ان کے درمیان برابری رکھنا ہے' اس کا کوئی مخصوص طریقہ لازم نہیں ہے' اور جو برابری لازم ہے وہ رات بسر کرنے کے اعتبار سے ہے۔ صحبت کرنے کے حوالے سے نہیں ہے' کیونکہ اس کا تعلق طبیعت کی آمادگی کا ساتھ ہوتا ہے۔

نئی و پرانی زوجہ کی باری تقسیم میں فقہ شافعی وحنفی کا استدلال

حضرت ابوقلابہ تابعی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا یہ مسنون ہے کہ جب کوئی شخص ثیبہ کی موجودگی میں کسی باکرہ سے نکاح کرے تو سات رات تک اس کے پاس رہے اور پھر اس میں اور پرانی بیویوں کے درمیان باری مقرر کردے اور کسی ثیب یعنی کسی بیوہ یا مطلقہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین رات رہے اور پھر باری مقرر کردے۔ حضرت ابوقلابہ کہتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو یہ کہتا کہ حضرت انس نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 434)

حضرت امام شافعی نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کسی شخص کے نکاح میں کئی عورتیں ہوں یا ایک عورت ہو اور پھر وہ ایک عورت سے نکاح کرے تو اگر وہ عورت باکرہ (کنواری) ہو تو اس کے پاس سات رات تک رہے اور اگر وہ ثیبہ (یعنی بیوہ یا مطلقہ ہو) تو اس کے پاس تین رات تک رہے اور پھر نئی اور پرانی بیویوں کے درمیان باری مقرر کردے کہ ہر ایک کے پاس برابر برابر ایک ایک رات جایا کرے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس سلسلہ میں باکرہ اور ثیب یا نئی اور پرانی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ باری کے اعتبار سے سب برابر ہیں انہوں نے ان دونوں حدیثوں پر عمل کیا ہے جو اس باب کی دوسری فصل میں آئیں گی اور جن میں اس قسم کا فرق وامتیاز بیان نہیں کیا گیا ہے،

امام اعظم کے نزدیک اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی ایک یا ایک سے زائد بیویوں کی موجودگی میں کسی باکرہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات رات تک رہے اور پھر پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے پاس سات سات رات تک رہے اور اگر ثیبہ کے ساتھ نکاح کرے تو اس کے پاس تین رات تک رہے اور پھر پہلی بیویوں سے بھی ہر ایک کے پاس تین تین رات تک رہے۔

روایت کے آخر میں ابوقلابہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں چاہتا تو اس حدیث کو مرفوع کہتا یعنی یہ کہتا کہ اس حدیث کو حضرت انس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کیونکہ صحابہ کا یہ کہنا کہ یہ مسنون ہے مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ام سلمہ سے نکاح کیا تو دوسرے دن صبح کو ان سے فرمایا کہ تمہارے خاندان والوں کے لئے تمہاری طرف سے اس میں کوئی ذلت نہیں کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات رات رہوں اور پھر دوسری تمام بیویوں کے پاس بھی سات سات رات تک رہوں اور اگر تم چاہو تو تمہارے پاس تین رات تک رہوں اور پھر اس کے بعد دورہ کروں (یعنی تمام بیویوں کے پاس بھی تین تین رات تک رہوں) حضرت ام سلمہ نے یہ سن کر کہا کہ

صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تین راتیں رہئے۔ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سے فرمایا کہ کنواری کے پاس سات رات تک رہنا چاہئے اور ثیبہ کے پاس تین رات تک (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 435، مسلم)

اس میں کوئی ذلت نہیں ہے کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے پاس جو تین رات رہوں گا تو اس کی وجہ سے تمہارے خاندان و قبیلہ پر کسی حقارت یا ذلت کا داغ نہیں لگے گا کیونکہ تمہارے ساتھ میرا تین رات تک رہنا تمہاری صحبت و اختلاط سے بے رغبتی کے سبب سے نہیں ہے بلکہ شرعی حکم کی بناء پر ہے ان الفاظ کے ذریعہ گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کی تمہید بیان فرمائی ہے جس کی وجہ سے شادی کی ابتداء کے ایام میں حضرت ام سلمہ کے ہاں شب باشی کے لئے صرف تین راتوں پر اکتفاء کرنا پڑا اور وہ عذر یہ شرعی حکم ہے کہ اگر اپنی پہلی بیوی کی موجودگی میں کسی اور عورت سے نکاح کیا جائے۔تو اس نئی بیوی کے ساتھ مسلسل سات دن تک شب باشی اس صورت میں جائز ہوگی جب کہ وہ باکرہ کنواری ہو لیکن اس کے بعد پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے ہاں سات سات دن تک شب باشی ہونی چاہئے۔

حضرت ام سلمہ بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ ام سلمہ سے شادی کی تو آپ ان کے ہاں تین دن رہے پھر آپ نے ارشاد فرمایا تمہارے میاں کے سامنے تمہاری حیثیت کم نہیں ہے۔اگر تم چاہو میں تمہارے پاس سات دن تک رہ سکتا ہوں لیکن اگر میں تمہارے پاس سات دن رہوں تو دوسری بیویوں کے پاس بھی سات دن رہوں گا۔

(سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 71)

تا کہ باری کے اعتبار سے کسی کے ساتھ بے انصافی اور حق تلفی نہ ہو اور اگر وہ نئی بیوی ثیبہ (کسی کی بیوہ یا مطلقہ) ہو تو پھر اسکے ساتھ تین دین تک شب باشی کی جائے لیکن اس کے بعد پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے ساتھ تین تین دن تک شب باشی کی جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کے سامنے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے یہاں بھی سات راتوں تک رہ سکتا ہوں لیکن یہ حق کنواری عورت کے لئے ہے اور تم ثیبہ ہو اور پھر یہ کہ بعد میں مجھے دوسری تمام بیویوں کے پاس بھی سات سات راتوں تک رہنا ہوگا اس لئے بہتر یہ ہے کہ ثیبہ کے حق میں جو حکم ہے اسی کے مطابق میں تمہارے پاس تین دن تک شب باشی کروں اور پھر بعد میں ہر ایک بیوی کے ہاں تین تین دن تک شب باشی کر کے تمہارے سب کے درمیان باری مقرر کر دوں لہذا حضرت ام سلمہ نے منشاء شریعت اور مزاج نبوت کے مطابق اسی بات کو قبول کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تین رات تک رہیں۔یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: شوہر پر صرف مساوات لازم ہے اس مساوات کے لئے کوئی مخصوص طریقہ لازم نہیں ہے بلکہ وہ اپنے مزاج اور سہولت کے مطابق کوئی بھی طریقہ اختیار کر سکتا ہے۔

ازواج میں عدم عدل کی بناء پر وعید کا بیان

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے نکاح میں ایک سے زائد مثلا) دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرتا ہو تو وہ قیامت کے دن (میدان حشر میں) اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ ساقط ہوگا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 437)

جس شخص کے ہاں ایک سے زائد بیویاں ہوں خواہ وہ دو ہوں اور خواہ تین یا چار ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرتا ہو تو اس کی اس بے انصافی پر مذکورہ بالا سزا کی دھمکی دی گئی ہے لہذا باری میں برابری کرنا بایں اعتبار سے واجب ہے کہ رات جتنا حصہ ایک بیوی کے ہاں گزارتا ہو اتنا ہی حصہ دوسری بیوی کے ہاں بھی گزارنا چاہیے مثلا اگر ایک بیوی کے ہاں مغرب کے بعد چلا جاتا ہے تو دوسری بیوی کے ہاں بھی مغرب کے بعد ہی چلا جائے اگر اس کے پاس عشاء کے بعد جائے گا تو یہ عدل وانصاف کے خلاف ہوگا یہاں صحبت کے معاملہ میں برابری کرنا واجب نہیں ہے۔

شیخ نظام الدین فقہاء احناف سے عالم گیری میں لکھتے ہیں۔

نئی اور پرانی، کنواری اور ثیب، تندرست اور بیمار، حاملہ اور غیر حاملہ اور وہ نابالغہ جو قابلِ وطی ہو، حیض ونفاس والی اور جس سے ایلا یا ظہار کیا ہو اور جس کو طلاق رجعی دی اور رجعت کا ارادہ ہو اور احرام والی اور وہ مجنونہ جس سے ایذا کا خوف نہ ہو، مسلمہ اور کتابیہ سب برابر ہیں، سب کی باریاں برابر ہوں گی۔ یونہی مرد عنین 3)) ہو یا خصی 4))، مریض ہو یا تندرست، بالغ ہو یا نابالغ قابلِ وطی ان سب کا ایک حکم ہے۔ (عالم گیری، کتاب النکاح)

خاوند کا نفقہ ازواج میں تفریق کا اختیار

بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر خاوند ہر بیوی کو اس کے کافی اخراجات دیتا ہے تو اس کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی ایک کو فضیلت دے، اور اس کے اخراجات یا سکن میں وسعت پیدا کرے .

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں " : اگر مرد ہر ایک کو واجب کردہ اخراجات اور لباس وغیرہ دیتا ہے تو پھر اس پر ان دونوں میں نفقہ اور لباس میں برابری کرنا واجب نہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے ایک شخص جس کی دو بیویاں تھیں کے متعلق فرمایا " : اس کو حق حاصل ہے کہ وہ ایک کو دوسری پر نفقہ اور شہوات اور رہائش میں فضیلت دے، جب دوسری کے پاس کفائت کرنے والے اخراجات اور رہائش وغیرہ ہو، اور وہ اس کے لیے دوسری بیوی سے زیادہ قیمتی لباس خرید سکتا ہے، اور یہ کفایت میں ہو۔ (المغنی (10 / . (242)

اور امام احمد رحمہ اللہ سے ایک دوسری روایت وارد ہے کہ " : نفقہ اور لباس وغیرہ میں خاوند پر عدل کرنا واجب ہے، اور اسے کسی ایک کو فضیلت دینے کا حق نہیں .

آزاد عورت اور کنیز کے حقوق میں اختلاف

وَاِنْ كَانَتْ اِحْدَاهُمَا حُرَّةً وَالْاُخْرٰى اَمَةً فَلِلْحُرَّةِ الثُّلُثَانِ مِنَ الْقَسْمِ وَلِلْاَمَةِ الثُّلُثُ ، بِذٰلِكَ وَرَدَ الْاَثَرُ ، وَلِاَنَّ حِلَّ الْاَمَةِ اَنْقَصُ مِنْ حِلِّ الْحُرَّةِ فَلَا بُدَّ مِنْ اِظْهَارِ النُّقْصَانِ فِي الْحُقُوْقِ . وَالْمُكَاتَبَةُ وَالْمُدَبَّرَةُ وَاُمُّ الْوَلَدِ بِمَنْزِلَةِ الْاَمَةِ ؛ لِاَنَّ الرِّقَّ فِيْهِنَّ قَائِمٌ .

ترجمہ

اور اگر (ان دو بیویوں میں سے) ایک آزاد ہو اور دوسری کنیز ہو تو تقسیم میں آزاد عورت کا حصہ دو تہائی ہوگا اور کنیز کا ایک تہائی ہوگا اس بارے میں ایک روایت منقول ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: کنیز کی حلت آزاد عورت کی حلت سے کم ہوتی ہے لہٰذا اس کے حقوق میں کمی ظاہر ہوگی۔ مکاتب کنیز مدبر کنیز اور ام ولد کنیز عام کنیز کی مانند ہوں گی کیونکہ ملکیت کا پہلو ان میں موجود ہے۔

آزاد و باندی کی باری کے فقہی احکام

شیخ نظام الدین عالم گیری میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک زوجہ کنیز ہے دوسری حرہ تو آزاد کے لیے دو دن اور دو راتیں اور کنیز کے لیے ایک دن رات اور اگر اس عورت کے پاس جو کنیز ہے، ایک دن رات رہ چکا تھا کہ آزاد ہوگئی تو حرہ کے پاس چلا جائے۔ یونہی حرہ کے پاس ایک دن رات رہ چکا تھا اب کنیز آزاد ہوگئی تو کنیز کے پاس چلا جائے کہ اب اس کے یہاں دو دن رہنے کی کوئی وجہ نہیں، جو کنیز اس کی ملک میں ہے اس کے لیے باری نہیں۔ (عالم گیری، کتاب النکاح، ج ا، ص ۳۸۰)

اس بارے میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس حکم میں باکرہ، ثیبہ، نئی، پرانی مسلمان اور کتابیہ سب برابر ہیں اور سب کے حقوق یکساں ہیں البتہ آزاد عورت کی بہ نسبت لونڈی، کاتبہ، مدبرہ اور ام ولد کیلئے آدھی باری ہے یعنی اگر کسی شخص کے نکاح میں ایک آزاد عورت ہو اور کسی کی لونڈی وغیرہ سے بھی اس نے نکاح کر رکھا ہو تو لونڈی وغیرہ کے پاس ایک رات رہے اور آزاد عورت کے پاس دو راتیں رہے۔ احرم (باندی) کے لئے باری مقرر کرنا واجب نہیں ہے۔

اگرچہ مصنف نے اس بات کی وضاحت نہیں کی ہے وہ "اثر" کیا ہے لیکن ہدایہ کے شارحین نے یہ بات نقل کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات منقول ہے انہوں نے فرمایا ہے: تقسیم میں آزاد عورت کا حصہ دو تہائی ہوگا اور کنیز کا حصہ ایک تہائی ہوگا۔

مصنف نے اس مسئلے کی دوسری دلیل یہ بیان کی ہے: کنیز کا حلال ہونا آزاد عورت کے حلال ہونے کے مقابلے میں کم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے حقوق میں یہ کمی ظاہر ہونا ضروری ہوگا لہٰذا تقسیم میں کنیز کا حصہ ایک تہائی اور آزاد عورت کا حصہ اس سے زیادہ ہوگا یعنی وہ دو تہائی شمار ہوگا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: مکاتب کنیز مدبر کنیز اور ام ولد کنیز کا حکم بھی عام کنیز کی مانند ہے یعنی تقسیم میں

ان کا حصہ ایک تہائی ہوگا اس کی وجہ یہ ہے ان تینوں کے اندر رقیت کا مفہوم پایا جاتا ہے جو ان کے حق میں کمی کا باعث بنتا ہے۔

سفر کے دوران تقسیم کا حکم

قَالَ: وَلَاحَقَّ لَهُنَّ فِي الْقَسْمِ حَالَةَ السَّفَرِ فَيُسَافِرُ الزَّوْجُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ ، وَالْاَوْلٰى اَنْ يَّقْرَعَ بَيْنَهُنَّ فَيُسَافِرُ بِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهَا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: اَلْقُرْعَةُ مُسْتَحَقَّةٌ ، لِمَا رُوِيَ: اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَانَ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ (١) "اِلَّا اَنَّا نَقُوْلُ: اِنَّ الْقُرْعَةَ لِتَطْيِيْبِ قُلُوْبِهِنَّ فَيَكُوْنُ مِنْ بَابِ الْاِسْتِحْبَابِ ، وَهٰذَا ، لِاَنَّهٗ لَا حَقَّ لِلْمَرْاَةِ عِنْدَ مُسَافَرَةِ الزَّوْجِ ؛ اَلَاتَرٰى اَنَّ لَهٗ اَنْ لَّا يَسْتَصْحِبَ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ فَكَذَا لَهٗ اَنْ يُّسَافِرَ بِوَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ وَلَايُحْتَسَبُ عَلَيْهِ بِتِلْكَ الْمُدَّةِ.

ترجمہ

فرمایا: سفر کی حالت میں تقسیم کے حوالے سے بیویوں کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ شوہر ان میں سے جسے چاہے اپنے ساتھ سفر پر لے جا سکے گا' تاہم زیادہ بہتر یہ ہے: وہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کرے' پھر جس کے نام کا قرعہ نکل آئے اسے ساتھ لے کر جائے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: قرعہ اندازی کرنا لازم ہے' کیونکہ یہ روایت منقول ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پہ تشریف لے جاتے تھے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کیا کرتے تھے۔ تاہم ہم یہ کہتے ہیں: یہ قرعہ اندازی ان کی دلجوئی کے لئے ہوتی تھی لہذا یہ بات مستحب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: شوہر کے سفر کے وقت بیوی کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا؟ شوہر کو یہ حق حاصل ہے' وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی ساتھ نہ لے جائے اور (سفر کی) یہ مدت شوہر کے حساب میں شمار نہیں ہوگی۔

شرح

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیوی کے درمیان قرعہ ڈالتے ان میں سے جس کا نام قرعہ میں نکلتا اسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 433)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر پر روانہ ہونے لگتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے ان میں سے جس کسی کا نام نکل آتا آپ اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔

(سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 69)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر پر تشریف لے جانے لگتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ ڈال لیتے۔ سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 127

ازواج کو سفر پر لے جانے میں تقسیم کا بیان

شیخ عبدالرحمٰن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ یعنی: جو دو بیویاں رکھنا پسند کرتا ہے وہ رکھے، اور جو تین پسند کرنا یا چار پسند کرتا ہے وہ رکھے لیکن چار سے زائد نہیں؛ کیونکہ آیت بطور اطمینان لائی گئی ہے یعنی اللہ کے احسان کے سیاق میں لائی گئی ہے، اس لیے اللہ تعالی نے جو عدد بیان کیا ہے اس سے زائد رکھنا جائز نہیں اس پر اجماع ہے؛ اس لیے کہ ہوسکتا ہے مرد کی شہوت ایک بیوی سے پوری نہ ہوسکتی ہو، چنانچہ اس کے لیے ایک کے بعد دوسری حتی کہ چار تک مباح کی گئی ہیں۔

کیونکہ چار میں ہر ایک کے لیے کفائت ہے لیکن نادرا کوئی ایسا ہوگا جسے چار کافی نہ ہوں، لیکن یہ چار بھی اس کے اس وقت مباح کی گئی ہیں جب اسے یہ خدشہ نہ ہو کہ وہ کسی پر ظلم کریگا بلکہ یقینی عدل وانصاف پایا جائے، اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا وثوق ہو۔

اور اگر اسے ان میں سے کسی چیز کا خدشہ ہو تو اسے ایک پر ہی گزارا کرنا چاہیے، یا پھر لونڈی پر، کیونکہ لونڈی میں تقسیم واجب نہیں ہے۔ ذلک: یعنی ایک بیوی پر ہی اکتفا کرنا یا پھر لونڈی پر۔ ادنی الا تعولوا: اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم نہ کرو۔ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر بندے کو کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جہاں اس سے ظلم وجور کے ارتکاب کا خدشہ ہو اور اسے اس بات کا خوف ہو کہ وہ اس معاملے کے حقوق پورے نہیں کرسکے گا خواہ یہ معاملہ مباحات کے زمرے میں کیوں نہ آتا ہو تو اس کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس معاملے میں کوئی تعرض کرے، بلکہ اس سے بچاؤ اور عافیت کا التزام کرے، کیونکہ عافیت بہترین چیز ہے جو بندے کی عطا کی گئی ہے۔ (تفسیر السعدی، ۱۶۳)

جو عورت بھی اپنے حساب پر خاوند کو کسی دوسری بیوی کی طرف مائل دیکھے، یا اس کے حق پر ظلم کرتا ہوا دیکھے۔ تو اسے خاوند کو اچھے اور بہتر طریقہ سے نصیحت کرنی چاہیے اور اسے اللہ کی جانب سے واجب کردہ حقوق کی عدل وانصاف کے ساتھ ادائیگی یاد دلائے، اور بتائے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے ظلم کرنا حرام کیا ہے، اور اسی طرح اسے اپنی بہن سوکن کو بھی نصیحت کرنی چاہیے کہ وہ بھی ظلم کو قبول مت کرے، اور جو اس کا حق نہیں وہ مت لے، امید ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی اسے عدل کرنے کی راہ دکھائے اور وہ ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرنا شروع کردے۔

دوم: بیویوں کے مابین عدل میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر خاوند سفر پر جانا چاہتا ہے تو وہ اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بیویوں کے مابین قرعہ اندازی کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی رہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ ": جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر جانا چاہتے تو اپنی بیویوں کے مابین قرعہ اندازی کرتے جس کا نام قرعہ اندازی میں نکل آتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے " صحیح بخاری حدیث نمبر (2454) صحیح مسلم حدیث نمبر (1770)

امام نووی رحمہ اللہ اس کی شرح میں کہتے ہیں " :اس حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ جو کوئی بھی اپنی کسی ایک بیوی کو سفر میں ساتھ لے جانا چاہے تو وہ ان کے مابین قرعہ اندازی کرے، ہمارے ہاں یہ قرعہ اندازی واجب ہے۔(شرح مسلم، ج ۵ ص ۲۰۱)

اور ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں " :خاوند کے لیے جائز نہیں کہ وہ قرعہ اندازی کیے بغیر کسی ایک بیوی کو اپنے ساتھ سفر پر لے جانے کے لیے خاص کرلے۔(المحلی (9 / . (212)

اور جب وہ سفر سے واپس لوٹے تو قرعہ اندازی سے ساتھ جانے والی عورت کا سفر والا وقت شمار نہیں ہوگا .

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں " :اور جب خاوند سفر سے واپس پلٹے اور بیویوں میں تقسیم دوبارہ شروع کرے تو اپنے ساتھ سفر پر جانے والی بیوی کے ساتھ سفر میں رہنے والے ایام شمار نہیں کریگا، اور اس بیوی کا سفر کی مشقت اور تکلیف برداشت کرنا اور اس کے ساتھ رہنا اس کے حصے کے برابر ہوگا۔تمہید (19 / . (266)

کسی بیوی کا اپنے حصے کو اپنی کسی سوکن کے لئے ہبہ کرنا

﴿وَإِنْ رَضِيَتْ إِحْدَى الزَّوْجَاتِ بِتَرْكِ قَسْمِهَا لِصَاحِبَتِهَا جَازَ﴾ ؛ ﴿لِأَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنْ يُرَاجِعَهَا وَتَجْعَلَ يَوْمَ نَوْبَتِهَا لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا﴾(١) " ﴿وَلَهَا أَنْ تَرْجِعَ فِي ذَلِكَ﴾ ؛ ﴿لِأَنَّهَا أَسْقَطَتْ حَقًّا لَمْ يَجِبْ بَعْدُ فَلَا يَسْقُطُ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ﴾ .

ترجمہ

اگر بیویوں میں سے کوئی ایک اپنے مخصوص حصے کو اپنی سوکن کے لئے ترک کرنے پر راضی ہو جائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔اس کی دلیل یہ ہے: سیدہ سودہ بنت زمعہ W نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ آپ ان سے رجوع کرلیں اور وہ اپنی باری کا مخصوص دن سیدہ عائشہ W کو دے دیتی ہیں۔تاہم بیوی کو اس بات کا اختیار ہے: وہ اس بارے میں اپنے موقف سے رجوع کرلے' کیونکہ اس نے اپنے ایک ایسے حق کو ساقط کیا ہے' جو واجب نہیں ہے' لہٰذا وہ ساقط نہیں ہوگا' باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اپنی باری ہبہ کرنے پر سلف وخلف کا اجماع

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت سودہ بن زمعہ عمر رسیدہ ہوگئیں تو انہوں نے اپنی باری مجھے دیدی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سودہ کا دن بھی مجھے دیتے۔سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 129

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بات کی وجہ سے حضرت صفیہ بن حیی سے ناراض ہوئے تو صفیہ نے عائشہ سے کہا اے عائشہ کیا تم چاہتی ہو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجھ سے راضی کرادو اور میری باری تمہیں مل

جائے؟ عائشہ نے کہا ٹھیک ہے۔ اس کے بعد عائشہ نے اپنا زعفران میں رنگا ہوا دوپٹہ لیا اور اس پر پانی چھڑکا تا کہ اس کی مہک پھیلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں جا بیٹھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عائشہ! دور ہو جا آج تمہاری باری نہیں ہے۔ عائشہ نے کہا ذالك فضل اللہ یوتیہ من یشاء یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہیں عطا فرمائیں۔ اور ساری بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ سے راضی ہو گئے۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 130)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر پر روانہ ہونے لگتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے ان میں سے جس کسی کا نام نکل آتا آپ اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 69

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آیت (وَالصُّلْحُ خَيْرٌ) 4۔ النساء 128 :) اور صلح بھلی ہے۔ نازل ہوئی اس مرد کے بارے میں جس کی بیوی عرصہ دراز سے اس کے نکاح میں تھی اور اس خاوند سے اسکی کافی اولاد بھی ہوئی تھی پھر اس مرد نے اس بیوی کو بدلنا چاہا (کہ اس کو طلاق دے کر کسی اور عورت سے شادی کر لے) تو اس عورت نے خاوند کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ اس خاوند کے ہاں رہے اور خاوند اس کی باری نہ دے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 131)

حضرت سودہ بنت زمعہ جب بہت بڑی عمر کی ہو جاتی ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرما لیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ اسی پر یہ آیت اتری۔ ابن عباس فرماتے ہیں میاں بیوی جس بات پر رضامند ہو جائیں وہ جائز ہے۔ آپ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں جن میں سے آپ نے آٹھ کو باریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت سودہ کا دن بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو دیتے تھے۔ حضرت عروہ کا قول ہے کہ حضرت سودہ کو بڑی عمر میں جب یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ آپ کو صدیقہ سے پوری محبت ہے اگر میں اپنی باری انہیں دیدوں تو کیا عجب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو جائیں اور میں آپ کی بیویوں میں ہی آخر دم تک رہ جاؤں۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ حضور رات گزارنے میں اپنی تمام بیویوں کو برابر کے درجے پر رکھا کرتے تھے عموماً ہر روز سب بیویوں کے ہاں آتے بیٹھتے بولتے چالتے مگر ہاتھ نہ بڑھاتے پھر آخر میں جن بیوی صاحبہ کی باری ہوتی ان کے ہاں جاتے اور رات وہیں گزارتے۔ پھر حضرت سودہ کا واقعہ بیان فرماتے جو اوپر گذرا (ابوداؤد)

معجم ابوالعباس کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرت سودہ کو طلاق کی خبر بھجوائی یہ حضرت عائشہ کے ہاں جا بیٹھیں جب آپ تشریف لائے تو کہنے لگیں آپ کو اس اللہ تعالی کی قسم ہے جس نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا اور اپنی مخلوق میں سے آپ کو برگزیدہ اور اپنا پسندیدہ بنایا آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے میری عمر بڑی ہوگئی ہے مجھے مرد کی خاص خواہش نہیں رہی لیکن یہ چاہت

ہے کہ قیامت کے دن آپ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں چنانچہ آپ نے یہ منظور فرمالیا اور رجوع کرلیا پھر یہ کہنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی باری کا دن اور رات آپ کی محبوب حضرت عائشہ کو ہبہ کرتی ہوں۔ بخاری شریف میں آتا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کرسکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں اپنے حق چھوڑتی ہوں تو مجھے جدا نہ کر تو آیت دونوں کی رخصت دیتی ہے یہی صورت اس وقت بھی ہے کہ جب کسی کو دو بیویاں ہوں اور ایک سے اس کی بوجہ اس کے بڑھاپے یا بدصورتی کے محبت نہ ہو اور وہ اسے جدا کرنا چاہتا اور یہ بوجہ اپنے لگاؤ یا بعض اور مصالح کے الگ ہونا پسند نہ کرتی تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض یا سب حقوق سے الگ ہو جائے اور خاوند اس کی بات کو منظور کر کے اسے جدا نہ کرے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر سے ایک سوال (جسے اس کی بیہودگی کی وجہ سے) آپ نے ناپسند فرمایا اور اسے کوڑا مار دیا پھر ایک اور نے اسی آیت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ باتیں پوچھنے کی ہیں اس سے ایسی صورت مراد ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی ہے لیکن وہ بڑھیا ہوگئی ہے اولاد نہیں ہوتی اس نے اولاد کی خاطر کسی جوان عورت سے اور نکاح کیا پھر یہ دونوں جس چیز پر آپس میں اتفاق کرلیں جائز ہے۔

حضرت علی سے جب اس آیت کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بوجہ اپنے بڑھاپے کے یا بدصورتی کے یا بدخلقی کے یا گندگی کے اپنے خاوند کی نظروں میں گرجائے اور اس کی چاہت یہ ہو کہ خاوند مجھے نہ چھوڑے تو یہ اپنا پورا یا ادھورا مہر معاف کردے یا اپنی باری معاف کردے وغیرہ تو اس طرح صلح کرسکتے ہیں۔

سلف اور ائمہ سے برابر اس کی یہی تفسیر مروی ہے بلکہ تقریباً اس پر اتفاق ہے میرے خیال سے تو اس کا کوئی مخالف نہیں واللہ اعلم۔ محمد بن مسلم کی صاحبزادی حضرت رافع بن خدیج کے گھر میں تھیں بوجہ بڑھاپے کے یا کسی اور امر کے یہ انہیں چاہتے نہ تھے یہاں تک کہ طلاق دینے کا ارادہ کرلیا اس پر انہوں نے کہا آپ مجھے طلاق تو نہ دیجئے اور جو آپ چاہیں فیصلہ کریں مجھے منظور ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔

ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے اس عورت کا جس سے اس کا خاوند بگڑا ہوا ہے چاہئے کہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دے دے اور اگر وہ چاہے تو اس بات کو پسند کرکے اس کے گھر میں رہے کہ وہ مال کی تقسیم میں اور باری کی تقسیم میں اس پر دوسری بیوی کو ترجیح دے گا اب اسے اختیار ہے اگر یہ دوسری شق کو منظور کرلے تو شرعاً خاوند کو جائز ہے کہ اسے باری نہ دے اور جو مہر وغیرہ اس نے چھوڑا ہے اسے اپنی ملکیت سمجھے۔

حضرت رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ جب سن رسید ہوگئیں تو انہوں نے ایک نوجوان لڑکی سے نکاح کیا اور پھر اسے زیادہ چاہنے لگے اور اسے پہلی بیوی پر مقدم رکھنے لگے آخر اس سے تنگ آکر طلاق طلب کی آپ نے دے دی پھر عدت ختم ہونے کے قریب لوٹالی، لیکن پھر وہی حال ہوا کہ جوان بیوی کو زیادہ چاہنے لگے اور اس کی طرف جھک گئے اس نے پھر طلاق مانگی آپ نے دوبارہ طلاق دے دی پھر لوٹا لیا لیکن پھر وہی نقشہ پیش آیا پھر اس نے قسم دی کہ مجھے طلاق دے دو تو آپ نے

فرمایا دیکھو اب یہ تیسری آخری طلاق ہے اگر تم چاہو تو میں دے دوں اور اگر چاہو تو اسی طرح رہنا منظور کرو اس نے سوچ کر جواب دیا کہ اچھا مجھے اسے طرح منظور ہے چنانچہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئیں اور اسی طرح رہنے سہنے لگیں۔ اس جملے کا کہ صلح خیر ہے ایک معنی تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی کو یہ اختیار دینا کہ اگر تو چاہے تو اسی طرح رہ کر دوسری بیوی کے برابر تیرے حقوق نہ ہوں اور اگر تو چاہے تو طلاق لے لے، یہ بہتر ہے اس سے کہ یونہی دوسری کو اس پر ترجیح دیئے ہوئے رہے۔ لیکن اس سے اچھا مطلب یہ ہے کہ بیوی اپنا کچھ چھوڑ دے اور خاوند اسے طلاق نہ دے اور آپس میں مل کر رہیں یہ طلاق دینے اور لینے سے بہتر ہے، جیسے کہ خود نبی اللہ علیہ صلوات اللہ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی زوجیت میں رکھا اور انہوں نے اپنا دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہبہ کر دیا۔ آپ کے اس فعل میں بھی آپ کی امت کے لئے بہترین نمونہ ہے کہ ناموافقت کی صورت میں بھی طلاق کی نوبت نہ آئے۔ چونکہ اللہ اعلیٰ واکبر کے نزدیک صلح افتراق سے بہتر ہے اس لئے یہاں فرمادیا کہ صلح خیر ہے۔ بلکہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے تمام حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسند چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ پھر فرمایا تمہارا احسان اور تقویٰ کرنا یعنی عورت کی طرف کی ناراضگی سے درگذر کرنا اور اسے باوجود ناپسندیدگی کے اس کا پورا حق دینا باری میں لین دین میں برابری کرنا یہ بہترین فعل ہے جسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور جس پر وہ بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گو تم چاہو کہ اپنی کئی ایک بیویوں کے درمیان ہر طرح بالکل پورا عدل وانصاف اور برابری کرو تو بھی تم کر نہیں سکتے۔ اس لئے کہ گو ایک ایک رات کی باری باندھ لو لیکن محبت چاہت شہوت جماع وغیرہ میں برابری کیسے کر سکتے ہو؟

ابن ملکیہ فرماتے ہیں یہ بات حضرت عائشہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بہت چاہتے تھے، اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے درمیان صحیح طور پر مساوات رکھتے تھے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے الٰہی یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی اب جو چیز میرے قبضہ سے باہر ہے یعنی دلی تعلق اس میں تو مجھے ملامت نہ کرنا (ابوداؤد) اس کی اسناد صحیح ہے لیکن امام ترمذی فرماتے ہیں دوسری سند سے یہ مرسلاً مروی ہے اور وہ زیادہ صحیح ہے۔ پھر فرمایا بالکل ہی ایک جانب جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو لٹکا دو وہ نہ بے خاوند کی رہے نہ خاوند والی وہ تمہاری زوجیت میں ہو اور تم اس سے بیرخی برتو نہ تو اسے طلاق ہی دو کہ اپنا دوسرا نکاح کر لے نہ اس کے وہ حقوق ادا کرو جو ہر بیوی کے لئے اس کے میاں پر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ہی ایک کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہوگا (احمد وغیرہ)

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث مرفوع طریق سے سوائے ہمام کی حدیث کے پہچانی نہیں جاتی۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو اور جہاں تک تمہارے اختیار میں ہو عورتوں کے درمیان عدل وانصاف اور مساوات برتو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو، اس کے باوجود اگر تم کسی وقت کسی ایک کی طرف کچھ مائل ہو گئے ہو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ پھر تیسری حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت بھی نباہ کی نہ ہو اور دونوں الگ ہو جائیں تو اللہ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا، اسے اس

سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دے دے گا۔ اللہ کا فضل بہت وسیع ہے وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے تمام افعال ساری تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے سراسر بھرپور ہے۔

(۱) هو مفهوم ماروی البخاری فی "صحیحه" ۳۱۲/۹ برقم (۵۲۱۲) و مسلم فی "صحیحه" ۱۰۸۵/۲ برقم (۱۴۶۳) عن عائشة رضی الله عنها "ان سودة لما كبرت قالت: یارسول الله قد جعلت یومی منك لعائشة فكان رسول الله ﷺ یقسم لعائشة یومین یومها و یوم سودة" ورواه البیهقی فی "السنن الکبری" وذکر الطلاق۔

مسیار شادی سے متعلق بعض فقہی جزئیات

مسیار شادی اس وقت صحیح ہوگی جب اس میں عقد نکاح کی شروط اور اس کے ارکان پائے جائیں، اور اس شادی کی صورت دور قدیم میں موجود ہے، اس میں خاوند بیوی کے لیے شرط رکھتا ہے جو اس سے شادی کی رغبت رکھے وہ اس اور دوسری بیویوں کے مابین برابری کے ساتھ راتوں کی تقسیم نہیں کریگا، یا پھر وہ اس کے اخراجات کا ذمہ دار نہیں، یا اس کی رہائش کا ذمہ دار نہیں۔

اور یہ بھی شرط رکھ سکتا ہے کہ رات کی بجائے وہ اس کے پاس دن کو آئیگا، جسے النھاریات یعنی دن والیاں کا نام دیا جاتا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عورت ہی اپنے حقوق سے دستبردار ہو جائے، ہوسکتا ہے وہ عورت مالدار ہو اور اس کے پاس رہائش بھی ہو اس لیے وہ اس سے دستبردار ہو جائے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ رات کی بجائے دن پر راضی ہو جائے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے وہ اپنی سوکنوں کے ایام سے کم ایام پر راضی ہو جائے، اور ہمارے دور میں یہی مشہور ہے۔ دونوں طرف سے ان حقوق سے دستبردار ہونا نکاح کو حرام نہیں کرتا، اگرچہ بعض اہل علم نے اسے ناپسند کیا ہے، لیکن شروط اور ارکان کے اعتبار سے یہ جواز سے خارج نہیں ہوتا۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے کہ وہ دونوں دن والیاں "النھاریات" سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ (3 / . 337)

اور عامر الشعبی سے مروی ہے ان سے ایک شخص کے متعلق دریافت کیا گیا کہ جس کی بیوی ہو اور وہ ایک دوسری عورت سے شادی کرے تو اس کے لیے ایک دن کی شرط رکھے اور دوسری کے لیے دو دن کی تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ انہوں نے جواب دیا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ (3 / . 338)

حق زوجیت ہبہ کرنے کی شرط پر رجوع میں مذاہب اربعہ

یہ صلح زوجیت کی حالت میں ہونی چاہیے، رہا یہ مسئلہ کہ بیوی کو طلاق دے کر بعد میں اس سے اس شرط پر رجوع کرنا کہ اگر دوسری شادی کر لی تو تم اپنا حق مبیت چھوڑ دو گی۔ مذاہب اربعہ کے جمہور علماء کرام کے ہاں اس طرح رجوع کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ اسے شرط پر معلق کر کے رجوع کیا جائے۔ لیکن بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر شرط پیش کرنے میں خاوند کو کوئی صحیح غرض اور مقصد ہو تو پھر مشروط رجوع کرنا صحیح ہوگا۔ (تبیین الحقائق (4 / 132) اور حاشیۃ الدسوقی (2 / 420) اور مغنی المحتاج (5 / 5) اور المغنی ابن قدامۃ (7 / 405)

کتاب الرضاع

﴿یہ کتاب رضاعت کے بیان میں ہے﴾

کتاب رضاعت کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے رضاعت کے عام مسائل کو محرمات کے باب میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس کے مسائل کی کثرت سے ان کو الگ ذکر کرنا ضروری تھا لہذا رضاعت کے مسائل کیلئے ایک الگ کتاب کے نام سے عنوان ذکر کیا ہے۔ اور اس لئے بھی اس کیلئے الگ مسائل کرنا ضروری تھے کہ دوسرے مسائل سے اختلاط نہ ہو جائے۔

حرمت رضاعت کا سبب وہ ہڈیوں کا پرورش پانا اور گوشت کا بننا ہے۔ اور یہ سبب اسی طرح ہے جس طرح حرمت مصاہرت میں اعلاق سبب ہے۔ جس طرح اعلاق پوشیدہ امر ہے جبکہ اس کا سبب ظاہر ہے لہذا سبب ظاہری کو اعلاق کے قائم مقام کیا گیا ہے اور وہ ظاہری سبب وطی ہے۔

اسی طرح ہڈیوں کا پرورش پانا اور گوشت کا اگنا یہ سبب باطنی ہے جبکہ اس کا ظاہری امر رضاعت ہے لہذا سبب ظاہری یعنی رضاعت کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۱۲۸، بیروت)

مصنف نے کتاب النکاح سے کے بعد رضاعت کی کتاب کو بیان کیا ہے۔ نکاح عمومی احکام میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ رضاعت حرمت نکاح کے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ لہذا حرمت رضاعت احکام نکاح میں سے ایک حکم ہوا۔ جو کسی حد میں محدود ہے۔ اسی سبب کے پیش نظر اس کتاب کو کتاب نکاح سے مؤخر ذکر کیا ہے۔

کتاب نکاح سے اس کی موافقت واضح ہے۔ کہ جس طرح نکاح میں زوجین سے متعلق مسائل واحکام ہیں اسی طرح کتاب الرضاع میں زوجین سے متعلق احکام ومسائل موجود ہیں۔

رضاعت کا فقہی مفہوم

لفظ رضاعت اور اس کے دیگر مشتقات قرآن حکیم میں دس مقامات پر آئے ہیں۔ المعجم الوسیط میں رضاعت کا معنی کچھ یوں بیان ہوا ہے۔ أرضعت الأم: كان لها ولد تُرضِعه.

ماں کا بچے کو دودھ پلانا رضاعت کہلاتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں بچہ کا پیدائش کے بعد پہلے دو سال میں ماں کے سینہ سے دودھ چوسنا رضاعت کہلاتا ہے۔ پیدائش کے بعد بچے کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنی زندگی کی حفاظت اور افزائش کے لیے ماں کے دودھ کے علاوہ کوئی غذا استعمال کرے اس لیے وضع حمل کے بعد عورت کے پستانوں میں قدرتی طور پر دودھ جاری ہو جاتا ہے اور بچہ کے لیے اس کے دل میں پیدا ہونے والی محبت وشفقت اُسے بچہ کو دودھ پلانے پر اُکساتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت پر واجب کیا ہے کہ

وہ بچہ کو پورے دو سال دودھ پلائے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ مدت ہر طرح سے بچہ کی صحت کے لیے ضروری ہے۔

جدید میڈیکل ریسرچ سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بچہ کے جسمانی ونفسیاتی تقاضوں کے پیش نظر دو سال کی مدت رضاعت ضروری ہے۔ یہ اسلام کی آفاقی اور ابدی تعلیمات کا فیضان ہے کہ اہل اسلام کو زندگی کے وہ رہنما اصول ابتداء ہی میں عطا کر دیے گئے جن کی تائید وتصدیق صدیوں بعد کی سائنسی تحقیقات کر رہی ہیں۔

قرآن کے مطابق رضاعت کا بیان

(۱) وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ O

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے، (اور) نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا، پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے (دو برس سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ سے) دودھ پلوانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو انہیں ادا کر دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ (القرآن، البقرة، 2 : 233)

(۲) وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ ۔(النساء، ۲۳) اور تمہاری رضاعی بہنیں (تم پر حرام ہیں)

احادیث کے مطابق رضاعت کا بیان

(۱) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا رضاع سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 94)

(۲) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا گیا کہ حمزہ بن عبدالمطلب کی صاحبزادی سے نکاح کر لیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ میری رضاعی بھتیجی ہے اور رضاعت سے وہی رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 95)

(۳) حضرت ام الفضل بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک دو بار دودھ چوسنا حرام نہیں
: (حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 97)

(۴) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک دو بار دودھ چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر ۹۸)

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ قرآن کریم میں یہ نازل ہوا تھا کہ پھر موقوف ہو گیا کہ حرام نہیں کرتا مگر پانچ یا ... بار دودھ پینا ... کا یقینی علم ہو۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر ۹۹)

رضاعت کی تھوڑی اور زیادہ مقدار کا حکم یکساں ہے

قَالَ ﴿قَلِيلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيرُهُ سَوَاءٌ إِذَا حَصَلَ فِي مُدَّةِ الرَّضَاعِ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ﴾ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يَثْبُتُ التَّحْرِيمُ إِلَّا بِخَمْسِ رَضَعَاتٍ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " :﴿لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ وَلَا الْإِمْلَاجَةُ وَلَا الْإِمْلَاجَتَانِ﴾ " (۱). وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾(۲) الْآيَةَ وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " ﴿يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ﴾(۳) " مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ، وَلِأَنَّ الْحُرْمَةَ وَإِنْ كَانَتْ لِشُبْهَةِ الْبَعْضِيَّةِ الثَّابِتَةِ بِنُشُوءِ الْعَظْمِ وَإِنْبَاتِ اللَّحْمِ لَكِنَّهُ أَمْرٌ مُبْطَنٌ فَتَعَلَّقَ الْحُكْمُ بِفِعْلِ الْإِرْضَاعِ، وَمَا رَوَاهُ مَرْدُودٌ بِالْكِتَابِ أَوْ مَنْسُوخٌ بِهِ.

(۱) اخرجه مسلم في "صحيحه" من حديثين الاول: عن عائشة رضي الله عنها مرفوعا برقم (۱۴۵۰) ۲/ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴) والثاني: في "صحيحه" ۲/ ۱۰۷۴ برقم (۱۴۵۱) عن ام الفضل رضي الله عنها واخرجه ابن حبان عن عبدالله بن الزبير حديثا واحدا۔ (۲) الآية رقم ۲۳ من سورة النساء (۳) اخرجه البخاري في "صحيحه" ۹/ ۱۳۹۔ ۱۴۰ برقم (۵۰۹۹) و مسلم في "صحيحه" ۲/ ۱۰۶۸ برقم (۲/ ۱۴۴۴) من حديث عائشة رضي الله عنها مرفوع۔

ترجمہ

فرماتے ہیں: رضاعت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو برابر ہے جب وہ رضاعت کی مدت میں حاصل ہو تو اس کے ذریعے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: حرمت اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب پانچ گھونٹ پیے جائیں۔ اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "ایک گھونٹ یا دو گھونٹ یا ایک مرتبہ چوسنے یا دو مرتبہ چوسنے سے تو حرمت ثابت نہیں ہوتی"۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے"۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "رضاعت کے ذریعے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب کے ذریعے حرمت ثابت ہوتی ہے"۔ اس حدیث میں

کوئی فصل (یعنی مقدار کی قید) نہیں ہے۔اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے: حرمت جزء ہونے کے اس شبہہ کے ذریعے ثابت ہوتی ہے' جو ہڈیاں بڑھنے اور گوشت کی نشوونما کی نتیجے میں ہوتا ہے' لیکن یہ ایک پوشیدہ معاملہ ہے' لہٰذا حکم کا تعلق دودھ پلانے کے فعل کے ساتھ ہوگا۔امام شافعی نے جو روایت نقل کی ہے یا تو وہ کتاب اللہ کے حکم کی وجہ سے قبول نہیں کی جائے گی یا پھر کتاب اللہ کے حکم کے تحت منسوخ شمار ہوگی۔

دودھ رضاعت کے تعین میں فقہی مذاہب اربعہ

آئمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ تعداد معین نہیں دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہوگئی۔

امام مالک یہی فرماتے ہیں،ابن عمر سعید بن مسیب عروہ بن زبیر اور زہری کا قول بھی یہی ہے، دلیل یہ ہے کہ رضاعت یہاں عام ہے بعض کہتے ہیں تین مرتبہ جب پے تو حرمت ثابت ہوگئی، جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ کا چوسنا یا دو مرتبہ کا پی لینا حرام نہیں کرتا یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے،

امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابوعبیدہ، ابوثور بھی یہی فرماتے ہیں، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ام الفضل، حضرت ابن زبیر، سلیمان بن یسار، سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے بعض کہتے ہیں پانچ مرتبہ کے دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس سے کم نہیں، اس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے قرآن میں دس مرتبہ کی دودھ پلائی پر حرمت کا حکم اترا تھا پھر وہ منسوخ ہو کر پانچ رہ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے تک وہ قرآن میں پڑھا جاتا رہا دوسری دلیل سہلہ بنت سہیل کی روایت ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابو حذیفہ کے مولی تھے پانچ مرتبہ دودھ پلا دیں، حضرت عائشہ اسی حدیث کے مطابق جس عورت کے گھر کسی کا آنا جانا دیکھتیں اسے یہی حکم دیتیں۔

امام شافعی اور ان کے اصحاب کا فرمان بھی یہی ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینا معتبر ہے یہ بھی یاد رہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ رضاعت دودھ چھٹنے سے پہلے یعنی دو سال کے اندر اندر کی عمر میں ہو۔(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 297)

عبداللہ بن مسلمہ، مالک، عبداللہ بن ابی بکر، بن محمد بن عمرو بن حزم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پہلے قرآن پاک میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ دس مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوگی مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اور پانچ مرتبہ دودھ پینا حرمت کے لیے ضروری ٹھہرا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ آیت قرآن میں پڑھی جاتی تھی

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس رضاعت کا اثر رضائی ماں کے خاوند تک بھی پہنچے گا یا نہیں؟ تو جمہور کا اور آئمہ اربعہ کا فرمان تو یہ ہے کہ پہنچے گا اور بعض سلف کا قول ہے کہ صرف دودھ پلانے والی تک ہی رہے گا اور رضائی باپ تک نہیں پہنچے گا اس کی تفصیل کی جگہ احکام کی بڑے بڑی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر (صحیح قول جمہور کا ہے۔

تعدادِ رضاعت میں فقہی حنفی و شافعی کا اختلاف

امام شافعی کی رائے اس بارے میں مختلف ہے۔ ان کے نزدیک حرمت کے ثبوت کے لئے پانچ مرتبہ دودھ پینا شرط ہے۔ امام شافعی نے اپنے موقف کی تائید میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا ہے: "ایک مرتبہ یا دو مرتبہ دودھ پینے سے یا ایک مرتبہ یا دو مرتبہ عورت کے دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی"۔

احناف کے نزدیک اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے"۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مطلق ہے یعنی جس عورت نے دودھ پلایا ہے۔ وہ مرد کے لئے حرام ہو جاتی ہے تو اس کے لئے کوئی شرط نہیں ہے کہ وہ کتنی مرتبہ ہو۔ اسی طرح نبی اکرم e نے بھی مطلق طور پر کسی قید کے بغیر یہ بات ارشاد فرمائی: "رضاعت کے ذریعے وہی ثابت ہوتی ہے جو حرمت نسب کے ذریعے ثابت ہوتی ہے"۔ اس کے بعد مصنف نے اپنے موقف کی تائید میں تیسری دلیل یہ نقل کی ہے: حرمت کی وجہ جز ہونے کا وہ شبہ ہے جو ہڈیوں کی نشوونما اور گوشت کی پیدائش کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے لیکن یہ ایک پوشیدہ صورت ہے اس لیے حکم کا تعلق صرف دودھ پلانے کے فعل کے ساتھ ہوگا۔

۔۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام شافعی نے جو روایت بطور دلیل پیش کی ہے اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ کتاب اللہ کے مطلق حکم کے مقابلے میں اس روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ کتاب اللہ نے مطلق حکم کی جہت [illegible] قرار دیا جائے گا تاہم یہ حرمت رضاعت کی تخصیص مدت سے [illegible] ثابت ہوتی۔

پانچ مرتبہ دودھ پلانے کی رضاعت میں تخصیص و تعمیم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس نے سالم کو بیٹا بنا لیا تھا اور ان سے اپنے بھائی کی بیٹی ہند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ کا نکاح کر دیا تھا اور وہ یعنی سالم ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے (یہ بیٹا بنایا تھا) جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جو شخص کسی کو بیٹا بنا تا لوگ بچے کو اسی کی طرف منسوب کرتے۔ اور (مرنے کے بعد حقیقی بیٹے کی طرح) اس کو اس کا وارث قرار دیتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ آیت نازل فرمائی (اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ) الاحزاب5 : 33۔ تک الدین یعنی ان کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو اللہ کے نزدیک یہی صحیح اور یہی برحقیقت ہے اور اگر تم ان کے باپوں سے ناواقف ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور آزاد کردہ غلام اس حکم کے نزول کے بعد لوگ ہر ایک منہ بولے بیٹے کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارنے لگے اور جس کا باپ معلوم نہ ہو سکا اس کو مولیٰ اور دینی بھائی قرار دیا تو ابوحذیفہ کی بیوی سہلہ بنت سہیل بن عمرو القرشی ثم العامری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم تو سالم کو اپنے حقیقی بیٹے کی طرح ہی سمجھتے تھے اور وہ میرے اور ابوحذیفہ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا تھا (جس طرح اپنے بچے رہتے ہیں) اور وہ مجھ کو گھریلو اور تنہائی کے لباس میں دیکھتا تھا اور اب اللہ نے

منہ بولے بیٹوں کے بارے میں جو حکم فرمایا ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں پس فرمائیے اب ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو اس کو دودھ پلا دے پس انہوں نے پانچ مرتبہ دودھ پلا دیا اس کے بعد وہ اس دودھ پینے کی وجہ سے ان کا رضائی بیٹا سمجھا جانے لگا۔

اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بھتیجیوں بھانجیوں کو اسکو پانچ مرتبہ دودھ پلانے کا حکم فرمائیں جس کو وہ دیکھنا چاہتیں یا یہ چاہتیں کہ وہ ان کے پاس آیا جایا کرے اگرچہ وہ بڑا ہوتا اور اسکے بعد وہ ان کے پاس آتا جاتا لیکن حضرت ام سلمہ اور باقی دیگر ازواج مطہرات اس بات سے انکار کرتیں کہ کوئی ان کے پاس اپنی رضاعت کی بنا پر آیا جایا کرے جب تک کہ بچپن کی رضاعت نہ ہوتی (اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا استدلال میں اس واقعہ کو پیش کرتیں تو) وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتیں بخدا ہم نہیں جانتیں ممکن ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ رخصت صرف سالم کو دی ہو باقی دوسرے لوگوں کو نہیں۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 296)

رضاعت کی شرعی مدت کا بیان

وَيَنْبَغِي اَنْ يَكُوْنَ فِيْ مُدَّةِ الرَّضَاعِ لِمَا نُبَيِّنُ. (ثُمَّ مُدَّةُ الرَّضَاعِ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ ؛ وَقَالَا سَنَتَانِ) وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ .وَقَالَ زُفَرُ : ثَلَاثَةُ اَحْوَالٍ ؛ لِاَنَّ الْحَوْلَ حَسَنٌ لِلتَّحَوُّلِ مِنْ حَالٍ اِلٰى حَالٍ ، وَلَا بُدَّ مِنَ الزِّيَادَةِ عَلَى الْحَوْلَيْنِ لِمَا نُبَيِّنُ فَيُقَدَّرُ بِه .وَلَهُمَا قَوْله تَعَالٰى (وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا)(ا) وَمُدَّةُ الْحَمْلِ اَدْنَاهَا سِتَّةُ اَشْهُرٍ فَبَقِيَ لِلْفِصَالِ حَوْلَانِ .وَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(لَا رَضَاعَ بَعْدَ حَوْلَيْنِ)(ا) " وَلَهُ هٰذِهِ الْاٰيَةُ .وَوَجْهُهُ اَنَّهُ تَعَالٰى ذَكَرَ شَيْئَيْنِ وَضَرَبَ لَهُمَا مُدَّةً فَكَانَتْ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِكَمَالِهَا كَالْاَجَلِ الْمَضْرُوبِ لِلدَّيْنَيْنِ ، اِلَّا اَنَّهُ قَامَ الْمُنْقِصُ فِي اَحَدِهِمَا فَبَقِيَ فِي الثَّانِيْ عَلٰى ظَاهِرِهِ ، وَلِاَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ تَغَيُّرِ الْغِذَاءِ لِيَنْقَطِعَ الْاِنْبَاتُ بِاللَّبَنِ وَذٰلِكَ بِزِيَادَةِ مُدَّةٍ يَتَعَوَّدُ الصَّبِيُّ فِيْهَا غَيْرَهُ فَقُدِّرَتْ بِاَدْنٰى مُدَّةِ الْحَمْلِ ؛ لِاَنَّهَا مُغَيِّرَةٌ ، فَاِنَّ غِذَاءَ الْجَنِيْنِ يُغَايِرُ غِذَاءَ الرَّضِيْعِ كَمَا يُغَايِرُ غِذَاءَ الْفَطِيْمِ ، وَالْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى مُدَّةِ الِاسْتِحْقَاقِ ، وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ النَّصُّ الْمُقَيَّدُ بِحَوْلَيْنِ فِي الْكِتَابِ .

ترجمہ

مناسب یہ ہے: دودھ پلانے کا عمل رضاعت کی مخصوص مدت کے درمیان ہونا چاہئے' اس کی وجہ ہم بیان کریں گے۔ پھر رضاعت کی مخصوص امام ابوحنیفہ کے نزدیک 30 ماہ ہے۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں: یہ دو سال ہے۔ امام شافعی بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ امام زفر یہ فرماتے ہیں: یہ تین سال ہے' اس کی وجہ یہ ہے: ایک سال ایک حالت سے دوسری حالت تک منتقل ہونے کے لئے مناسب وقت ہے' اور دو سال سے زیادہ مدت کا ہونا ضروری ہے' اس کی وجہ ہم بیان کریں گے' تو اس (ایک سال) کو مقرر کیا جائے گا۔ صاحبین کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے''۔ حمل کی مدت کم از کم 6 ماہ ہے' تو دودھ چھڑانے کے لئے باقی دو سال رہ جائیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے: ''دو سال کے بعد رضاعت نہیں ہوتی''(۱)

امام ابوحنیفہ کی دلیل بھی یہی آیت ہے' اس کی صورت یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر کیا ہے اور ان دونوں کے لئے ایک مدت بیان کی ہے' تو یہ مدت مکمل طور پر دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ثابت ہوگی' جیسے دو طرح کے قرض کے لئے ایک مدت بیان کی جائے' تاہم یہاں پر ایک میں کمی کرنے والی دلیل پائی جا رہی ہے تو دوسرا اپنے ظاہر کے مطابق برقرار رہے گا۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: غذا تبدیل ہونے کے لئے یہ بات ضروری ہے تاکہ دودھ کے ذریعے نشوونما منقطع ہو جائے اور اس کے لئے اضافی مدت ضروری ہے۔ جس میں بچہ دوسری خوراک کی عادت بنالے تو اس کے لئے حمل کی کم از کم مدت کو طے کیا گیا ہے' کیونکہ یہ حالت کو تبدیل کرسکتی ہے' کیونکہ ماں کے پیٹ میں موجود بچے کی غذا اس سے مختلف ہوتی ہے' جو دودھ پیتے بچے کی ہوتی ہے' جس طرح دودھ پیتے بچے کی غذا اس بچے سے مختلف ہوتی ہے جس کا دودھ چھڑوا دیا گیا ہو۔

جو حدیث نقل کی گئی ہے وہ اس بات پر محمول ہوگی' اس سے مراد وہ مدت ہے جس کا استحقاق ہے۔ نص کو بھی اسی مفہوم پر محمول کیا جائے گا جو کتاب اللہ میں دو سال کی قید کے ساتھ مذکور ہے۔

(۱) اخرجہ الدارقطنی فی "سننہ" ص ۴۹۸ والبیہقی فی "السنن الکبری" ۴۶۲/۷ عن ابن عباس' وقال الدارقطنی: لم یسندہ عن ابن عیینۃ . غیر الہیثم بن جمیل وھو ثقۃ حافظ' ثم اخرجہ موقوفاً واخرجہ ابن عدی فی "الکامل" ۱۰۳/۷ وقال الہیثم بن جمیل تفرد برفعہ عن ابن عیینۃ وان اصحاب ابن عیینۃ وقفوہ وھوا الصواب انظر "نصب الرایۃ" ۲۱۸/۳۔ ۲۱۹ و "الدرایۃ" ۶۸/۲

مدت رضاعت میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والیوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ پوری پوری مدت دودھ پلانے کی دو سال ہے۔ اس کے بعد دودھ پلانے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے دودھ بھائی پنا ثابت نہیں ہوتا اور نہ حرمت ہوتی ہے۔

اکثر ائمہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے وہ وہی ہے جو دو سال پہلے کی ہو۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کردے اور دودھ

چھوٹنے سے پہلے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اکثر اہل علم صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے، اس کے بعد کی نہیں۔ اس حدیث کے راوی شرط بخاری ومسلم پر ہیں۔ حدیث میں فی الثدی کا جو لفظ ہے اس کے معنی بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں، یہی لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلائی کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں اور انہیں دودھ پلانے والی جنت میں مقرر ہے۔ حضرت ابراہیم کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔

دارقطنی میں بھی ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔ ابن عباس بھی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد یتیمی کا حکم نہیں۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے آیت (وفصالہ فی عامین) الخ، دودھ چھٹنے کی مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے آیت (وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا) یعنی حمل اور دودھ (دونوں کی مدت) تیس ماہ ہیں۔ یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، ان تمام حضرات کا ہے۔

حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت جابر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت اُم سلمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضرت سعید بن المسیب، حضرت عطاء اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔

امام شافعی، امام احمد، امام اسحٰق، امام ثوری، امام ابویوسف، امام محمد، امام مالک رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالک سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی مروی ہیں۔

امام ابوحنیفہ ڈھائی سال کی مدت بتلاتے ہیں۔ زفر کہتے ہیں جب تک دودھ نہیں چھٹا تو تین سالوں تک کی مدت ہے، امام اوزاعی سے بھی یہ روایت ہے۔ اگر کسی بچہ کا دو سال سے پہلے دودھ چھڑوالیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ وہ پیے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہوگیا۔

امام اوزاعی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی سے مروی ہے کہ دودھ چھڑوا لینے کے بعد رضاعت نہیں۔ اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دو سال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھوٹ گیا۔ اس کے بعد جیسے امام مالک کا فرمان ہے، واللہ اعلم، ہاں صحیح بخاری، صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ اس کے بعد کہ، بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں مؤثر جانتی ہیں۔

عطاء اور لیث کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہ جس شخص کا کسی کے گھر زیادہ آنا جانا جانتیں تو وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابوحذیفہ کے مولیٰ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں، حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اور اس رضاعت کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے

جاتے رہتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات اس کا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کیلئے تھا ہر شخص کیلئے یہ حکم نہیں۔

یہی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں، ساتوں فقیہوں، کل کے کل بڑے صحابہ کرام اور تمام امہات المومنین کا سوائے حضرت عائشہ کے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں، رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ۲۳۳)

رضاعت کی شرعی مدت کے بعد حرمت ثابت نہیں ہوتی

قَالَ ﴿وَاِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الرَّضَاعِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ تَحْرِيْمٌ﴾ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "﴿لَا رَضَاعَ بَعْدَ الْفِصَالِ﴾(۱) " وَلِاَنَّ الْحُرْمَةَ بِاعْتِبَارِ النُّشُوْءِ وَذٰلِكَ فِي الْمُدَّةِ اِذِ الْكَبِيْرُ لَا يَتَرَبّٰى بِهِ، وَلَا يُعْتَبَرُ الْفِطَامُ قَبْلَ الْمُدَّةِ اِلَّا فِيْ رِوَايَةٍ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا اسْتَغْنٰى عَنْهُ وَوَجْهُهُ انْقِطَاعُ النُّشُوْءِ بِتَغَيُّرِ الْغِذَاءِ وَهَلْ يُبَاحُ الْاِرْضَاعُ بَعْدَ الْمُدَّةِ؟ فَقِيْلَ لَا يُبَاحُ؛ لِاَنَّ اِبَاحَتَهُ ضَرُوْرِيَّةٌ لِكَوْنِهِ جُزْءَ الْاٰدَمِيِّ.

ترجمہ

فرماتے ہیں: جب رضاعت کی مخصوص مدت گزر جائے تو رضاعت کے ذریعے حرمت ثابت نہیں ہوگی اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: "دودھ چھڑا دینے کے بعد رضاعت نہیں ہوتی"۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے: حرمت نشوونما کے اعتبار سے ہوتی ہے اور یہ رضاعت کی مخصوص مدت میں ہو سکتی ہے' کیونکہ بڑی عمر کے بچے کی نشوونما دودھ کے ذریعے نہیں ہو سکتی۔ مخصوص مدت سے پہلے دودھ چھڑانا معتبر نہیں ہوگا' البتہ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے (کہ معتبر ہوگا) جبکہ بچہ دودھ سے بے نیاز ہو چکا ہو اس کی وجہ یہی ہے: غذا کی تبدیلی کی وجہ سے (دودھ کے ذریعے) اس کی نشوونما کا عمل منقطع ہو چکا ہے۔ مخصوص مدت کے بعد دودھ پلانا مباح ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ مباح نہیں ہے' کیونکہ اس کی اباحت ضرورت کے پیش نظر تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ (دودھ) انسان کا جزء ہے (اور وہ قابل احترام ہوتا ہے)

(۱) رواہ الطبرانی فی "الصغیر" ۲/۲۶۲ من حدیث علی رضی اللہ عنہ و عبدالرزاق فی "مصنفہ" وابن عدی و لبیهقی ۷/۴۶۱ عن علی ایضا من طریق آخر وهو ضعیف۔ واخرجہ ابو داؤد الطیالسی فی "مسندہ" ص ۲۴۳ من حدیث جابر بسند واہ۔ انظر "نصب الرایۃ" ۳/۲۱۹ و "الدرایۃ" ۲/۶۸

حلق میں دودھ ڈالنے سے ثبوت رضاعت میں فقہی مذاہب

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور ناک کے ذریعے دودھ پلانا اور پستان کو منہ لگائے

بغیر بچے کے حلق میں دودھ ڈال دینا بھی رضاعت کی طرح ہی ہے۔

السعوط: ناک کے ذریعہ خوراک دینا، اور الوجور: حلق میں دودھ ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اور ان دونوں طریقوں سے حرمت ثابت ہونے کی روایت میں اختلاف ہے: دونوں روایتوں میں صحیح ترین یہی ہے کہ اس سے بھی اسی طرح حرمت ثابت ہو جاتی ہے جس طرح رضاعت سے ثابت ہوتی ہے۔

شعبی اور ثوری اور اصحاب الرائے کا یہی قول ہے، اور حلق میں ڈالنے کے متعلق امام مالک بھی یہی کہتے ہیں۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ: اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، ابوبکر نے بھی اختیار کیا ہے، اور داود کا یہی مسلک ہے، اور عطاء خراسانی ناک کے ذریعہ دودھ کی خوراک لینے کے متعلق کہتے ہیں یہ رضاعت نہیں، بلکہ اللہ تعالی اور اس کے رسول نے رضاعت سے حرمت ثابت کی ہے۔

اس کی حرمت کی دلیل عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما کی یہ روایت ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے": رضاعت وہی ہے جس سے ہڈی پیدا ہو اور گوشت بنے "اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔

اور اس لیے بھی کہ یہ اس طریقہ سے بھی دودھ وہیں پہنچتا ہے جہاں رضاعت کے لیے پہنچتا ہے، اور اس طرح خوراک لینے سے بھی گوشت بنتا اور ہڈی بنتی ہے جس طرح پستان سے رضاعت میں پیدا ہوتی ہے، اس لیے اسے حرمت میں بھی برابر ہونی چاہیے۔(المغنی(8 / .(139)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ": جب دودھ ایک ہی بار برتن میں نکال لیا جائے یا پھر کئی بار نکالا جائے اور پھر اسے پانچ اوقات میں بچے کو پلایا جائے تو یہ پانچ رضاعت ہونگی، اور اگر ایک ہی وقت میں پلا دیا جائے تو یہ ایک شمار ہوگی، کیونکہ بچے کے پینے کا اعتبار ہوگا، اور اسی سے حرمت ثابت ہوگی، اس لیے اس کا متفرق اور اجتماع کے فرق کا اعتبار کریں۔ الکافی(5 / .(65)

بڑے کیلئے عدم رضاعت میں جمہور فقہاء و علماء کا اجماع

جمہور علماء و فقہاء کے قول کے مطابق بڑے آدمی کو دودھ پلانے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ معتبر رضاعت دو برس کی عمر تک ہوتی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ": وہی رضاعت حرمت پیدا کرتی ہے جس سے انتڑیاں بھریں اور دودھ چھڑانے کی عمر میں سے قبل ہو۔(سنن ترمذی حدیث نمبر(1072) اور سنن ابن ماجہ حدیث نمبر(.(1936)

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ": فی الثدی " کا معنی رضاعت کی مدت ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں ": یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور اکثر اہل علم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ کا اسی پر عمل ہے، کہ رضاعت وہی حرمت ثابت کرتی ہے جو دودھ چھڑانے کی عمر دو برس سے قبل ہو، اور مکمل دو برس کے بعد رضاعت کچھ حرام نہیں کرتی۔

اور صحیح بخاری و مسلم میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں " :رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے تو میرے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا :عائشہ یہ کون ہے؟ تو میں نے عرض کیا :یہ میرا رضاعی بھائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " :اے عائشہ دیکھو کہ تمہارے بھائی کون ہیں، کیونکہ رضاعت بھوک سے ہوتی ہے " صحیح بخاری حدیث نمبر(2453) صحیح مسلم حدیث نمبر(1455).

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں " :معنی یہ ہے کہ تم ذرا غور کرو کہ ایسا ہوا ہے آیا یہ رضاعت صحیح ہے اور اس میں رضاعت کی شروط پائی جاتی ہیں، کہ یہ رضاعت مدت میں ہو اور اس کی مقدار بھی پوری ہو کیونکہ جس رضاعت سے حکم ثابت ہوتا ہے وہی رضاعت ہے جس میں شرطیں مکمل ہوں .

المھلب رحمہ اللہ کہتے ہیں " :اس کا معنی یہ ہے کہ :عورتیں دیکھیں کہ اس اخوت یعنی بھائی ہونے کا سبب کیا ہے، کیونکہ رضاعت کی حرمت تو صغر سنی میں ہوتی ہے حتی کہ رضاعت بھوک کو ستا دے .

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان " :رضاعت تو بھوک سے ہوتی ہے "اس میں علت بیان ہوئی ہے کہ جو غور و فکر اور تدبر کا باعث ہے، کیونکہ رضاعت نسب ثابت کرتی ہے اور دودھ پینے والے بچے کو محرم بناتی ہے اور یہ قول " :المجاعۃ "یعنی جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور عورت کے ساتھ خلوت حلال کرتی ہے وہ اس حالت میں ہے کہ جب بچے کی بھوک دودھ سے ختم ہوتی ہو .

کیونکہ کا معدہ کمزور ہونے کی بنا اس کے لیے صرف دودھ ہی کافی ہوتا ہے، اور اس دودھ سے اس کا جسم نشو و نما پاتا ہے تو اس طرح وہ دودھ پلانے والی عورت کا ایک جزء بن جاتا ہے، اس طرح وہ حرمت میں اس کی اولاد کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے .

گویا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے " :معتبر رضاعت وہ ہے جو بھوک مٹائے، یا بھوک سے خوراک پوری کرتی ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آثار ملتے ہیں کہ بڑے شخص کی رضاعت مؤثر نہیں ہوتی ان میں درج ذیل روایات شامل ہیں :

1 ابو عطیہ الوادعی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما کے پاس آیا اور عرض کی :میرے ساتھ میری بیوی تھی تو اس کا دودھ پستان میں رک گیا میں اسے نکالنے کے لیے منہ سے چوستا اور باہر پھینک دیتا، میں ابو موسی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس گیا اور اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا :وہ تم پر حرام ہو گئی ہے .

راوی بیان کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ اٹھے اور ہم بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو موسی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے :آپ نے اسے کیا فتوی دیا ہے؟ تو انہوں نے جو فتوی دیا تھا وہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کو بتایا تو ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ اس آدمی کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے :کیا آپ اس کو دودھ پینے والا بچہ سمجھتے ہیں؟

بلکہ رضاعت تو وہ ہے جس سے گوشت بنے اور خون پیدا ہو(یعنی جسم نشو و نما پائے) تو ابو موسی رضی اللہ تعالی عنہ کہنے لگے .

جب تمہارے اندر یہ عالم موجود ہیں تو پھر مجھ سے کوئی سوال مت دریافت کیا کرو " اسے عبدالرزاق نے مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر(13895) (7 / 463) میں روایت کیا ہے .

اور سنن ابوداود میں ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما سے یہ الفاظ مروی ہیں " : رضاعت وہ ہے جو ہڈی مضبوط کرے اور گوشت بنائے تو ابوموسی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا : جب تم میں یہ عالم موجود ہوں تو مجھ سے سوال نہ کیا کرو ۔ (سنن ابوداود حدیث نمبر (2059

2 امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں نافع سے روایت کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا " : رضاعت وہی ہے جس نے بچپن میں رضاعت کی اور بڑے کی رضاعت نہیں ہے ۔ (موطا امام مالک (2 / . (603)

3 موطا میں ہی عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ :

ایک شخص عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آیا اور میں بھی دار القضاء کے پاس ان کے ساتھ تھا ، وہ شخص بڑے آدمی کی رضاعت کے متعلق دریافت کرنے لگا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا " : ایک شخص عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آیا اور عرض کی : میری ایک لونڈی ہے اور میں اس سے وطء کرتا ہوں تو میری بیوی نے اسے دودھ پلا دیا ، اور میں جب اس لونڈی کے پاس گیا تو وہ کہنے لگی مجھ سے دور ہی رہو ، اللہ کی قسم مجھے اس نے دودھ پلا دیا ہے .

تو عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے : اپنی بیوی کو مارو ، اور اپنی لونڈی کے پاس جاؤ ، کیونکہ رضاعت تو بچے کی ہوتی ہے " اس کی سند صحیح ہے .

اسی لیے ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں " : رضاعت کی بنا پر حرمت میں شرط یہ ہے کہ یہ رضاعت دو برس کی عمر میں ہو ، اکثر اہل علم کا قول یہی ہے ، اور عمر علی ابن عمر اور ابن مسعود ابن عباس اور ابوہریرہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی ازواج مطہرات سے بھی اسی طرح مروی ہے .

شعبی اور ابن شبرمہ اور اوزاعی ، شافعی اور اسحاق ، ابو یوسف اور محمد اور ابوثور بھی یہی کہتے ہیں ، اور امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے ، اور امام مالک سے مروی ہے کہ اگر ایک ماہ زائد ہو جائے تو جائز ہے ، اور ایک روایت میں دو ماہ کا بھی ذکر ہے .

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں : اڑھائی برس کی عمر میں رضاعت سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے : اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کی عمر اڑھائی سال ہے . یہاں پیٹ کا حمل مراد نہیں ؛ کیونکہ یہ دو برس ہو نگے بلکہ حمل فصال مراد ہے .

اور زفر کہتے ہیں رضاعت کی مدت تین برس ہے . اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی رائے میں بڑے شخص کی رضاعت بھی حرمت کا باعث ہے ، اور عطاء اور لیث اور داود سے بھی یہی مروی ہے ۔ (المغنی ابن قدامہ (8 / . (142)

اس میں ایک اور بھی قول ہے کہ : بڑی عمر میں رضاعت اثر انداز ہو گی ، عائشہ حفصہ رضی اللہ عنہما اور علی رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے، طبرانی نے اسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور قاسم بن محمد وعروہ کی طرف منسوب کیا ہے ۔

اور عطا لیث بن سعد اور ابن حزم کا یہی قول ہے، اور داود ظاہری کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور مالکی حضرات میں سے ابن المواز اس کی طرف مائل ہیں۔(فتح الباری (9 / . 148)

سوم: بڑی عمر میں رضاعت مؤثر ہونے کے قائلین نے مسلم شریف کی درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا غلام سالم ان کے ساتھ ان کے گھر میں رہتا تھا، تو سہلہ بنت سہیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سالم جوان ہو چکا ہے، اور جس طرح مرد سمجھتا ہے سالم بھی وہی کچھ سمجھنے لگا ہے، اور وہ ہمارے پاس آتا جاتا ہے، میرے خیال میں ابو حذیفہ اس کے آنے سے ناراض ہوتے ہیں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم اسے دودھ پلا دو تم اس پر حرام ہو جاؤ گی، اور ابو حذیفہ کے دل میں جو کچھ ہے وہ بھی ختم ہو جائیگا، تو اس نے دوبارہ آ کر بتایا کہ اس نے اسے دودھ پلایا تو ابو حذیفہ کے چہرے سے ناراضگی ختم ہو گئی۔(صحیح مسلم حدیث نمبر (. 1453)

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے " : وہ کہنے لگے : اسے تو داڑھی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اسے دودھ پلا دو ابو حذیفہ کی ناراضگی ختم ہو جائیگی " حذیفہ رضی اللہ عنہ نے منہ بولا بیٹا بنانے کی حرمت نازل ہونے سے قبل سالم کو منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا . حدیث میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ سالم نے دودھ کس طرح پیا اور اسے دودھ کس طرح پلایا گیا، امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح میں رقمطراز ہیں " : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان " : تم اسے دودھ پلا دو " قاضی کہتے ہیں : لگتا ہے کہ اس نے دودھ نکال کر سالم کو پلایا تھا، اور سالم نے سہلہ کے پستان کو نہیں چھویا اور نہ ہی اس کی جسم کو . قاضی کا یہ قول بہتر اور اچھا معلوم ہوتا ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ضرورت وحاجت کی بنا پر اسے چھونے کی بھی اجازت مل گئی ہو جس طرح بڑی عمر کا ہونے کے باوجود رضاعت کی اجازت ملی " واللہ اعلم انتہی

حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسی حدیث کو لیا اور وہ اسے سالم کے لیے خاص نہیں سمجھتیں، لیکن باقی ازواج مطہرات اس کا انکار کرتی ہیں .

مسلم شریف میں ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری بیویوں نے اس رضاعت والے شخص کو اپنے پاس آنے سے انکار کر دیا، اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہنے ۔ اللہ کی قسم ہمارے خیال میں تو یہ سالم کے لیے خاص رخصت تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالم کو دی تھی، لہذا اس رضاعت سے ہمارے پاس کوئی نہیں آ سکتا ۔

(صحیح مسلم حدیث نمبر (. 1454)

ابو داود رحمہ اللہ نے ام المومنین عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس نے سالم کو اپنا منہ بیٹا بنایا ہوا تھا اور اپنے بھائی کی بیٹی یعنی بھتیجی ہند بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے شادی کی اور یہ ایک انصاری عورت

کا غلام تھا، جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، دور جاہلیت میں اگر کوئی شخص منہ بولا بیٹا بناتا تو لوگ اسے اس کی ولدیت دیتے اور اسے اس کی طرف منسوب کر دیتے اور اس کی وراثت کا بھی حقدار ٹھہرتا، حتی کہ اللہ عزوجل نے اس کے متعلق حکم نازل کر دیا :

لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے، پھر اگر تمہیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ (احزاب، ۵)

تو انہیں ان کے حقیقی باپوں کی طرف لوٹا دو، اور جس کے باپ کا علم نہیں تو وہ اس کا دینی بھائی اور دوست ہے ۔ چنانچہ سھلۃ بن سہیل بن عمرو قریشی عامری جو کہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا :

اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم : ہم سالم کو اپنا بیٹا سمجھتے رہے ہیں، اور وہ میرے اور ابو حذیفہ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہے، اور مجھے ایک ہی کپڑے میں دیکھتا ہے، اور اللہ عزوجل نے ان کے متعلق وہ حکم اتارا ہے جو آپ کو بھی علم ہے، لہذا اس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟

تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا : اسے دودھ پلا دو " تو سھلہ نے اسے پانچ رضاعت دودھ پلا دیا اور اس طرح وہ اس کا رضاعی بیٹا بن گیا، اسی بنا پر عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اپنی بھانجیوں اور بھتیجیوں کو حکم دیا کرتی تھی کہ جنہیں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا دیکھنا چاہتی اور اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دینا چاہتیں تو وہ انہیں دودھ پلا دیں چاہے وہ بڑی عمر کا ہی ہوتا، اسے پانچ رضاعت دودھ پلاتیں اور پھر وہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس جاتا تھا، لیکن ام سلمہ اور باقی سب ازواج مطہرات نے اس رضاعت سے اپنے پاس آنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا، حتی کہ وہ بچپن میں دودھ پیے تو پھر اجازت دیتی، اور وہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو کہا کرتی تھیں : ہمیں نہیں معلوم ہو سکتا ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے صرف سالم کے لیے خصوصی اجازت تھی "

سنن ابوداود حدیث نمبر (2061) یہ حدیث صحیح ہے علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح سنن ابوداود میں اسے صحیح قرار دیا ہے ۔

سالم کے واقعہ والی حدیث کا جمہور یہ جواب دیتے ہیں کہ : یہ سالم کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ باقی ازواج مطہرات کا قول ہے، یا پھر یہ منسوخ ہے ۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان دونوں اقوال کو جمع کرتے ہوئے کہا ہے کہ : بڑی عمر میں رضاعت اثر انداز اور معتبر نہیں ہوتی، لیکن جب اس کی ضرورت وحاجت ہو تو پھر اثر انداز ہوگی ۔

الصنعانی رحمہ اللہ " سبل السلام " میں لکھتے ہیں :

" سہلہ اور اس کے معارض دوسری حدیث میں سب سے بہتر اور احسن جمع وہی ہے جو ابن تیمیہ کی کلام ہے ان کا کہنا ہے بچپن کی رضاعت ہی معتبر شمار ہوگی لیکن اگر اس کی ضرورت وحاجت ہو مثلا بڑے شخص کو کسی عورت کے پاس آنے کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو

اور عورت کا اس سے پردہ کرنا مشکل اور مشقت کا باعث ہو جیسا کہ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کے ساتھ سالم کا مسئلہ تھا، تو اس طرح کے بڑے شخص کو ضرورت وحاجت کی بنا پر دودھ پلایا جائے تو رضاعت مؤثر ہوگی، لیکن اس کے بغیر بچپن میں رضاعت ضروری ہے۔

کیونکہ دونوں حدیثوں کے مابین جمع بہتر ہے، اور ظاہری طور پر خاص ہونے اور نہ ہی منسوخ ہونے کی وجہ سے بغیر کسی مخالفت کے اس حدیث پر عمل کرنا بہتر ہے۔ سبل السلام (2 / . (313

اور ابن قیم رحمہ اللہ بھی اسی جمع کی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں " : اسے منسوخ کہنے اور کسی معین شخص کے ساتھ مخصوص قرار دینے سے یہ بہتر ہے، اور دونوں اعتبار سے سب احادیث پر عمل کرنے کے زیادہ قریب ہے، اور شرعی قواعد واصول بھی اس کے شاہد ہیں، اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ زاد المعاد (5 / . (593

حرمت رضاعت حرمت نسب کی طرح ہے

قَالَ ﴿وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ﴾ لِلْحَدِيثِ الَّذِي رَوَيْنَا ﴿إِلَّا أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوزُ﴾ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ النَّسَبِ﴾ ؛ لِأَنَّهَا تَكُونُ أُمَّهُ أَوْ مَوْطُوءَةَ أَبِيهِ ، بِخِلَافِ الرَّضَاعِ ، وَيَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُخْتَ ابْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ ، وَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ مِنَ النَّسَبِ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا وَطِئَ أُمَّهَا حَرُمَتْ عَلَيْهِ ، وَلَمْ يُوجَدْ هَذَا الْمَعْنَى فِي الرَّضَاعِ . ﴿وَامْرَأَةُ أَبِيهِ أَوْ امْرَأَةُ ابْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ لَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا كَمَا لَا يَجُوزُ ذَلِكَ مِنَ النَّسَبِ﴾ لِمَا رَوَيْنَا ، وَذِكْرُ الْأَصْلَابِ فِي النَّصِّ لِإِسْقَاطِ اعْتِبَارِ التَّبَنِّي عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ .

ترجمہ

فرمایا: رضاعت کے ذریعے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے' جو حرمت نسب کے ذریعے ثابت ہوتی ہے' اس کی دلیل وہ حدیث ہے' جسے ہم روایت کر چکے ہیں۔ البتہ رضاعی بہن کی ماں کے ساتھ شادی کرنا آدمی کے لئے جائز ہے' لیکن آدمی اپنی نسبی بہن کی ماں کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا' کیونکہ وہ اس کی اپنی ماں ہو گی یا اس کے باپ کی بیوی ہو گی' جبکہ رضاعت کا حکم اس کے برخلاف ہے۔ یہ بھی جائز ہے' آدمی اپنے رضاعی بیٹے کی بہن کے ساتھ شادی کر لے' اور نسب میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ جب آدمی اس لڑکی کی ماں کے ساتھ صحبت کرے گا تو وہ لڑکی اس کے لئے حرام ہو جائے گی' جبکہ رضاعت میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ رضاعی باپ کی بیوی یا رضاعی بیٹے کی بیوی کے ساتھ شادی کرنا اسی طرح جائز نہیں ہے' جیسے نسب میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے' اس کی دلیل ہم پہلے روایت کر چکے ہیں۔ نسب میں صلبی رشتے داروں کا تذکرہ منہ بولی رشتے داری کا اعتبار ساقط کرنے کے لئے ہے' جیسا کہ ہم یہ

بات بیان کر چکے ہیں۔

حرمت رضاعت کو حرمت نسب پر قیاس کرنے میں احادیث

(۱) حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو رشتے نسب سے حرام کیے ہیں وہی رشتے رضاعت سے بھی حرام کیے ہیں اس باب میں حضرت عائشہ، ابن عباس، ام حبیبہ سے بھی روایت ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1152)

(۲) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام کیے ہیں جو ولادت سے حرام کیے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اسی پر عمل ہے اس مسئلہ میں علماء کا اتفاق ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1153)

(۳) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میرے پاس میرے رضاعی چچا تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے بغیر انہیں اجازت دینے سے انکار کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارے پاس داخل ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ تو تمہارے چچا ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں آپ نے فرمایا انہیں چاہیے کہ وہ تمہارے پاس آ جائیں اس لیے کہ وہ تمہارے چچا ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے کہ انہوں نے رضاعی رشتہ والے مرد کے سامنے ہونے کو مکروہ کہا ہے بعض اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1154)

(۴) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا رضاع سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 94)

(۵) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا گیا کہ حمزہ بن عبدالمطلب کی صاحبزادی سے نکاح کا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ میری رضاعی بھتیجی ہے اور رضاعت سے وہی رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 95)

(۶) ام المومنین حضرت ام حبیبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری بہن عزہ سے نکاح کر لیجئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہیں یہ پسند ہے۔ عرض کیا جی ہاں میں اکیلی تو آپ کے پاس نہیں ہوں (کہ سوکن کو ناپسند کروں آپ کی تو بہت سی ازواج ہیں) اور بھلائی میں میری شرکت کے لئے میری بہن بہت موزوں ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے لئے حلال نہیں۔ عرض کیا کہ ہم میں تو باتیں ہوتی رہتی ہیں کہ آپ درہ بنت ابی سلمہ سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں۔ فرمایا ام سلمہ کی بیٹی۔ عرض کیا جی ہاں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر وہ میری ربیبہ نہ ہوتی تو بھی میرے لئے حلال نہ ہوتی کیونکہ وہ میری رضاعی بھتیجی ہے مجھے اور اس کے والد کو ثوبیہ نے دودھ

پلایا تھا۔ لہٰذا اپنی بہنیں اور بیٹیاں میرے سامنے پیش نہ کیا کرو۔ دوسری سند سے یہی مضمون مروی ہے۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 96)

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے گھر میں ان کے پاس تھے اتنے میں حضرت عائشہ نے ایک مرد کی آواز سنی جو حضرت حفصہ کے گھر جانے کی اجازت چاہتا تھا حضرت عائشہ بولیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون شخص ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جانا چاہتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ فلاں شخص ہے حضرت حفصہ کے رضاعی چچا کا نام لیا جب حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میرا رضاعی چچا زندہ ہوتا تو کیا میرے سامنے آتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں رضاعت حرام کرتی ہے جیسے نسب حرام کرتا ہے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1132)

(۸) حضرت عائشہ نے کہا میرا رضاعی چچا میرے پاس آیا اور مجھ سے اندر آنے کی اجازت مانگی میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھے بغیر اجازت نہ دوں گی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تیرا چچا ہے تو اس کو آنے کی اجازت دے دے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو تو عورت نے دودھ پلایا تھا مرد کا اس سے کیا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تیرا چچا ہے بے شک تیرے پاس آئے گا اور یہ گفتگو اس وقت کی ہے جب آیت حجاب اتر چکی تھی حضرت عائشہ نے کہا جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر ۱۱۳۳)

حرمت رضاعت کے حرمت نسب کی طرح ہونے میں فقہی احکام

جس طرح رضاعت میں نسبی رشتوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اسی طرح رضاعت میں حرمت مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے چنانچہ رضاعی باپ کی بیوی اور رضیع دودھ پینے والے پر حرام ہیں اور رضیع کی بیوی اس کے رضاعی باپ پر حرام ہے اسی دوسرے رشتوں کو بھی قیاس کیا جاتا ہے لیکن دو صورتیں مستثنیٰ ہیں اول تو یہ کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کر لے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے لیکن رضاعت یعنی دودھ کے رشتہ میں یہ جائز ہے کیونکہ کسی شخص کے نسبی بیٹے کی بہن اگر اس کے نطفہ سے ہے تو وہ اس کی حقیقی بیٹی ہوگی اور اگر اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو پھر یہ یعنی اس کی سوتیلی بیٹی ہوگی جب کہ دودھ کے رشتہ میں یہ دونوں باتیں مفقود ہوتی ہیں چنانچہ اگر نسبی رشتہ میں بھی ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی بات نہیں پائی جائے گی تو نکاح درست ہوگا مثلاً کسی ایسی لونڈی کے بچہ پیدا ہوا جو دو آدمیوں کی مشترک مملوکہ ہے اور وہ دونوں شریک اس بچہ پر اپنا دعویٰ کرتے ہیں یہاں تک کہ اس بچہ کا نسب ان دونوں سے ثابت ہو گیا ہے، ادھر ان دونوں کے ہاں اپنی اپنی عورت سے ایک ایک بیٹی ہے تو اب ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے شریک کی بیٹی سے اپنا نکاح کر لے کیونکہ اس صورت میں دونوں باتوں میں اسے ایک بات بھی نہیں پائی گئی باوجودیکہ ان میں سے ...ں نے بھی دوسرے کی بیٹی سے نکاح کیا ہے اس نے گویا اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کیا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: رضاعت کے ذریعے وہ حرمت ثابت ہو جاتی ہے' جو حرمت نسب کے ذریعے ثابت ہوتی ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے' جس کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ تاہم بعض رشتے ایسے ہیں جو نسب کے اعتبار سے حرام ہوتے ہیں' لیکن رضاعت کے اعتبار سے ان کا حکم مختلف ہوتا ہے۔ مصنف نے اس کی مثال یہ دی ہے۔ انسان اپنی رضاعی بہن کی ماں کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے' جبکہ نسبی بہن کی ماں سے نکاح نہیں کر سکتا۔

اس کی صورت یہ ہے: ایک عورت اس لڑکے کی رضاعی ماں ہے اس عورت کا شوہر اس بچے کا رضاعی باپ ہوا اور اس عورت کے شوہر کی دوسری بیوی کی بیٹی اس بچے کی رضاعی بہن ہو گی' لیکن اس بیٹی کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا اس بچے کے لئے جائز ہو گا' جبکہ نسب میں ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ نسب میں اس بچے کی سوتیلی بہن کی ماں' یعنی جو اس کے باپ کی دوسری بیوی ہے' کیونکہ وہ اس کے باپ کی منکوحہ ہے اور باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے' جبکہ رضاعی بہن کی اس ماں کے ساتھ جو رضاعی باپ کی دوسری بیوی ہے' شادی کرنا جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے: آدمی کے لئے یہ بات جائز ہے' اپنے بیٹے کی رضاعی بہن کے ساتھ شادی کرے جبکہ وہ اپنے بیٹے کی نسبی بہن کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا کیونکہ بیٹے کی نسبی بہن یا تو اس شخص کی بیٹی ہو گی یا وہ اس شخص کی بیوی کی' دوسرے شوہر سے بیٹی ہو گی' تو اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی حرام ہو گا' کیونکہ وہ اس لڑکی کی ماں کے ساتھ صحبت کر چکا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: رضاعی باپ کی دوسری بیوی یا رضاعی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہے جس طرح نسبی باپ کی دوسری بیوی یا نسبی بیٹے کی بیوی کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں ہے۔ یہاں پر اعتراض کیا جا سکتا ہے' قرآن نے یہ بات بیان کی ہے۔ ''تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے''۔ تو یہاں پر رضاعی بیٹوں کی بیوی کے حرام ہونے کا ذکر نہیں ہے' تو مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: یہاں صلبی بیٹے کا ذکر کرنا' منہ بولے بیٹے کا حکم ساقط کرنے کے لئے ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے: رضاعی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

لبن الفحل سے حرمت متعلق ہوتی ہے

﴿وَلَبَنُ الْفَحْلِ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيمُ ، وَهُوَ اَنْ تُرْضِعَ الْمَرْاَةُ صَبِيَّةً فَتَحْرُمُ هٰذِهِ الصَّبِيَّةُ عَلٰى زَوْجِهَا وَعَلٰى اٰبَائِهِ وَاَبْنَائِهِ وَيَصِيرُ الزَّوْجُ الَّذِى نَزَلَ لَهَا مِنْهُ اللَّبَنُ اَبًا لِّلْمُرْضَعَةِ﴾ وَفِى اَحَدِ قَوْلَىِ الشَّافِعِيِّ : لَبَنُ الْفَحْلِ لَا يُحَرِّمُ لِاَنَّ الْحُرْمَةَ لِشُبْهَةِ الْبَعْضِيَّةِ وَاللَّبَنُ بَعْضُهَا لَا بَعْضُهُ . وَلَنَا مَا رَوَيْنَا ، وَالْحُرْمَةُ بِالنَّسَبِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فَكَذَا بِالرَّضَاعِ . وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا " : ﴿لِيَلِجْ عَلَيْكِ اَفْلَحُ فَاِنَّهُ عَمُّكِ مِنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (١) " وَلِاَنَّهُ سَبَبٌ لِنُزُولِ اللَّبَنِ مِنْهَا فَيُضَافُ اِلَيْهِ فِى مَوْضِعِ الْحُرْمَةِ

اِحْتِيَاطًا ۔ (۱) اخرجه الستة فی "کتبهم" البخاری فی "صحیحه" ۳۲۸/۹ برقم (۵۲۳۹) و مسلم فی "صحیحه" ۱۰۷۰/۲ برقم (۱۴۴۵)

ترجمہ

"لبن الفحل" کے ساتھ حرمت متعلق ہوتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے: کسی عورت نے کسی بچی کو دودھ پلایا ہو تو یہ بچی اس عورت کے شوہر کے لئے حرام ہوگی اور اس مرد کے آباؤ اجداد کے لئے اور بیٹوں کے لئے بھی حرام ہوگی اور وہ شوہر جس کی وجہ سے عورت کے دودھ اترا ہے اس دودھ پینے والی بچی کا رضاعی باپ بن جائے گا۔ امام شافعی کے ایک قول کے مطابق لبن الفحل حرام نہیں ہوتا' اس کی وجہ یہ ہے: حرمت بعضیت کے شبہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور دودھ عورت کے جسم کا حصہ ہے' مرد کا حصہ نہیں ہے۔ ہماری دلیل وہ روایت ہے جسے ہم روایت کر چکے ہیں۔ نسب میں حرمت دونوں طرف سے ہوتی ہے' تو اسی طرح رضاعت میں بھی ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ ارشاد فرمایا تھا: افلح تمہارے ہاں اندر آ سکتا ہے' کیونکہ وہ تمہارا رضاعی چچا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: مرد عورت کے دودھ اترنے کا سبب ہوتا ہے' تو حرمت کے معاملے میں احتیاط کے پیش نظر حرمت کو اس کی طرف بھی منسوب کیا جائے گا۔

حرمت کے لبن الفحل سے متعلق ہونے میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے لبن الفحل سے حرمت متعلق ہوتی ہے۔ مصنف نے اس کی وضاحت یہ کی ہے: جس عورت نے بچے کو دودھ پلایا اس دودھ کے اترنے کا سبب جو شخص ہے وہ لبن الفحل ہے۔

آگے مصنف نے یہ مثال بیان کی ہے: اگر کسی عورت نے بچی کو دودھ پلایا تو وہ بچی اس عورت کے شوہر کے لئے اور اس شوہر کے آباؤ اجداد کے لئے' اس شوہر کے بیٹوں کو حرام ہو جائے گی' اور وہ شوہر جو اس عورت کے دودھ اترنے کا سبب ہے' وہ اس دودھ پینے والی بچی کا باپ شمار ہوگا۔ امام شافعی سے یہ روایت منقول ہے: ان کے نزدیک حرمت کا تعلق لبن الفحل سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے' اس کی حرمت جزء ہونے کا شبہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور دودھ عورت کا جزء ہے۔ مرد کا جزء نہیں۔ احناف نے اپنے مؤقف کی تائید میں وہ روایت نقل کی ہے' جو پہلے گزر چکی ہے' اور دوسری دلیل یہ نقل کی ہے: نسب میں بھی حرمت دونوں طرف' یعنی میاں بیوی دونوں کی طرف سے ثابت ہوتی ہے' تو رضاعت میں بھی میاں بیوی میں' دونوں طرف سے ثابت ہونی چاہئے۔ احناف نے اپنے مؤقف کی تائید میں اس حدیث کو پیش کیا ہے' جس کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا: تمہارے ہاں گھر آ سکتا ہے' کیونکہ وہ تمہارا رضاعی چچا ہے' یعنی اس سے پردے کی ضرورت نہیں ہے' جس طرح سگے چچا سے پردے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مصنف نے یہ دلیل بیان کی ہے: مرد عورت کے دودھ اترنے کا سبب ہے' اس لئے احتیاط کے پیش نظر حرمت کی نسبت اس کی طرف بھی

کی جائے گی۔

رضاعی بھائی کی بہن نسبی بھائی کی بہن کی طرح ہے

﴿وَيَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ الرَّجُلُ بِاُخْتِ اَخِيْهِ مِنَ الرَّضَاعِ﴾ ؛لِاَنَّهٗ يَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ بِاُخْتِ اَخِيْهِ مِنَ النَّسَبِ وَذٰلِكَ مِثْلُ الْاَخِ مِنَ الْاَبِ اِذَا كَانَتْ لَهٗ اُخْتٌ مِّنْ اُمِّهٖ جَازَ لِاَخِيْهِ مِنْ اَبِيْهِ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا . ﴿وَكُلُّ صَبِيَّيْنِ اجْتَمَعَا عَلٰى ثَدْيٍ وَّاحِدَةٍ لَّمْ يَجُزْ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَّتَزَوَّجَ بِالْاُخْرٰى﴾ هٰذَا هُوَ الْاَصْلُ ؛لِاَنَّ اُمَّهُمَا وَاحِدَةٌ فَهُمَا اَخٌ وَّاُخْتٌ ﴿وَلَا يَتَزَوَّجُ الْمُرْضَعَةَ اَحَدٌ مِّنْ وَّلَدِ الَّتِيْ اَرْضَعَتْ﴾ ؛لِاَنَّهٗ اَخُوْهَا وَلَا وَلَدُ وَلَدِهَا﴾ ؛لِاَنَّهٗ وَلَدُ اَخِيْهَا ﴿وَلَا يَتَزَوَّجُ الصَّبِيُّ الْمُرْضَعُ اُخْتَ زَوْجِ الْمُرْضِعَةِ ؛لِاَنَّهَا عَمَّتُهٗ مِنَ الرَّضَاعَةِ.

ترجمہ

آدمی اپنے رضاعی بھائی کی بہن کے ساتھ شادی کرے تو جائز ہے کیونکہ اس کے لئے یہ بات جائز ہے: وہ اپنے نسبی بھائی کی بہن کے ساتھ شادی کرلے؟ یہ اس طرح ہوگا' جو اس کا بھائی باپ کی طرف سے ہو اور اس بھائی کی بہن اس کی دوسری ماں کی طرف سے ہو' تو باپ کی طرف سے شریک بھائی کے لئے اس لڑکی کے ساتھ شادی کرنا جائز ہوگا۔ وہ دو بچے جنہوں نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہو ان دونوں میں سے کسی ایک کے لئے دوسرے کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ بنیادی اصول ہے' کیونکہ ان دونوں کی ماں ایک ہے تو وہ دونوں بھائی' بہن شمار ہوں گے۔ جس بچی کو دودھ پلایا گیا ہے وہ دودھ پلانے والی خاتون کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ بھی شادی نہیں کرسکتی کیونکہ وہ اولاد اس کے بھائی ہوں گے' اور اس اولاد کی اولاد کے ساتھ بھی شادی نہیں کرسکتی' کیونکہ وہ اس کے بھتیجے بھانجے ہوں گے۔ جس بچے کو دودھ پلایا گیا ہو' وہ دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی بہن کے ساتھ شادی نہیں کرسکتا' کیونکہ وہ عورت اس کی رضاعی پھوپھی ہوگی۔

رضاعی بھائی کی بہن سے اباحت نکاح کا بیان

دودھ شریک بھائی کی بہن سے یعنی جس نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے' جس طرح کہ نسبی رشتہ میں جائز ہے مثلاً زید کا ایک سوتیلا بھائی ہے جس کا نام بکر ہے اور بکر کی ایک اخیافی بہن ہے یعنی دونوں کی ماں تو ایک ہے مگر باپ الگ الگ ہیں تو بکر کی اس اخیافی بہن سے نکاح کرنا زید کے لئے جائز ہوگا جو بکر کا سوتیلا بھائی ہے۔

دودھ شریک بھائی کی ماں (یعنی جس نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہے اس کی ماں) محرمات میں سے نہیں ہے اسی طرح رضاعی چچا رضاعی ماموں رضاعی پھوپھی اور رضاعی خالہ کی ماں بھی محرمات میں سے نہیں۔ اپنی رضاعی پوتی کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے

اسی طرح اپنے رضاعی بیٹے کی دادی اور نانی سے بھی نکاح کرنا جائز ہے۔رضاعی بیٹے کی پھوپھی اس کی بہن کی ماں اس کی بھانجی اور اس کی پھوپھی کی بیٹی سے بھی نکاح کرنا جائز ہے،اسی طرح عورت کو اپنی رضاعی بہن کے باپ اپنے رضاعی بیٹے کے بھائی اپنے رضاعی پوتے کے باپ اور اپنے رضاعی بیٹے کے دادا اور ماموں سے نکاح کرنا جائز ہے جب کہ نسبی رشتہ میں یہ سب محرمات میں سے ہیں جن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا۔

کسی شخص نے اپنی بیوی کو جس کے دودھ اترا ہوا تھا طلاق دیدی پھر اس مطلقہ نے عدت کے دن گزار کر ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور اس دوسرے خاوند نے اس سے جماع کیا تو اس بارے میں علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب اس دوسرے خاوند کے نطفہ سے اس کے بچہ پیدا ہوگا تو اس عورت کے دودھ کا سبب بھی دوسرا خاوند قرار پائے گا اس کے دودھ سے پہلے خاوند کا کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا ہاں اگر دوسرے خاوند سے حاملہ نہیں ہوگی تو اس دودھ کا سبب پہلا ہی خاوند سمجھا جائیگا۔لیکن اگر یہ صورت ہو کہ دوسرے شوہر سے حاملہ تو ہوئی مگر ابھی بچہ پیدا نہیں ہوا ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب تک اس دوسرے شوہر کا بچہ پیدا نہ ہو جائے دودھ پہلے شوہر ہی کا کہلائے گا۔ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن اس سے کبھی بھی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا پھر (بغیر کسی ولادت کے) اس کے دودھ اتر آیا اور وہ دودھ اس نے کسی دوسرے کے بچے کو پلایا تو وہ دودھ اسی عورت کا کہلائے گا اس کے خاوند کا اس دودھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔اس صورت میں اس دودھ پینے والے بچہ اور اس شخص کی اس اولاد کے درمیان جو دوسری بیوی سے ہو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

حرمت رضاعت جس طرح رضاعی ماں یعنی دودھ پلانے والی کی رشتہ داروں میں ثابت ہوتی ہے اسی طرح رضاعی باپ کے رشتہ داروں میں بھی ثابت ہوتی ہے اور رضاعی باپ سے مراد دودھ پلانے والی کا وہ خاوند ہے جس کے جماع کی وجہ سے دودھ اترتا ہے۔

"رضیع" یعنی دودھ پینے والے پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان رضاعی ماں باپ کے اصول یعنی ان کے باپ دادا وغیرہ) اور ان کے فروع یعنی ان کی اولاد خواہ وہ نسبی ہوں یا رضاعی سب حرام ہیں۔یہاں تک کہ اس کے دودھ پینے سے پہلے اس کی رضاعی ماں کے ہاں جو اولاد ہو چکی ہوگی یا اس کے دودھ پینے کے بعد جو اولاد ہوگی اور وہ اولاد خواہ اس کے رضاعی باپ سے ہو خواہ اس کی رضاعی ماں کے کسی دوسرے شوہر سے ہو یا اس کی رضاعی بہن اور بھائی بہن کی اولاد اس کے بھتیجے،بھتیجی اور بھانجے بھانجی ہوں گے،اسی طرح رضاعی باپ کا بھائی اس کا چچا ہوگا رضاعی باپ کی بہن اس کی پھوپھی ہوگی رضاعی ماں کا بھائی اس کا ماموں ہوگا۔رضاعی ماں کی بہن اس کی خالہ ہوگی اور رضاعی ماں کا دادا اور اس کی دادی و نانی رضیع کا دادا اور اس کی دادی و نانی ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ اصول بیان کیا ہے: دو بچے ایک چھاتی پر اکٹھے ہو جائیں تو ان میں سے کسی ایک کے لئے دوسرے کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں ہوگا۔یہاں مصنف نے دودھ کی بجائے لفظ چھاتی استعمال کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے:

بالفرض زید نے ہند کے ساتھ شادی کی تو اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اس بچے کے ہمراہ بکر نے بھی ہند کا دودھ پی لیا تو اب بکر اور زید کا بچہ دونوں رضاعی بھائی ہیں۔ یہاں ہند کے دودھ آنے کا سبب اس کا شوہر زید ہے۔ پھر زید نے ہند کو طلاق دے دی اور ہند نے عمر کے ساتھ شادی کر لی پھر اس کے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی اور خالد نے اس بچے کے ہمراہ ہند کا دودھ پیا تو خالد' عمر کا بچہ' بکر اور اس کے ساتھ دودھ پینے والا زید کا بچہ' یہ چاروں آپس میں رضاعی بھائی ہیں' کیونکہ یہ سب ایک چھاتی پر اکٹھے ہوئے ہیں اور ان کی رضاعی ماں ایک ہے۔

اسی پر مزید جزئیات متفرع کی جاسکتی ہیں۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی بہن کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا' کیونکہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہوگی۔

رضاعت کا دودھ جب پانی میں مل جائے

وَإِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِالْمَاءِ وَاللَّبَنُ هُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ﴾ وَإِنْ غَلَبَ الْمَاءُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ هُوَ يَقُولُ إِنَّهُ مَوْجُودٌ فِيهِ حَقِيقَةً، وَنَحْنُ نَقُولُ الْمَغْلُوبُ غَيْرُ مَوْجُودٍ حُكْمًا حَتّٰى لَا يَظْهَرَ فِي مُقَابَلَةِ الْغَالِبِ كَمَا فِي الْيَمِينِ

ترجمہ

اور جب دودھ پانی کے ساتھ مل جائے اور دودھ غالب ہو' تو اس کے ذریعے حرمت ثابت ہو جائے گی' اور اگر پانی غالب ہو' تو اس کے ذریعے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ امام شافعی کی رائے مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: دودھ اس میں حقیقت کے اعتبار سے موجود ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں: مغلوب کی حیثیت غیر مغلوب کی طرح ہوتی ہے' حکم کے اعتبار سے' یہاں تک کہ وہ غالب کے مقابلے میں ظاہر نہیں ہوتا' جیسا کہ قسم میں ایسا ہوتا ہے۔

اختلاط رضاعت کے فقہی مسائل کا بیان

اگر عورت کا دودھ (کسی جانور مثلاً) بکری کے دودھ میں مخلوط ہو گیا اور عورت کا دودھ غالب ہے تو اس کے پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر عورت نے اپنے دودھ میں روٹی بھگوئی اور روٹی نے دودھ کو جذب کر لیا یا اپنے دودھ میں ستو گھولا' اور پھر وہ روٹی یہ ستو کسی بچہ کو کھلا دیا تو اگر اس میں دودھ کا ذائقہ موجود ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن ذائقہ کی موجودگی کی شرط اسی صورت میں ہے جب کہ اس کو لقمہ لقمہ کر کے کھلایا جائے اور اگر گھونٹ گھونٹ کر کے پلایا گیا تو پھر اگر ذائقہ موجود نہ ہو تب بھی حرمت ثابت ہو جائے گی

اگر عورت کا دودھ پانی یا دوایا جانور کے دودھ میں مخلوط ہو گیا تو اس میں غالب کا اعتبار ہوگا یعنی اگر وہ دودھ غالب ہوگا تو اس کو پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر پانی وغیرہ غالب ہوگا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی) اس طرح اگر عورت کا دودھ کسی بھی پتلی سیال چیز یا کسی بھی جمی ہوئی چیز میں مخلوط ہو جائے تو غالب کا اعتبار ہوگا اور غالب سے مراد یہ ہے کہ اس کا رنگ بو اور ذائقہ تینوں چیزیں یا ان میں سے کوئی ایک چیز محسوس و معلوم ہو۔ اور اگر دونوں چیزیں یعنی دودھ اور وہ چیز جس میں دودھ مخلوط ہو گیا ہے برابر ہوں تو حرمت کا ثابت ہونا ضروری ہو جائے گا کیونکہ دودھ مغلوب نہیں ہے۔

اگر کسی عورت نے اپنے دودھ کا چھاچھ یا دہی یا پنیر اور یا ماوا وغیرہ بنالیا اور اسے کسی بچہ کو کھلا دیا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ اس پر رضاعت یعنی دودھ پینے کا اطلاق نہیں ہوتا۔

بستی و گاؤں کی کسی عورت نے ایک بچی کو دودھ پلایا مگر بعد میں یہ کسی کو بھی یاد و معلوم نہیں رہا کہ وہ دودھ پلانیوالی عورت کون تھی اور پھر اس بستی کے کسی شخص نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح جائز ہو جائیگا۔

عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ بلا ضرورت کسی بچی کو اپنا دودھ نہ پلائیں اور اگر کسی بچہ کو اپنا دودھ پلائیں تو یاد رکھیں یا لکھ لیا کریں عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بلا ضرورت دوسروں کے بچوں کے منہ میں اپنی چھاتی دے دیتی ہیں اور انہیں دودھ پلا دیتی ہیں اور پھر بعد میں انہیں یاد بھی نہیں رہتا کہ کس بچہ کو میں نے اپنا دودھ پلایا ہے اس کی وجہ سے حرمت رضاعت کے احکام کی صریحاً خلاف ورزی ہوتی ہے لہذا اس بارے میں احتیاط ضروری ہے۔

دودھ خواہ پہلے پلایا ہو خواہ بعد میں پلایا گیا ہو حرمت رضاعت بہر صورت ثابت ہو جائے گی پہلے اور بعد میں کوئی فرق نہیں ہو گا لہذا اگر کسی شخص نے ایک شیر خوار بچی سے نکاح کر لیا اور پھر بعد میں اس شخص یعنی خاوند کی نسبی یا رضاعی ماں نے یا بہن نے یا لڑکی نے آکر اس کو اپنا دودھ پلا دیا تو یہ بچی اس شخص کے لئے حرام ہو جائے گی اور اس پر نصف مہر واجب ہوگا لیکن اس نصف مہر کے طور پر جو رقم وہ ادا کرے گا اسے وہ مرضعہ یعنی دودھ پلانیوالی سے وصول کرلے گا بشرطیکہ اس دودھ پلانیوالی نے محض شرارت یعنی نکاح ختم کرانے کے لئے اپنا دودھ پلا دیا ہو اور اگر اس نے شرارت کی نیت سے دودھ نہ پلایا ہو بلکہ وہ بچی بھوک سے بلک رہی تھی اور اس عورت نے ہمدردی کے جذبہ سے اسے دودھ پلا دیا تو پھر خاوند اس سے اپنی رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

کسی شخص نے دو شیر خوار بچیوں سے نکاح کیا اس کے بعد ایک اجنبی عورت نے آکر ان دونوں بچیوں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے دودھ پلا دیا تو وہ دونوں بچیاں شوہر کے لئے حرام ہو جائیں گی اور پھر اس کے بعد وہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے جسے وہ پسند کرے نکاح کرسکتا ہے۔ اور اگر اس کے نکاح میں دو کی بجائے تین بچیاں ہوں اور اس عورت نے ان تینوں کو ایک ساتھ دودھ پلایا تو وہ تینوں حرام ہو جائیں گی اس کے بعد وہ ان تینوں میں سے جس سے چاہے نکاح کرسکتا ہے۔ اور اگر تینوں کو یکے بعد دیگرے پلایا تو پہلی دو تو حرام ہو جائیں گی اور تیسری اس کی بیوی رہے گی اور اگر پہلے تو دو بچیوں کو ایک ساتھ دودھ پلایا اور اس کے بعد تیسری کو پلایا تو بھی یہی حکم ہوگا۔ اور اگر پہلے ایک لڑکی کو پلایا اور بعد میں دو کو ایک ساتھ پلایا تو تینوں حرام ہو جائیں گی اور ان

میں سے ہر ایک بچی کا نصف مہر اس پر واجب ہوگا جسے وہ دودھ پلانے والی سے وصول کرے گا بشرطیکہ اس نے شرارت کی نیت سے دودھ پلایا ہو اور اگر اس کے نکاح میں چار بچیاں ہوں اور اس عورت نے ان چاروں بچیوں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے دودھ پلایا ہو تو چاروں حرام ہو جائیں گی اور اگر پہلے ایک کو اور پھر تین کو ایک ساتھ پلایا ہو تو بھی یہی حکم ہوگا اور اگر پہلے تین کو ایک ساتھ اور بعد میں چوتھی کو پلایا تو چوتھی حرام نہیں ہوگی۔

اگر کسی شخص نے ایک بڑی عورت سے اور ایک شیر خوار بچی سے نکاح کیا اور پھر بڑی نے چھوٹی کو اپنا دودھ پلا دیا تو شوہر کے لئے دونوں حرام ہو جائیں گی اب اگر اس شخص نے بڑی سے جماع نہیں کیا تھا تو اسکو کچھ مہر نہیں ملے گا اور چھوٹی کو اسکا آدھا مہر دینا واجب ہوگا جسے وہ بڑی سے وصول کرے گا بشرطیکہ اس نے شرارت کی نیت سے اسے دودھ پلایا ہو اور اگر اس نے دودھ شرارت کی نیت سے نہیں پلایا تو اس سے کچھ وصول نہیں کیا جائے گا اگرچہ اس بڑی کو یہ معلوم ہو کہ یہ چھوٹی بچی میرے شوہر کی بیوی ہے۔

رضاعت دودھ پلانے کا ثبوت دو باتوں میں سے کسی ایک بات سے ہو جاتا ہے ایک تو اقرار یعنی کوئی عورت خود اقرار کرے کہ میں نے فلاں کو دودھ پلایا ہے اور دوسرے گواہی یعنی گواہ یہ گواہی دیں کہ فلاں عورت نے فلاں بچے کو دودھ پلایا ہے) اور رضاعت کے سلسلہ میں گواہی یا تو دو مردوں کی معتبر ہوتی ہے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی بشرطیکہ وہ عادل ہوں۔

اقرار زوج بطور استحسان سبب تفریق ہے

ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور پھر کہنے لگا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے یا اس کی طرف اسی قسم کے کسی اور رضاعی رشتہ کی نسبت کی اس کے بعد اس نے کہا کہ مجھے وہم ہو گیا تھا میں نے جو کچھ کہا تھا غلط تھا تو استحساناً ان دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرائی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنی اس دوسری بات پر قائم رہے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا غلط ہے) اور اگر وہ اپنی پہلی بات پر قائم رہے اور یہ کہے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ صحیح ہے تو اس صورت میں دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی پھر اس کے بعد وہ اپنی پہلی بات سے انکار کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور اگر عورت نے اپنے خاوند کی اس بات کی تصدیق کر دی تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) اور اگر اس عورت کے ساتھ جماع ہو چکا ہو اور وہ اپنے خاوند کی اس بات کی تصدیق نہ کرے تو مرد پر اس کا پورا مہر اور نفقہ وسکنہ واجب ہوگا۔

اور اگر مرد نے کسی عورت کے بارے میں اس سے نکاح کرنے سے پہلے یہ کہا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے یا رضاعی ماں ہے اور پھر بعد میں کہنے لگا مجھے وہم ہو گیا تھا یا مجھ سے چوک ہو گئی تھی (یعنی میں نے پہلے جو کچھ کہا تھا غلط ہے) تو اس شخص کو اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔ اور اگر اپنی سابقہ بات پر قائم رہا یعنی بعد میں اس نے کہا کہ میں نے جو کچھ پہلے کہا تھا وہ صحیح ہے تو اس صورت میں اس عورت سے اس کو نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر وہ اس کے باوجود نکاح کر لے تو ان دونوں کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی اور اگر وہ اپنے سابقہ اقرار ہی سے مکر جائے (یعنی یہ کہنے لگے کہ میں نے یہ اقرار نہیں کیا تھا کہ یہ میری رضاعی ماں یا بہن ہے) لیکن دو شخص اس بات کی گواہی دیں کہ اس نے اقرار کیا تھا تو پھر اس صورت میں ان کے درمیان جدائی کرادی جانے

گی۔

اگر کسی عورت نے کسی مرد کے بارے میں اقرار کیا کہ یہ میرا رضاعی باپ رضاعی بھائی یا رضاعی بھتیجا ہے لیکن مرد نے اس کا انکار کیا اور اس کے بعد پھر عورت نے بھی اپنے قول کی تردید کی اور کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی تھی تو اس عورت سے نکاح جائز ہو جائیگا اور اسی طرح اگر مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا قبل اس کے کہ وہ عورت اپنے قول کی تردید کرتی تو نکاح صحیح ہوگا۔

اگر کسی مرد نے کسی عورت سے جو اس کے نکاح میں ہو اپنے نسبی رشتہ کا اقرار کیا یعنی یوں کہا کہ یہ عورت میری حقیقی ماں ہے یا حقیقی بہن ہے یا حقیقی بیٹی ہے اور اس عورت کا نسب کسی کو معلوم نہیں ہے نیز وہ مرد یہ صلاحیت رکھتا ہے (یعنی اس کے بارے میں یہ گمان ہوسکتا ہے کہ وہ عورت اس کی ماں یا بیٹی ہو تو) اس مرد سے دوبارہ پوچھا جائے گا اب اگر وہ یہ کہے کہ مجھے وہم ہوگیا تھا یا میں چونکہ گیا تھا، یا میں نے غلط کہا تھا تو استحساناً ان کا نکاح باقی رہے گا اور اگر دوبارہ پوچھے جانے پر اس نے یہ کہا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہی صحیح ہے تو پھر دونوں میں تفریق کرادی جائے گی۔ اور اگر مرد یہ صلاحیت نہیں رکھتا یعنی ان دونوں کی عمر میں اس قدر تفاوت ہے کہ وہ اس بات کا امکان نہیں رکھتا) کہ وہ عورت جس عمر کی ہے اس عمر کی کوئی عورت اس کی حقیقی ماں یا اس کی حقیقی بہن ہو سکے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اور ان دونوں کے درمیان جدائی نہیں کرائی جائے گی اور اگر مرد نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا کہ یہ میری حقیقی لڑکی ہے اور پھر بعد میں اپنی اس بات کی تردید بھی نہیں کی بلکہ اس پر اصرار کرتا رہا حالانکہ لوگوں کو اس لڑکی کا نسب معلوم ہے (یعنی دنیا جانتی ہے کہ یہ لڑکی اس کی نہیں ہے بلکہ دوسرے کی ہے) تو ان دونوں کے درمیان جدائی نہیں کرائی جائے گی اور اسی طرح اگر اس نے یہ کہا کہ یہ میری حقیقی ماں ہے حالانکہ لوگوں کو اس کا نسب معلوم ہے (یعنی سب جانتے ہیں کہ یہ اس کی ماں نہیں ہے) تو اس صورت میں بھی دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرائی جائے گی

اصول جمع میں حرمت رضاعت حرمت نسب کی طرح ہے

اس بارے میں اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں جو ایک دوسرے کی رشتہ دار ہوں اور ایسا رشتہ ہو کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو آپس میں ان دونوں کا نکاح درست نہ ہو خواہ وہ رشتہ نسبی حقیقی ہو یا رضاعی ہو تو ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہوتا لہٰذا جس طرح دو حقیقی یا رضاعی بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے اسی طرح لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضاعی پھوپھی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے ایسے ہی کسی لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضاعی خالہ یا اسی قسم کی کسی اور رشتہ دار کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں کسی عورت اور اس کے پہلے خاوند کی لڑکی کو جو اس عورت کے بطن سے نہیں ہے) بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے کیونکہ اگر اس عورت کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کے شوہر کی اس لڑکی سے اس کو نکاح کرنا جائز ہوگا بخلاف اس کے عکس کے کہ اگر اس لڑکی کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کیلئے اس عورت یعنی باپ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا) اسی طرح کسی عورت اور اس کی باندی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے بشرطیکہ پہلے اس باندی سے نکاح کیا ہو۔

دودھ کے کھانے میں ملنے سے عدم رضاعت

﴿وَاِنْ اخْتَلَطَ بِالطَّعَامِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ﴾ وَاِنْ كَانَ اللَّبَنُ غَالِبًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ .وَقَالَا: اِذَا كَانَ اللَّبَنُ غَالِبًا يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ :قَوْلُهُمَا فِيْمَا اِذَا لَمْ تَمَسَّهُ النَّارُ ، حَتّٰى لَوْ طَبَخَ بِمَا لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا .لَهُمَا اَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْغَالِبِ كَمَا فِي الْمَاءِ اِذَا لَمْ يُغَيِّرْهُ شَيْءٌ عَنْ حَالِهٖ .وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّ الطَّعَامَ اَصْلٌ وَّاللَّبَنُ تَابِعٌ لَّهٗ فِيْ حَقِّ الْمَقْصُوْدِ فَصَارَ كَالْمَغْلُوْبِ ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِتَقَاطُرِ اللَّبَنِ مِنَ الطَّعَامِ عِنْدَهٗ هُوَ الصَّحِيْحُ ؛ لِاَنَّ التَّغَذِّيْ بِالطَّعَامِ اِذْ هُوَ الْاَصْلُ .

ترجمہ

اور جب دودھ کھانے کے ساتھ مل جائے تو اس کے ذریعے حرمت ثابت نہیں ہوگی اگرچہ دودھ غالب ہو یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔صاحبین یہ کہتے ہیں: اگر دودھ غالب ہو تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔مصنف فرماتے ہیں: صاحبین کی رائے اس چیز کے بارے میں ہے جو آگ پر نہ پکی ہو۔اگر اسے آگ پر پکا دیا جائے تو تینوں حضرات کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوگی۔صاحبین کی دلیل یہ ہے: اعتبار غالب چیز کا کیا جاتا ہے جیسا کہ پانی کے بارے میں یہی حکم ہے جبکہ کسی چیز نے اسے اس کی حالت سے تبدیل نہ کیا ہو۔امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: کھانا اصل ہے اور دودھ اس کے تابع ہے مقصود کے اعتبار سے تو یہ مغلوب کی مانند ہوگا۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک صحیح روایت کے مطابق اگر کھانے میں سے دودھ قطروں کی صورت میں ٹپک رہا ہو تو اس بات کا بھی اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ اصل غذا کھانے کے ذریعے حاصل کی جارہی ہے اور وہی اصل ہے۔

اختلاط طعام سے رضاعت میں فقہی اختلاف

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔کہ کھانے میں عورت کا دودھ ملا کر دیا،اگر وہ پتلی چیز پینے کے قابل ہے اور دودھ غالب یا برابر ہے تو رضاع ثابت، ورنہ نہیں اور اگر پتلی چیز نہیں ہے تو مطلقاً ثابت نہیں۔ دودھ کا پنیر یا کھویا بنا کر بچہ کو کھلایا تو رضاع نہیں۔(ردمحتار، کتاب النکاح)

لیکن اگر عورت کا دودھ کھانے کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کے ذریعے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔اگرچہ یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین اس بات کے قائل ہے اگر دودھ غالب ہو تو اس کے ذریعے حرمت ثابت ہو جائے گی۔صاحب ہدایہ نے اس کی وضاحت کی ہے: صاحبین کی یہ رائے اس چیز کے بارے میں ہے جسے آگ پر پکایا نہ گیا ہو لیکن اگر اس چیز کو آگ پر پکایا گیا ہو تو اس کے ذریعے حرمت ثابت نہیں ہوگی یہ بات تمام فقہاء کے قول کے مطابق ہوگی۔صاحبین نے اس موقف کی تائید

میں یہ بات پیش کی ہے: غالب کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ پانی کے ساتھ بھی آپ غالب کا اعتبار کرتے ہیں تو اسی طرح کھانے کی چیز کے اندر بھی غالب صورت کا اعتبار کیا جائے گا' جبکہ کسی چیز نے اس کی حالت کو تبدیل نہ کیا ہو۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: کھانے میں اناج اصل کی حیثیت رکھتا ہے اور دودھ اس کے تابع کی حیثیت رکھتا ہے' مقصود کے اعتبار سے' یعنی مقصود یہ ہے: ہڈیوں کی نشوونما ہونا اور گوشت بننا تو اس حوالے سے کھانا اصل ہے۔اس لئے یہاں دودھ کی حیثیت مغلوب کی مانند ہوگی۔

صحیح روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہاں اس بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا' اگرچہ اس کھانے سے دودھ کے قطرے ٹپک رہے ہوں' کیونکہ اصل غذا' کھانا ہے۔

دودھ کے دوا میں مل جانے کا حکم

﴿وَاِنْ اخْتَلَطَ بِالدَّوَاءِ وَاللَّبَنُ غَالِبٌ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ﴾ ؛ لِاَنَّ اللَّبَنَ يَبْقٰى مَقْصُوْدًا فِيْهِ ، اِذِ الدَّوَاءُ لِتَقْوِيَتِهٖ عَلَى الْوُصُوْلِ ، وَاِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِلَبَنِ الشَّاةِ وَهُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ ﴿وَاِنْ غَلَبَ لَبَنُ الشَّاةِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ﴾ اعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ كَمَا فِى الْمَاءِ .

ترجمہ

اگر دودھ دوائی کے ساتھ مل جائے اور دودھ غالب ہو' تو اس سے یہ حرمت ثابت ہو جائے گی' کیونکہ دودھ کا مقصود ابھی اس میں باقی ہے' کیونکہ دوا اس کو محض تقویت پہنچانے کے لئے ہے۔

جب (عورت کا) دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ مل جائے اور عورت کا دودھ غالب ہو' تو اس کے ذریعے حرمت ثابت ہو جائے گی۔لیکن اگر بکری کا دودھ غالب ہو' تو اس کے ذریعے حرمت ثابت نہیں ہوگی' کیونکہ غالب چیز کا اعتبار کیا جائے گا' جیسا کہ پانی میں بھی یہی حکم ہے۔

شرح

اور جب پانی یا دوا میں عورت کا دودھ ملا کر پلایا تو اگر دودھ غالب ہے یا برابر تو رضاع ہے اور اگر مغلوب ہے تو نہیں۔یونہی اگر بکری وغیرہ کسی جانور کے دودھ میں ملا کر دیا تو اگر یہ دودھ غالب ہے تو رضاع نہیں ورنہ ہے اور دو عورتوں کا دودھ ملا کر پلایا تو جس کا زیادہ ہے اس سے رضاع ثابت ہے اور دونوں برابر ہوں تو دونوں سے۔اور ایک روایت یہ ہے کہ بہرحال دونوں سے رضاع ثابت ہے۔)

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں " :اور اگر رضاعت کے وجود میں یا پھر رضاعت کی تعداد میں شک پیدا ہو جائے کہ آیا اس نے دودھ پیا ہے یا نہیں یا رضاعت کی تعداد مکمل کی ہے یا نہیں؟ تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ اصل عدم رضاعت ہے، اس لیے یقین کو شک سے زائل نہیں کیا جا سکتا۔ (مغنی، کتاب النکاح)

دو عورتوں کے دودھ مل جانے سے حکم رضاعت

(وَإِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ امْرَأَتَيْنِ تَعَلَّقَ التَّحْرِيمُ بِأَغْلَبِهِمَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ) ؛ لِأَنَّ الْكُلَّ صَارَ شَيْئًا وَاحِدًا فَيُجْعَلُ الْأَقَلُّ تَابِعًا لِلْأَكْثَرِ فِي بِنَاءِ الْحُكْمِ عَلَيْهِ (وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ (يَتَعَلَّقُ التَّحْرِيمُ بِهِمَا) ؛ لِأَنَّ الْجِنْسَ لَا يَغْلِبُ الْجِنْسَ فَإِنَّ الشَّيْءَ لَا يَصِيرُ مُسْتَهْلَكًا فِي جِنْسِهِ لِاتِّحَادِ الْمَقْصُودِ .وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي هَذَا رِوَايَتَانِ ، وَأَصْلُ الْمَسْأَلَةِ فِي الْأَيْمَانِ .

ترجمہ

اور جب دو عورتوں کا دودھ مل جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک' جس کا دودھ زیادہ ہوگا' اس کے لئے حرمت ثابت ہو جائے گی' چونکہ وہ سب مل کے ایک چیز کی حیثیت اختیار کر گیا تو تھوڑے کو زیادہ کے تابع بنا دیا جائے گا' تا کہ اس پر حکم کی بنیاد رکھی جا سکے۔ امام محمد اور امام زفر یہ فرماتے ہیں: ان دونوں خواتین کے ساتھ حرمت ثابت ہو جائے گی چونکہ کوئی چیز اپنی ہم جنس چیز پر غالب نہیں آتی۔ مقصود ایک ہونے کی وجہ سے کوئی بھی چیز اپنی جنس کے ساتھ مل کر ہلاک اور معدوم نہیں ہوتی۔ امام ابو حنیفہ سے اس بارے میں دو روایات ہیں اور اصل مسئلے کا تعلق قسموں کے ساتھ ہے۔

تغلیب رضاعت میں فقہاء احناف کا اختلاف

اگر دو عورتوں کا دودھ باہم مل گیا ہے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک اس عورت سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی جس کا دودھ زیادہ اور غالب ہو لیکن حضرت امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دونوں عورتوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی حضرت امام ابو حنیفہ کا ایک قول بھی اسی کے مطابق ہے اور یہی قول زیادہ صحیح اور اقرب الی الاحتیاط ہے اور اگر دونوں عورتوں کا دودھ برابر ہو تو متفقہ طور پر یعنی ان تینوں ائمہ کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ دونوں عورتوں کے ساتھ حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

کنواری لڑکی کے دودھ سے رضاعت کا حکم

﴿وَإِذَا نَزَلَ لِلْبِكْرِ لَبَنٌ فَأَرْضَعَتْ صَبِيًّا تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ﴾ لِإِطْلَاقِ النَّصِّ وَلِأَنَّهُ سَبَبُ

النُّشُوْءِ فَتَثْبُتُ بِهِ شُبْهَةُ الْبَعْضِيَّةِ .

ترجمہ

اور جب کنواری لڑکی کا دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچے کو دودھ پلا دے' تو اس کے ذریعے حرمت ثابت ہو جائے گی' کیونکہ نص کا حکم مطلق ہے۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے: یہ نشوونما کا سبب ہے' تو اس کی وجہ سے بعضیت کا شبہ ثابت ہو جائے گا۔

شرح

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔جب کسی شخص نے کنواری یا بڑھیا کا دودھ پیا بلکہ مردہ عورت کا دودھ پیا، جب بھی رضاعت ثابت ہے۔مگر نو برس سے چھوٹی لڑکی کا دودھ پیا تو رضاع نہیں ہے۔(جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جب عورت نے بچے کے منہ میں چھاتی دی اور یہ بات لوگوں کو معلوم ہے مگر اب کہتی ہے کہ اس وقت میرے دودھ نہ تھا اور کسی اور ذریعہ سے بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ دودھ تھا یا نہیں تو اس کا کہنا مان لیا جائے گا۔بچہ کو دودھ پینا چھڑا دیا گیا ہے مگر اُس کو کسی عورت نے دودھ پلا دیا، اگر ڈھائی برس کے اندر ہے تو رضاع ثابت ورنہ نہیں۔(ردمحتار، کتاب النکاح)

عورت کے مرنے کے بعد اس کا دودھ نکالنے کا حکم

﴿وَإِذَا حَلَبَ لَبَنَ الْمَرْأَةِ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَوْجَرَ الصَّبِيَّ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ﴾ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ ، هُوَ يَقُولُ : الْأَصْلُ فِي ثُبُوتِ الْحُرْمَةِ إِنَّمَا هُوَ الْمَرْأَةُ ثُمَّ تَتَعَدَّى إِلَى غَيْرِهَا بِوَاسِطَتِهَا ، وَبِالْمَوْتِ لَمْ تَبْقَ مَحَلًّا لَهَا ، وَلِهٰذَا لَا يُوجِبُ وَطْؤُهَا حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ . وَلَنَا أَنَّ السَّبَبَ هُوَ شُبْهَةُ الْجُزْئِيَّةِ وَذٰلِكَ فِي اللَّبَنِ لِمَعْنَى الْإِنْشَازِ وَالْإِنْبَاتِ وَهُوَ قَائِمٌ بِاللَّبَنِ ، وَهٰذِهِ الْحُرْمَةُ تَظْهَرُ فِي حَقِّ الْمَيِّتَةِ دَفْنًا وَتَيَمُّمًا . أَمَّا الْحُرْمَةُ فِي الْوَطْءِ لِكَوْنِهِ مُلَاقِيًا لِمَحَلِّ الْحَرْثِ وَقَدْ زَالَ بِالْمَوْتِ فَافْتَرَقَا .

ترجمہ

اور جب عورت کے مرنے کے بعد اس کا دودھ نکال کر' کسی بچے کے منہ میں ڈال دیا جائے' تو اس کے ذریعے حرمت ثابت ہو جائے گی' جبکہ امام شافعی کی رائے مختلف ہے۔وہ یہ فرماتے ہیں: حرمت کے ثبوت میں اصل عورت ہے' پھر اس کے ذریعے دوسرے کی طرف حرمت منتقل ہوتی ہے اور مر جانے کے بعد چونکہ وہ عورت حرمت کا محل نہیں رہی (لہٰذا وہ حرمت منتقل بھی نہیں ہوگی) یہی وجہ ہے: اگر اس مردہ عورت کے ساتھ صحبت کر لی جائے تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔ہماری دلیل یہ ہے

ر ے کا اصل سبب بعضیت کا شبہ ہے اور یہ شبہ گوشت اگانے اور ہڈیاں بڑھانے کے اعتبار سے اس میں موجود ہے اور دودھ کے ساتھ متعلق ہے۔ اور یہ حرمت مردے کے حق میں دفن کرنے اور تیمم کرنے کے حوالے سے ظاہر ہوتی ہے۔ جہاں تک صحبت کرنے کے نتیجے میں جزئیت کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے: یہ عمل اس چیز کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے جو کھیت کا مخصوص مقام ہے اور یہ موت کی وجہ سے ختم ہو گیا ہے لہٰذا دونوں مسئلوں کے درمیان فرق ہوگا۔

وفات مرضعہ کے بعد والے دودھ سے حرمت رضاعت میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف

امام شافعی اس بات کے قائل ہیں کہ ایسی صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوگی وہ یہ فرماتے ہیں: حرمت کے ثبوت کے لئے اصول یہ ہے: جس کا دودھ پیا گیا ہو وہ عورت ہونی چاہئے اور پھر اس عورت کی نسبت سے دوسروں کی طرف وہ حرمت متعدی ہوتی ہے جبکہ انتقال کی وجہ سے وہ عورت حرمت کا محل نہیں رہی ہے یہی وجہ ہے: اگر ایسی عورت کے ساتھ صحبت کر لی جائے تو اس کے نتیجے میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے: حرمت کا بنیادی سبب جزء ہونے کا شبہ ہے اور یہ بات دودھ میں پائی جا رہی ہے کیونکہ دودھ کو پینے کے نتیجے میں نشوونما پائی جائے گی۔

امام شافعی کا یہ کہنا: موت کی وجہ سے عورت حرمت کا محل نہیں رہتی ہے اس کے جواب میں مصنف یہ فرما رہے ہیں: رضاعت کی وجہ سے ثابت ہونیوالی حرمت مردہ عورت کے دفن اور تیمم کے جواز کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے یعنی اس مرحوم عورت نے کسی بچی کو دودھ پلایا تھا پھر اس بچی کی شادی ہوگئی جس کے نتیجے میں وہ مرحوم عورت اس بچی کے شوہر کی رضاعی ساس ہے اور اس بچی کا شوہر اس عورت کا داماد ہے جس کے ساتھ نکاح کرنا اس عورت کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہے یعنی وہ داماد اس کا محرم ہے کیونکہ یہاں رضاعت کے حوالے سے مصاہرت کی نسبت سے حرمت ثابت ہو چکی ہے اب اگر اس عورت کو غسل دینے کے لئے کوئی بھی نہ ہو تو اس بچی کا وہ شوہر جو رضاعت کے حوالے سے مصاہرت کے طور پر اس مرحوم عورت کا محرم ہے وہ اسے تیمم کروا سکتا ہے اور اسے دفن بھی کر سکتا ہے اگر وہ عورت حرمت کا محل نہ ہوتی تو اس داماد کے لئے اسے تیمم کروانے یا اس کے دفن میں شرکت کرنے کا حکم نہ ہوتا۔

امام شافعی نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی تھی: اگر کوئی شخص مردہ عورت کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے تو اس کے نتیجے میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اس کا جواب دیتے ہوئے مصنف یہ کہتے ہیں: صحبت کرنے کے عمل میں جزئیت کا پہلو اس اعتبار سے ہوتا ہے کہ اس عمل کا تعلق یعنی صحبت کے عمل کا تعلق حرث (کھیت یعنی بچہ دانی) سے ہے یعنی اس عمل کے نتیجے میں بچہ پیدا ہو سکتا ہے اور یہ محل عورت کے انتقال کی وجہ سے زائل ہو چکا ہے جبکہ اس کے برخلاف دودھ پینے میں حرمت کا تعلق اس چیز سے ہوتا ہے کہ وہ دودھ گوشت اور ہڈیوں کی نشوونما کرتا ہے اور یہ چیز مرحوم عورت کے دودھ میں بھی پائی جا رہی ہے لہٰذا ان دونوں کا حکم مختلف ہوگا۔

جب رضاعت کا دودھ حقنے کے ذریعے پہنچ جائے

﴿وَاِذَا احْتَقَنَ الصَّبِيُّ بِاللَّبَنِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ﴾ وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ تَثْبُتُ بِهِ الْحُرْمَةُ كَمَا يَفْسُدُ بِهِ الصَّوْمُ .وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الظَّاهِرِ اَنَّ الْمُفْسِدَ فِي الصَّوْمِ اِصْلَاحُ الْبَدَنِ وَيُوجَدُ ذٰلِكَ فِي الدَّوَاءِ .فَاَمَّا الْمُحَرِّمُ فِي الرَّضَاعِ فَمَعْنَى النُّشُوءِ وَلَا يُوجَدُ ذٰلِكَ فِي الْاِحْتِقَانِ ؛لِاَنَّ الْمُغَذِّي وُصُولُهُ مِنَ الْاَعْلٰى .

ترجمہ

اور جب کسی بچے کو دودھ حقنہ کے طور پر دیا جائے تو اس کے ذریعے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔امام محمد سے ایک روایت یہ منقول ہے: اس کے ذریعے حرمت ثابت ہوگی جیسے اس کے ذریعے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ظاہر کے مطابق بنیادی فرق یہ ہے: روزے میں فاسد کرنے والی چیز بدن کی اصلاح ہے اور یہ بات دوا میں پائی جارہی ہے۔جہاں تک رضاعت میں حرمت ثابت کرنے والی چیز ہے' تو وہ نشوونما کا مفہوم ہے اور یہ بات حقنہ میں نہیں پائی جاتی کیونکہ رضاعت اوپر کی طرف سے (معدے تک) پہنچتی ہے۔

شرح

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت کا دودھ اگر حقنہ سے اندر پہنچایا گیا یا کان میں ٹپکایا گیا یا پیشاب کے مقام سے پہنچایا گیا یا پیٹ یا دماغ میں زخم تھا اس میں ڈالا کہ اندر پہنچ گیا تو ان صورتوں میں رضاع نہیں ہے۔

(جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر حقنہ کے طور پر بچے کو عورت کا دودھ دیا جائے تو اس کے نتیجے میں حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ایک روایت کے مطابق امام محمد اس بات کے قائل ہیں کہ اس کے نتیجے میں حرمت ثابت ہو جائے گی جیسا کہ اس عمل کے نتیجے میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔حالانکہ روزے کے فساد اور رضاعت کی حرمت کے درمیان فرق واضح ہے' کیونکہ روزے کو توڑنے والی چیز بدن کی اصلاح ہے اور یہ بات حقنہ میں بھی پائی جاتی ہے جبکہ رضاعت کی حرمت کو ثابت کرنے والی چیز کا تعلق نشوونما سے ہے اور حقنہ کی صورت میں یہ چیز نہیں پائی جاتی کیونکہ نشوونما اس غذا کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے' جو اوپر کی طرف سے یعنی حلق کے راستے سے پہنچائی جاتی ہے۔

مرد کے دودھ اترنے سے عدم رضاعت کا بیان

﴿وَاِذَا نَزَلَ لِلرَّجُلِ لَبَنٌ فَاَرْضَعَ بِهِ صَبِيًّا لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ﴾ ؛لِاَنَّهُ لَيْسَ بِلَبَنٍ عَلَى التَّحْقِيقِ فَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِ النُّشُوءُ وَالنُّمُوُّ ، وَهٰذَا ؛لِاَنَّ اللَّبَنَ اِنَّمَا يُتَصَوَّرُ مِمَّنْ يُتَصَوَّرُ مِنْهُ

الْوِلَادَةُ .

ترجمہ

اور جب کسی مرد کو دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچے کو پلا دے' تو اس کے ذریعے حرمت ثابت نہیں ہوگی' کیونکہ تحقیق کے مطابق یہ درحقیقت دودھ نہیں ہوگا' تو اس کے ساتھ نشوونما کا بھی کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے: دودھ اسی سے متصور ہو سکتا ہے' جو بچے کو جنم دے سکتی ہے۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی مرد کی چھاتی میں دودھ اتر آتا ہے اور کوئی بچہ رضاعت کی عمر میں اسے پی لیتا ہے' تو اس کے نتیجے میں رضاعت ثابت نہیں ہوگی اس کی وجہ یہ ہے: مرد کی چھاتی سے نکلنے والی یہ چیز حقیقت کے اعتبار سے دودھ نہیں ہوتی لہٰذا اس کے ساتھ نشوونما کا بھی کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یہ بات کہ مرد کی چھاتی سے نکلنے والی چیز حقیقت میں دودھ نہیں ہوتی اس کی دلیل یہ ہے: دودھ کا تصور اس وجود میں ہو سکتا ہے' جس سے بچے کو جنم دینے کا تصور کیا جا سکے اور یہ بات خواتین کے ساتھ مخصوص ہے۔

بکری کے دودھ سے عدم رضاعت کا بیان

﴿وَإِذَا شَرِبَ صَبِيَّانِ مِنْ لَبَنِ شَاةٍ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ﴾ ؛لِأَنَّهُ لَا جُزْئِيَّةَ بَيْنَ الْآدَمِيِّ وَالْبَهَائِمِ وَالْحُرْمَةُ بِاعْتِبَارِهَا .

ترجمہ

اور جب دو بچے ایک بکری کا دودھ پیتے ہیں' تو اس کے ذریعے حرمت ثابت نہیں ہوگی' کیونکہ آدمی اور جانوروں کے درمیان جزئیت نہیں ہوتی اور حرمت میں اس (جزئیت کا اعتبار کیا جاتا ہے)

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر دو بچے ایک ساتھ بکری کا دودھ پی لیتے ہیں' تو اس کے نتیجے میں حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ انسانوں اور جانوروں کے درمیان ایک دوسرے کا جزء بننے کی کوئی صورت نہیں ہے اور حرمت میں اس چیز کا اعتبار کیا جاتا ہے' یعنی دودھ پینے والا بچہ اپنی رضاعی ماں کا جزء بن جاتا ہے۔

جب بڑی بیوی نے چھوٹی کو دودھ پلا دیا

وَإِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ صَغِيرَةً وَكَبِيرَةً فَأَرْضَعَتْ الْكَبِيرَةُ الصَّغِيرَةَ حَرُمَتَا عَلَى الزَّوْجِ) ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ جَامِعًا بَيْنَ الْأُمِّ وَالْبِنْتِ رَضَاعًا وَذَلِكَ حَرَامٌ كَالْجَمْعِ بَيْنَهُمَا نَسَبًا (ثُمَّ إِنْ

لَمْ يَدْخُلْ بِالْكَبِيرَةِ فَلَا مَهْرَ لَهَا) ؛ لِأَنَّ الْفُرْقَةَ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا (وَلِلصَّغِيرَةِ نِصْفُ الْمَهْرِ) ؛ لِأَنَّ الْفُرْقَةَ وَقَعَتْ لَا مِنْ جِهَتِهَا ، وَالِارْتِضَاعُ وَإِنْ كَانَ فِعْلًا مِنْهَا لَكِنَّ فِعْلَهَا غَيْرُ مُعْتَبَرٍ فِي إسْقَاطِ حَقِّهَا كَمَا إذَا قَتَلَتْ مُوَرِّثَهَا (وَيَرْجِعُ بِهِ الزَّوْجُ عَلَى الْكَبِيرَةِ إنْ كَانَتْ تَعَمَّدَتْ بِهِ الْفَسَادَ ، وَإِنْ لَمْ تَتَعَمَّدْ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا ، وَإِنْ عَلِمَتْ بِأَنَّ الصَّغِيرَةَ امْرَأَتُهُ) وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَرْجِعُ فِي الْوَجْهَيْنِ.

وَالصَّحِيحُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ ؛ لِأَنَّهَا وَإِنْ أَكَّدَتْ مَا كَانَ عَلَى شَرَفِ السُّقُوطِ وَهُوَ نِصْفُ الْمَهْرِ وَذَلِكَ يَجْرِي مَجْرَى الْإِتْلَافِ لَكِنَّهَا مُسَبِّبَةٌ فِيهِ إمَّا لِأَنَّ الْإِرْضَاعَ لَيْسَ بِإِفْسَادٍ لِلنِّكَاحِ وَضْعًا وَإِنَّمَا ثَبَتَ ذَلِكَ بِاتِّفَاقِ الْحَالِ ، أَوْ لِأَنَّ إفْسَادَ النِّكَاحِ لَيْسَ بِسَبَبٍ لِإِلْزَامِ الْمَهْرِ بَلْ هُوَ سَبَبٌ لِسُقُوطِهِ ، إلَّا أَنَّ نِصْفَ الْمَهْرِ يَجِبُ بِطَرِيقِ الْمُتْعَةِ عَلَى مَا عُرِفَ ، لَكِنَّ مِنْ شَرْطِهِ إبْطَالَ النِّكَاحِ ، وَإِذَا كَانَتْ مُسَبِّبَةً يُشْتَرَطُ فِيهِ التَّعَدِّي كَحَفْرِ الْبِئْرِ ثُمَّ إنَّمَا تَكُونُ مُتَعَدِّيَةً إذَا عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ وَقَصَدَتْ بِالْإِرْضَاعِ الْفَسَادَ ، أَمَّا إذَا لَمْ تَعْلَمْ بِالنِّكَاحِ أَوْ عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ وَلَكِنَّهَا قَصَدَتْ دَفْعَ الْجُوعِ وَالْهَلَاكِ عَنْ الصَّغِيرَةِ دُونَ الْفَسَادِ لَا تَكُونُ مُتَعَدِّيَةً ؛ لِأَنَّهَا مَأْمُورَةٌ بِذَلِكَ وَلَوْ عَلِمَتْ بِالنِّكَاحِ وَلَمْ تَعْلَمْ بِالْفَسَادِ لَا تَكُونُ مُتَعَدِّيَةً أَيْضًا ، وَهَذَا مِنَّا اعْتِبَارُ الْجَهْلِ لِدَفْعِ قَصْدِ الْفَسَادِ لَا لِدَفْعِ الْحُكْمِ .

ترجمہ

جب کوئی شخص کسی کمسن بچی اور ایک بڑی عورت کے ساتھ شادی کرلے اور بڑی عورت کمسن بچی کو دودھ پلادے' تو وہ دونوں شوہر کے لئے حرام ہوجائیں گی' کیونکہ اس صورت میں وہ مرد رضاعی ماں اور بیٹی کو جمع کرنے والا ہوجائے گا' اور یہ بات حرام ہے' جیسا کہ نسب کے اعتبار سے ان دونوں کو اکٹھا کرنا حرام ہے۔ پھر اگر اس مرد نے اس بڑی عورت کے ساتھ صحبت نہیں کی تھی' تو اس عورت کو مہر نہیں ملے گا' کیونکہ علیحدگی اس کی طرف سے پائی جارہی ہے اور یہ اس کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے ہے' جبکہ کمسن بچی کو نصف مہر ملے گا' کیونکہ علیحدگی اس بچی کی طرف سے نہیں پائی جارہی۔ دودھ پینے کا فعل اگرچہ اس کی طرف سے صادر ہوا ہے' لیکن یہ اس کا ایک ایسا فعل ہے' جو اس کے حق کو ساقط کرنے میں معتبر شمار نہیں ہوگا' جیسے وہ نابالغ بچی اپنے مورث کو قتل کردے (تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا)۔

اس بارے میں شوہر بڑی عمر کی بیوی سے وہ رقم وصول کرے گا' اگر اس عورت نے فساد کی نیت سے جان بوجھ کر ایسا کیا ہو اور اگر اس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا' تو اس کے ذمے کوئی ادائیگی لازم نہیں ہوگی۔ اگر وہ یہ بات جانتی تھی کہ وہ کمسن بچی مرد کی بیوی ہے۔ امام محمد سے یہ روایت منقول ہے: دونوں صورتوں میں شوہر اس عورت رقم سے وصول کرے گا' جبکہ صحیح روایت وہی ہے' جو ظاہر روایت میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: اس بڑی عمر کی عورت نے اس چیز کو مؤکد کیا ہے' جو ساقط ہونے کے دہانے پر تھی اور وہ چیز نصف مہر ہے' تو یہ ضائع کرنے کے مترادف ہوگا' لیکن وہ اس بارے میں سبب بننے والی ہے۔ لیکن جہاں تک رضاعت کا تعلق ہے' تو وہ اپنی اصل وضع کے اعتبار سے نکاح کو فاسد کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اتفاقیہ صورت حال کی وجہ سے یہ بات یہاں ثابت ہو رہی ہے۔ یا اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے: نکاح کا فاسد ہونا مہر کے وجوب کا سبب نہیں ہے بلکہ یہ تو اس کے ساقط ہونے کا سبب ہے' کیونکہ عرف کے اعتبار سے نصف مہر متاع کے حوالے سے واجب ہوتا ہے' لیکن اس کے لئے یہ بات شرط ہے کہ نکاح باطل ہو۔

تو جب وہ بڑی عمر کی عورت مشتبہ ہوگی' تو اس میں اس کی زیادتی کو شرط رکھا جائے گا' جیسا کہ کنواں کھودنے کا حکم ہے پھر اگر اس نے زیادتی کی ہے' یعنی وہ نکاح کے بارے میں جانتی تھی اور اس نے جان بوجھ کر دودھ پلا کر اس کو فاسد کرنے کی کوشش کی ہے (تو یہ جرم ہوگا)۔ لیکن اگر وہ نکاح کے بارے میں نہیں جانتی تھی یا نکاح کے بارے میں جانتی تھی لیکن اس کا ارادہ بچی کی بھوک ختم کرنا تھا اور اس کو ہلاک ہونے سے بچانا تھا' نکاح کو فاسد کرنا نہیں تھا' تو اس صورت میں وہ مجرم نہیں ہوگی' کیونکہ وہ اس بات کی پابند تھی۔ اگر وہ نکاح کے بارے میں جانتی تھی لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ اس طرح نکاح فاسد ہو جائے گا' تو بھی وہ مجرم نہیں ہوگی۔ تو یہاں جہالت کا اعتبار قرار دینا فساد کا ارادہ رفع کرنے کے لئے ہوگا حکم کو رفع کرنے کے لئے نہیں ہوگا۔

باہمی رضاعت ازواج میں دونوں بیویوں کی حرمت

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کسی کی دو عورتیں ہیں بڑی نے چھوٹی کو جو شیر خوار ہے دودھ پلا دیا تو دونوں اس پر ہمیشہ کو حرام ہو گئیں بشرطیکہ بڑی کے ساتھ وطی کر چکا ہو اور وطی نہ کی ہو تو دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ بڑی کو طلاق دے دی ہے اور طلاق کے بعد اس نے دودھ پلایا تو بڑی ہمیشہ کو حرام ہو گئی اور چھوٹی بدستور نکاح میں ہے۔ دوم یہ کہ طلاق نہیں دی ہے اور دودھ پلا دیا تو دونوں کا نکاح فسخ ہو گیا مگر چھوٹی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے اور بڑی سے وطی کی ہو تو پورا مہر پائے گی اور وطی نہ کی ہو تو کچھ نہ ملے گا مگر جب کہ دودھ پلانے پر مجبور کی گئی یا سوتی تھی سوتے میں چھوٹی نے دودھ پی لیا یا مجنونہ تھی حالتِ جنون میں دودھ پلا دیا یا اس کا دودھ کسی اور نے چھوٹی کے حلق میں ٹپکا دیا تو ان صورتوں میں نصف مہر بڑی بھی پائے گی اور چھوٹی کو نصف مہر ملے گا پھر اگر بڑی نے نکاح فسخ کرنے کے ارادہ سے پلایا تو شوہر یہ نصف مہر کہ چھوٹی کو دے گا، بڑی سے وصول کر سکتا ہے۔

اور اسی طرح اُس سے وصول کر سکتا ہے جس نے چھوٹی کے حلق میں دودھ ٹپکا دیا بلکہ اُس سے تو چھوٹی اور بڑی دونوں کا نصف نصف مہر وصول کر سکتا ہے جب کہ اُس کا مقصد نکاح فاسد کر دینا ہو اور اگر نکاح فاسد کرنا مقصود نہ ہو تو کسی صورت میں کسی سے نہیں لے سکتا اور اگر یہ خیال کر کے دودھ پلایا ہے، کہ بھوکی ہے ہلاک ہو جائے گی تو اس صورت میں بھی رجوع نہیں۔ عورت کہتی

ہے کہ فاسد کرنے کے ارادہ سے نہ پلایا تھا تو حلف کے ساتھ اس کا قول مان لیا جائے۔ (ردمختار، کتاب النکاح)

اگر بڑی بیوی نے شیر خوار سوکن کو دودھ پلایا تو دونوں حرام ہو جائیں گی اور بڑی سے اگر وطی نہ ہوئی تو اسکا پورا مہر ساقط ہو جائے گا کیونکہ فرقت کی وجہ اس نے پیدا کی ہے اور چھوٹی کو نصف مہر ملے گا کیونکہ اس سے دخول نہیں کیا گیا۔

(درمختار شرح تنویر الابصار، کتاب النکاح)

رضاعت کے بارے میں خواتین کی گواہی کا بیان

﴿وَلَا تُقْبَلُ فِی الرَّضَاعِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مُنْفَرِدَاتٍ وَإِنَّمَا تَثْبُتُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ﴾ وَقَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ: تَثْبُتُ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ إِذَا كَانَتْ مَوْصُوفَةً بِالْعَدَالَةِ؛ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ حَقٌّ مِنْ حُقُوقِ الشَّرْعِ فَتَثْبُتُ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ كَمَنْ اشْتَرَى لَحْمًا فَأَخْبَرَهُ وَاحِدٌ أَنَّهُ ذَبِيحَةُ الْمَجُوسِيِّ. وَلَنَا أَنَّ ثُبُوتَ الْحُرْمَةِ لَا يَقْبَلُ الْفَصْلَ عَنْ زَوَالِ الْمِلْكِ فِی بَابِ النِّكَاحِ وَإِبْطَالُ الْمِلْكِ لَا يَثْبُتُ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ، بِخِلَافِ اللَّحْمِ؛ لِأَنَّ حُرْمَةَ التَّنَاوُلِ تَنْفَكُّ عَنْ زَوَالِ الْمِلْكِ فَاعْتُبِرَ أَمْرًا دِينِيًّا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ

رضاعت میں صرف خواتین کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی بلکہ یہ دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو خواتین کی گواہی کے ذریعے ثابت ہوگی۔ امام مالک یہ فرماتے ہیں: ایک عورت کی گواہی کے ذریعے یہ ثابت ہو جائے گی' جبکہ وہ عورت عدالت کے ساتھ موصوف ہو' کیونکہ حرمت ایک شرعی حق ہے۔ لہٰذا یہ خبر واحد کے ذریعے بھی ثابت ہو جائے گا جس طرح اگر کوئی شخص گوشت خریدتا ہے اور پھر کوئی ایک شخص آ کر اسے یہ بتا دیتا ہے کہ یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے: نکاح کے بارے حرمت کا ثابت ہونا زوال ملک سے علیحدگی کو قبول نہیں کرے گا' اور کسی ملکیت کا زائل ہونا صرف دو مردوں یا ایک مرد اور دو خواتین کی گواہی کے ذریعے ثابت ہو سکتا ہے' جبکہ گوشت کا حکم اس سے مختلف ہے' کیونکہ کوئی چیز کھانے کا حکم ملکیت کے زائل ہونے کے حکم سے مختلف حیثیت رکھتا ہے' تو دینی معاملے میں اس بات کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شہادت رضاعت کا معیار دیگر شہادت شرعی کی طرح ہے

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ رضاع کے ثبوت کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عادل گواہ ہوں اگرچہ وہ عورت خود دودھ پلانے والی ہو، فقط عورتوں کی شہادت سے ثبوت نہ ہوگا مگر بہتر یہ ہے کہ عورتوں کے کہنے سے بھی جدائی

کرلے۔(جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

رضاع کے ثبوت کے لیے عورت کے دعویٰ کرنے کی کچھ ضرورت نہیں مگر تفریق قاضی کے حکم سے ہوگی یا متارکہ سے مدخولہ میں کہنے کی ضرورت ہے، مثلاً یہ کہے کہ میں نے تجھے جدا کیا یا چھوڑا اور غیر مدخولہ میں محض اس سے علیحدہ ہوجانا کافی ہے۔

اگر کسی عورت سے نکاح کیا اور ایک عورت نے آکر کہا، میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اگر شوہر یا دونوں اس کے کہنے کو سچ سمجھتے ہوں تو نکاح فاسد ہے اور وطی نہ کی ہو تو مہر کچھ نہیں اور اگر دونوں اس کی بات جھوٹی سمجھتے ہوں تو بہتر جدائی ہے اگر وہ عورت عادلہ ہے، پھر اگر وطی نہ ہوئی ہو تو مرد کو افضل یہ ہے کہ نصف مہر دے اور عورت کو افضل یہ ہے کہ نہ لے اور وطی ہوئی ہو تو افضل یہ ہے کہ پورا مہر دے اور نان نفقہ بھی اور عورت کو افضل یہ ہے کہ مہر مثل اور مہر مقرر شدہ میں جو کم ہے وہ لے اور اگر عورت کو جدا نہ کرے جب بھی حرج نہیں۔ یونہی تصدیق کی اور شوہر نے تکذیب تو نکاح فاسد نہیں مگر زوجہ شوہر سے حلف لے سکتی ہے اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو تفریق کردی جائے۔(درمختار، کتاب النکاح)

نفاذ رضاعت کے حکم میں عورت کا اختیار

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔ عورت کے پاس دو عادل نے شہادت دی اور شوہر منکر ہے مگر قاضی کے پاس شہادت نہیں گزری، پھر یہ گواہ مرگئے یا غائب ہوگئے تو عورت کو اس کے پاس رہنا جائز نہیں۔ صرف دو عورتوں نے قاضی کے پاس رضاعت کی شہادت دی اور قاضی نے تفریق کا حکم دے دیا تو یہ حکم نافذ نہ ہوگا۔(عالم گیری، کتاب النکاح)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

کسی عورت کی نسبت کہا کہ یہ میری دودھ شریک بہن ہے پھر اس اقرار سے پھر گیا اس کا کہا مان لیا جائے اور اگر اقرار کے ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ بات ٹھیک ہے، سچی ہے، صحیح ہے، حق وہی ہے جو میں نے کہہ دیا تو اب اقرار سے پھر نہیں سکتا، اور اگر اس عورت سے نکاح کر چکا تھا، اب اس قسم کا اقرار کرتا ہے تو جدائی کردی جائے اور اگر عورت اقرار کرکے پھر گئی اگرچہ اقرار پر اصرار کیا اور ثابت رہی ہو تو اس کا قول بھی مان لیا جائے۔ دونوں اقرار کرکے پھر گئے جب بھی یہی احکام ہیں۔(درمختار، کتاب النکاح)

(حرمت رضاعت کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان) جو تفریق جدائی ہوتی ہے وہ قاضی کے حکم کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے اور جب دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کسی میاں بیوی کے درمیان رضاعت کے رشتہ کی گواہی دیں اور اس کی بنیاد پر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کرادے تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو اور اگر جماع ہو چکا ہوگا تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہوگی وہ مہر خاوند پر واجب ہوگا اور نفقہ وسکنہ یعنی کھانے پینے کا خرچ اور رہنے کے لئے مکان واجب نہیں ہوگا۔

اگر دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں نے نکاح ہوجانے کے بعد شادی شدہ عورت کے سامنے گواہی دی اور کہا کہ شوہر

کے ساتھ تمہارا رشتہ رضاعت ثابت ہوتا ہے) تو اس عورت کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ شہادت صحیح ہے بایں طور کہ جس طرح یہ شہادت اگر قاضی کے سامنے دی جاتی تو رضاعت ثابت ہو جاتی اور وہ دونوں کے درمیان تفریق کرا دیتا ہے) اسی طرح جب یہ شہادت عورت کے سامنے آئے گی تو اس کا حکم بھی وہ یہی ہوگا اور اگر رضاعت کی یہ خبر صرف ایک شخص دے اور اس عورت کے دل میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ یہ شخص سچ کہہ رہا ہے تو شوہر سے پرہیز کرنا بہتر ہے لیکن واجب نہیں ہے۔

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اسکے بعد ایک دوسری عورت نے آ کر ان دونوں میاں بیوی سے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اس مسئلہ کی چار صورتیں ہوں گی،

1-اگر دونوں میاں بیوی نے اس عورت کا اعتبار کر لیا تو نکاح فاسد ہو جائیگا اور عورت کو کچھ مہر نہیں ملے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو۔

2-اگر دونوں میاں بیوی نے اس عورت کا اعتبار نہ کیا تو نکاح باقی رہے گا لیکن اگر وہ عورت جس نے رشتہ رضاعت کی خبر دی ہے) عادل ہے تو پھر احتیاط کا تقاضہ یہی ہوگا کہ خاوند اپنی بیوی کو چھوڑ دے اب اگر اس نے چھوڑ دیا تو بہتر ہے کہ خاوند نصف مہر دیدے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ کچھ نہ لے بشرطیکہ چھوڑنا جماع سے پہلے ہو اور اگر چھوڑنے سے پہلے جماع ہو چکا ہو تو مرد کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس کا پورا مہر بھی دیدے اور عدت کے ایام پورے ہونے تک نفقہ وسکنہ بھی دے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ مہر مثل و مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہو وہ لے لے اور نفقہ وسکنہ نہ لے اور اگر خاوند نے بیوی کو نہیں چھوڑا (یعنی اس نے طلاق نہیں دی) تو بیوی کو خاوند کے پاس رہنا جائز ہے اسی طرح اگر دو عورتوں نے یا ایک مرد اور ایک عورت نے یا دو غیر عادل مردوں نے یا غیر عادل ایک مرد اور دو عورتوں نے رضاعت کی گواہی دی تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا یعنی خاوند کے لیے بہتر یہی ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔

.3-اگر خاوند نے اس عورت کا اعتبار کیا اور بیوی نے اعتبار نہیں کیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور مہر دینا واجب ہوگا۔

4-اگر بیوی نے اس عورت کا اعتبار کیا مگر خاوند نے اس کا اعتبار نہیں کیا تو نکاح بحالہ باقی رہے گا لیکن بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاوند سے قسم کھلوائے کہ وہ واقعۃً اس عورت کی بات کو صحیح نہیں سمجھتا) اور اگر خاوند قسم کھانے سے انکار کر دے تو دونوں کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی۔

شہادت رضاعت میں فقہی مذاہب کا بیان

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ عبید بن ابی مریم، اور وہ عقبہ بن حارث سے نقل کرتے ہیں عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عتبہ سے بھی سنی ہے لیکن عبید کی حدیث مجھے زیادہ یاد ہے کہ عقبہ نے کہا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو ایک سیاہ فام عورت آئی اور اس نے کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے پس میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تھا ایک سیاہ فام عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے

اور وہ جھوٹی ہے۔ عقبہ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ پر چہرہ پھیر لیا میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اور آیا اور عرض کیا وہ جھوٹی ہے آپ نے فرمایا کیسے؟ جب کہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ کو پلایا ہے تم اس عورت کو چھوڑ دو۔ حدیث عقبہ بن حارث حسن صحیح ہے کئی راوی یہ حدیث ابن ابی ملیکہ سے اور وہ عقبہ بن حارث سے نقل کرتے ہیں اور اس میں عبید بن ابی مریم کا ذکر نہیں کرتے پھر اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نہیں ہیں کہ تم اس کو چھوڑ دو۔ بعض علماء صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ رضاعت کے ثبوت کے لیے ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یہ اس صورت میں کافی ہے کہ اس عورت سے قسم لی جائے۔ امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ایک عورت کی گواہی کافی نہیں بلکہ زیادہ ہونی چاہییں۔ امام شافعی کا یہی قول ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ان کی کنیت ابومحمد ہے۔ عبداللہ بن زبیر نے انہیں طائف میں قاضی مقرر کیا تھا ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیس صحابیوں کو پایا ہے ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے جارود بن معاذ سے سنا ہے کہ وکیع کے نزدیک بھی رضاعت کے لیے ایک عورت کی گواہی کافی نہیں لیکن اگر ایک عورت کی گواہی سے اپنی بیوی کو چھوڑ دے تو یہ عین تقوی ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1158)

عورت کی شہادت رضاعت میں فقہ مالکی کی دلیل

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ عبید بن ابی مریم نے عقبہ بن حارث سے بیان کیا، اور کہتے ہیں کہ میں نے اس کو عقبہ سے بھی سنا ہے لیکن عبید کی حدیث مجھے زیادہ یاد ہے، عقبہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو ایک حبشن نے آکر کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے فلاں فلاں عورت سے نکاح کیا تھا، لیکن ایک حبشن نے آکر کہا کہ تم دونوں کو میں نے دودھ پلایا ہے، حالانکہ وہ جھوٹی ہے، تو آپ نے میری طرف سے منہ پھیر لیا، میں نے پھر آکر عرض کیا کہ وہ جھوٹی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس بیوی کو کیسے رکھ سکتا ہے حالانکہ وہ حبشن کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، اسے چھوڑ دو، اسماعیل نے شہادت اور درمیان کی انگلی سے اشارہ کر کے بتایا کہ ایوب یوں بیان کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 96)

اختتامی کلمات

امام المحدثین امام بخاری علیہ الرحمہ کی صحیح بخاری کی اس بیان کردہ حدیث کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت کے تصدق سے ہماری کتاب "فیوضات رضویہ فی تشریحات ہدایہ المعروف بہ شرح ہدایہ" کی پانچویں جلد آج بروز جمعرات ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۲ مارچ ۲۰۱۲ء کو پایہ تکمیل تک پہنچ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے۔ کہ امت مسلمہ کے ائمہ حدیث وفقہ جنہوں نے احکام شرعیہ کی وضاحت میں شب وروز کی محنتوں اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی

فرمان ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور نیک بختوں کے بیچ سے اس کتاب کے مؤلف اس کی کمپوزنگ کرنے والے اس کی تصحیح کرنے والے اس کی پروف ریڈنگ کرنے والے اس کے ناشر اور اس کے جملہ قارئین مسلمان بھائیوں کیلئے ذریعہ نجات بنائے۔

محمد لیاقت علی رضوی حنفی بریلوی

چك سنتيكا تحصيل وضلع بہاولنگر

خوشخبری

علماء اہلسنت کی کتب PDF میں
حاصل کرنے کیلئے
تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن
کریں
https://t.me/tehqiqat
گوگل سے ڈاؤن لوڈ کرنے لئے
https://
archive.org/details/
@zohaibhasanattari

طالب دعا زوہیب حسن عطاری